

سید
میرزا محمد

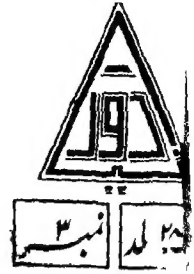
شکر
پاک

در

$\frac{3}{2}$

شاه

مجلہ



۲	اپنی بات
۳	نکلت و رنگ (نظم)
۳	غفلت اللہ سے کانٹا پڑتا ہے اور شاعری
۱۰	عزل
۱۱	آڑیا ڈارے کا ارتقا
۱۶	وطن کی دہریں (نظم)
۱۴	بادشاہ (احسانہ)
۲	ارتقا کا سفر (نظم)
۲۰	رباعیات
۲۱	یسی عطی۔ ایک ناثر
۲۵	مشرق اتریکیش کی ترقی میں ایک اور { اہم کڑی۔ دہری گھاٹ کا تین
۲۸	عزل
۲۸	غزل
۲۹	مثنوی سحر الیاب کا محاکاتی پہلو
۳۲	غزل
۳۳	عزل
۳۵	نیمہ کیوں رات بھر میں آتی (من احیہ)
۳۵	مثنوی پوری دستکاریاں
۴۲	اتر پردیش شاہ راہ ترقی پر
۴۸	نقد و تحصرہ

انگریزوں کے مصائب میں نیک خیالات کا اظہار کیا جا تا ہے مثنوی نہیں کہ حکومت آٹریلیا میں سے ہر سال مقرر ہو

جینٹلمن ۱۸۹۲ء تک

جون ۱۹۰۲ء
جینٹلمن ۱۸۹۲ء تک
سالانہ یا کچھ دے
حتیٰ بجاس پیسے
اسٹینڈ
انور شہید احمد
میلست
مرونی شریا
الاعاءات۔ اتر پردیش

میں
کے در
پڑنگ ویشیز۔ یوپی
مطلب و نقد
اؤنٹ پریس اعیش باغ لکھنؤ
سات ۱۸۹۵ء
الاعاءات۔ اتر پردیش

سفر

مکتوبات

۲	اپنی بات
۳	نکمت درگ (نظم)
۴	عظمت اللہ حال کا نظریہ شاعری اور شاعری
۱۰	غزل
۱۱	اڑیا ڈرامے کا ارتقا
۱۶	وطن کی زمین (نظم)
۱۷	ماد ستاہ (احسانہ)
۲	ارتقا کا سفر (نظم)
۲	رما عیسات
۲۱	سی عطی۔ ایک نادر
۲۵	مستری اور پرستش کی ترقی میں ایک اور {
۲۸	اہم کڑی۔ دہری گھاٹ کا تین
۲۸	غزل
۲۸	غزل
۲۹	شعوی سحر السیان کا محاکاتی پہلو
۳۳	غزل
۳۳	غزل
۳۵	نید کیوں رات بھر نہیں آتی (من احیہ)
۳۵	مسی کوئی دستکار باں
۳۵	اتر پرستش شاہ راہ ترقی پر
۴۲	نقد و قصہ
۴۸	علی جوادی

ان لوگوں کے مضامین میں کچھ خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے، مگر یہ صرف ایک نقطہ نظر ہے، اس لیے اس سے بے جا تنقید نہ کی جائے۔

جستہ ۸۹۳ اشک



۲۸ لکھ نمبر

جون ۱۹۷۲ء

جستہ ۸۹۳ اشک

سالانہ ایک رسالے

حسب یکایک

اسٹیشن

انور شہید احمد

پبلشر

مروئی شرمہ

الاعانت۔ اتر پردیش

پتہ

کٹور

ہینگ ویشی پانی

مطبعہ

اورنٹ پریس ایشیا بنگلہ

ساتھ ساتھ

الاعانت۔ اتر پردیش

اینجی

در مال شریعت راضی نہ ہونے پر ۱۹۷۹ء کو رکنی ہجری حایہ کو بلائی حد معذور کے کی عرص سے الگ الگ دہلی انٹرپرائس ریاستی اسسٹنٹ سیکرٹری کے روٹی آرہی حد ۱۹۷۹ء کی دسے شوہر راجیوی اور تین نامانہ بچوں پر مشتمل ایک حایہ خانہ کے لیے ان علاقوں میں جہاں ریاستی کی سہولت سیرت بہت کم کی زیادہ سے زیادہ ۳۰۰۰ روپیہ شریک کی گئی ہے ۱۰۰ روپیہ کے پھر زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مل دہل اس قانون میں ترمیم کا بل ہے جو ریاست میں گزشتہ گیارہ سال سے مابعد ہے جس کی دسے ۵ افراد پر مشتمل حایہ خانہ کے لیے حد کی حد قسم زمین کے لحاظ سے ۳ تا ۱۳۸ روپیہ تھی۔ لیکن زیر نظر زمین میں بل ہے کہ گھٹا کر ۱۰ روپیہ کر دی گئی ہے ۱۰ روپیہ حایہ خانہ کی تعداد بھی جوت کی انتہائی حد کے مقصد سے ۱۰ سے گھٹا کر کر دی گئی ہے جس میں شوہر اور بیوی کے علاوہ تین نامانہ بچے شامل کیے گئے ہیں۔ البتہ سہولت کے حوالے سے ہر حایہ خانہ میں بلانے لڑکوں کے لیے ۵ روپیہ بلانے کے حساب سے مزید آراہنی رکھے کی احاطہ کی گئی ہے مگر یہ مزید آراہنی مجموعی طور سے ۵ روپیہ سے زیادہ ہوگی۔ غیر ریاستی والے علاقوں میں یہ حد آراہنی والے علاقہ کی حد کی مجموعی اور اماعت کے لحاظ سے ۵ روپیہ ہوگی۔ سب مل گھٹا کر ۱۰ روپیہ سے زیادہ ۳۰۰۰ روپیہ تک ہوگی ہے۔ اس کے علاوہ اس بل کے ذریعے بہت سے تشکیات جو سابقہ قانون میں رکھے گئے تھے مسترد کر دیے گئے ہیں۔

اسی طرح شری حایہ اور انتہائی حد بل ۱۹۷۹ء میں باج افراد پر مشتمل حایہ خانہ کے لیے حایہ کی حد تین لاکھ روپے رکھی گئی ہے اور مزید سہولت بہم پہنچانے کے حوالے سے ہر حایہ خانہ کو فی مال ایک لاکھ روپے کی مرید حایہ اور رکھے کی احاطہ ہوگی۔ مگر رکنی آرہی حد کی طرح تہری حایہ کو ایک سلسلہ میں بھی مزید حایہ راولا روپے سے راکھ پوا چاہیے۔

بہرے اپنا نصف انصاف سہولت سرمایہ اور سہولت میں کے راستے ملک کو ترقی کی حاس کے حایہ اور اسے حسن حال مانا جاتے ہیں جو ترقی کے لیے مجموعی کو سہولت کی تباہی ضروری ہے حاضری ملک کو سہولت کی اقتدار سے محاذ دلا اور اسے آزاد کار کا تھا۔ حصول آزادی اس طرح ہلا قدم تھا۔ دوسرے قدم عدم مساوات اور سماجی و اقتصادی نابرابری کو روکنا ہے اور حد حد کی کورہ دووں قانون اس سمت حاصے شے قدم جو حکومت ترقی پر مشتمل تھا ہے۔

● انٹرپرائس اور اڈا کا ڈیٹے دسے سہولت اور اس کا سہولت دہ کام ہیں جو اسے ایسے قیام کی تفسیل دت کے دواں اہتمام دیے ہیں ان کاموں کی حاس دربر ریاست رائے سماجی دہر بھی سمجھا، سیاست دیکھتی انٹرپرائس اور اڈا کا ڈیٹے کی حد سہولت حاصہ صوبہ شری کے ایک حلقے میں کی جو حال ہی میں گھٹا میں اور دو کسوقول عام سال کے ذریعے اور سہولت دریا ت کے لیے مقصد ہوا تھا اور اڈا کا ڈیٹے اس عرصے میں مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے متعدد دہلی کیلیاں قائم کی ہیں۔ ان دہلی کیلیاں میں علاوہ ۵۰ کیلیاں کے ایک ترحجیات دہلی کیلیاں کی تفسیلی دہلی کیلیاں کی ایک کت حوالہ اور اڈا کا ڈیٹے کو مالی اعلا دیے کی دہلی کیلیاں ایک کتوں برانعام دیے کی۔ دہلی کیلیاں اور ایک مصعین کو مالی اعلا دیے کی دہلی کیلیاں شامل ہے۔ بیشتر دہلی کیلیاں نے ایسا کام شروع کر دیا ہے جو بحالہ اصنام دہلی کیلیاں کی سہولت برانٹرپرائس اور اڈا کا ڈیٹے کی مجلس انتظامیہ نے ار دے کیا مصعین کو مالی کتاوں کو جو کسومسر ۱۹۷۹ء اور ۳۰ نومبر ۱۹۷۹ء کے درمیان شائع ہوئی تھیں مجموعی طور سے جس ہر ارسات سہولت کے انعامات دیے ہیں۔ یہ کتا میں اڈا کا ڈیٹے کی قیام کے بعد ڈاکٹر فرقیات انٹرپرائس کی سہولت کا ڈیٹے کو سہولت ہوئی تھیں۔ ان کتاوں کے علاوہ کا ڈیٹے اور دہلی کی دوسری کتاوں میں انعامات دیے گئے اس سلسلے میں کا ڈیٹے کی حاس سے قواعد و ضوابط اور مزید کتا میں بھی کی تاریخ کا حوالہ قریب اعلان پورے والا ہے۔ ڈاکٹر فرقیات کی سہولت کو سہولت کتاوں یا کا ڈیٹے انعامات دیے ہیں اس کے نام مصعین اور رقم اصنام ہیں جو حاجہ میوودہ آرکٹر ویدیا اختر ۲ روپے، دھان دھما دھما اختر اصاری ۳ روپے، انعامات حاس میو۔ روپے، حوالی انصاف میں حاسات تاویل از ڈاکٹر سلام سہولتی اردیے، یاد کی حوشیو اور سید اصحابی، روپے، لاہور کا حوش کو کیا اور کیا حاش، روپے، گھٹا، انصاف اور حاش شاد اختر روپے، دھند دھند ایک مہول اور حاشاں قدوائی، روپے آج کی سائنس اور ادب حاش لال، روپے، حاش لال اور اڈا کا ڈیٹے، روپے اور حاش سائنس اور عرب اور حاشاں ۵ روپے۔

کت حوالہ اور اڈا کا ڈیٹے کو مالی اعلا دیے کا ڈیٹے کے سہولت حاس ہر دو اجیت طلب کی حاشی گئی اس اشامیں کا ڈیٹے کی خفایت تعلیم کی ماسط سے خود سہولت کو سہولت میں ان پر ملا دیے گئے لائبریری دہلی کیلیاں جو کسومسر ۱۹۷۹ء کی حاشی مصعین کو مالی اعلا دیے گئے دہلی کیلیاں میں حاشہ ہی ضروری اور حد دت کس کی اور ضرورت مصعین کو مالی اعلا دیے گئے سہولت کس کی۔

اور اڈا کا ڈیٹے ان کا حوالہ ہر سہولت سرمایہ سہولت اس ماسط کی ہے کہ اور دہلی کی ترقی سے دہلی کی رکھے والے ایسے سہولت سہولت سے کا ڈیٹے کے ساتھ تعاون کریں تاکہ وہ ایسے حاصہ حاصل کر سکیں اور ماسط کی طرح اور دہلی حاصہ سہولت کو سہولت جو کسومسر ۱۹۷۹ء اور حاش حال بنانے میں ایسا دہلی اور کس کے۔

(ایڈیٹر)

نکھت و رنگ

حبیل مظہری

وے گل سے یہ رنگ گل نے کہا
تو وطن کو چلی بہ دوشیں صبا

اور میں ہوں ہنوز اسیرِ نفس
بچھ کو بھی اپنے ساتھ لیتی چل

پھول کا ہو چکا ہے سینہ جاگت
آچکا اس کی زندگی میں خصل

میں بھی ہماں ہوں چند لمحوں کا
میرا اک لمحہ انتظار تو کر

نفس گل کی تیلیاں ٹٹیں
ہو سارگت تجھے نشاطِ سفر

وے گل بولی اے رفیق مرے!
تجھ میں یک گوہرِ کثافت ہے

یہی اس زندگی کی لعنت ہے
ہے اسی سے ترے قیام کو طول

ایک لمحہ ہو یا کہ دو لمحہ
تھیلی ہے تجھے یہ قیدِ فضول

یوں بھی کیا ہے سوالِ ہم سفری
ہے یہ گلزارِ دو جہاں گلزاری

موجِ عے، موجِ آب، موجِ نسیم
زلزلتِ پُریح و عنبرین کی شمیم

نکت و رنگ ہو کہ بشعلہ و دود
اک سفر ہے یہ کاروانِ وجود

ناملہ کیا ہے ساتھ چلنے کا
جب نہ منزل نہ راستہ معلوم

کس کی منزل کہاں ہو کیا معلوم
ہم کہاں، تو کہاں، خدا معلوم

عین ممکن ہے یہ کہ ہم اپنے دوست
ہوں گرفتارِ زلفِ مشکیں میں

تو مفید ہو ریشِ رنگیں میں
بھرے کیا سود ہم حسنی کا

ہر اثر اس جہانِ فانی کا
اک مرتع ہے بستے یانی کا

ہم تو ملتے ہی ہیں بھٹرنے کو
تیز ہیں بحرِ دقت کے دھائے

میں چلی، الفراق، اے پیلا

عظمت اللہ خاں کا نظریہ شاعری اور شاعری

نشیور سردر

[مبادد ماجہ ۱۹۱۷ء میں عظمت اللہ خاں کے نظریات شاعری پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ذیل نظر حصے میں اس کی

شاعری سے بحث کی گئی ہے۔ — ایڈیٹر]

مروجہ کی روح اگر میرے حلوں سے جدا گمان نہ ہو تو میں
اسی گردن زدنی صفت سخن کا یہ ستر پڑھوں۔

کیا تھا شعر کو پردہ سخن کا

بہی آہ کو ٹھہرا فن ہمارا

اچھے شاعر کا فن اس کا شعر ہے اس کی نثر اسے سمجھے میں

مزدور دے سکتی ہے لیکن اسے غلط سمجھنے میں بھی مدد دے سکتی

ہے۔ خاص طور پر جب شاعر باغی اور رومانی ہو عظمت اللہ خاں

کی رومانی سفاکی غزل سے زیادہ ان کی اپنی شاعری پر ظلم کرتی ہے۔

یہ رومانی نے ان کی عقل سے وہ بڑا کام لینا چاہتی ہے جس کے

وہ اہل نہیں ایک خوبصورت شعر کے لیے یہ کم نصیبی زیادہ عیب

بھی نہیں عظمت اللہ خاں میں اقدار بصیرت اور فلسفیانہ رجحان

نہیں ہے۔ مگر سخن کی ایک خوبصورت دنیا تخلیق کرنے کی صلاحیت

ہے۔ یہ دنیا محبت کی مختصر دنیا ہے۔

فحش اور عظیم شاعری جذبہ فکر کا استخراج ہوتی ہے اس میں

درد و دل کے گھمبے، فکر و حکمت کے دزن کی وجہ سے اسی مادی

حسبیت کے آس پاس پکتے ہیں، غیر مادی یا مادی نہیں ہو جاتا

ہیں۔ پوری زندگی کی ترجمان شاعری بہت معصوم اور رومانی

نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں عقل و حکمت کا بھی حسن ہے۔ غور و فکر

نے بھی اسے سنوارا ہے۔ اس لیے زندگی کی عکاس شاعری میں اپنا

دور، ماضی، مستقبل، ان کے تفکرات، یادداشت اور تجربات ہوتے

ہیں۔ لیکن ایسی شاعری جس میں بچپن کی یادیں، بوجھالی کے رومانی چہرے

رہ گئی اور حسن کو چھوٹے اور پائے کی لذت اور تنہا ہو یا شادی کے بعد

اپنے گھر کی پاک ستر میں ہوں، خوبصورت اور حقیقی ہونے کی فلسفیانہ

عور و فکر کی شرا نہیں رکھتی۔ ان کیضیاتی مسظروں کا عکاس ہماری

دیکھ ڈیا کے ایک خوبصورت حصے کا عکاس ہونا چاہیے جس انسان

گناہ محبت میں معصوم نظر آئے عظمت اللہ خاں کی کافی نظمیں اسی

معصوم محبت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی خوبصورت مسطرہ ہیں۔ وہ اس

شعری دنیا کی تخلیق کرتے ہیں جس میں موہنی صورت موہنے والی،

پیارا بیا را گھر اپنا، نن موہن بن روحی آتما کے سورج کی مرے حسن

کے لیے کہیں مرے، 'دام میں یاں نہ آئے،' محبت کی ماری سستی

شاعرہ روپاتی، 'بالی بیوی سے' وہ پھول ہوں جس کا پھل نہیں

'مجھے محبت کا یاں کوئی کھیل نہ ملا،' انھیں یاد ہو کہ زیادہ ہو 'بیرنگ'

کی رات دکن میں، 'بھی خوبصورت نظمیں ہیں

عظمت اللہ خاں نے خوبصورت دونوں کی خوبصورت یادوں کی

شعری کہانی لکھی ہے۔ ان کی کہانی یادوں کی کہانی ہے جو بچپن کی

محبت سے عبارت ہے۔ اس معصوم محبت کی نرم و گرم جھیلیاں ہم

مجھے ٹیٹھی نطرت سے دیکھے دریا مجھے کھیل میں بھی۔ دکھی کیا
اس محنت کی نیکرے بچپن ہی میں ایسے دل میں کسی کو رابا تھا۔
جسے سرمیں تمھارا ہی دھیاں سا مری چاہ کے راج ڈلا رہے بنے
تھیں دیوتا ماں کے میں سے رکھا جری بھولی ہی آنکھوں کا تار سے
اس کی چچی نے اس بیار کو ادھر دے دی
مرا جیتو ابھی سب اس یہ دریا یہ بھولی ہے موی میری مو
یہ جی کا کہا رہے دل سے مسادیں دوڑ گیا مہلے مہلے یہ ہو

اسی مات کے گھر میں جیسے جوسسہ کچھ بکے تھے کہ تمھاری دھنیں
مجھے تھنے بھی ایسے لگا کے گلے کئی مار کما۔ میری بیاری دھنیں
لکس "تایا" گھر کی معصوم دُسا کے علاوہ باہر کا رما بھی دیکھے
تھے۔ اکھوں سے ایسے ہو ہمارے لڑکے کے کسے کوئی اویسی گھرا ہوا دھوڑ
لیا۔ اس درد کی کلنے بھی ایسی آنکھوں سے سب کچھ دکھا۔ شادی
کے کاموں میں ایسا کھوئی کہ ڈیا کو اس کے بیار کا گناں تک۔ ہوا
لیکن درد کی یہ ہوا رٹے رٹے جنگلوں کو کھٹسا دیتی ہے۔ گنگا کی
وجہ کل تک جنگل مقلد کرتی۔ نیچے نیچے دہاں سیر گئی جہاں بیت کی
آگ سارے تن کو جلا رہی ہے۔ آخری وقت ہے

مرا آخری وقت ہے آں لگا کوئی اور ہے تمھاری پیاری دھنیں
مجھے اب بھی تمھارا ہی دھیاں لگا یہی یہ رہی ہوں تمھاری دھنیں
عطت اللہ کی جس لٹھوں میں بیار کی اتنا کھیلے کو دنے کے
دونوں سے ہے، اُن میں دونوں کی معصوم کشتی ہے۔ بھری ہوئی جوانی کی
ہلک اور مل کی ایک ہیں۔ نہ اتنی غور طلب ہے کہ اتنے جوانی
یا میں جوانی میں وصال ہیں ہوتا۔ مگر وجود رہی ہوتی کہ خواہ وہ
تایا کی رما نہ ساری سے ہو یا ڈیا کی رکھا ڈا اور درج ثانی کی
بے وفائی سے، مگر یہ روکے اٹکلان حوں کی گرت میں نہیں ہیں۔
اُن کے یہاں ثانی محنت کا وہ دیوانہ میں ہیں مگر اسی دُسیا میں
رہ کر پیار کرنا ہے۔ یہاں کے ساتھ ساتھ سماجی اور اخلاقی تصور
اھیں اینا دیلی مسوس کر رہا ہے، صدا کر جانے ماصط کرتے کرتے
حاکم ہو جاتے پر محمود کرتا ہے اس طرح عیس کی سرشاریاں حواتی

کی بار اُردو میں دیکھتے ہیں۔ غفلت اللہ نہیں عیس کی اس
شیا میں لے جاتے ہیں جہاں معصومیت، بے فکری اور بھولی
سہانی یادیں ہیں۔ دو تین گھروں کا آس میں میل جول۔ اینٹیں
بٹا کر بنائی ہوئی کھڑکی۔ عیس کے کھیل۔ گڑو یا گڑو کی شادی۔
کچھ بھولی جھوٹے روتے۔ روتیوں کی عبرتوں کی کشش۔ یہ تصویریں
بہلی بار کا میاں کی کے ساتھ غفلت اللہ کی نظم تمھیں یاد ہو کہ یہ یاد ہو،
میں ملتی ہیں۔

تھے بڑی ہی ہم یہ یہ حال تھا کہ گھروں میں کھڑکی سائی تھی
تھے عزیز ہم۔ یہ خیال تھا کوئی سے نہ ہم میں یرائی تھی
تمھیں یاد ہو کہ یہ یاد ہو
یہ وہ لڑائیاں سہی کبھی کبھی روٹھنا، کبھی مس گئے
ابھی کٹیاں تو مایاب ابھی ابھی چٹکیاں ابھی تھپتھپے
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ تمھاری گڑو یا کی شادیاں وہ مرا برات کا انتظام
مرا براجہ مٹی کا سیٹیاں بڑا شور و غلڑی دھوم دھما
تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

لیکن تعلیم اس بیار کو دما دیا۔ محبت وہی ہے جو جی میں
دبے تو جڑ پکڑ جائے۔ جب دونوں کے راستے بھی جدا جدا
ہوئے اس وقت بھی کچپن کی یاد میں بن کر دلوں میں بسی رہی۔
بیار اُن کے یہاں درد کے کوئل کی طرح کچپن میں پھوٹتا ہے درد جوانی
تک درد کا تجربہ جاتا ہے۔ اس درد میں نہ وہ جنون و دیوانہ پن
ہے جو سادی دُنیا سے الگ کر کے روایتی بھجوں اور لیلیٰ بنا دے،
بلکہ یہاں درد و محبت کا جہاں میں روشنی کا نقشہ ہے کہ گاہے گلے
کچپن میں جھٹکتا رہتا ہے۔ کچھ پیٹ کا بال کوئی پھل نہ ملا بھی
عورت کی ذہنی کا نغمہ ہے۔ وہ محنت جو اپنے خاندان کے
لوٹ کے روتیوں کے درمیان کھیل ہی کھیل میں اپنے "تایا کے پوتے"
سے ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو پہچان گئے۔ اُسی لوٹ کی زبان
سے کہیں۔

تھے تو باسے ہی تم یہ تمام کو بڑا مرا دھیاں۔ کسی کی مجال تھی

اس نوحوان کے یہاں محنت کا قصور حاصل ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ روح جسم کا اتصال بے بس کی اس ریا کاری پر اس کے جی میں آیا۔

مستے جی میں آئی یہ گھوٹ دوں بے وفا کا کھلا
خون کا گھوٹ لی گئی میں وہاں سے جلائے کہر چلا
دام میں یاں نہ کہے۔ دل نہ یہاں لگایے

یہ بات پوری یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اُن کے یہاں بغیر اس سے واسطہ نہ رکھیں، تماشے، انھیں میں دو بچوں کا روحانی بیار اُن کی سب سے عزیز یادیں ہیں لیکن عمت اللہ حال ایک دلی گرم اور دہیں مدال رکھتے ہیں۔ اُن کے یہاں لظوں کے کردار رومانی آئیے ہیں نہ ہی کسیر تجیل زدہ ہیں۔ تجیل، رومان اور حقیقت کا عکس اُن کے کرداروں کی زندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں کیسایت کا دہرا نہیں ہے بلکہ مختلف تکلیفیں ہیں، ہ فارمولا ہے کہ مرد بے وفا ہوتا ہے یا عورت با وفا ہوتی ہے۔ ایک نظم میں ہم نے مد کی بے وفائی دیکھی تو دوسری میں عورت کی عبادت اس طرح غلط اللہ کے یہاں واقعات اور کردار کا تصور اپنی مخصوص ڈی ماسیاں ہے لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ وہ صرف محبت کے متاع ہیں، محبت جو حقیقت میں معصیت ہے: جوانی میں جہک ہے۔ بے وفائی میں درد اور حقیقت میں امر ہے۔ یہی محنت میاں، بیوی کے رویہ میں ایک خوش حالی گھبراتی ہے۔ بچپن کی یادوں اور جوانی کی رومانی محنت سے اُن کا قدم اور آگے بڑھتا ہے اب وہ میاں بیوی کی محبت کو اپنے ستری قصوں کا نغمہ ساتے ہیں۔ عظمت اللہ اپنی تمام نایندہ نظموں میں رومانی نظر سے زندگی کی حقیقتوں کو دیکھتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں بچپن سے لے کر گھر بس جائے تک کی اُس زندگی کی پُرکوش عکاسی ہے جو محنت اور محسن کی زندگی ہے۔ ان کا مزاج رومانی لے کا اظہار ہے اس رومانی معصویت میں ذہانت یا کتاہی رہنائی سے شامل کی ہوئی زندگی کی سنجیدہ حقیقتوں کا امتزاج غیر فطری ہوتا ہے۔ رومانی لہر کا یہ دھماکا حسن، جوانی اور اپنے گھر کے محدود حلقے میں رہ کر سچا ہے کہ اس میں تجربہ کی سچائی ہے، اظہار کی سادگی

بیک آتے آتے اکثر تزیین سکھ میں بدیل ہو جاتی ہیں۔
'مرے خُسن کے کون لے مرے' ایک ایسی ہی لڑکی کی داستان ہے جس نے دل و جان سے اپنے محبوب کو چاہا ہے اور ایسا سب کچھ اس پر تار کر دیا ہے۔

مری چاہ لی۔ مرا دل لیا جو طلب کیا وہ تمھیں دیا
خون ہی خُسن سے مرے دل بھرا وہ بھری نگاہ وہ دل بھرا
مرے خُسن کے لیے کیوں مرے
ہیں لئے تھے تمھیں یوں مرے

لڑکے کی بے وفائی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اے مرد طلب خُسن و جسم بھی۔ وہ بے وفا تھا۔ مگر لڑکی وفا کی تیلی تھی۔ اس بے وفائی سے موت تو کیا کرتی تھا۔ تک۔ نہ سکی۔

تمھیں چاہ اور کی حسب ہوئی مری وہ بہت تیرا بھی
مگر اگر وہ ضرور تھی تمھیں دیکھ لیتی کبھی کبھی
مرے خُسن کے لیے کیوں مرے
ہیں لیے تھے تمھیں یوں مرے

ایک طرح ایک نظم "دام میں یاں نہ آئے" میں مرد کی سچی محبت اور عورت کی خُسن اور توجہ ہے۔ یہ نوحوان مرے خُسن کے کیوں لے مرے کی بیرونی طرح معصوم ہے۔ محبت اس کی صورت میں فطرت ہے۔ رنظاں اس کے اُس کی بیرونی دُیا دار ہے۔ شروع میں محبت کی میگ بڑھاتی ہے۔ اس کے دل کو محبت کا پہلا سبق بڑھاتی ہے۔ لڑکیوں کو مرد کرتی ہے۔ رنکے اس اتصال جسم سے زیادہ اتصال روح و جسم کو سمجھا لکھی عورت دھن والی تھی اے دُیا دار اور عورت بڑھتی ہے۔ ایک کمرس رئیس اس کے دام خُسن میں گرفتار ہوا۔ اس نے اُس سے شادی کر لی اور اس نظم کے معصوم بچوں کو دُیا داری سکھا دیا جتنی سے کہ شادی تو زیادہ کر ہے۔ کرنی۔ ورنہ دل سے اب بھی میں تمھاری ہوں۔ ہمارے عیش وصال دستور رہیں گے۔

مجھے سے کہا کہ کیا ہوا اب بھی ہوں تم یہ میں ددا
عیش مرے دہی رہیں وہی رہے مسالہ

ابھی آنکھ ڈری ڈری سی ہے ابھی آگ دنی دنی سی ہے

یہ سرایا ملاحظہ ہو

ترسے ہوٹ یہ لال ہیں بہیں ساس میں گر میاں

ترسے پھول سے گال ہیں نہیں باس میں ستیاں

ابھی آنکھ ڈری ڈری سی ہے ابھی آگ دنی دنی سی ہے

یہ نظم اپنے اختتام تک پہنچے پہنچے بعد متوازن ہو جاتی ہے۔

شاعر کی اس خود کلامی میں ایک نیک آرزو ہے کہ میں اپنی محبت سے

ایسی بیوی کی روح جیت لوں تب ہی محبت کی زندگی واقعی ملے گی۔

ترسے گلے کے ساتھ ساتھ ترسے دل میں ہو گھر مرا

ترسی روح جو گئے ہاتھ مجھے ریت کا پھل ملا

ابھی آنکھ ڈری ڈری سی ہے ابھی آگ دنی دنی سی ہے

”ہیلا آسانا ساسا“ میں سنا شوخی زیادہ ہے لیکن محنت کی

تلاش سے یہ نظم اسی طرح روشن ہے۔ ہیلا آسانا ہونا ہے؛

دھن سے گھونگھٹ اٹھانے کی دھاکش ہو رہی ہے؛

بڑی اس دن کی بھی آرزو کہ ہوں اس رنگ سے رو برو

تو ہو دل کھول کے گشتگو ابھی جس حرم اٹھنا تو تم

جری میوں میں سماؤ تم مرے من میں بسو آؤ تم

”تمہیں یاد ہیں وہ دن بھی“ زن و شوہر کے اہم مسئلہ پر

منی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے جاں نثار ہیں مگر اولاد

سے محروم ہیں بیوی میاں کو دوسری شادی پر مجبور کرتی ہے۔

دوسری بیوی سے نیچے ہوتے ہیں۔ زندگی کی یہ ضرورت بھی پوری

ہو جاتی ہے پہلی بیوی کا یہ اشارہ اسے اپنے شوہر کو اہر جیت

لیتا ہے۔ اس کا یوں اعتراف ہے

ہوے مجھ کو بال بیچے مرا دل رہا تنہارا

بنے ہم وہ دوست بیچے کہ جہاں ہے بیچ سارا

جری آتما تنہا جری آتما کی پیاری

عورت کا یہ ایتار، محرومی کا یہ حوصورت حل، مرد کی دلفناری

غیر حقیقی تو ہیں لیکن رومانی افکار کی دیہ میں۔ رومانی افکار

کی یہ معصومیت بذات خود ایک حسن ہے۔

ہے۔ اس کی لذت میں جہاں دیدہ ہوتا نک لذتیت ہیں مکہ ایک

متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ رومانی و جواں کی لذتیت ہے۔ اُن کے

درد میں رنٹری کاٹ نہیں بلکہ سک ہے۔ یوں بھی عظمت اللہ

کے یہاں حد بہ کا وہ جنوں نہیں حوبے خط آتش مرود میں کود پڑے

رہی درد کی گہرائی ہے۔ دتیر کی تشریت ہے نہ اقبال کی حرکت

عظمت اللہ خاں کیٹس کی طرح محسن کے تصور میں سرتا قدم

نمھلتا ہوا احساس ہیں ہو جاتے مکہ اُن کی ڈھیمی لے، جاڑوں

کی رم دھوپ ہے یہ محبت بن کر دل کو گرم اور روشن کھتی ہے

ایسی سلامت ردی جذبہ کے جھک کے بجائے جذبول کی کہانی

سنا سکتی ہے، سیر دگی جاہت کی حدت، کیفیت کا ایک تتر کا سکتی

ہے لیکسی یاد اور کہانی ن کر مدی کی طرح چپ چاپ دور تک

دیر تک رواں رہے اس کے لیے عظمت اللہ خاں جیسے مخصوص

نرم رومانی جذبہ کی ضرورت ہے عظمت اللہ کی یہ اہمادیت ہے

کہ متوسط طبقے کی وہ تصاویر، اُن کے رومانی مسائل، مسلم گھرانوں

میں رنٹہ دار کھائی ہوں سے مگر حلوں پیار، ناکامی پر جانوسی سے

کڑھنا، جلنا، اُن کے حلوں میں مل جائیں گی۔ یہ اس دور کے

مابندہ ادبی رجحانات تھے۔ یہ کہانیوں کی نفا بھی جو عظمت اللہ خاں

کے یہاں اتنی معصومیت اور حلوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔

جند نظموں میں عظمت اللہ اپنی انھیں تمام صفات کے ساتھ

ایک قدم اور گئے بڑھے۔

یہاں محبت کا مراں ہے۔ یہ محنت نئے شادی شدہ جوڑے

کی ہے ساس میں پیار کو بابائے کی آرزو، چاہے اور چلے جانے کا

طلب، محسن کی شرمساری، عشق کی شرم دشمنی، شخری مرتفع

ہو جاتی ہیں، بانی بیوی سے، ادب پلا آسانا موضوع اور اسلوب

کے لحاظ سے بہت طبعی تجلی نظر ہیں۔ دونوں میں شادی کے بعد

کی انصبت، شرم نظری جاہت جو دہر بانی بیوی سے، میں حسن

نور ہار کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

تو کلی ہے نئی نئی ابھی بند میں نیکو بیاں

ابھی سال گئیں کئی کہ چمک پڑیں آنکھوں میں

سچی، شاعرہ، روایاتی تھی۔ روایاتی میں انھیں جیسے اپنے تصور کا آئیڈل مل گیا۔ وہ کائناتی جہن کوئل کے سیٹھے سروں کی شاعرہ تھی۔ اپنے محبوب شوہر سے ٹھٹھ کر دوسرے کی نہیں پہلی عظمت اللہ کے دل کے تار اس کی عقیدت میں تھوڑا اٹھٹے۔ اس کے صنف صفا وفا کی کہانی، عطف اللہ کی کامیاب نظم ہو گئی۔ چار مختصر مصرعوں کے بعد

”سیت کی ماری سچی شاعرہ روایاتی“

کی کڑاہ کرکھ اڑ گشت کی طرح گوجنتی ہے۔

بدقسمتی سے عظمت اللہ حال کا عین عالم جوانی میں انتقال ہو گیا۔ عطف اللہ اپنی حوصلہ ورت دُناس کے حلق تھے۔ انھوں نے اگر بری طوں کے برحمے بھی ہے۔ دروڑ سورتہ کی نظم CUCKOO بانٹن کی نظم THE YOUNG USURPER ISLES OF GREECE براؤنگ کی نظم A WOMAN'S LAST WORDS کے جیتیت سے ٹھیک ہیں مگر میں اُن کا زیادہ قائل نہیں۔ مثلاً CUCKOO میں نوسادگی، روائی، یادوں کی برم رومی ہے اس کا حق ادا نہیں ہوتا آپ کہیں سے دیکھ لیں۔

O BLESSED BIRD! THE EARTH WE PACE

AGAIN APPEARS TO BE

AN UNSUBSTANTIAL FAIRY PLACE

THAT IS FIT HOME FOR THEE

اں رداں مصرعوں کا ترجمہ روح اور تھکا تھکا سا لگتا ہے

مبارک پرندے، یہ دکھیااری دُنیا

نظر میں مرے پھر ذرا کی ذرا

پرستان ہے یا تھختیل کی بگڑی

ترے آشیانہ کی موزوں جگہ

اسی طرح براؤنگ کی نظم میں جو عورت کی تہ داری اور

عورت پن ہے وہ بھی ترجمے میں قائم نہیں رہ سکا۔

منظر کشی کی بہترین مثال، میل، صبح اور برکھارت کا پہلا

میتھ ہیں۔ ان سطحوں میں گیتوں کے منے سے زیادہ عمارت کا نظروں

جون ۱۹۷۲ء

”رسات کی رات دکن میں، ایک بڑسکون گھر کی ایک نوب مستر کا جو صورت قد سے اس مطن گھریلو عفت کی تصویر کو کسی بھی ڈرامائی دُجس اور رُحسوں نوب کے مرتے سے نرمانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا حس زیادہ ۲۰ بھول سے حس میں کوئی بیل واما ہیں ہے۔ عظمت اللہ کے ادھر کے کمائی کار اور شاعر دووں سے مل کر اس کی تصویر کسی کی ہے۔

دکن کی ایک رات۔ رسات کی دم تھمے پڑا سر ہے۔ رنگ کے بھول اور تشکیں مستر رسو ہے ہیں۔ سدر جیتا گھر کے کاموں کو مٹا چکی ہے۔ بھو ماکھاتی ہے۔ یاں کھاتی ہے۔ گھر گھر کی جیوتی مٹی باتیں ہوے گنتی ہیں۔ کمرے میں آسودہ بیار کی نرم روتی ہے۔ باہر مادل کی گرج اور مٹی کی چمک سے۔ آنگن مٹھل ہو رہا ہے۔ ہوائیں مٹھی رچی جاتی ہے شاعر ہماں تک لائے صرف چند مصرعوں میں گھر کے بیار کی آسودگی مٹھ دیتا ہے توں کو اڑھائی ہے ڈھائی اب مہ نہی ہے راج ڈھائی کیا ہی بھلی سانس کی گر مائی حسم کی گڑی امی۔ اُن کی

اور وہ نظم یوں تمام ہوتی ہے

گھر میں مالک آبادی ہو

جا ہے دالی گھر دالی ہو

ہسی جوتی گھر جاتی ہو

یوں ہی برسیں برسات کی راتیں
سین کی مادوں اور جوانی کے آسودہ گھر سے کل کر اُن کی
محنت دُنیا کے مارا میں ہیں گئی۔ اور یہ کوئی بُری بات نہیں
ہر ہکار کے لیے حد و دوسرے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے حد و دوسرے نکلا
مٹی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ گھوڑے میل کی اہست سرن سے قطعی
کم نہیں مگر پوں پر گھاس نہ لادما ہی انصاف ہے۔ اسی اس گھر یلو
دُنیا سے کل کر عظمت اللہ حسب روایتی کہا یوں، تاریخی تفتوں کی
دُنیا میں جیسے تو وہ بھی انھیں حس و محنت کا بیگر بی۔ وہ بیت کی ماری

صیغہ ۱۹۴۲ء اشک

مسئلہ شعر سے متعلق ہوتے ہیں کبھی حاصر شعر کا مسئلہ نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی کامیاب نظمیں خالص عربی عروض میں ہیں مثلاً

۱۔ پہلے کی قافیہ سے کہی گئی تھی کچھ جہاں کی خبر نہ تھی

مگر کامل شمس سالم۔ متاع علی ہمار

۲۔ تجھے سب کا ماں کوئی بھل نہ ملا۔ کھتا ہر گھو

علی چار بار۔

دیکھتے ہیں کہ حسن و بحر و مدائح کا بھی ٹوٹ ہے کہ یہ حاصر ہندی کی بحر میں ہے وہ بھی اردو کی بحر و مدائح کی طرح ہے میں ہے ہم اگر غلط اللہ کے مصمون کی باتوں پر ان کی شاعری کو حاکمین تو ان کی جو صورت نظمیں روانی کی ریاضی میں گر دن زدنی معلوم ہوں گی مثلاً یہ سہ ہے

عشق کی دیوی تھی تو

شعر میں کیستا تھی تو

حسن کی نیتلی تھی تو

اک کویتا نسی تو

اس بدیر ان کے نقطہ نظر سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے

کہ پہلے اور صرفے مصعب اور دوسرے اور جو تھے صرفے کو اس سے

دور کیا گیا کہ وہ قافیوں کی ماری گری ہیں ورنہ مصمون کے حاصر سے

اس مدد کو یوں پونا چاہیے تھا

عشق کی دیوی تھی تو

حسن کی نیتلی تھی تو

سو میں کیستا تھی تو

اک کویتا نسی تو

پھر ان مختصر مصرعوں میں۔ دیف اور قافیے کے کھیل کے

علاوہ کیا ہے۔ لیکن اس طرح کی باتیں ذرا مت کاٹیں ہوتی

ہیں جس طرح تو اس احساس کی قوت سے شعر ہوتا ہے اسی طرح سخن بھی

کے لئے کبھی احساس کی شراحت، مصمصوت اور جہد و زدی کی شرط ہے۔

اسی طرح ان کی نظم وہ ہوں بھول جس کا بھل نہیں ہیں ہر دوسرے

(نقدیہ ص ۱۰۷)

ص ۱۸۹۴

جون ۱۹۱۹ء

ص ۱۸۹۴

مطرح کی ہے۔ ان کی نظم وہ ہوں بھول جس کا بھل نہیں ہیں اگر جہد و

حیثیت سے بہت اہم نہیں لیکن اس کا موضوع غلط اللہ جان

کی دوسری نظموں سے الگ ہے۔ ایک لڑکی کو حالات سے طوائف

بنادیا ہے اس کا اطلاق اور اصول وغیرہ کے بارے میں مشکوک

نظر یہ اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ غلط اللہ جنت کی رحمتوں

دُیا سے آگے نکل کر بازار کی حصار کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے

لیکن موت نے انھیں غفلت نہیں دی۔

غفلت اللہ جان کی حامیہ طہیں پاکیزہ مادی محنت کی حاکمیت

دیا ہیں جہاں میں آگن میں کھلتا ہے۔ نوحانی میں محنت

کی مہک اور بدن کی مہک ہے۔ تناد کی سے بعد ترمائی گئی

گل کا سنی ہے۔ زندگی کے بھول اور ملیاں ہیں۔ عورت کا

آسودہ پیار ہے گھر کی مضامین۔ اس کے لیے غفلت جانے سادہ

مطلوب اسلوب پر ماہ غفلت کی شاعری رات کے حاکمیت سے

کی طرح ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اب مزہ فکر و تجربہ سے اسے محروم

نہ کیا جائے۔ مگر بے بسی یہ ہے صبح تینے کے کرں کی منتظر رہی ہے۔

غفلت اللہ کی سامعہ یادوں کا جو صورت گھر ہے۔ اس کا

حلقہ روحانی ذہن کا توازن ہے۔ روحانیت اس کے ان کا

مصون اسی روحانی ذہن کی غیرت اور بغاوت ہے۔ غفلت اللہ کے یہ

دو تضاد ایک ایک طالب علم کے لیے برتاؤ کی ہیں، لیکن پر دہلیس

آل احمد سرور نے اپنے مضامین میں اس روحانیت کی تضاد کا فرمایا

کی اکثر وضاحت کی ہے۔ انھیں کا ایک مقولہ ہے کہ "روحانیت

کبھی مضحکہ بھی ہوتی ہے" اب غفلت اللہ جان کے تضاد کو

آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

غفلت اللہ جان کی مصوم اور پُر اثر شاعری کہ سمجھنے میں جو

مسئلے زیادہ گہرا کرنے والی بات ہے وہ ان کے مصمون کی

عروضی و رزق اور اونچے بول کا لہجہ ہر شاعر اس کا یقین کرے گا

کہ جب غفلت اللہ نے اپنی انجمن نظمیں کہی ہوں گی تو عربی، ہندی

یا انگریزی عروض کے زور سے نہیں کہی ہوں گی۔ پھر عروض کا

غزل

حاتم اداختر

موج گل: موج صبحا، موج سحر لگتی ہے
سر سے پاتک و دسماں بے کہ نظر لگتی ہے

لٹے لمبے میں بسی ہے تری یادوں کی ہرک
آج کی رات تو خوشبو کا سفر لگتی ہے

ہم نے ہر گام پہ سجدوں کے جلاے ہیں چراغ
اب تری راہ گزر راہ گزر لگتی ہے

واقعہ شہر میں کل تو کوئی ایسا نہ ہوا
یہ تو اخبار کے دفتر کی خبر لگتی ہے

کوئی آسودہ نہیں اہل ریاست کے سوا
یہ صدی دشمن ارباب ہنر لگتی ہے

لکھو کیا تری گلیوں کا مقدر تھا یہی
برگلی آج تری خاک بسر لگتی ہے

اڑیا ڈرائے کا ارتقا

مظہر اعظم

مسل سہس سے سیدھا ہوئی۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ہوں نے اڑیہ پر حملہ کیا اور حکومت کرے لگے۔ چاراجہ براکسور دپونے ایک ڈرامہ "براداتی ہر" لکھا۔ گجرام اور کورایٹ اضلاع مستحکمہ میں اڑیہ سے علیحدہ کو کے صورتہ براس میں لجن کر دیے گئے۔ پھر بھی خونی اڑیہ کے جواڑوں حلا پرلا، ہیکسی، مسوسا، سرنگی، دیمپہ کے راجاؤں نے ڈرائے لکھے اور ایسے درامیں میں کہے۔ دگھو ماتھ پر کچھا کا لکھا ہوا ڈرامہ گوئی دلھ "اس زمانے میں سب سے زیادہ مھول ہوا۔ انیسویں صدی میں جگو میں لالہ نے "ماپاجی" اور رام تکر داس نے ایسی مہرسانی کلیقات کا بھی کادیری "اور احمد بیلا" پیش کیں۔ یہ ڈرائے اڑیا رماں میں لکھے گئے تھے۔ ماٹرنا ستر کے اصولوں کے مطابق ستر دھار ناٹ، ناٹائی اور اڈر ستر کادی لے ان ڈراموں میں حصہ لیا۔ مکالے معرظ میں اور لے حد طویل ہوئے تھے۔ آج کے دور میں یہ غیر دلچسپ معلوم ہوں گے۔ لکس اس زمانے میں وہ حیرت انگیز طور پر مقبول تھے۔ ان دنوں حاراک کی مقبولیت ٹھہر ہی تھی۔ اس زمانے میں جاترا کا سب سے ہرولر پر اور نامور مصنف، اداکار اور ہدایت کار گوپال داس تھا۔

کیل سہرائے رام تکر داس کے رنگ میں دودھ اسے "سدا سا" اور نسبت لکھا لکھے۔ زبان آسان تھی اور ساجی ڈراموں کی طرف ان کا رجحان بڑھا تھا۔ ہر جگہ معرظ میں حد نہ دلیری اور اس کا اظہار کیا گیا تھا۔

گادوں میں "جنازا" دور دور مقبول ہو رہے تھے۔ زبان سنان

اڑیا ڈرائے کا آثار اصل دوسری صدی عیسوی میں ہی لیا تھا۔ پھر ستر کے ردیک اڈوسے گری کے ایلیٹا مارڈن کھدے ہوں بعد اسی بات کا توت میں کرتے ہیں اس کے ادھ قدیم تعمیرات لے نص کرئی ہوئی شکلوں کے ور لے مسردوں کی اوروں سے نقوش چھوڑے ہیں۔ پوری "ہوسیتورا" کو فادک مسردوں میں نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔ جھانٹ سی لے اسی رانی نصیف "ماٹیرنا ستر" کے جو دھویں باب میں "اور اور بربری" کو کیا ہے۔

سیدر ہوں صدی میں اڑیہ کے چاراجہ کیلہ در دو لے سو رام سانگ، نام کا ایک سکریت ڈرامہ لکھا اور میں کی۔ اس مکالے سکریت میں تھے لیکن گانے اڑیا میں تھے۔ ان بڑھ طبقہ ماڈرائے کو کامیاب رائے کے لیے ایسا کیا گیا تھا۔ سوٹھویں صدی سے رائے راماندر پٹیا لک لے "گلن ناٹھ دلھ" نام کا سکریت ڈراما اور میں کیا۔ یہ ڈرامہ چاراج برستو تم دیو کے دیار میں ایلیٹ کیا گیا۔ اداکاروں کے علاوہ اس میں عورتوں لے بھی اداکاری کی۔ اس سے جھلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اڑیہ کی جواتین اداکار اور صلاحیتوں اظہار پر پرتا در تھیں۔ آئیرا بانگیت نامکوں میں مام بیلا اور کرشن بیلا زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ رنگیت نامک فوجیوں کے لیے توجہ کا حذر رہتے تھے۔ ستر ہوں صدی میں رنگیت نامک اپنے اڑیا گانوں (دجے سے گادوں میں بھی مقبول ہونے لگے۔ رام بیلا میں جھوٹے ٹھٹھے ٹالے جوتے تھے جنھیں عام لوگ لے حد پسند کرتے تھے۔ جاترا کی

کو منادی حقیقت حاصل تھی۔ اسویں کا گھوش لے مارٹیا بھارتی
موسا سلطنت میں کھسا شروع کیا اور بسلسلہ مکہ و اڑیسہ کے
اہم ترین ڈرامہ نگار رہے۔

گوید جدر سردرو نے ۱۹۱۹ء میں ایک دس مارٹی قائم کی۔
"دس" کی مدنی اور درج بعد دھیں ہیں۔ اس میں عوامی کوشش
لی۔ مدنی کے متعلق داغاب میں کیے جاتے ہیں اور گھٹ "موسیقی اور
نانی کو نما بان اہمب دی جاتی ہے۔ مکمل کے کوئی خاص اہمیت نہیں
رکھتے۔ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان "دس" کی چار مارٹیاں
اڑیسہ میں نہ کوئی کے ساتھ ایسے ڈرامے اسٹیج کیا کرتی تھیں۔ اسے
جو بصورت گیون اور اڑیسہ میں ساریہ بہت پسند کیے جاتے تھے
اس کے صنف کو ایک ڈرامہ نگار سے زیادہ ایک مال تاجر ہونا
پڑا تھا۔ صنف ایک ٹھٹھ "آاور ماتھتھ" تھا۔ جو اب اسی نام کے
'اے کوڈ' کی حیثیت سے قائم ہے۔

کوی جدر کالی جن ٹانک لے ۱۹۲۵ء میں "دس
مارٹی" "محم کوئے" اور "تھتھ" کے نام سے ایک بھیٹر کل کیس قائم کی۔
کوی جدر کوڈ اور ادب یومو حاصل تھا۔ پس وقف نیو تھتھ اور
مبلی ٹانکر کی ساتویں تھیں ہب مقبول ہوئی تھیں۔ اس لیے کوی جدر
لے اور اڈور میں اسے ایک نئے رجحان ———— حد مدعا ترنی رجحان کا
آغاز کیا۔ ہر حد کہ ہد ستانی فلموں اور گالی ڈراموں کا امراں کے
ڈراموں میں نمایاں تھا، پھر بھی اسی صنف پیدا ہوا زندگی کے نامت
انہیں سے حد سرا اگلا۔ کوی جدر نے پھر کوئے کی تکلیک بھی
نہ ختم ہوئے والی تفریوں اور جو دکلائی سے داس پھر لانے کی کوشش
کی۔ ۱۹۲۷ء میں اس کی پہلی تخلیق "گولس اسکول" سے ۱۲ راتوں
کار کا ڈرامہ کی، حکم ہنے میں ساون دن ڈرامہ دیکھا جاتا تھا پھر
اس کے میں کردہ "س مالا"، "تھیں"، "تھاما"، "میکری"، "اکیھا"
مے "دو" اور کئی دوسرے ڈرامے مطامع برآئے۔ تقریباً دس سال کے
۶۰ سے کالی جن ٹانک لے اڑیسہ میں بے اندازہ کے ڈراموں کی
کھرا کر رہی۔ "آاور ماتھتھ" اب مک اسویں گیارہ کے کھے ہوئے "ایک
اساطیری اور مدعا ترنی اساطیری ڈراموں کو پیش کر رہا تھا۔ نئے ڈراموں

سے آسان تر ہوئی۔ "لوک مانک کاک" "مانت اور اج سے برہوے
کھے۔ کھے کھے گند اور کس کاکے اور اج میں اس میں ہوا کرے تھے۔
اس رجحان کو روکے اور لوک "تجن کو ہسرا، محبت منہ سارے کاکا
مقبول تھیں صنف ادکارا مدعا ترنی کا رشتہ ان اور مان کو تھیں
میں لے اجام دیا۔ یہ یوں حد مدعا ترنی کے ماڈل کی حیثیت
رکھتے ہیں۔

ڈراموں کی بعد ادب اور مانک کے صاحب ادھادھدہرنا
ڈراموں کے ترستے میں سے جاتے گئے۔ ٹھٹھ کھے اعلیٰ تعلیم مانہ
لوگوں نے ڈراما تھیٹر کی طاب و جدوی۔ میڈ گورڈر میں کاکے ڈرامے
"رشتہ دو" میں دینی منبر راں استعمال ہوئی، لیکن اسٹیج کے طاق
کے لحاظ سے ڈرامہ نگار مادہ سارے ہیں تھا۔ ہکادین جہن ٹانک
نے "مکک دے" "سندھیتوی کے علاوہ دوسرے ڈرامہ نگار
لکھا۔ اسے جو بصورت سکائوں اسٹیج کی ضرورت سے مطالعت اور اسی
مدرب کے احاطہ "سوسلا" کو غیر مقبول مقبول حاصل ہوئی

بیسہ در تھتھ کل انہیں موسیج میں تھیں۔ اتھنی سماجی
نی لے را دھا کرتے تھے نہ مری۔ اس کے لیے اسویں گیارہ گھس ڈرامے
لکھا کرتے تھے۔ تاریخی اور اساطیری ڈراموں میں اب تک کی اس
'فائدہ مقابلہ' انہیں "کالا پھاٹ" "کوناوک" اور "بیر قاسم" کو
اب تک ہر دفعہ مری حاصل ہے۔ وہاں آرا مہیرا سے ڈرامے
مدما کا اظہار بہتہ عیہقی تاسوی میں کیا گیا ہے۔ ان ڈراموں
کی مناد خاص طور پر لرا اور عمر اکمر داغاب و جاداب یہ بھی
گئی ہے "کالا پھاٹ" کے آخری مطلب اسٹے "بیر دکانہ مدوں
کے درمیان تھے ہوب دکھا گامے۔ اس سے یہ اس مانکر کو
حوالہ یہ کھل سے حاضر ہر مدہ ہو (۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء)

ٹری اہمب دی جاتی تھی۔ سر دکاواب میں میردوں کو آسمان پر
اڑے ہوئے دکھا، کو مانک مدہ کی عمر میرد سم میں کھلی گرتے
اور مانک لے کا مطر "مدھو مہیسی" اور "سری لوک" کے نام
مطامع مک اڑیسے جاتے ہیں۔ اساطیری اور دیو اساطیری "موسا
س جڈوڈ" (Saraswati) سے نام لیا ہی ٹرا تھا۔ میلوڈرامہ

’روپامری‘ تھا اور پھر ’جنتار بگ‘ میں تبدیل ہو گیا۔ یہ ایسے ڈرامے اس وقت تک نہیں لکھے گئے تھے۔ نئی تھیٹر ٹیکسٹوں کے وجود نے نئے لکھے والوں کی ضرورت بھی پیدا کر دی۔ نئے ڈرامہ نگار نے پلاٹ کے ساتھ میٹر، زبان، اسٹیج پر ایسے کارنامے دکھائے کہ بے سطر عام برآئے۔

منور کس داس کا ’جنسی جگدھو‘ غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ یہ ایک نارنجی ڈرامہ تھا اور نکلے اسٹیج کے ’سرن الدولہ‘ اور ’میسو سلطان‘ کی یاد دلاتا تھا۔ اسدا سنکر داس کا ’سادھی‘ اور ’مہر جہنتی‘ کا ’جو تھس راتی‘ اسٹیج کیسے گئے اور بہت کامیاب رہے۔ اشنداسنکر کے ڈرامے ’جوسکا‘ ’جہر‘ ’لوہا سکولی‘ (دوہے کی زنجیر) ’سوکا بھوری‘ ’مقبول‘ ڈرامے ہیں جو سماجی مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ ان کی تامل و کرلیق ’دولواتا‘ ہے جو بھوں سے متعلق ہے اور اسٹیج پر ایسی وعیت کا واحد ڈرامہ ہے۔

اس دور اس میں ایک اور چوہنار ڈرامہ نگار گو بال بھوٹرا نے اسی کلیف ’بھری آ‘ (داس آ) اور ’بھرسہ‘ (بھروسہ) سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا سوا ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سادہ لیکن انتہائی اثر انگیز مکالمے لکھتے ہیں۔ ان کا ’مرکھ‘ (ریکا فلم) ’واحد‘ سیاسی ڈرامہ ہے جو صوبے کے دربار اعلیٰ کی مات بے لاکھی سے اظہار خیال کرتا ہے۔ اس ڈرامے میں اسٹیل سیٹیں کو بھی دکھائے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ڈراموں میں اسے عہد آفرین سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد گو مال بھوٹرا نے اڑیا کے معمول ترس مادوں کو ڈراما کر دیب دینا شروع کیا۔ ’بھجھا‘ (طونجا)، ’ادھا ماٹ‘ (ملاحہہ (مردہ چاند) کے ADAPTATIONS اسٹیج پر بہت کامیاب ہوئے۔ ان کو مکمل اصل مادوں کا اتارنا ڈراموں میں کی طرح نہیں ہوتا ہے۔

کارک کا لکھنا کس کا معارفی، ساطری ڈرامہ ’لاکھی ہیرا‘ انتہائی خوبصورت تھیں جس نے تمام ڈرامہ سبھت و مقبولیت حاصل کی ہے۔ تیری گھوش کی دوسری کامیاب ’سٹس‘ ’کبار ہے۔‘ ’لاکھ ہیرا‘ کا اتارنا اس کے مدائی ساطر کے سبب ہے۔

لرام مہرا کے مہرا دھیسو، ٹٹاٹک، زرنگھ ہایا، راجاٹ

کی ہر دلچسپی کے باعث اسوی کار کی مقبولیت کم ہوئی اور جب کالی چرس ٹیٹاٹک کا ’اڑیہ تھپتھپ‘ اس سال تک سنا دیا گیا۔ اتمام دینے کے بعد سربوگیا تو ان کی تخلیق سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئیں۔ اس کے بعد مقبول ناول نگار بھتی دھماٹیک نے ایسے ڈرامے

’دھرم تیں‘ ’لال یا بک‘ اور ’نیچر‘ پیش کئے۔ ان ڈراموں میں ’مورت‘ ’شراب‘ اور ’ستوں کو مایاں جگدھو حاصل تھی۔ یہ ڈرامے تاہم دیکھے والوں میں ایسی تیرناری اور SUSPENSE کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے۔ اناورا تھپتھپ اور ’بھپتھپ‘ کے آرٹسٹوں کو لے کر ایسا ’نی گروپ‘ قائم کرنا تھا۔ طامہ ہے کہ اس نے تھپتھپ کو جس میں پہلے کالی چرس ٹیٹاٹک کے ڈرامے چلے جاتے تھے، نئے ڈرامہ نگاروں کی ضرورت محسوس ہوئی، کو کوئی جدید کی خالی جگہ کو بھروسہ

دو جوان لکھے والے رام چند مہرا اور بھنج کتور ٹیٹاٹک سامنے آئے۔ تھری مہرا کے ڈراموں ’سوا‘ ’تھائی صوح‘ ’گھرسا‘ ’دھرتی‘ نے تال کا مانی حاصل کی۔ تھری مہرا کی بھکاری کا ڈراما ان کے سادہ لیکن اثر انگیز مادوں اور جذباتی مناظر میں تھا۔ انھوں نے ایسے گروڈا کی تخلیق کی جنطری عہد دی سیداکر سکس اور ایسے مناظر پیش کیے جو اسی جہد باقی تاثر انگیزی کے باعث انھیں میں آنسو لاسکس ان کے ڈرامے تھراڈ گاڈس دوہوں میں مقبول تھے لیکن اب تک میں، کیونکہ اس میں عام انسانی مسائل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

ایک حادثہ ان کے مختلف امراء سے نکلنے ڈراموں کو بھی اسی ڈرامہ میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ بھنج کتور ٹیٹاٹک نے اناورا تھپتھپ کے ’بٹی گروپ‘ کے لیے ’بھلی رچہ‘ (بھلا تھور) مایا کا حوڑی، ’بیراگیا سار‘ اتھپی دھرتی ڈرامے لکھے جو راج کے مطابق پہلی ڈرامے تھے۔ اس میں جذبات اور ڈراما کی اور خصوصیات راج رزورڈ مایا لکھا۔ ان کے ڈراموں ’ہر ہر اور‘ ہے ’الا‘ ’کراسا‘ کی ڈرامہ لکھا ہے کیونکہ اول الذکر میں سماجی مسائل کو پیش کیا گیا ہے اور جو اول الذکر میں ادیبوں اور شاعروں کے مسائل کو۔ ان کا ڈرامہ ’سے‘ ’الا‘ ’دور حدید کا واحد لکھی مایاٹک ہے۔

پیشہ دور تھپتھپ ٹیٹاٹک کو ’سٹاٹک‘ بھتا ہے۔ ایک دوسری تھیٹر ٹیکسٹ یعنی ’مورس‘ وجود میں آئی جس کا نام پہلے

و عسیرہ ڈارہ نگاروں نے جو اس کی تہنیتی میں ہیں لی ہے تہ
ناتابل فراموس کما حاسکے۔
اس وقت کے سوال اور جواب میں درامہ نگاروں کی چون چبتی
اور بھویمتو رہنا مارا ہیں۔ ایسے راموں اور ان کی مقبول کے
لیے ان رامہ کے روپ کے اسے اصولی وضو افلاس۔ مکمل و سچ جس
کے واسطے سے ہوئے ہیں۔ وہ راہ راست حکومت کی یا اس
اور سابقہ راہ راہی یہ عید کہتے ہیں۔ تو ام اس راہ راست صح
کوسہ کرتے ہیں۔ تو کہہ اہیں شوس ہو اسے کہ اسٹیم ران کے دل
کی آوارسانی سے رہتے ہیں۔ "کوانی" "سوامی اسرہ" اور "چاکر"۔
کی مقبول اہیں نے گا کہ عیبوں کے نام ہے۔ ہو مستور
ہما مارا کے راموں کی نیا چراغاں و جاسوس رہے۔ شمار کہ اساط
ہوگا کہ وہ اڑنے کے واسطے جا سکیں اور۔ عید ہر عید ڈرامہ
نگار ہیں اس کے ڈرامے "وٹھ بھر" کا حکامہ "شش اور سوا" اور
"موتی قفل" اسے سسی حریات اور گائیکس کے باعث مقبول ہے۔
یو میکش تریا قلی نے "ایک دیتین" اور "ہر شجیدہ" لکھے
ہیں اور اہیں پیش بھی کیا ہے۔ انھوں نے "ایک دیتین" میں ایک
ہی سٹ میں میں اسٹ میں کوئے کی حد بد میکس کا تھر ہل مار
کھائے۔ یہ ڈرامہ سرور سے آخر تک طرہ سے حواریہ کے
عوام کے لیے مائل تھی تیرہ ہے۔ رقص ایک چرنے کے طور پر لکھا گیا
اور اس کے رعل کا مطالعہ تھر سے کی گئی تھا۔ "ساجیدہ" کا دفن ہوا
لکھا تھا اس سے۔ یہ طرہ مخطوطات کو سکت کیونکہ وہ دس دس کے
طرہ یہ کاموں کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ جو ہے ڈرامہ انی قدرت کے ایک
کا کی مقبول ہوا۔

اس رجاں کو کس کو سچ متی ہے "چاکر" میں اسرار میں
ڈرامے کے رد و سنے اس مائل اس کی سچ متی کوئے کی مات۔ لی۔
اس لیے اس کے مصنف نے درجہ ات کی کلاس میں چند اور ماسا جوڑ
دے حاس۔ حایا کہ اس اہاد کے بعد یہ ڈرامہ اسٹیم ہوا اس سے
یہ سچ متی ہے کہ ڈرامہ نگار جو موجودہ رجاں سے دافع ہوئے ہیں۔
لیکن وہ جدید رنگ کے ڈرامے لکھنے کی ہمت نہیں کرتے کیونکہ پڑوں

رد و سوسر ڈرامہ نگارہ دول اس ماب ترعی ہیں کہ ایک ڈرامے
میں کم از کم چار س ہوئے چاہے۔ اس میں سے زیادہ صوری
کوؤں (عصہ) ہاسہ (دراج) سرنگار (عاسی) اور پور دیر کی ماؤڈ
(دجہت) اس میں۔ رد و سوسر ڈرامہ کی کہانی کے باؤس کی انجام کی
ماہت۔ آسانی میں گئی ہو سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک رسل
کی کمی ہو۔ جس کی اصل ملاٹ کے ساتھ ساتھ ایک ضمنی ملاٹ بھی چلتا
رہتا ہے ماکہ ہاسہ رسل میں نکل ہو سکے۔ گانے اور ناچ بھی اسی قدر

وطن کی زمین

طہور رضوی

دہر تیرا دل دیا کس قدر دل نشیں مسکے نیل کی اے بہشت بریں
سانہ تاروں کی دسیا ت زادہ حسیں خم ہے میسے لے کمکشاں کی جبین
تسکے ذرات ہیں آسماں آفریں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں
نبے دامن میں کرتی ہیں اٹکھیلیاں پاکٹ گنگا، جمن کی رنایاں
گلتنوں میں ساروں کی اکھڑائیاں تختین فطرت کی مسم بہ چھائیاں
دل اتنی کون سی ہے ہوتجھ میں ہمیں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں
یہی دل کس حسرتیہ میں رنگین نام زندگی کے لیے اک مقدس پیام
وہ سارے کاکلتن، طرز خام اک سلسلے سلسلے شاد ددام
بیہ روتی ہیں بہشت بریں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں
تیسرے دریاؤں میں فیض قدرت دیاں تیسرے بربت تری عظمتوں کے نفاں
ہلہاتی ہوئی یہ تری وادیاں کلک فطرت کی رنگین گل کاریاں
کس قدر حوشر نانا اور کتنی حسیں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں
مازید درودہ حسن فطرت ہے تو کتنے رنگیں فطاردوں کی جنت ہے تو
سلف نذہبوں کی امانت ہے تو اپنی کثرت میں بھی ایک وحدت ہے تو
یری تہذیب ہے ستان دار و حسیں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں
تیسرے دیوانے میداں میں آجائیں گے متحد ہو کے دمن پہ چھا جائیں گے
حان تک کی یہ مازی لگا جائیں گے مسکراتے ہوئے سر کشا جائیں گے
تیری عزت یہ حرف آئے ملن نہیں
اے وطن کی زمیں اے وطن کی زمیں

(افسانہ)

بادشاہ

رضیہ سجاد طہیر

وہ فوراً ہی کچھ اسکیل میری دوڑیں میں رہا۔ اس نے اس زور سے امداد آگاہیں بولنے لگے جیسے سب گئی۔ اس نے سکیل دیوار سے لگائی اور کمرے پر سے بلاٹک کے پلے اتارتے ہوئے فرش پر اکوٹوں پھینکی اور مجھے حکم دیتا ہوا بولا "کالو کسی اپ ب پہلے ہم دیکھیں گے" ۱۱

میں نے دروازے کے بچھا "مگر آپ کو اتنا ہے نہ کسی منہ؟ باریک بننا ہے؟"

اس نے سری طوف بڑی عقادت سے دیکھا "یہ یہ لیجیو ہمیں کیا نہیں آتا۔ کک کو کسی ہم نہیں، بجلی سمب ب بنائیں مانی کان ن ن ٹھیک کریں۔ اور میں اس کا کام، کک ٹک کھا مایہ سے اچھا پ بکا میں۔ دوری کا کام" ۱۲

میں نے گھر کے دور آگاہی باہر نکال دی "دیکھو۔ یہ ہے۔ کیا لیجیو گا اس کی بڑائی؟ ایسی ایک ادب ہے" ۱۳

اس نے ایک مار مجھے غور سے دیکھا "پھر کو کسی کے معائنے میں لگ گیا۔ پھر دیکھو دیکھو کے بولا "ہوں" ۱۴

"تو کیا ہوئی ہو ائی؟" ۱۵

اس نے اوزاروں کے پتیل میں سے ایک جینٹلی نکالی اور کوئی کو گھمایا بولا "جس کسی نے جی ب ب بنی تھی، اچھی ب ب بی تھی" ۱۶

"مگر آپ کیا دامت لیں گے؟" میں نے تیزی بار بچھا۔

اس نے بون مجھے دیکھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو میں کیا

اگر آپ کسی کا بولی میں آٹھ سال سے رہ رہے ہوں، آپ کو بڑی خوش نہیں ہو کر آپ کا متاثرہ کافی سرسبز، درودن میں وہیں تو کم از کم ایک بار آپ مارا کا بھر کر تے ہوں، بھی بھی ایشین ماسی اور جیکڑ میں آپ کو گھر، دوکان درکان گھومتے بھی ہوں اور پھر بھی آپ کسی دن میرے پچھلے کہ اس کا بولی کی سب سے دیکھ سمجھتے کو تو آپ نے اس ک دیکھا ہی نہیں تھا، جو آپ پر گھر سے کی کچھ دسی ہی مجھ پر بھی گری حب ماضی افسانے سے میری ملاقات ایک دن باولال سے ہو گئی۔

ملاقات بھی یوں تھوڑا ہی ہوئی کو کسی نے تعارف کروایا۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ میرے گھر میں صرف دو عدد دریاں ہیں اور ان میں سے بھی ایک کا سبب یعنی کہ جسے اب پلاسٹک کہا جاتا ہے، وہ ٹوٹ گئی تھی۔ بار بار میں فریج کی ایک ہی دوکان ہوتا تو اس کے مالک کا گھر معلوم۔ ایسے میں میں اپنی گلی میں کھلے والے دروازے پر کھڑی دور سے جلوہ دکھاتے کسی سڑی والے کی منظر کشی کر باولال کو میں نے سائیکل پر سوار کرتے دیکھا اور جیسے ہی مجھے اس کے کندھے پر بیٹے پلاسٹک کے لٹھوں کی تھلک دکھائی دی، میں نے بیچارہ ہو کر اسے آواز میں بنا شرم و خجستگی۔ اس نے فوراً سائیکل موڑی اور بلیک اس کے کہ میں اس سے کچھ کہتی رہوں مجھ سے مخاطب ہوا جیسے نہ چلے کب سے مجھے ماننا تھا! "اجی، جج جے ہندوستان آؤ آؤ دے رہی ہوں" ۱۷

"اے بھئی" میں نے اس کی بے تکلفی پر زور لکھیا کہ "لہا" آپ کو کسی بن دیں گے؟"

ارتقا کا

سفر

فناء منستہل و شوار کا ۔ سرا
لگا کے جان کی مازی قدہ بچائے ہیں
یہ راہ کتنی ہی بڑھنا ہے تو کم کیا ؟
کہ ہم تو شعلوں پہل کر بیاں تک آئے ہیں
عظیم راہروں سے ۔ ارتقا کا سفر
در اذقت یہ سورخ کی طرح چھٹنا ہے
لوں کی زخم پھیس بجھا سہی لیکن
عباد راہ کو ہم سمجھ کے بھٹا ہے
سچی فضا میں ، نئی ہندگی نیا ماحول
یہ اہتمام ضروری ہے دور نو کے لیے
پکڑنی ہے نسیا مابتاب داغ کی
اک ایک شمع کی ہنوں طراز نو کے لیے
یہ کہہ رہی ہیں زمانے کی لمبی نظریں
حقیقتوں کو نئی زندگی عطا کر دو
تقاضا ہے سحر تارہ کی تعاؤں کا
ہمارے جلوں کو بابتدگی عطا کر دو
سرشت فتنہ گر کی ہے تغیر آمادہ
سزا سے کہتے ہیں ہم بھولنے کے ہلکیں گے
یہ کہہ رہے ہیں ادھیڑے کہ رات کے خزار
بجلیوں کا نیا رنگ یا کہے ہلکیں گے
توب رہی ہیں انگوں کی بجلیاں ل میں
تارے نایاب رہے ہیں دیکھتے تانوں پر
عرا تم اپنی بلندی یہ مارہرا ہیں
حیات کوئی ہے بیعت ہمارے تانوں پر
غم حیات کے مانے ہو دو ۔ گھٹاؤ
نہاٹے جو تانوں کو ہم سچا سچ دیکھیں گے
اچھا اور اچھے کے کرو صبح تو کا استقبال
ہم آفتاب ہیں دنیا کو رستی میں گئے

رباعیت

شوکت بدلیسی

(۱)
صد احتیاط حیا سے قدم اٹھائے ہوئے
چھٹے کو نقاب عاوض سے بھیلے ہوئے
اپنی طلسمی ریح کے یہ گجر آئے کون
ہر اکٹ کی نگاہ میں مگر سائے ہوئے

(۲)
اڑنا ماماں میں نہیں ہاتھ آیا ہے
چھٹا ہوا پھیل نہیں ہاتھ آیا ہے
پھری ہوئی حند کھنسی سستی ہے کہیں
راہ ہوا اک بل نہیں ہاتھ آیا ہے

(۳)
جس کی کوئی آس میں ہو مجھے
یا حلاۃ انفاس میں ہو مجھے
وہ درد منت سے ہے اس حال
اساں کو احساس میں ہو مجھے

(۴)
ہم تم تو محبت کے پستار ہے
حالات کی کچھ دوش سے علی دھار ہے
اب وقت سے آشنا بھی رہیں ہو گا
درد دل کو ہم ساتھ رہیں بیا رہے

(۵)
کس جوگر سدا رہا کس سے کہیں
کیوں مائل خرما د رہا کس سے کہوں
جب تم کو بھی سمجھ جوش میں ہے میرا
میں خاد کہ تاخار رہا کس سے کہوں

(۶)
ہم تم سے فاصل کا ٹکڑے کس کہنے
کس طرح محبت کا تقاضا کرتے
جس طرح میں تمی دقت کی دوار کھڑی
کرتے تھی تو کیا سترہ نہا کرتے

(۷)
دھرا کی کوئی تان ہے یا اچھوتی
کویل کی یہ مشکان ہے یا اچھوتی
یہ سر سے اچھا کرتے گونا گونا
اٹھنا ہوا طوفان ہے یا اچھوتی

یحییٰ اعظمی — ایک تاثر

ضیاء الدین، صلاسی

مولانا علیہ السلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی نے جنگ آزادی کے رہنماؤں اور قائدین کے دوست مدد میں اس میں بڑھ چڑھ کر ناماں حصہ کیا۔

دارالمصنفین کا یعلیٰ و ادبی اور سیاسی ماحول یحییٰ اعظمی کے مزاج کے مطابق تھا۔ اس میں ان کو اپنے دوق کی تسکین اور دین کے سکون کا پورا سامان ملا اس لیے وہ اس سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ اب موبہ ہی اس کی وابستگی اور تعلق کا جائزہ کر سکتے ہیں۔ ان کی ملاقاتیں کے تنازعہ گزشتہ مولانا قبال سیل سے ان کی ملاقات ہوئی جو شعر و ادب کے امام، علم و فن میں یکتا، ذہانت و طباطبائی کا حیرت انگیز نمونہ اور قدرت کے انعامات اور بخششوں کا تجزیہ تھے۔ ان کی صحبت اور دارالمصنفین کے علم و ادب پر در ماحول میں رہ کر یحییٰ اعظمی کی شاعری کی ذہنی جگہاں طرز نقیب۔ یحییٰ اعظمی کی تعلیم اگرچہ ایسی کچھ زیادہ نہ تھی مگر ان میں شہر و سخن کا ملکہ طبری اور خداداد تھا علاوہ ان میں یحییٰ صاحب کلمہ

دو نامور ان فن اور اصحاب کمال سے بہت کاترین بھی شامل ہے یعنی علامہ شبلی اور مولانا مہسبل سے۔ اول الذکر سے اگرچہ الگ پرزہ رہتا اس عہد کا موع نہیں ملا، مگر موجد الذکر سے جس کے حصے میں سبلی کی ستیری دادی درانت زیادہ آئی تھی، خاص تعلق تھا اور وہ ان کو فخر سے ”فرزند منوی“ کہتے تھے۔ مہسبل کی صحبت نے ان کی فطری صلاحیتوں میں نصف ملایہ کی بلکہ ان میں ستروکی کا بیا بختہ اور رجا ہوا دوق پیدا کر دیا کہ ان کے اور سہل کے کلام میں

جناح یحییٰ اعظمی ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ وہ بڑے پختہ شوق اور جوش فکر تاجر اور یکے قوم پرور اور حب وطن سلاں تھے۔ ان کی خوش سادگی اور شہر کے بیٹے میں تھی۔ استاد وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکول میں معلم تھے۔ یہ ترک مولات کی تحریک کے شباب کا زمانہ تھا، حب وطن کے واقعات نے مسلمانان ہند میں بڑی ترس و ہجان برپا کر دیا تھا اور مجلس خلافت کی شاخیں پورے ملک میں آنا فافا قائم ہو گئی تھیں اور خلافت کا گریس کے مترکز پلیٹ فارم نے ہندستان کے ہر جگہ میں برطانوی استبداد و آمریت کے خلاف شافرت اور بغاوت کے جذبات سبدا کر کے اتحاد ایک جہتی اور آزادی و حریت کی لہر دوڑادی تھی۔ یحییٰ اعظمی کے دل میں بھی قوم و وطن کا درد تھا انھوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی معلیٰ کی جیم سرکاری ملازمت ترک کر کے سنہ ۱۹۴۲ء کے اداہل میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے دفتر میں ملازمت کر لی۔

دارالمصنفین ایک خالص علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ اس کو ملک قوم کے عام علمی کاروبار اور سنگامہ آزاد و جدوجہد سے زیادہ سرکار ہیں لیکن ایسے مارک اور برآنوب دور میں قوم و وطن کی آزادی و اتحاد کی تحریک سے الگ تھلگ رہنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا دارالمصنفین کے مانی دہوس علامہ شبلی نعمانی ترجمہ کی طرح ان کے لائق حاشیوں نے بھی ملک کی آزادی و اتحاد کی تحریک کا سہرا دیا اور اس کے اس نطے کے کارپردازوں، مولانا تیسرے ملان ندوی

فر و اسباب ذکر مائل ہو گیا۔

بھی عظمیٰ نے حالات اور طرزِ ادا و دل میں سہلی اور سہیل کا متبع کا خصم نہ مانتا کہ اگر کمال کے لوگ اہل حق اور سہل کے یوری طرح ایسا نہ کیا جاتا تو اقبال سہیل کے پیچھے جو کلام بولتا حال کے متعلق کہتے ہیں

”مجموعہ تو اس وقت آپ کے پیش نظر تھام تر
اس کی کائنات مکر ہے مگر نہ ان کے متبع کا کمال ہے نہ وہی
ان کی ہوں پانچ کو بھی استاد کے نقشِ قلم کا دھوکہ دیا
ہے کچھ تو ان کی فطری استعداد اور کچھ یہی وہی
جہالت اور ادنیٰ دلی میں استاد کے ساتھ ہم آہنگی
کی مٹی ترقی میں بہت مساعد ہوئی اور اب تو یہ عالم ہے کہ ان
کی راویس نظم کو میری ذہنی مخلوقات سے متاثر کرنا پڑے
مبصر کے لیے بھی دستور ہے“

بھی عظمیٰ نے خود بھی نہایت مزاح دلی اور جہد۔ احسان دلی
کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ

”ماہِ مطہر آف ہیں کر میرا ذوق و صداقت سہلی و سہیل
سے شاعر ہے اور موجدِ کلام اور اس ماہیر کے درمیان تو آفتاب و
درہ کا رُبط ہے اور طاقِ اہلِ عرض ہے کہ اس کے پاس جو
کچھ بھی ہے سہلی آفتاب و اس کی ضیاء بھی کائنات ہے
متعارف ہیں یہی ہیں یہ لوہے میں ورنہ
کمال۔ درہ۔ کمال۔ مہرِ صوفیائے سہل“

یہ تو اساد و ساگر کے اپنے بیانات ہیں اس سلسلے میں
اور مبصر اور اہلِ نظر کے آراء بھی کمالاً مناسب ہو گا مولانا
شد سلیمان فرماتے ہیں

”شاعر کے کلام پر ممالا، اثر سہلی اور سہلی کے توسل کو
شاگردِ نصرت سہلی کا ہے وہی اردو میں ماری رکیوں کا جادو
وہی حدیثات کا توسل و خروشاں اور ہر نظم میں مدہنِ راست
کا رُخِ انعام کا سکھ حدیث کا توسل اور حق و صداقت کا حیران
کے کلام کے حصص ہیں“

سابق صدرِ جمہوریہ ڈاکٹر اکبر حسین مرحوم رقم طراز ہیں
”تھو کھانا علی کے زمانے میں سہلی کی رفاقت نصیب

ہوئی۔ ان کی ذہنی کلام نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا اس
ذہنی کلام کی جھلک مجھے بھی صاحب کے کلام میں دکھائی
دی ہے جہیں سہلی سے گہرا تعلق تھا۔ مجھے تو ان کی مبصر
کو پڑھتے ہوئے ان گاماں ہوا ہے کہ سہلی کی نظم پڑھ رہا ہوں
وہ سہلی و سہیل کے رنگ سہی کے بھڑور عائدہ تھے دوران

یہ اس اندازِ کلام کا عائدہ ہو گیا جس کو اردو محبوں کے۔ ماند
اقبال سہلی کی طرح بھئی عظمیٰ کو بھی نظر سے رہا وہ جھپٹی
مناسبت بھی نہیں ان کا گستاخانہ تعریضوں کے رمز و
حالی نہیں ہے۔ ان کی عروں میں کیفیت و جلال و سوز و اثر
لطافت و پاکیزگی، قلبی واردات و اتراپ، حالات کی رنگین و
مست اور طرزِ ادا کی دعائی و دل کشی موجود ہے۔ نگرانِ کمالی سراپا
فرد کمالِ نظم ہیں۔ ان میں مختلف قومی دلی اور سیاسی مسائل
و امور پر مٹ سکھ انداز میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور یہ مذہبی
روح، قومی عبرت، ملی سمیت، سیاسی رجز، حبِ وطنی بھی آج
اور درسِ اخلاق و غمرہ سے سمورا درسا عمارتِ محسن، متنی و مکار
کی جھلک، قوتِ تحمل کی صفت ذرا کمالِ ادا و اس کی لطافت
و دلآویزی، احساسات کی سدِ مشاہدات کی گہرائی اور
اقبال سہلی کی طرح رباں و وساں پر غرِ ممبلی اسادانہ
ذہنی کا نمونہ ہیں۔

بھئی عظمیٰ نے قوم و ملک و وطن کی معدس و
ماہ مارہستیوں کے شاندار اور رستگوار کارنامے اور گزشتہ
رہیں تاریخ کے عظیم انسان اور عظمت و اوقات میں ان کے
قوم و وطن میں سدا رہی کی روح بھوکا ہے۔ ان کے اسدائی
دور کا کلام دھل قومی رجحانات و جبلانات کا عکس اور سیاسی
حقائق و کوائف اور مجاہدینِ آزادی کے کارناموں اور خدمتوں
کا مرقع ہے۔ ان کی عظمتوں میں ہم عصریت، بیہ علم و فن اور قوم و
وطن کے اکابر کے اوصاف و کمالات بھی جوتی و دلور کے ساتھ

سے لائی دکر ہیں۔ ان لوگوں کے معاملے میں ان کے جذبات ہمارے مارک تھے اور وہ ان کے خلاف کوئی مابہد نہیں کرتے تھے۔ مولانا آزاد اور ڈاکٹر کرکس نے بھی اعلیٰ کے حکام کی بڑی تحسین کی ہے، جو ان کے لیے بڑی مدد ہے مولانا ابوالکلام نے قومی وطنی شاعری کے حلقوں میں ان کے لیے حکومت ہند سے سزا دیے مابہد و طعنے مقرر کر دیا تھا جو ماحیات ان کو ملتا رہا۔

تشریحی حق کا مدھی کی غلبہ کا نقش بھی ان کے دل پر ثبت تھا وہ ایسی کم عمری کی سا بریلے جلوس میں سرنگ کرنے کے مالک حادی ہیں تھے۔ مگر یہ اندرا گاندھی کی شخصیت کی کستن اور عادی تھا کہ وہ جب عجب اعظم گڑھ آئیں تو یہ ان کے حلقوں میں ضرور بڑے شوق اور پامندی سے گئے، ایک دفعہ اعظم گڑھ میں ان کی آمد کے موقع پر انھیں دارالمصنفین میں مدعو کیا گیا جس کو اندرا جی نے سند مصروفیت کے باوجود حالانکہ اس تعلق کی سبب سے حوالہ کے والد اور دادا کو دارالمصنفین اور اس کے قیوم کارکنوں سے رہا ہے خوشی سے ملو کر لیا۔ سچی اعلیٰ لے اس موقع پر ایک نظم کہہ کر ان کا حصر مقدم کیا۔

تشریحی گاندھی لے گوسٹہ جیسا سلاں کے اندر جو عظیم انسان اعداات حضرت اگبر انقلابی فیصلے کیے ہیں اور جرأت مدراء درونی یسندہ کار مانے انجام دے ہیں ان کے بھی اعلیٰ بڑے مستزف اور مداح تھے۔ حال میں منگو و سیں کی آزادی اور وہاں کے مظالم کی ہمدردی میں ملنے اندرا جی کی قیادت میں حورول ادکلہ ہے اس سے بھی وہ بہت متاثر تھے۔ جایا اس موقع پر انھوں نے انھیں تبریک و عقدت کی ارمان پس کی بھی ان کی آخری نظم میں جو ”حق عظیم کے عربوں سے انھوں نے سمجھی تھی۔“

ان کا کلام محافل اعظم گڑھ، آسمان کل دہلی، میا د و گھوڑ، اور قومی آواز گھنٹوں میں راجھتا تھا اور دو مجرے میں مولائے جیتا اور مواعے عمو کے نام سے سارے ہوئے ہیں۔ اس قسموں میں ان کی شاعری پر بفضل تصرہ مقصود نہیں ہے۔ آئندہ کبھی اس کے مختلف بیرونی اور قومی و سیاسی رجحانات اور حب الوطنی کے

سیان کیے گئے ہیں۔ انھوں نے مرحومین کے یاد دہانی اور دل دوزیر نے بھی کیے ہیں جو ستہ تانز، جوشی عسم اور حدہ عقدت سے منور ہونے کے علاوہ شاعر کی علم و ادب شاکا اور قوم و وطن پروری کا جوب اور موجودہ نسل کے لیے درس عرب اور پیام موعظ ہیں۔ آزادی کے بعد کی بطوں میں انھوں نے خاص طور پر بدستان کی برق رفتار ترقی، اس کے درختاں مستقل اور عظیم انسان تیری و طلائع مصوبوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اعلیٰ جیت سے قوم و وطن پرور رہے ہیں جو کہ بدستان کی آزادی سے پہلے بھی وہ آزادی و اتحاد کی تحریک کے اسے ہی پر جوش حادی تھے جسے خود عرض، معادیسہ و مرقہ پرست عاصر کے مخالف تھے۔ اس زمانے میں ان کا نظم ملک کی مملوئی و سلامی پر لکھتے اور ان سرورستان وطن کو چاہیے تشریف لکھتے اور مدد حلوں میں کرتا رہا جو علی سامراج کے خلاف صف آراء اور سرگرم عمل تھے اور جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو ان کا دل مترب و سادمانی سے منور ہو گیا اور وہ دل و جان سے قوم و وطن کی تسخیر و ترقی کے آرومندن گئے۔ اس زمانے میں ان کی تناسل کا نظم لطائف قومی رہنماؤں کو تہنیت و عسدت منس کرنا اور ان کے ہاتھ مصوبہ کرنا جو ملک میں جمہوریت کے سوزن و سادا تو مسلم اور عدل و انصاف کو فروغ دے کر مصدھاء و افوج فتح امیری و عربی کا فرق، اوت یاب کا بندھن اور قدر دارانہ آد برسش کی نصت مثانا اور صحابی و ساتھی نا جمہوری اور نا انصافی و مدعوئی کا انداز کرنا اور پورے ملک کو اتحاد و یکجہتی اور دل ملک کا گوارہ ساما چاہتے تھے۔

علم و ادب اور سیاست کے متناہیر سے ان کو عجمی عصبیت و جنت تھی اور جن کے علمی و ادبی کمالات اور قومی و ملی اور سیاسی خدمات کا انھوں نے ناناہ اور پرائز انڈیا میں ذکر کیا ہے ان میں علامہ تہنی و تنہیل کے علاوہ گاندھی سہی، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ مال خورو، ڈاکٹر کرکس، لال محمد ساستری، اور تشریحی اندرا گاندھی کے نام خاص طور

تسرم و حوا اور باکاری میں بے مثال تھے۔ اپنے بچے تکلف
دوستوں کے سامنے بھی ان کی جھجک قائم رہتی اور کوئی بات
سنجیدگی و مشائے کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ امانت و دیانت
فرصت سناسی اور اوقات کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے
اور ایسے متعلقہ معاملات میں دے داری اور خوش اسلوبی سے
انعام دے دے تھے۔ دارالمصطفیٰ میں ہزاروں روپے کے کاروبار
کا حساب کتاب تمنا ہی کے ذمے تھا۔ لیکن اس میں کبھی ایک
جہ کا فرق نہیں ہوتا تھا۔

استقامت و استقلال کا یہ حال تھا کہ تحریک خلافت اور
نان کو آپریشن کے زمانے میں انھوں نے جو عقیدہ اور سیاسی مسلک
اعتبار کر لیا تھا، اس پر بہت استوار اور قائم رہے، اور بڑے
سے بڑا طوفان بھی ان کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکا۔ ردِ غلی کے
دوسرے اشغال و معمولات میں بھی ان کی وضع داری، رکھ رکھاؤ
اور استقامت کا یہی حال تھا۔

۔ جس اتفاق ہے کہ مولانا ابوالکلام کے مداح و عقیدت
کیتس نے بھی اسی تاریخ کو اس حسان فانی کو الوداع کہا
جس تاریخ کو چودہ سال پہلے خود مولانا نے الوداع کہا تھا۔

نقوش اُبھا کر کے حائیں گے۔ وہ فرق مرات کا ٹراٹھا کرتے
تھے۔ ان کی مجلس احرام و تعزیت اور بے اعیانگی سے پاک ہیں
بجلی جھلسی بڑے لطافت پسند سے ساگی کے ماحول ان
کی زندگی میں ہوتی سلفگی اور مناسب تھا۔ ان کے مکان اور دفتر
کے کمرے بہت صاف ستھرے رہتے تھے اور ان کی ہر چیز بڑے
قرینے اور سلیقے سے لکھی ہوئی ہوتی تھی اور میر کی تمام جہیں
بہت مرت رہتی تھیں لباس موٹے بھولے کھدر کا نہایت صاف
ستھرا پہنتے تھے۔

وہ طعنا کم، مسر، حاشوش اور عرب پسند تھے ان میں نام
وہود کی ہوس اور تکلف و نصیحت کا پتہ نہیں تھا۔ ناموری اور
تہمت طلبی کے مواقع سے ہمیشہ دور رہتے، متاعے اور حلقے تو
درکاری مغللوں اور مخصوص ادلی و شری مستحسنوں میں بھی تشریف
ہونے سے احتراز کرتے تھے۔ لگوں سے ملے لانے میں ان کو بڑا تکلف
اور محنت گھراہٹ ہوتی تھی مگر یہ ان کے ذاتی طبع کا نتیجہ تھا دور
مران میں تفریح کی کھالے خاک ساری اور مروتی تھی اس لیے
جب کسی سے ملنے تو اکسار اور حندہ بیانی سے ملنے اور جھوٹوں
سے بھی شفقت و مروت سے پیش آتے۔



تصحیح

نیا دوسرے کے خوری۔ مردی سے کے متحرک تھارے میں
ایک تصویر تالیف ہوئی ہے جو گزشتہ سال کی ہند پاک جنگ
کے دوران "جس جاگن" پر دو گرام سے متعلق ہے۔ جس جاگن کا یہ
یہ دو گرام سجاد بھاگ ان پریس کے زیر اہتمام سوجا گمید حضرت گنج
کھنڈ سے ویرانہ تمام کونہ ہوا کرتا تھا۔ غلطی سے تصویر کی سرخی میں اس
یہ دو گرام کے ہندی۔ اردو گم کے زیر اہتمام ہوا لکھ گیا ہے جس کی انوس ہے۔
اسد بیٹ



دورِ اعظم تشریف اندر کانڈھی ۲۲ مارچ میل سنسٹہ کو بڑیل گنج (کوٹھیوڑ) میں ایک بڑے جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے

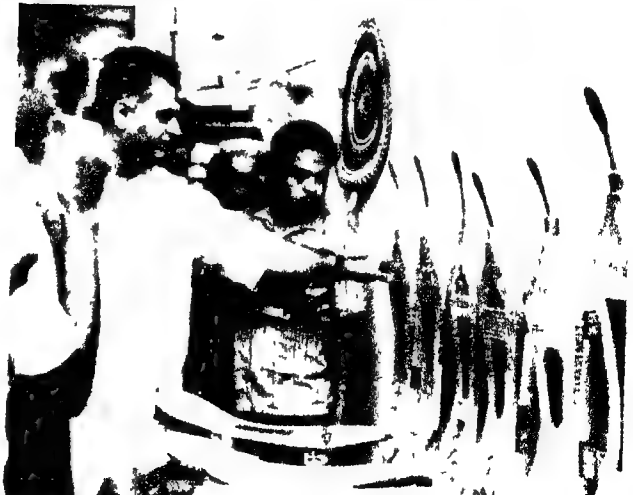


ہمارے دورِ برائی تشریف کی یاد دہانی
نامِ رابیل سنسٹہ کو وزیرِ برائی
آزاد تشریف کلاہی تشریف سے
ان کے دوزخ میں ماتِ حیات کوئے
ہوئے



انٹرویو میں سنگیت ناٹھ اکاڈمی کی جانب سے ۱۵ لاکھ روپے کی اخراجات دینے کی ایک تقویہ رویداد رالی
لکھنؤ میں دم مار دیج سنگیت کو مقصد مودی تصویریں گورڈا سٹریٹ کی گوال ریڈی ہندی کے متاثرہ اویس
شری امرت لال ناٹھ کو اخلاص دیتے ہوئے

شری کے ہمراہ پینت وزیر ریاست
برائے امور خارجہ حکومت ہند نے
حال ہی میں مئی کو اس ہندو گاہ
کا افتتاح کیا۔ تصویریں شری پیت
اس موقع پر ہونے والی دستکادیوں
کی نمائش دکھ رہے ہیں





ماٹری کلسی ترباشی یونیورسٹی کے ڈپٹی اسپیکر ان حزل کے سالانہ جلسے کو کھنوس میں ہمارے سسٹم کو خطاب کرتے ہوئے اسٹوڈنٹس
داخلہ سٹریڈم کو کس و ویری اسی دور پر ملنے کے بائیں جاس بیٹھے ہوتے ہیں



وزیر تہذیب و ثقافت اتر پردیش شری رام
نکھن کو دی ضلع پانڈہ میں جیل
نہ ملے پپ نہ کلا ہوا بریل کو
سنگ بنیاد رکھتے ہوئے



اس سال یومِ میں ہوئے والے اولیٰک ہاکی میچ کے لیے سندھستانی ٹیم کے کھلاڑیوں کے آفتاب کے واسطے ایران میں بھوس میں ہاکی کے س از کھلاڑی اور سالی کیساں تری، گو تے سگہ و ماو کی بھرا لی میں ایک ماہ کا رہیں کیسب مسقہد ہوا۔ بصور میں (سائیں) کیسب میں سقہد لیسے والے کھلاڑیوں کا گورنر ڈاکٹر ٹی۔ گو یال رڈی سے تعارف اور ودائیں، سری باو ہاکی استعمال کرے کا صحیح طریقہ بتا رہے ہیں

مرکز دور سری شر الدین علی احمد کھٹہ میں سیوں اور ہندستان کے درمیان ہوئے والے ٹیوس کیب لائنس کا دوسرے دن دسرا بریں ششہ ہاکی میچ دیکھ رہے ہیں۔ ہندساں کے تری سے دب بکرجی اور تری بریم حیت لال نے یہ جیتا



مشرقی اتر پردیش کی ترقی میں ایک ادراہم کڑی

دوہری گھاٹ کا پل

دارائسی گورکھ پور یونی شاہ راہ نمبر ۲۹ پر دوہری گھاٹ کے قرب کو تعمیر گھاٹ کال، جس کا افتتاح وزیراعظم مشرقی اتر پردیش نے ۲۲ اپریل ۱۹۶۷ء کو کیا، گورکھ پور، دیوریا اور بستی کے ضلعوں کو اعظم گڑھ، عاری پور، سلطان پور، دارائسی اور جوں پور ضلعوں سے

سے راہ راسب رابطہ قائم کر کے ایسی صورتیں پوری کر سکیں گے اور ایسی مصنوعات اور پیداوار دور دراز کی سڑکیوں تک لے جاسکیں گے۔ اس پل کی عدم موجودگی میں اب تک پیسے کے پل کے ذریعہ درامے گھاٹ گھاٹ کو بار بار

جانا تھا۔ بد سات کے موسم میں تقریباً چھ مہینے تک پیسے کا پل مٹا دیا جاتا تھا اور اس درامے میں اس بڑے دریا کو صرف کشتیوں کے ذریعہ پار کیا جاسکتا تھا۔ یہ انتظام بے انتہا پریشانی کا باعث اور علاقے میں گھبراہٹ اور خوف کا باعث بن گیا تھا۔

کے بن جانے سے یہ دشواری ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی ہے اس پل پر آمد و رفت کے لیے ٹول ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔ گورکھ پور کے کھانے کے کارخانے کے لیے کھانا اور دوسری ضروری اشیاء دور دور کے سترقی پردیسوں سے لانا پڑے گا جس اور تیار شدہ کھانے ہی دور دراز کے علاقوں تک بھیجا

گھاٹ کال پل خوش حالی کا راستہ ہوگا

وزیراعلیٰ کا بیغام

دوہری گھاٹ میں گھاٹ کال کے تعمیر پل کے افتتاح کے موقع پر وزیراعلیٰ سترقی کلاپی تپاٹھی

نے حسب ذیل بیغام دیا تھا۔ گھاٹ کال پل، جس کی ضرورت عرصہ دارے محسوس کی جا رہی تھی اس نے سہولت پیدا کی ہے۔ اس کا اعلیٰ اعلیٰ میں منسلک ہے۔ گورکھ پور سے ساہواری پل ایک گاڑی نہیں بلکہ سماجی، جغرافیائی اور معاشی پروگراموں کو مربوط کرنے اور خوش حالی لاسے والا مل بھی تیار ہوگا۔ اس کی تکمیل سے ایک بہت بڑی کمی دور ہوگئی ہے۔ قروں سے یہ علاقہ پڑیس کے دو حصے اب ایک ہو گئے ہیں۔ ہمارے مائٹری دریا اعظم ادراجی اس کا افتتاح کر رہی ہیں اس سے بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس پل کے ذریعہ مشرقی ضلعوں کی محسوس حالی اور ترقی کے دو وارے کھل گئے ہیں۔

تقریباً دو سو سال پہلے کی کڑی ہے یہ دوہری گھاٹ کا پل۔

گھاٹ کال پل ہر موسم میں آمد و رفت اور آمد و رفت کی راہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر کے صنعت، تجارت اور زراعت کو فروغ دے گی۔ سمیت ادنیٰ رفتار عطا کرے گا۔ اب مشرقی اتر پردیش کے یہ ضلع ہمارے مغربی بنگال اور بھارت

براہ راست ملتا ہے یہ پل پردیس کے اس پس ماندہ علاقے کی ترقی کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہوگا۔ دریا سے گھاٹ کال اب ایک مشرقی اتر پردیش کے سب سے آداسی کے اس وسیع علاقے کو تقریباً دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ دونوں حصوں کو جوڑنے کی پہلی کڑی تھی جس نے آباد کے قریب



دوسری گھاٹ کا تو تعمیر

وزیراعظم شری ۱۱ ابراہیم
۲۲ ابراہیم سٹیشن کوئیں کا
افتتاح کرتے ہوئے پھور
میں مرکزی درستی
نہر الدس علی احمد اور در
اعلیٰ یو۔ بی تری مکمل
نرمالھی بھی دکھائی دے
رہے ہیں

کو متقول میرے دے گا اور اس کی ممب امرائی کرنگا۔
یہ سس کے مختلف قائل دیدھامات کی سیر کے لیے سہل
ملکی اور عمر ملکی سیاح لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں۔ وہ ناکا
اور پودھی ترقی اس سہان سازنا تھ تو لارٹا آتے ہیں اور وہاں
سے پودھوں کے مذہبی مقامات لکھنئی گمبستی گمبستی آؤستی جاتے
ہیں۔ اب تک اس سفر میں دریاے گھاگھا اور اس کی سہارا
موجودہ جاتی تھی پھر لیکن گھاگھا اور تعمیر لیے ان باتوں کو اور بتا جوں
کے سفر کو بہت ہی آسان بایا ہے۔

گورکھ پور دھوریا اور سستی سے الہ آباد پہنچ جاتے پر وہاں سے
۱۷ اور بھانسی نیسی سکیل گھنٹ جاتے کارہستہ کھل جاتا ہے
بہولت بھی اس پل کے بن جانے سے مہیا ہوئی ہے۔
اس پل کی تعمیر کے لیے حکومت ہند نے ۱۹۶۵ء میں ایک

۱۱ ثابت ریلوے لکھنوں کی کمی اور وقت سے اس کے مل
مانے کے باعث گھاگھا کے جنوب میں ۱۰ اٹ پروس کے مختلف
صلوں کو کیمپادی گھاگھا واپس اور سب سہارا میں مل
سکتی تھی اسی کے ساتھ گھنٹور کے کارہار کی گھاگھا کے
جنوب میں واقع ریاسب سہارا کے وسیع علاقے تک بھی
دستواری کے ساتھ پہنچ جاتی تھی لیکن گھاگھا کے ملنے کے
سال اور سار گھاگھا کے نقل و حمل کو سہارا سہارا
دوسری گھاٹ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے گھاگھا
اور دوسری دھوری صنعتوں کے لیے مہیا ہیں یہاں ایک ترقیاتی
ملک بھی قائم کیا گیا ہے سستی اور گورکھ پور کے اضلاع بھی کافی
مقدار میں گھاگھا اور مہندلوم کا سامان تیار کرتے ہیں گھاگھا
کابل اس مال کے لیے مار مار سار کرے گھاگھا سار کرے والوں

اندر اگانہ می لے عام آمدورفت کے لیے اس کا افتتاح کیا۔ گاڑیاں ایک وقت دونوں جا سے گزر سکتی ہیں اس کے علاوہ سیدل چلے والوں کے لیے دونوں طرف ۵۲ میٹر چوڑے دفاعی فاصلے میں ایک گڑ کا عطیہ

میل کے افتتاح کے موقع پر چلے والے جلسہ عام میں روپے کی تیسری سطر و سطر سہ سرتی اندرا گاہ می کو بیس کی۔

دیر اعلیٰ کے قومی دفاعی فنڈ کے ۱۵ لاکھ روپے کی پہلی سطر جنوری ۱۹۷۲ء کو لکھنؤ کے ایک جلسہ عام میں وزیر اعظم کو پیش کی گئی۔ دفاعی فنڈ کے لئے ایک کروڑ کی دوسری سطر دہلی کے وزیر اعظم

کے دورہ ریل کے موقع پر ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو پیش کی گئی۔ اس طرح قومی دفاعی فنڈ میں اریڈین کا عطیہ اودھ گڑ دیوے کا جو گیا۔ اس فنڈ میں عوام کے خطبات کا سلسلہ بلبرجاری ہے۔

ہسکیم مٹور کی بھی ریاض میل کی قسم پر ۲۲ ۱۸۳ لاکھ روپے کی لاگت آئی ہے تفصیلی سروے کے بعد دہری گھاٹ سے متصل موجودہ گاڑ گھاٹ سے ۳ میٹر پیچ کی جانب بھگنیل کی تعمیر کے لیے سڑوں یا نی گئی ہیں اور یا کا بہاؤ سیدھا ہے

اس مقام پر دریائے گھاگھرا کے پانی کا انتہائی بہاؤ ۳۰۸ میٹر میل پر سکڑ ہے۔ اتنی مقدار میں پانی کے بہاؤ کے لیے ۲۲ میٹر لمبا پانی کا سبھا دار سہ درکار ہے۔ میل میں لکڑی کے ۱۳ پائے ہیں جو میٹ لکڑی کے کوڑوں پر تعمیر کیے گئے ہیں۔

گھاگھرا میل پر سڑک کی چوڑائی ۱۵ میٹر ہے جس پر بھاری گاڑیاں سب وقت دونوں جانب سے گزر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ریل چلے والوں کے لیے دونوں طرف ۵۲ میٹر چوڑے فاصلے پر سڑے بنائے گئے ہیں۔ اس میں کی قسم کا کام ۱۳ مارچ ۱۹۷۲ء کو شروع ہوا تھا اور مکمل ہونے کے بعد ۲۲ اپریل ۱۹۷۲ء کو دریا پر اعظم سرتی



دہری گھاٹ میل کی ۱۵ میٹر چوڑی سڑک اور دونوں جانب کے فاصلے کا ایک حصہ

غزل

ہزار لکھنوی

نہ جانے کتنی دہلیسوں یہ سر رکھا پڑا مجھ کو
ترے دھوکے نے دنیا بھر کا سندہ کڑیا مجھ کو

بہت اکا رہی تھی جراتِ عرضِ فنا مجھ کو
مگر ٹیٹھ بات ایسی تھی کہ چُپ رہنا پڑا مجھ کو

گنہ گار محبت کو یہ اطمینان کیا کم ہے
کم از کم ایسا بندہ تو سمجھتا ہے خدا مجھ کو

صدائے بازگشت آتی ہے یادہ لگنا تارے
غزل پڑھتے ہوئے شاید کسی نے سُن لیا مجھ کو

محبت جرم ہے تو عمر بھر میں نے خطا کی ہے
اب اس کے بعد جو مرضی ہو وہ دیکھئے سزا مجھ کو

زمین و آسمان کو جب متحمل نہیں پایا
میرے راکٹ کے سارا عمر اٹھا کرنے یا مجھ کو

ہزار آئینا تو سرِ ظالم کے آگے خم نہیں ہونا
کہوں کیا تسک کی توفیق آیتا ہے خدا مجھ کو

غزل

حضرت درویش

سو اپنے درد و غم سود و زیاں تک مات جا پہنچی
لگاں تک بھی نہ تھا جگہ ہاں تک بات جا پہنچی

مرے ذوقِ طاب نے راہ میں منزل کے دم توڑا
تماشا بن گیا آہ و فغاں تک بات جا پہنچی

صبا گلشن میں چپکے سے یہ غینوں کو بتا دینا
تبسم کی تمہارے باغباں تک بات جا پہنچی

غم بچا رگی میں اشک پلکوں پر سمٹ گئے
بُرا ہو عاشقی کا داستان تک مات جا پہنچی

شعین سے دھواں اٹھ کر سرا فلاک جا پہنچا
ارے تو بہ مے عمر کی کہاں تک بات جا پہنچی

کبھی سوچا ہے کچھ تو نے تماشا دیکھنے والے
ترے چھپنے سے ناقوس و اذان تک مات جا پہنچی

بلا نوشا یہ بتانے کے دراب انہیں ہوں گے
مناقم نے حضرتِ سیرِ مغان تک بات جا پہنچی

مثنوی سحرالبیان کا محاکاتی پہلو

سردار احسن بیگ

مثنوی سحرالبیان میں میر حسن نے ایساں نمود پایے اور
ایسی محنت اور کمال کا اھیں خود بھی احساس تھا در وہ یہ دعویٰ کرتے

ہیں مثنوی ہے ۔ اک بھٹھری
سسل ہے کوئی نہ گویا لڑی
نئی طرح ہے اور نئی ہے زمان
نہیں مثنوی ہے یہ سحرالبیان
اے گا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات بول کو میں قوی کہتا
تب اس طرح دنگیں یہ مثنوی کیا

اس مثنوی کے بلاٹ میں یہ دکھا گیا ہے کہ تحت تاج کا دارت
ہوئے کی جسے ایک بادشاہ کی زندگی تیر کی طرح سنان ہے ۔ وہ
دیاسے قطع تعلق میں ہی مفرد بخت ہے اور عقل در را سے مناسب
ستورہ دیتے ہیں ۔ بہت سے قصوں کی طرح یہاں بھی فقیر، بڑبھن بکوتی
ایک لڑکے کی مشین گوئی کرتے ہیں لیکن اس خطرے سے بھی آگاہ کر دیتے
ہیں کہ لڑکے ایک خاص سال میں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اس طرح
پری کا تھرا دے گا اور عاقبت ہونا، نکل کا گھوڑا، خواب میں ماروں کا بہکنا
ہونا اور دیریزادی کا مضمحل ہونا ستر سے آؤنگ بہت سی ایسی سرسریں
جس جن کے سہارے مثنوی کا بلاٹ آگے بڑھتا ہے لیکن یہ ساری چیزیں قدیم

میر حسن کی مثنوی سحرالبیان اردو ادب کا لافانی تہا ہنگام
ہے میر حسن نے یوں تو کئی مثنویاں لکھی ہیں لیکن جو قبول عام سحرالبیان
کو نصیب ہوا اور کسی مثنوی کے حصے میں نہ آیا یہ بقول میر حسن انھوں نے
اس کہانی میں اپنی عمر صرف کوئی تہ کہیں چاہے کے بڑھائے میں مثنوی
لکھی گئی ۔ یہی وجہ ہے کہ میر حسن کی یہ تصنیف ادب العالیہ میں شمار کی
جاتی ہے اور بقول مولانا حالی اردو کی عظیم مثنویوں میں آج تک ایسی
مثنوی میں لکھی گئی ۔

مثنوی سحرالبیان یہ تصروہ کرتے ہوئے رد فیہر مقام حسین
صاحب لکھتے ہیں ۔

”اگر سحرالبیان کے بارے میں یہ بات کہی جائے کہ یہ
اردو زبان کی ابھی مثنوی ہے تو ہمیں یہ کہیں سے یہ آواز دہرائے
گی کہ یہ لے درست نہیں، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ مثنوی اردو کی
بہترین مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے تو شاید کسی کو شدت کے ساتھ
اختلاف نہ ہوگا کیونکہ کس کی کہانی اور انداز بیان میں صبر ۔ کچھ
ایسے عناصر ہیں کا مطالعہ اس کی صحت کا پتہ دیتا ہے
مثنوی سحرالبیان کے متعلق میر حسن علی المثنوی لکھتے ہیں :
لکھتے ہیں :

”مثنوی اہم یا نہی ہے یہ کہو اس کا ہر سحر اہل علاق کے
دلوں کا توجہ منشا ۔ اس کی ہر داستان بحر یامری کا دفتر ہے ۔“

لے تنقیدی جائزے صفحہ

کی عمر میں نے بطریق تمام علوم و قدرت حاصل کر لیا، دوسری کا وجود،
 عجیب و غریب بھولوں کا دیرہ، سواہر ہر کتاب ہنرات، بیرون کا اشانی
 خصال اختیار کرنا، یہ سب بطریق واقعات جو کہے گئے ہیں سبک حیرت
 کے لیے اس کے عجیب تنہی کو عقولیت دینا مکمل رہا اور سب ڈانگل پر
 ہے کہ ان حیرت کے درمیان انھوں نے ایسے دور کی تہہ ہی اور دعا ترقی
 دینگی کی ایسی دلکش و پرجل تصویر پیش کر دی کہ باوق الوطی حیر

کا ذکر کہ یہ سیت رہ جاتا ہے۔ جس کا بیان اس ساجی زندگی کی عکاسی
ایسی تیز و سستی بھیدا دیتی ہے کہ ساری تنہوی پر وہی بھالے رہتے ہیں
حس سے یہ حقیقت سے قریب ہو کر میت کی زندگی حاصل کر لیتی ہے۔
سحر الدیوان کی اس مصیبت نے جس میں کوسے زیادہ شہرت
کشتی وہ اس کی کردار نگاری کا حسن ہے۔ لیکن یہ سحر نے شعوری
طور پر کس ہیرو کی طرف دھیاں نہ دیا، وہ ان کے زمانے میں کردار نگاری
کو اپنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ اسے حال و چہرہ کو سوار کرتے لیکن حدِ حقیقت وہ
کی نظر سے ہی اس شعوی کا سب سے بڑا حسن ہے اور اسی میں نقشہ تمام حسن
و فن کا دی سمٹ کر آگئی ہے۔ سحر الدیوان جن کے کرداروں کے گہر کوئی
ہے ان کی تعداد زیادہ نہیں۔ لیکن ایک بادشاہ، ایک لطیف راہ، ایک مجاہد
محبود، ایک عجم النساء ایسی چند کردار کہاں کا ناما مانا بنے ہیں، ان میں
کھلی بادشاہ محبوب، شاہِ حقیقت رکھتے ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں
اور اس طرح تھے کہ آگے بڑھنے اور اس میں صحنِ خوبی یہ یاد کر کے
یہ صرف چاکر دار دانی رہ جاتے ہیں۔ عام ساجی تقاضوں کی تحت
عجب و حیرت مریں اور جوتوں کا ذکر ہر دوری تھا ورنہ اس دور میں
مقبولیت کیسے حاصل ہوتی۔ دریاں میں بھی حادثوں، خواہشوں اور
لوٹنوں کی غزوائی اس تاہم تمدن کا پتہ دیتی ہے جس سے قصے کی ابتدا
کی گئی ہے۔ قصے کے ارتقا کے لیے ان چیزوں کا ذکر بھی ضروری تھا لیکن
میر حسن نے جہاں بھی کرداروں کو مین ہی لیا ہے وہ ان کی پوری تصویر
سائے آجاتی ہے۔

۷۷

دانتوں اور دانتوں سے ماتو ہیں۔ چہرے کی اس میں کسی کی کسی اڑھنا علی
موتو ہے جو کسی دوسرے ہتھیاری نگار کھینچ۔ وکی۔ درہل میں اس ایک
کو آج کل کے سماجی دھاکے میں ہر گھنٹے کے کئے اودھو کے اس ماتوں
میں ساجھا جاسیے جہاں ہوسٹ اور ملاط میں ہدیت تلاش کرنا مفید۔
چوگا اس کے کئے ہے۔ کیکھ افسر رہے کہ اس میں کسی کی کسی اڑا دنی
محاس کس حد تک ہوتے ہیں۔

بہت سناں میں سرسہ کا راز وہ درما لے سے یہ مختلف تھا۔
شامی لطام، طاگیر اور حاتر تھے ایسے الٹی طرٹ ڈور ہی تھی۔
کھنڈے کے داہوں داتا، بے ریاری، علم ہی تھے، تعرواب سے تجسبی
یہ پیریں، یادہ دینک قوم، ایکس ایکس میں عین دوسرے کے ہوسر
داعل دیکھتے تھے ان کے دوسرے سے قصوات کہ اسلے کی طرف دھیان
ہیں، یا حاکم تھا ملکوتیہ، دیات اور خیال و فنی دل کش ہی اس کچھ
کھول گئی تھی۔ ایسی حالت میں کسی تاسرے یہ ایک راکہ، کچھ حالات
سے سر جو کر اپنی، بھی کیفیت کوئے سائے میں ڈھال لے گا عطا مگا۔

آسٹریلہ کے صدر ملکوسٹ سے سرپرستی، سہارا اور داناؤں پر مشتمل ایک
وقت آرمی بھی بھیجا تھا۔ پھر وہاں کے ایک تاجر نے اس میں حصہ لے کر ایک
قوت نہیں تھی۔ یہاں کے قصود اس کی جان کو بچانے کی تھی۔ حقیقت یہ کہ
حاکم نے جس سے اسے دو میں پرورش پائی۔ اس وقت تک اس نے
اپنی حق کی کتنی معلومات کی تھی کہ اس کی کتنی حق رائے میں گمان
مات۔ یہاں سے کہنے کے لیے جو اس کے لیے معلوم ہوں گی۔ یہاں تک کہ اس کو

دُپ مِلے کے لیے صدمہ دیا تھا کہ باوقی الطهرت عناصر (SUPER-NATURAL ELEMENT) اور ان کی حرکتوں کا ذکر کر کے کہانی میں حیرت کا عنصر پیدا کیا۔ عجب فتنے کی دل کشی میں اضافے کے لیے اس حیروں سے مدد لی جاتی تھی جو ان لی سترس سے ماہرین - راتوں - راتیں کو مقبولیت کے لیے اس حیروں سے مدد لیا ایک خاص - مانے تک ہر ادبی تخلیق کے لیے صدمہ دیا تھا جس سے الگ کر کے سحر الیاء کا مطالعہ کرنا سحت مانعاً ہی ہوگی۔ جیسا کہ جس سے حسب باوقی الطهرت عناصر

(SUPERNATURAL ELEMENT) یا اعلیٰ اسالی عناصر
کو مبین کیا تو اس سے سنو کی فنی جہیوں کوئی اثر نہیں پڑا۔ ساہو سال

سے نظیر سے سے ہی کا ذکر کرتا ہے جو عورت کی فطرت کے مطابق
سادہ سنجیدگی حوالہ کر رہا، رنگ و حسد کی لگ میں جھلکتی ہے۔ لیکن دل
میں محبت کا جذبہ رہے قرار ہے۔ یہی جذبہ اسے جلد سے غلط سادہ ہے۔
وہ آزاد طلعت کی مالک ہے۔ اس طرح مدد میر کی محبت میں رائے امداد
کی سچی محبت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھی قتلے نظیر سے عافیتیں سچی یہاں
نکلتی کہ جواب میں بھی بے نظیر کو کہیں میں دیکھ کر اسی ہمراہ محم انسان سے
سارا قصہ سنا ہے۔ پھر بھی مدد میر اور بے نظیر۔ دونوں کا کردار ایک ہی
سایہ کے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

سچا انسان میں سے ایک ہر کردار انجمن انسان کا ہے۔ لکھ بکھا جا سکتا ہے
کہ سحر الیاد ہی میں ہیں اور کوئی تمام شہویوں میں وہ دینی تل آئے ہیں
وہ ایک زبدہ حقیقت ہے جو بے سلی میں عمل اور نمود میں حرکت پیدا کرتی
ہے۔ جس شہوری طور پر انجمن انسان کی فطرت کو کہانی کی ایک ایسی ہم کردی
سادہ ہے جس جو آگے چل کر فتنے کو حتم ہونے سے بچنے لے۔ پہلی دفعہ سحر انسان
سے آتی ہے تو وہ ایک عملی کردار کی طرح کہانی کے خاص وقتوں پر کام
کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بے نظیر مدد میر کے ماننے میں سچا ہے
مدد میر جو احوال کے حشر میں نظر آتا ہے۔ عین کا سیر یا ہر جگہ کے نظیر
عشق لکھا کر گرجا ہے، مدد میر بھی بے ہوش ہو چکا ہے، چوتھیں سہیلیاں،
اسی ہوئی نظری میں کہ اس عالم میں کہ انسان ظاہر ہوتی ہے۔ کہانی میں
لے پونجی کی حالت زیادہ دیر تک میں کھائی جا سکتی ہے، اس لیے
اختصار کا نال لکھاتے ہوئے جس سے سحر انسان کی صورت اور میر
کا نقشہ صرف دو شعروں میں پیش کیا ہے

حق ہی راہ اکس کی دخت دربر نہایت حسین رقیات تیرہ
دس بھی ستارہ ہی وہ دلربا اسے لوگ کسے نھے سحر انسان
ان دونوں شعروں میں تنوی گیار نے سحر انسان کا سارا خاکہ پیش
کر دیا ہے۔ وہ گھرائی میں ہے۔ بے ہوش دیکھ کر دونوں کو ہوش میں لاتی
ہے۔ دونوں کے دلوں کے حجاب کا مادہ لکھاتی ہے۔ تیرا بے لاکر سر جہا
کی اس کیفیت کو دلوں سے دور کرتی ہے۔ اس طرح جہاں میں کہانی
میں وجود کی کمی کیفیت پیدا ہوتی ہے، سحر انسان اس میں حرکت پیدا کرتی ہے
بحکم انشا شریہ ہے وہ دربر وادی ہونے کی وجہ سے مدد میر سے زیادہ

کا مدنا ضروری تھا۔ اس کو واسطے میں جب عملی سرل ترسوع ہوتی
ہے تو میر جس کا فن اور زیادہ اظہر آتا ہے۔ کہانی میں سچی پیچیدگی برہمتی ہے
سنی گھٹیاں بڑی حافی ہیں اسی کی کرداروں کی اہمیت بڑھتی ہے جہاں
بے نظیر میں جو میں اور ادھاب کا مالک ہونے سے بھی بری کی طاقت
کا زکار ہوتا ہے جو اسے سوتے میں اٹھالے حافی ہے۔ محبت کے سارے
دور صرف کرتی ہے۔ بے نظیر اسی ماحول میں خوف و ہراس محسوس کرتا ہے
لیکن محسوس جو کہ پہلے اسے غیر معمولی طاقت و راہر ہمارے قافلے میں اس
پلے یہاں بھی نری جا سکتی ہے۔ خوف و ہراس اس کے چہرے و کھال
میں ہونے دیتے۔ کل کے گھوڑے کی مد سے مدد میر سے ملاقات ہوتی
ہے۔ یہیں سے اس کی مدد کا مایا با شروع ہوتا ہے جس میں عشق کا
حیدر غالب آجاتا ہے۔ مدد میر اسے دیکھ کر یہ واسطے قائم کرتی ہے۔

میرس بیدہ یا کہ سلا کاس

توانی کی راتیں مرادوں کے

بے نظیر ترسوع میں اظہار عشق سے۔ دور جہاں ہے لیکن تیرا میر
کے بعد ساری کہانی مدد میر کو سادہ ہے۔ بڑی غیر مخلوق تھی اس
لیے اس سے محبت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن مدد میر ساری حسن جمال کا لبوہ
نشی۔ اس کے قدروں پر سر رکھ سکتا تھا۔ اس کی فطرت کا یہ حاکم بے نظیر
کے کردار میں نری ملتی یہ پیدا کرتا ہے۔ ایک دن کوئی دیا اس ری ہونے
کو مدد میر اسے بے نظیر کے عشق کا حال بتا دیتا ہے۔ بے نظیر قہر کر دیا جاتا ہے
مدد میر سحر انسان کی مدد اور تدبیروں سے کہوں سے باہر آتا ہے و نظیر
طور پر اس سے لپٹ کر رہتا ہے۔ محبت میں کامیابی حاصل کر کے مدد میر
سے متادی کر لیتا ہے۔

مدد میر کا کردار بے نظیر سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے حسن کے سامنے
آفتاب و امیتا کی حقیقت نہیں۔ اس کا ہر امداد انسان سے زیادہ
پیدا ہے۔ اس میں ایسی مناسبت اور دفا ہے جو ہر آدمی کے لیے ضروری
ہے۔ ہر آدمی اس میں عشق کے معاملے میں حرمت کی کمی ہے جو محبت کو کامیاب
بنائے اسے بڑھے لکھنے کا متوق تھا۔

سر لے غلہ ادھر ہے کتاب ملوڑی نظیر کی کا لکھنا

پھر ایک مایا وندک لگی۔ راز تیرا وودا و تیرا جس

ہے اس کی کیفیت آج بھی اسی طرح محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ معمولی سے معمولی حیات کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ہر قضیہ میں اس قدر خصوصیت سے نگاہ کرتے ہیں کہ ایک ایک نقش اُبھر آتا ہے۔ کھجیوں، زانوں اور برہمنوں کا کرکس طرح کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے سارے عمر جوش و خروش کا علم حاصل کرنے میں صرف کی۔ کھجیوں کا ذکر کرنے میں تو اس فن کے رستے سے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ آتش مازی کا ذکر محل اور مارغ کی لکشتی، فالوس اور شمع کی سداوت، لوگر دن، خندہ گلاب اور کیردن کی بھٹیڑ بھٹا، طوطوں کی رنگینیاں، جاود گری اور چوڑی عریضہ کھجی جیسا سب ہوا اس کی پوری عکاسی کردی اور اسی مکمل مصوری کی کہ اس واقعہ کا میر جس سے ٹھہ کر کوئی، مراعصاع نظر نہیں آتا اس طرح ایک مختصر سی تنوی ہوتے ہوئے بھی پرملومات اور طبعی باتوں سے بھر پوری ہوتی ہے۔ سماعے اس تنوی کو سنوارنے، سجانے اور روک پکڑنے درست کرتے ہیں۔ مدنی کا کٹھنڑا حصہ صرف کیا ہوگا اور کتنی غرق و غریب کو باڑی ہوگی اس کا اشارہ کرنا مشکل ہے۔ وہ ہر فن کی ایک ایک کیفیت اور اس کے ایک ایک جز کو گہری نظر رکھتے ہیں۔ بچے کی ولادت پرانی سانی مغلائی، خواص ہر ایک کے ذمے ایک خاص خدمت ہوتی ہے۔ اس سے محل کی زندگی کا ایک رخ معلوم ہوتا ہے۔ لوٹوں اور کیردن کے نام کے انتخاب میں صلی، دگیلی، کام، دپ جیت گل، دل لگن، کیتل، ماہتاب، ہنس کھ، حمیر، محض عرفیت کے لیے یا بیا کے نام کے طور پر ہیں گولے گئے ہیں مگر ان ماہوں کے ساتھ ان کی خدشات، امتیازی خصوصیات اور ان کے آقاؤں کی زندگی اور ان کے رجحانات بھی دکھائی دیتی ہے۔

میر حسن نے اپنے دور کے درود اور اس کی مصوری کر کے پورے معاشرے اور تہذیبی زندگی کی عکاسی کر دی ہے۔ بچے کی پیدائش پر خوشی اور زوال کا فال دکھانا، انعام و اکرام یا ناخوشیاں سنانا، محبت میں جہاں روش ہونا، بھانڈوں اور قولوں کا مبارک سلاست کی باتیں چنانا، انعامات اور مصلحتوں کی تقسیم، حیرت و حیرت کا سلسلہ، دردناک عریضہ حیات پیش کرنے کا بہ عالمیہ کہ میر حسن جیٹھ کی رسم، برس کا قطعہ، درود ٹھکانا، سیرت ستر کی نظم جس کو نظر انداز نہیں کرتے اس طرح ہر موقع پر احصاء کے اور کسی چیز کی کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ مختلف ہومات و

بے تکلف ہے۔ اسے بھرتی ہے، اس کا اٹھنا ہوتا ہے۔ جب اس کی محبت کا طبعی بوجھ اسے قوتے کر لیتی ہے کہ دوست کی حیثیت سے بدترین کی مدد کرنا اس کا فرض ہے۔ اس کا، جن اتنا تیر تھا کہ بدترین کے جواب پر بے نظیر کو تلاش کئے ملتی ہے۔ یوں کی، یا میں بچ کر بھی اس کی بہت اور تیزی قائم رہتی ہے۔ اس کا عزم ستر لڑ میں ہوتا ہے۔ اس کے اٹنے میں کمروری نہیں۔ وہ دوست کے لیے ہر قربانی دے سکتی ہے۔ اس میں ایسی ہمدردی ہے کہ شفق سے بے پروا ہو کر بدترین کے کام آتا جانتی ہے۔ وہ دعوت ہو کر حیات کا سبق دیتی ہے۔ جس میں کھٹکا ایک خاص معنی لکھتا ہے، جس میں تیاگ، ایثار، سخی کچھ متاثر ہے۔ میر حسن بزرگ میں شادمانہ سے محط ہوئے موتیوں کا عمارت کر اس کا چہرہ بہت حسین ہو گیا۔ اپنے شمع سے جبر و رنہ کوتاہیوں کو لیتی ہے۔ اسے میں بدلے پر ایسا کمال حاصل ہے کہ برابری بھی اس کا بھید نہیں پاتا جو بھلا، عشق میں گرنا و چھوٹا ہے کیس بھی ہے یا مقصد پر کارکن ضروری سمجھتی ہے۔ اس کا حادہ کبھی حالی نہیں جاتا۔ اس کا ستر ہر جگہ کام آتا ہے۔ جبر و رنہ کے لیے مدد سے بے نظیر مل جاتا ہے۔ میر بزرگ کو بدترین کے سامنے لاتی ہے جس سے اس کے کھٹک کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی حیثیت ہے یہ حصہ جس سے کے لیے بہت مارک تھا۔ وہ بدترین اور بے نظیر کو قوت دینے سے روکتی ہے۔ یہ وہ تہ ہے کہ کسی کو اس کے ملکر کی سترانی کی بہت نہیں دے سکتی ہے۔ وہ کہانی کو جس طرف بولنے سے مڑ جاتی ہے۔ کم لیا، ان کی تخلیق ستر کا بہت بڑا کمال ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ گاہ بہت سی دوسری خصوصیت کے ساتھ اس تنوی کی اہم خصوصیت یہ بھی ہو کہ ایسی کردار نگاری اور دو کی کسی دوسری تنوی میں اتنے اعلیٰ پیرائے میں نظر نہیں آتی۔

سارے قصے کے درمیان ستر سے واقعہ نگاری، سطرشی اور سماجی زندگی کے مختلف میدانوں کو جس حد تک سے سیرت کیا ہے، حتیٰ ان کی اظہاریت اور دہی قوت کا پتہ دیتی ہے۔ اس درجہ حادہ حیرت اور شان و شوکت کی جو قصا، رنہ سترانی، مدنی کی جو کھیاات تھیں، ستر سے اس کے ایک ایک پہلو کو اس طرح ستر کر رہا ہے کہ اس کی ہر تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ انھوں نے تہرا دے کی بیدار لکھنے کے موقع پر جن کی تصویر کی ہے اور ان مچھلوں کا نقشہ بھی

میں بانی مساقی اور سے ٹھوکر میں رکھ کر، ارنگاری کا پہلی ترین مورچہ ہے۔ اس طرح انسانی اعمال انسانی عسیرتیں سے ناست و ناست انظر مواصر اور علمی یہاں سے بہت دیر کے لیے یہ عالم نہی میں، یہی چیز - چاندلیاں کی عکس کی مت - میں یہ لیل ہے۔

زمان کی صفائی اس کی کھٹکی کا امتزاج کیلئے یہ ہے عہد تک کو ہے۔ اس کا کھانا ہے

"خامات سرخ واد میں آتے ہیں بیکر ماں کی تال کی جین
آری کی میں کھڑے ہیں نظری جیل حلوں میں ہے۔"

اس متوی میں جو یوں کے ساتھ کچھ خاص بھی ہے۔ اس کے اکثر
صیں لے کا قدار نظریاتی ہے۔ کہتے ہیں

"کون سا جیل میں جس میں کالے ہے۔ ہوں۔ عدان سلوک کو اس
متوی میں بہت سی باتیں کھٹکی ہیں۔ چاندلیاں میں سرد کا
کرت سے میں کھڑکی یہ قوں پر کھڑکی کے الفاظ، ڈھیلے مدھیں اور
قواعد کی غلطیاں بھی بانی حاتی ہیں

آج میں ڈاکٹر صیں نے ایک ایمان دار مجمع کی طرح حورائے حق
کی ہے۔ وہ ایک فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس متوی کے صاحب کرت محاس کی جکا جوہ میں بھ سے
عاب جوہاتے ہیں۔ چاندلیاں کو کھتی ہی ہٹ، حرمی ہے بڑھا
حائے کھتی ہی مہتر ہا، ارمادہ نظریے کھا حائے لکین صے
صے اس متوی کو یہ خاص کا سمیت سے سمیت تھا، بھی بانی جوہاتے

یاد سکا (صفحہ ۱۹ کا نقیہ)

یوں ایک دوسرے سے بیٹے پڑے صیت کی دوسروں کے لاکت
ہو۔ دوکان کا سامان اکٹھا اور آگے کو رکھا تھا۔ آدھا ہٹ
یہ اور آدھا رہن یہ۔ کوئی جہاں تو سب کچھ ہٹا لے جاتا۔
میرے اے اصداد دل جا کہ اس کے درمک حائوں اور بہت سے
اس سے کہیں "ماوالاں تو دہی بادشاہ ہو۔ بھلا بادشاہوں کو بھی
یہ میدان کہاں بہتر ہے؟ یہ تو اس کا عہد ہے جس کے دل میں صیت کا ہو
ہو، شرمیں ہر اور تحت کا سرور کچھ ہے وہ حقہ قوں میں لپٹا ہو مگر وہ
بادشاہ نہیں تو کھڑکیوں کا دوسرا ہے!

مقاہد بہت صیں کے طریقے عقل، رمار، عوام سب کی مدد میں صویریں
ظرات ہیں۔ جیسے، ایسی دوات اور جیل سے ٹپٹے کا مرنے میں
ہر سب کو صیں سمیت سے بیاں کرتے ہیں، یہ بھی خصوصیت ان کا تعلق
ات انہما سے کی گرائی کا بہتہ جیتی ہے۔

میرے اس شہ کی کامیابی کے لیے رماں میں، راجن
ارے بہت۔ دلی اس کا اندازاں ایسا ہے کہ سلامت
الکے کے خاٹے یہ اس کی ماں معلوم ہوتی ہے۔ یہ جس کی مادہ بانی
ادرم کو کچھ کر کھتیں آدرا سے حیت کا اظہار کرتے سے لکھا جاتا
ارے سے پس آگے والوں کی باتیں سانی، جیتی ہیں کہ کچھ
کھا صاف ہی تھا، یہی سنگو جو صیت پر دل رٹ میں ہے

نہا رے ار اظہار کی تیر سی، یہ ایک کے اظہار پر یہ جس
کی قوراکلانی را لاتی تنو کے تا رہیں اھوں کے ایک ایک حصے
سے جوہ، جس یہ آدرا ہے اس کی مثال کس، سرری کھا لیا سب
اور حقیقت یہ کہ اس سے نہ تو عکس لکھتے ہیں ہی مدھن
مصاصت، ماصات کا ایک را ماصا لاکت اس سے تا ہی تا رہے
نہیں رہتا ایک ایسے دین سب بنگوہ الفاظ، ایام کوئی،
صعت کڑی رماں بیاں کی جو بیاں صی ماییں، یہ جس کا اس مدھیں
رماں استواں کا صیرت جبر ہے۔

مختصر یہ۔ چاندلیاں کا انداز ماں اس کی تفصیلات رحت،
نہا دروں کا کھل تھیں اس کی رنجیں رل کھتی کس، سرری تھیں میں

وہ جو تھ ہو کے لولا "ماں ہاں سب مس"۔ حرج ہے ہمد۔
اگلی دوسروں ہو کے کوئی مہر کا دت ہو کا حوس مارا گی۔
وہاں اس رفت جوہ جمل میں بھی۔ سوڑوں اور اسکوڑوں اور دگر
سواروں کامل، دوکا مدادوں، بھاڑی والوں کی مدد میں، لوگوں کی
رجح نہا۔ اور اس سب کے رج میں ماوالاں اسی درگاں کے
ثبات پر ایک با بھو کا تکیہ بنائے کھٹوں کو صیت میں سکڑنے نال
سور ہا تھا۔ تھ اس کے صے سے گئی آدرا مگر صی کھلی۔ سہانے ایک کتا
سجوں یہ تھوکی صی او کھڑکی بھی اور یاؤں کے پاس دوسرے سے پلے

غزل

صدیق احمد یادو

لے جوں آوارہ گردی سے گزریں سیریلے
گنبد نیلی سے آگے دھند ہو گھر سیریلے

صحتِ شہرت کے صدق، شامِ غریب کے نثار
اک تماشا بن گئے نامِ دستِ سیریلے

میرے لب پہ تو تھی زلفِ قرۃ کی بات بھی
جانے کی کچھ لے اڑے افشاءِ سیریلے

زندگی محرمیوں کے جاوے لئے لگے
موت نے آوازیں بس بس ٹھہریں سیریلے

دل تکتے ہی سہی، محرمِ اُلفت ہی سہی
برکاتِ فاتر ہے فتح و ظفر سیریلے

سرگزشتِ زندگانی جو مجھے والوں کی حیر
صفت کیوں مادہ کوئی ہے دردِ سر سیریلے

غزل

نور الدین

بے تح کو عالمِ ریاضتِ یمنی بکرن میں
تندرست ماریاں بے ہر پیلے ہوئے سیمائے تیر

اس یک تھا انقلابِ حق اُمتِ دستِ کید ہے
بہ بہشتِ سنوں کی قیدِ نگونِ دل تہمیں ہم دیراں میں

تسلیں نہ آجیو، میں یہ واضح رہا، کتابِ تجھ
کہوں رقت کہ اس، بیتاب، دیوانوں کو سمجھنے میں

بس تب تک کہا نہیں تھی حسیں، بی، ہوں۔ سے
کیا آگ تھی نہ شعلے نہ کیا شعلہ تھا، لے میں

آہِ قہر، اس نہ کوئی نہ تھی تو مسالحت کی کوئی
ماکانِ مسرت اب بھی ہے کچھ تیرے سناؤں میں

ساقی کی نظر میں طرے تھی یہ بخش کسے، بتلاے
اک خوش سانسِ پیہ میں اک لہر ہی ہے میناں میں

باغِ حسنِ جاری رہیلے، دنیا کی نگاہیں تھیں تھیں
اب اتنی صفتِ سبب سے نامِ شاکستہ سار میں

(مرا حلیہ)

نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

۱۴ اے حنا

میں کی دلی کو اچھ کر کے لے کوئی دقتہ فردا اگر اتب میں
کرت سہر کا جانا انتہام کرتے ہیں، موسم کا حال رکھتے ہیں،
ماتول کو مد نظر رکھتے ہیں صبح کو اگر دس میں سوتا مقصود ہو تو اس کا
سماں آسانی سدا کرتے ہیں اس کے علاوہ خبر یہ کاردار اس فن
میں باہر جھاب کی کسی اور لے کوئی ہوئی مالوں کو دھماں میں رکھنے ہوئے
سبکی کئی ماراں کی آرماس کر ڈالے ہیں سماں بھر کا نصرت
سے مراد وہ انتہا میں ہے جو ہر وقت مند میں ہوئے ہیں ماتیں کم
کر کے اور اوکھے ربا دہ ہیں۔ اور ماتیں کرتے کرتے رکا تک
دسا دما فسا بے تہر ہو جاتے ہیں، اور خرتلے ٹھہرے ہوئے
اس فانی دسا سے اساتقلی ملقی مقطع کر لے ہیں جن کے ہاں
موسم، مہام و عہد کی کوئی قد نہیں۔ لائری ری ہوا با یک ہوئل ہو
یا گر خاکھر مدد مسجد اسکول ہونے مانتے ہی مدد کی آغوش
میں چلے جاتے ہیں۔

طبی اور نفسانی طریقوں سے یہاں مراد ہے کہ نفس قسا
ما د افس کا۔ دل کا قول ہو مابے، یا کن یوں میں نکھا ہوتا ہے
کر سوئے سے پہلے ٹھٹھ یا لی سے یاؤں دھو سننے لائرت
میں جانے سے نبل ایک گلاس دودھ پی لینے سے میں کی دلی
بہت جلد مہماں ہو جاتی ہے اور بڑی گہری میں آتی ہے،
ویرہ و عیرہ۔ خایہ آب کی اطلاع کے لے عرصہ کے دیتے ہیں
کہ صرف ہم نے ان حکامات پر مہم عمل کیا، بلکہ افس کھد رباؤ
ہی موتر اہ سے برت کر دکھا۔ مثال کے طور پر ٹھٹھ یا لی

مجموعہ نکھا کرتے ہیں کہ ہم میں کی گویوں کے استعمال
کے عادی ہیں اور نہ حق فتمتی سے کسی جنبہ دل ہوار کی یا، صس
کر دس بدلے اور تار سب گئے رہے ہیں۔ مات بھی نہیں ہے کہ
دس میں جو سوسے ہوں اور ایسا تو ہر گر ہر گر ہمیں بے کرتہ جاتا
کر اور واٹ ہو سول و جمہ ص بے جانی کا سکا کو بھی نہیں ہیں
اس کے بعد بھی اگر "عد" نہ آتی ہو تو کس مدد نصرت اور دکھ کی بات
ہے ہمارے لے تو راکھ اس المہ ہے جس کی کر مائی اور جنت
کا ادا، اس مات سے آسانی ہو مابے کہ ہم مالک دو جہاں
سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں مال و زر نہیں عاہ دھلال ہمس امارت
تو سدا اور اصلی مر نہ نہیں ملے ایک راب کی گہری مدد عطا فرما
وہ مارے جن میں اسان عظیم ہوگا، لکس، آہ کو چاہے آہ اگر ہوئے کہ
کے مصداق اس کے ترف قبولت ٹھٹھ جاتے ہیں ہم بھی میں
سو جاتیں گے۔ کچھ کے تہر کچھ کے سے۔ ڈاکٹر کے یاں جاؤ
تو وہ میں کی گولیاں دد سا ہے، جو مستقل میں مدد خود میں
کو اڑا لے والے عناصر کا آڈ کار ماب ہوئی ہیں۔ بھی مار دوسب
کو حال دل ساؤ تو وہ کسی مت کا دے رام الفت میں گرتا گردانا
ہے۔ کسی بزرگ نصرت کے گوشت گرا کر میں تب وہ شادی کا ستورہ
دیتے ہیں (حالانکہ ہماری ایک شادی ہو چکی ہے)، اور لوگ کچھ
ایسی تنکھی نظروں سے دیکھتے لگتے ہیں کہ ہم تہر سے دد ہرے
ہوئے جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات ہم ایک علم میں لانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم

اس کی آرائش کرنے ہوئے ایک ایک محل کو اس وقت سے جینے دے لگتا ہے کہ ادھر بستر پر ہم ایک ایک فٹ اوپر اچھل پڑے ہیں پھر بھی ہم استہان صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اور ابی کوشش میں کچھ کامیاب بھی ہو چکے ہیں اور بخدا ہی ہونے کے بعد دوبارہ ہلکے دروازے دنگ ہوتے ہیں۔ پہلی منزل کا مدارہ کر کے ہمارا لڑکا دوبارہ کی جانب دیر باہت تب یہ مقامات کو کوئی خاک رسے متعلق طور پر ملاقات کر کے کاہنہ ہند ہے۔ ملاقات پر یہ جفا ہے کہ کوئی سال پہلے وہ دن سے بھوکا ہے اور کچھ صواب کا طالع صحت رہی کے عالم میں ہمارا دہس ہے۔ فیسد ہمارے کتاب کے نفس عصر کچھ دہس ہی پوٹا دیا جاتا ہے۔ رات وہ ہمارے لڑکے سے بھی کہہ سکتے تھے شاید وہ ہمارے سید ہو جانے کے خوف سے کچھ دے گئی ڈالنا۔

اب پورے کئے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سدا شیٹے ہوں ہیں اور گھڑی پر نظر ڈالتے ہیں سدا اب کے کوئی گیارہ بجے ہوئے ہیں۔ عانی ماں موٹر سائیکل سیری کے گھر بٹے کا دف ہو رہے ہیں ان کے آگے کاحال کر کے مدد و میند دل شیٹے لگتا ہے۔ عانی ماں کے گھر بٹے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ہر طرف آدمی داب اسے گھر رہی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ ساگل پر گھر آئی ہو اس سے نہیں کہتا۔ کہ میں آئی تھ کر ایہ ہیں تھوٹے ہی چکا ہا ہے۔ لکس اگر یہ سیدل آئیں تب اعظم ان کے احسان رہیں لکس نہ تو ابی جیسے موٹر سائیکل پر آتے ہیں سو دیکھنے میں برائے رنگ آلودہ لوہے کا ڈھیر معلوم ہوتی ہے جس کا کوئی بڑا یوری طرح درست ہوتا ہے اور وہی یوری طرح جواب چنانچہ اس دو دو کی درمیانی حالت میں دان موٹر سائیکل پر آدمی بہت کے حواک تائے جس حکم مرید بھی بڑھیں مارا آب ہاں پر ہاں دیے جاتے ہیں اور ایک حواک "گھر گھر ہاٹ" کے ساتھ صدر گر ہوتے ہیں اس رسم نہ کو ان کی موٹر سائیکل عین ہاٹ گھر کے سامنے آکر باقاعدہ اور بلا غلطی میں "ہو جاتی ہے

من ہمے رب کا احاطہ کرنا اور دودھ میں نہانی کا حاض خیال رکھا۔ لیکن پھر بھی ناکامی اور مالوکی ہی اس حقدہ رہی۔ اور ہم زندہ رہے۔ جاسکے۔

ٹھیک کسی ماہ بعدیات کے مطابق ہوت، اصول۔ ہر شتر ہر حال سے مل دیا کی بہت کو دہن سے نکالنا کہ کسی ماہ یہ سوچ کھار اور خود فکر کرنا اور دور کی ماہ ہے اب ماں ماں بھائی میں، رسمہ دار و دست احسان کو کسر بھلا دیا اور اپنے سے کوئی آب کا مارا آگے گامی اس کے اب بچا ہے صاف انکار دیا عین کہ حالی الدہس ہو کر اور مدد نہ آنے کے حال کو، ہنس سے نکال کر اب بھر ہی سویتے رہے کہ ہم کو بڑی گہری میدانی ہے لوں بسر لڑنے انھیں موٹر اور دیکھتے ہی دیکھتے مدد کی آغوش میں مل گئے اور یہی سویتے سویتے مسک بک ڈا حال پاکہ "ہم کو تو بڑی گہری میدانی ہے" اور "ہم گہری میں سو گئے ہیں"

مکھ پاکہ اور کانی سوٹ بھار کے بعد ہم اس شتر پر بیٹھے ہیں کہ ہم کو بھی دوسرے محبت مند راول کی طرح بڑی اچھی میدانی ہے لیکن اس موقع پر حیدر ایسے عاھا آں دھکتے ہیں کہ اسے گانگے میں ہی غایت نظر آتی ہے

تا کہ ہمارا دور کا معمول ہے کہ دس بجتے ہی ہم ہی جھا سو شتر پر دیر ہو جاتے ہیں آہستہ آہستہ رگ بیچوں اور دھڑکنا میں سکوں اور حیدر کی کھلبلید ہوتی رہتی ہے اور بے حسی و غموہ کی طاری ہونے لگتی ہے کہ نکال کر لڑا آجائے گا گماں ہو رہے ہیں میں اس میں بیٹھتی ہوں اور حیدر کھڑے سائیں سیدہ ریر میں ہوں بلکہ ہمارے دل کے کد کے طرف و اکاف فی دکان میں سد جو ماتر وٹ ہو جاتی ہیں "شتر" کچھ اس طرح گراے جاتے ہیں کہ ماری کا گماں گرا رہا ہے کچھ کوں در در دارہ کی دل ہلا دے والی کھڑکھڑاہٹ ہو سکتی گم کے دی ہے۔ اور تیرہ ہی وقت ہو رہے کہ دکان دار کو شیٹے بٹھاے اپنے قفلوں کی فادار کی برکٹ کر رہا ہے اور وہ

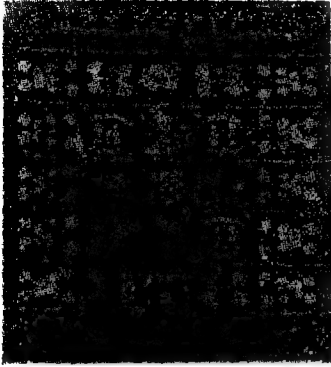
کے سبب ہو جائے رہم" بدستل لاء نافذ کر دیتے ہیں اور دکھائی دیتے ہی توٹ کر دے کے احکام صادر کر کے ان پر قائل ہوتے ہیں۔ کو اب دسمن کا فضا یہ حرکت میں آجاتا ہے۔ چنانچہ اس کا بھی سمت قنائب کر کے مار بھگایا جاتا ہے اور اسی ملک ددوس۔ اس کا مشترکہ گھر رہتا ہے اور کوئی تین نکے ہوئے ہیں کہ یہ ملک نل بریائی بھرنے والوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ ہر کوئی تین تو اس کے بڑے اپنی اپنی عمر مراد ساط کے مطابق کھاتے کھنکھاتے، بچتے، دیکھتے، آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ماٹھی، صراحی، گھٹ، کچے میں شے شروع ہو جاتے ہیں "کیو" بے لگتا ہے جس کا آخری آدمی کسی نہ کسی طرح ہمارے گھر تک جاتا ہے پھر جیسے ہی مل کھاتا ہے کیوں کچھ مدھی پیدا ہو جاتی ہے۔ تب جس ایسے سامنے دانتے جس سے پیٹ آنے کا دعوے دار ہو جاتا ہے اور سب بیک وقت مل پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس گروٹ میں دو چار گھر کے آسانی سے ہو جاتے ہیں کوئی پانی مبرنا جا رہا ہے تو کوئی سیلے کڑوں کے ڈھیر کو پیسے سے لگائے آہیں بھرا ہوا آہے تو کوئی دوسرے قسم کو صابن لگا کر آب اُن کرنے ہوئے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر کے کی خوشتر کر رہا ہے۔ اتنے ہیں "ملک دودھ" والا آجاتا ہے۔ پیلے لاک کی قتل، سُرخ لاک کی قتل، منٹھ سے ستر پے کا درد آدھو کا میام لاتا ہے۔

صن دس خوش قسمی سے ان میں سے کچھ ہیں جو با اس دن ہمارے کوئی بیرونی زندگی میں پہلی بار عزم سفر کر بیٹھے ہیں اور آدھی رات سے بیدار ہو کر ایک شگامہ کھڑا کر دیتے ہیں یا کوئی جملہ عام منفرد ہو جاتا ہے اور اُن کی قتل، رنگ جما دیتی ہے یا بھر کوئی کنوارا ساہر چالنا ہے۔ لاؤ، اسی کے بچے لگتا ہے اور سب بڑا بھو والے سامنے بھاری شروع کر دیتے ہیں۔



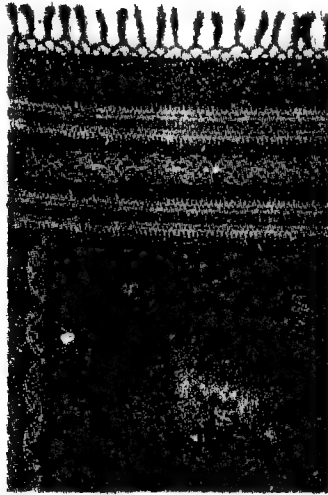
ملتا حزن یا یہ آلاب حرکت میں آجائے ہیں اور دوسرے کا قائل میان عمل متروک ہو جاتا ہے سنا ہے کہ جہاں وہ کام کرتے ہیں انہی میکا کی کے ابتدائی دور میں ہیں اور ان سے صرف موٹر سائیکل، بچھ مائیکھ کر صاب کرنے کا کام لیا جاتا ہے اس کی بہانہ تو وہ اسے "خسر کر رکھ دیتے ہیں۔ ہم نے ان سے صوابو رکھ دیا ہے کہ اگر انہیں موٹر سائیکل ملنا ہی ہیں اور وہ بھی اتنی رات بچے تو کبوں نہ ہمارے اوپر ہی سے جلا دیتے لیکن وہ ہم سے ہمارے ہاں سب کو کئی قسم کا حطہ لاحق ہونے سے قبل اپنی حال رکھیں حالے کا سرسری تذکرہ کر چکے ہیں چنانچہ اس کی آمد سے نہرت ہم بلکہ ہمارا گھر پیدا ہو جاتا ہے نئے کو تو دودھ کی ایک عدد لامل کی رسوت دے کر جب کراں جا رہا ہے نئے کی ماں دوسرے کے سدا ہونے کے خوف سے ہی مندر کی آغوش میں چلی جاتی تھی۔ دادی جہاں کو بھی بھڑکی سی جدوجہد کے مدحیب کرا رہا جاتا ہے اور ہم چار ماں کر دہلی اور خارجی معاملات سے مدھی سے مدھی کرتے ہوئے سوئے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں لیکن وقت کا دار اعطا انتخاب ہوتا ہے اور سکھ سو" جھوٹا ہے پھر گا ماسحا ماکاٹے ڈاکر کس ڈاکس اکٹنگ رک وقت شروع ہو جاتے ہیں صرف صرف اس ہوتا ہے کہ کوئی مکالموں کو غش گالیوں میں بدل دیتا ہے تو کوئی "مع" کی تان سے رملاتے ہوئے دل دوزخ بارنا ہے اور عین ہمارے گھر کے سامنے "فائننگ" شروع ہو جاتی ہے۔ عرض کردہ ہ کچھ ہوتا ہے جو ہادی مدھ گانے کے لیے کافی ہے اور نہ تو دن کا دستور ہے کہ کمور آدمی کی کموری سے ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے لیکن ملاحظہ ہو اس حقیر کی کھیل کی مہائی کو کہ وہ ہم سے اٹھنے کی حرأت کر چھٹتا ہے اور دیکھے ہی دیکھے اس کی ایک بڑی بھاری فوج ہم پر ٹوٹ پڑتی ہے حالات

منی پور کی دستکاریوں کے نمونے



باقی رات کے طرف کے نمونے

کستیہ داری کے نمونے



سی ورسال کا ایک نمونہ

PICTURES TAKEN FROM MIRROR - SEP 1968 (BADIIZZAMAN)

ستمبر ۱۸۹۴ء

۶۱۹۴۷

رجتا ہے۔ یہاں کے دستکار طرح طرح کی دستکاریوں کے موئے
میش کرے رہتے ہیں جو اسی جادو سے کہ صرف ہندوستان میں ملے
سروں ہند بھی معمول ہیں۔ یہاں کی دسکالوں میں یا رجبہ مانی
کتدہ کاری، گڑیاں اور کھلونے کا کام، ہاتھی داب کا کام، سمیر،
کھڑائی، لکڑی پر نقش ڈنگار کی کھڑائی، مانس اور سید کی صوب
دھات کے طرف سے لے کا کام، مصوعلی بھول اور پورات ساری
اور دلواریں یہ آدراں کرنے کے لیے ہر کی سبیلوں کو تیار کرنا
خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

پارچہ مانی۔ یہ ہاں کی قدیم اور سے بڑی صنعت ہے۔ ہر کس
لے حارہ ہوگا کہ پیرے کی صنعت ایک ایسے خورد کی قیمت بھی بہ
حسن برائ کا ساتھ گر خوش کرنا ہے کہ نہ منہ کسی خاص قبیلہ
یا کسی خاص طبقے سے منسوب نہیں ہے کہ گئے یہ تیار کے گئے یہ نہ
زمان حال سے ان کے کمال کی سماعت دیتے ہیں۔ اعلیٰ درجے
کے سوئی اور پرسی کٹروں کے علاوہ حادریں اور پر دے دیرہ بھی
ہاں بار کے جاتے ہیں جو بہترین ذرائع کے موئے ہوتے ہیں۔
کشیدہ کاری۔ جاتی قیلے کی خوردوں کی پوشاک پر پرسی دھات
سے کتدہ کاری کا کام ایک ضروری جزو مانا جاتا ہے خاص کر کتال
نما حادروں پر سیل بوٹے سانا اور انھیں ہاتھی، گھوڑے اور
برہوں کے سکار کی تصویروں یا حاکلی لڑائیوں کی مشکوں
سے مزین کرنا ان کا طرہ اہماز ہے۔ مثال کے حائے رنگ
آئیری کے سامہ کارمانے جاتے ہیں اسی امداد پر ساڑوں
جیادروں، پردوں، مینر لوسوں، فی کوریوں، گتوں کے علاف
اور ٹرے کوڑ کو بھی آراستہ کیا جاتا ہے

نایح کا لباس۔ یعنی پور کا کلا شکل نقش سارے ہندوستان
میں سید کیا جاتا ہے۔ اُن کا نقش اُن کے لیے ان کے حیون
موتی کا روپ لکھتا ہے۔ نقش کی رنگی رقی پوشاک جس پوئے
اور حادری کے ستاروں کا کام ہوتا ہے، گویا دل کئی دل آوری
اور خوب صورتی کا بیکر ہوئی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ہر
حوان لڑکی سدر سیدانہ بکھیتی رہی ہے۔

جیف کٹر جاسو کو کھاسا پیوں کی میٹس لے کر می پور میں سے
گئے کہ سیاحتی کو ہٹا کر اُدھ کو گن داس دلاؤں۔ سیاحتی کو گرفتار
کر لے کی کوشتن کی گئی کہ یہ غزوہ ہو گیا یعنی پور کے لوگوں نے
ریڈیٹس پر مل کر دیا۔ گراں پر جلد ہی قابو پا لیا گیا۔ ایک سالہ آمد کی رو
سے جیف کٹر آسام میں پرسی دس کوٹس پوٹیکل ریڈیٹس اور تیس
اعلیٰ افسروں کے ہمراہ مانی سرداروں سے مات جیت کر لے کے
قلعہ میں گئے، مگر مانی گروہ نے جھڑپوں کے تحت دھوکے سے
ان لوگوں کو مارا، ال جیر کا عوامی پور پر فوج کشی کی گئی۔ مانی گروہ
کے افراد مہاٹمی کی مات نہ لاکر کھار کی طرف بھاگ گئے۔ اس طرح
پوری یاس پر قبضہ ہو گیا سیاحتی گرفتار کیا گیا۔ اس پر منہ ہر جیلانا
گلا۔ اسے ہاتھی دے دی گئی تھی حادریں کا ایک یا بی سالہ
بچہ مسمیٰ جو نایح گدی پر بٹھا دیا گیا اس کی ماناں کے زمانے میں بھو
کا کام دینے پر کاربہا بہت سے اصلاحی کام عمل میں آئے۔ سدائی
نہ کر دی گئی تعلیم کو فروغ دیا گیا۔ صوبہ و حاکم پورنی، بی گئی مانی
رکس لکان گنس، ایک نوک آسام نگال، رلوئے لاس سے جوڑے
کے لیے می پور سے دھارواک تھک گئی تھی اور تھارنی تاداد کا، وہ کھچی پو
تو راجیک مانے موئے کے کتدہ شہ میں سارا اقتدار ہاتھ کو بیٹھا مانا رجم
کی مدد کے لیے ایک کونسل مادی گئی اڈس سول۔ دس کے ایک ہنر
کو اس کا مشہور سادانگا ہندوستان کو آدای لے کے دوسرے
۱۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو دھارواک میں متاثر ہو گئی۔ اب یہاں
یہ پارلمانی طرز کی حکومت رائج ہے تری بی کے ہر وہاں کے
گورنر اور ۱۹۴۹ء کے حادریں اس کے بعد پوٹیل مارنی کے بعد
شری محمد عظیم الدین جیف مسٹر ہیں

دستکاریاں۔ ہاں کی دسکالوں کے مہلے اسی مثال میں
رکتے دستکار ہیں اسی لوگ کا ایک اہم خربے دے رہے
اس راست کو قدرتی مناظر سے فاضی کے ساتھ لوارا ہے۔ ہرے پوئے
بہاڑی سٹیلے خوب صورت پھیلیں سرسبز و ساداب وادیں اور
انوار و اسام کے چوتھا بھول پوئے دے رہے کے عطیات ہیں۔
ان قدرتی مناظر کا عکس یہاں کی عام زندگی اور معیشت عات پر نمایاں

گھڑیا سازی کا فن۔ ہمارے ہی ہوتی گھڑیاں رقص کی بوتلک میں طیس رہتی ہیں۔ وہ رہیں بیلا یا ناگرقاھاؤں یا قائل راج باری کی مستند ہوتی ہیں ایسی بھی گھڑیاں سانی ہاتی ہیں جو بال کے قابل اور قائل تمدن کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔ گھڑیاں ہی بور کے حدود کے باہر منہ مانگے داموں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی ہیں اس صنعت کا مستقبل بہت ہی درخشاں ہے۔

زیور سازی۔ ریس کرنے والی لڑکیوں کو بھڑکسی بوتلک کے علاوہ ٹھکانے ہوئے زیورات سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے۔ رولڈ گولڈ کے گلوبہ بنا۔ اور بارود سارے جاتے ہیں ان کے علاوہ چوڑاں، تھوڑا بالیاں بھی بنائی جاتی ہیں بگلویت اور بارودوں اور رسکھ کے موئے راتے جاتے ہیں اور بارود پر سارے سمھ سے رہتے ہیں۔ میاں کے بے ہوئے زور اس کی مانگ ہمدردان کے باہر دوسرے ملکوں سے زیادہ ہے۔ بائیں اور سید کی صنعت۔ ماس اور سیدی بوسے لے تھوڑ کی ایک دس ہے۔ ان سے مختلف اقسام کی مختلف رنگ کی اور مختلف کاموں میں استعمال ہوئے دالی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں یہ صنعت بھی ہمارے کی ایک قدیم صنعت ہے۔ ٹوکروں میں پھونک دالٹی کی شکل کی، چنگی بولی در بول کی شکل کی، بین پالٹ، جیری کی شکل کی ٹوٹی انگولی دھیل کیلے کاچا پامخصوص ہیں ان کے علاوہ اور بہت سی جیس بنائی جاتی ہیں جسے چھڑی، بانسکل کی ٹوکریاں، سوٹ کس، ہیڈ مگ، گلدان، اس ٹرے، گلبڈر اسٹیلڈ، جڑیوں کے جھڑے وغیرہ۔ عمدہ قسم کے ماض اور سید سے ڈراٹنگ روم فریج بھی بناتے جاتے ہیں جیسے میرکریاں، ریک وغیرہ۔ مختلف قسم کے مابج، تروکان، تباکو کے بائس اور کھلوے بھی بائیں ہی کے بناتے ہیں۔ موص ہمارے کے

مناشرے میں بائیں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ گھنٹہ بنانے کی صنعت۔ ہمارے کاجڑوں کا ایک طعمر اس میں ہے جس نے گھنٹے سارے کی صنعت کو اسلئے ہے۔ لوگ ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہیں۔ گھنٹہ سارے کے علاوہ۔ لوگ سنگا ورا کی قسم کا زور اب رہتے کا صند دیر سارے میں بھی مدطوبی رکھتے ہیں۔ ڈلی رکھنے کے لیے اسی دھاب کی ایک خاص قسم کی ڈیرہ میں سارے ہیں۔ سردروں اساراں کے ش کی بھڑور سارے کی کوئی ہیں۔ ان کی مائیں نامی ماہ اور بدہی تواروں کے موقع پر خاص طور پر بنائی جاتی ہیں نقاشی کا کام۔ بائیں داس، تھوڑا کڑی برتھاس کا کام ہمارے کی سام صحت ہے۔ مٹاؤں کے دروازوں اور کھوکھوں راعلی ورح کی مائیں کی حالی ہے۔ بائیں داس کی چوڑیاں کھلوے اور مٹاؤں کے لیے انواع اقسام کی تیریں سانی جاتی ہیں۔ اس سے کچھ، صدیہ سے یہ صنعت بہت زیادہ ترقی پر بھی۔ فی الحال اسے ساراں سارے کے لیے ہیں جن سے مٹاؤں کی مٹاؤں ہو سکے۔

دیواروں پر آدراں کر کے لے سر کی گلس اس طرح تیار کی جاتی ہیں کہ پچھنے میں حادث بط معلوم ہوں۔ ماس کی پھڑ ماس جس کے مٹاؤں پر نقش رنگاڑے ہوتے ہیں اس کی ایک خاص صنعت ہے۔ اشیا تحائف دیے کے لیے اسمانی میں لائی جاتی ہیں زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ جب رعلاتہ آمدورفت کی بہتو میں اصلے کے اہمیت ہمارے کے مختلف علاقوں سے خرماں گاتو ہمارے کی جلد و تشکاروں کے ذریعہ کی راہیں کل آئیں گی۔ ملک کے ٹرے ٹرے شہروں جیسے کلکتہ، ممبئی، مدراس، دلی وغیرہ میں ہمارے کی خیرین مصنوعات کی مانگ اور کھیت کے ٹرے کے ساتھ ساتھ اپنی ہی ذریعہ کی خوش حالی اور فارع اہالی میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔



انجیر کی لینش نشانہ لگانے کی بجائے

امداد باہمی قرضہ پالیسی میں انقلابی تبدیلی۔ عریضوں کو بلا ضمانت قرضہ... قومی بچت اسکیموں کی تحت نشانے سے زیادہ رقم جمع... مرمت مکان کے لیے پیشگی رقم کی انتہائی حد میں اضافہ... اسکوئی عمارتوں کے لیے تقریباً ۵ لاکھ روپیہ منظور... سرکاری اسپتالوں میں طبی اسقاط عمل کی سہولتیں... اردو کتابوں پر اعانات... اردو اکاڈمی کا فیصلہ... جنگ کے سوراخوں کے لیے آگہ میں مکانات کی تعمیر... دفاعی فیلڈ میں عطیات... فیکٹری انسپکٹروں کی ملازمت کے قواعد میں ترمیم... دارالحکومت میں دولت مندوں کی تعمیر... گورکھپور یال ٹیکنیک میں ریفورمیشن اور ایکٹویشننگ کورس کا انتظام... ۸۰ بستیوں کو بجلی کی فراہمی... ساڑھے تیارہ لاکھ ایکڑ آراضی شے لینے آب پاشی کی سہولتیں... متفرقات

انھوں نے کہا کہ ایسی ایک ہی شہادت ہو سکتی ہے کہ کتنا جلاتے والا رکنا ہے کہ بیگ گاہے یا اس نے فرض کی بوجھ قسط کی ادائیگی میں کوئی گڑبڑ کی ہو۔

سری یادو نے کہا کہ "سید القلاب کے پروگرام کے تحت دہلی امداد باہمی دودھ انجمنوں کے ہر محلہ اور بے زمین بھروسوں کو ملاصاف قرضہ کی شکل میں بھینسی دی جائے گی۔ روٹے طور پر تحمینہ لگا لگا ہے کہ فی بھینس ۱۵۰ روپیہ سے لے کر ۲۰۰ روپیہ ماہانہ کم کی حالت آدنی ہوگی بعد القلاب پروگرام کے تحت اضلاع میں کم سے کم ۲۰۰ دودھ امداد باہمی انجمنیں قائم کی جائیں گی اور ہر انجمن میں بھروسوں کی تعداد ۲۰ سے زیادہ ہوگی۔

اتر پردیش نے ۶۲-۶۱-۱۹ء کے دور میں ۱۶ کروڑ روپے کی رقم بچے کی ہے جبکہ بنیادی نشانہ ۲۹ کروڑ روپے کا مقرر کیا گیا تھا۔

ریاستی حکومت نے گزشتہ ۱۱ نومبر کو مقدمہ ریاستی متادری بورڈ کے جلسے میں ۴۰ کروڑ روپے کے نظر ثانی شدہ نشانہ کا اعلان کیا تھا۔

اضلاع میں مستی اور نے اپنے بڑھتے ہوئے نشانہ کی ۱۵۵

اس سال سے شروع ہونے والے "سید القلاب" کے پروگرام کے تحت سات کے کروڑ اور نادار طبقے کے افراد کو ٹک بھلے ملاصاف قرضہ دے کابند و بستی کا احباب ہے۔ اقدام امداد باہمی قرضہ پالیسی میں ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ قرضے بھروسوں کو بھینسوں کی شکل دیے جائیں گے۔

دریاداد باہمی سری کشمی سنگ یادو نے امداد باہمی قرضہ پالیسی میں اس سہولت کا ذکر دہلی کے روگاری دور کرنے کے سلسلہ میں "سید القلاب" کی انجمن پر وقتی ڈالنے ہوئے کیا ۱۰ بھروسوں جو بھروسے لھریا ۲۵ کلومیٹر دور موضع تیارسی میں یک عام جلسے کو خطاب کر رہے تھے

دریاداد باہمی نے کہا کہ میلنگ کے موجودہ طریقہ کار میں اب ایک ماہاری کو سب سے بڑی ماہلی دستور کا ادا تھا لکن امداد باہمی قرضوں کے ذریعے ایسے بے روزگار کے سلسلے امداد کے لیے اب ال ال ک ماہاری ہی سب سے بڑی امداد و صاف میں جاسے گی

سری یادو نے کہا کہ امداد باہمی بھروسوں کے بکنا حیلانے والوں کی امداد باہمی انجمنوں کے سہارا میں بھروسوں کو ملاصاف قرضہ کی شکل میں رکھتے فراہم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امداد کو ملاصاف قرضہ دے کے سلسلے میں خطرہ کا کوئی حوالہ نہیں ہے

ماہانہ سے زیادہ تنخواہ یا رہے ہیں انھیں یہ رقم ان کی تنخواہ کے
۱۰ گنا تک کے بقدر منظور کیا جائے گی لیکن اس کی انتہائی حد
۳۵۰۰۰ روپے ہوگی۔ ملازمین ان کی تنگی رتوں کی ادائیگی بالترتیب
۹۶ اور ۸۴ قسطوں میں کریں گے۔

کامیابانہ نے یہ فیصلہ مکانات کی مرمت کے لیے درکار سازدور
کی قیمتوں میں اضافے کے پیش نظر کیا ہے۔ اب تک مکانات کی مرمت
کے لیے تنگی رقم بنیادی تنخواہ کے ۱۲ گنا تک منظور کی جاتی تھی
اور اس کی ادائیگی ۸ قسطوں میں کی جاتی تھی۔

بستی حکومت نے دہلی علاقوں میں ضلع پریشد کے
۵۸۸۲ جوہر میک اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے
۳۹۹۹۷ روپے کی رقم منظور کی ہے۔ پریشدوں کو ان اسکولوں
کی عمارتوں کی تعمیر کا کام ۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ء تک مکمل کر لینا ہوگا۔
مذکورہ بالا منظور شدہ رقم میں سے ضلع پریشدوں کو ہر اسکول
کی عمارت کی تعمیر کے لیے ۸۵۰ روپے کی طرہ امداد دیے جائیں گے۔
اس رقم سے حسب ذیل ۱۶ اسکولوں میں اسکول کے لیے
عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔

میں پوری بہرائچ، گورکھپور، المودہ، کھیری، اناند، ستیا پور، دھرو
بریلی، بدایوں، ستاہ جہاں پور، مرزا پور اور وارانتسی۔
اس کے علاوہ مندرجہ ذیل ۱۵ اسکولوں میں بھی اسکولوں
کے لیے عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔

آگرہ، علی گڑھ، اٹھ، متھرا، الہ آباد، ٹانہ، فرخ آباد، فتح پور
کانپور، بارہ بنی، فیض آباد، گونڈہ، میتا، گڑھ، سلطان پور
پوری، گڑھوال، ٹہری، گڑھوال، اعظم گڑھ، بستی، دیر، باندہ،
ہمیر پور، جالوں، جھانسی، سیو، تال، ہر دوتی، لکھنؤ، رائے بریلی،
بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور، بجنور، مراد آباد، پٹی، کھیت
رام پور، علیا، غازی پور، دہلی، جونا پور۔

ریاست میں طبی اسقاط عمل سے متعلق ۱۹۷۱ء ایکٹ

حصہ ۳، ۱۸۹ رک

فی صد رقم جمع کر کے ہلا مقام اور میرٹھ نے ۱۳۹۷۲۳ فی صد
رقم جمع کر کے دوسرا مقام حاصل کیا ہے۔ تیسرا مقام مظفر
نے حاصل کیا ہے جہاں مقررہ نشانہ کی ۱۳۷۳۳۳ فی صد
رقم جمع کی گئی ہے۔ اس طرح ریاست میں چھٹی بجیت تسکین
کے تحت رقم جمع کرنے کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے۔

دیگر اضلاع جنھوں نے قومی بجیت اسکیموں کے تحت مقررہ
نشانوں سے زیادہ رقمیں جمع کی ہیں حسب ذیل ہیں

مراد پور ۱۱۶۸ فی صد، سہارن پور ۱۱۵۷ فی صد،
اٹھ ۱۱۲ فی صد، غازی پور ۱۱۱ فی صد، دہلی ۱۱۰۳۳ فی صد،
جیلو ۱۰۸۵۵ فی صد، پوری، گڑھوال ۱۰۶ فی صد، پتھور، آگرہ
۱۰۳ فی صد، بلند شہر ۱۰۱ فی صد اور دیر ۱۰۰ فی صد۔
اس کے علاوہ حسب ذیل ۸ اضلوں نے ریاست کے
۲۹ کروڑ روپے برائے بنیادی نشانہ سے زیادہ رقم جمع کی
پتھور، آگرہ ۱۴۶ فی صد، وارانتسی ۱۲۸ فی صد، بجنور
۱۲۷۴ فی صد، بارہ بنی ۱۲۷۳ فی صد، گونڈہ ۱۱۳ فی صد،
المودہ ۱۱۱ فی صد، سلطان پور ۱۰۸۵۲ فی صد، اترکاشی ۱۰۷۱۴
فی صد، بہرائچ ۱۰۶۵۵ فی صد، پٹی بھیت ۱۰۵۹۵ فی صد،
بلیا ۱۰۵۶۱ فی صد، الہ آباد ۱۰۴۴ فی صد، غازی پور
۱۰۳۹۹ فی صد، فتح پور ۱۰۳۵۳ فی صد، علی گڑھ ۱۰۳۳۳ فی صد،
رام پور ۱۰۲ فی صد، گورکھپور ۱۰۰ فی صد اور ٹہری ۱۰۰ فی صد۔

ریاستی حکومت نے اپنے ملازمین کو مکانات کی مرمت
کے لئے منظور کی جانے والی رقم کی انتہائی حد میں اضافہ کرنے کا
فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ ریاستی کابینہ نے اپنے ایک حالیہ
جلسے میں کیا ہے۔

اس فیصلے کے مطابق ۴۵۰ روپے ماہانہ تنخواہ یا اسے
والے ملازمین کو مکانات کی مرمت کے لیے ان کی تنخواہ کے ۲۴ گنا
تک تنگی رقم منظور کی جائے گی لیکن قطعاً یہ کم از کم انتہائی حد
۱۰۰ روپے سے تجاوز نہ کرے۔ وہ ملازمین جو ۴۵۰ روپے

جون ۱۹۷۲ء

یکم اپریل ۱۹۶۷ء سے نافذ کر دیا گیا ہے۔

ریاستی گزٹ کی ایک غیر معمولی اتساعت میں شائع شدہ ”اتر پردیش طبی اسقاط حمل ضوابط“ کے تحت قانونی اسقاط حمل کی سہولتیں ریاست کے منتخب اسپتالوں کو اور مصدقہ طبی مقامات پر حاصل ہوں گی۔

حکومت نے اسقاط حمل کے سلسلے میں رجسٹرڈ عالجیوں اور مصدقہ طبی مقامات کی سفارش کرنے کے لیے ایک تصدیق بورڈ کی تشکیل کی ہے۔

اتر پردیش کے علاج و صحت کے محکمہ کے ڈائریکٹر یا اعتباراً عمدہ اس بورڈ کے بالترتیب جیس میں ہوں گے اور جو انٹرنل ڈائریکٹر (حقوق) سکریٹری کے جی میڈیکل کالج لکھنؤ کے متعلقہ مصلحتوں کے پروفیسر اور انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن اتر پردیش کی ریاستی شاخ کے صدر بورڈ کے ممبران ہوں گے۔

ریاست کے تمام اسپتالوں میں چونکہ اسقاط حمل کے علاج سے متعلق تربیت یافتہ ڈاکٹر اور دیگر ضروری سازو سامان دستیاب میں ہیں اس لیے اسکیم کے پیغام حملے میں اس کے لیے جن اسپتالوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں: لیڈی لیال اور ڈفرن اسپتال آگرہ، اے۔ ایچ۔ ایم اینڈ ڈفرن اسپتال کانپور، امیتوری میموریل اسپتال واراہسی، ڈفرن اسپتال لکھنؤ، ڈفرن اسپتال الہ آباد، میڈیکل کالج الہ آباد، میڈیکل کالج کانپور، میڈیکل کالج آگرہ اور میڈیکل کالج میرٹھ۔

اتر پردیش اردو اکادمی نے گزشتہ سال شائع شدہ کتاب ”یوجوا اکادمی کو وصول ہو چکی ہیں“ الحاحات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اکادمی کی مجلس عاملہ جس کا جلسہ گزشتہ ۸ اپریل کو ہوا تھا، یہ بھی محسوس کیا کہ گزشتہ سال کے دوران شائع شدہ کتابوں پر الحاحات دینے کے علاوہ یکم دسمبر ۱۹۶۸ء سے ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کے درمیان میں شائع شدہ قیاسی بھی الحاحات دینے کے لیے غور کرنے کے واسطے طلب کی جانا چاہیے۔

جستہ ۱۸۹۴ شک

یاد ہو گا کہ کتابوں پر الحاحات دینے کی اسکیم ایک لاکھ روپے کی رقم کے ساتھ حال ہی میں نظامت تعلیم سے اتر پردیش اردو اکادمی کو منتقل کر دی گئی ہے۔ بنیادی اسکیم کے تحت صرف یکم دسمبر ۱۹۶۸ء سے ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء تک کے دوران شائع شدہ کتابوں پر بھی اتمام کے لیے غور کیا جانا تھا۔

مجلس عاملہ نے اردو کتب، اجارات اور جرائد کی خریداری کے لیے لائبریری ذیلی کمیٹی کے قواعد و ضوابط کی بھی منظوری دی۔ مجلس عاملہ نے اردو تعلیم کا کام دیکھنے کے لیے ایک انسیمی ذیلی کمیٹی اور مصنفین کو مالی امداد دینے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی بھی مقرر کی۔

خنگ کے سوراٹوں کی جواؤں اور معدودہ بھوجانے والے فوجی جواؤں کو رہائش کی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے آگرہ میں مکانات کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا ہے۔ تعمیراتی پراجیکٹ کا افتتاح وزیر ریاست براء صحت تری دیو کی تدن دھونے پر آگرہ میں کیا۔ اس تقریب میں بری، بچی اور فضائی افواج کے سینئر افسروں نے شرکت کی۔ اسی طرح کی ایک کالونی لکھنؤ میں تعمیر کی جا چکی ہے۔ درہرہ صوف نے خنگ کے سوراٹوں کے لیے تعمیرات کے پراجیکٹ کے واسطے تقریباً ۱۵ لاکھ روپیہ جمع کیا تھا جس میں سے کانپور نے ۵۵ لاکھ روپیہ اور میرٹھ نے ۳۵ لاکھ روپیہ دیا تھا اور بقیہ رقم دیگر اضلاع نے دی تھی۔ یہ کل رقم وزیر اعلیٰ دفاع دتھیں دیدی گئی ہے۔

اتر پردیش ریاستی شہری کونسل نے یکم اپریل ۱۹۷۱ء کے درمیان ۳۰ اضلاع سے ۳۴ لاکھ روپے سے زیادہ کے عطیات جمع کیے۔ اس کے علاوہ ہندستان کمرشیل بینک میں کونسل کے کھاتہ میں ۲۷۵ لاکھ روپے کی رقم پہلے سے ہی جمع تھی۔ اس طرح کل رقم ۵۵ لاکھ روپے سے زیادہ ہو گئی۔

جول ۱۹۷۱ء

کی دگر کی مسادی تسلیم کیا جاتا ہو بشرطیکہ وہ دیگر شرائط بھی پوری کرتے ہوں۔

یہاں تک عملاً تعلق ہے امیدواروں کی عمر کی انتہائی حد اسی کے مشتبہ ہونے کی تاریخ کے بعد پڑنے والی یکم جنوری کو۔ ہم سال گھٹا کر ۲۰ سال کر دی گئی ہے۔

اقوام و قبائل مند بہرہ فرست کے امیدواروں کے لیے عمر کی انتہائی حد بہر حال ۳۵ سال رکھی گئی ہے۔

کھانا کو آپ باشی کی سہولت فراہم کرنے کے لیے ضلع وارانسی کی چند دوسری تحصیل میں دو نئی لفٹ نہروں کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے۔

ان میں سے ایک ۴۵ لاکھ روپے کی لاگت کی ملکی پور عیب نہرو جو صلع ملکی پور کے قریب واقع ہے اور جس سے ۲۰ کھوٹیکس کے حساب سے ۲۰ ایکڑ کی کسب باشی کی جائے گی۔ دوسری نہرو ۱۵ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کی جائے والی کنڈلاکلاں عیب نہرو جو موضع کنڈلا کے نزدیک واقع ہے اور جس سے ۵۰ کھوٹیکس کی شرح سے ۵۰ ایکڑ کی آبپاری کی جائے گی۔

ان دونوں نہروں کے لیے گنگا ندی سے پانی حاصل کیا جائے گا اور کسانوں کو ان نہروں کے ذریعے فراہم کیا جائے گا۔

گورنمنٹ میڈیکل کورکھوہ میں آئندہ تعلیمی سال سے ریفریکریشن اور ایریکٹڈ ٹیننگ میں ایک سال کا پوسٹ ڈپلوما کورس شروع کیا جائے گا۔

کوڈلا سٹورینجوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور بڑے ہمانے پر ایریکٹڈ ٹیننگ کے ساز و سامان کی تیاری کے پیش نظر آسپس کورس کو شروع کرنا مناسب سمجھا گیا کوئی اس تہہ کا ساڑوہا تیار کرنے اس کو درست حالت میں رکھنے اور استعمال کو کرنے کے لیے بڑی تعداد میں ہنرمند مزدوروں اور انجینئروں کی ضرورت پڑے گی۔

یہ اطلاع وزیر اعلیٰ شری کملاتی تیار تھی نے حال ہی میں دو صان پریشد کے ممبران لادی اور مزید بتایا کہ شہری کونسل نے وزیر اعظم قومی امدادی فنڈ میں ۹۰۰۰ روپے کا عطیہ دیا اور سگلدیس کے شاہ گرجنوں کی امداد پر ۱۵۴۵۸ روپے کی رقم خرچ کی۔ دیگر اخراجات میں مصیبت زدہ افراد کی امداد کے لیے دی جانے والی ۱۱ روپے کی رقم بھی شامل ہے۔

اتر پردیش ریاستی تھری کونسل کے درکنگ صدر ریشی رام کمار رتا ستری کی اطلاع کے مطابق ایرین ۱۹۶۷ء تک اس صلع میں دفاع فنڈ کے لیے ۱۱ لاکھ روپہ جمع کیا جا چکا ہے۔ ضلع کی رفتار ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے شری شاستری نے کہا کہ وہاں چھوٹی بجٹ اسکیم کے تحت ایک کورڈ روپے کی رقم جمع کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تیز رفتار پروگرام کے تحت ٹرک کی تعمیر کے کام میں کافی ترقی ہوئی ہے۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ مسرکہ میں پھلیوں کی ترقی کے لیے ایک خوب صورت تالاب تعمیر کیا گیا ہے۔

اتر پردیش ریاستی کجی بورڈ کے افسروں اور ملازمین نے وزیر اعلیٰ اوقافی فنڈ میں ایک لکھ ۳۵۱۶ روپے کا عطیہ دیا ہے۔ اس سے قبل ۲۲ دسمبر ۱۹۶۱ء کو بورڈ کے افسروں اور ملازمین نے ۳۰ روپے کی تحصیل وزیر اعلیٰ شری کملاتی تیار کو پیش کی تھی۔ اس کے بعد ۸۶۴ روپے کی خرید رقم جمع کر کے وزیر اعلیٰ دفاع فنڈ میں دی گئی ہے۔

حکومت اتر پردیش نے اسپیکر رت فیکٹری کی آسامیوں پر تقرری کے لیے عمر کی انتہائی حد اور لازمی تبادلہ تعلیمی استعداد سے متعلق ضوابط میں ترمیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مجوزہ فرمات کے مطابق وہ افراد بھی اسپیکر رت فیکٹری کی آسامی پر تقرری کے حق دار ہوں گے جنھوں نے کوئی ایسا دگر یا ڈپلوما حاصل کیا ہے جسے انڈسٹریل اینڈ لوہی کی کسی شاخ میں ہندستان میں قانون کے تحت قائم شدہ کسی یونیورسٹی

متفرقات

خصوصی علاقائی پراجیکٹ۔ ریاستی حکومت نے دہرود میں ایکسی اور کھیری میں جنگلات کے علاقہ میں قبائل مندراجہرست کی علاج کے لئے خصوصی علاقائی پراجیکٹ برائے کالائے کے لیے مرید۔ ۲۰۰۰ روپے کی منظور کی ہے۔

ان راجیکٹوں میں رداغت، باغبانی کی ترقی، نقل و حمل، بیجوں، پیالے کی آسائشی، اجتماعی ترقی، تعلیم اور ترقیاتی مرکزوں کے قیام شامل ہیں۔

ممتاز آدم و مصنف کو علاج کے لیے مالی امداد۔ اتر پردیش اُردو اکادمی نے اُردو کے معروف مصنف اور شاعر شرمی حامد اللہ، افسر، کو علاج کے لیے ۵۰ روپے کی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا، جو پتہ علی اور بالکل صاحب فراتس ہیں۔ جنوری تک ۲۲۰۱۱ مواضعات میں بجلی۔ وزیر اعلیٰ شرمی تارائن دت تواری نے ودھان پرنس کے حالیہ اجلاس کے دوران ایوان کو مطلع کیا کہ ریاست میں گزشتہ ۳۱ جنوری تک ۲۲۰۱۱ مواضعات کو بجلی فراہم کی جا چکی تھی اور بقیہ مواضعات کو بھی بجلی فراہم کرنے کی اسکیم تیار کر لی گئی ہے۔

ذریعہ صوف نے اہوان کو مزید مطلع کیا کہ ۶۳-۶۲-۱۹۷۱ میں ۲۰۰۰ مواضعات کو اور ۶۳-۶۲-۱۹۷۱ میں ۲۰۰۰ مواضعات کو بجلی فراہم کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے، اس اسکیم کا مقصد ۱۹۷۱ء تک اتر پردیش کے ۱۱۷۶۲۲ مواضعات کو بجلی فراہم کر دینا ہے۔ شری توارین نے کہا کہ پانچویں منصوبے میں دیہی علاقوں کو بجلی فراہم کرنے اور دیہی شہروں کے کام کو اولیت دی جائے گی۔ لکھنؤ گزٹس ہائی ٹیکنک میں سنار گورنمنٹ گورنمنٹ گزٹس ہائی ٹیکنک لکھنؤ میں سال رواں کے دوران پوشاکوں کے ڈیزائن اور طبو سات کی تیاری سے متعلق تین سال کی مدت کا ایک نیا کورس شروع کیا جائے گا۔

اس کورس کے لیے چوتھے منصوبے میں ۱۰۹۰ روپے کی جو

تھوٹے منصوبے کے دوران اس کورس کو چلانے پر ۲۲۹۳۰ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ اس کورس کے لیے ریاست کے ۶۳-۶۲-۱۹۷۱ کے تحت میں ۷۰ لاکھ روپیہ کا اندوشتہ کیا گیا ہے۔

ریاست میں گزشتہ مارچ کے دوران ٹہری، پوری اور المورہ کے ضلعوں میں جن ۲۸ سٹیوں کو بجلی فراہم کی گئی ہے، ان میں سے دو بستیاں ضلع ٹہری کی، نہ لستیاں ضلع پوری کی اور ۱۸ بستیاں ضلع المورہ کی ہیں۔ ان سٹیوں کے نام یہ ہیں۔ جھام اور ڈوبرا (ٹہری)، ایتھا مانگ، پدم پور، ستادور پور، بلجھدر پور، شمشو، نگر، دوی، کستور، پور، کوک، مانی پور، ارجے دیو (پوری) اور ستکورا، کھار، کار، یامیٹ، ناڈیک، بانڈے، جھکار، کجکستور، کھارکین، یا تورو، بھٹن، موہر، جوسل، کوئی ٹھیک، سبناٹ، تانی ہاٹ، یایا، کملٹ، دارمر، جو کھٹیا اور گنگائی (المورہ)

تھوٹے پیمانے پر آب پاشی کی نئی اسکیموں کے تحت گزشتہ دوری کے آخر تک ۱۱ لاکھ ۳۳۰ ہزار ایکڑ مزید آرائشی کو آب پاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ان اسکیموں میں کنوؤں اور گولوں کی تعمیر، بینک سٹیوں کی تنصیب، بجلی اور سرکاری میوب ویلوں وغیرہ کی تعمیر شامل ہے۔

زیر نظر مدت کے دوران دیگر کاموں کے علاوہ ۲۱۸۵۱ کنوؤں کی تعمیر کی گئی، ۲۰۳۲۹ بینک سٹیٹ لگائے گئے، ۲۰۲۶۶ بجلی میوب ویلوں کی تعمیر کا کام پورے ملک میں جاری ہے اور ۲۰۷۶۶ بینک سٹیوں اور ٹیوٹ لوں کو بجلی فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ ۳۳۵۹ ایکڑ آرائشی برتنی اور گاؤں سہا کی بندھوں کی تعمیر کی گئی۔ بہاری اضلاع میں ۱۲۵۶ ایکڑ زمین کو آب پاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے گولوں اور دیگر ہارے آب کی تعمیر بھی کی گئی۔

x x x x

رقم رکھی گئی ہے اس میں ۱۹۴۲ء کے لیے ۲۵۰۰۰ روپے کا بندہ دیت کی گئی ہے۔

اترکاشی کے لیے دوسرا ٹاؤن ابریا حکومت اترپردیش نے سرحدی ضلع اترکاشی کی بارکوت گرام سمیت کا درجہ بلند کر کے اس کو مارچ ۱۹۴۲ء سے ٹاؤن ابریا کیٹی بنادیا ہے۔ ضلع میں یہ دوسری ٹاؤن ابریا کیٹی ہوگی۔ پہلی ٹاؤن ابریا کیٹی بھٹواری کی ہے۔ مرزاپور میں دنیا کا سب سے بڑا قالین کو گھڑا۔ مرزاپور میں دنیا کا سب سے بڑا قالین نوم ہے جو کسی بھی مظلوم بھائی کا ہم فٹ تک کا چوڑا قالین تیار کر سکتا ہے۔ یہ انکشاف وارانسی میں اس سے قبل ہفتہ کے دوران منعقدہ قالین سازی کی صنعت سے متعلق ایک سیدنا میں کی گئی۔

مرزاپور بھدہ ہی اور نواحی علاقوں میں عالمی بانڈا کے لیے ۱۲ کوڑ روپے سالانہ مالیت کے قالین تیار کیے جاتے ہیں۔

ترہنوں یونیورسٹی کی ڈگریاں تسلیم۔ حکومت اترپردیش نے ریاستی ملازمتوں اور آسامیوں پر تقرری کے لیے ترہنوں یونیورسٹی کا ٹھہ منڈک ڈگریوں اور سرکاری ٹیکوں کو تسلیم کر لیا ہے۔ یہ فیصلہ سال ہی میں اترپردیش کا منہ کے ایک جلسے میں کیا گیا۔ ترہنوں یونیورسٹی کی طرف سے دی جانے والی ڈگریوں اور ڈپلوما کو کسی بھی ہندوستانی یونیورسٹی کی ڈگریوں اور ڈپلوما کے مساوی تصور کیا جائے گا۔ حکومت ہند نے بھی اس یونیورسٹی کی ڈگریوں اور ڈپلوما کو تسلیم کر لیا ہے۔

قیدیوں نے پتیل کے ۴۹۰۳ برتن تیار کیے۔ سنہ ۱۹۴۱ء کے دوران اسی کے قیدیوں نے ۱۹۴۱ء کے دوران جیل کے مکینوں کے استعمال کے لیے ۳۲۳ روپے مالیت کے مختلف قسم کے پتیل کے ۴۹۰۳ برتن تیار کیے ہیں۔ زیر نظر سال کے دوران ۱۱ کام میں اوسطاً روزانہ ۲۰ قیدیوں نے حصہ لیا۔



اتر پردیش اُردو اکادمی کی جانب سے کتب خانوں کو مالی امداد نئی درخواستیں نے فارم پر ۳۱ اگست تک ایک طلب

اتر پردیش اُردو اکادمی نے کتب خانوں اور دارالمطالعوں کو اردو کتابیں، اسارات اور رسائل کی خریداری کے لیے ۳۶۰۵۰ روپے کی مالی امداد منظور کی ہے۔ ان کتب خانوں اور دارالمطالعوں کی درخواستیں نظامت تعلیمات کی معرفت اُردو اکادمی کو موصول ہوئی تھیں۔

اتر پردیش اُردو اکادمی نے آئندہ مالی امداد منظور کر کے لیے شرائط اسے وضع تیار کیے ہیں، ان شرائطوں / درخواستوں سے ایسے معزز فارم بری درخواستیں طلب کی ہیں۔ یہ فارم سکریٹری 'اتر پردیش اُردو اکادمی' علاقہ صحت گنج لکھنؤ سے طلب کیے جاسکتے ہیں۔

درج ذیل فارم کی حاضری کر کے اُردو اکادمی کے سکریٹری انچارج اُردو اکادمی کو اس طرح بھیجیں کہ زیادہ سے زیادہ ۳۱ اگست تک پہنچیں لیکن سائنس صرف ہی کتب خانوں اور دارالمطالعے درج ذیل فارم کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ نتائج مفروضہ کے موصول ہونے والی درخواستیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ وہ ادارے بھی اکادمی کے فارم مقرر مالی امداد کی درخواستیں بھیج سکتے ہیں جو مستقل قریب میں کتب خانوں اور دارالمطالعے کھولے والے ہوں۔

نقد و تبصرہ

(تبصرہ کے لیے ہر کتاب کے دسٹے آٹھ لاری ہیں)

علی حواد زیدی

قراردے کی گئی ہیں وہ یوں ہی کے مسرتی اصلاح میں بولی چلے والی
راہ میں ہی بانی عاتی ہیں۔ دی بات اب بھی دہرنا چاہتا ہوں یہ صمیم
نے صحت اعلیٰ میں سادہ سہل آواروں کو ہکا بکا دے کی حید
متاثر دی ہیں مثلاً ڈھونڈنے کی بجائے ڈھونڈنے اور یہ بھیاں
کی جائے یہ بھیاں یہ اسماعیل مسرتی اور کسی حد تک سلی اتزیرتیں
میں ہی عام ہیں۔ کل کی بجائے (یہی) ایک مزید بکا رادار کا استعمال
ہی مسرتی اصلاح پر پرتیں میں ہوتا ہے۔ دال کی جگہ ڈال کا استعمال
جسے داڑھ کی جگہ ڈال بھی مسرتی اتزیرتیں میں مستعمل ہے بعض
محققین کے اصناف کے متاثر ہیں مسرتی اتزیرتیں میں مل عاتی ہیں
مثلاً ”میں“ ”یو بھیا“ ”یارہ“ سے اٹھارہ ایک اٹھارہ تیری کو بپ عتہ
کے اصناف کے ساتھ استعمال کرنا مثلاً گیارہ ران ماراں دعرہ ہی اودھ
ناقصہ نکھتوں میں عام ہیں۔

دلی حوتوں اور رانوں کی گرگاہ تھی وہاں پنجاب اور برک کے
علاقوں کے اقرب کے علاوہ پوری، صوم پوری، اودھی وغیرہ کے
اقرب بھی برابر سمجھ رہے تھے اردو اور ہندی کے ماہرین اسات
کا فرض ہے کہ وہ ان اقرب پر بھی عور رانیں اور ایک سامی نقطہ نظر
عام کرے میں مدد دیں۔

ڈاکٹر مارگ اور ڈاکٹر حلیں اجم کی یہ کوشش منکوحہ ہے یہ بولی
مراقی اور میں دوسرے قدیم موطا کے مطالعہ میں اس سلسلے میں سفید
ستار کا حامل ہو گا کہ یہ ان دونوں صاحبان عصرت کی طرح دوسرے
اصحاب بھی اس میدان میں اد تحقیق دے رہے ہوں گے سانی ران
میں صل جو عاتیں گئے اور ادبی حوتوں و ناقص کے لیے بھی راہ ہمار ہنگامی

اور ڈاکٹر حلیں اجم، ڈاکٹر
گولی چند مارگ

ماستر، کنٹر شاہلہ، اردو مارا دلی صفحات ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲
کرمل کتھا کالسانی مطالعہ، حلیں اجم اور ڈاکٹر گولی چند مارگ
کامیونک کارما ہے، اکثر مصوات کا یہ محقر سالہ اردو کی ادبی نصف
کرمل کتھا، کی سانی مصوات اور اہستوں کو ظاہر کر کے لکھی
ہے۔ اصل کتاب کا مصنف اصل علی مصوات اور مصواتی کے پہلی مرتبہ
لکھنے میں بھی بہت لکھا ہے اس لیے روٹی کی بجائے کرمل کتھا
اردو میں یہ پہلا ترجمہ ہے ترجمے کی زبان، ”دہ بھی ص اصل ران
کی عادت ران سے ترجمہ کیا گیا ہو، اکثر عادت ران کے الفاظ و
ترکب سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ فارسی کتابوں کے اردو ترجموں میں
یہ بات عام طور سے دیکھنے میں آتی ہے۔ پھر بھی ران ابی مصوات
تو ظاہر کرتی ہی ہے فعلی ایسے ترجمہ میں اور ران پر عور لکھتے ہیں۔
فارسی اور عربی سے واقف ہیں۔ عام فہم ران لکھے یہ بھی تا دہر
ڈھائی سو برس کی زبان کی بہت سی خصوصیتیں ”کرمل کتھا“ کے آئینے
میں دیکھی جاسکتی ہیں

مصنف نے یہ بات کیا ہے کہ کرمل کتھا، ”کی زبان بھائی،
کھڑی بولی اور راج بھات کے اقرب کی حامل ہے اس میں
انہوں نے صوتی، صرفی، نحوی، لفظی اور اطلاق تبدیلیوں کی فعلی
متاثر کیا ہے۔ بعض سانی مصوات پر ”کرمل کتھا“ کے مر میں
مالک رام اور بھالڈیں احمد نے بھی رجسی ڈالی تھی، اس وقت تبصرہ
کر رہے ہو میں نے کتھا کتھا کہ سرت کی خصوصیتیں جو بھائی سے وابستہ



73

29(4)

نیادور

۱۱

۱۱
۱۲

مازنی ۱۹۵۲

۱۸۹۳ء تک

جدا سے لائے یاغ دے
فی رحمتہ بحاس یہ
اسٹیر

خوشد احمد

سنة

ششوی ششما

۱۱۸ کٹر محکمہ اطلاعات اتر پردیش

یوسف

اشوک در

سیرمذت یزمتگ و شیشزی. یو پنی

مَطْلُوعًا

سَوَاقِ نَمُوتِ رَسْرَ عَشْرَ بَاغِ الْكَلْبِ

ساتھ کر کے

محلہ اطلاعات اتر پردیش

1942

۳	رد و بر و جس معین اذیت	۱۰۰	رد و بر و جس معین اذیت
۶	حلال بیت	۱۰۱	حلال بیت
۹	سیاہیں مگر گریوں	۱۰۲	سیاہیں مگر گریوں
۱۳	قد حیدر آدن	۱۰۳	قد حیدر آدن
۱۳	یا دو پوی	۱۰۴	یا دو پوی
۱۵	ڈاکٹر اصرار نہ رط	۱۰۵	ڈاکٹر اصرار نہ رط
۳۳	خورشید و مری	۱۰۶	خورشید و مری
۲۲	مہراج احمد بہر خوریدی	۱۰۷	مہراج احمد بہر خوریدی
۲۳	راہم لعل	۱۰۸	راہم لعل
۳۱	حق جس نقون	۱۰۹	حق جس نقون
۳۲	رہبانہ رشیدی	۱۱۰	رہبانہ رشیدی
۳۲	آرہ ارہ بکوی	۱۱۱	آرہ ارہ بکوی
۳۳	حبیب ہنسی	۱۱۲	حبیب ہنسی
۳۳	سلطت رسول	۱۱۳	سلطت رسول
۳۳	سلمان تمس	۱۱۴	سلمان تمس
۳۹	ڈاکٹر اعجاز حسین میل ام	۱۱۵	ڈاکٹر اعجاز حسین میل ام
۵۵	جیوی کا طر عمل حال	۱۱۶	جیوی کا طر عمل حال

مبادد کے مصائب پر جس حیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، ضروری نہیں کہ حکومت ان پر پابندی لگائے، بلکہ محال منقہ ہو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے متعلق ریپورٹ میں لیا کہ کھانہ بچوں کے علاوہ کوہا، مطاویں میں صد ہجرت میں ہر کی مطوی حاصل کر کے لے کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (ممبئی) کے سید ۱۹۶۷ء کے اسمبلی میں لایا۔ اس کے مطالبہ آور کا تعلق حامی ہے اور اس کی حوالہ کی حامی ہے اس کے لئے اس غور طلب امر ہے کہ راجی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ایسٹ انڈین کالج کے مصروف اور اس کے مالی کے معتمد اور شعبہ اعلیٰ کے خزانہ میں اور اس کی خاطر

[illegible]

اگر وہاں سر کی گھبراہٹ والوں کی جانب سے یہ جرح نہ کر پڑے، ایک لکھا سا مہر ہے اور اس ایکٹ کے مادہ کے کاغذ پر بھی ہے کہ اس کی کوئی گورڈ نہ ہے اس لئے اس دوسرے میں بھی کھڑی نقصان اٹھایا اب اگر وہ جی۔سی۔ی کے درجہ ترقیوں میں نہ آیا ہو لیکن شاخ کا یہ مرکزی بورڈ ہمیں کہے گا اسے تو یہ سب تو اس کی سیکولر لہ میں ہی ہے کہ اس کے رقبہ کے لئے یہ تاثر کارآمد نہ ہے نہ کہ اس کا دوسرا نصف یہ جگا کہ جس میں اعلیٰ کاہر میں ہو گا۔ یہ بورڈ اس کی سیکولر پالیسی کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمیں جی۔سی۔ی کے پاس کھڑے اس شاخ سے کسی مسئلے کے لئے مایوس ہیں وہ رات دوسری صبح کے اس وقت کوئی قصہ جو غامض ہو گیا ہے جس کے لئے ہم واپس نہیں کر سکتے۔ اس کی سیکولر پالیسی ایک اعلیٰ اور مہمان کی گنجائشوں کا نصف دوسرا نصف ہے۔ اس صبح کی سب سے بڑھ کر اس ناک کا کس سے کہ اس ادارہ کو گورڈ اور وہ وسیع جگہ سے ترقی پزیر ہو سکتی ہے۔

اسد

دلیکتر مرثیہ کو کا مذہب احمر ہندوؤں کے اسلامی نام

بروہس مسعود جس رضوی ادب

دلیکتر کو مراد کیوں تحریر کیا ہے۔ وہ خود لکھنے میں کہ دلیکتر
ہندو تھے۔ یہوآن کا مراد یا مغل ہونا کیونکر ممکن ہو سکتا
اگر بالعرض وہ مسلمان بھی ہو جاتے تب بھی ان کی مراد
کا کوئی امکان نہ تھا تو مسلم مراد نہیں ہو سکتے۔

مسلم کو مراد کیسے کی بہت نمایاں مثال موجود ہے یعنی مراد
قتیل۔ مراد کے لیے مسلمان ہو جانے کی شرط بھی نہیں ہے۔ غالب
کے مشہور شاگرد مراد ہرگو پال نقضہ کی مثال سلسلے موجود ہے۔
دلیکتر کے تبدیل مذہب کے خلاف رضا صاحب نے ایک
مضبوط اور مدہسی دلیل پیش کی ہے کہ ”میں کسی تذکرے یا
تالیف میں دلیکتر کا کوئی اسلامی نام نہیں ملتا۔ یہ بات درست
ہیں کیونکہ تذکرہ خوش معرکہ زیریا کے ایک قدیم قلمی نسخے میں
جو بیٹے میں موجود ہے اُن کا اسلامی نام غلام حسین لکھا گیا ہے۔
اسی سلسلے میں رضا صاحب لکھتے ہیں ”دیوان او دھ
افشار الدولہ ہمارا جرمیوارام تو ہر حال ہندو تھے اور دلیکتر
انھیں کے مصاحب تھے۔ آگے چل کر رقم طراز میں کہ ”ایک مدد
ہمارا جرم کے ملازم ہوتے ہوئے اُن کا ہندو مذہب چھوڑ کر
مسلمان ہو جانا کتنا احمقانہ خیال معلوم ہوتا ہے۔ یہی رضا صاحب
کے خیال میں دلیکتر کے مسلمان نہ ہونے کا بہت بڑا ثبوت یہ
ہے کہ اُن کے سرپرست ہمارا جرمیوارام ہندو تھے۔ لیکن
اُن کو خبر نہیں کہ میوارام خود مسلمان ہو گئے تھے۔ دلیل میں
تاریخ او دھ جلد چہارم کے دو اقتباس نقل کیے جاتے ہیں۔

ماہ نامہ نیا دور ماہ دسمبر ۱۸۵۷ء میں جناب کالیڈس
لکھا رضا کا ایک مقالہ لکھو کے مشہور و مقبول مرثیہ کو دلیکتر
کے حال میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں کئی باتیں اسی آگئی ہیں جو
حقیقت کے خلاف ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ
دلیکتر جو اصلاً ہندو تھے بعد کو مسلمان ہو گئے تھے۔ رضا صاحب
اس کو قطعاً غلط سمجھتے ہیں۔ سرور نے ”ارغما“ میں دلیکتر کو
میاں دلیکتر اور تادے مرلیچ میں مراد دلیکتر لکھا ہے جس سے
اُن کے مسلمان ہوجانے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ رضا صاحب
اس خیال کو باطل ثابت کر کے لیے تحریر فرماتے ہیں
”سرور نے دلیکتر کو میاں دلیکتر تحریر کیا ہے۔ آج کل
سورے اتفاق سے میاں کا لفظ کم و بیش مسلمانوں سے متعلق
ہو گیا ہے۔ مگر سرور کے زمانے میں میاں صرف عزت اور
محبت کا لفظ تھا اور ہندو مسلمان سب ہی کے نام
ساتھ لگا ہوا تھا۔ سرور نے بھی میاں انھیں محسوس میں استعمال
کیا ہے جس کے معنی جناب یا حضرت کے علاوہ کچھ نہیں۔“
سوال یہ ہے کہ کیا ایسی ایک مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے
جہاں میاں کا لفظ کسی ہندو کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔ اگر ایسی
کوئی مثال نہ مل سکے تو لفظ میاں دلیکتر کے مسلمان ہوجانے کی
دلیل قرار پائے گا۔
رضا صاحب لکھتے ہیں۔۔

”بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی کہ تادے

محمد علی شاہ کیوں مکان فلک آستان و فلک پاساں
ہیت ہیں اس در یہ جو جہ سا یہ ہے اُن کی وحدت میں اب انجا
ہوا میں جو مشہور مدار شاہ کہ آگہ ہو کے جنت آرام گاہ
یہ سن کر کیا آپ سے سرفراز دیا مجھ کو ہم جنوں میں امتیاز
پڑھا جب کہ معوضہ خانہ راد کرم سے کیا نام بندے یہ صادر
اسی طرح برسوں ملازم رہا دعا گو ہیت یہ حد دم رہا
زمانہ حوشہ نہان کا ہوا مشرت یا اسلام بندہ ہوا
دگر کے مسلمان ہوا نے اس سے راہ دہن تو اب اور کہا
ہو سکا ہے۔ اب اس میں کوئی شک بس رہا کہ اُنھوں نے اپنا آئی
مدہب برک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

رہنما صاحب نے ایک ڈٹ نوٹ جس گہیت سہاے سرور
کے حوالے سے لکھا ہے کہ دگیر کا دیوان نایاب ہے۔ یہ اطلاع
بھی درست ہیں ہے۔ دیوان دگیر کا ایک فلمی نسخہ ریاست
عمود آباد ضلع سیتاپور کے کتب خانے میں موجود ہے جس کو
مرثیہ کے ایک مبسوط تحقیقی مقدمے کے ساتھ ڈاکٹر اکبر حیدری صاحب
کا شیر نے سہارن میں منظومات مہاں دگیر کے نام سے
تعارف کر دیا ہے۔ حیدری صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
اس میں دگیر کی کوئی اعلان یا مرتبہ نہیں ہے، بلکہ چند مشوایاں ’مدرس‘
ترجیع مد اور قطعات شامل ہیں۔ دگیر کے جب مرثیہ کہا شروع کیا
تو ایسا دیوان غزلیات موفی جمیل میں ڈرودیا تھا۔ اُن کے موجود
دیوان میں اُن کی خلائیں سمون کو شامل ہو سکتی تھیں۔

میں نے کج سے کچھ کم چالیس برس پہلے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں
دگیر کے حالات اُن کے خاندان کے دو بزرگوں سے دریافت
کر کے لکھ لیے تھے۔ ایک بزرگ لالہ دینا ماتھ عرف حسین بخش
واجب کے واسے مٹی ابکا پرشاد سکھ تھے اور دوسرے بزرگ
واجب کے پوتے سستی کھو لال تاجک تھے۔ مٹی ابکا پرشاد قدیم
کشیاب کتابوں کی تلاش میں میری مدد کیا کرنے تھے۔ اُن کی

”بصیر الدین حیدر نے اپنے حلوں کے بعد میوارام
پسر نولی کرشن بن دیا کرشن کو مہاراجہ اتحاد الدولہ
کا خطاب دیا اور دیوانی کا عہدہ بخشا اور تین لاکھ
روپیہ نقد صدقہ انعام میں وصیت کیا۔“

”مہاراجہ میوارام نے سدو مدہب کو چھوڑ کر
دین اسلام میں قدم رکھا تھا۔ دو تین لاکھ روپیہ سالانہ
عشری محمد اور انام دسات ائمہ اظہار و سیرہ میں خرچ
کرتے تھے اور دیوانی کا کام کرتے تھے۔ ان کا درانہ
سات جزا روپیہ ماہوار تھا۔“

میوارام کا اسلامی نام پدایت علی تھا۔
دگیر نے ایک عک مہاراجہ میوارام کی سوی کوٹنگ صاحبہ
لکھا ہے۔

اگے اے دگیر گرد گاہ حق میں یہ دعا اختیار الدولہ پر سارے اللہ کا
حقت واقعات سے قائم رہے وہ دیا اور بیگم صاحبہ یہی ہے محل خدا
اس کے بارے میں رضا صاحب فرماتے ہیں کہ ”مہاراجہ
میوارام کی سوی کو دگیر مہارانی نہیں بیگم صاحبہ کہہ رہے
ہیں جو حاض آدوہ کی تہذیب سے۔ گدارش سے کہ مدورانی
کو بیگم کہنا آدوہ کی تہذیب ہیں ہے اور اس کی کوئی مثال
میں میں کی جاسکتی۔ آدوہ میں جھوٹی بڑی بہت سی ریاستیں
تھیں جن کے مسلمان وایان ریاست راجہ اور مہاراجہ اور
اُن کی بیویاں رانی اور مہارانی کہلاتی تھیں اور اس کی
میسوں مثالیں اس وقت بھی موجود ہیں۔

رضا صاحب دیکھتے ہیں کہ ”دگیر کے مدہب بدلے کا سوال
نہ ہے اور اس کے لیے سارے اس کوئی قطعی شہادت میں نہیں
اس کی قطعی شہادت بھی موجود ہے۔ دگیر اپنی ایک نظم عہدہ حقت
میں جو اچھوں نے محمد علی شاہ دیاں رداسے آدوہ کے حضور میں
پیش کی تھی اسے سمانی ہوئے کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ اربعہ آدوہ علیہ السلام۔ ہم العی ۳۱۶-۳۱۷ لہ ایضاً ص ۲۷۷ منظومات میان دگیر ص ۱۰ حاشیہ ۱۰ سہ حقت آرام گاہ۔ نواب سادور
۲۔ ۱۱۶۹-۱۱۷۰ ہ فہ حاشہ ۱۰-۱۱۶۹-۱۱۷۰ ہ عارف الدین حیدر ۱۲۲۹-۱۲۳۲

والدہ عمری و گیسری تھیں یعنی دیگر اسی کے بیٹا تھے۔
مستی صاحب مرحوم نے میری فرمائش پر دیگر کے حالات
اپنی نہایت نافر والدہ سے دریافت کر کے لکھ دیے تھے
مگر انھیں کے قلم سے لکھے ہوئے میرے پاس موجود ہیں اور
دلیل میں لفظ بہ لفظ نقل کیے جاتے ہیں۔

محمد بن ابی طالب و دیگر تباری و ادویه و غیره که در حساب
الکلیه و غیره و غیره

لہ لہ جیسا کہ دل سے کما لیتا ہے کہینہ دوسرے سے اپنے لیے لے کر
 نام سے اسے مالک و مملک تھا شروع میں بہت وقار و مال تھا
 لہ لہ جیسا کہ دل سے لے کر دنیا سے ہم عمر و خیر بخش دیا جب
 فی چشمہ سے بھی لے کر لے کر لے کر لے کر لے کر
 دار و خانہ چاندی خانہ کی دختر - شاعرانہ عاقبت شوق تھا
 اب دیوار کا تھا مگر عرق و عرق جیل کر دیا و تب سے مرتد ہو گئی
 لکھتے تھے اے لکھتے تھے - منہ نہ دے لکھتے تھے اور لکھتے تھے
 تو ہم بنا بیٹھ کر کہتے تھے تو ہم دار کی کہتے تھے اور ماہ صوم کی

دکتر عقیق کیا۔ عوام میاں دلگیر رہنے لگے۔ غریب داری کرتے تھے اور ماہ محرم میں بڑی عقیدت کے ساتھ ماتم داری عبادت کی کرتے تھے۔ غریب اپنے پر خود و شاگرد و دیگر صاحبان مرتضیٰ گوئی کرتے تھے۔ مرتضیٰ گوئی میں ایسا نام پیدا کیا کہ

حالات میاں دکنیز باقی والدہ ماجدہ یعنی
 لالہ دینا ناتھ صاحبہ المتخلص بہ واجب
 لالہ جنگلو لال صاحبہ کا ساتھ سکیند دوسرے تھے آپ کے
 والدہ کا نام داس بلکہ رام صاحبہ کھلہ شروع میں بہت سخت حال

آج تک لوگوں کی زبان پر ہے۔
میاں دلیگرے پانچ بیٹے تھے (۱) لالہ مانگے لال صرف
تکو (۲) لالہ من لال (۳) اودھ بہاری عرب ایدو (۴)
عبوس علی (۵) حسوت رائے عرب حمص۔ دو روکیاں تھیں
ایک دہی لالہ مانگے لال صاحب ساکس سرائے عابجاں کو
منسوب تھی دوسری لڑکی لالہ بی لال کو منسوب تھی۔ لالہ

بچی لال صاحب دیوان مندر لال کے بیٹے تھے۔
مسلمان ہو چلنے پر بال بچوں اور اہل حاکمہ کا جو ددو
ملحدہ ہو گیا۔ میاں دلیگرہ کو دووں وقت کھانا بک کر ددما
جاتا تھا۔ شروع میں سسرال میں بڑی خاطر داری و مہارت
ہوتی تھی۔ مسلمان ہو چلے آتے جاتے مودرتے، لعل وہ مات
نہ رہی۔ مکان اُن کا بچی گنج کے چوراہے پر ان بانی کی دوکان
کے پاس تھا۔ تادی کے وقت بہت کم ہنس تھے ہوی کو چھٹا
سال تھا۔ لالہ من لال مسلمان ہو گئے تھے۔ لالہ مانگے لال عرب
تکبوسے ایک معلانی ڈال رکھی تھی۔

میاں دلیگرہ پر مثل اہل تعدہ اُٹھائے گئے مجمع کرتے تھے۔
مناں دلیگرہ کے والد کی دو تادیاں ہوتی تھیں جھنگولا
کی وجہ تسمیہ ڈو اگوتھے ہوئے سے بڑی۔ سب بڑے اور
روکیاں انتقال کر گئے۔

لالہ مانگے لال کے بابک لڑکا مدو ہوی سے تبولال تھا
جو O.R.R. میں بطور گائڈ تھا۔ تادی ہیں موئی اور
اتقال کر گیا۔ میاں دلیگرہ کی روکیوں کی پر نانی اور لواسی
اب بھی موجود ہیں۔

بڑی رسات میں کچھ حقہ قلمی مرثیوں کا کوٹھی میں
یا بی بھر خانے سے تلف ہو گیا تھا جس کا بت رورنگ قلق
رہا۔ بہت کچھ پھر تیار کر لیا۔ کوئی سن یعنی وفات و پیدائش
کا نہیں یاد ہے۔ فقط

منشی کھٹولال تائب ایک چھوٹے سے دستی ریس مطبع
بہار اودھ کے مالک تھے۔ اکبر برصغیر ۱۹۳۲ء میں جب میں اُن سے

دلیگرہ کا نام جھٹولال اور تخلص طرب تھا۔ ابتداء اُن کا
رحمان اسلام کی طرف تھا۔ چنانچہ علم کتاب ہی میں وہ مسلمان
ہو گئے تھے۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے جھنگولال اور جھنگولا۔
جھنگولال بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ علموں پر عربی عبارت کدہ
کرمائے کا پیشہ تھا اور اس میں اُن کو بڑی مہارت تھی۔
میں نے ان دووں کو دکھا ہے۔ جھنگولال و آجب کے
بہنوئی تھے۔ دلیگرہ کا اسلامی نام کسی سے نہیں سنا۔ اُن کو سب
لوگ میاں دلیگرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ جھنگولال کے
یہاں نعرہ داری ہوتی تھی۔

حاندان دلیگرہ کے ان دووں بزرگوں کے بابوں میں کچھ
اخلاق لطیفہ آتا ہے۔ وہ سن کی زیادتی حلقے کی کردی
اور ماموں میں حروی ممانت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ منشی
کھٹولال نے دلیگرہ کا نام جھٹولال بتایا ہے اور منشی امکا پڑا
کی والدہ نے اُن کا نام مع وجہ تسمیہ جھنگولال بتایا ہے۔
ان کے ایک ہاتھ میں دو اگوتھے تھے یعنی چھ انگلیاں
تھیں۔ اسے چھ انگلیوں والے لوگ جھنگ کے نام سے یاد کئے
جاتے تھے۔ میرے ایک نہماں برنگ خوشید علی کا صرف چھٹکا تھا۔
کھٹو کے ایک عالی حاندان مگر اُن بڑھ مرثیہ گو صادق حسین،
حسین چھٹکا صاحب کہلاتے تھے۔

منشی تائب کا بیان ہے کہ کھٹو کے بعض کاسٹھ خاندانوں
میں دو نام رکھنے کا رواج تھا ایک ہندوانہ ایک اسلامی۔
واجب کے حاندان کے علاوہ ایک دوسرے حاندان میں بھی
عابد حسین اور غلام عباس تھے۔ عابد حسین کے دادا کو
شاہ اودھ کی سرکار سے آدھ راج کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔
یہ خطاب مہاراجگی کے خطاب سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس
بیان کی تائید میں چند ماتیں اور پیش کی جاتی ہیں۔

لتے ہیں۔

ضمیمہ

منشی امیکا پرشاد اور منشی کھنولال تائب

منشی امیکا پرشاد کے برہگ دی عزت اور حوصلہ
تھے۔ ان کے والد دیوان رمن لال کا یہاں تک محلہ نواز گج
میں بیٹے دکھا تھا۔ ان کے بڑے بھائی مائریشا وغیرہ فرحت
تھے، قلمی کتابوں اور تصویروں وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔ ان
ایک دفعہ ان سے ملے گیا تھا۔ ان کے مکان کے وسیع کیا گڈ میں
ایک طرف محوٹی سی مسجد تھی جس کی دیکھ بھال وہ خود کرتے تھے
اور نماز کے لیے چٹائیاں اور وضو کے لیے پانی موجود رکھتے
تھے۔ ان کی عنایت کی ہوئی ایک قلمی تصویر اب بھی میرے پاس
ہے جس پر قدسیہ خن، لکھا ہوا ہے۔۔۔ لوگ کھنوں کی ہندو مسلم
مشرک تہذیب کے باقیات الصالحات تھے۔

منشی کھنولال تائب کے بارے میں اوپر لکھا جا چکا ہے کہ
ان کے والد دادا اور پردادا شاعر تھے اور ان کے تخلص ترتیباً
ماہدب، واجب اور طالب تھے اب انھیں کی کتاب ہوئی
دو چار باتیں اور کہی جاتی ہیں۔ انھوں نے آٹھ مرتبہ مندر آباد
دکن کا سفر کیا۔ پہلا سفر ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ یا تو پچھ مرتبہ
نظام دکن کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ حیدر آباد
میں ان کے متعدد دشمن گرو تھے، جن میں مشرف بادری خانہ،
نقاریب سلطانی و سررشتہ دار افواج نظام راجہ سری پرشاد
احقر اور سرجن جمعیت نظام محبوب دکن مرزا داؤد بیگ
مرزا سب سے ممتاز تھے۔



تائب کا ایک قصیدہ جو کسی راجہ کے فرزند کی گھوڑے
چڑھائی کی تقریب پر شتلاہ میں کہا گیا تھا اور انھیں کے
منبع بہار اودھ میں جون ۱۸۹۱ء میں چھپا تھا یہ پاس
موجود ہے۔ انھوں نے اس قصیدے کے آخر میں انانام
پوں لکھا ہے۔ "غیر کمال کھنولال تائب خلیفہ محمد حسین جب
ولد منشی حسین بخش و آجب ابن منشی سکھی لال طالب داروہ
نقہ حانہ سلطان عازمی الدین حیدر بہادر یاس سے معلوم ہوتا
ہے کہ تائب کی شاعری تین پشتوں کی میرات تھی۔ ان کے والد
دادا اور پردادا سب شاعر تھے۔

یہاں تائب نے اپنے والد کا صرف اسلامی نام فرحت حسین
لکھا ہے۔ لیکن ایک دوسرے موقع پر ان کا ہندو نام نام
جھاؤ لال بتایا ہے۔

سید جہا لایا نامات میں چند ہندو کاکھوں کے اسلامی
نام آگئے ہیں یعنی حسین بخش، عیوض علی، مرحمت حسین اور
حضر۔ بخشی الملک راجہ اُلفت راے بہادر اُلفت کی کتاب
انشائے اُلفت میں ان کے علاوہ چند اور نام ملتے ہیں یعنی
لالہ امام بخش، حسن بخش صاحبزادہ راے گنگا پرشاد اور
علام عباس صاحبزادہ راے گنگا پرشاد۔

تخلص طبع کے لیے بھی یہ لطیفہ سن لیجیے کہ کھنوں کا کستھ
کا ایک بڑا حاندان تھا جس کے بیشتر اودا شاعر تھے اور ان کے
تخلص ہم وزن و ہم قافیہ تھے۔ دہنا تاجہ واجب، جھاؤ لال
ناصر، کھنولال تائب، سکھی لال طالب، جن لال تائب،
بھندن لال کاتب، میتا رام صاحب، آخری تین نام سکھی بخش
واجب کی تنوی بہارستان شادی کے قطعات تاریخ میں

گل

حلّالِ ملجِ آمادی

تھی کوئی زہرہ جہیر، شمعِ سبستاں کل رات
 مدتوں بعد، زمانہ تھا غزلِ خواں کل رات
 زلفِ بکھر اے ہوئے دوش بہ دوش یہ ناہید بہار
 تھی فضاے شبِ مہتاب میں قصاں کل رات
 طلعتِ ماہ میں شبنم سے فروزاں تھا چمن
 گل بہ گل لالہ بہ لالہ تھا چراغاں کل رات
 حسن کو عشق کا وہ باس تھا اللہ اللہ
 نازِ بردار تھی وہ نازِ مشن، دریاں کل رات
 شوقِ شاداب تھا پلکوں کے حسیں سائے میں
 استِ کی بیادوں میں سرشار تھے ارماں کل رات
 محبت کا کل شبِ رنگ کے تھے سطرِ فرش
 سوسن و نسترن و لالہ و بیکباں کل رات
 گلِ سستاں رنگ بھی اک لیلی شیریں کل شب
 ہمکشاں تاب تھی اک زلفِ پُرافشاں کل رات
 حُسنِ ساحُن تھا، رعنائی شری رعنائی تھی؟
 پیکرِ رنگ تھی اک جانِ بہاراں کل رات
 شعلہٴ بادہ جو گزرتا تھا تو کو مٹھتی تھی
 رنگِ مے سے مرا ساغر تھا فروزاں کل رات
 خلدِ زار چنتاں میں مے دوش بہ دوش
 کوئی سلمائے دل آرا تھی خراماں کل رات



غزل کا مختصر جائزہ میں حافظ کی روشنی میں

ساموئل جگر بلوی

کی حاتی ہے۔

ن اے سخن نہ نفی مروا تے میں سے
برصاے تہ کے آسمانوں اچھی تک روتے روتے سو گیا ہے
تھکے تھکے تھیں گے آنسو روتا ہے یہ کچھ ہی ہیں ہے
میں جو ولا کہا کہ نہ آواز اسی حارہ خراب کی سی ہے
میران نما آکھوں میں ساری مستی تراب کی سی ہے
خوش نہ آئی تمہاری حال ہیں یوں نہ کرنا تھا یا کمال ہیں
دور میٹھا عمارتیر اس سے عشق بن یہ ادب نہیں کہا
ممد رجبہ بالاشدوں میں کفنی کفنی مسکمی اور درد ہے۔ ذریل
کاشوداد سے مستفی ہے۔ بہ دروں میں اور عشق کا کرتہ ہے۔
دراخورد رہا ہے۔

بے غور ہی جس کی دہمی جی ہی بھلتا ہے ایسا
دیکھے اس کی اور ہیں پھر یہ بھی عشق کی عبرت ہے
اس تو کو ذہن میں رکھتے تو دل کا شور بخوبی سمجھتی جائیگا۔
نوحہ سجدہ آخو جانایا جہاں سے خوش جیاسے کہ وہ آستان نہ پایا
یہ تو بھی احمیں کا ہے۔
کچھ نہ دیکھا بھر بحر اک شعلہ پُر بیچ و تاب
شعاع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ کیا
تیر بالکل بجا فرماتے ہیں

اردو اساتذہ سخن میں غزل کو بہ مضبوطیت چل ہوئی
کسی اور صنف کو چل نہیں۔ سائنو ہی سائیو اس میں پیرنگی
صحی بہت ہے۔ یہی شواہد معیار مہربانی اسی سے اس کا دہ
قائم ہوا اور اسی سے ان کے مخصوص رنگ برنگہ لگی ہیں حب
غزل کی خوبیوں اس کی یہ گیوں اور دوست بر غور کرنا ہوں
حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔ اس کا راز دل کے مہی میں لٹا
ہے۔ اس کے معنی کہا ہیں اس کے عشق صاحب عات اللعاب
ہوں لکھے ہیں "ماہی گردن محبوب و حکایت کردن ار جوائی
و حدیث حب عشق و زماں" اس کا مطلب محض یہ ہوا
محب مور توں سے حوائی کی عشق و نیت کی باتیں کرنا۔ یہ
مانس کوں نہیں کرتا اور کون کرنا نہیں چاہتا کر۔ میں ضوت
میں بھی موتی آئی ہیں اور ضوت میں بھی۔ جلوت کا مطلب ہے
پردہ اور حجاب خلوت کے معنی ہیں بے پردگی اور بے حجابی،
جس کے لیے ماراؤں کے کوٹھے مخصوص ہیں۔ یہاں حضرت
لیے والے ترہ و دھ کے رومے جاک چاک کر ڈالتے ہیں اور وہ
غایت و رساک لٹا آتی ہے کہ الہی توہ انزل کی دونوں تصویریں
ہیں میں پہلے اچھی تصویر کے خط و حال میں کرنا ہوں۔
اتحاد میں غزل نے نمودنا دو بی دبستانوں دلی اور لکھو
میں پائی، جس میں دلی کو نوعیت چل ہے۔ لہذا دلی سے ابتدا

دل ناداں تجھے ہوا کیسا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماحر کیا ہے

کسی کو رے کے دل کوئی نواسج فضاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سیسے میں تو پھر کھمیں زماں کیوں ہو
اب داغ کا غلغلہ طمد ہو رہا ہے۔ ہر طرف داغ کی دھوم
ہے۔ انھوں نے غزل کو ایسے رگڑے دے کر بیجاری کی بڑی
یسی سب ٹوٹ گئی تنوں حلفت داغ کی شاعری عیاں شانہ
تشاء ہی ہے

آنکھیں دکھلا ہو جو بے دکھاؤ صاحب
وہ الگ مادہ کے رکھائے جو مال اچھا ہے
عقبات کی بھی حد پہنچی داتے ہیں۔
خوروں کا انتظار کرے کون حسلہ کما

مٹی کی بھی تو روا ہے شباب میں
داغ نہ چار دیوان لکھے۔ بہت سہرت پائی۔ ان سے
ہزاروں شاگرد تھے حصوں سے اپنے استاد کا رنگ ملک کے اطراف
و جوانب حزب پھیلایا۔ گھروں میں، محلوں میں، گلی کوچوں میں
ہزاروں کے گھروں پر ہر جگہ انھیں کے راگوں کی دھوم ہے۔
آخر مولانا حالی نے فتویٰ صادر فرمایا ہے

عرل اور قصیدے کا ایک دفتر غنوت میں سٹاؤس سے جو بے بڑھ کر
داغ کے بعد دہائی میں کوئی قابل ذکر شاعر نہیں ہوا اور
غزل کا حنا زہ نکل گیا۔ اب دبستان گھنوک سیر کیجیے۔ یہاں
سر آمد شواہص اقصیٰ خواجہ حیدر علی آتش پر سب سے پہلے
نظر جاتی ہے۔ آتش عارت باشر ہیں۔ ان کا کلام نئے اور جدید
کیجیے

خدا سرورے و سودا دے تیری زکات پریشان کا
جو آنکھیں ہوں نو نظارہ ہو ایسے سنبھلتاں کا

خس پری اک جلودہ متانہ ہے اس کا جیش راوی ہے کہ جو دیونہ ہے اس کا

گفتگو رینچے میں ہم سے نہ کہ یہ ہماری زبان ہے پارے
ان سے گفتگو کرنے کا ہر شخص اہل نہیں۔

میر کے بعد تو سن کو دیکھیے۔ یہ غزل کے بادشاہ تھے۔
کوئی ان سے ٹھہ کر غزل نہ کہہ سکا۔ دہل کے شعر کا تو جواب ہی نہیں
حم مرے پاس ہوتے ہو گویا حب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
اور دیکھیے

اگر غفلت سے باز آیا حفا کی تلاقی کی بھی ظالم ہے تو کیا کی
چلی تلوخی نہ کچھ مود صبا کی گزرتے میں بھی زلف اس کی بنائی
انہی اس راہ سے کوئی کیا ہے کہے دیتی ہے ستوخی نقش ماک

سیم سجود پایے صم پر دم دواغ * توں خدا کو بھول گئے اضطرار میں

نہ غدر اسماں جذب دل کیسا سکل آیا
میں الزام ان کو دتا تھا قصور ایسا نکل آیا
یہ شعر تو نہایت سے ضرب المثل ہے

عمر تو ساری کٹی عشق نستاں میں موت
آخری وقت میں کیا خاک سماں ہوں گے
اب غالب کو دیکھیے ان کا رنگ سب سے جدا سب سے
اچھا ہے۔ ایسے شعر بھی کثیر تعداد میں ہیں جن کو سوا بہت
کے اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا
قری کف حاکم و غزل نفس رنگ

خمر نالہ نشان فکر سوختہ کما ہے
اسد ہم وہ جہوں جلاں گداے سے سرو پا ہیں

کہ ہے سرحد حراں آبیو نشت حار اپنا
اور ایسے بھی جو غزل کا اچھا نمونہ ہیں

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن مقبض ہے مید کون رات بھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو حجب ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
یہ آتی تھی حال دل پر نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی

وہ یاد ہے اُس کی کہ بھلا وہ دو جگہ حالت کو کہے فیروزہ مارا نہ ہے اُس کا
محل آتے ہیں جیسی میں عدم سے بہرہ کی گول، بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اُس کا

تصور سے کسی کے ہم نے کی ہے گفتگو برسیوں
رہی ہے ایک تصویر خیالی رو مرد برسوں

تیریں زباں ہوئی ہے مراد کے دہن میں
لیٹا بیکار تھی ہے مجھوں کے سیرہن میں

چشم ماحرم کو برق خُش کر دیتی تھی سد
دامی عصمت برا آلودگی سے پاک سما

حشر کو بھی دیکھئے کا اُس کے ارماں رہ گیا
دل ہو ابر آفتاب آنکھوں سے بہاں رہ گیا

گسناح بہت صبح سے یروا نہ ہوا ہے
موت آئی ہے سر جڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے

اب مستی بوبت برائے طراکتے ہیں۔ یہ شاعر ہی ہمیں
ہر من مولا ہیں یعنی ادیب، لغاؤ، محقق، مصور۔ ان کے
تحقیدی مضامین بڑے بصیرت اور ہوتے ہیں اور بہت
بلند معیار کے۔ ان کا ایک بیض مضمون مصوّر ان کھنڈ دیکھنے
سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی سی جامع کمالات ہستیاں کم
پیدا ہوتی ہیں۔ ان پر دو کتابیں لکھی گئیں۔ یادگار نظر رستم
نے لکھی اور نقد نظر مختار احمد مانی ایم۔ اے مرحوم نے۔ یہ
در اصل وہ مقالہ ہے جو مرحوم نے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کے لیے
لکھا تھا مگر یونیورسٹی میں پیش نہ کر سکے کہ یہ اصل آگیا سان کی
وفات کے بعد یہ مقالہ ان کے بڑے بھائی اختصار احمد ایڈووکیٹ

لے مطلوبہ انجس رتی اردو علی گڑھ۔

بریلی سے شائع کر دیا۔ بلا کلام تہا متر داخل ہے۔ فراتہ ہیں
میں کو کہ رنگ غل کچھ منبر نہیں ہے ہر اک زبان گویا قہر نہیں ہے
مذت سے ڈھونڈھتا ہوں شاعر نہیں ہے وہ اک کون خاطر جو بشر نہیں ہے
دل تھا تو ہو رہا تھا احساس زندگی بھی مُردہ ہوں اس کے زندہ بھی نہیں ہے
آہیں بھریں بہت کچھ دم توڑتا ہے باقی اس کا میں بھی دیکھوں یا اثر نہیں ہے

کوئی کچھ ماستحق رحم و محواری نہیں سوز میں اور بظاہر کوئی بیماری نہیں

صط سے دل نزار رہتا ہے اندر دلی بخار رہتا ہے
قطع امید ہو تو کیونکر ہو روز اک انتظار رہتا ہے

وہ ایک تم کہ سراپا ہمار و ناز گل وہ ایک میں کہ نہیں صورت آئینہ بہار

یاس سے ویرانی مرتبہ کسی ایسی تھی دل میں خائنا۔ تھا دست بھی ایسی تھی

دل کی حالت نہیں سمجھنے کی اب یہ دُنیا ہمیں بدلنے کی
رمانے کی ناقدر دانی کے لیے دل کو یوں بکھاتے ہیں۔ یہ
نظر اپنی تسلی کے لیے کافی ہے میرج کہاں تک دہریں بقدری چلیں ہر گز
نظر کے بہت دن بعد استاد دی لسان الہند مرزا محمد ہادی
عزیز لکھنوی آتے ہیں ان کے یہاں بڑی تابناکی بلکہ جلال ہے یہ
یہ آج کس کی جوانی کو میں نے دیکھا تھا
جری نگاہ کو سینے میں آستنا ہے بہار

دیل کا سر یقیناً لاٹانی ہے۔۔۔

حادثہ قدرت کے دل کا نام یہ ہو کر لکھا ہر جگہ اس نغمے سے سنی بدلتے جائیں گے
تھبتے کیوں ہو جو ستر اہدہ دیکھتے ہیں۔ کوئی اور پہنچ نہیں تم کہتے ہیں
ابے مرکزی طوق مائل یوار تھا شہسکھوں چہ نہیں عالم یری انگریزانی کا
انگریزانی برہمت شعر نظر سے گذرے مگر اس شعر کا عالم ہی

چلے چلو جہاں لے جاوے ولولہ دل کا دلا، راہ محبت ہے بے مصلول کا
سراست رہیں دلیں مگر کرنے والے اس بڑے مکان میں گھر کرنے والے
گرسلیں نہ ڈال کر خود تو دکھیں گڑائی یہ میری نظر کرنے والے

دوب کئے کئے پہ نہ ٹھنکے کئے مٹھتے دن گئے کو بہت کئے کئے
رنگا سے متدل لعل کو دور دست حقیقتوں سے دانستہ
کر کے کھانا مادیاں اسے سیکانی کہتے ہیں بیکھر اٹھیں کا حقتہ
سے۔ سبحان اللہ

کیسا کبھی کسی کی نہ سی رہے میں یاد تو بکیر ٹھیسے کل آفتاب نے میں
دل کے شہر سے لکھو والوں سے ان کی حرکت کر آریاں ظاہر
ہیں سے

ماریاں سے کرتے ہیں تکر کے بچہ دُعا یہ تو کیا اہل کھوکھو کرتے
اب جگر دُعا دُعا بادی شریف لاتے ہیں۔ انھوں نے بقول خود
ایسا حق تنہا کہا ہے ان کی حل دُعا کے نیلے مارگشت ہے۔

۔ بان الیہ تمام راستے اس میں فارسیہ کی مود ہے۔
دُعا کے بعد ان کو بیٹھے کھینے ٹوگوں میں اچھی شہرت و مقبولیت
مائل ہوئی۔ ان کا دیوان شعلہ طور کیس سال کے ریب ہوے
دیکھا بھی، اندر شو ایک بھی یاد نہیں۔ سیکر آہستہ کی زبانی یہ یو
یہ ایک غزل ان کی کسی تھی اس کا مطلع یاد رہ گیا ہے۔

کام آخر حد بہتے احتیاج۔ آج ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے بڑیاؤں کو پیا رہا ہی گیا
اب تنوکت علی خاں قاتی دایوبی جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

یہ بی۔ ای۔ ایل۔ بی بھی ہیں۔ ان سے امید کی جاتی تھی کہ
کر دیوان کے داس یہ جو جیسے آگے تھے وہ صاف ہو جائیں گے
او۔ کچھ دماغی آسودگی و مسرت کا ساماں سمجھو گے۔ مگر ماوجود
اُس روشن خیالی کے جو اگر بری تعلیم کی مدولت ان کو حاصل تھی
انھوں نے ایک ادھر سے کہے میں قدم رکھا۔ ایسے کہے ہیں کہ
جتنا یہ آگے بڑھتے گئے ادھر بکرا ہوتا گیا یہاں تک کہ سواطلت
وتاریکی کے کچھ نہ رہا۔ دُعا اور اُس کی جلوہ سامانیاں سب اسی میں

نرالا ہے۔ دلی اور کھنڈ کی کھربیاں ختم ہوئیں۔ اب کچھ ان
اہل کمال کی جادو بیاباں دیکھیے جو ان سے تعلق ہیں رکھتے ملکہ
اگر کے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے خاد عظیم آبادی کا نام دکلام
۔ بان بر آتا ہے۔

ٹھوڑے رنگ اگر ملکوں ملکوں پاؤں گے نہیں ایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہمسو وہ جواب ہیں ہم
میں حسرت و حسرت کا مارا حاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریا ہے محبت کہتا ہے آج بھی ہیں ایاب ہیں ہم
ذیل کا ترس ملا کا ہے کہ سے والا تزیب کر رہا جانا
ہے۔ سہری نظرسے اردو میں اس مہم کا کوئی تصور نہیں
گذرا۔ ہے

محرمان قص سے مہموں نے اس شاد بہ کھلا بھی
آہو اگر تو آجائیں ایسے میں اسی مشاواں ہیں ہم

اگر بے رہ۔ مے دم بھی ترا نام آسے کا
میں اس فیصے سے درگزر مے س کا آسے کا

ان کے بعد انھیں کے یہ و مراد و احسن ماس و یگانہ
جنگری غزل مرانی کہتے ہو۔ مے دم تم کے ساتھ کھنڈ میں قلم
رکھتے ہیں۔ یہ ایک طرف اہل کھنڈ کو کوک کر لگا دے میں دوسری
طرف مانگ دیں غالب کے بچے اُدھڑے متروک کرتے ہیں اور اُس
وقت تک دم ہیں لیتے حسرت ایک پوری کتاب غالب میں
ہیں لکھ ڈالتے۔ کھنڈ والوں سے نہت تک ان کی حُسن ہی جس کے
بیان کرے گا یہ موقع نہیں۔ ان کا دیوان آماں و حدائی ایک راہ
ہوا نظرسے گذرا جھان کے اشعار بڑے مضبوط کھڑے اور جادو
ہوتے ہیں۔ ہے

پٹنی ہے بہت یاد وطن جب داس دل سے
پلٹ کر ایک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

مُصوٰں صاحب نظر کا سوا دمز کا نگاہ حق سے آگے تھا قاطر دل کا

دوب گئیں۔ وکالت بھی دُسیا کی میر تقی وہ کیا ابھرتی مگر معاش کے لیے اس کو حاکم رکھا اور اُبھارنا لازمی تھا۔ اس سے بے سیاری بس کی بات ہیں تھی۔ پہلے اسے وطن میں بھر پوری قیمت اکر مانی کی مگر ڈھاک کے تبن بات کے سوا کچھ ماتھ نہ آیا۔ آخر حیدر آباد پہنچے۔ نظام حیدر آباد کی سرکار سے وابستہ ہوئے۔ مگر فانی الشعر ہو چکے تھے۔ وہاں کی آب و ہوا بھی سازگار نہ ہوئی بے نبل مرام وایں آئے۔

ان کا کلام ان کی طبیعت کا آئینہ ہے۔ جو طبیعت طبیعت میں سرایت کر چکی تھی وہی لفظ لفظ سے نکلنے لگی ہے۔ ان نازی کرکچوں کی ادرا ہے اور غالب کا متبع ہے۔ راقم کی ملاقاتیں بھی ان سے رہیں۔ ان کا کلام بھی ان کی زبانی سنا۔ جیسا کلام بخاڑتے بھی جو بے مگر گلستے ہیں تھے۔ ان کا دیوان باقیات فانی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی عزل عام فہم ہیں عام پسند نہیں پھر بھی ایک طرح خاص رکھتی ہے جو ابتدائے پاک ہے۔ فانی سراپا غم تھے۔ ان کو ہسی شاید عطرِ معطر کی صورت سے حسرت و یاس نیکیتی تھی۔ راسخ نے ان کے کلام پر قوتِ طبیعت کا فتویٰ صادر کیا۔

کمال سوزِ عہماے سہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے طبعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
چٹھی آؤ وہ ہے قبرستانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ
سُنے جاتے رہتے تم سے مرہِ دن رات سناؤ
لکھن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شور ماتم آخری دیدار میت پر
اب اٹھا یا جاتی ہے لاش خالی دیکھتے جاؤ

کون اٹھے مری دغا کے ناز دل تم دوست وہ قیبِ ناز
تو حانِ دعاے دل اور دل جگہ جگہ
ہے ایک ستمِ روقِ محفل جگہ جگہ

توق سے ہما کی کی دولت کو چرا دل ہی چھوٹ گیا
ساری اُمدیں ٹوٹ گئیں دل بیچھ گیا جی چھوٹ گیا
فعلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں در زماں ٹھکتا ہے
کیا کوئی دُشمنی اور آہیسی یا کوئی تحیدی چھوٹ گیا
اُس نے عدو کا سوگ کیا یا اُس سے وفا کی آس بندھی
رہگ تمنا رنگِ حسا کی دیکھا دیکھی چھوٹ گیا
نہیں معلوم حضرت رقیب کا اردو تناعی سے کب بوجھا چھوٹا
اور وہ کب تشریف لے جائیں گے۔ انھوں نے غزل کا دامن
مالکل سیاہ کر رکھا ہے۔ فانی کے دو شعراور یاد آگئے سُن بھیجئے
دُشمنی سے رنج کا بدلہ یہاں نہیں ملتا وہ لگے تو ہمیں آسمان میں ملتا

دُنیا مری ملا حالے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت سے تو مُفت نہ لوں، سستی کی کیا ہستی ہے
آخری سوسے ان کی طبیعت کا رنگ آئینہ ہے۔



غزل

ماں

صوفی حیدر آبادی

کیا بتاؤں، ہے کس عصب کی بات؟
جب وہ کرتا ہے اپنے ڈھب کی بات
ہر ادا اُس کی سے عجیب و غریب
اُس کی ہر بات ہے عصب کی بات
جائے، کس اُس سے اور کب بکھے
مٹھے چپ مٹن رہا ہوں سب کی بات
لاکھ نہیں کڑم کی نسیکن
دل سے لب تک نہ آئی ڈھب کی بات
ذکر وعدہ یہ ہوا ارستاد
تے کہاں کی، نگہ ہر کی، کس کی بات؟
نکل نہ جائے سبب زماں میری
ہو جو ایسا سوے غصب کی بات
ذکر لطف قدیم اور اُس سے
صبح جو بھول حلق شب کی مات
عمر سہرے دھنوں اگر سُن لو
میرے کانوں سے اُس کے لب کی مات
تکتنی لے جوڑ مات ہے، تو بہ
مُنہ ہرا اور اُس کے لب کی مات!
حُب رہو بھی کہ مات رہ جائے
آب کا سُہ اور اُس کے لب کی بات
بات ہر مات یاد آتی ہے
دہن اُس کا اور اُس کے لب کی بات
کوئی یہی ہے اُس سبب سبب
مات اور تم سے حال لب کی بات۔
ذکر اُس کے دین کا ہر لب پر
ہر زماں پر ہے اُس کے لب کی مات
دور پہنچی ہے، نہ ہوتا، کائنات
رہتی تھی ایک ہی اُس کے لب کی مات
سحر سنوں میں خُدا کرے، صوفی
اُس کے سُہ سے اُس کے لب کی بات

غزل

یاد دہلوی

صبح بہاراں پوں آئی ہے حادثے تصف ٹوٹا ہے
غمہ دکل کی ریشی کو دست صبا نے ٹوٹا ہے

گریہ سب بھی زخم جگر کا کوئی مداوا کر نہ سکا
اوس کی بوندوں میں بھولوں کا رنگ بھلاکھ بیٹھا ہے

حصنِ قدم پر محول بکھلے ہیں تہہ لبی خار بی
راہِ طلب میں پائے حوں کا آئینہ جب بھی بیٹھا ہے

آج کی اس بے حس دیبا میں عم کا ساتھی کوئی نہیں
سب کے چہرے نقلی ہیں اور سب کا تہم جوٹا ہے

تہر دفا میں اہل حوں کو فرق وصال و مجسم ہیں
اُس کا تصور ساہ راہ ہے اس کا حودا من چھوٹا ہے

اہلِ سخن میں اپنی عمل کے آج نہ کیوں کر چرچے ہیں
مآدا کا اُن کی عکس پڑا ہے اُس سے حورشت ٹوٹا ہے

ہر لائی ۱۹۹۷ء

اٹھ ۱۹۳۷ء

تلسی داس کی رامائن

ذاکٹر اے۔ اے۔ رائے

تلسی داس اور نہ اس کا کوئی امکان ہی معلوم ہوتا ہے۔
۲۔ اردو اس زمانے میں بھی مستقل زبان کی حیثیت رکھتی تھی مسلمان ہندوستان میں نوار دتھے۔ یہ بات بھی حقیقت سے بعید ہے۔ مزید براں اگر اردو کی جداگانہ حیثیت بھی تسلیم کی جائے تو اقتباس بالا میں یہ نہ بتایا گیا کہ یہ زبان کس مقصد کے لیے استعمال میں آئی تھی اور مسلمان کس کب بجا بے سے کر گئے۔

۳۔ بھاتا میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے شعروادب نہ تھا۔ اردو کا بھی یہی حال تھا۔ پھر دونوں کی حیثیت میں کیا فرق تھا؟ زیادہ تو بول بول چال ہی کی زبانیں تھیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے کی سانی کیفیت اس اقتباس میں زیر بحث ہے اس وقت اردو کی موجودہ صورت کے وجود میں آنے کا سوال ہی نہ تھا۔ البتہ ”دیارِ مشرق“ میں جہاں مسلمان شمالی ہند میں سب سے پہلے باقاعدہ طور پر سکونت پذیر ہو چکے تھے، اس زبان کے حدود حال سے پہلے ابھرے اور اس زبان کے اسی علاقے میں پہلے ادبی نقوش ملتے ہیں۔ پرنسپل تیرانی نے اس حقیقت کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

”ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بھاتا کے میدان میں مسلمانوں کے نام ہندو شعرا سے اقدم ہیں۔ ہندی کا بڑا شاعر کبیر ہے جو نویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے ہندو شعرا زیادہ تر دسویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔“
(تیسری بار اردو ص ۱۳۳)

لفظ بھاکا یا بھاتا کے متعلق بعض بزرگوں کی تحریروں میں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ برج بھاشا کے لیے مخصوص تھا لیسک واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی کم و بیش سبھی مقامی بولیوں کیلئے یہ لفظ ایک مشترک نام کی حیثیت سے استعمال رہا ہے۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی نے لکھا ہے:

”بھاشا شاعری کی زبان تھی اور اس میں ہر ہندی شاعر عام اس سے کہ وہ اردو بھی ہوا یا گجراتی، مالوی یا بھاری شکر لکھتا تھا مسلمانوں کے لیے جہاں فارسی شاعری اور ادب کی زبان تھی اسی طرح بھاشا موسیقی اور شعری زبان تھی۔ اہل اسلام کی شہر وستی نے بھاکا کی شاعری کو بہت کچھ تقویت دی ہے۔ انہی کے زمانے سے اس زبان میں شعروادب پیرا ہوتے ہیں گویا اہل اسلام کے پاس تین زبانیں تھیں اولیٰ فارسی جس میں وہ شعروادب، تاریخ و اشعار لکھتے رہے، دوسری اردو جس کو اپنے ساتھ پنجاب سے لے کر گئے۔ تیسری بھاکا یا بھاشا جس میں موسیقی اور شعر لکھتے رہے۔“ (پہلا میں اردو ص ۱۳۶)

اس اقتباس سے دو چیز ذیل امور سامنے آتے ہیں۔
۱۔ بھاتا یا بھاکا اردو سے مختلف کوئی زبان تھی، یہ کوئی ایسی زبان تھی جو برج، کھڑی، قنوجی وغیرہ سے الگ یا ان سے مرکب تھی اور ہر علاقے میں موسیقی اور شعری مشترک زبان تھی، ایسی کسی ایک مشترک زبان کے وجود کے لیے نہ کوئی قطعی ثبوت

کہا ہے۔ زمان کی تحقیق و تفتیح کی گنجائش اسی صورت میں ہو سکتی تھی جب زبان کو علمی حیثیت حاصل ہو چکی ہو۔ یہ وہی سرخس آغا نے جاسکی کی بدولت یہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس کی رومی جلدی رہی ہے اور ورق کے ورق لٹے
پیلے جادو ماری علی کا لفظ سیل ملتا، مطلب اس کا آج سلمان
ملکہ ہندو لکھی میں بھٹتا؟

(ادبیات ص ۴۱)

علی اور فارسی کے الفاظ اس حد تک شعوری طور پر اجتناب
پر تامل کی زبان پر حکمرانہ قدرت سے علاوہ خود زبان کی استعداد
اور وسعت پر بھی دال ہے۔ یہ مادہ کی زبان مصنف کی شعوری
گوشش کے سبب ترکلف اور مبسوط ہے۔ علمی اور ادبی تصنیف کی
زبان صحرور ہے لیکن اسے عوام کی بولی جانی کی زبان سمجھا غلطی
کا سبب ہو سکتا ہے۔ جاسکی اور ان کے ہم مسلک لوگوں کی گوششوں
سے زبان اور ادب میں صحیح پر ترقی کر رہا تھا اس کے خلاف رد و عمل
کی صورت بھی جدیدی زبان بولی جانی پر وہی سرخس لے اس کا ذکر
ال لفظوں میں کیا ہے۔

”قطعیٰ“ لکھنؤ حاضری اور شیخ عثمان عابد پوری نے عام
مدنی تصنیفیں لکھ کر ہندی شاعری کو عالمگیر تصنیفیت کی شاہراہ
پر کام کر دیا تھا لیکن اس میں کئی کئی دہائیوں کے گئے داسے
شعرا دے اس کو مدنی رنگ میں رنگ دیا جیسا داس اور
سور داس نے زبان کو مذہبی سنگسار میں محصور کر کے ماقب
سری رام چندر اور سری کرشن کے لیے وقف کر دیا۔ نتیجہ
یہ نکلا کہ ہندی شاعری مرہٹہ کی حکایتوں سے کبھی آزاد ہو سکی؟

(بھادیس ۱۹۰۷ء ص ۱۴۶)

جہاں تک مدنی رنگ کا مطلب یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے
مقامی بولی کو جس وقت اختیار کیا تھا اس وقت ان کا ایک مقصد
ہر حال اس زبان کے ذریعے سے عقائد کی تبلیغ و ترویج تھا۔
اس لیے مذہبی رنگ تو قطعیٰ جاسکی اور عثمان کے یہاں ملتا ہے۔
حق یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد کو زیادہ کرشمہ اور قابل قبول

ہندستان کے اہل علم مسکنیت پر کثرت اور پھر زیادہ سے
زیادہ اب بھرتی کو علمی مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بھاشاؤ
کی ان کے نزدیک کوئی علمی یا ادبی اہمیت نہ تھی البتہ مسلمانوں
کی مصلحتوں نے انھیں بھارتوں سے دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔ عوام
سے رابطہ کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ ان کی بولی
جانی کی زبان کو اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ شارح اکھروٹی کا یہ
بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ:

”ہر بولی اور ادب میں لسان حکیم ہی ضرور ہوتا کہ ہند
خلافت انشاں یا معنی لائق مردانہ ملک محمد جاسکی، رسید
دوی دریں زبان بسیاری از مصنفات اور رسائل و
مطولات تصنیف (مودہ)“ (اردو کی نشوونما،)
مسلمان بزرگوں کے اقوال کو تقلید کرنے کا سلسلہ بھی غالب
ہے کہ ان کے یہاں یہ باقاعدہ قیام کے فوراً میں شروع ہو گیا ہوگا
اور اسی نے بالآخر تالیفات و تصنیفات کے سلسلہ کی صورت اختیار
کر لی۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان پنجاب کے راستے سے آئے تھے۔ یہ
بھی صحیح ہے کہ سیاسی اعتبار سے وہی مرکزی مقام تھا اور اسی
سبب سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ اس شہر کو علامہ ادریائے
مرجع کی حیثیت بھی حاصل ہوئی لیکن ایک مدت تک اس علاقے
میں ملکی محرکوں کا سلسلہ جاری رہا اور وہی کی حیثیت ”سیاسی بھائی“
کی رہی۔ اسی لیے یہاں کے مقلدے میں ”یورپ دیس“ میں مسلمانوں
کے زیر اثر بلند تر وہ زبان وجود میں آئی جس پر بالآخر اردو کی
بنیاد قائم ہوئی۔

بھائی بھائی کا اسی اصطلاح ”یورپ دیس“ کی بولی کے لیے
بھی استعمال میں آئی رہی ہے۔ خواجہ امیر خسرو نے بھی اردو بھی کی
مستقل اور انفرادی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اس زبان کی حیثیت
تصانیف کے قدیم ترین مخطوط فارسی رسم الخط میں دریافت
ہوے ہیں مسلمان مصنفین نے اسی زبان کو سب سے پہلے اپنا بھائی
جیسا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد اس زبان کو علمی اور ادبی حیثیت بھی
حاصل ہو گئی شارح اکھروٹی نے ملک محمد جاسکی کو ”تحقیق اور ترقی“

اس کی زبان بھی بدل گئی۔ کیرانی زبان کو پوری کہتے ہیں عالمی اور تسمی داس کی زبان بھی پوری ہے۔ البتہ سمبولی مقامی (ذاتی) ضرورت ہے اور وہ اودھی اور بھجوری کے علاقوں سے متعلق ہونے کے سبب ہے۔

تسمی داس کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے حالات کے بدلے ہوئے رائج کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ انھوں نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اب ترقی پذیر اور زندہ زبان اودھی ہے اور اسی کو علمی اور ادبی حیثیت حاصل ہونا چاہئے۔ وہ ایک رائج العقیدہ برہمن تھے۔ ان کے نزدیک وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی تھی کہ دیہی روایات کو اس ترقی پذیر زبان میں منتقل کر دیں۔ اگر وہ اس ضرورت کو محسوس نہ کرتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ سترہ رام چندر کے واقعات رائج اسی طور پر عوام میں رائج کہتے جیسے کہ ہیں تسمی داس نے اپنے عقائد اور مذہبی روایات کو اپنے عہد کی ترقی پر عوامی زبان (اودھی) میں پیش کرے۔ راجا جی صلاحیتوں کو صرف کیا تھا۔ اصولاً انھوں نے عربی اور فارسی لفظوں سے اپنے کلام کو محفوظ رکھنے کی بھی کم دین شوری کو شش کی ہوئی۔ پھر وہ سنسکرت کے عالم بھی تھے۔ اس کے باوجود ان کی رمانوں کی بابت پروفیسر محمد حسین آزاد نے لکھا ہے۔

”سترہویں صدی عیسوی میں بابائیں داس برہمن ضلع بانڈو کے رہنے والے کی ریڈت بھی تھے، تاجر بھی تھے، فقیر بھی تھے، انھوں نے رمان کو بھانسا میں اس طرح ترجمہ کیا کہ وہ لائٹانی کتاب مطبوعہ حاصو عام ہوئی۔ ان کے دہروں میں بہت اور نقاب مذکور ہیں کہیں کہیں الفاظ فارسی عربی کے موجود ہیں“

(احیاء)

رمانوں میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا ملنا اس حقیقت کے لیے کافی شہادت ہے کہ اس زمانے تک ان زبانوں کے اثرات اودھی میں اس حد تک رائج ہو چکے تھے کہ ان کو حذف کرنا معمولاً ممکن نہ تھا۔ البتہ اتنی بات بھی کہ لفظوں کا تلفظ مقامی بول چال کے مطابق بدل گیا تھا۔ رخ کی جگہ کہ، ذکی اور ذوق کے مقام پر

اداس میں پیش کرنا تھا۔ انھوں نے مقامی مصلحتوں اور ضرورتوں کو بھی پیش نظر رکھا۔ یوں ان کے یہاں فکر و نظر کی وسعت زیادہ تھی۔ ہندو علماء کا مسلک اپنے مذہب اور اپنی قدروں کی حفاظت کا تھا۔ یہ وہی اثرات سے بھاؤ کیلے اپنے گرو حصار کھینچ لیا مگر یہ ہوتا ہے۔ اس حصار کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے خود اپنی بعض ایسی چیزوں کو ترک کرنا پڑتا ہے جن میں یہ وہی اثرات کا کوئی تاثر بھی معلوم ہو۔ چنانچہ تسمی داس وغیرہ کے یہاں اگر ”جگڑ بنوں“ کا احساس ہوتا ہے تو یہ نہ کہ بے سبب نہیں بلکہ ان کے مخصوص حالات کے سبب تھا۔ ان کی ان تضامین میں بھی یہ صورت طے کی جو خالص مذہبی نہیں ہیں۔ پروفیسر مسوہین خاں نے جاسٹی اور تسمی داس کی زبان کو ایک ہی خانے میں رکھا ہے

”کیرانی پوری تسمی داس اور جاسٹی کی پوری بولی سے مختلف ہے کیر کے کلام میں۔ کھڑی بولی، راجستانی اور بھائی بک کے اثرات چھلکتے ہیں“

(مقدمہ تاریخ زبان اودھ ص ۳۵)

پروفیسر شیرانی بھی تسمی داس کی بولی کو کیرانی زبان سے مختلف سمجھتے ہیں لیکن ان کے نزدیک (رق مختلف ہے :

”تسمی داس اور سور داس اگرچہ کیر کے بہت بعد گرے ہیں لیکن ان کا کلام اس قدر دقیق اور عالمانہ ہے کہ ہم اس کا اکثر حصہ سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن کیر کے ہاں یہ دقت محسوس نہیں ہوتی“

(پنجابی ادب ص ۱۷۹)

لیکن یہ دونوں ہی رائیں ایسی ہیں جس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ کسی زبان میں اگر کسی دوسرے کے کسی قدر اثرات داخل ہو جائیں تو محض اتنی سی بات سے وہ زبان کچھ اور نہیں ہوجاتی۔ پھر کیر کے یہاں راجستانی اور بھائی کے قابل ذکر حد تک اثرات بے جا جانے میں بھی شک ہے۔ اسی طرح کسی شخص کا کلام اگر دقیق اور عالمانہ ہو تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ

ہی آتا ہے۔

۲۔ اعداد و شمار میں ایک (ادیک بھی) 'دو' چار (ادر چلہ بھی) آتے ہیں جو فارسی میں بھی ملتے ہیں۔

۳۔ حرف "ک" (دسی جو) بھی جگہ جگہ آیا ہے بعض مقامات پر "یا" کے نمسی میں بھی نظم ہوا ہے مثلاً
حفا دمو آراس کو کوک ناہیں

۴۔ ادوھی کا عام قاعدہ ہے کہ قافیہ کے لفظ کی آخری حرکت کو اکثر طول دیتے ہیں عربی اور فارسی کے لفظوں کے ساتھ بھی یہ صورت رائج رہی ہے، جیسا کہ دہلی کی مثالوں سے ظاہر ہے

۵۔ کون دھار تم ادوھی تھا جو چڑھے اوسکل پر یہ بیک سماجو
۶۔ ٹھکی ٹھکی بھڑ بھڑ دھارا رہی رہے بجھا دیا ر
۷۔ حاسوام سمت یک مارا اتر ہیں نہ بھو نہ دھوا ر
فارسی میں اچھے کے معنی میں "یک" آتا ہے۔ ادوھی میں یہ لفظ
یاسے معروت کے ساتھ ملتا ہے۔

۸۔ یکل۔ یعنی رام کھنڈیکا سسھی سہلے سوبے سشی میکا
حفا حویا کھنڈی مت لاٹھی میکا

عربی میں رخصت کے معنی میں لفظ وداع آتا ہے ادوھی میں "دا" (دیکورالاول) کہتے ہیں۔ پھر اس سے "دائی" اور "دائیگی" بھی بایاتے ہیں۔ اسی طرح فارسی کے صدر تمیدین کے مستقبات بھی یہاں قدرے مختلف صورت سے ملتے ہیں۔
تب کی حکمتاب اور پھر چٹا اور تاپا اغلب ہے کہ اسی قبیل سے ہیں۔

۵۔ صمایر کا معاملہ بھی توجہ طلب ہے۔ فارسی میں عائب کی ضمیر نایں، ادو، دے ہیں ادوھی میں آخر الذکر دونوں اسی طور پر متعمل ہیں۔ البتہ "ایں" کی جگہ "ای" بہ صحت فون غنہ

ج، سن کی جگہ میترس اور ق کے محل یک وغیرہ بولتے اور لکھتے تھے۔
مقامی الفاظ میں جودت تھیلٹ، ڈ، ڈ کے علاوہ پھر پھر ڈھ وغیرہ کا استعمال بھی عام تھا۔ ادوھی کے مسلمان مصنفین کے یہاں بھی ان آوازوں کا استعمال ملتا ہے۔ پروفیسر جوسین آڈ آڈ نے تلسی داس کا جو کلام بطور نمونے کے پیش کیا ہے اس میں الفاظ ناگ (ناغ)، گریب (دعرب)، خواجے (خوانسے)، اور کلہ (کلاہ)، ٹوپی (نظم ہوسے) ہیں۔ پروفیسر آڈ آڈ نے رمان کی زبان کو "عاشا" کہا ہے۔ میرے پیش نظر اس کتاب کا بونسو ہے اس کے سر درق پر جو عبارت درج ہے اس میں بھی اس کی زبان "عاشا" ہی بتائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں عاشا سے مراد ادوھی عاشا ہے جسے روح بھاشا میں کہا جاسکتا۔ سر درق کی عبارت میں جس لفظ کی جاتی ہے:۔

ترہ رمانیں آسہ برکاش اور دو

ادوھیا کا ڈٹٹیک

نیسے

شری گوسوای تلسی داس کو تری زبان کا

ترجمہ ادو زبان میں

یڈٹ بھی دت ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول میرٹھ ساکس

میرٹھ بھائی بھگتوں کے تونک کے لیے اپنی مالی بڑی

تلسی کوٹ ٹٹیک زبان سے جو زبان بھاشا میں تھی ادو زبان میں

دام پریس بھائی بھگتوں کے تونک کے لیے اپنی مالی بڑی

اس کتاب کے مطالعہ سے کئی نہایت دلچسپ اور سارے آتے ہیں۔

۱۔ اکادمی کے لیے بیشتر لفظ "س" بہ کسرہ اول آیا ہے [ظہر]

دعوت میں یہ لفظ اب بھی اس معنی میں اکثر سائیگا ہے لیکن ساتھ ہی

اکثر "ر" بھی نظم ہوا ہے اور اکادمی کے لیے فارسی میں بھی "ر"

لے کتاب میں بہ عزم صاحب مہرانی کی حمایت سے مجھے دستیاب ہوئی، میں ان کا شکریہ گزار ہوں۔ (انصار السنہ) کے علم گڑھ وغیرہ میں لفظ جن اکادمی کے معنی میں ہیں بلکہ روکے اور منع کرنے کے معنی میں عوام استعمال کرتے ہیں مثلاً کھنڈی چیز کھاؤ، دھوپ میں مت جاؤ۔ ان مثالوں میں نہ اور مت کی جگہ جن کہیں گے۔ (ایڈیٹر)

آتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان تینوں کی جگہ اور وہ بھی دوا اور
جمع دونوں صورتوں میں مستعمل ہیں۔ اردو میں 'ای' اور 'وے'
مترک ہوئے اور 'ی' اور 'وہ' کہے گئے۔ یہ صورت حال
باخصوص توبہ طلب، حاضر کی صیغہ 'تو' فارسی اور اردو میں
شترک ہے۔

اردو میں جو مختلف آوازیں رائج ہیں ان پر بھی توبہ کی ضرورت
ہے۔ ڈاڈھ، ڈ، ڈھ کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ بعد کا ارتقا
ہے۔ بہر حال کسی داس کی دلیان میں یہ آوازیں ملتی ہیں
جیڑھ، ڈھ، ڈیہ سے ہوتا دوا بھائی جیلہ ہر دے اور دھی ستر مائی
سن گوہ کے یک کہو ڈھا سہا کر پیتا ہیں وڈھا
تہو نہ لولی جیری پڑیا سنی تھاری سواس کاری جو سا پنی
اردو میں ہلے محلو کے ساتھ مختلف حرکت انھیں آوازیں
کے انھار کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

اردو میں 'والا' کے معنی میں 'ہار' یا 'ہارا' کے لاحقہ کا ہونا
بھی عموماً ملتا ہے جیسے بالن بار دیوہ اسی طرح 'موسے' بمعنی
جھوکو، بولتے ہیں۔ جمع کی صورت میں یہ 'ب' بدل کر 'پ' ہو جاتا
ہے جس کے ادوسے دی راما مانگے او کو کچھ موسے سہا
اردو میں کے ضار میں بھی ان دونوں لاحقوں کا صر مملک۔
مختلف ضماں اس طرح ہیں

(الف) غالب کے یے، وہ، او، ی، ای، وے، یے

عہ ہما سنی بھئے او دودھ کی لکھی
ہے جیہ سوای سوک گھو بھائی یہ دیکھ کل ریتی سہائی
جے می یٹ دھر جٹل سندھ سٹھی سوکار
(ب) حاضر کے یے، رواں، تو، تم۔ ان میں سے رواں
اب بھی اس علاقے کی بولی حال میں رائج ہے لیکن اردو میں بالکل
مترک ہو گیا ہے۔ یہاں اس موقع پر آپ کہتے ہیں البتہ اخرا لہ کر
دونوں کی مختلف صورتیں مروج ہیں۔ قدیم اردو اور اردو میں
بھی 'تو' کے مقام پر لفظ 'تیں' کا استعمال اگرچہ ملتا ہے لیکن جدید
اردو میں یہ مترک ہے :

۱۔ ان پرئی۔ کھوں رات کو پسے کھوں تو ہے موہ بس اپنے
۲۔ کدرو سٹی دینہ۔ کھ تھیں کو تلیا دیو
ان مثالوں میں دوسری صورت میں 'تم' کے ساتھ 'تیں' کے
الفاظ سے 'تھیں' (معنی تم کو) وضع کیا گیا۔ اسی طرح 'تو ہے'
کا معاملہ ہے۔ اردو میں یہی صورت یعنی 'تھیں' تو مستعمل ہے
لیکن 'تو ہے' کا 'تے' 'دے' جیسے اس طرح ہو گیا یہ نہیں
کہا جاسکتا۔ صائر کی داخلی صورت 'ہار' اور 'ہارا' کے لہجہ
سے متجانب ہے۔ چانچہ 'تو ہے' یا 'تھار' اور 'تو ہار' یا 'تھارا'
'تم سے' تھار اور تھارا ملتے ہیں۔ اردو میں 'تو' کا استعمال
کم ہو چلا ہے۔ جیسا کہ تھار یا تھارا اسی سرک ہیں۔ البتہ تھارا اور
تھارا میں ہلے ہور کی آواز نیم مائل کے محلو ط ہو کر تھارا اور تھارا
ہو چکا ہے۔ ان میں تھارا اس مترک ہے۔ اردو میں یہ سب
صورتیں بدستور رائج ہیں۔

جٹ ہیں تھری سواست راد

۱۔ یوس شرم لاک تھارے کا ہے بولے ادیکن سنھارے
۲۔ جادے یوگ سبھا ہمارا رن بھل دیکھ نہ جاسے تھارا
(۳) شکلم کے یے۔ میں ہم آتے ہیں میں داخلی اور مغولی
دیوہ جاتوں میں دیں کی جگہ 'موسے' لیتا ہے چانچہ 'موسے'
'مورا' آتا ہے۔ 'مورا' کے متعلق خیال ہے کہ یہ 'موہارا' کا
مخفف 'موہرا' ہے کثرت استعمال سے 'توہرا' کی طرح اس
میں بھی 'ہلے ہور' حذف ہو گیا اور 'مورا' بردزن 'تورا'
راج ہوا۔ مورا اور تورا دونوں میں الف آخر کے حذف کا
رواج بھی ہے چانچہ 'مورا' اور 'تورا' بھی مروج ہیں۔ جمع
کی صورت میں 'ہمارا' 'دہم ہارا' میں دوسرا 'ہ' بخیف
ہو کر حذف ہو جاتا ہے اور 'ہمارا' 'دہ جاتا ہے۔ یہاں بھی الف
آخر کو حذف کرنے کا قاعدہ ہے چانچہ 'ہمارا' بھی آتا ہے۔
اردو میں 'مور'، 'مورا'، 'ہمارا'، 'ہمارا' وغیرہ نہیں آتے البتہ
'ہمارا' آتا ہے۔ واحد کی صورت میں 'میرا' بولتے ہیں۔
اصلی کہ یہاں 'میں' اور دھی کی طرح 'مو' میں ہیں بدلتا چانچہ

کی صورت ہے۔ حرف ’لے‘ کے حذف کی مثال یہ ہے۔

۱۔ میں سب کمرہ لے کر چلے۔ تلتے پہلے اور مگر چھوٹے ادھی میں گئے، علاوہ اسی سنی میں حرف ’کا‘ بھی آتا ہے:

۲۔ دن بھر دیکھوں رات کر سہنے

۳۔ سویرا انجی بھادرتی جی کا دیو ایک برہمہ تھی ٹیکا اور ہم ’کا‘، بارے صوب اس شعر میں بھی ہے جس کا پہلا مصرع اس طور پر بتایا گیا ہے

۴۔ رنج کار ہوا کچھ ہوس انک دھوتی

ماہرین سائنات کا اتفاق ہے کہ زبانوں کے رشتے متعین کرنے میں اعداد کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ادھی اور ارد میں اعداد بہت حد تک ایک جیسے ہیں اور اس سے بھی ان دونوں زبانوں کا قریبی تعلق ظاہر ہے۔

صاف، حروف اور اعداد کے تعدد سے زیادہ اہمیت افعال کو حاصل ہے عام طور پر خیال کیا گیا ہے کہ ادھی میں فعل کے آخر میں ’یا‘ کی بجائے ’وا‘ آتا ہے اور اس خیال کے سبب دونوں زبانوں میں فرق کیا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ارد میں صرف ان مصادر کے ماضی کی علامت ’یا‘ ہے جس میں علامت مصدرا ’نا‘ سے پہلے الف ہو جیسے آنا سے آیا، کھانا سے کھایا وغیرہ۔ ادھی میں ان مصادر کے ماضی میں ’وا‘ ہوتا ہے چنانچہ آوا اور کھوا دیکھتے ہیں لیکن باقی تمام مصادر کے ماضی دونوں زبانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے چلے سے چلا، اٹھلے سے اٹھا، کھلے سے کھلا، پڑھنے سے پڑھا، دیکھنے سے دیکھا وغیرہ۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ماضی میں ’یا‘، ’ہوا‘، ’وا‘ دونوں صورتوں میں ’ا‘ کے آواز مشترک ہے اس طرح دونوں زبانوں کے ماضی میں فرق بہت مختصر اور ہوتا ہے

زبان ارد کو ماضی میں شیخ ناسخ اور ان کے تلامذہ نے جو کلام لے لیا یاں احکام دیے ان کے اعادہ کی اس موقع پر ضرور نہیں۔ البتہ بعض امور کی طرف توجہ کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ دیکھ

مور کی بجگہ میرا کی باقی رہتا ہے۔ ارد میں صوبے کی جگہ آتا ہے اور یہ اس نامعد کے مطابق ہے جس قاعدے کی روش سے لکھا ہوا جاتا ہے۔ حج کے مقام پر ہمیں ’ادھی اور اردو دونوں میں مشترک ہے

۵۔ آج ہمیں بڑا اچرا لگا

یہ اور اس سے زیادہ توجہ طلب ہیں کہ زبانوں کے صریح رشتے کو بتانے کے لیے صاف کی اہمیت کو منفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اضافت کے لیے اردو میں ’کا‘ کے آتے ہیں۔ ادھی میں ’کی‘ اور کے تو عام ہیں لیکن ’کا‘ کے مقام پر قدیم ادھی میں ’کمر‘ لگتا ہے۔

۶۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۷۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۸۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۹۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۰۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۱۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۲۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۳۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۴۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۵۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۶۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۷۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۸۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۱۹۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

۲۰۔ کمر ہما سنی بھے او دودھ کی ماکھی

کلب حسین خاں ناڈرنے لکھا ہے :

”اگر ستر اچھانا اور پھانا معنی نشانیدن و پوشانیدن
ہتھال کرتے ہیں مگر سیر رنگ صاحبے اس کو ترک کیا اور فرما
ہیں کہ بعد بابے عربی کے یاے مثل اور لفظ ثانی میں بعد بابے
فارسی کے ہاے ہوز کا ہونا ضروری ہے“ (تخلیص معنی)
تسی داس نے ان دونوں لفظوں کا غلط دہی نظم کیلئے جسے سیر
نے بعد میں صحیح قرار دیا :

صل سمٹ سیر کھٹ میٹھاری

ظ کھائے پرے راج تھائے

”میرا“ مصدر اردو میں ”پہننا“ ہو جاتا ہے اور اس کا ماضی
قدیم اردو میں ”پہرا“ اور اردو میں ”پہنا“ ہے جیسا کہ
”پہنا“ کے مقابلے میں ”پہنا“ قابل ترجیح ہے۔
محمود حسین آزاد نے دہلی اور کھوٹی زبان کا یہی کہہ کرتے ہوئے
فرمایا ہے۔

”بخ صاحب در خواجہ حیدر علی آقہ کے کمال نے لکھو
کوئی کی قید و یا مدی سے آزاد کر کے استقلال کی مددی
اور وہی مستند ہوئی۔ اب جو چاہیں کہیں ہم نہیں روک سکتے
جیانیجی تاج صاحب فرماتے ہیں

ظ جانی نام ہے تہذیب کی ادھیاری کا
اگر دلی میں چپے سے نوڑے تنگ اندھیری ذات کتے ہیں مگر کھوٹ

داؤں کو لٹسنے کا نسخہ تھیں“ (آب حیات)

لفظ محلی تسی داس نے اسی طور پر نظم کیلئے جیانیجی دودھ کی بولی ہی ہے :
لاگت اودھ بھانک بھاری ماتھو کال راتی ادھیاری
آزاد نے رنگ تلمیذ تاج کی اصلاحات زبان کا ذکر
کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”رہاتے تھے یہاں دہاں بڑی جاں رہو مردون جہاں

ہو“ (آب حیات)

یہ الفاظ بھی اصلاً اردو ہیں۔ ”ہاں“ کجج کے معنی میں آتا ہے جانیجی
دہاں، یا ہاں، جا ہاں اسی لاحقہ کی مدد سے وضع کیے گئے۔ الف
کتیدہ صیغ ہو کر دہاں، ہاں، جاں رہ گیا۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب نے سایہ کے معنی میں جھانڈا، جھانڈا
کو صحیح اور ”جھانڈ“ کو غلط کہا ہے۔ اودھ کی بولی جاں میں یہ لفظ
”جھانڈ“ ہی ہے۔ جیانیجی تسی داس کہتے ہیں۔

جھانڈ کر ہیں گھن بدھ کن، رکھیں سمیں سہا ہیں
تسی داس کی رائے کی اہمیت مسلم ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ
یہ کتاب ایک سے زائد بار فارسی رسم خط میں شائع ہو چکی ہے لیکن
بیادہی طور پر اعلیٰ کر یہ دیوناگری رسم خط میں لکھی گئی تھی۔ بہر حال
میری اس جہاد کے بعد امید ہے کہ ایسے اہل علم حضرات بھی اس
کتاب کی طرف توجہ ہوں گے جو اس کام کے دفاعی اہل ہیں۔ لیکن یہ کہ
ان کی توجہ سے زبان اردو کے بارے میں ستر ادین تر معلومات ملے آئیں گی۔



سیرزمین وطن

حور شیدا قفس

جواں کیا سے اسے مدھری بواؤں نے
کھری ہے مانگ بھی مدھرت کی بلسراؤں نے
بڑی گن سے سوارا ہے دیوتاؤں نے
یہ مسجد دل کی ادائیں نہ مدھروں کے بھیجے
یہ سرزمین وطن، یہ سرزمین وطن
کبھی بواؤں کے جھوکوں میں برت کی لٹکار
تھر رنساں کبھی موسم، کبھی مہسا لٹکار
کبھی جواں گجولے، کبھی حسیں بیچار
کئی رتوں سے بیایا ہے اس کو دل کے دھس
یہ سرزمین وطن، یہ سرزمین وطن
کبھی یہ گوتم و ناگک کو منہم دیتی ہے
کبھی یہ سرمد و حشمتی کو گود آیتی ہے
بہی نو گامدھی و ٹیگور کی جیتی ہے
دیا ہے مڈل و احال نے مسراج مس
یہ سرزمین وطن، یہ سرزمین وطن
یہاں کبھی کے لیے ہے بہار کا پیغام
کھلے ٹوک ہے یہ اس دیار کا پیغام
اک ایک بھر سنائی ہے بہار کا پیغام
جیل جیل کے گلے مل رہے ہیں گلگ و دھ
یہ سرزمین وطن، یہ سرزمین وطن

رجول کا مارا سجائے دنیا کی رخا سنس لیے
گھوم رہے ہیں اپنے سر پریم کا آکا سنس لیے
ہر لمحہ ہے کھار رہیں بوجھو ہم سماروں سے
وہ کیا جانیں وقت کی قیمت جو بیٹھے ہیں تانس لیے
جس آپے پر ناز ہے کم کو خاک میں وہ مل جائے گا
جب بھیجیں گے ہم دیوانے ایسا حال جانس لیے
قز دوائے کو عزم کا تینہ راہ کی ان چٹانوں کو
بیٹھے کیوں روٹے ہو یا روتہ تم تسن کی لانس لیے
مس سرل بروگ سج کر خود منزل میں حالتے ہیں
اُس منزل تک تم بھی آتے دہریم کو کاش لیے

غزل

سہاج احمد رھتہ جو بیوی

فیملی فرینڈ

رام لعل

اس نے ادھر ادھر کی سی لے دکھا۔ بس اسٹاپ بھی اگر زیادہ دور میں تھا، لیکن اس کا کیا بھروسہ کہ بس فوراً مل ہی جائے گی؟ کبھی کبھی تو فوراً مل جاتی ہے۔ انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن کبھی بھی بہت زیادہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ آج تو وہ کوئی چانس نہیں لے سکتی۔ دیر ہوگئی تو مٹی بے جا رہ اسکول کے گیٹ پر کھڑا کھڑا رہتا ہو جائے گا اسے۔ یا کہ روہاسا ہواٹھے گا۔ سات سال کا ہی تو ہے! اس کے ہم جماعت لڑکے اور لڑکیاں اپنے اپنے گھریلو کاموں کے ساتھ چل دیں گے تو اس کا سن یقیناً دھکی ہواٹھے گا۔

سسر سرن کو کوئی بھی ٹیکسی آتی ہوئی دکھائی نہ دی تو وہ خود گھبرا اٹھی۔ بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ تو لے اسکول تک بھیجے کہے! بڑی تیزی سے نکلی ہوئی دتیس کا بس اس کے قریب پہنچ کر دھبی ہو گئیں۔ شاید کارڈ لے یہ توقع کر بیٹھے کہ وہ اس سے لفٹ کے لیے کہے گی! لیکن اس نے سمجھ پھیر لیا۔ وہ لفٹ چاہتی ہی نہیں ہے! کیا معلوم کون شریف صورت آدمی اچانک اپنے سنجیدہ وجود میں سے باہر نکل کر اس کا ہاتھ کیڑے! مرد کی فطرت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ عورت کو وہ عام طور پر ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ عورت صرف ایک عورت ہے۔ راحت کا ذریعہ ہے، اگر دلکش بھی ہے تو پھر تو کتنا ہی کیا! اس نے دور سے آتی ہوئی ایک حالی ٹیکسی کو دیکھ کر روکنے

سسر بھاسر لینے کے کو اسکول سے لانے کے لیے جلدی جلدی تیار ہوئی! تین منٹ بچکے تھے۔ اس کی سوا تین بجے پھٹی ہو جاتی تھی۔ اسکول بس کے حراب ہو جانے کی ہی وجہ سے خود جانا پڑ رہا تھا۔ گذشتہ روز مدرسہ اسکول سے واپس آیا تھا تو اس کی ایک کالی میں اس کی ٹیڑھے پر لکھ بھیجا تھا۔ ”کل سے اسکول کی بس ڈرنگ ٹاپ میں ادور ہلنگ کے لیے بھیجا جا رہی ہے۔ مرنائی کر کے دو دن کے لیے لینے کے لیے کو خود ہی اسکول تک پہنچانے اور یہاں سے لے جانے کا انتظام کر لیں۔“

آج صبح وہ خود ہی مٹی کو دہاں چھوڑ آئی تھی۔ اس کا یہی چندر سرن دہی سے باہر تھا۔ درنہ وہ خود ہی یہ سب کرتا۔ صبح دفتر جانے سے پہلے مٹی کو اپنی اسکول پر بھٹا کر لے جاتا اور سہرے میں دفتر سے شارٹ لیو (SHORT LEAVE) لے کر پھر اس کے اسکول پہنچ جاتا۔ سسر سرن اسکول چلانا نہیں جانتی تھی۔ درنہ اسے اتنی دقت ہرگز نہیں اٹھانا پڑتی۔ کہڑے بدل کر وہ باہر نکل آئی! مٹرک پر اچانک تیز دھوپ کا احساس ہوا تو اس نے پرس میں سے سے کالا چشمہ نکال کر آنکھوں پر لگا لیا۔ صحت گرمی کی وجہ سے ترشے ہوئے بال پسینے سے بھیج بھیج جاتے ہیں۔ گردن پر چپکنے لگتے ہیں۔ اسی لیے اس نے اپنے بالوں کو گردن کے پیچھے ایک کلیپ کے ذریعے اکٹھا کر لیا تھا۔

بنیادور

دہ توہ نے ٹھیک ہی کہا ہے! میں واقعی اس طرح دہلی فوراً
 بیچ حائل کی! لیکن وہ کہیں پیش میں نہ لگتی ہوئی! جی نہیں۔
 آپ کو بے کار تکلیف کیوں دوں؟ یہ نہیں! آپ کیسے ضروری
 کام سے جا رہے تھے۔ اچھی جاؤں گی۔ کوئی نہ کوئی اتھوڑ نہیں
 (CONFIDENCE) مل ہی جائے گی۔ ٹھیک کر!

(جھگڑانے کے لیے اب یہاں سے چل ہی دونا!) وہ مس
 ہی س میں سامنے لگی۔

”مجھے کوئی بھی ضروری کام نہیں ہے اس وقت۔ ہوتا
تب بھی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ آپ کہیں تو میں ہی جا کر منمنی کو لے
آؤں۔“ آپ کھڑے ہوئے۔

(ادھ : آدمی آج میرے گھر ہی آکر رہے گا۔ منشی کو بھیسیا دیے گا اسے بہانہ مل رہا ہے نا) وہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔ فوراً کوئی جواب میں نہ آیا۔

”میں نے اپنی مائیں کو اسکو میں بڑھتا ہوا نہا کر گول مارا کرتے پاس آ کر بٹھے اور انکوں پر چہرہ لگا کر اسے گھورا اور مسکونے لگا۔ گھور ٹھہری اشارت کرتا رہا۔ باؤں مارا مار کر۔“

”اچھا تو یہ۔ آپ کے ساتھ ہی جاتی ہوں میں۔ آپ کو مجھے اتنی دور سے لے کر تکلیف کیوں دوں؟“

ایسی اچھا ہوگا، تھوڑی دیر تک سیری کا ساتھ برداشت کر ہی لوں گی۔ کچھ پر ملا کر تو نہ صرف گھنے ذخیر تک اس کی نظروں کے سامنے بیٹھے رہتا ہوگا بلکہ دد دن بعد ان کے سامنے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا۔ پھر وہ کئی روز تک روٹھے روٹھے ٹھہرے گی، تبصیر مجھے ایسے جذباتی حالات سے ہمکنار ہو جاتے ہیں جی

فرزِ رُخسوس ہونے لگتا ہے۔ سہی کے پیچھے اس کو ٹر پر بیٹھنے کی ہر سہی کو احساس ہوگا کہ دھوپ میں جلتی ہوئی کوئی تاریکی نہ ملے گی۔ ایک سیاہ فتنہ بن کر اس کی آئندہ زندگی کے گرد بیٹھتی ہے۔ تدریجاً اسے ایک ایسے آدمی جیسے ایک اور خوبصورت اور پورے مرد کے مضبوط طمک دے پر اطمینان رکھ کر بیٹھنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ان

کسیے ہاتھ اٹھا دیا لیکن ڈرائیور نے کوئی توجیہ ہی نہیں دی۔ سیدھا
بکھٹا ہوا نکلا چلا گیا۔

”گروہ اولیٰ“ (JURUE) اس کی رہاں سے بے اعتبار
 مل گیا۔ غیر مدہرماں ہونے پر اتر آئے تب بھی وہ ظالم ایڑا
 نہ کرے تب بھی وہ ظالم ہی کہلانے کا حق دار ہو سکتا ہے۔ مسٹر
 پر بھاسن کو اپنی حاکمت پر بس ٹھو بھر کے لیے ہی گڑھن ہوئی۔
 اس کے بعد وہ ایک اور نیکی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ لیکن وہ بھی
 اسی طرح نکلی ہی چلی گئی۔ دراصل اس میں ایک سواری موجود
 تھی۔ دوسرے دکھائی میں دی تھی۔

اس نے سمجھ لیا وہ وقت پر ہنسی کے کھول تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اب کسی بھی طرح ممکن نہیں رہا۔ بس اسٹاب بھی خالی ہے۔ دودھ دوڑتے کسی بس کو جھٹک دکھائی نہیں دیتی لیکن چابک اس نے سڑک کے پار ایک آدمی کو اپنی طرف مٹکا لے لے رہے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے اسکو روکھا کر اسی کے پاس آنے کے لیے اشارہ کر رہا تھا۔ اسے پہچان کر وہ حیران سی رہ گئی۔ لمحہ بھر کے لیے ہی۔ پھر لمحہ بھر کے لیے وہ خوش بھی نظر آئی۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کا دل بھی ڈوبنے لگا (یہ تو بری ہے انہماں سے عجیب بڑا) اگلے چند لمحوں میں تیس بیس برس کا ایک خوبصورت نوجوان پوش آدمی اس کے بالکل پاس ایسی اسکوڑر روک کر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے انھوں پر سے اپنا دھوپ کا تیر بھی چھین سالیسا۔ جیسے وہ اسے اپنی ننھی آنکھوں سے اور تیر ہی واضح طور پر دیکھ لینا چاہتا ہو!

”کہاں جانا ہے مسز سرن آپ کو؟“

’ادہ! منظر سرنے خود گو متوازن کیسے میں بس دو
تیں ہی لے لے پھر وہ بولی۔“ جی مجھے سٹی کے اسکول تک ہی
جانا ہے۔ آج اسکول بس آؤٹ آف آرڈر ہے۔ سواتین کچلے
ہیں۔ میرا انتظار ہی کر رہا ہو گا، لیکن بس یا کسی کچ بھی تو
میں مل رہی ہے!“
”تو آئیے۔ میں پیچھا دیتا ہوں۔“

کوشش ہوتی کہ برہما بھی اس کے ساتھ اتفاق ضرور کرے۔ وہ ایسا نہ کرتی تو چندر اس سے خفا ہو جاتا۔ پرہما کو بہت چیرانی ہوتی۔ شادی کے موقع پر تو چندر نے اپنے دوست کا تعارف یہ کہہ کر کرنا تھا کہ ”میرا سبک اچھا اور مجدد فرید پیری ہی ہے“ اس کے بعد کئی سال تک وہ پیری کی دبی ہی قدر کرنے کے لیے اسے مجبور کرتا رہا جیسی قدر وہ خود اس کی کرتا تھا۔ یہ صحیح تھا کہ پیری نے ہر موقع پر ان کی مدد کی تھی۔ مدد کے حدود نہیں ہوتے۔ جب کوئی پورے خلوص سے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیتا ہے تو ان کے گھبر میں کیا کچھ نہیں ٹٹک کر جاتا۔

برہما کو پرائیوٹیٹی۔ اسے کرتے وقت انکو کس میں چند نہیں کی سخت ضرورت پڑتی تھی۔ دور وہ یاس میں ہوسکتی تھی۔ اس وقت برہما ہی پڑھوٹی کے کار برداروں کو درخوا دے کہ اس کے سرورں کی دوبارہ جانچ کرادی تھی۔ پھر جب اس کے سامنے ایک شخص میں سرورں کا مسئلہ اٹھ رہا تھا، دہان بھی پیری کی ہی سفارش کام آئی تھی، اگرچہ بعد میں مٹی کی پیداوار کے بعد اس سے سرورں کو خبر بادی کہہ دیا۔ جب چندر کے والد گذر گئے تھے اس وقت چندر دہلی میں نہیں تھا۔ اس کی غیر حاضری میں ساری دسے داری پیری نے ہی بھائی تھی۔ ایک بار چندر کا تبادلہ دہلی سے باہر ایک شہر میں کر دیا گیا تھا۔ چندر وہاں نہیں جانا جاتا تھا اس تبادلے کو منسوخ کرانے والا بھی یہی ہی تھا۔ اس کے بعد یہ کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کوئی کوئی خاندان ایسا ہو تبے جہاں صرف دوست ہی زیادہ اہم سمجھے جاتے ہیں اسے داریوں کی اہمیت یا صل نہیں ہوتی۔ اس کے بچے کا خاندان بھی اس کا قسم کا تھا۔ اس خاندان میں کون کون سے داریاں دیک کے رستے دار ہیں پرہما کو کبھی بھی حلو م نہ رہا۔ اسے تو لگا تھا یہ خاندان، خاندان کے صحیح معنوں پر روادار ہی نہیں اترتا ہے۔ یہ تو صرف دو چار داریاں ہیں ایک جھوٹا سا گھر ہے جہاں اس کے ہی کے صرف دوست ہی دوست دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ داہمی

لوں میں اس کو دمی کا سہارا نہ تو نہیں بھی ہلکا سا جھٹکا کھاکر وہ گریزے گی، لیکن وہ اپنا ہاتھ جلتا ہوا سامھوس کرنے لگی (اس اس دمی کے بدن میں تھی آگ ہے)۔

”سرن کہاں ہوگا اس وقت؟“ اپنے آس ہی میں نا۔
”اسے اس بتانا ہی پڑے گا سب کچھ،“ ہوی۔

”جی وہ ایک صدوری کام سے اہم تر کئے ہیں“
”اچھا اب کو نہیں گئے؟“

”دو روز بعد“
”بہت دنوں سے وہ ملا نہیں مجھ سے“

”اس کا سبب تو میں بھی حاضری ہوں اور تم بھی اہم اب لیے لیے مجھے تک کیوں نہیں مل پاتے؟“

”بہت تر وقار سے جاتی ہوئی اسکوڑکی جسے بہت سے الفاظ اڑا جاتے انھیں جھینٹا پڑتا اور جواب دینے کے لیے اسے اوجھا بھی بولنا پڑتا۔ دو ایک بار اس نے جاں بوجھ کر کھانسی اٹھانے کی کوئی جواب ہی نہ دیا۔ (بھی ٹھیک ہے۔ سر تک پر جاتے ہوئے کون کلا بھاڑ بھاڑ کر جلاتا ہوا جابا اور تیکھے سے اس کی گرد سے ایسا کال سا کر سنے، لیکن حاضری رہ کر بھی وہ ڈر دیدہ لگا ہوں سے اس کی گھنے سیاہ بالوں سے ڈھکی ہوئی گردن کو دیکھنے سے خود کو باز رکھ سکی۔

ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ چندر دو سال پہلے اچانک اپنے بہت ہی قریبی دوست کو اپنے سے الگ کرنے لگا تھا۔ وہ ان کے گھر آجاتا تو بظاہر تو چندر اس کے ساتھ ٹری خندہ پیشانی کے ساتھ بیٹھتا، لیکن اس کے کچھ روئے ایسے بھی تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا کہ وہ اسے دور کر دینا چاہتا ہے۔ جب وہ اس کی کسی چیز میں کس کو قبول کرتا۔ کوئی بہانہ بنائے لگتا۔ جہاں تک ممکن ہوتا اسے وہ اپنے یہاں بلانے سے گریز ہی کرتا۔ اس کی پسند کی کبھی تعریف نہ کرتا جیوٹی باتوں پر اختلاف کے کے مات کو بڑھا دیتا جس سے ایک ناحسن گویا ہوا بھی پیدا ہو جاتی۔ بڑھا دیتا تو وہ اس کی رانیاں کرنے بیٹھ جاتا۔ چندر کی عیش یہی

نکلی۔ جب بری کی شادی ہوگئی تو اس میں صرف چند بری جا کر شریک ہوا اپنے ساتھ پر بھاگنے کے نہیں لگا تھا وہ۔ شادی کے بعد چند رہنے لینے دوست اور اس کی بیوی کو اپنے یہاں مدعو کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ یہ بھی اس کے بچے کی ایک غیر شریک حرکت تھی جس پر وہ دل میں بہت کڑھی۔ پھر ایک روز اچانک بری اہی بڑی کو ساتھ لے کر ان کے یہاں چلا آیا۔ ویسے تو پر بھا اور چند روزوں نے ہی ندامت سی محسوس کی لیکن اس کے بچے نے فوراً ہی اپنے اس احساس پر قابو پا لیا۔ جب کہ وہ ایسا نہ کر سکی۔ اب تو بری کو بھی صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ چند اس کے کھینچا جا رہا ہے۔ اس پر بھی اس نے کبھی برا نہیں مانا۔ خود اگر کبھی بھی مل جاتا تھا۔ چند نے بری کی جگہ پر کرنے کی اور دوستوں کو قریب کر لیا تھا۔ پر بھا دیکھتی رہتی تھی۔ یہ گھر دوستوں کے ہی کدھوں پر کھڑا ہے۔ دوست ہی ستوں میں کراسے سہارا دیے ہوئے ہیں۔ یہ سب وہ ہوں تو اس گھر کے اندر ایک قابل روا قسم کا سا ناخوش حالے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ بری کے سوا اور کوئی بھی تھا اہی جھولی میں پر طوطی اور بے لوث قفسے بھر کر اس گھر میں نہیں آیا۔ وہی سب کو ہسایا کرتا تھا۔ دہ لینے اخلاق سے سب کا س بھی موہ لیا کرتا تھا۔ دوسرے جتنے بھی دوست تھے اپنی کوئی نہ کوئی غرض ہی لے کر آئے۔ جب پوری نہ ہو سکی تو کلہ شکوہ کر کے الگ ہوتے چلے گئے۔

اپنے بچے کی دیکھا دیکھی پر بھا سرنے بھی ایک نئی فرسند بننے کی جرات کی تھی۔ ان کے گھر کے سامنے دو ادھیڑ عمر میاں بیوی رہتے تھے۔ مرد کسی ایسے دفتر میں ملازم تھا جہاں اسے دوپہر کے بعد پوری چھٹی ہو جاتی تھی۔ اس کی بیوی روزانہ بیچ کے بعد پر بھالے اخبار مانگ کر لے جاتی تھی۔ پر بھانے کبھی انکار نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنے آدمی کے لیے اچھا لے جاتی ہے۔ وہ خود اخبار کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا اس لیے بھی بکھلایا کرنے کی عادت ہی نہیں ڈالی ہے۔ اس آدمی کو وہ کل د ضرورت سے انتہائی نیک، ہمدرد اور قابل رحم سمجھتی۔ اس نے

قسم کے دوست۔ کچھ اچھی قسم کے دوست کچھ بہت اچھی قسم کے دوست لیکن اس کا سب سے اچھا اور سچی دوست وہی تھا۔ لگ دھنا بری جیسے نہ جلنے کیوں اس کا بچی رفتہ رفتہ الگ ہی کر دینے پر تیار کیا تھا۔ لیکن پر بھا کو ہر جان لینے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ اس کے بچے کے یہاں درحقیقت کوں سا جذبہ کام کر رہا ہے۔ چند کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنے دوست سے جس قدر محبت کرتا ہے۔ اس میں اس کی بیوی بھی حصہ دار بن رہی ہے۔ وہ بھی اسے اسی قدر پسند کرنے لگی ہے۔ سسر پر بھا جاتی تھی یہ سراسر غلط ہے۔ وہ اپنے بچے کی وجہ سے ہی اس کی عزت کرتی ہے۔ چند سرن جس قدر اپنے دوست کو چاہتا ہے اسے دیکھ کر اگر پر بھا نے صد یا جیلمی (Sally) کا رویہ اپنا لیا ہوتا تو شاید چند اسے کبھی برداشت نہ کر سکا ہوتا جس طرح عام طور پر اپنے دوستوں سے محبت کرنے والے بچے اپنی بیویوں کے اس طرح نہ کر دیتے جو برا مان جاتے ہیں۔ اس نے بری کے شاہنشاہ کا جذبہ نہ اپنا کر اپنے بچے کو محض حق کر کے لیے ہی اس کی ہمیشہ نریت کی تو چند خود ہی حسد کا تسکار ہو گیا۔ عورتیں محض معاملوں میں مردوں سے کہیں زیادہ رونا دل ہوتی ہیں وہ اپنے گھر لوگوں کی خاطر اپنے بچے کی تمہی کمزوریوں کو مٹا کر سکتی ہیں۔ ایسے من کو سمجھا سکتی ہیں اسی ماحول میں رہنا بخوبی قبول کر سکتی ہیں جو ان کے لیے اس کے آدمی سا کر دیتے ہیں۔ وہ بھی ایسا کیوں کر کرتی!

جن دونوں بری اپنے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کر لیا جاتا تھا اس میں وہ پر بھا اور چند دونوں کی رائے لیا جاتا تھا۔ انھیں بھی لڑکی دکھا کر چند رہنے ہی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اسی لیے پر بھا کو بھی محو رازا لعلق مٹا پڑا تھا۔ اس سے ذرا پہلے تک جانتی تھی۔ بری جیسے برسرِ روزگار و حوض و صورت اور سوسل نوجوان کے سامنے اپنی چھوٹی بہن سرور جی کا نام تو خیر کر دے جو خوبصورت اور تعلیم یافتہ بھی تھی۔ ہر لحاظ سے بری کے لیے مردوں جتنی لیکن دہ لینے کی عجیب و غریب رویے کی ہی وجہ سے ایسا

ہے اور سر بھکا لیتا ہے۔ اپنے مکان کی کھڑکی میں سے پردے کے پیچھے کھڑا ہو کر اکثر اسے گھورا کرتا ہے۔ پہلے تو پر بھانسن ہی میں خوب پہنتی۔ یہ آدمی کتنا عجیب نکلا! لیکن پھر ایک روز اس آدمی کو ایک اور چوری کرتے ہوئے بھی پکڑ لیا۔ وہ ان کے ڈرائنگ روم میں سے ایک فریم میں دھکی ہوئی اس کی فوٹو نکال کر لیے جا رہا تھا۔ پر بھانسن نے دیکھا کہ اس سے ایسی فوٹو دلیں لے لی اور اس کی طرف بڑی فحشگی سے دیکھا۔ بس اتنا ہی کیا تھا اس نے۔ وہ آدمی کہتے ہی سے بے حد شرمندہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے پر بھانسن کی طرف دیکھنے کی کبھی حرات نہ کی۔ اُن کے گھر آنا بھی چھوڑ دیا۔ اپنا الگ اخبار بھی سنگولنے لگا۔ یہ دیکھ کر پر بھانسن اطمینان کی سانس لی۔ چلو بہت سستے میں جان پھوٹ گئی! اپنے بچے کو اس نے حب یہ واقعہ سنا تو وہ بھی خوب ہنسا اگرچہ وہ اس آدمی کے ساتھ پہلے کی طرح بڑی مہربانی سے ہی پیش آتا رہا۔

سر پر بھانسن ہیری کے ساتھ سکول پہنچی تو منشی کو اس نے ریج ریکٹ کے سلسے ہی ایسی کتابوں کے کبسن پر بیٹھا ہوا پایا۔ روتی سی صورت۔ بلے جیسا کہ اس کا اندازہ تھا۔ گرمی کی شدت سے اس کا چہرہ لال بھجھوکا ہو رہا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس گئی اور اسے اپنے سینے سے چٹایا۔ بڑے پیار سے اسے بتلنے لگی۔ ”مجھے کیسی نہیں لگتی منشی! اسی لیے یہ ہو گیا۔ پھر یہ تھا کہ اسے اُٹھ آگئے۔ انھوں نے ہی میری مدد کر دی اور میں تمھارے پاس فوراً پہنچ گئی“

منشی ماں کے گلے میں باہن ڈالے سیری کو گھورے لگا جو ابھی تک اپنی سسکو پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اس وقت اگر منشی کا باب میاں ہوتا تو وہ بھی پلنے کے کی طرف اسی ہی محبت پھری مسکرا ہٹ سے دیکھتا کسی کسی مسکرا ہٹ میں زیادہ (نہ نہیں ہوتا۔ یا ہے وہ باب کی ہویا باب کے کسی

سوا کیوں نہ اس آدمی کو وہ اپنے گھر کے قریب نہ کرے۔ وقت بے وقت کام بھی آئے گا۔ اس کی عورت تو اس کے قریب تھی ہی۔ دن میں ایک دو بار ضرور اس سے ملنے کے لیے آجاتی تھی کھنڈہ دو گھنٹے پاس بیٹھ کر اپنی اور دنیا جان کی کھانا کھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹاتی رہتی، جو بھی کام اس وقت اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ وہ ترکاڑی پھیل رہی ہوتی تو اس کی کوئی طرف نہ نکلتی۔ پر بھانسن کی بڑی سی ہوتی تو وہ اس سے شین کے کر خود ہی سینے بیٹھ جاتی۔ رسلائی کڑھائی کے کام میں وہ خامی ماہر تھی۔ جن دونوں اس کا منٹھی پیدا ہونے والا تھا وہی عورت اس کی سسے بڑی مددگار ثابت ہوتی تھی۔ تجربہ کار خورتوں کی طرح اس نے پر بھانسن کو ساری ادنیٰ بچہ دہن شین کر دی اس کے ساتھ اسپتال بھی پہنچی۔ ڈیویری کے وقت بھی وہ اس کے ساتھ تھی۔ اسی عورت کے آدمی کی وہ عزت کیوں نہ کرتی تھے جب معلوم ہو گیا کہ وہ مطالعے کا بے حد شوقین ہے تو وہ اس کے گھر بہ دروازہ احباب کے علاوہ کئی رسالے اور کتابیں بھی بھجوانے لگی۔ اس کے گھر میں ایسی چیزوں کی کمی نہیں تھی۔ چند رادر وہ دونوں ہی کتابوں اور رسالوں کے شوقین تھے۔ اس کے علاوہ بھی وہ اکثر کھانے پینے کی چیزیں بھی ان کے ہاں بھجوانے لگی جیسی خاص چیز وہ گھر پر تیار کرتی مثلاً سمو سے، آئس کریم، کاجو کا حلوہ وغیرہ وغیرہ، اُن کے لیے ضروری بھی بھر رفته رفته پر بھانسن نے اس آدمی کو اپنے گھر پر بلانا شروع کر دیا۔ کبھی کسی کام کے بہانے سے کبھی کبھی خاص طور پر چائے پر ہی مدعو کر لیتی۔ چندر بھی اس سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ اس کے آگے جانے پر وہ کبھی بھی مستحق نہ ہوا۔ وہ آدمی اگرچہ بے حد باتونی نکلا ہی بیوی سے بھی زیادہ۔ وہ ان کے منی سے یوں کہ بہت محبت کرتا تھا، اسی لیے اس کی زیادہ ہونے کی عادت کو پر بھانسن نے طائرانہ ہی کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد اچانک وہ اس آدمی سے بے اعتنائی سے لگی۔ اسے اچانک احساس ہو گیا کہ وہ آدمی جیکے جیکے اس سے محبت کر رہا ہے۔ اس کی طرف بڑے جذب سے ماکتا

جھٹا ہوا سا کھلی۔ حد سے بڑھا ہوا خلوص کبھی کبھی سیاہی محسوس ہونے لگتا ہے۔

نکھر چل پڑا تو منی نے ٹپ مسرور بھیج میں پوچھا:

”اگل، ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

”آئل کریم کھانے، کھاؤ گے نا؟“

”کھاؤں گا،“ سنے ٹپ ادھکار سے کہا۔

”اور کب؟ لہاؤ گے؟“

”دوبھی کھائیں گے آپ“

سری نے اس کے سر پر ٹپے پیار سے بوسہ دیا۔ کہا

”میرے ساتھ دیکھ کر دے تو بت کی چیزیں کھلاؤں گا کچھ؟“

”اچھا تو آپ کی اور میری دوستی کی بات کھلاؤں گا؟“

”اے نہیں۔ ابھی نہیں، جب اسکو ٹپے اتریں گے“

تباہ ملائیں گے۔ ٹپے دوڑے۔ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے، اگل؟“ وہ کھل کھلا کر ہنس بھی پڑا۔

دیر نہ کرتی جلدی دوستی کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے معلوم

ہو تاہم اسے یہ حاکمیت اپنے باپ سے دیتے میں لے ہے،

پر جاس ہی س میں کچھ خوش ہوئی کچھ پریشان بھی،

تو دل مار میں ایک ایرکٹنڈ ریڈرواں کے سامنے بیچ کر

سری نے اسکو ٹروک لی منی لے تے بیٹے اس کی طرف

لہٹا بڑھا دیا۔ ”اگل اب لہٹا ملائے بیٹے، ہستی کس؟“

لہٹا ملا کر دوستی کا اقرار کرنے کا طریقہ اسے اس کے ڈیڈی

نے ہی سکھا کر رکھا تھا۔ پر بھانے اپنے سے بچنے کو ایک پوٹ

مرد کے سے روکتے ساتھ سری کے لہٹا پر ایسا لہٹا مارتے

ہوئے دیکھا، اور پھر دونوں کو آگے آگے ہستے ہوئے اندر

جاتے ہوئے۔ سیر بھاؤا دیا کہ اسی ریڈرواں میں وہ چنبرہ

اور سری بیسیوں بار آچکے ہیں۔ کالی عصر پہلے۔ یہاں انھوں

نے مکتی دعوتیں اڑائی ہیں۔ بستے بستے، ایک دوسرے سے جڑا

کے طور پر وصول کی گئی دعوتیں۔ جڑا کسی بھی غلطی کی ساد پر

کر لیا جاتا تھا۔ معمولی سے معمولی غلطی پر بھی۔ دراصل جرمانہ

دوست کی۔

”ہیلو منی!“

سری کا اشارہ کیا کہ منی اس کے ساتھ لہٹا ملانے کے لیے آگے

بڑھ گیا تو سیر بھاؤ خوش ہوئی۔ منی سے بولی۔ ”دیکھو منی!“

اپنے اگل کو اب ٹھیک کر لیں لہ دو کیوں کہ انھوں نے مجھے بھار

پاس پہنچا یا ہے نا؟“

”ٹھیک ہو اگل!“ بے حد شرمیلے اور دھیمے لہجے میں

اس نے سری کا شکریہ ادا کیا۔

”اور اگل سے اب یہ بھی کو آپ اب حاکمیت۔ میں اپنی

منی کے ساتھ بھر چلا جاؤں گا؟“

منی نے وہی بات بڑی مصوعیت سے دہرا دی تو سیر بھاؤ بھی

کہا اگل۔ ”آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں؟“

”اس طرح کہ آپ دونوں اب میرے ساتھ کسی ریڈروا

میں چلے۔ منی کو بہت پیاس لگ رہی ہے شاید! اسے وہاں

پکے کھلایا ملا یا جاسے کیوں سٹی؟“

سری نے راہ راست منی آگے، جو کرنا سمجھا لیا تو گئے

میرے ساتھ آئل کریم بھائے،

سرسر ہونے جلدی سے اپنی ساڑی کے پلو سے ہی سٹی کا تہہ

دیکھتے ہوئے۔ ”آپ بھلیف۔ لیجئے، یہ ہو جائے گی۔ اب

آپ جا میں؟“

”میں نہیں! مجھے ماکھل سیر میو ہوگی جہاں جا کر ٹھیک

دہیے میں اپنے آفس کو دل لڑوں گا۔ آہیہ۔ میٹھ جلیے پیچھے۔

سٹی بیٹے، تم آئے آ جاؤ۔ یہاں کھڑے ہو جاؤ۔ اپنا ٹمبس

منی کو دیدو

منی جیسے جی چاہتا تھا، ٹھٹھ سے، پیاس سے، یہاں سے

لہٹا میں سے لہری لے آگے سہ کی ناؤں کے دریاں بھرا

ہو گیا۔ سیر بھاؤ کے لیے، در کر کے مارا، مارا، اسے بھی

سکھڑ کر بھیجے سٹیٹا لڑا۔ پہلے کی طرح سری کے سے۔ لہٹا

رکھ کر بیک، اب اسے وہ کد جا بھر سے بھی زیادہ سخت لگا۔



دریائے سندھ کی سیلابی امداد کا گامی - ری سسٹنٹ سیکرٹری کوالموڑہ میں ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہیں



وزیر اعلیٰ اتر پردیش کی کلاسی
تربیتی - ری سسٹنٹ سیکرٹری کوالموڑہ میں
راج کئی پرستار، اسسٹنٹ سیکرٹری
ہندی بھون کا افتتاح کرتے ہیں



دیرِ اعظم تسری سنی امداد گامدھی، رسی سہدہ کو الموڑہ میں ترقی سینار کو خطاب کرتے ہوئے



میال کے دیرِ اعظم تسری کرتی جمعی اسٹ
۲ رسی سہدہ کو بیت نگر (میال) پورنا
دیکھے تشہیف لاسے قصد یہیں موصوف
ایک ترقی یافتہ جسد کا معائنہ کرتے ہیں

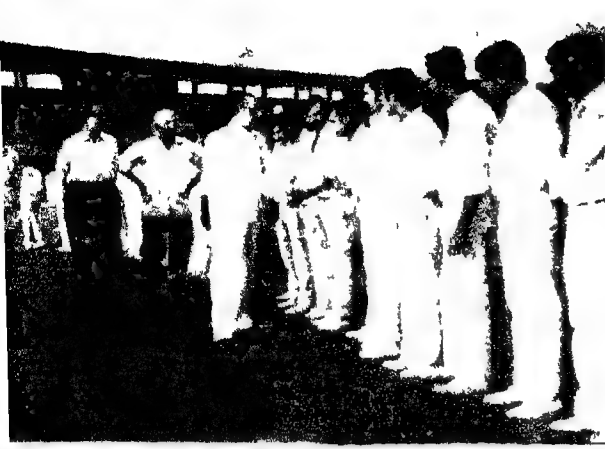
دربار علی تہری کلایتی ریاضی حگک میں
کام آئے والے سوراٹوں کے حامدانوں
کے لیے کھنڈ میں تعمیر کے حامدانے "تہیدہ"
کا ۲ مئی ۱۹۷۷ء کا افتتاح کرتے ہوئے



دربار علی ۲ مئی ۱۹۷۷ء کو کھنڈ کے تہیدہ دوم
کے ایک کوارٹر کے قصبے کا اسارت ماسر ایک
تہیدہ کی سہ کو سوچتے ہوئے

اتر پردیش نواہ کیتن کی نشست ۱۱ مئی
۱۹۷۷ء کو کنگ ہاں کوس ہاؤس کھنڈ
میں ہوئی۔ کیتن کے مسراں آہیں میں
صلاح دستورہ کیتن ہیں





ایجوٹس کے دستری اسٹریٹس سگ
۱۴ بری سٹریٹ کو کھدیں پوسٹ لائنیں مل
کرٹ ٹوراسٹ کا افتتاح کھپ ہیں



سیسی ہاسٹل کا ایک سطر میں، دوی ہوی
ٹیم کے دو بھ کجی کو سید رکابا دیم کے سطر کھی
ے ہولڈ آؤٹ کر دیا



ہاسٹل میں سید طین لارٹ اور آنا اور
دوی ہوی ایلیوٹ ناگیو کے، ریاں ہوا جس
میں دوی ہوی کو تیسرے سال بھی کامیابی
پڑی یہ تصویر میں سلیم دانی (سید طین) کے
والف بالنگ ریضا ہولڈ آؤٹ ہولے
کا سطر

”یہ دو آپ کے لیے ہیں سر سرن! اور یہ دو میرے۔
اور یہ ہمارے منی کے! کیوں؟“

(اس نے ہمارے منی، اتنی آسانی سے کہے کہ دیا ہے؟
جیسے بیچ ایسا ہی ہوا) پر بھانے فوراً امتحان کرنا چاہا
لیکن وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ ”میں صرف ایک ہی کپ لوٹی۔
بس؟“ اور دوسرا کپ اس نے میری کے سامنے داپس
رکھ دیا۔

”بیچے بیچے ما بہت زیادہ نہیں ہے۔ دیکھیے ہم بھی تو دو
کھائیں گے۔ کیوں منی؟“

”ہاں اور نہیں تو کیا؟“ منی نے فوراً اس کی تائید کر دی۔
منی کو میری کے اس قدر قریب ہوتا دیکھ کر پر بھاگو ایک
اور حطب کا احساس ہوا۔ وہ میری کو پھر سے پہلی سی بے تکلفی
کے ساتھ گھر میں آنے کے لیے جو صلیب دیگا۔ چند اس بات کو بھی
بہت نہیں کرے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو ان دونوں میں بھی جھگڑا
ہو جائے! ایسی فوبت آسکتی ہے۔ وہ لینے جی کا مزاج جانتی
ہے۔ خود تو اس نے ایسا بھی نہیں چاہا کہ میری کے ساتھ ایسا
برتاؤ کیا جاوے۔ اسی لمحے میں وہ لینے دل میں میری کے لیے ایک
بے حد نرم گوشت محسوس کر کے کاپ بھی گئی۔ درجعت ہے درجعت
ہے! درجعت ہے! (۱۱) کوئی چپکے چپکے جیسے دنگ دے دے کر
اسے یہ احساس دلانے لگا۔ اس سے وہ انکار نہ کر سکی۔ سر ہکا
کر سوچنے لگی۔ دھیبے دھیبے اس کو یہ بھی کھاتی رہی۔ بہت
دیر تک اس نے سراٹھا کر میری کی طرف نہ دیکھا۔ اس کی صرف
آواز ہی سنی رہی۔ منی کو وہ کسی کسی دل چسپ باتیں سنا سنا کر

ہسار رہا ہے!

”اپنی آٹنی سے ملو گے؟ تمہارے ساتھ وہ بھی دوستی
کرنا پسند کرے گی؟“

”کیا آٹنی بہت سدر ہے؟“

”ہاں بہت سدر!“

”میری بھی کی طرح؟“

کرنے کے لیے غلطیاں تلاش کی جانی تھیں یا خود ہی جرمانہ ادا کرنے کیسے
کوئی غلطی کر لی جانی تھی۔

یہ ہمارے منی نے تھکوں سے بھرے ہوئے اولیٰ کاٹوں سے
نتیجہ ہوئے لیٹورٹان کے اندر پہنچ کر اچانک خود کو اس محسوس
کیا۔ میں خوش کیوں نہیں ہوں؟ یہ سارے لوگ مرد اور عورتیں
کس قدر سرد رہیں! ایک دوسرے کی طرف کتنی محبت سے تاک
رہے ہیں! (۱۱)

وہ ابھی میز کے سامنے جا کر بیٹھی ہی تھی کہ منی اور میری
دونوں ایسی جگہ سے اٹھ کر آئیں کہ میز کے نیچے جیج کے پاس
جاکھٹے ہوئے۔ میری کے کہنے پر میرے لیے جیج کا دھککن
اٹھا دیا اور منی ایسی یہ کی آئیں کہ میز کو دیکھنے لگا۔ پر عا سرن
میری کی ہیئت پر سے ایسی نظریں نہ ہٹا سکی۔ اسے ایسا لگا منی
کا بیڈی دی ہو!۔ اس کا آدمی بھی دی ہو لیکن یہ سوچ کر
وہ کاپ کاپ بھی گئی۔ اس کا جیج چاہا جلدی سے اٹھ کر
دباں سے چل دے۔ انھیں ستائے میری۔ لیکن وہ ایسا کر سکی۔
وہ دونوں لینے! جتوں میں آئیں کہ میز کے دو دو کپ لینے ہوئے
اپس آ گئے۔ سارے کپ اس کے سامنے پھیلا کر رکھ دیے۔
منی نے اپنی بیکر کی بیوں میں سے بوں بوں کی دو ڈبیاں بھی
بکال کر اسے دکھائیں اور کہا۔ ”منی! انکل کتنے اچھے ہیں!“
میری نے سکر کر پر بھاگی طرف دیکھا لیکن وہ اس نے انھیں
نہ ملا سکی۔ بس گھبراہٹ گھبراہٹ ہی اسے بیٹے کے خوش و خرم چہرے کی
طرف دیکھتی رہی۔ منی نے پھر کہا۔
”انکل اچھے ہیں! منی!“

پر بھاگو مجبوراً سر ہکا کر کھانا ہی بٹا۔ ”ہاں ہاں بہت اچھے
ہیں۔ بہت ہی اچھے! لیکن اب تم جلدی سے یہ سب کھا لو۔ پھر
گھوٹیں گے!“
”یہ سب میں تھوڑی کھا یاؤں گا!“ منی نے حیرت سے قدر
جیج کو کہا۔
میری نے دو کپ اس کے سامنے بھی سر کرا دیے۔

ہے۔ لیکن بر محلے اندر صدمے کا احساس بڑھتا ہی گیا۔ دیکھ کر بے چینی اور گھبراہٹ اور زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔ دیکھنے والے آپ سے اب بھٹ کیسے بول سکتی ہوں! میں ہی اس سے محبت کرتی ہوں! میں ہی اس سے خوف بھی کھاتی ہوں! اسے تو کچھ احساس بھی نہیں ہے!

اس نے اچانک ایک مصلہ کر لیا۔ آٹس کریم کا جلا کپ ختم کر کے اس نے اپنے آپ ہی دوسرا کپ بھی اپنے آگے سرکا لیا۔ بولی۔
”آپ کو یاد ہے ایک مرتبہ آپ نے میرے بچے کا ٹرانسفر کینسل کرنے میں بڑی مدد کی تھی؟“

”ہاں خوب یاد ہے۔ کیا سرن کا بھر کہیں تبادلہ ہو گیا ہے؟ اس بار بھی رکوا دوں گا۔ میرے ہوتے ہوئے اُسے یہاں سے باہر کوں بھیج سکتا ہے؟“ میری نے بڑے غم سے کہہ ڈالا۔
پر بھاسے آٹس کریم کا ایک ٹھکڑا بیچ نکالا، پورا منہ کھول کر اندر ڈالا پھر اس کی ساری ٹھنڈک کو دھیرے دھیرے رگ و پے میں محسوس کرتی ہوئی بولی۔

”ان کا ٹرانسفر ابھی تو کہیں نہیں ہوا ہے، لیکن میں جانتی ہوں کہیں نہ کہیں فوراً ہو جائے۔ ادھر وہ دون، اگر وہ لکھنؤ۔
کہیں بھی اب یہاں میرا من نہیں لگتا ہے۔ بس اس کام میں میری مدد کر دیجئے۔ انہیں معلوم بھی ہونے پائے کینسل کر دینے کے لیے وہ آپ سے کہیں تو آپ انکار کر دیجئے گا!“

میری ہلکا سا ہنسا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں جیسے کچھ نہ آ سکا۔
پر بھاجلدی جلدی آٹس کریم ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بولی۔
”آپ کا بڑا بیکار ماؤں کی۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں!“

یہ سن کر میری سکر دیا اور پر بھاسرن کی طرف دیکھنے لگا۔ بڑے غور سے۔ پر بھانگھیر گئی پھر اس نے سری کو کہتے ہوئے سنا۔ ”ہاں بالکل ٹھیک ہی تھی کی طرح!“

مٹی بولا۔ ”میرے ڈیڈی تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ کیا آپ بھی آئی سے بہت پیار کرتے ہیں؟“

میری ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی کا چہرہ کھر کر بولا۔ ”ہاں بہت۔ وہ ہے ہی اتنی اچھی!“

پر بھاسر کو اچانک ایک صدمہ سا ہوا۔ اس کا بھی بھر جا رہا تھا وہ دہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ (حسن آدمی کو میں نے

میں شیلے گھر کے قریب تو دیکھنے کی آرزو کی ہے اسی سے یک ایک دور ہو جائے گی خواہ اس قدر تیز کیوں ہو گئی ہے؟) اس

لے ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے قریب چلی ہوئی ایک خوبصورت اور جوان عورت کے وجود سے بالکل بے پروا

ہو کر ایک نئے ادنیٰ صوم بچے کے سلسے اپنی بیوی کی تعریف کرے میں لگا ہوا ہے۔ وہ کیسے کپڑے پہنتی ہے کیا کھاتی

ہے کیا پہنتی ہے! اس کے حقوق اس کی پسند و ناپسند اس

اتنا میں بری لے ایک بار بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس کی ماؤں کا پر بھاسر کس قسم کا رد عمل ہو رہا ہے

وہ کیسی کسی سوجوں میں کھو گئی ہے! پر بھاسر کو اس کے چہرے پر ایک غیب سی مصیبت دکھائی

ی۔ وہی مصیبت اور خوشی اور حسرت جو مٹی کے چہرے پر نمایاں تھی۔ وہ اسے طمانے کے لیے ہی یہ سب نہیں کہہ رہا ہے۔ وہ تو

اپنی ہی خوشیوں میں کھویا ہوا ہے اُسے حد سر دور ہے بے حد مطمئن





مصنف

کلام انیس میں تغزل

سچی حسن نقوی

میریوں میں بھی تغزل رچا ہوا جس کی مرثیہ میں کئی نگینے میں بھی تغزل
بروید سرسود جس رموی اس وقت غزل کا مذاق عام طربوں میں ایسا
بیس بھی تھا کہ مرتوں میں بھی سرور کا عمل میا کرنا لگا۔ ایسا کہ انیس کے
وقت کے تقاضوں کو پورا کیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو شاید میرے کو وہ
مقبولیت حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو اُسے حاصل ہوئی اور جو آج تک حاصل ہے۔
عاقبتوں میں غزل شاعر کے دل —

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا حب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
ما پورا دواں کوس کو دے کے بے نیاز ہو گئے تھے۔ انیس کے مرتوں میں
بے شمار مقامات ایسے تھے جن پر غزل گوؤں کے دیوان کے دیوان شاربے
حاشیہ ہیں۔ انیس کا تغزل خواہ سلام میں اریامی میں یا مرثیہ میں قریب قریب
اُن تمام خصوصیات کا حامل ہے جو غزل گوؤں کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

انیس نے شاعری کی ابتدا غزل سے کی لیکن بہت جلد اسے والد
میر جلیق کے مشورے سے جو خود ایک اچھے مزید گو ہرے کے ساتھ ایک ہی غزل گو
بھی تھے، غزل ترک کر کے مرثیہ کا میدان اختیار کر لیا اور اسی کے مدون نگینے کے
انھوں نے اسی طبیعت کی نامور زمینیاں اور حویلیاں مرتبہ ہر طرف کر دیں اور
یتیم میں مہرے کا، اور اسی کے ساتھ مرثیہ گو تامل کا، اور اسے بلند کر دیا کہ
کوئی ”مگر شاعر مرثیہ گو“ کہنا بھول گئے، مگر مرثیہ گو شاعر کو ”اسی شاعر“
نہیں کہنا رہا جو مرثیہ گو تھے۔

جیسا کہ انیس مرثیہ گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں، لیکن انھوں نے
سلام بھی کہے اور باغیاں بھی لکھیں۔ سلام را اعتبار مہنت اگر اُس میں سے
مدد اور ہنسی استعار کو نکال دیا جائے تو مکمل و محترم غزل ہوتا ہے اور باقی
میں بھی تغزل کا رنگ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اُن

نے جو مہنت آرا دے آپ حیات میں ایک اور مہنت نقل کی جو وہ ۱۹۵۵ء کو میر انیس ایک تر سماعے میں گئے اور غزل میں ان کی بڑی توجہ ہوئی تھی اب دل میں توں ہوا تو غزل
کے طور پر مہنت سے بچا ہوا راب کہاں گئے تھے، معاہدے میں اب کو سرا لاجو اگر سلا اس کے صدایے بیٹے کے کہا ”اس غزل کو سلام کو دے اس فقرہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔
ایک یہ کہ اس غزل کو سلام سادہ دوسرا یہ کہ غزل کہنا جو خود سادہ سادہ مہنت سے دونوں مانتوں میں مل گیا۔ اس میں مرثیہ کے مقابلے میں صرف غزل کو مست تھے تھے۔
میر مہدی جس نے واقعات انیس میں ایک روایت نقل کی ہے (۱۹۵۹ء) کہ ایک مجلس میں میر انیس کے طے رسید مرتبہ میں قریب چل رہے تھے۔ سامعین میں
کاظمی شامل تھے۔ میر انیس کھڑے تھے بیٹھے بیٹھے کے تامل۔ معاصر کی داد دے رہے تھے۔ مجلس کے ایک گوشہ میں حیدر علی انیس میں حیدر کو نیاں تر سماعے کہیں۔
میر انیس کو شہر ہوا کہ کلام پر کتنی جیسی ہو رہی ہے۔ ادب مجلس کی۔ تو جن ان سے برداشت نہ ہوئی اور وہ مرثیہ ایک نصف قد سے کھڑے ہوئے اور ان کو
سے مرثیہ ”مرثیہ شاعر کی غزل میں جس میں مجلس جوئی کا ذکر کے دل حشر کہنے میر انیس میں سادہ میں سادہ قدم رکھنے تو کچھ خوں ہو کر مرثیہ کا تامل ہے۔“ اس کے بعد
بیٹے کے کہا کہ مرثیہ پڑھنا بند کر دیں اس ذات کھڑا رہا بل مجلس کی را میں نہ ہو گئیں۔ مرثیہ خوشامد آج کے میر انیس میں بھی ہے، اور بیٹے کو مرثیہ کی اجازت ہے۔
کے سرسود جس رموی ”انیس ہمیت غزل گو“ کہنا بھول گئے، مگر مرثیہ گو شاعر کو ”اسی شاعر“ کہنا بھول گئے، مگر مرثیہ گو شاعر کو ”اسی شاعر“ کہنا بھول گئے۔

مثلاً مستوح کا سراپا، تھوٹ، اعلان، حکمت، قرب، المی، آفاقی حقیقت،
قلندر، انسانی دنیا، شاعر، تعلقی وغیرہ وغیرہ۔

عزل کے تقابلیں پہلی۔ ان عاصفہ شاعری کہ ہے عام عزل کو
نفس کا معشوق دو قسم کا ہوتا ہے۔ عاری اور حقیقی جب معشوق عاری ہوتا
ہے تو اس کا سراپا محبت، ایفیت، کدائی، اصرار کہ نسا ہے عزل کو سراپا نے
معشوق کی آنکھوں کو نرس سے بادام سے، اردو کو کمان سے، سرگاہ کو
تبر سے، رخسار کو گلاب سے، دانتوں کو بوجوں سے، لہو کو برگ گل سے،
دیں کو غنیمت سے، گردن کو صراحی سے، لکر کو عدم سے، تسد دیتے ہیں۔

محبوب ایس بھی لکھے ہیں، لیکن ان کے محبوب کا معشوق عام عزل کہ
نفس کے محبوب کے معشوق سے اکل مختلف ہے ان کے محبوب کی اعلیت حسی
اور حاضیت مجاز ہے وہ اسے حسیوں کو یکہ کر دود ٹرھو لے ہیں۔
ٹرھے، رود۔ کیوں دیکھ کر حسیوں کی خیال صفت صاف سے ہاں ہوں کو
کر کے عام ہو ٹرھے! حواں، لڑکے سچے صبا ان کے محبوب ہیں اور ان

سب کی تعریف ایس اس واپار اداریں کرے ہیں کہ عزل کو شعرا کے عام
عاری محبوب مست اور عجز لڑنے لکے ہیں۔ ایس کے یہاں ٹرھے صیب
اس مطاہ کے ارد کمان ہیں اور بڑگاں۔ ان کی آنکھوں پر زلالاں حرم
آپاں ہوتے ہیں۔ ان کی میاں نرج سے دودر تید سے اعدوں ہے اور ح
"اب اسے کہ اوت بھی کھلے سطرے حساس کا سراپا وہ اس طرح لکھتے ہیں
جسے، جی، کیو کہ نہ دودر سو حواسم ہے شمس کی آفتاب سے حساس کا کھلم
حال اور جسے سرودہ دار ہے وہ دا ہے سب دل عالم کی امیری کا سراپا
میں کو دیکھو کہ عجب شوکت و سناں ہے

رخس طہار کے لشکر کا نشان ہے
و حواں میں ملی کر کہ سراپا نظم کرے میں کس قدر نادر و شہبوس ہے کام
داے

نہ میں یا ہیں ماہ۔ لکے حواں کے رخسار میں کہ پھولی کھس میں لکے۔

مٹی ہیں۔ جسم سیر کے حجاب میں۔ سال ہے۔ درے صرت پرمع نقادیں

یا ایک دوسری جگہ علی اکبر کا سراپا اس طرح نظم کیا ہے۔

چہرہ کو گرہ سج کہیں رلف کو گدات، ان بولتے حسن ملی۔ کرنی سے صحراب
دنیا میں سدا سا ہے۔ در بحر اب۔ بار تاج میں خود تدا دھرواں اودھرات

کیسو کہ سدا دے دل اندر اکہم ہے

کیا قدر ح ہے کہ تدا وہ در اکہم ہے

عزل و محمد کی میساں سے افرے زیادہ، رکن، اردو محرم زیادہ غم، اور لکھیں
سفرے زیادہ، تیر ہیں۔ اور اکھوے

آفت میں عواوین کو حمار کا کھا، رکن کو بھیجتا کچھ لے سنا کھا
قاسم کی لکھیں سرودہ سہار لڑا، سلوم بولی ہیں۔ ان کے چہرے روجند و لہر لہے ہیں،

معلوم ہوئے حادثہ جس میں آگیا ہے، رسا، دو آئینہ لڑیں جس کی صفا لڑو
ہیں ٹھہری نس سطر میں وہ صیا میں حواں کی میاں ہیں۔ لہو کو لعل سے

تقدیر دسا لعل سے دور ہے، کیو کہ

وہ سنا ہے بھر سنگ میں گویائی کماں

گویائی صی کو ر سبھا کی کہاں

قاسم کی لکر کے حواں میں لکھے ہیں

ار یکہ ہے کادیں میں صی کو کر آے، سور کدے، میں صی، اے ح ہے لڑا ہے

یہ فکر دسا ح کے کمان اور کدھر آئے، عکس ہی میں یہ کہ عدم کی صرا ہے

داں ہک حرد علم رسائی میں دیتا

یاں مار لڑا ہے کہ کدھائی میں دیتا

ایس جس واپار انداز میں اسے محرم کو داروں کا سراپا نظم کرتے ہیں اسی
حادثہ اور جو چلے سے ان کو داروں کے گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں ای طیب

کی تاحر و عیناں صر کہ دیتے ہیں اور ٹرے اہتمام کے ساتھ ایسے الفاظ،
بر ایک اہد تشبہات استعمال کو نے ہیں کہ اس تعریف میں تعزل کا رنگ صاف

پھلے نکلتا ہے۔ ان کا گھوڑا قتل لڑیں عیب مار دیکھا ہے اس کی صر
کے حواں میں حوصلہ کک در صی ہے، میں اس کے مار بھرالی حق رنگ

کہنے ہیں تو کہیں اس کا جھکڑا بر صی صرا ہے۔ اس کے ہر کام پر معلوم
جوابہ طلاس سیر جس کو حواں ہے اور کہیں:

لہ لفظ جو مقدمہ شعر و ساعری اردو ۱۹۱۱ء

۱۸۹۴ء سکر

جولائی ۱۹۱۹ء

یہ سب قائل تعزل ہے۔ لیکن استدلال اس کے قریب سے ہرگز نہیں گذرنا، شاید ماری سے اس کا دور کا کسی علاقہ میں اور ہوا برستی کی آغے ہو ایک نہیں گئی، جو عام عقل کو شعور کی محبوب رومی اور کھنڈ اسکول کی اعتباری خصوصیت ہے۔ انیس کے کلام میں شروع سے آخر تک تعاضل، مسرت اور شہید گئی پائی جاتی ہے وہ وحدتی ہیں۔ ع

"بات جو نہ سے نکلتی ہے وہ سمجھو ہے"

انہوں نے کبھی گایاں کھا کر دعائے صرف دریاں ہیں کس اور۔ وہ کبھی وصل میں خوف رقب سے مصعب ہوئے۔ اسی نے انہوں نے "عزل کو سلام" کر کے مرثیہ اہتمام کر لیا اور اپنی تمام حق صلاحتیں مرتبہ ہی برصرت کر دیں۔ مولانا حالی نے لکھتے ہیں "عزل کو جس لوگوں نے حکما اور مقول قائل عام و عام سایا، یہ وہ لوگ تھے جو آج تک اہل اللہ اور صفات باطل یا کم کم عشق الہی کا رنگ گانے والے گئے حائے ہیں ان کی غرض کا موضوع عشق مجازی نہ تھا۔ بلکہ وہ حقیقت کو محاذ کے پڑے ہیں ظاہر کرتے تھے یہ ایک اس کا کیا حال ہے ایسے شعور کے حقیقت والے اشعار یرحمہم کا دھوکا ہوئے لہر نہیں رہ سکتا اور عام آیات کا آدمی کچھ سمجھ کر ہی یہ مصلحہ کر سکتا ہے کہ شعر حقیقت میں ہے یا مجاز میں، (ادرا کر و متبصر حقیقت کو مجاز سمجھ بٹھا ہے) اس کے تعزل کی تشاں ہی مرالی ہے اکتا تعزل یرحمہم کا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ حقیقت مجرب ہے اور محار کی گھنٹائی چھائی میں ہی ہنس کر ہنس کر سکتی۔

عزل کے ارتقا میں دوسری منزل تصوف کی ہے، یہی وہ منزل جس میں شاعر کا محبوب حقیقی ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ شعرائے عالمقار معاین سے گذر کر معروف کے مصاب میں عزل میں پانڈھنا شروع کر دیے یہ منزل عزل کے ارتعاب میں سگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مدرسہ فکر کے حامی شعرا میں سعدی اور حافظ اور آندو شعرا میں تیر اور دروہام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سعدی کا متہور شعر ہے

روگ درخان سردر لوط ہوشیار ہر درتے دفتر لب مسرت کردگار

فارسی کا ایک اور مشہور شعر ہے

اوروں ہے زلف و سرے و شوق الیال کی دیکھیں وہ لیں پلا تیں سدا یاں بال کی بریاں حرام ناز میں شاگرد خیال کی غفٹہ میں جیت سیر کی خوشی غراں کی وہ نفسی یہ سار کا جوس نراں کا مولد کے ہاتھ پاؤں و جہر نراق کا

ارکی تشریف میں تعزل کا رنگ اس سے زیادہ نمایاں ہے۔ کس دہکوا کو "بلبل طفرہ" کہتے ہیں کبھی سبیلان کی رسی، اس کے کم کو دیکھ کر نہ تو شرم سے کٹ جاتا ہے، اور جب وہ "مستشرق سر رنگ" میں جاتی ہے تو اس کے ہوں پر ہوسے پان کی لالی بھی ہوتی دکھائی دیتے لگی ہے۔ اس صیسی گرمی اور لگاؤ کسی حور میں دیکھے میں آئی۔ رسی میں اس کی مسرہ گری سے لاکھوں کوئے دم کو دیا۔ جب وہ اپنی نظری گردی کے ساتھ اٹھائیلیاں کرتی اور سرے اور محل جاتی تو اس کی ملک دیکھ کر سیکڑوں لبسمل ہو جائے تھے۔

زم سینوں کے گرساں کی فحش بیٹھے ہیں حال کا بھی کبہر اردن کے گلے کتے تھے دلی کے دوسر تعزل کے رنگ میں عام طور سے لحاظ کے حامل ہیں کاٹھی تھی درافتقار کا بھی اس کا ٹکڑا تھا یا نقاب روح لیلی طفر گھو گھٹا شاکر کی مکی اور کدوسر گوادش محال سے مکی ٹھکانے سر دکھائی سب کو کہ کی معافی لڑائی میں

حاجی ہزار دہے میں دوسرائی میں کاٹھی سے اس طرح ہوتی وہ طلحہ جدا جیسے کنار شوق سے ہو خوب روحدا مہتاب سے تملع جدا گل سے جدا پیسے دم خدا و گدھاں سے ہو خدا گرے حاد و رد ابر سے مکی کل بڑی محل میں دم جو گھٹ گیا لیلی مکی لڑی ایک دوسرے میں تہہ تہہ کے چارے میں بچتے ہیں ریا تھا دم جنگ یری دس اے کہا مسعودی میں شریع باس اس نے جو سہا اس اندر یہ وہ سر کو ٹھکانے بڑے دہنا جو ہر تھے کہنے بھی دہیں ہو لوں کہا سبب چم حلد کی و اس تھی بھیل میں رہتی تھی وہ تبیر سے در لھا کی مل میں

لہ مولانا حالی، مقدمہ شعر شاعری ص ۱۱

لیکن آئیں کے بہاں ایک سے زیادہ مقالات ایسے ملیں گے جہاں شاعری میں غور و فکر کے عنصر کا متلاشی اپنے دوق کی جی بھر کے شکس کر سکتا ہے سلام کے جید شعرا اور ملاحظہ فرمائیں :

سراک کے ساتھ ہے دوسرا لوط و طوح و دوسرا سحر کو جامہ نہ تھا تہمت کو آفتاب تھا مودود کو ساقی حساب لگے ہیں وہ جانتے ہیں خود دیا کو جو آئینے ہیں خود نوید زندگی لاف لافا میرے بے تنہا کسہ ہوں مایہ میں تھا آئینے نے اسی مصیبت کی رما عاں ملاحظہ فرماتے :

ادمار کا کھٹکا جسم و جاہ میں ہے جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے اٹھو اٹھو کہ جواب مفلت کس تک دیکھو دیکھو اہل کیں گاہ میں سے

کا قدر زمین کی آسمان کے آگے ٹھکتے ہیں وی بھی ماتواں کے آگے رسی سے میٹھ سگ ولی برتے ہیں دہاں صف پسہ ہیں زماں کے آگے

گولا کہ ترس جیسے نوھر مرتا ہے سیاہ غم ایک دل بھرتا ہے ہاں نوستہ آخرت میتا کیسے عاقل کئے دیباے سحر کرتا ہے سلاموں اور رباہیوں کی حد تک ڈاکٹر فاروقی بھی مانتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں "مرکوبوں میں ایسے خیالات کہیں نہیں ہیں" یہ دعویٰ میناؤ ہے۔ اہل سنت نے مرتبوں میں بھی جا کا حکیمار انرازا اختیار کیا ہے۔ سدر خدیوہ سدیں میرا بیٹے فلسفہ حیات و ممات اعمال یک اور فشار قدر و عہد جیسے فلسفیا۔ موضوعات برائیاں کو لکھا ہے، فکر انگیز ہیں۔ لیکن جہاں کہ ادب پر کیا گیا، تفرق کی چاستی نے ماضی کی تلی کو تیردی میں مدخل کر دیا ہے اور اس قدر گسوار و خوش آئید نہادیا ہے کہ سسکل ہی سے کوئی صاحب نظر ہوگا جو انہر قبولی نہ کرے اور جدید انکر سر دھسے گئے

اس باغ میں سے زربہ کوئی اور کوئی نہ رہا صحت سے کوئی صورت ترس کوئی جا آرد وہ گزرتو قری ہے گزرا لگی ہیں جو جس میں کسی جا پڑا ہے سہم اسکوں سے سح ل کو سدا دھوی ہے سہم سبے جو ہستے دیتے ہیں اور روئی ہے سہم بجائی جو کہ میٹھا ہو کہ سہماہ جریک مل جاہیں سکتا کوئی ہزار وہ راہ سے دھڑکا سحر و سام ہے حس کا سہی ہے وہ سہل کہ کھام ہے حس کا

ایک دوسرے مرتے کے سب ذیل مدھی اسی نسل کے ہیں ۔

اسد نہیں سنے کی یاں صحت سے تناسم ہسی کو کہ کھو کہے مرشد لب بام ماں کام کر دیا کہ آئے خود دیاں گام آئیسے جدا چاہیے نب موت کا بغام اسی کوئی ملک ۔ اہلک سسھنا

مرتا ہے جس حاک یہ سب حاک کھسا

اس رینت یہ پھورہ اہل کوئی کو یاد گھر سیکڑوں یاں میں ملنے کے بر باد ڈیا جس عمارت سے ناکر ہو کوئی شاد اس قاب حاک کی کجی سست میناؤ کل ادج ۔ جو لوگ تھے وہ زیر زمین ہے خاک کا ڈھیر ہر مکان ۔ کس ہیں

کس کس گل جیس کی ۔ اس باغ میں تہی حوا کہ آن میں شہم کی طرح ہو گئے معدوم دکھلا رہی ہے رنگ بکھستہ ہونم کیا صدمہ کھلیں اہل کس ہیں معلوم اس باغ میں جس سرود کا کھدا دل ہے حس نکل یہ بہار آج ہے گل اس یہ حواں ہے

یے تانی دسا کا موضوع صی کھما ۔ سامی کے وقت آتا ہے ۔ اردو کے تمام ترے شاعروں نے اس موضوع پر بھی شیع آرائی کی ہے ۔ کلام ایس میں بھی اس موضوع پر عابجا اشارے ہیں ۔ لیکن ایس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کھ بھی

لے ڈاکٹر محمد جس فاروقی مرصیہ نگاری اور میرا بیس ۱۹۵۹ء اس موضوع پر ترقی دے ہیں ۔ یہ موت کا مانگی کا دھبہ سب کے ملیں گے دہے کر تھے اس مصوم کو تبرے اس طع پابہ جا ہے

ہم آج کوئی یاں میں لیتا ہے انہوں کا ہم آج کوئی یاں تا جوی کا ہوتا ۔ خدا و ترس کا کل آسمان سے ہم لوگوں کے گل ملک یہ سہر رنگیں تھا کل اس یہ ہیں سدا ہے پیر و نگری کا ہیں ٹھوکروں میں ان کے کجی آتھوں ہیں ر

میں بھی نصیب ہے کہ۔ بہادر رساہ کی غلامی پر انہوں نے غور کیا۔ ایک قصیدہ میں مادی شاہ کے حضور اس کی عربی 'خاندہ کستی اور قریب داری کا ذکر کر کے اپنی خواہ ماہ ماہ کرنے کی درخواست کی۔ ایک عمل میں کہتے ہیں :

دیا ہے حلق کو بھی نالہ لڑنے لگے سہلے عیش کمل حسین خاں کے لے
رماں - مار دیا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نظریں سے زری زبان کیجے
نصیر دولت دوس اور میں ملو گا، سہلے حرج سر پر جس کی آستان کیجے
نکس آتیس اسے جہد کے اس ماحول اور نظام سے متعلق ہے۔ انہوں نے
کبھی کسی مادی شاہ یا ابواب و غیرہ کی شاں میں کوئی قصیدہ نہیں کہا۔
وہ خود کہتے ہیں - 'خ' دل سے کبھی مدح امر کی نہیں میں نے " اس
اعتقاد سے اس کا مقام مسخر ہے۔ تیرے مقابلے میں بھی ان کا بدلہ
کھاری ہے اور عاتق تو ان کے سامنے دست اور اسے جوکرہ حملے ہیں۔
ان کی شاں اس قدر ہے

کسی کے سامنے کیوں حاکم باہر بھلاؤ مرا کریم تو دیتا ہے سوال مجھے
مہمبہدی احسن لے جو خود میرا تیس کے لئے خرید میرا تیس کے ساگر
اور حس کے والد میرا تیس کے دوستوں میں سے ہے، 'داعیات' امیتس میں ایک
روایت نقل کی ہے، حس کی تاملہ تھوڑے سے تفریق کے ساتھ مولوی اتہری
نے 'حیات' امیتس میں کی ہے، اگر ایک مرتبہ ابواب داعی علی شاہ کی والدہ ملکہ
کسور جہاں نے مراد شیر اور میرا تیس دووں کو مجلس بڑے کی دعوت
دی — میرا تیس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر میری حالت میں
در بار داری کا حوض عرات محمد ہے۔ ہو سکے گا۔ سنا کہ انھیں اپنی روزمرہ

کہتے ہیں اس میں رماں کا ٹھکارہ ضرور چوتا ہے اور دور مرہ کو وہ کبھی باقہ
سے نہیں حملے دیتے۔ سلام کے حد سے اس کو شروع سلاطین فرماتے۔
حدم سے لگیا دینا میں ولی ہنس کے ہوتے اور دو حادوں کے یہاں سدا ہوتے

مقام یوں ہوا اس کا گاہ دیبا میں کہ جیسے دن کو سارا میں آگے ملے
امیتس دم کا ہر دوس میں ٹھہر جاؤ حراج لے کے کہاں سامنے ہوا کے ملے
اسی مصوں کی راعماں ملا خطہ ہوں۔

جوتے سے صا اُسے لگا کھانے جو حرجہ کم اسے سوا کھانے
ہے ہر جہاں میں عمر ما مدح احاطہ اس رمد کی کو کیا کھانے

اب گرم حرجوں کے آنے کی ہے ماواں تھے کلاآت ودانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے صا آمارا دلیل حانے کی ہے

برساں کوئی ک جو ہر دانی کا ہے ہر گز کو کلام کم التفاتی کا ہے
مستم سے خود حرجہ گریہ تو بھی تو کہا روماعطای سے نفاقی کلا ہے
امیتس نے حس ماحول میں آگے کھولی اُس پر جا کر دارا نظام
چھانے ہوا کھانا مادسا ہوں ابوابوں اور دیشوں کی ساں میں قصیدے
کہہ س جہد کے شعرا کا عام شعار تھا۔ یہاں تک کہ تیر جو شعر و مساقہ
خود دای، خود سندی اور 'مدد حاجی' کے لیے ہر نام میں انھوں نے
جی ایک قصیدہ ابواب آصف اللہ کے ساں میں لکھا۔ عاتق نے تعریف
جو شاہ دینا حد گداری کے معنوی رئیسوں اور انگریزوں کی شاں میں

لہ اس موضوع پر تیر فرماتے ہیں

وہیں کرے ہے ہر جہاں میں احمی تو نہ
ہستی اپنی حساب کی سی ہے
کہہ س میں نے کل کا ہے کتنا حشاں

غائب کہتے ہیں

دیں ہے دمن عمر کہاں دیکھتے تھے

کے سدا مہدی احسن داعیات امیتس، ص ۶۶

سے متاثر نہ ہو۔ وہ کہی یہ ہے کہ مات اس کے عکس ہی میں ہے۔
یہی ہے کہ اگر کوئی مصرع یا شعر بے منتقلی سے جابجاء لے لے کر
عزل کا مصرعہ یا شعر کہے گا شعر کہانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مصرعہ اور
شعر ہی مصرعہ نہیں، بلکہ اگر شعر کا کوئی چھوٹا سا جملہ صرف بے منتقلی
سے جابجاء لے لے کر عزلی کے شعر کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے مثلاً: "اے
خود کے یہ دو جو میرے چھوٹے دھڑے سے" بہتر مصرعہ ہے جو عزلی بے منتقلی
سے جابجاء لے لے کر "عزلی مراد اللہ منال کی وار انصر ہوئی ہے"۔ "اے لے
بہتر سے میری حقیقت رکھتے ہیں۔"

کلامِ انیس میں ایسے اسعار کی بہاں ہے۔ دوسرے شعر اور انیس کے کلام میں ضرب و لاشال کا تناسب اگر ناقادہ، یا اس کا اصول پر بالا جائے و معلوم ہو گا کہ اردوں کے یہاں اگر دو حاضر عام ایسے نکلیں گے تو ضربِ المتل میں گئے ہیں۔ ار رماں روز حاضر عام ہو گئے ہیں تو انیس کے یہاں دس میں دس ہیں کہ اشتار میں کے جانے ہیں جو مختلف سلاموں، ربا عوں اور متوں میں وارد ہوئے ہیں اور ضربِ المتل میں کیے ہیں۔ سلامیک سعدی کی حیت کا لائے مصرعہ ”ہر کسی موقع و ہر کلمہ معلے وارد“ ضربِ المتل میں لگاتے ہو اور اندر سے ہے :

ہے کئی عجیب و غریب شے اس کو کیے
تیر کی دہے مگر نیک ہے کیونکہ
دار کا مکس کو نکھاتہ رہ گئے دارو
ہر صحت کو دہر کہتے دارو
اس نیک ہر صحت کو صحت بنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر آخری صحت
زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

ایس کی ایک اور مینا ہے۔
خوب طبعوں کے کھانے کا وقت ہے
میر و نثر جو یہاں لڑا کا وقت ہے۔

اس شعر کو ہر دو عمر آل احمد سرزدے حال تک ہی میں صلیب کا جنگ کے
 زمانے میں اپنے ایک مقالہ "قتلہ جیس استعمال کیا اور اسے ایسا
 سرمانہ کلام قرار دیا تھا ہے ایسے کسی اور میں سطر میں یہ شعر
 کہا ہے: "نیکس اس میں جو آیت ہے اس کی وجہ سے وہ آج تک رٹ
 ہے اور عالمی مجسمہ رد و رہے گا، یا اگر کم اس وقت تک، نہ رہے گا
 جب تک دسویں جنگ کا وجود رہے گا اور اس میں جس دلائل کی
 ضرورت پاتی رہے گی۔"

ایک سلام کے یہ دوسرے مسجور ہوئے ہیں اور رہا نذر
خاصی و عام ہو گئے ہیں
مشرقیوں میں مسیحیوں کی
حسابہ خانہ انگلی کی رستہوں کو
خیال خاطر احاطہ سے جرم
اسیٹھ دنگ جائے انگلیوں کو
حسب دلی راعی بیب مسجور اور شرب اش بن گئے
ذیابھی علیہ سرائے فانی دیکھی
ہر میریہاں کی آئی حاتی دیکھی
خوب سے رعاہ دہ بڑھا بڑھا کر
حاکم آئے دہ حوئی دیکھی
کسی آفاقی حقیقت کو شکر کے سائے میں ڈھال دیا جات تو بہت
سہائی سے ضرب اسل س حاتی ہے ۔ ایس کلام حرب الاسلام کے
ہونے کی ستار آفاقی حقیقتوں سے مٹو ہے ۔ حسب دلی اشعار
مجلس عربوں کی میں ہیں ۔ یہ س آفاقی حقیقتیں ہیں اور یہ اسل
کا درجہ دیکھی ہیں اور نقول رسید احمد صدفی حرب الاسلام ضعیف
کرنے کی کامیاب کوششیں ہیں :

۱۵ ہمارے رماں اعلیٰ گتہ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء ۲ صدمہ دل دوسرے ہی اسی فعل کے ہیں

آداب و قاعدہ سے دلرو و بڑے حلو
تو ایں قوتے میں سیر و ٹرے چادر
ہے مات کی تہ نام یہ سے ہیں مبادر
تو کہتے ہیں سرے دی کرتے ہیں مبادر

یہ مطرہ سکول میں ہر جگہ اعلیٰ تھیا ہوا ہے اگر میں نے روگوں سے "مس" بھی سنا ہے۔ یہ میرے انگریزی لفظ (Universal Truth) (ہونی ورسل توتھ) کا ترجمہ ہے۔

غزل

رباب دسبندی

ملا بھی آن وہ مجھ کو اس طرح یاد
سو میں بھی دلی لہو میں بھی وہی
مراغ میں دس لہو گیا ہے وہ ایسا
بھیں بھی یاد ہو جوں گے وہ ہرواں حیات
سہ کئے گا نہ گرا داس حدوں سے
شامِ عظمیٰ ملاں تلی گاہِ جلو
رہیں کہ گم ہوئی سرنِ صدف ہے
اے کوئی مسافر ہو جس طرح یاد
ساؤ اس کو کھلاؤں میں کس طرح یاد
ہا میں کیفِ مہنگی میں جس طرح یاد
حراں میں کھول کھلاتے تھے کس طرح یاد
سج راؤ گے سرل تک اس طرح یاد
کر سائے، مکدے جاتے جس طرح یاد
ا کے گی ایک سی فصل اس طرح یاد

اے کوئی دے میں آؤ کہ آفتاب میں
حمدِ اقصیٰ ملناں جس طرح یاد

غزل

آراء سکوی

تسبِ غلامی نہ رہی تھیں کوئی لکھی کی چلا میں
نئی راہ جس نے دکھائی تھی وہی اُن روشن چلا میں
کہیں جو ہم نے گی بقیان کہیں چھوٹ روئے نگار کی
مے نقشِ پاسبانِ گرد کسی کام کے نہ سہی مگر
مجھے دل وہ درد بھرا دما خون کی تاب نہ لاسکا
ہی عہدِ نو میں تر فیاں ہوئیں انقلاب کے مامر
مری عمر آذر غم زدہ بڑی آن پاق سے کٹ گئی
وہ نگاہِ ناز تھی ملتفت تو کوئی ملال کھلا نہیں

غزل

روئے زمیں سے اڑ کے برا آسماں گئے
دیکھے اتو کوئی خاک کے ڈوس کہاں گئے
اب تک نہ بھر سکے ہیں غم بے رخی کے زخم
اک عمر جو گئی تھی تہس نہس رستاں گئے
آیا نہ لوٹ کر کوئی منزل سے آج تک
اس کا رواں سے ملے کنی کارواں گئے
گردن تک اپنی اٹھارہ سکی اس سے تیغ ناز
مقتل میں بار بار بیت استخاں گئے
اب مہوتوں کے لب کا تہمتہ محال ہے
شہر وفا کے چاند تار کہاں گئے
اللہ سے یہ حُسنِ تکلم کی شونیاں
مجھ کو کس کے خود و دمی داستان گئے

حبیب ہاشمی

تم کو سکون دل : مہیتہ ہوا حبیب
نم دردی سمیٹ کے لائے جہاں گئے

مہباعت

طوبہ رسول

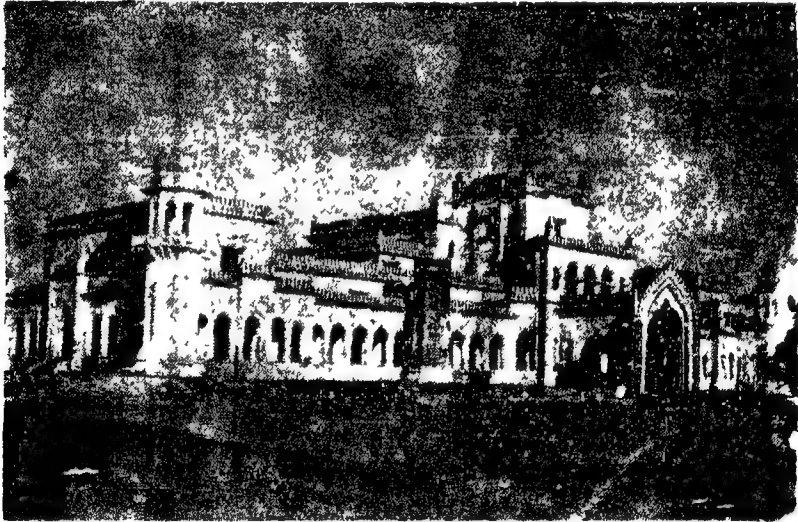
آئی ہے گھٹا جھومتی بندرا بن سے
جذبات پہ قابو ہے نہ دل پر قابو
شعلے سے بھڑک اٹھتے ہیں میرے تن سے
اُٹھے ہی چپے جاتے ہیں ہمرے آنسو
پیتم کی پرہ میں جوگ بیسراگ لیا
صحا میں ٹھکانا ہے نہ گھر میں میرا
اے کاشش اتر جاتے وہ میرے من سے
مانوس نہیں مجھ سے ابھی تک آہو

رہنے دو یہ دلداری و اندازِ کرم
آنکھوں کے حسیں جام ہیں چھلکے چھلکے
اے دوست نہ کھل جائے رفاقت کا بھرم
لہراے موئے شاووں سے گیسو ڈھلکے
بیٹھا ہوں گھنی چھاؤں میں سستانے کو
اے میری سکھی تو نے بھی اُن کو دیکھا
حالات کے جس موڑ پہ ہمارے ہیں قدم
نرمو ہی ہیں یہ پیتم وہ برے کس بن کے

کتب خانہ ندوۃ العلماء کے اردو خطوطات

۱۱

اب سے ۸۰ سال پہلے قندیلہ میں جناب سر۔ وس خیل
علی سہیب، وہ عالم کے قلم میں اس عظیم
درگاہ کا تہ منہ لکھ لکھ رہے تھے اور وہی اس وقت
وہاں سے اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے
اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے
اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے



داخلہ کے عمارت

کے لیے ایک لکھنؤ میں رہا۔ اس وقت ان کے
میں ایک ایسے کتب خانہ کا تہ منہ لکھ لکھ رہے تھے
کے ساتھ علی غازی صاحب کا اسم جیہ ہوا اور یہ خاص
اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے
اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے
اس وقت کے سرکار کے حکام کے سامنے

کتاب خانہ کا قیام ضمنی نہیں تھا بلکہ درس گاہ کے مقاصد اور اس تحیک کا اہم جز تھا۔

اس مقصد سے متعلق علی کام شاہ جہاں پور کے اجلاس سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے مولوی عبدالرفیع صاحب ڈیٹی ہڈے نے یہاں ۲ ہزار کتابوں کے میں ہا عطیہ سے اس کا سیادی پھر رکھا۔ میرٹھ کے اجلاس میں مولوی عبدالعظیم صاحب نے دو سو کتابوں کا اس پر اضافہ کیا اور مولوی سید عبدالغنی نے اربعہ ادب کی ایک سو ایک کتابیں عطا فرمائیں۔ ان کے علاوہ وقت وقت بعض اور عطیہ بھی اس سرہانے کو دست کر رہے تھے۔ ان میں نواب عائشہ محمد جال ہادر جاکر دار عیال سید حمید الدین صاحب رئیس بیہ، مولوی محمد یحییٰ صاحب مرحوم اور سید اصحن شاہ نے عطیات حاصل طور پر فرما دیں۔

ان مجلس کی تعداد کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس کتاب خانہ میں کتابوں کی کل تعداد لگ بھگ ۶۲ ہزار تھی جس میں ستر ہزار عطا و عطیات ہی کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں۔ بعض اہل علم تو ورے بوسے کتاب خانے اس کے لیے وقف کر دیے تھے۔ اس وقت متعدد مستقل دھیرے (۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۰ء) یہاں ہیں ان میں نواب صدیق جال، نواب نور الحسن جال، نواب نجم الحسن جال، نواب علی حسن، تحلیل اور علامہ سید عبدالحی موسیٰ کے قریب کتاب خانے شامل ہیں جو قلمی اور مطبوعہ اور نایاب کتابوں سے بالامال ہیں۔ کتب خانہ میں ۱۰ ہزار کتابیں عربی و فارسی ہیں۔ ان کے بعد فارسی اردو و انگریزی کی ہیں۔ عربی فارسی اور اردو مخطوطات تحریر شدہ کتابیں ہیں جن میں سے مستفاد نہیں ہوئے تھے اور اب حال میں متاع ہوئے ہیں۔

اردو زبان میں مخطوطات کی تعداد گو کم ہے مگر ان میں بیشتر قدیم مخطوطات ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو شائع نہیں ہوئے یا انھیں حوالہ اور اصل کی حقیقت حاصل ہے۔ دہلی میں ادبیات اردو سے متعلق چند اہم مخطوطات کا تعارف قلمبند کیا جاتا ہے۔

۱۔ دیوان منتظر: مطبوعہ فی ستمبر ۱۵۔ سائز ۵۴۹۔
سنہ کتابت ۱۲۳۸۔ اوراق ۲۳۲۔

خواجہ نورالاسلام منتظر مصطفیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے مقصدی کی طرف سے ان کے حریوں کو جوابات دیے ہیں۔ مصطفیٰ نے منتظر کا ذکر اپنے تذکرہ ہندی گویاں میں کیا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی ہے۔ یہ تذکرہ چونکہ ۱۲۰۹ھ میں مرتب ہوا ہے اس لحاظ سے منتظر کا سال پیدائش تخمیناً ۱۱۸۳ھ ہوتا ہے۔

دیوان شاعر کی حیات میں لکھا گیا۔ مخطوط تقریباً ۱۲۸۸ھ شمساً برشتیل ہے۔ کاغذ عمدہ ہے۔ کہیں کہیں کرم خوردگی کی وجہ سے الفاظ محو ہو گئے ہیں۔ مجموعی طور پر کتابت خوشخط اور حسین ہے۔ اس پر علامہ شبلی کے دستخط ہیں اور انھوں نے اپنے قلم سے بعض مقامات پر بھیج بھی کی ہے۔ اس دیوان کا دوسرا نسخہ ہندستان کے کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔ دیوان حمد کے بعض اشعار سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد محروں کا سلسلہ ہے جو زیادہ طویل ہے۔ اخیر کا پانچ حصہ محسنات اور بحر مایہ منسل ہے۔

آغاز۔

اسی کی حمد کی خاطر ہوئی کلمہ میں زباں پیدا
کیا اک حرف کُن میں حس نے یہ کون و مکان پیدا
نمونہ کلام

یہ منتظر اس طرح کی زحمت میں جو دیکھا
اللہ نہ دکھلاوے وہ عزم اور کسی کو
ترقیمہ: تمام تذکرہ دیوان تصنیف میں منتظر شاگرد
میاں مصطفیٰ صاحب تاریخ معتم شوال ۱۳۳۵ھ

۲۔ تکیات میر مستی محمد تقی میر س عبد اللہ ستوری
۱۲۲۵ھ سنہ کتابت ۱۲۳۸ھ سائز: ۶۴۱۱۔ مطبوعہ ۲
اوراق ۴۵۔

میر کے ۱۳ سال بعد کی کتابت ہے۔ مجموعی طور پر دیوان

قصائد اور جو مودی حنا موجود ہے۔ مرید تابوت میں
لجی والی حل کا مواطرا کرنا ہے کہ بہ جو کھا دیوان ہے۔
خود معاصرین کے بنے ایک جو یہ قطعہ "رقوعے کی شاعری۔

جیسا کہ کی شاعری اس میں موجود ہے۔ اس لیے اسی
جو تھا، بیاں ہو جاوے گی۔ لیکن یہ دیوان مکمل نہیں ہے۔ اس میں
صرف "دیباچہ" کی غزلیں ہیں اور کچھ قصیدے بھی صفحہ ۴
کے حاشیہ پر لکھی ہوئی غزل جس کا مقطع ہے

اے مٹھی دیوان گناہیں تو وہ بولا

آیا میں دریر مسائل گئی دن سے

خود مصحفی کے ہاتھ کی تحریر۔ معلوم ہوئی ہے۔ اگر یہ

اس کا کوئی اور سوت اس مکمل دیوان میں نہیں ہے تاہم اہل
ہند کے لکھنے والے کی۔ مرگ میں نقل ہوا۔

مصحفی کے تدریجی سدی قلمی نسخوں کے کتب خانہ میں

موجود ہے اور اس میں مصحفی کے ایسے نظم کی کچھ اصلاحیں کی

ہیں۔ اس نسخہ کا طرز کتابت بڑی حد تک اس دیوان کی تحریر

سے متماثل ہے۔ دیوان میں وہ قصیدہ لکھی ہے جو تیر کی زندگی

میں لکھا تھا۔

آگاہ ہے رنگ سیاسی لیے جو اس کی حاکم

ہاتھوں یہ نہ اک کی اوداہرہ ہیں آتی

۶۔ دیوان موسیٰ مراد محمد تقی حاکم موسیٰ۔ سائر

۱۲۸۶ء مطبوعہ ۱۳۔ نسخہ قدیم و خوشخط۔ سہ کلمات

موجود ہیں۔ اورانی۔ ۳۵

آغاز

لغویں گلگشت سے بے اندیشہ کو جراتی

بڑھا تا بہیں مرگ کسی سے خط بیستانی

اختتام۔

یم داغ نہیں اس کی ادا سے حالی

شرم اک ملتہ روحا بیدہ تہر کا ہے

'مقام سد' دیوان'

اس سے۔ ابتدا۔ اور تیس دو ایک صفحات۔ کتب ہیں۔

۲۔ تدریکہ المستخرج، لکھنؤ، ۱۸۶۵ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء

۳۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۴۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۵۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۶۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۷۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۸۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۹۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۰۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۱۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۲۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۳۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۴۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۵۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۶۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۷۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۸۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۱۹۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۰۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۱۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۲۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۳۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۴۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۵۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۶۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۷۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۸۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۲۹۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

۳۰۔ مثنوی، ۱۲۸۶ء، ۱۲ صفحہ، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۶ء

کی بہرہ داشت ہیں۔

۱۲۔ شاہنامہ اردو، سوز قدیم ہے۔ سائز ۱۰ x ۶۔
اوراق ۳۱۔

آغاز

سرماہ محمد خدائے کریم کہ ہے کردگارے غفور و رحیم
ترے پچھو صفیات عائب ہیں۔

ان مخطوطات کے سوا درج کیے گئے قابل ذکر ہے جن کا
تفصیلی تعارف کسی مناسب موقع پر کیا جائے گا

۱۔ نوادر اللغات مرتبہ سراج الدین علی خاں آذر
۲۔ مان و حلوہ (علوم مجموعہ) مرتبہ فتح

۳۔ تذکرہ ریکمہ لویاں مرتبہ علی حسینی کروبی
تالیف ۱۱۶۶ھ سال کتابت ۱۱۷۴ھ

۴۔ تذکرۃ الشعراء مرتبہ یرعلام حسین تنہا حسن
متوفی ۱۱۷۴ھ

۵۔ لغات بے نقط مرتبہ عزیز بگرامی
۶۔ رسالہ مصائب اہل بیت از علمائے شیعہ

دیوان محمدی (مولوی محمد نظام) سال تریب

۱۲۶۱ھ۔

۸۔ دیوان ولی دکنی

۹۔ غنیمت آرزو: دیوان میر وزیر علی صاحب تلمیذ
آکھن متوفی ۱۲۷۴ھ سال تریب ۱۲۷۲ھ

۱۰۔ دیوان شیدا

۱۱۔ کلیات ناسخ (امام محسن شامی ۱۲۵۴ھ)

سال کتابت ۱۲۶۹ھ

۲۸۔ کلیات میر مستی برقی یہ متوفی ۱۲۷۲ھ

سال کتابت ۱۲۷۹ھ

۲۹۔ مثنوی شمشاد و صنوبر سال کتابت ۱۲۷۹ھ

۳۰۔ کلیات سودا ۱۱۲۵ھ۔ ۱۱۲۹ھ

۳۱۔ مثنوی سحرالبیان ۱۱۷۴ھ علامہ حسن دہلوی متوفی

۱۱۹۹ھ اور

۳۲۔ دیوان نظام

صرف ادبیات اردو سے متعلق جن مخطوطات کا

عارف تھا اس کے سوا مذہبی تاریخی اور متفرق موضوعات

سے متعلق اردو مخطوطات کا بڑا ذخیرہ بھی یہاں موجود ہے۔



۷۔ امدادی تقاضوں کی مسطوری کے لیے ۱۹۵۶ء ایکریٹک کی حقوں کے
کا متکار کو غیر رداعت علیہ تصور کیا جائے گا۔

اس اسکیم کے تحت ۱۹۵۶ء ایکریٹیا اس سے زیادہ رتبے کے
کا متکاروں کو مکانات کی تعمیر کے لیے امدادی تقاضی کے طور پر ۵۰۰ روپے
تک دیا جاسکتا ہے۔ جھوٹی حالت میں یہ رقم کا متکاروں
کو مکانات کی تعمیر کے علاوہ ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے بھی دی
جاسکتی ہے۔

حکومت نے لائسریوں کی رتی کے لیے مالی امداد دینے کے واسطے
رہا کار تعلیمی تنظیموں سے درخواستیں طلب کی ہیں۔ مالی امداد کا حصول
علاقوں کی تعمیر، ریزکٹوں، محروم اور سادو سامان کی خریداری
کے لیے کیا جائے گا۔

اس اسکیم کے تحت صرف ایسی رہا کار تنظیمیں مالی امداد حاصل
کر سکتی ہیں جو ملک لائسریوں کو چلا رہی ہوں اور کم سے کم
۵۰ افراد کو ملا رکھے کے لیے کما میں جسٹا کر رہی ہوں ریاستی
نکاح یا نوکل ماڈیر کے زیر انتظام ملے ذاتی تنظیموں کو یا ایسی
تنظیموں کو جو ریاستی محاسن قانون سار کے ایکٹ کے تحت قائم
کی گئی ہوں مالی امداد نہیں مل سکتی۔

جوابی تنظیموں کو عایدہ کردہ اسی درخواستیں مقررہ فارم
مرستفہ ریاست کے محکمہ تعلیمات کے توسط سے محکمہ ثقافتی امور حکومت
سید کو بھیج دیں۔ درخواستوں کے مقررہ فارم اور دیگر تفصیلات منسلک
اسکریٹ آف اسکول سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مقررہ فارم پر درخواستوں
کی جانچ مجلس منصفہ منسلک آف اسکول کے پاس بھیجی جاتی ہے۔
جس میں سے میں تعلیمی ڈائریکٹر تعلیمات کے توسط سے ریاستی حکومت
کو آئندہ اراکیت تک منطقی شیخ حایا جاتی ہے۔

وزیر تعلیم تری مالان دت تواری بے حالی میں ودھان
کے سوالات کے دفعہ میں سنا کہ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء کے دوران
بیٹری منصفہ کے آٹھ اصلاح میں عمومی طور پر ۱۹۳۰ء وضعات کو کبھی

۸۔ بد وقت کا ایک راجک شروع کیا ہے تاکہ بھڑپس یا لے
وانوں کو بہتر قیمت ملے۔ اس منسلک کی توجہ دینا ہے
وانوں کی امداد انجمنوں کے ذریعے اس علاقے میں بھی کی جائے گی

۹۔ منسلک منسلک سے منسلک اندرون کو بہت کم سے کہ اسے
منصوب روٹوں کو اندرون معادی اور دفعوں کی بد وقت ادائیگی کا
بہت دست کر پس قدرتی آفات منسلک اس رگ سیلاب تندر
بارس اور جنگ سانی سے متاثر ہونے ہوں۔

حکومت نے اس بار منسلک منسلک کا اہم کار ہے کہ قدرتی آفات
کا متکار ہونے والوں کو سہاری مالی امداد بد وقت اور منسلک طور پر
بہت منطقی بعض اوقات اس رگ سے سار سارے دن امداد کو
حکام کی اس علاقہ جی کی سار کوئی مالی امداد میں مل مانی کر
آس رگ ایک قدرتی آفت نہیں ہے ختم اس سلسلے میں حکومت
کے کٹر مصارف کا مقصد ہی موت ہو جاتا ہے۔

مدایات میں کہا گیا ہے منسلک اندرون کو اس بات کا جواب دیا
رکھنا چاہیے کہ مستقبل میں ایسی شکایتیں پیدا نہ ہوں۔
اتر پردیش کے منصفہ مال نے دفاتر کو جو محسوس اسے جاری
کئے ہیں ان کے موجب ایسے حادثوں کو ۲۰ روپے تک کی معیت
مالی امداد مسطور کی جاسکتی ہے جو اہل بے سہارا ہوں۔ منسلک اندرون
یہ رقم ایسے کا متکاروں کو مسطور کرنے کے سلسلے میں بھی ایسے اہل
استعمال کر سکتے ہیں جس کی اس ایک ایکریٹک میں سو

۱۰۔ عایدہ کاروں کو ایسے مکانات کی تعمیر اور مرمت کے لیے رقم
مسطور کرنے کا بہت دست کیا گیا ہے جہیں بعض سماجی
علاقوں میں فی حادثہ ۲۰ روپے تک اور تندر علاقوں میں فی حادثہ
۳۰ روپے تک مسطور کیا جاسکتا ہے۔

۱۱۔ علاقوں میں مکانات کی تعمیر کے لیے ایک غیر رداعت میں
حادثہ کو امدادی تقاضی کی شکل میں ۲۵ روپے تک اور اور نہر
علاقوں میں ۲۰ روپے تک کی رقم مسطور کی جاسکتی ہے۔ جھوٹی
منسلک میں بہر علاقوں کے لیے یہ رقم ۳ روپے تک ٹھکانی جاسکتی

ریاستی محکمہ تعمیرات عامہ نے ۱۹۷۱ء کے دوران کموں کی تعمیر کے لئے تین مقررہ نشانات ۱۱۱ فیصد سے زیادہ کام کما ہے۔ رزاف سال میں ۲ کموں کی تعمیر مکمل کی گئی جسکے ۱۸ کاشتکار معرکہ انگیزی سے اس کے علاوہ ریاست کے مختلف حصوں میں ۱۴ ٹسٹ کموں پر کام ہو رہا تھا۔ ان کموں کی مکمل تعمیر ۱۹۷۱ء کے آخر میں سے زیادہ ہے۔

۱۹۷۱ء کے دوران جن کموں کی تعمیر مکمل ہوئی ان میں علاوہ دیگر کموں کے ساتھ میں یہ ہیں۔
 ۱۔ ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا لنگا دی
 ۲۔ ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا کانی
 ۳۔ ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۴۔ ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۵۔ ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

آرام گاہ، کھجور با، بچوں کے مارگ، سروں کے بارگ، بلچ اور ایک مسووعی جمیل کی تعمیر کی جائے گی اس کے علاوہ سائون کی حد یہ سولین فرم کی حاسر کی۔

حکومت نے اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

حکومت نے اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

حکومت نے اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

حکومت نے اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

حکومت نے اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ
 ۱۹۷۱ء میں ۱۹۷۱ء کے آخر میں ۱۹۷۱ء کی لاکٹ کا ریگیا مالہ

۱۶۵۹۱۷۸ روپے، یعنی سال ۱۵۲۳-۱۵ روپے مطلق
۱۵۵۰ روپے، علی گڑھ ۱۴۸۰-۱۳۹۰ روپے، سہانچور
۶۲۲۳۷۵ روپے اور دیوریا ۱۲۱۸۹۹۲ روپے۔

حکومت کی سٹائی، بھویرکاشت اور انحصار وھند شکار
۷۰۰ روپے، جس کے حکم کے تحت اس نسل کو فنا ہوئے
۷۰۰ روپے کے سرگرم اقدامات کر رہے ہیں۔

ریاستی حکومت نے عوام کو متنبہ کیا ہے کہ وہ ایسے پالیسی
پالیسی کو تیار کرے، فروخت کرے یا استعمال کرنے سے احتراز
کریں جن پر انہوں نے یا ان کے اور دیگر پالیسیوں کے
شانات لگے ہوں کیوں کہ یہ غیر قانونی ہے۔ ایسے پالیسیوں
کی تیار یا استعمال "معاویہ اوزان اور پالیسی ایکٹ ۱۹۵۶" اور
"آرڈر برائے وزن اور پالیسی ایکٹ ۱۹۵۹" کی دفعات
کی خلاف ورزی ہے اور خلاف ورزی کرنے والے پر مقدمہ
چلایا جاسکتا ہے۔

ریاستی حکومت کے ذریعہ پالیسی فروشوں سے جاری
حاصل کیے غیر پالیسی فروشوں کا کاروبار بھی مذکورہ بالا ایکٹ
۱۹۵۹ء کی دفعات کے خلاف ہے جو ایک قابل سزا جرم
ہے۔ چنانچہ بیویا ریلوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے متعلقہ
حلقے کے وزن اور پالیسی کے سسٹم کنٹرول سے لیسنس
حاصل کر لیں۔

مستفقات

صنعتی انجینئرنگ میں پوسٹ ڈپلوما کورس۔ ریاستی حکومت
۷۰۰ روپے، سرکاری بانی ٹیکنیکل مرزا پور میں آئندہ بھی سال سے صنعتی
انجینئرنگ کا ایک سال پوسٹ ڈپلوما کورس شروع کرنے کا
فیصلہ کیا ہے۔

یہ کورس صنعتی پیداوار میں اضافہ کرے اور توسیع پر صنعتوں
کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کرنے کے پیش نظر اہل انجینئروں
کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لیے شروع کیا جا رہا ہے۔
اس کورس میں ابتداً دس امیدواروں کا داخلہ کیا جائیگا۔
اس کے لیے سالوں کے واسطے ۱۰۸۶۰۰ روپے کا بندوبست

۱. اعلیٰ دفاع فنڈ میں گزشتہ ۴۴ تک تقریباً ۷۰۰
۷۰۰ روپے کی رقم جمع ہوئی تھی جو ۱۹۶۲ء میں دفاع فنڈ
کے عطیات کی مجموعی رقم تقریباً ۲۷۰۰ روپے سے بھی
زیادہ ہے۔

میرٹھ ڈویژن نے ۷۵۳.۱۹ روپے جمع کر کے یہاں مقام
مائل کیا ہے۔ اس کے بعد ترتیب وار روہیلکھنڈ ڈویژن
نے ۷۵۶.۵۲۷ روپے، گورکھپور ڈویژن نے ۵۱۲۳۳۱۳
روپے، آگرہ ڈویژن نے ۳۹۸۶۱۹۵ روپے، لکھنؤ ڈویژن
نے ۳۷۷۳۳۲ روپے، فیصل آباد ڈویژن نے ۷۷۷۷۷۷
روپے، کپڑوں ڈویژن نے ۲۷۷۷۷۷ روپے، وارانس
ڈویژن نے ۲۷۷۷۷۷ روپے، جھانسی ڈویژن نے
۷۷۷۷۷۷ روپے، الہ آباد ڈویژن نے ۷۷۷۷۷۷ روپے
اور گڑھوال ڈویژن نے ۷۷۷۷۷۷ روپے جمع کیے۔

کپڑوں ڈویژن نے فی کس ۲۹ روپے عطیہ دے کر یہاں
مقام مائل کیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مقام میرٹھ ڈویژن نے
تیسرا روہیلکھنڈ ڈویژن نے اور چوتھا مقام جھانسی ڈویژن
نے حاصل کیا جہاں فی کس عطیہ کی رقم بالترتیب ۷۶ روپے،
۷۶ روپے اور ۵۴ روپے ہوئی۔

ریاست کے امداد پالیسی ڈویژن نے ہڈ کے لیے ایک
کرڈ ۷۰ روپے کی رقم جمع کی۔ اس کے علاوہ اتر پردیش تھری
کونسل نے وزیر اعلیٰ دفاع فنڈ کے لیے ۱۵ لاکھ روپے جمع کیا ہے۔
وزیر اعلیٰ دفاع فنڈ میں دس اضلاع سے سب سے زیادہ
رقم جمع کی ہے جن کے نام مع رقم درج ذیل ہیں۔

میرٹھ ۳۳۸۱۵۷ روپے، بستی ۱۹۰۷۵۱۹ روپے،
بایوں ۱۷۹۳۵۰۰ روپے، گورکھپور ۱۷۹۰۰۰ روپے، بریلی

دہرودون) اور فلاٹ لفٹنٹ این گلوہجا، فلاٹ لفٹنٹ گلرہکا کا انعام تری سٹی ایم۔ ایم۔ بنگہ (سہارنپور) کو دیا جائے گا۔

اخبارات کے خلاف کارروائی، تقریرات ہند کی دھ ۱۹۳۱ء کے تحت سن ۱۹۱۹ء میں جن ۷ اخبارات کے خلاف فرقہ داریت پھیلانے کے سلسلے میں کارروائی کی گئی تھی، ان میں سے ۳ اخبارات اردو کے ہیں۔

یہ اطلاع وزیر اعلیٰ تری کلپتی تریا لکھنے دھان بھجا کے سوالات کے دفعہ میں ایک سوال کے جواب میں دی۔

کیا گیا ہے۔ ہوا سب کے مین جوانوں کو نقد انعامات۔ جاہر ہند پاک جنگ کے دوران غیر معمولی سادری کا مظاہرہ کرنے والے ہندوستانی ہوا سب کے مین فوجوں کو مین ہزار روپے فی کس کی شرح سے نقد انعامات دیے جائیں گے۔ ان فوجوں کو دیر چیک کے اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کو دیر چکر کا اعزاز پہا اور مرگ دیا گیا ہے۔

انعامات یا سنے والوں کے نام یہ ہیں۔ فلاٹ لفٹنٹ آر۔ اے۔ میسی (اد آباد)، فلاٹ لفٹنٹ جے۔ بی کلپالی



کلام انیسے میں تغزل (صفحہ ۳۱ کا صفحہ)

وغیرہ اشعاروں کے دیوان زیادہ تر سحری اور ہر کنی اشعار سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ فنی تیر کے سحر کلیات ہیں بقول مولانا عبدالحق، وطبہ یا اس سے، تھا ہوا ہے اور بقول مولانا آزاد، بستی نقابت بست و بلند شہادت بلند، سحر کی طویل فہرست میں ایک انیسے ایسے شاعر دکھائی دیے ہیں جن کے کلام پر ہمیں وطبہ و یا اس کا اطلاق ہو سکتا ہے کہیں پستی، ابتدال یا عامیاء، پن کا پرلو اس پر پڑا ہے۔ انیسے کا یہ دعویٰ کہ "سحری سے کلام ہے معز میرا" میں دس درست ہے۔

کلام انیسے ایک مندر ہے جس کا طوفان اُٹھلا چلا جاتا ہے اور جسے کا نام نہیں لیتا۔ ان کے کلام میں حدبے حرر نہیں معلوم ہوتا ہے حیالات، جذبات اور الفاظ و برا کیمب کی ایک قوی ہے جو پے انیسے ان کے ختم و اوپر کے اشارے کی منتظر دسب بستہ کھڑی ہے کہ جب آفا کھرو دسے اور کب تعمیل کے لے حاضر ہوں۔ مختصر یہ کہ ہم میر انیسے کو سمجھ نہیں سکتے کہ ان کے مترانج سحرے آدود، ہر دور کہہ سکتے ہیں اور دنیا کے عظیم شاعروں میں انھیں شمار کر سکتے ہیں۔

بجائے تار نفس ملن میں جیسے کے لیے حاکم زمر کے نقد دہتے جیسے کے لیے قیاب ہے دل بھر کا مارا میں بکھر اس فصل کو اصل گواہیں بکھر معشوق کے سوا کوئی پیش نظر نہیں۔ توفیق وصل ہے کہ کسی کی حیرتیں سادی نہیں رہتی ہے سدا م میں جتا دوبا کھی ایک عالم میں رہا جو آہا ہے اک دن اسے دیتے چلنا آگے کوئی دیکھ کوئی ہو سبے روٹا دفعہ کسی دن کا ہے تو عرصہ کھی نہ کا حیدر ہوئی سرل و مکان یکہ سبکا مندرجہ بالا اشعار میں جسی سادگی، سکون اور حاکم کی ہے وہ ماقبل نزدیک ہے اور اس قسم کے لے ہمار اشعار انیسے کے کلام میں رسیاب ہو سکتے ہیں۔

مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں لکھ ہے، "دیباچے سحرے سادو استاد مانے گئے ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کا نام کلام اول سے آج تک خس و لاف کے اعلیٰ درجے رواں نہ ہو۔ یہ خاصیت صرف حد کے کلام میں ہو سکتی ہے" اسی کو صریح روح کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں کہ تیروداد، آر، مصلیٰ،

لے مولانا حالی، مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۳۱۔ لے ایضاً لے مولانا حالی، اشعار کلام تیر (مقدمہ) صفحہ ۱۵۱ لے مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۱۵۱

کاظمہ بی بی۔ ایک ڈی کی ڈگری کے لیے منظور شدہ تحقیقی مقالہ ہے جو کالی بزمِ اصفیٰ کے ساتھ موجود شکل میں متاعِ پرچہ ہے۔

مصنف نے مقدمہ میں تقریباً ۲۵ صفحات پر خوش ہے خواہ میرزا کے حالات، مدنی شخصیت اور تصانیف و تجربہ پر روشنی ڈالے ہے جاہِ اواب پر مشتمل کتاب کے حصہ اول میں تصوف کے مختلف حکایتیں اور درکے نظریات تصوف کو کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں درک کی شاعری سے بحث کی گئی ہے۔ یہ حصہ پانچ اواب پر مشتمل ہے۔ اواب میں اب درک کے تلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے، آخر میں بہت کئی بیانات شامل ہیں۔

۱۰۔ میرزا کے شہرِ قندھار تصوف اور کلام کو سمجھنے کے لیے پیغمبرِ مکتبہ غنیہ حیدرہ سے انتساب کی وجہ سے درجہ بالا ماسات سلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اگر کتاب میں اشارہ بھی شامل کر دیا گیا ہوتا تو اس صحیفہ کی کتابت اور نزوح جان۔

۲۔ قندھار کے قریب کئی اہلِ علم سے، کیا ماسات ہوتا۔

۳۔ خواہ میرزا کے حالات و مدنی بیان کرے میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

۴۔ مقدمہ میں بہت سے حیدر کو متعلقہ طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کی وجہ سے، علی، دربان، قاضی وغیرہ۔

(الف) "مختلف تذکرہ نویس" کا حسن و خصلت کیا گیا ہے، "اعجاز"

(ب) "تمام تذکرے اس بات پر صاف کرتے ہیں کہ دروے ایسے وصال کا"

تو سال نہیں کیا تھا اسی سال ۶۶۵ ہجری میں کمر میں داخل ہوئے ہوئے۔ (ص ۴۲)

یہ دونوں بیان واضح طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کتاب میں آپ حیات کی یاد پر محمد حسین آزاد کے اس قول کی تائید کرنا کی ہے کہ خواجہ میرزا کا انتقال

۶۸۰ ہجری میں ہوا۔ مزید برآں موصوف نے دیوان درویشیہ میرزا علی

کھوسو سے ایک قطعہ تاریخ بھی نقل کیا ہے جس کی دوسری دہائی

۶۸۰ سال کی عمر میں ہوا قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ یقین نہیں کیا جاسکتا

کہ درویش کا حسن و خصلت کیا تھا۔

ہر حال اس کتاب کے مزید حیدر صاحب کی کتابت یا بغیر اس

قابل ہے کہ اس پر مصنف کو مبارک ہو، اس حیدر اور دیگر ادب کے شائقین

کے لیے یہ کتاب دلچسپ و معنی نام کی اور درک کے کلام کو سمجھنے اور سچاے

میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

کاظم علی خاں

مصنف محبتِ نظری۔ ناشر مکتبہ اوقاف

آب و صواب ۱۵ اسی منزل مسٹرٹ کلک ۱۶ (ششوی) قیمت ۲۰ روپے۔

محبتِ نظری صاحب اختر تری، جو عشق و فراق کی اس سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان کی شاعری کے سوتے خشک نہیں ہوئے ہیں۔ آج بھی اس کا منظر اٹھایا ہے۔ عشق کی آواز دوسرے ۱۹۲۰ء میں بھی لکھی، "پتہ اندوہ" میں (شمارہ ۴ ۱۹۶۳ء) شامل ہوئی۔ اب نئی شکل میں شہرِ حیدر میں ہے (۱۵ لائی ۱۹۶۳ء)۔

یہ نئی شکل اس کی تحریر ہے، اہلِ قندھار اس کے مددگار ہیں۔

سے سزاوارتہ لکھی گئی ہے۔

کی شکوہ تحریر ہے۔ "مکتبہ اوقاف" کی ہے۔

یہ قطعہ محبتِ نظری، "ایسے قندھار" میں ہے۔

۱۰۔ حیات میں قندھار کے حیدر میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

یہ آثار، اس شہر کی سڑک پر طائر کرکٹ ہیں۔ شاعر نے اس

میں عوامی حیات کو اپنا موضوع بنایا ہے، اس نے ان تمام مکتوبوں کی نظریات

اور عقائد کا جائزہ لیا ہے، اس کے دوسرے اساتذہ کی حقیقت کی تلاش کو یاد دہا کر دیا

میں وہ لکھتے ہیں، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

آب و صواب ۱۵ لکھتے ہیں، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

محمد حسن کے الفاظ میں اس کتاب کی بھی اہمیت ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

کتاب کی ادبی مکتوبوں میں شامل ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

حیدر، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

اس وقت تک یہ سب کچھ، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

سب کے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

ہر پچاس میں عزمِ فائز، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

میلان سے اپنے ایک لڑائی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

ہر مددِ خام کو کھیل دو، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

فطرت کا مروجہ ہی، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے، "مکتبہ اوقاف" میں ہے۔

4

4

4



سید رحمت علی گرامی، سید رحمت علی، سید رحمت علی، سید رحمت علی
و سید رحمت علی، سید رحمت علی، سید رحمت علی، سید رحمت علی

آزادی کی پچیسویں سالگرہ
(اسپیشل نمبر اگست ۱۹۹۲ء)

28 (5)



[illegible]

تہہ وں کی یادگار (نکستہ)

شرائط و ضوابط

میرے خوابوں کا ہندستان

میں ایک ایسے ہندستان کے تھے۔ ہندوؤں کا جس میں عیب سے سزب آدمی بھی یہ محسوس کرے گا کہ یہ اس کا مینا تک ہے اور جس کی تعمیر و ترقی میں اس کی آواز کی بھی اہمیت ہے۔ اس ہندوستان میں عوام کے بیوٹے بڑے جلتے ہیں ہوں گے اور عام طبقوں میں مکمل ہم آہنگی ہوگی۔ ایسے ہندوستان میں چھوٹی بھات اور منشیات کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ حوروں کو مردوں کے مادی حقوق سے سب ہوں گے۔ ہم چونکہ تمام دنیا کے ساتھ دوستی اور امن و امان کے ساتھ رہیں گے اس لیے ہمارا استحصال ہوگا اور نہ ہم کسی کا استحصال کریں گے۔ ہماری فوج ممکن حد تک کم سے کم ہوگی۔ ایسے تمام ملک میں سرکاری مفادات کا احترام کیا جائے گا جو کڑوں بے آواز انسانوں کے مفادات کے خلاف نہ ہوں گے۔ ذاتی طور پر ملک اور غیر ملکی کے اختیار سے مجھے نفرت ہے۔ یہ ہے میرے خوابوں کا ہندستان! اس سے کم میں مطمئن نہیں ہوں گا۔

— ہما تہا گاندھی



پیغام

اس سال ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں میں گزشتہ سال کے عیسوی سال کا یہ زمانہ آزادی اور
تکلیف کا زمانہ رہا ہے۔ لیکن ہم نے کاسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں ہمارا ملک زیادہ طاقتور اور
بادہ تدبیر نہیں ہو گیا بلکہ اپنی سرحدیں محفوظ رکھیں۔ یہ سب کے اس کے لئے اس کے لئے ہو گئے ہیں۔

جمہوریت کا قیام عمل میں آئے گا اور اس سے اس کے لئے جو دو کتابت تھی کہ یہ ہے لیکن معاشی آزادی معنی قوم
میں معاشی خود اعتمادی پیدا کرے اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کا کام انجام دیا۔ یہاں بھی بات ہے۔

انقلاب اور آزادی کے ستر کے کی جو ہم ہمہ شرح کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ملک کے تمام لوگ
اجتماعی حقیقت سے اس کام میں ہاتھ ڈالیں۔ یہ کام کا حکم عزم اور ہر وہ اشتراک و تعاون ہی تھا جس
کی مدد سے ہم کو سیاسی آزادی ملی۔ ہمارا نصب العین اس کا واضح اور سیرسہم ہے۔ لیکن چونکہ کسی اور ملک کے
اس طرح کے پیچیدہ حالات میں اتنا عظیم کام انجام میں آیا ہے اس لیے جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں ہیں اپنا
دست خود متین کرنا ہے اور ان کاموں کے مقصد کے لیے تیار رہنا ہے جو درپیش ہیں یا آئندہ پیش آئیں۔

آئیے ہم اس نئے سماج کی تعمیر میں خود اعتمادی، دست و استقلال کو اپنی سفوف میں جس میں ہر شخص کا اضافہ
اور سیاسی مواقع کی ضمانت دی گئی ہو، جہاں ہر قوم کو ترقی کرنے کا پورا پورا موقع ملے جس میں تمام افراد و قومیں
جمہوری نظام کو بڑے کالافے میں برابر کے شریک ہوں اور ان کے پٹوں کے تھیلے میں آزادی کا پورا پورا احساس رکھتے ہوں۔

سندھ
استدکاکا
دریہ

نئی دہلی
یکم اگست ۱۹۴۷ء

(راجپوتی سے ترجمہ)

شمارہ ۳۸۹ء

پنجاب حکومت

۴
اِکْلَامَةُ نَبَاكَوْنِ

آزادی کی پچیسویں سالگرہ

کی تہنیت پیش کرتا ہے

شراذم ۳۰۹ انگ

پیشکش

اپنی مثال

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو بھاری آزادی کے ۲۵ سال پورے ہو رہے ہیں اور ملک بھر میں ۲۵ ویں سالگرہ کا جشن منانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی طے پایا ہے کہ جن سال گرہ کا سلسلہ سال بھر جاری رہے گا۔ ہم جس آزادی کی پچیسویں سال گرہ منارہے ہیں وہ بڑی مشکلات، پریشانیوں اور بکھیر بھیلے اور قربانیاں دینے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ آزادی کی راہ میں تو قریباً ۱۵ سال دی گئیں وہ جاں و مال گھر بار اور عزت و فخر سبھی طرقت کی تھیں اس لیے مسکوں سے خالی کی ہوئی اپنی آزادی کا جشن بھی ہم نے شاہان شان طریقے سے منایا اور آج صبح کہ اس آزادی کو رتن صدی کا سوسہ گزہ چکا جو ہم ۱۵ سالگرہ کا جشن منارہے ہیں جیتھ صرف یہی نہیں ہے بلکہ ان ۲۵ برسوں میں ملک جن حالات و مشکلات سے گزرا، جن مصائب اور پریشانیوں کا اسے سامنا کرنا پڑا جو مسائل درست ہوئے اور جس طرح کے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، درحقیقت اس پر قابو یا کرنا ایک مستحکم تر قوم کی ضرورت سے اٹھنے اور عالمی برادری میں اپنا ایک متاثرہ اور باوقار مقام بنانے، ترقی کے سفر میں حیرت انگیز نتائج سے بڑھ کر اپنی دفاعی اور بہت سی دوسری ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہوجانے کی فوری ضرورت تھی جو بالکل تدریجی اور آہستہ آہستہ کی جاتی تھی۔ اس لیے کہ کسی ملک کے اس قلیل ملک میں اتنی ترقی کی ہو۔ اگر کوئی سال طے کی بھی تو نہ وہ ملک اتنا بڑا اور اتنا وسیع ہوگا۔ نہ اس کے مسائل اتنے پیچیدہ رہے ہوں گے اور نہ ان حالات میں اسے آزادی ملی ہوگی جن حالات میں ہندوستان کو آزادی ملی۔ اس کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آزاد ہونے کے بعد ۲۵ سال کے عرصے میں کسی ملک پر چار بار حملہ ہوا ہو اور جو کشمکش کی گئی ہو یہ بھی ہمارا ہی کارنامہ ہے ہم نے ۱۹۴۷ء میں آزاد ہونے کے بعد سے ۱۹۶۵ء تک کے فیصلے عرصے میں چار دفاعی جنگیں لڑیں اور چاروں مرتبہ ہمیں کامیابی حاصل ہوئی جس سے ہماری ساکھ اور بھی بڑھ گئی۔ اس لیے اپنی ۲۵ سالگرہ مناسیوں اور ترفیہوں پر خوش ہونا اور جیتھ منانا بالکل فطری ہے۔

اس موقع پر ان ہزاروں افراد کی یاد آتی ہے جنہوں نے جدوجہد آزادی کے جہم میں قید و بند کی سختیاں جھیلیں، اپنے گھر بار، امانتے اور جائیدادیں ساتھ دھویا، مرتے مر گئے مگر آزادی کی جدوجہد کے جہم کو سرنگوں نہ ہونے دیا یہ انہیں کے ایثار و قربانی، عزم و مصہم اور اہل ارادے کا نتیجہ ہے کہ ملک آزاد ہوا۔

اب ہمارے کام کوئی باری ہو رہا ہے اپنے لیے سوشلزم کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی راستے پر گامزن ہو کر ملک کو خوشحالی اور خوشحالی کی منزل تک لے جانا ہے۔ ملک کے عوامی اور نا برابری کو دور کرنا ہے۔ مرکز اور ریاست دونوں کی حکومتیں اس مقصد کو سامنے رکھ کر یک دگر کام کرتی ہیں۔ لیکن یہ تنہا حکومت کو مستحکم کرنے کا کام نہیں ہے اس کے لیے ہم سب کو اس کو خوش

شریف وارڈ ۱۰۰۰

دولتِ سیمیں

شمیں کوہانی

نظرِ نظر کو مبارک ہو یہ عظیم سحر
جو ظلمتوں کے قفس سے گزر کے آئی ہے
کون کون پہ ہے ہر تبشیمِ آبِ ی
کہ مقتلِ شہداء سے نکھر کے آئی ہے
سیاہ خانہٴ جمہورِ وقت کی قندیل
فرازِ دار و رسن سے اتر کے آئی ہے

سحر کے نام سے دل جس کو یاد کرتا ہے
وہ جامِ سرخ ہے زندانِ تشنگی کے لیے
برائے چہرہٴ عالم ہے بوسہٴ اخلاص
تو حشرِ نرم ہے بیمارِ نیم شب کے لیے
جو قید خانہٴ ماضی سے پھوٹ نکلا ہے
وہ زندگی کا اُجالا ہے اور سب کے لیے

خدا کرے کہ امن کی یہ دولتِ سیمیں
جہاں میں صورتِ کعبہٴ شراب اور بڑھے
زمینِ پیار کی شبنم سے بھیگتی جائے
مسکوں کی نیند، محبت کا خواب اور بڑھے
نگاہِ پد سے رہے دورِ صبحِ آزادی
جمال اور فزوں ہو شباب اور بڑھے

آندھیرے سے اُجھالے تک

ہندوستان کی صدائے احتجاج آزادی سے متعلق تمثیل منظومہ

مارش بک گروہی

پہلی آواز _____ ہونے والی اس جھللاں
دوسری آواز _____ ہونے والی اس جھللاں

پہلی آواز

سرت نہیں تقدیر کو مٹے دہشت
جسے راہ کی ظلمت سے کہاں ڈرتے ہیں
دولے سختی ماحول سے کب مرتے ہیں
رجستی رات کے پردوں میں نہیں رک سکتی
زندگی موت کے قدموں پہ نہیں حک سکتی

لو کہ نو بیدی کے عالم میں سہارا جاگا
راٹ کی گود میں وہ ایک سناوا جاگا

لیکھا اس ایک ستارے کی حقیقت کیا ہے
آنکھیں رکھتے پو تو دیکھو کہ یہ ظلمت کیا ہے

پہلی آواز

دوسری آواز

یہ بھی کیا کم ہے کوئی لے کے اجالا تو اٹھا
کوئی اس رات کو لٹکانے والا تو اٹھا
صرت ہم سا اٹھا وہ بھی بہت ہوتا ہے
ایک شے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے
زندگی کوئی ہے جاں نیش سہارا ہے کو سلام
رجستی کرتی ہے اس پہلے تارے کو سلام

سرسبز شام بھرتی ہی جیلی جاتی ہے
دشمنی ہا پتی مرنے ہی جیلی جاتی ہے
آرزو جس کے عالم میں گھٹی جاتی ہے
دل میں ادیتے سہاتے ہی چلے جاتے ہیں
اسی خوف ڈراتے ہی چلے جاتے ہیں
ٹہنیاں پردوں میں رنجیر سی پہلے لگیں
جھاڑیاں بھوت سے کچھ بڑھ کے خطرے لگیں
یتیم تالی بجاتی ہیں کہ دیوانہ ہے
جس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کہاں جانے
لو کہ رات آنکھیں ظلمت میں نظر ڈوب گئی
سینہ شب میں ہر اک راہ گزر ڈوب گئی
رات آتی تو سبھی نیت میں مدد بخش دے
دولے سر ہوتے حوصلے جا بوش دے
سخت ہے رات، شام ہے کہ جی جانیں ہم
تن پہ تقدیر اسی موڑ پہ رگ جائیں ہم
دوسری آواز: سخت ہے رات یہانا، سگر انجی بھی نہیں
کہ کچھ ہی دیا ہے کسی تارے کی حسین
ہم جو ٹھہرے تھے تو سامان سفر کھو دیں گے
ہم جو دم لیں گے تو ارباب سحر کھو دیں گے
عقل سے دور ہے ظلمت کے پیڑے سہنا

پہلی آواز: جنگ آزادی کی جھللاں

شیراز مظہر ۹۳ء اشک

سادہ

پہلی آواز:

وہ تارا تو اندھیرے میں کہیں ٹوٹ گئی
ہاتھ سے دامن اسید و یقین چھوٹ گئی
شرف نفس راہِ سبزی ہوئی چلی جاتی ہے
رات بھر اور کھن ہوئی چلی جاتی ہے

دوسری آواز:

کھو گیا سینہ شب میں وہ تارا لیکس۔

پہلی آواز:

اب اُجالے کا قصہ بھی نہیں ہے ممکن
صرت شمعے ہوئے سناٹے، بھانک سائے
کوئی بگڑے بھی پر افشاں ہو تو وہ مر جائے
ظلمات اُنی گھبرائی ہیں کہ دل ملتے ہیں
رات کے پاس اُجالے بھی کہیں لٹے ہیں؟

دوسری آواز:

زندگی بزرگوں کو جس لمحہ عسدا دیتی ہے
رات خود جانداروں کو بگا دیتی ہے

پہلی آواز:

اُٹھو کار۔ ستاروں کی نگاہیں جاگیں
منشعلیں چونک اٹھیں ہوئی راہیں جاگیں
راستہ بیاہنے رہو، ہم سفر دلا آگے بڑھو
دھروں جاگ اٹھو، راہ گرد آگے بڑھو
دوستو! نذرہ ہنگام سحر آیا ہے

پہلی آواز:

کہاں آیا ہے اک آیا ہے، کہہ دیا ہے؟
ہاتھ میں جتنے بھی اُٹھ آئے وہ سب چھوٹ گئے
تالے کھدیر کھتے رہے۔ پھر ٹوٹ گئے
ان ستاروں سے عداوتے اظہار نہ سکا
رات کا کفر تو کسی طرح بھی کم ہو نہ سکا

دوسری آواز:

تیرگی نور کے دھاروں پر کبھی چھا سکی
موت سے کھلنے والوں کو اہل پاؤ سکی
بیچ مٹا ہے کہ بو کوئی گل تر پیدا
ناب ہے کتنے ہیں کہ ہو حرمِ سنو پند
یہ بھی تسلیم بہت سخت اندھیرا ہے ابھی
یہ بھی تسلیم کہ دکھ درد کا پھر ہے ابھی
لیکن۔ اب رات کے سینے میں کشاکش کیسی ہے
دیکھو، وہ دیکھو افق پر۔ وہ تک کیسی ہے
جانے۔ حکمت نورِ تجلی کا سفیر
آخرت جاگ اٹھی ذوقِ عمل کی تقدیر
متعلیں تیز کر۔ راہیں مہکتی جا رہیں
ظلمات سے یہ کہو دور سرکئی جا رہیں
جاندار کو اٹھ کے سحر بار بسا دو بارو
رات کو موت کا پیغام سنا دو بارو

پہلی آواز:

جاندار بھی تو وہی ایر۔ وہ ڈر آیا
پھر وہی رات، وہی گھبرا گھبرا سا آیا
پھر وہی فکر کہ انجام سو کا ہو گا
کوئی رہبم نہ کوئی راگنذر۔ کھتا ہو گا
اور گہری ہوئی، کچھ اور بھی گہری ہوئی رات
اور اک بار اُجالے کا سفیر ہوئی بات

دوسری آواز:

خبر ہم بار گئے، خبر کوئی جیت گئی
پھر بھی اس درد کا کیا ذکر ہو سکتا گئی
دل سے ناکامی کا احساس سنا دیتا ہے
دقت ہر تلخی ماضی کو بھلا دیتا ہے

کہ انکے منہ پر "ہمدردی اور پھر ارد" کی نوا کی تحریک

پہلی آواز:

جوش دل تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو
رات کے پاس بسے ظلم سہی، رات سہی
مینے والا ہو تو پھر زہر کا بھی دور سہی
ایک دو لمحہ پہ ہسکوں کی جھڑی اور سہی
صبح کے واسطے غم کی یہ گھڑی اور سہی
رات خود اپنے اندھیروں ہی میں گھولے گی
صبح تو ہوتی ہے اور صبح تو ہوجائے گی

پہلی آواز:

پہلی آواز:

دوسری آواز:

صبح ہو جائے گی! آنا ہی نہیں دل کو یقین
وہ بھی سینہ تب ہی میں نہ گھول جائے کہیں
تیرگی اور بھی ایک مار نظر چھین نہ لے
ڈر رہا ہوں، کوئی یہ خواب سحر چھین نہ لے
یابہ زنجیر آجالوں کی سواری نہ رہے
رات کی لاش کہیں صبح پر بھاری نہ رہے

دوسری آواز:

تیرگی اپنی جگہ صبح کو دے جائے گی
رات کی لاش تو خود رات ہی لے جائے گی
سلاخا کو کہ نضا زیت سے معذور ہوئی
وہ بھی، صبح ہوئی، ظلمت شب دور ہوئی
روشنی رات کے پردوں سے ابھر ہی آئی
زندگی موت کو ٹھکرائے، مگر وہ بھی آئی
مارے چڑوے تھے، انوار سحر نہ کھٹے
خون کے قطرے گھوٹے اور گلی تر ہو گئے
موج زیت کی رفتار پہ قابو نہ لایا
رات کو صبح کی لٹکار پہ قابو نہ لایا
قید بھی جرات پر دانہ سکو جھٹلانے لگا
تیرگی زور کے اٹھار کو جھٹلانے لگا
قسمت زیت فقط ہر وقت لگتی تو نہیں
رات تاریک نہ ہوتی ہو، دوامی تو نہیں

موج دتی ہے جو کوئی تو آجھیلنے کے لیے
ٹھوکریں کھاتا ہے، انسان شہیلنے کے لیے

لیکن اب آس تو مرنے ہی چلی جاتی ہے
رات کی زلف بکھڑتی ہی چلی جاتی ہے
رات کی زلف بکھڑتی ہے بکھر جانے دو
درد اگر حد سے مگر رہتا ہے، مگر چلے دو
یہی ہستی ہے ظلمت کا کما جاتا ہے
موت سے قبل سنبھالا بھی لیا جاتا ہے
رات کچھ اور بھی ہسکے گی، سک جلائے گی
آتش درد ابھی اور بھڑک جائے گی
دنک شب رنگ و سیاہ تاب جھلک جائے گا
قافلہ اجنبی راہوں پہ بھٹکتا جائے گا
تیرگی اور بھی ماحول پہ بھا جائے گی
رات ہم سب کی رگ دے پیا جائے گی
اور پھر رات کے چھکے پہ چمک لے گی
ظلمت شب کی قبا کھل کے ڈھلک جائے گی
تیرہ ماحول کے ماتھے سے کرن بھوٹے گی
قید غلامات سے ایک ایک نظر چھوٹے گی
یہ جو پردوں میں ہے، ریخیر سے توڑے گی
رات کی زلفیں سنسنی ہی چلی جائیں گی
ظلمت راہوں سے سنسنی ہی چلی جائیں گی
اک کرن آئے گی، ناپچے گی کھٹک جائے گی
صبح ہو جائے گی، یاریب چھٹک جائے گی

پہلی آواز:

کون جیتا ہے مگر زلف کے سر ہونے تک

دوسری آواز:

فاصلہ کچھ بھی نہیں ایسے سحر ہونے تک
حوصلے زندہ رکھو، شوق کو ہمیز کرو

۱۵ اگست سنہ ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۲۱ء

شیخ محمد امجد

بہار آزادی

سورواحدی

بہار نام نہیں عیش و کامرانی کا
بہار زندہ ہے گاندھی کی آبیاری سے
بہار رمز ہے قدوائی کی مانت کا
بہار نام ہے ادراقی زندگانی سے
بہار تازہ ہے راجندر کی ریاست سے
بہار یہ ہے کہ ہر لمحے میں ہوں پھول

پچیس سال کا عرصہ بہت ہے جیسے کو
فضا بتاتی ہے اقوام کے قریب کو

یہ سن سیں ہے اس دور کے عوام کا جشن
یہ سن ملک کی ایک خوش سلیکی کا ظہور
یہ جام جم کی حسین محفلوں کا نص ہیں
یہ سن کمنا مارت کی سازتوں سے انگ
یہ جشن وحدت ہستی کے اعتراف کے کرتو
ایکجا ہے دور محبت میں یکتا کا مقام

ابھی تو چلتے ہیں لیکن
ابھی تو خانے والے

یہ سن وہ ہے کہ جس کا نہیں جواب کوئی
یہ شہر باغ ہے حضرت محل کی یادوں کا
نظر واز ہے دلی کی جاندلی بھی مگر
حسین قصور ماضی نقوش مستقل
یہ سن حسرت کی کلوں دیر کی مے رنگیں
یہ سن یقین ہے ہر آدمی کی سبکی کا
یہ سن چلتی جاتی ہے دیوار برمت سرایہ
تضاد قول و عمل کا ہے سیکہ کی حرکت

زمانہ اہل ادب کا مقام پوچھے ہے
یہ آپ کون ہیں ہر شخص نام پوچھے ہے

شجرہ نور

فضا ابن حفصی

نیا لوگے تہذیب کی انگلیوں کو
کچلے کچلے ہوئے خوابوں کا باغچن جاگے
طرجمہ کے حالات کے نقائصوں کو
حسین دقت کی سوئی ہوئی سٹکن جاگے
کھلائے بھول صبر و زبان کی آواز
شور خوش نصیبی کا جس چہن جاگے
صلیب و دار کی آواز گیت پر بھول جاگے
بکھا تھا ساہے جو سوہ جان، تن جاگے
یسا سہ رہہ دلاں جنوں کا منشا بھی
معرال کے آپگاہ سے سخن جاگے

جو تم بحر رگے ان سرلوں سے آسودہ
تو بھلی کوئی تو بزمِ فنا اٹھائے گا
تجاریں مہ و فراست کے گیت گائے گا
کچلے کچلے گام کا کہ یہ سارے زمانہ تھے
غیب صلیح تھے، انصاف کا حراز تھے
جہانوں کا مریخ، دنیا کا میکہ تھے
اخوت اور مساوات کے پیسہ تھے
وگرنہ سوچ لو یہ بھی کہ دقت اور تازیانی
کبھی کسی غلطی کو معاف کرتے نہیں
یہ ڈھونڈھ لینے ہیں سجاویں کے قافیوں کو
جہوں کہ نظری کو معاف کرتے نہیں
محافظ کرتے نہیں نام و تاج کا
وہ کوئی باز یہ کسی کو معاف کرتے نہیں

کبھی کبھی مڑی شدت سے سوچتا ہوں میں
کبھی نہیں مرے ماحول کی کشیدیں
جوانی، سوز، بوجھت کا بغیر ہے کیوں
نکس میں وہی تھکے کیوں جھکت ہے
قدم قدم یہ وہی شہر دور گار ہے کیوں

بچیں سالہ یہ "تقریب حبش آبادی"
کچھ اور لیکن بدعت و کامروں پر
کچھ اور لالہ چکان و طرب فشاں پر
نغمہ اور قہقہہ، تہمد حس و جان پر
جو درمیان میں نہ ہوتی تحصیل کمرست
جو راستوں میں نہ ہوتی صلح و برہم پس
جو رنگ میں نہ ہوتی یہ قدر نص و دعاد

مرے قلم کے ایوان و رفیع، ہر صوبہ
کچھ ایسا راستہ سوچ، کچھ ایسا کام کرد
جو قلب و روح کے زخموں کو تھیل کر لے
وہ شہر تھک جو اس دور کے نقائصوں کو
حسین و غور و غفلتوں میں منتقل کر دے
وہ حد نہ ڈھونڈھ کے لاؤ مسکلتے سببوں سے
جور و دقت، کھلوں کے مقفل کر لے
دیار شرق میں ماند کرد وہ اصلاحات
ساد و پس و لطر کو جو مصلحت کر دے
جو زندگی کو سہوارے، نظر و دل کر دے

شباب کہ نہیں لے، نیند سے بدن جاگے
خدا تو نے، نثر چیک، ابچن جاگے
رندہ نونی ملے کا بار، ہم نفساں
غزل کی آنکھ کھلے، غزہ سکھن جاگے
حدیث لطف کی خوشبو سے پھٹیں ہمیں
خوف گرم سے محراب ہنکروں جاگے

نشان فتح ہے بسردہ اگست کا یہ دن
نئے لفظ سے بند و دست کا یہ دن

یہ دن تو اک سحر و سحر، سحر واد
اسے لو کہ حرارت سے تم نے پیچھا تھا
یہ سستی نصیبوں کا منہ ہے نہ آد
جسے بڑھال تنوں کی ٹھنکی حسیتوں پر
سط شعاع کی صورت میں تم نے کھا تھا

ہوئے ہمیں برس، سب تمہاری دھرتی پر
یہ کاروان مہ و آفتاب اترا تھا
وہے ہمیں برس جب تمہاری آنکھوں میں
یہ ست و سرخوش و دلدار خواب ہکا تھا

آفتی سوندتے رہے، ار سحر دکتی رہی
جوان بختے رہے، تیرگی جھلکتی رہی
دیں شب سے احوالوں کی تحصیل رہی
کلی چھلکتی رہی زندگی، ہسکتی رہی
یہ میکہ عہد کے جہوں کی سہی، نیا
نئے شوخ قدموں کی چاب سستی رہی
جواہروں کے خیاباں سے بھول جیتی رہی
درد و حسہ رہی اور گیت مٹی رہی

بڑے نور، مڑی آگہی سے لوگوں نے
دیکتے جاگتے خوابوں کی باسبانی کی
خوار حد سے بڑھا تو نہ کو تھکا یا
سوہن لے کے سراو کی باسبانی کی
صبا کو ندر کا خوشبوؤں کا سرمایہ
سہارن کے گلابوں کی باسبانی کی
گرہاں ہر گل رہی دختا بندی
رہ صفت سوچی و تمکین داؤد و سندی

جشنِ یمیں

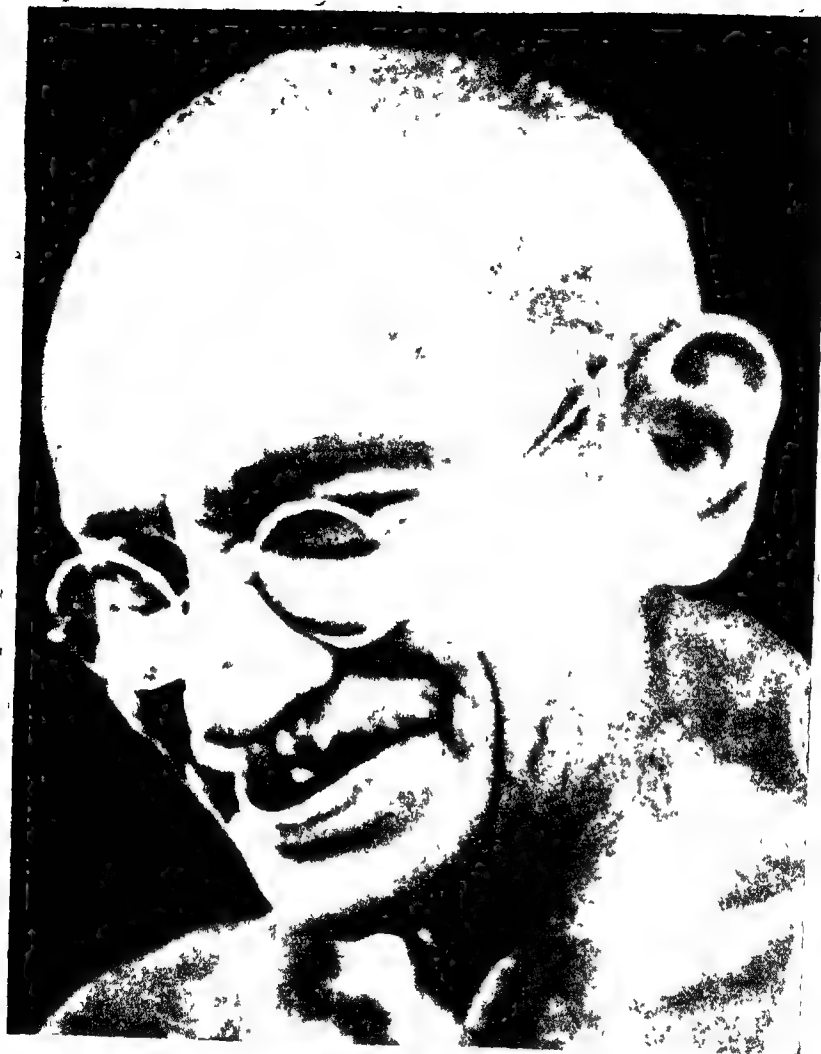
مذہبِ باری

الفراق اسے مری آزادی کے چھبیس سال
 قے دی وقت کے چنگیز و ہلاکو کو شکست
 تونے سلجھائی ہے ابھی ہوئی زلف بنگال
 تونے ہی فتح کی دولت سے کیا مال
 جس کو اپنا زبانیہ قریب تو ہے
 ہے مرادیش انگلی تو گھینہ تو ہے
 خون ہے دھوکے غبارِ رخ تاہاں تونے
 حسین بنگال کیا سب یہ نمایاں تونے
 پیارے بھارت کے جوانوں کا ہونے کر
 ارضِ مقتل کو بنایا ہے گلستان تونے
 کج بھی نقش ترا سب سے جواں باقی ہے
 موت کے سہ پہرے کا نشانہ باقی ہے
 زندگی آکے رہی بن کے رہا بنگلہ دیش
 کال کے گاؤں میں کرنے لگا جیون پر دیش
 لوگ لہرانے لگے دھان کے پودے کی طرح
 نمایاں دینے لگیں سب کو خوشی کے سندیش
 جس کا عنوان ہے شملہ وہ شانہ تو ہے
 جس کو گاتی ہے محبت وہ ترانہ تو ہے
 بڑھ کے چھبیس صنفی پہ کہانی آئی
 سے آزاد دطن تیری جوانی آئی
 ڈوبا صہبائے شفق رنگ میں دن کا راجہ
 لے گے گیو کی گنگ رات کی رانی آئی
 آزد سونی بھی کاندھے سے ملا کر کاندھا
 بھر دیں پھر گھٹی جب اب نے جوڑا باندھا
 جائزہ پھولوں کا لیتی ہوئی مائن آئی
 سر کرتی ہوئی دوشنبہ گلشن آئی
 میری آزادی کے دن تیرا جہنم دن آیا
 زندگی لے کے ہمارے رخ روشن آئی
 رند سے ہوئے بیٹھے ہیں گھٹا چھائی ہے
 ہاتھ میں جام بے بندہ اگت آئی ہے

دل کے ہر دماغ کو ہنس کر سہتا ہوں کروں
 گھر تو گھر ہی ہے کھنڈ کو بھی سجاد باد
 آج ویرانہ بھی ہم رنگ ملکستان کروں
 جنگ ٹھکے نہ ختمی شکل سے بربادی کا
 جشن بیکش ہے مرے دلکش کی آزادی کا
 پھول کی طرح سے زخموں کو ہنسنا ہوگا
 لب تک آئے نہ کوئی درد میں ڈوبی آواز
 آہ کو واہ کے پردے میں چھپانا ہوگا
 آج غربت سے کہو دوسری منزل میں رہے
 پیٹ جلنا ہے جلے روشنی محفل میں رہے
 آگے اوروں کے نہ جھکنے کی قسم کھائی ہے
 ہم نے ملتی ہوئی امداد بھی ٹھکرائی ہے
 امن کے واسطے جیتی ہوئی دھڑکنے کر
 اپنے آدرش نے دنیا پہ دجے پائی ہے
 خط پہ خط آج مرے دلش کے نام لے ہیں
 ساری دنیا سے محبت کے پیغام لے ہیں
 میرے سامان کا شہرہ ہے خریداروں میں
 دیکھتے ساکھ مری دوسرے بازاروں میں
 تھے جو دشمن کبھی وہ دوست نظر آنے لگے
 بھونک دی روج و فاقہ میں نے جفا کاروں میں
 اب مرا ملک کسی ملک کا محتاج نہیں
 کل تھا جو حال مے دلش کا وہ آج نہیں
 خنکی صبح بھی ہے گرمی پیکار بھی ہے
 زندگی ڈھال بھی چلتی ہوئی تلوار بھی ہے
 زہر کے گھونٹ منڈیر اب نیے جائیں گے
 کیوں کہ آزاد ہیں اب برأت انکار بھی ہے
 اسلام لے مری آزادی کے چھبیس سال
 دل سے ہر بھاری کرنا ہے ترا استقبال



کتابخانه
ایستاد



مهار آزادی
هياتما گاندھی

۵ اگست ۱۹۴۷ء
ہسٹل نمبر

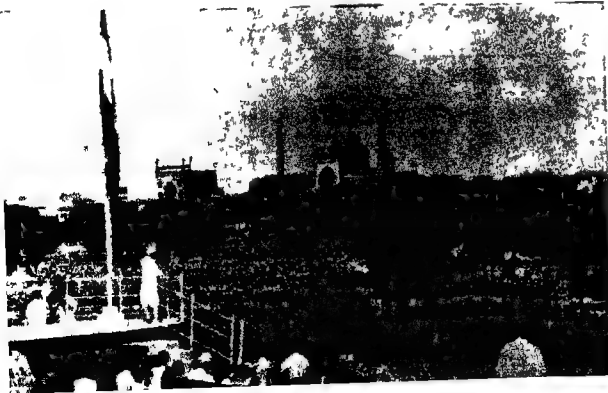
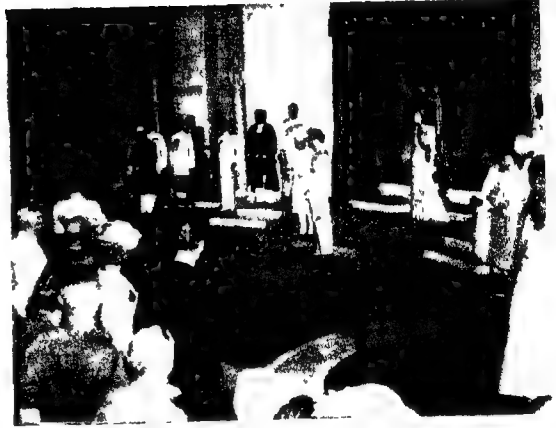
یوم آزادی



برڈٹ جواہر لال نہرو ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو قانا وینزیا میں
کے نصیحت شب کے اختلاس کے خطاب کر رہے ہیں

روڈ ماؤنٹ بین ۵ اگست ۱۹۴۷ء کی صلیب برداری کی تقریب میں
آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم برڈٹ جواہر لال نہرو صلیب ہے ہیں

لال قلعہ کی فصیل سے زیر علم برڈٹ جواہر لال نہرو کی تقریب
(یوم آزادی اگست ۱۹۴۷ء)

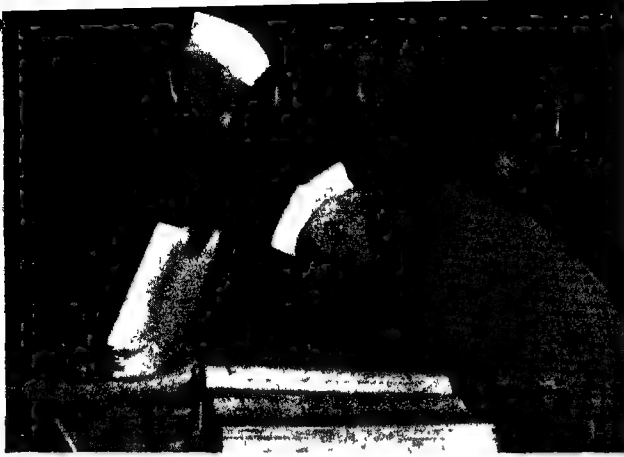


کی جھلکیاں

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء
ہسٹن نمر

شکمل

دستور



ایہ عظیم منڈت خواہر لال نہرو ہمدستان کے نئے دستور پر
۲۶ سب سے ۱۹۵۰ء کی تقریب میں لبہ دستخط کرتے ہوئے



ذیہ عظیم منڈت خواہر لال نہرو ہمدستان کے دستور کے مسطورہ پر
دسترسار اہمل کے صدر آکھائی ڈاکٹر احمید ریٹا دو کو بابا ک ماہ

تسری سی راج گویال دیار یہ ہمدستان کے پیلے گو جنرل کی
جنت سے حلف اٹھاتے ہوئے

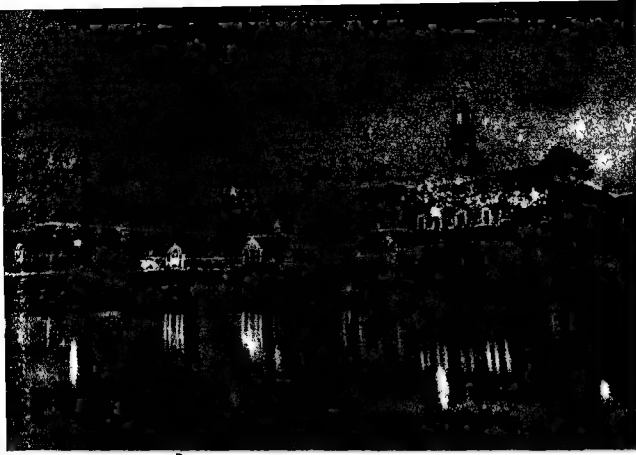


کی

جھلکیاں

یوم

آزادی



یوم آزادی کے موقع پر مرکز کی سکرٹریٹ کی عمارت پر چڑھنا

کھینچیں دیر پیدہسی کے اقیات۔ ہمارا انگریزوں اور ہندوستانوں نے دیریاں
شہر کی جگہ آزادی کے دوزخوں کی جگہ چلی تھی



لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور سر لال ہندو یوم آزادی
کی تقریب کے دوران انڈیا گیت، نئی دہلی پر



پہلی جگہ، ای کے داس سکندر نے بھی متعدد جوہر
حکومت کا میدان رہا ہے۔ ہمارا تہجد دے دلوں کی
ایک باگدان نام کی گئی ہے۔ تصویریں (دائیں) سری
جیت پرناسیہ کے درجہ شہادت، یو پی، کا کارنامہ
کوئے ہمارے (دائیں) جلسہ کا ایک حصہ جو ۱۹۴۷ء
کی یادگار کے سلسلے میں ۳ جون کو منعقد کیا گیا

خداوں اور اس کے قصودات میں آزاد ہوئی ہیں اس کے بعد مدنی میں
آزاد ہوئی ہیں۔ اگر ہم آزاد ہی سے نصف صدی پہلے کے ہندوستانی
ادب پر نظر ڈالیں وہ شاید یہ کہنے میں مجرم نہ بن جائیں ہوں گے کہ ہندوستان
جو اس آزادی کی پہلی علامت ہو گیا اس طرح سے کہ اس نے اسے سوسے
باتریم اور اس کے مصنف اس پر کچھ دیکھیں۔ یہ نظم نصف صدی سے
آج تک ہمارا قومی ترانہ رہی ہے۔

دوسری نئی چیز جو اس دور کی شاعری میں جس نظر آنی سے وہ
پچھلا دور کی شاعری کے مقابلے میں کہیں۔ آزاد و نکلون اور کارنگی یا
انفرادیت اور تنوع کے نمایاں صفات ہیں۔ کہاں آواز و آواز کا راجہ
شاوے فی صدی اردو شاعری ماحل ایک رنگ ہے۔ رنگی ہوئی نظر آتی
تھی اور جہاں موجودہ صدی کی جو تھی یا جو تھی اور جہاں شاعری
جو اس طرح کے گلوں کی طرح مختلف رنگوں میں لہلہاتی تھی اور نصف
راک۔ گلوں میں گنگائی موی سانی دی ہے۔ یہ آزاد و ایک خاص
مات کے لیے گئی مادگار ہے گا اور وہ بات ہے اردو ساری میں سرمدی
اور غیر مدیت *BLANK VERSE* کی شاعری کا آغاز اور
اس کا ارتقاء۔ وہ دو کھانا ہے کہ *BLANK VERSE* کا آغاز
اسٹیل برٹش کی اس نظم سے ہوا تھا جس کا عنوان ہے تاروں بھری
رات۔ لیکن *BLANK VERSE* کو اس زمانے تک وادرات
شاعری میں نما کا سا کتنا تھا یا کھس ایک بحر تھا۔ آزاد ہی سے
کچھ ہی پہلے *BLANK VERSE* کا مطالعہ اردو شاعری میں آگیا۔ ن۔
م۔ رات۔ یعنی "ستر و استغفری" محمد تم جی علی اسکرہ ملی وحد
اور ستر و استغفری کے علاوہ اندکی دوسرے شاعر کامیاب ہوئے۔
اردو *BLANK VERSE* کے بین کرے لے لے لے۔ اس زمانے میں
جیسے *BLANK VERSE* میں وہ نظمیں تھیں جس کو میں اپنا
ماحول شاعری کہتا ہوں میں "آدھن رات" اور "ترجما شائ" آزاد
کے بعد میں لے۔ سلسلہ اس تک جاری رکھا ہے۔ "جگو"۔ "بندولر"
"کار سیکر پوریا" اور کچھ دوسری نظمیں۔ اردو *BLANK VERSE*
کا ہر شاعر ایک دوسرے کے سر سے اپنا اثر نہیں ملاتا اس کا خاص تاثر
کی تقلید نہیں کرتا یا کسی مخصوص نمونے کی شاعری نہیں کرتا۔

ہندوستانی اور ہندوستانی
جو میں یا جیسا ہے جس کا ہر شعر شاعر کا ہوتا ہے جس پر ہندوستانی
کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ *BLANK VERSE* کے علاوہ آزاد و ایک
کے بعد اردو میں آزاد نظم کا دور ہی شروع ہوا تھا جس میں ہندوستانی
کی لسانی کیا ان نہیں ہوئی۔ کچھ ہی تھی جس میں ایک ہی نظم میں
آدھن رات۔ کہ اس کے کسی سرمدی نظمیں شہور تر اور بڑی قدر
ہو چکی ہیں لیکن اس کا امکان اس کی نصف شاعری میں ضرور
ہے۔ وقت اس کا بیکار کرے گا۔ میری ایک آزاد نظم "موت و
والے شاوے خطاب" اس کی نیک کی ہے۔ یہ خصوصیت شاعری
آدھن رات۔ دیکھ رہا ہے۔ دیدہ پایہ۔ جو تہ چند برسوں سے
اردو ساری میں ایک نئی حرکت کی شہور ہو چکی ہے جسے جدید
شاعری کہتے ہیں۔ اسی اس شاعری کا بچپن ہے اور اس کے زیادہ تر
نمونے ابھی میں ہیں۔ وہ وہ گلوں جو جدید شاعری کی حرکت کے
میں۔ ہمارے سن میں کہ ہر زمانے ادب میں ابھی گلوں کی شاعری
اور ادب کے۔ لوگ ایسے ہیں اسے جند باری نظمیں لکھتے ہیں
کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے کہ ان کے نظمیں عیسائی پر نہیں موی۔ ہندوستانی
بلکہ دلی اور اندکی اور ان کے تہذیب کے کوئی مہم نہیں ہوتا
اس شاعری کے طوطا امتیاز ہیں۔ اس شاعری کے جو سامنے طوطا
کہتے ہیں کہ جب وہ پہلے پہل ہندوستانی کے شاعر کی شاعری ہی گلوں
کی حالت۔ ہندوستانی کے دور سے گزر رہے ہیں شاعری کی جو تہ
کہیں۔ جو۔ آج کی زندگی کا اس پر مقصد ہو چکی ہے۔ جس کے لیے ہمارے
کھو چکا ہے اور ہم کی ریاستیں آگیا ہے۔ وہ کیا جانتا ہے اسے وہ خود
نہیں جانتا کہ ان کے رنگ کہاں گئے گا کہ ہر کہہ کر کے جو کچھ
کھاتے گا اور کہاں اس کے اس کے اس کی جو خود رکھتے ہوئے ہندوستانی
نہیں ہے۔ ہم میں ہر ایک ایک گلوں کو اپنا ہندوستانی ہے اور شاعری
بھی ایک گلوں کو اپنا ہندوستانی ہے لیکن اس دور و امتیاز کہ جب تک نظم کے
پیش نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اس شاعری کی گلوں میں
دلی چیز یا کوئی دل کش چیز ہو سکے گی۔ کیا دنیا کا تمدن و ہندوستانی
ہندوستانی کا خطاط یا ملٹن کی اس شاعری میں اپنا ہے اور اس کے

میں نے اب انتظار کیا نہیں، اگر کسی حقیقت کا سامنا کرنا ہو جائے گا تو اب صرف حیدر شاہی ہے، کیا ضروری ہے کہ شاعری میں اپنی مرضی چمائی ہے اور اس کی ایک سوئسوں سے انکی شہرت ہو جائے کہ یہاں تک کہ اس کا ٹیٹ جاوے۔

آج کی رونگ بدھام میں اور ہندستان میں مکی علی عطیس اور عزیز
س مکی ہے۔ اس کی خوشی کھڑی ہے، اسید عفاہ مکی ہے مجھے خود
ایسا تو ہوا، آگیا ہے

ایسا صبر باا حیات
 اور کھوٹھوئی یہ زندگی اسے اکھڑی اکھڑی زندگی
 بے ناکہ دین میں سکون ہو کہ وطن ہی آج جو بے وطن
 ہم لوگ ایک میرٹھو اور دھت تنک دوسرے کر رہے ہیں۔ گھوڑوں زندگی
 ٹوٹ ہے۔ یہ روزگار کی باری انکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں
 دیکھ سکتے۔ فیملی تازی سادہ ایمے آدنی جوملہ صد ریا ت، مدنگ
 ورنہ رکھے ایسا شقیق جس پر حالی اعتبار رکھ کر کے حاصل کر اس
 کے احوال کی مدنگ کا الجھ ایمے شقیق ہیں جھوں بے مدنگ کی
 بے لطفہ میں بہار کھانے اور بے مٹی جلی۔ صبر و بناوری کرے والے اور جاو
 رتھو کہ ایسے کہ ہمیں کہ نہیں سمجھا۔ ہمیں ان کے ساتھ اسانی ہو رہی
 ہر ناسے اور اونی چند روی محمد دوسری جنگ عظیم کے بعد کی دسیا
 متزلزل ہو چکی ہے۔ اور عواموں اور مل والوں کی مدنگ میں
 ایک نافی ابل ہو رہی ہے۔ آج کوئی کس کا نہیں ہے۔
 اجملیت عین ہے، اے لطفہ ایسے صبر و گوی اور بے شکا نہ ہر زندگی
 کو ایک ایسا کھیتان بناو یا ہے جو دوسروں سے باطل جزو ہے۔

پھر میں جسے لہروں و شائو لہی کے دلداد گان سے پوری سمجھ رہی
کے ساتھ ان کے گھونگر کو پوری طرح سمجھ گئے ہوئے میں نے گزشتہ
کونے کی جرات کو روک کر دیکھو یہاں ادب و فکر کے فرقے نہیں کیا
حاصل کیا انھوں نے ان کی تجارتی زبان ان کی تجارتی اصطلاحات

— 10 —

اردو شعری میں رونا ہوا جو بھی تھی۔ آراؤی کے بعد یہ بغاوت ایک
اشاقی قدر کی حیثیت سے اردو شعری میں اسلوب، موضوعات،
اداء اور انداز اداء اور سیاق کی شکل میں اپنا کام کر رہی ہے۔ اگر بڑی سخت
ہی کے خلاف یہ بغاوت نہیں دسی ہے بلکہ مکرر دلائل کے خلاف
کی یہ بغاوت آراؤی کے بعد ظاہر ہوئی ہے۔ سو لکھ رہا سماج و ادب عام
کی خود شامی اور ایسے حقوق کا تذکرہ بھی تصور یہ تمام قوتیں اسی دور شعری
میں کا۔ ورنہ یہی خود آراؤی کا تصور رہ رہ کر نئے جنم لینا ہوا ہے اور
اس کی ہلک گزشتہ تیس برسوں کی اردو شعری میں صفات نکھالی
دی گئی ہے۔ دور آراؤی میں ایک اور نئی بات اردو شعری میں پیدا
ہوئی ہے۔ وہ ہے نئے استعاروں، نئی تشبیہوں اور نئی تعبیروں کا
استعمال۔ آج کا اردو سا ان معاملات میں ماضی کی کورانہ تقلید
میں کرنا۔ ایک با علم البیان اور یوں ہی اردو شعری میں پیدا ہو گئے
اس حصوں میں آراؤی ہند کے بعد اردو شعاری پرما کیست
ظاہر نظر آئی کی ہے میں نے دوراں حصوں میں کچھ تناؤوں کے نام
گواہ کیا اور کچھ نظموں کے بھی۔ جیسا بہت سے مام جھوٹ گئے ہوں
گئے حصوں میں بے قصہ انظر انداز میں کسانے بلکہ ایک مختصر حصوں میں
ہر ساء اور ہر نئی فطرت کی شکل ہر سب میں کما مکن ہیں۔ اس کے
لیے میں مدد خواہ ہوں۔

آراؤی ہند کے بعد ایک اور صنعت اردو شعاری میں رونا
ہوئی۔ BLANK VERSE آراؤی رابعی کی ترقی نامہ اور
معنی انداز کی نظر نگاری کا ذکر صحت یا مفصل طور پر ہم کر چکے ہیں۔ ہاں
سلیکھ بانی تھی نئے وکٹیں بند ہو چکر ہیں اس کی مہرور نظم "ساگر سگیت"
کا جو منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے اور جو رسالہ رہا۔ کانو میں پیدا ہیں
تاریخ ہوا تھا ایک ناقابلِ ذرا خوش کار مامہ ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں
اس کے مجموعہ کلام میں نہیں ہے۔ یہ نظم آراؤی ہند کے پہلے شائع ہوئی
تھی لیکن بعد وہ آراؤی کے زمانے کی چیز ہے۔ یہ وہی پہلے ہی کہہ
چکا ہوں کہ آراؤی ادوار سیاسی ادوار سے پہلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں اور
یہ اس ادوار سے پہلے ان کی پڑتی ہوئی برہمائیوں کے حامل ہوتے
ہیں۔ ہاں تو جوئی حصر آراؤی ہند کے بعد کی اردو شعاری میں پیدا
ہوئی ہے وہ وہ افیت اور صداقت احساس سے یعنی جوہر اور کجھ
نی بحقیقت جیسی ہے اس کو جوں کا توں نہیں کرنا۔ یہی کسی کا موصوفہ
خلوص عمل کے علاوہ یہی یاد آتی اسلوب سال کی مگر براہود کی
اسلوب فکر اور اسلوب سال نے اردو شعاری میں کھڑی نئی طوائی
دوں کو جھوٹ کا شکار سازتی ہے۔ میرا ایک مضمون ہے
سلام بوم کے اسعار کئی علاقہ
سلی طوائی کے ساتھ طوائی کے خلاف بغاوت بھی آراؤی سے کچھ پہلے



"یہ میری خواہش ہے کہ بھارت یہ محسوس کرے کہ اس کے پاس اس کی
اپنی روح ہے جو نہ کچھ مر سکتی ہے اور نہ تباہ ہو سکتی ہے اور اس میں ہر
جہانی کمزوری پر فتح پائے کی طاقت موجود ہے اور وہ نام دیا کا مقابلہ
کر سکتی ہے۔"

مہاتما گاندھی

ذی۔ آد۔ مکیہ۔

[illegible][illegible]

کئی کئی طمان حل تھی۔ عہد سوامی کی راج تھو سے بہت
 عہد بہرہ اسے سرد دروں پر جس جاسے تھ لے جا رہے تھے۔
 اس جگہ کئی کئی عیسائی زمانے داسے آئیے گا لڑنے لے نصف

[illegible]

خبر ادب ۱۳۹۲، ۱۸۸۱

نارنج سے پھر دورانِ دوسرے میں سے اس دن کا ہفتادہ نظارہ جو میری یادداشت پر گہرے نقوش چھوڑ گیا ہے۔

اس دن کا سب سے عجیبہ نظارہ پارٹی منٹ ہاؤس کے مرکزی ہال میں ۱۳ مارچ ۱۵ اگست کی نصف شب کی تقریب کا تھا۔ اس گھر، جس کی ساری دنیا کو خواب بھی بھارت کو آزادی حاصل ہوئی اور اس کا مقدر بھاگا۔

اس رات پریس گیلری سے نیچے کے چٹنگاٹے ہوئے منظر پر نظریں جمائے، میں نے گاندھی ڈیویں کے بیچ چتر چٹک کا پیو تائیں دیکھیں کالی ٹوئیاں اور بیس بیوی ہند کے ریس سفید صافوں سے مل گئی تھیں خواتین ارکان ایسی بہترین پوسٹاں تھیں



یومِ آزادی، ۱۵ اگست کو منع ہرگز، مرکز میں کی علامتِ آزادی میں بیس تھیں۔ ان کی تار میں کا، رانی سائروں سے بہتر رنگیں ہوتی تھا۔ فرنیچر انتہائی کی قیادت میں ایسکوائر میں ایک چھوٹا گروہ ایسے فیص میں بیٹھ کر کھڑے اور پوائنٹ میں بیس دیکھا شے رہا تھا۔ دھوئی چوڑی دار، تنگی اور مغربی تیلیں ایک جگہ موجود تھیں۔ درحقیقت وہ مختلف ہندوستانی ویتوں کا عجائب گھر تھا جس سے ہندوستان کے رستہ رنجا کا تہہ ملتا تھا

رات کے بارہ بجتے ہوئے رات نامی ہے، اور ہاتھ کا بھی کی ہے، ان کے نعروں اور ناقوس کی تیز آوازوں سے مرکزی ہال کا گھنڈہ گونج اٹھا۔ پڈت گوند، فونو، بیس سچا ناقوس ہال میں لے آئے تھے۔ ناقوس بجاتے ہوئے ان کے بچوں صیغے کمال تقریباً بیٹھ رہے تھے۔

تراویز ۱۰۵۴ تک

کے نام سے موسوم ہے، کے ذہن تک پہنچ سکی۔ یہ قیاسی طور پر کے ستون سے چند گز دور ہی رک گیا۔ ماؤنٹ میں اس مقام سے آگے دھامکا۔ تھکے بارے جو انوں نے، جوڑ، ٹنگ کا انتظام کر رہے تھے، وانسراے کی گاڑی کے لیے راندہ سائے کی حاصل کو سٹیشن کی ماؤنٹ میں نے فتح کی طرف اشارہ کر کے سٹاپ ہوئے ہر کے کہا: یہاں کاؤں سے لڑو، اس صحت سے نہ سنا سنا ہے ہیں تو فتح کرنے والوں کو ملتا ہوں، اور وہ دور ہی سے برہم کے ستون کی حفاظت کر کے والے جواؤں کو برہانوی پریم، پوسٹ تک انارکھتہ سالی ترنگا ہارے کا اشارہ کر کے مطلق ہوئے اس طرح ملک میں آزادی مانے والا اس سرزمین کا کوئی ٹراڈی نہیں ملکا کہ



لاڈ اور ٹیڈی ماؤنٹ میں سٹک ہر کے ساتھ اٹھائی گئی تھی کی تقریب آزادی میں نام سنا ہے تھا۔

ترنگا جب لہا لگیا تو مجمع نے ایک غماز جو صورت، ان کے ہر کی قوس قزح کو رائے غلغلہ اور میل اسٹیشن کے دھماکوں کے اور کمان بناتے ہوئے دیکھا اور اس کے فوری بعد اگلے بارے ہوئے گئی جس سے پیسے میں تھرا اور عوام کو ٹھہرے گا اس اس مو، گویا آسمان بھی شام کے ان پروگراموں کو اسیر وادے رہا تھا۔

تقریب کے ستر ہوئے ہی ایک ٹھنڈی چٹائی اور اس میں بھیسے ہوئے افراد کو کس محفوظ جگہ بیٹھنے میں کی گھنٹے کے گھڑاں تیار کیں لے ہوئی انکسارت، گاندھی کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ وہ ایک خوش دھرم اور مسلم شخص تھا۔

اسپیکل نیوز اگست ۱۹۴۷ء

غصہ اور درد بھری چیخ و پکار سے کیا۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہو تو میں نے دل کچے تاروں کو کھینچنے والا ایک منظر دیکھا۔
دھت لی آنکھوں اور آنکھوں سے تر ہونے کے ساتھ چہرے پر تپ کیے ہوئے خورتوں کی ایک قطار خاموشی سے جواہر لال کے قریب پہنچی۔ ان کے ہاتھوں میں عمو لی دھاکوں کے ٹکڑے تھے۔
ہر ایک نے آگے بڑھ کر نہرو کی کلائی پر اس دھاکے کو باندھا اور 'سن کے لیے عمو لی کی حفاظت' کا عہد یاد دلایا۔

جب نہرو نے راکھی نہروا نے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو لے اخترا آسوان کے گلاب برہنہ لے اور اس وقت جو لوگ وہاں موجود تھے ان میں کوئی بھی آنکھ ایسی نہ تھی جو پرہیزگار ہو۔
ام سر (ہندستان) میں واقع ایک دوسرے کیمپ میں جو مسلمانوں کا تھا ملکاتوں دریا علی کی جماعت اور عمو لی رتہ کو راجا ملک مسلمانوں کے ایک غضبناک مجمع نے قہر سے میں لے لیا۔ عمو لی نہ کرنے والوں میں اقامت ملی جان کے علاوہ حکومت مغربی پنجاب کے وزیر اور لاہور کے میاں خٹنا دوسرا بھی شامل تھے۔

کیمپ میں مقیم ایک مسلمان چچ نے پاکستانی قائدین سے رقت کیمپ لے میں کہا "تم کو تمھارا پاکستان مل گیا ہے اور تم نے اپنی اقتدار کی ہوس کو بھرا کر لیا ہے۔ اسی ہوس کے شکار لوگوں کی تمھیں کیا مریدا۔ تم نے آزادیوں کے تبادلہ کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ تم نے معصوم لوگوں کی حفاظت کے لیے کوئی انتظام کیوں نہیں کیا؟"
وہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ پولیس کی کمک فوری انجیمپ روانہ کی گئی تاکہ پاکستانی لیڈروں کو وہاں سے یہ حفاظت دلایا جاسکے۔

انہیں کہہ رہا تھا کہ اگلی اپنے دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے وہاں موجود تھے۔ وہ دردناک کھالی میں ٹوٹنے کے بعد کی برہنہ کے شکار لوگوں کو دل لاسا دینے اور ان کی دل چاہیوں کو پوری کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

اس رات جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر رادھا کرشنن کی دو یادداشتیں قہر کیوں کے علاوہ دستوراً انہیں کے ارکان کی جانب سے حلف اٹھانے کی سنجیدہ تقریب میرے دہن پر نقش ہوئی۔ ہندستان سے وفاداری کا حلف اٹھانے والوں میں انڈین مسلم لیگ کے دوستوں جو بھری حلقہ الہامی اور سہ سہ نام تھے۔ دو دنوں دو ہفتوں کے اندر اندر کرشناں نے کچھ کچھ میں سے ایک دیکھ کر مسلم لیگ کے برائے نام صدر سے اور دوسرے گامی میں بھونکے۔

مجھے ادا سہاے کے لے احار کے لے میں لے اس۔ اس کے واقعہ سے متعلق رپورٹ ان متحدہ مطبوعہ پر حتمی۔

"اور اس گھڑی حیدر ارا سلطنت میں خوشیاں منائی جارہی ہیں پنجاب میں زیادہ دو تین سے، جو بے دلی جونی دار و اتوں کی گھن گرج یہ کوئی بھی کان دھوے دیر نہیں رہ سکتا۔ مگر یہ ایک انگ گہنی ہے۔"

ٹوٹا کے بعد دو ہفتوں کے بعد۔ در۔ در۔ اسے اعظم جواہر لال نہرو اور ریاضت ملی جان حساد وہ ہندوستانی اور پاکستانی نیاجوں کا دورہ کر کے ان کے سپہا اور بے گھر انسانوں کو دل لاسا دے لیے تھے جو بریت کے باعث، حص کی مثال میں ملی عوامی یہاں گریں کمپوں میں مقیم تھے۔

وہ دکھنا جہنم کا دن تھا۔ وزیر اعظم نہرو کی جماعت اداں مغربی پنجاب پہنچی۔ چاہے کس کیمپ میں قہر لوگوں لے ہر وکانہ تیر مقدم



اُردو میں تحقیق آزادی کے بعد

پروہیس احساہ حسن

ہوسے کی دوسرے سے اُردو میں بھی تحقیق کی، میں لکھنے لگیں حمایت مولانا سلیمان مدوی، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ محمد تقی، میر تقی میر، سرائی، مولانا عبدالحق، حبیب الرحمن، صاحب ترائی اور کھنڈر ان کے صدیق و رفیق، سرخوش صوفی، امتیاز علی، مثنیٰ ڈاکٹر، مثنیٰ لدین قادری، زورہ پروہیس، عیسٰی صرف مدوی، دوسرے علماء، اخبار، سرخوش وغیرہ دے مختلف جہتوں سے تحقیق کے میدان کو وسیع کیا۔

یونیورسٹیوں میں اُردو کی تعلیم عام ہونے لگی، اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے موضوعات کی طرح قیاد کے معیار میں بھی تبدیلی ہوئی، جس کی اس میں رہ ہونے لگیں، ملن کی صحت اور قیاد کی جانب توجہ ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ قیاد سہارے کی تلاش نے ایک دہائی کسب اختیار کر لی، اُردو کے سیاسی مطالعہ کی داغ بیل لوست پینے پر کچھ بھی اور نو، دہائی معصوموں کی تحقیقات کا سہارا لگے، یونیورسٹیوں میں بھی علوم و فنون کے مکمل کئے گئے، ملن علم اللسان کے اصولوں سے عام مدد دہنیت کی وجہ سے قابل اعتماد نتائج نہیں دے سکتے تھے، جیسے جیسے اُردو کے قدیم نوے سالے لگے، اس سلسلے میں مولانا بڑھنے لگیں اور سندھستان کی دوسری جدید حالتوں کی بارش مرتب کی جانے لگی، اُردو کے آئنا اور آئینہ کے متعلق حیدر علی، ٹی ایمان پر مشروہ ہو گئی اس سلسلے میں حافظ محمود مشیرانی،

سکنا تو درست، سوچا کہ ادبی تحقیق کی جانب ماقاعدہ توجہ کی ترغیبات صدیوں کی تسرب دہائی سے ہوتی ہے، لیسلی یہ تحقیق سب سے اُردو میں تحقیق کو ہی اہم مقام اس سے پہلے حاصل تھا، ان پر نظر کیا جاسکے، یہ کہ جس سے اس کی اُتار ہو سکتی تھی، میں کا کوئی قابل ذکر نہیں کر سکتے، اگر سرسنگی آثار الصدا د کو نظر انداز کر دیا جائے، حوالہ خاص، غیب کا علمی کا نامہ قضا، قزاق و دارا، دست دہوں، کبھی مواد اور ترتیب و تدوین سے کے نقطہ نظر سے خالی مان لفظ، تاہم مولانا حالی، دھند، حالت سے قریب حاصل تھا اور دہائی کی بھی لگی، مثنیٰ نادکار، حالت میں تحقیق کا حق اور اس کے ہم جہت آزاد نے آپ حیات میں تحقیق اور لفظ اختیار کیا لیکن اس میں ایسی خامیاں رہ گئیں جو اسے معیار قیاد سے برتری ہیں، مولانا سستی نے حوالہ امتیاز و دیگر میں، تو اردو مرتبہ کی تاریخ کے ساتھ اساتذہ کیا اور یہ امتیاز کے حالات کی طرف توجہ کی، مولانا میر تقی کا وہ مثنیٰ نہ دے سکتا، ادبی تحقیق کی جانب ان کا میلان بھی نہ ہونے کے برابر تھا، عبدالحق، سرخوش کی چند تاریکی سوانحی اور علمی تحریریں یقیناً اس کے دوسرے محقق کا نتیجہ ہیں لیکن انھیں میاں نہیں قرار دیا جاسکتا، اس طرح ہمارے اہم ترین عالموں اور معصوموں نے بھی تحقیق کا کوئی معیار عام نہیں کیا، باب ان کے بعد خاص طور سے مستشرقین کے خیالات عام

علم صرف ہندوستان کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کی ادبی اہمیت کا صحیح شعور رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ پچیس سال میں اگرچہ تحقیق کے نام پر ہر پارہٴ صفحات کا مواد سامنے آیا ہے لیکن اس کا کچھ ہی حصہ ایسا ہے جو تاریخ میں اس کا مقام بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ درست ہے کہ اکثر تحقیق کا خال کسی منازعہ میں سے پیدا ہوتا ہے لیکن تقسیم سے سدا ہی جگہ پر رہ جاتا ہے۔ جو جو بڑے بڑے محقق ایسی بات کی نظر رکھے کے لیے عمر صرفی باور میں انجیر کر رہے ہوتے ہیں ہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سا خامیوں کے باوجود تحقیق کا ایک مضامین رہا ہے۔ محقق اس کے ذہن میں احادیث بھی ہو رہے ہیں۔ مات الدتہ قابل ہے کہ وہ اس میں تحقیق پر چند مسائل کے علاوہ صرف وہ وہ غلطیاں نظر آتی ہیں جو وہی موضوع کے جنرل پرکھنے کا احاطہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر حلین اچمن نے مسیحیہ کے لوام سے کہنے کی ہے اور بعد ازاں قریشی نے کچھ سرسری اصولوں سے اس سلسلہ کا سب سے ضروری کام کیا ہے اور جو حالہ کی تیار ہے جن کے بغیر تحقیق کا کام مکمل نہیں آئے گا۔ یہ سب کچھ ہے۔ نویں سال میں مائسٹر اسمیک ویلے ادب سمی میں اور بعض میں لکھی گئی۔ جیسے اردو ادب اور ہندی ادب میں علی گڑھ میں کچھ ایسا مواد دیکھا کر دیا جاتا ہے جو تحقیق میں مدد دے سکتا ہے لیکن یہ کافی ہے۔ مختلف موضوعات مختلف محقق مختلف رسائل اور جرائد سے متعلق یہ کام سائنٹفک طور پر بہت کم ہوا ہے اور یہی کہ ہماری عادت ہے، جہاں ایک نے کسی موضوع کی طرف توجہ کی، کئی محقق اور نقاد اس میں الجھ جاتے ہیں اور اگر نکلے اس کے سوا سب کم یا مواد پتہ آتا ہے مگر منہ چند برسوں کے اندر حالات کی قسمت جاگ اٹھی ہے اور جو حالہ حالت کی اچھی بری کی کتاب میں مرتب ہو گئی ہیں۔ سیر، سودا، آتش، انجیل، مانی، آرتور، سنبل اور بہت سے غیر معمولی طور پر نامہ نگاروں اور ادیبوں کا کوئی کچھ نہ والا نہیں۔ درست ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے ادیبوں کا گھومنا اور

مولانا عبد الحق، ڈاکٹر نور، مولانا سلیمان ندوی، محبوب انصاف ندوی وغیرہ نے آری سے یہ تحقیق کی راہیں کھول دی ہیں جس کا بہت سا حصہ آج بھی سوچا و سمجھا رہا ہے۔ مگر اگرچہ زیادہ تر تحقیقی کام یونیورسٹیوں کے دائرہ میں ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کا شمار علمی و ادبی حلقوں میں جو محققین ہیں، مالک رام، عارف علی وغیرہ کی تحقیق کی سطح ملکہ رہے ہیں۔

۱۹۱۹ء کے بعد تحقیق کی حالت اور وجہ ہوئی یہاں تک تنقید نگاروں کا حلقہ ہوا، اتحاد مختلف دہسٹوں میں شریعت ایک دوسرے سے اختلافات، دلی ناگاری، لفظ نظر کا تفسیر ہوا، محقق اس میں اس طرح کی پیچیدگی رہی، اگر محقق کو محققیت بھی ہو تو اس کی رہائش، ترواہ کی صحبت، ماحول ساری کی مبادی پر ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے تحقیق میں سب سے بڑا خطرہ انگریزوں کے ہونے کے باوجود کسی دوسری قوم سے متعلق زیادہ سے زیادہ معتبر مواد اور احسن نتائج سے متعلق ہوتا ہے، ہاں، اس میں زیادہ موثر کاری کرنے کی وجہ سے بھی یہی سبب ہے۔ یہی اور غیر اہم نہیں بھی بھڑک جاتی ہیں۔ لیکن محقق کا مقصد یہی ہے کہ حد تا حد تاہم جامعہ ادبی، دلی لیب، پبلک سائنس، ہونے لفظ نظر سے ملے ہو کر محقق حقائق اور محقق مواد کی بنیاد پر نتائج نکالے جائیں۔ یہ کام مکمل نہیں ہے اور ضرور اب بھی محقق جس قسم کی زیادہ سے زیادہ ریزی اور دقت نظر کا مظاہرہ کرتی ہے اس کے لیے بہت تھوڑے سے لوگ موزوں ہو سکتے ہیں۔ اگر محقق معاصر اور انتہائی محنت کو پیش نگاہ رکھ کر کی جائے تو یہ صرف اپنے نتائج کے اعتبار سے غیر معمولی ادبی کارنامے کی حیثیت سے زندہ رہا، یہ ہو سکتی ہے بلکہ اسے طریق کار کی درستی اور دستور العمل کی سائنٹفک اصولوں سے کام لینے کا عملی نمونہ بھی بن سکتی ہے۔ بہت سوں سے محققین حقائق کی تلاش، معائنات کی اہمیت، تحریر، تہذیب کی نوعیت، مختلف علوم اور متعلقہ مسائل کی مدد سے اختراع

تو کسی نے مقدمہ اور حاشی میں مفید اور کارآمد معلومات کیجی کہ ہیں۔

لیکن طے اور تحقیق اعتبار سے اس میں سے کسی کو بظاہر ادراک نہیں کیا سکتا کہ کون کون میں ممکن احتیاطاً منظور کئے کی کوشش کی تھی ہے۔ سب حبال میں جنھیں مختلف جہتوں سے اہمیت دی جا سکتی ہے وہ ہیں کتاب نورس، دیوان غالب، دربن کھا، امداد، سندھ، اقتصاد نامہ، قصہ معراج، وورد، وورد، مس، سمجھاو، امراہم نامہ، لیلیٰ، معنوں، امیرا، استویتی، یوت نامہ، مکت کھانی، دیوان حررت، چنگی رشتا، گنج حوی، کلمہ الخفاق، بولہ۔ ان میں سے بعض کی تفصیل اہمیت ہے کہ ہمیں اس کے وجود کا علم پہلے پار ہو جائے۔ بعض ایسے مقدمہ حواشی، ترتیب اور معلوماتی نکات کی وجہ سے قدر طلب ہیں۔ ان میں سے حد کی بعض خصوصیات کی حاسہ اس بارہ مایہ بعد مطلب ہو۔

کتاب نورس کا ذکر گذشتہ رد، لانا بعد انجی، تعمیر العین الہمی اور ۱۱۱۱ سے تحقیق کی تحریروں میں اکثر آتا تھا اور بعض غیر متعلقہ بحثیں یہاں سے بھی لکھے گئے تھے۔ لیکن اس کی اصل صورت اس وقت واضح ہوئی جب ڈاکٹر بڑا بدھ اس کے متعدد نسخے ڈھونڈھ کاٹے ڈاکٹر بڑا بدھ کو موصوفہ تحقیق ہوئی تھی۔ ان کا طریق کار یہ ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے موصوع سے تعلق رکھنے والے سارے مواد کا رادو سے رادو سندھ دیکھ لیتے ہیں۔ پھر حسب اہول نے عادل سامی دور کا مطالعہ شروع کیا اور طور کی منزل کا تجربہ کیا تو انھیں ایماجم عادل ناہ کا مدبول سے بھی ڈیجیٹل ہونے اور اس طرح ان کی افسانی خود سے مستثنیٰ تک پہنچی۔ اس کی ڈیجیٹل ہونے پر کی عادل سامی تہہ سے تھا۔ انھوں نے اس جہد کی صورتوں، سطحی، مشاہدی زبان اور مدول کے کئی بیرونی کا مطالعہ گہری نظر سے کیا۔ چونکہ موس کی صحیح ترتیب وہ ہیں ان تمام مخطوطات کے تعمیر ممکن نہیں تھی اس لیے کوئی ایسا ہی شخص اس کا ہتھوڑا لگا سکتا تھا جس کی نگاہ صرف ایک اگلے نسخے کے نقل کر دے۔ یہ ہو کر جوان دوستوں اور ام پر بھی نگاہ لکھا جو صحیح تفسیر کی تان میں معاون ہوتے ہیں۔ اتنی معلومات کے ساتھ ایڈٹ کرنے کی وجہ سے کتاب نورس کے کئی

نسخے نہیں ہیں جو ان کاموں کو مستحیدر اور ذمہ داری سے اپنے ہاتھ میں لے سکیں، لیکن کام کرنا ہم سے کہ اسے بیرونی نسخوں سے کوئی اور اسے چلنے والی انجینوں اور تحقیق کا ضیاع و دق رکھنے والے افراد کو اسے اپنے ذمے لہنا کر ہی چاہیے۔ اگر اصول تحقیق پر حسد کیا ہیں اور رسائل مرتب ہو جائیں اور درجہ جات کی مخطوطات حدیں متاثر ہو جائیں تو اس کی جاسکتی ہے کہ تحقیق کی رفتار میں اضافہ ہوگا۔

جہاں تک موجودہ تحقیق اس کا تعلق ہے اس کا تفسیر اور تحقیق، محاورہ لینا، ایک برکام ہے کہ صبر کر کہا گیا اس کا اصرار نہیں، بعضی کثافت، ذاتی اختلافات، اور دیگر غیر متعلقہ مسائل اس میں کہیں کہیں کارآمد تفسیر بھی نظر آتی ہیں لیکن وہ بھی اپنے غیر ادنیٰ اعداد و شمار کی حد سے متحرک کر کے میں برکام رہتی ہیں اور بعض بعض خطوں پر اساتذہ اور محققین کی بیادوں کی شکل میں ہوسکتی ہے۔ اس سے رسائل کے اوراق میں کھو جاتی ہیں۔ اس کے بعد جو طبعی مکتبہ

رہتا ہے وہ یقیناً ہمارے علم میں اضافے کا ذریعہ رہتا ہے۔

اس ضرورت کا بار بار اظہار کیا گیا ہے کہ شعرا کے کلیات اور ادیبوں کی کلیات کے صحیح متن میں ساری حواشی اور رد و مانع و عید ل ساری عبارت ملاحظہ اور رد و مانع ہوگی۔ برکام متناہی آسان نظر آتا ہے اتنا ہے ہمیں احاطہ کر دینا بھی ممکن کی بنیاد صحیح ذہن اور صحیح متن کا نہیں بعض ادبی و دق کی مدد سے ہمیں ہو سکتا۔ اس کے لیے اس مانت، عرصہ، ہمیں، ہمیں، علم لغت، تاریخ، مصوف، طب، ملک اور جو کہ ہمیں علم اور اساطیر کی کلیات کا علم رکھنا ضروری ہے اس سلسلے میں کچھ برا بھلا کام کیا جا رہا ہے لیکن ان منہ کی طلب وہ کہ ہے جن سے اکثر ساقی برتا رہتا ہے۔ مثلاً اس وقت تک کہ سرسودا، سوہن، طوف، شیعہ، میرا، آتش، آنا، آتش کے دوادیں، جیت سے رہت ہیں کیے گئے ہیں، گراں پر کمال، اعتبار کیا جاسکے۔ تشریں نوادر برحال ہے۔ یہ بھی گوشہ روح صدی میں چند ایسے متن ہیں کیے گئے ہیں جن پر نظر کیا جاسکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ تحقیق اور ادب کے تربت و تدوین میں اپنے ہر ذکر سے کام لیا جائے یعنی کسی متن کی انھوں سے مرتب کرنے اور اختلاف نسخ کے درجہ کرنے پر زور دیا جائے

ادبی خصوصیات کے علاوہ دوسری طبیعتی روایات اور اشارات
اعلام اور علامت کو حل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور وہ ساری
باتیں واضح کی گئی ہیں جو کسی ایسی مصنف کے مطالعہ کے وقت ذہن
میں مدافعتی ہوتی ہیں۔ اگر اس میں عقلی کے حالات ہمیں ملے باوجود
اتریشی خاں کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا تو یہ کھنا چاہیے کہ موجود
روایتیں کچھ نہیں مل سکیں، ہوسکتا ہے کہ آئندہ کسی ذریعے سے حالات
کی کچھ حل ہو سکے۔ اور اگر آئندہ ان سے کربل لکھ کا کوئی دوسرا نسخہ
ہاتھ آجائے تو احوال و لحاظ کے علاوہ محض الفاظ کی لسانیاتی ساخت
کے متعلق بھی بعض کے ساتھ کچھ کہا جاسکے۔

جہ کربل کی تھا کے متعلق کچھ ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اس نام کی
کوئی کتاب محمد ساجی عہد میں لکھی گئی تھی لیکن حقیقتاً مسہر افرو و
دوسرے صورت اور یہ کبھی کو اس کے دو ہی کاظم تھا۔ غالباً اس
دوسرے کا احمد گوارا اس حضرت حمی کے کتاب خلیہ کی زینت
ہوا اور یہ ۱۱۵۵ھ میں ایک برنگ نے اسے بردہ سراجنا حیدر حسن کو
بخش دیا تھا۔ یہ موصوفے سے ڈاکٹر مسعود حسن خاں کے
حوالہ کار ہے کہ اس کو مرتب کر کے سال کریں۔ اس دوسرے میں نہ
کوئی ابتدائیہ ہے نہ اس احاطہ جس سے کتاب کے مصنف 'رمانہ'
رہیں، 'خام کتابت'، 'رمانہ' کتابت کے متعلق کچھ معلوم ہو سکے۔
کتاب کے سرورق پر ایک جگہ عیسوی خاں بہادر، ایک دوسرے
خط میں لکھا ہوا ہے اور ایسی جگہ پر جس میں عام طور سے مصنف
کا نام نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر مسعود حسین نے عیسوی خاں کو سافسی طور پر
اس داستان کا مصنف قرار دے کر تصدیق کی اور وہی بہادر خاں اور
لسانی خصوصیات کی بنیاد پر اس کے رمانہ کا تعین کرنے کی کوشش
کی ہے۔ علم البلدان کے نام پر اسے کی حقیقت سے کام دینی خوبی کے
ساتھ کو سکے تھے۔ تاہم پہلوؤں کی پیش نظر دیکھ کر ڈاکٹر مسعود حسین خاں
نے اس کا رمانہ تصنیف کرنے اور غفلت کے درمیان قرار دیا ہے۔
میری ذاتی راب میں ایسے سادے نتائج عارضی ہو سکتے ہیں کیونکہ
حسن کتابت نے اسے لکھا ہے اس نے الفاظ کے لکھنے میں کس طرح کا اسلا
استعمال کیا ہے، یہ اس کا انفرادی عمل ہے لیکن ہے کوئی دوسرا

سہل و سہل ہو گئے۔ چہ و اس کے انگریزی ادیس کو اس لیے اہمیت
حاصل ہوئی کہ اس سے اس مندرجہ ذیل سو فیصد کی تاریخ و متب کرنے
میں مدد ملی جاسکتی ہے جو سہوہیں اور دوسرے سو فیصد کی دکن میں آج
تھی اور اس کے درون میں مسدودوں اور سہوہوں دو دنوں کا ہاتھ تھا۔
یوں لایا امتیاز ملتا ہے کہ مرتب کے مورے دیوان غالب کے
متعلق کسی تصنیف میں خاں کی ہر درت نہیں کیونکہ اس کے سلسلے میں
ہمت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ عورتی صاحب اس سے قبل دوسرے اصحاب
مکتب غالب اور مادر استقامت تالیف کے، یہ طرہ تحقیق سے
لوگوں کے دوسرے ایک ہے۔ دیوان غالب کو سے اندازت
مرتب سے کرنا ہرے بعض کی کچھ نہیں رہیں۔ دوسرے اس کو کہ اس
کا طریق کار مرتب اور جب ہے۔ بہت سے ملتی اور غفلت و دوا دین
غالب کی مدد سے تنہا ہی تیار کی خود انکے شکل کام ہے لیکن ماسی
صاحب نے اس کے گو، ایک خصوصیت ترتیب سے وہ طرہ سادوں کلیم
جو عام ڈبیتوں میں سال نہیں ہے، اور وہ کلام جو غالب کے نام
سے سہوہ ہے، جمع کر دیا ہے۔ مقدمہ اور اس کی اختصار اسی ہے
ایسی معلومات سے بھر پور جس سے غالب کے لکھنے میں مدد ملتی
مدد ملی جاسکتی ہے۔

کوئی لکھا کی اساعت، محض اس لحاظ سے بھی ایک تاریخ سادہ
واقعی جس کتاب کے وجود سے کہ دیتیں یا ایسی جو ملتی تھی، اس
کا مکمل نسخہ سامنے آگیا لیکن مالک رام اور ڈاکٹر محمد اندر نے اسے
حسن طرح ایڈٹ کیا ہے وہ بھی ایک بے مثال تحقیقی کارنامہ ہے۔
اس کتاب کی تلاش کی کہانی بھی دلچسپ ہے اور یہ بات بھی کہ
تقریباً ایک سو سال سے اس کے دو ڈبیتیں الگ الگ بار کیے
گئے۔ ایک کے مرتب ہیں ڈاکٹر خواجہ احمد نادر دینی اور دوسرے کے
ڈاکٹر محمد الدین اور مالک رام۔ بعض وجوہ سے ڈاکٹر نادر دینی
کا ڈبیت طبعی کی سرلوں سے لکھ جانے کے باوجود نتائج نہیں
ہو سکا، دوسرا ڈبیت عام ہو چکا ہے۔ اس کی مرتب اور ترویج
میں ان عام باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے جو کسی کتاب کا کچھ ایک نسخہ
دستیاب ہونے کی صورت میں کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ لسانی

میں اس موقع پر دوسرے، اگر علامہ عمر بن ادریس دوسری کوئی مطلوبہ کتابیں نہیں نظر رکھتی۔ تو اندازہ ہوگا کہ صحیح معنیوں کے تحت کسے کی طرف جو کتاب ہے، حوت، حشمت، درجہ صلا، اسی یہ وقت اس کتاب کی ہے کہ ہجو، ایں اری، سلطنت کی طرف دروجہ کی حالت، مکملہ جامعہ کے علاوہ اس کی حالت کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس میں تک میں کہ وہ سب مصلحت سے نہیں ہوں کی بھائی خاصہ جس کے لئے یہ کہ یہ سب سے وقت پر ہے۔ کتاب میں ایک حصہ لکھنا ہی تھا۔ یہ اختلاف ادا دہ گھنٹہ کا ہو نامہ دوسری ہے، مگر حصہ تھا، دوسری راہ نامہ تھی راہ نامہ تھوڑا ہو۔

بہنوں کی تھوڑا دوسرے اسباب سے در نامہ نے سب کو میں جو دوسرے ہم جیانی ہے اس کی ایک کتاب کا اندازہ دیتا ہے گھیا حاشا، کتاب کا سبب تا سب سے بہت سے نمبر کا ہے کیا تھا، ایک حیا تیر کچھ کے پاس ہے، بعض کے پاس ہے دوسرے تہ گردن کا، اوصاف اور تھا۔ شرط اس سے اس کی تعداد اس اعداد ہوتا گیا، آدھی سے پہلے ہی دوسرا دور بعض دوسرے اوزاروں کے ساتھ، مگر اسے کتاب کے لئے سے لکھ لکھی ایسے بہت جو گوتہ جس کی میں پرست ہوئے تھے مگر یہ سب سے زیادہ کیا تھا، ایسا عقلموں کو تہ کہ اس کا سبب اور اگر سترہ سترہ سال کے اندر تلاش کی، یہ بھی ہوئی تھی اور رفتار اس بات بھی۔ جو کہ راہ و تہ مذکور ہے جس سے دوسرے تھے اس لئے بھی تھی اس کے ساتھ اور تہ جسے بھی سال کے لئے میں اور بعض نقطہ نگاہ سے انھیں زیادہ اہمیت تھی، ان کی سبب میں ان کی امانی ان اہمیت سے ان کا بھی نہیں تھا، اس کے بعد ان کے کد بارہ اس اعتبار سے بھی اس لیے مقرر ہے کہ دوسرے بھی سمجھ کے دینیات ہوئے سے بعض کے تہ اصولی نظر آئے تھے ہیں جس سے تہ گردن کی امتاعت حاصل طور دراصل ذکر ہے وہ میں مذکور ہے (مترجمہ ذکر جو اسرا خواروقی) ہد کر کا اس حوالہ دے۔ فان ملکہ گلشن صحن (مترجمہ سعید دس صوفی) مذکور ہے مسترب اعزاز۔

ستراد ۱۸۹۴ء شنگ

ترانہ قفس

ظہور صوی

یہ دت رام پرشاد مہتر ملک وادی، سرائے پرستادار وٹا، یڈت
برہم دت ساستری، مولوی محمد مصطفیٰ، جال پناج بھونڈ وھی
(جو سیاسی دیا میں اتھن بھونڈوی کے نام سے معروف
تھے) میر جوہر، قاضی احمد بھونڈوی، گوکارا ہوئے تھے
مانا پرشاد سنگھ، بھونڈوی وغیرہ تقریباً نو سیاسی قیدیوں کے
ساتھ۔ سب اتھن بھونڈوی اسٹےژ کے مفوض تھے۔ میر
عوض رصا کی فرمائش پر فرمایا گیا

جو کہ نہ اظہار حق میں گئے دھڑتے سے جل جانے
بھونڈویوں کی لالچ رکھی، خواب میر جوہر رصا نے

فتح گڑھ جیل میں ڈیڑھ ماہ کے قیام کے بعد یہ سیاسی قیدی
آگرہ ڈسٹرکٹ جیل منتقل کر دیے گئے۔ یہ جیل ۲۲ ستمبر میں مارے
بندستان کی مودی جیل تھی۔ یہاں ہمارا سٹرٹ ۳، ۲، ۱ وغیرہ دو درجہ
کے صوبوں کے سیاسی کارکن نظر بند تھے جن میں تھو صیت سے
پروفیسر سنگھ، اومدراس سے، ہمارا ڈیوٹیائی ہمارا سٹرٹ سے، یڈت
کیل دیوالوی، یڈت کوشن کانت مالوی، اڈیٹر اخوندہ، اڈیٹر
یڈت گوند کانت مالوی، مولوی مذہب احمد خجندی، میر علی اڈیٹر
عالمی، مولوی حیدر علی، مولوی سید محمد گوٹلی، عبدالجبار
یڈت رام پرشاد تری، علی، مولانا عارف بھونڈوی، بابو رگنوی سہاے
فرانکو، رگنوی، مالورتن لال رمد سنگھ، رابادی، اور حسانا
محمد عثمان قابل ذکر ہیں۔

ان امیران آزادی میں دکل بھی تھے، اڈیٹر بھی، عالم بھی تھے
حافظ بھی، سراج بھی تھے اور جب بھی سیاسی اور اخلاقی تربیت
کے لیے روزانہ کے معمولات میں مختلف چیزیں شامل تھیں۔ ایک

مولوی حفیظ الرحمن حال صاحب تجلی فرح آبادی ان
مجاہد ہیں جنگ آزادی میں سے ہیں جنہوں نے ادائیگ ستیا
اور رمانہ تعلیم سے قومیں وطن کی آوار بریک ہند کر دیے
قید و بند کی صعوبتوں کے لیے میں خود با تھا۔ آزادی وطن کی تحریک
حسن وقت ۱۹۲۱ء میں خلافت تحریک کے سرکردہ دور سے
گئے۔ جی جی حفیظ صاحب گوالیار میں میٹرک میں بری تعلیم تھے
ایسے خاندانی وقار کے تحت نائب تحصیلدار کے لیے امر ہو چکے
تھے۔ لیکن مہی سال کے احسا کر کبھی سے جو جنگ آزادی
کا نقیب تھا، قاتر ہو کر اور سب سے زیادہ لوگ مانیہ ملک کی
بے نیاز عداوت سے مسخ ہو کر وندہ کی صف میں پہنچ گئے
پہلی مارچ ۱۹۲۱ء میں ان کو ایک سال کی قید کا حکم ہوا۔ اذیت
فتح گڑھ سنٹرل جیل میں محسوس کر دیے گئے۔

تاریخ وطن کا یہ دور قومی یک جہتی، عدالتی ہم آہنگی اور وطنی
ارتباط و محبت کا بہترین نمونہ تھا۔ چنانچہ اس اتحاد و محبت کے
سابقہ جیلوں میں بھی دیکھتے ہیں آئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ
مجاہدین آزادی کے دوق ادب نے جیل حائلوں میں استن سخن بھی
جاری رکھی۔ چنانچہ آگرہ ڈسٹرکٹ جیل میں، جو سیاسی قیدیوں کے
لیے مخصوص کمرہ تھی، انا عدا عدا طرحی متاعوں کا انقباض
ہوا۔ جیل کی زندگی، روزانہ کے معمولات، دوق سخن اور مشاعروں
کے نفوس جو حفیظ صاحب کے ذہن میں محفوظ رکھے گئے ہیں اور
جن کو وہ اکثر دومان گفتگو بیان فرماتے ہیں اس دور سے
تاریخ امیری کی مقدس یادگار ہیں۔

حفیظ صاحب فتح گڑھ سنٹرل جیل میں مولانا طہر الملک

ہندستان میں تعلیم کے حالیہ رجحانات

ذَٰلِكُمْ أَمْرُ اللَّهِ

[illegible]

نقص نظام تعلیم کے باوجود وہ سائنس کی سرری کے سائنس
 تھے جنہوں نے مداحی کے پٹی پر سدا کی اور وہی صوفی حدود و حدود
 کے بعد سائنسوں نے آواز میں حاصل کوئی۔ وہی کریم کے ساتھ
 رہناؤں کے ساتھ تعلیم کے پسند ناقص اور نقصان دہ سمجھا جائے

مراد از م ۱۹۱ است

ایستیل سر۔ اگست ۱۹۶۲ء

ان مفاد بیتوں کے ساتھ سر تعلیم کو رکھ رہے ہیں جو موجودہ صور حال
تیار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ انتہائی ظہر نامک شکست ہے۔
اور ایک منظر میں تعلیمی رجحان کا ذکر کیا گیا ہے اسی سے متعلق
۱۔ اور رجحان یہ ہے کہ سماج کے تمام طبقوں کے لیے تعلیم کے مساوی
مع فراہم کیے جائیں۔ یہ سماجی انصاف کا مساوی اصول ہے ایک
۲۔ اس سے بڑی صلاحیت کو خود اس کے ذاتی مفاد میں درج
تے کا اظہار کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف سماج کے اقتصادی
مائل میں انصاف کے لیے کئی مہمات آپہمے۔ مگر نہ یکس سال
۱۰۔ ران بعد کی ماسٹریسٹ سے برہوتی گئی ہے۔ اگرچہ دستور صد
۱۰۔ ۵۰ کی گئی مانت کے یہ حسب ملک ابھی تک جو وہ سال
۱۰۔ کی طے کے نام کو جو کو مفت لائے اسی تعلیم مانتیں کو
۱۰۔ ہے تاہم سر تعلیم اس میں اس سے کوئی کو اسکول جانے کی جو میں
۱۰۔ کی اصل میں اور جو ۱۰۔ ۵۰ کے لیے مطالبہ شدہ کتاب
۱۰۔ دستور ہی مانت کی تکس پہ چالے گی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ
۱۰۔ صورت سکول میں حاصل سے اس میں کافی تعداد اسی ہے جس
۱۰۔ سارہ سکول نے ہی باب دادا دارس کے کچھ اسکول کی
۱۰۔ میں میں دیکھی گئی۔

تعلیم حاصل کرنے کی خواہش اتنی بڑھ رہی ہے کہ تعلیمی اداروں
۱۰۔ اور اداروں میں طلباء کے سسٹمس رٹھنے کے باوجود امیدانی اور
۱۰۔ ہی درجہ میں سکول برطانیہ کی تعداد کے لحاظ سے تعلیمی سہولتیں لاکھائی
۱۰۔ ت ہو رہی ہیں۔ جہاں کہ کہ سو سو کی سطح پر بھی تعداد میں بہت
۱۰۔ رہ رہ رہا ہے۔ تعلیم کی توسیع اسی ترقی سے ہو رہی ہے کہ اس کی وجہ
۱۰۔ بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ تعلیم کا معیار گرا جا رہا ہے
۱۰۔ میلہ کا منہ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ دانش کی برائی کا ایک سبب یہ
۱۰۔ ہے کہ طلبہ کی تعداد میں سماج کی معمولی اضافہ ہو رہی ہے اور ان کا تعلق
۱۰۔ مانت کے مختلف طبقوں سے ہے جن کی روایات جدا جدا ہیں اور جن
۱۰۔ بااعداد ایک ریس سے نکلتی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں
۱۰۔ سادگی تعلیمی مانت کو فراہم کرنے کی محنت میں یہ ایک صحیح قدم ہے۔
۱۰۔ بعض لوگ نفسانی اصدوں اور بظاہر معقول دلیلوں کا سہارا

۱۰۔ لے کر تعلیم کے مساوی مواقع فراہم کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کا دلیلا
۱۰۔ ہے کہ وہاں تعلیم رجحان اور قابلیت کے استعارت افراد
۱۰۔ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان مختلف صلاحیتوں کے طلباء کے
۱۰۔ لیے تعلیم کے مساوی مواقع فراہم کرنا، تو ہی، مسئلہ کو حل کرتا ہے۔
۱۰۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کہ زمین اور صلاحیت والے نیچے اعلیٰ ترقی کی تعلیم
۱۰۔ سے فائدہ اٹھانے کے لیے ترقی نہیں ہر ترقی کر باوجود میں سے۔
۱۰۔ لیکن یہ طریقہ کار دیکھا جاتا تو اس دلیل میں خود فائدہ درج نہیں ہے۔
۱۰۔ اول تو دانت اور دوسرے رجحانات جن میں میں اس اور۔ لی ٹکھتے
۱۰۔ ہیں دراصل سماجی اور مانتی حالات کی دس میں تھے ہیں اور مانتی حد
۱۰۔ ملک ان کا تعلق اس سے جو ہے جس میں خود کو سو دھاتی ہو۔
۱۰۔ دوسرے پہلے سے تعلق طریقہ یہ ہے کہ مانتی ہے کہ تعلیمی حوالے کے سلسلے میں
۱۰۔ میں کے ساتھ کیا روایہ اصدا کا کیا جا رہا ہے۔ تمام بچوں کو مساوی مواقع
۱۰۔ فراہم کرنے کے بعد ہی اس سے کہ ۱۰۔ ۵۰ لگا رہا ہے کہ اس کے کچھ مخصوص
۱۰۔ ترقی کے سیکھے میں خود صلاحیت ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہے۔
۱۰۔ ممکن نہ ہو گی ہے کہ ایسے بچوں کو جو کچھ ان سے ملتا ہے صلاحیت
۱۰۔ نہ ملے گا۔ مانتی مانتی ہی سے انصاف ہو گی جس کی مساوی مفاد
۱۰۔ رکھے والوں کے ساتھ مساوی سکول کو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ
۱۰۔ جن پر حجاب نہیں ہیں جو انصاف اور راب اور حصہ ۱۰۔ ۵۰ کے جو
۱۰۔ کا نام لے کر سماج کے گرد و اطراف کو دی جانے والی اس مانت اور
۱۰۔ خصوصی سلوک کی مخالفت کرنے میں جو خاص طور پر رات میں
۱۰۔ راول اور درج بہت مضبوطی کو دوسرے کی دیکھا گیا
۱۰۔ کے عکس حاصل میں۔ جہاں سماج کے اس طبقوں کی پیدا کی گئی
۱۰۔ نارنجی دھواں ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ نظری مانتی طور پر
۱۰۔ کمر ہیں۔ یہی مانتی مانتی اور کچھ دوسرے مانتی طبقوں کے لیے
۱۰۔ میں کچھ جاسکتی ہے۔ یہ وہی میں جن میں طلبہ درجہ طلبہ
۱۰۔ صدیوں سے دیا کر کچھ عیب میں رکھے ہے۔ اگرچہ یہ سماج کو کوئی
۱۰۔ کی راہ پر گامزن ہو رہے تو اس نارنجی مانتی کا اور کچھ مانتی سے اس
۱۰۔ نے کچھ لطف کے مفادات ہماری خصوصی حوالہ کی گئی ہیں۔ جو مانتی کی
۱۰۔ مانت ہے کہ تعلیم اور مانتی مانتی میں اس کی جھلک رکھانی

[illegible]

جہاں تک اسکول کے اعضاء اور اندر کو جوئے وغیرہ سے منع ہے اس میں اس طرح کے سوال کا جواب ہے کہ جو شخص اس معاملے کے مسئلے میں اس طرح اس معاملے میں ہے کہ اس کا کہنا ہے کہ اس کو اس طرح بڑھا جائے کہ اس طرح اس طرح کے مسئلے اور اس طرح کے مسئلے میں صحیح رہنا چاہئے اور اس کو ٹھیک صورت سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ ہمارے حصے ملک میں جہاں زبان و ادبیات عربیہ تعلیم اور تعلیمی حوالہ ایک ایک دور سے مختلف ہیں اس موضوع کے مطالعہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس بات میں تہہ ہے کہ اس کا مطالعہ کے مطالعے سے ہمارے طلباء میں کثرت میں وحدت کا طرہ پیدا ہوگی اور اسے جس کی کثرت ہے۔ توئی رفتی کے

موجودہ تعلیم برصغیر کو آنا ہے کہ جاری تعلیمی سہارے کی نہ زیادہ مضبوط ہے اور نہ اس کی محنت محفوظ اور مائیدار ہے۔ عوام کی کثیر تعداد جسے ابتدائی تعلیم اور تعلیم بالعمان کی ضرورت ہے اور پھر اعلیٰ و دلت بیدار کرتی ہے۔ اس لیے عوام کی تعلیم کو ماری تعلیمی مہرہ کی میں سے زیادہ اہمیت دی جانا چاہیے۔

مرکز میں فلسفہ کی تہذیب کے ساتھ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو اس فلسفہ
میں کے ہولوگراف انما کو دیکھا گیا ہے اس میں ایک ایسا ہی عالم ہے جس
کا وہ اپنے ہونے پر ہی مگر فلسفہ کے معنی پر سمجھنے کے ساتھ وہ نہیں کیا
کی تاہم اس کے ساتھ ہی کہا گیا کہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ
وہ دیکھ کر کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
اسے جسے فلسفہ کے معنی کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ

[illegible]

آج کی دسائیں ہر ایک صفت اور نیکوئی کی سیار میں
رہے۔ مجدد دسائیں تمام ترقی کا سرچشمہ سانس کا علمی ہیں مکہ
درعدہ۔ بمقصد نظر ہے جو سامنی طریقوں کو اسلے سے ملدایا ہوا
اسکولوں کے نصاب اور عام علم کے ایک حصے کے طور پر دیگر ترقی
تعلیمی پروگرام میں سانس کی تعلیم پر ضرور دیا جا رہا ہے ذہن
تسلو اور محنت ہے۔ ملکی حالیہ چیرتا اگر ترقی کا حصہ سانس
کے میدان میں ملکی ترقی کے پیش نظر اسکولوں کے نصاب میں
سانس کے مواد تعلیم کا کچھ اضافہ ملنے کا جا رہا ہے۔ اس لیے ضروری
ہو گا کہ جو اساتذہ اسکولوں میں کام کر رہے ہیں ان کے لیے ایسے
پروگرام شروع کیے جائیں جن کی مدد سے وہ ان چیزوں سے واقف
ہو سکیں جو انھیں سے نصاب کی دوسرے شعبہ ناموں کی۔ سب

اس نظریے کی روشنی میں امتحانات لینے والے بکھراؤ اور نئے امتحانات کی تکنیک میں تبدیلیاں بھی کر دی ہیں۔ اس کا اہلکار اس لائحہ عمل سے موافق ہو اسکو میں اختیار کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود تعلیم کی مجموعی برقی پرجا نرس کے لئے تصور کا کوئی قائل کو اثر نہیں پڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاملے پر تعلیم کے دوسرے ادارہ سے الگ ہو کر غور کیا گیا ہے۔ جائزے کو جب تک نصاب اور پڑھانے کے دورے معاملے کے ساتھ منسلک کر کے اس پر غور نہ کیا جائے گا، اس وقت تک محض نئی تکنیک استعمال کرنے سے حاصرہ ہیچ نہ رہیں ہوگا۔

اب اس بات میں صداقت نہیں رہی ہے کہ جو ایک دوسرے اتنا ہو گیا دو ہمیشہ کے لئے اتنا ہے۔ استاد کو بھی دوسرے ایسے کے لوگوں کی طرح اس تمام ترقیوں کے مابین جس حد میں معلومات ہو جایا ہے جو تعلیم کے میدان میں ہوتی رہتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لائٹ کی یہ خصوصیت صرف وہی کہلے کے سر سے راہ راہ اسادوں کے در سے ہے۔ یہی ہے کہ ان میں سے بہت سے کہ لوگوں کو تعلیمی مواد کو عام ترتیب دینے کا کام سونپا گیا ہے، تاکہ اسانڈہ اپنے اپنے اسکولوں میں تعلیم کے معیار کو بہتر بناسکیں۔ اس سلسلے میں جو کام کیا گیا ہے اس کی بہت سی رپورٹیں موجود ہیں جو اسانڈہ ملازمین کرتے ہوئے اپنی علمی اور پیشہ ورانہ استعداد کو بڑھا رہے ہیں ان کے پروگراموں کو یکے اور کیفیت دونوں اعتبار سے راہ راہ مائید اور بہتر منسلک کی ضرورت ہے۔

یہ ملک میں موجود مختلف النوع معاشروں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا جسی اسم ہے مثلاً کہ اس نقطہ نظر پر آیا۔ یہاں یہ نظر کاروں و حکام کو کس حاکم ہے۔

معمول طویل ہو گیا ہے لیکن دور حاکمات اور قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ احوال ہے کہ عیسائی ترقی میں ان کی کافی بہت ہے۔ اس میں ایک رجحان کا غلط طیارہ کی ترقی کا جائزہ لینے سے ہے، جسے جائزہ (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۷ء) کہا جاتا ہے اور دوسرا وسیع پروگراموں کے ذریعے اس سائنس کی کارکردگی کو بہتر سامانہ جو اسووں میں کام کرتے ہیں۔

حاکمات کے معاملے میں جائزہ کا مطلب طلبہ کی عمومی ترقی کے مختلف پہلوؤں میں علمی استعداد، کردار، شخصیت، روح کا پیرایہ سے اس کا مقصد ایک خاص ذہن میں شخص طلبہ کی علمی، ماکو بیکارڈ کرنا اور اس کی نصف فن کو مای نہیں ہے بلکہ جائزہ کا جس مقصد، ترقی کے لیے وہ عمل میں مددگار ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد ہی کہ جونا کس طرح کا شتا ہے اس کی مرمت کوئی جانی ہے۔ جائزہ یا جائزہ، تعلیمی طریقہ کار کا اصول و معیار ہے۔ مگر تیس سال کے دوران جائزہ کا نظریہ اسانڈہ تعلیمی معیار، دوسرے کارائی امتحانات سے متعلق حقائق میں کافی تبدیلیاں ہوئے۔ اس مقصد کے لیے مختلف سمپارہوں کا نمونہ اور جلسوں کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ جائزہ اب اسانڈہ کی تعلیم سے متعلق تمام پروگراموں کا ایک ضروری حصہ ہو گیا ہے۔



توانائی قفسے — (صفرم کا لقبہ)

حفاظت قرآن تھے۔ تراویح کو اتنا طویل دیا جائے گا کہ وقت سحر سے صبح تک۔ یہاں یہ مولانا شریعت کوئی کا بڑے شوقاں ذکر ہے۔
دوسری حق جاری ہے یاں بھی جس سبب آزاد کا حق خاتمہ مدرسہ گویا ہے فیض آباد کا
انڈیا قیدی نانا تھا، ہندو مسلم اتحاد کا یہ روح پرور نصاب
بیان کرتے ہوئے حقیقت صاحب کا ماکو قابل دیدہ ہوتا ہے۔

قیدی "نانا" کہہ کر بھی طلبہ کو تھے جیل کے قاعدہ کی ساری کسی صورت سے اس رعایت کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس باب میں تمام ہندو مسلم سیاسی قیدیوں کی مجلس شریعت بھی اور یہ طے ہوا کہ انظار صوم کے بعد تراویح باہر ہی پڑھی جائے گی۔ مسلمان قیدی نماز پڑھیں گے اور ہندو قیدی ان کی حفاظت کریں گے تاکہ نماز میں کوئی خلل نہ پیدا ہو سکے۔ قیدیوں میں بہت سے

جوانی آگئی مشرق پسلا ایشیا جاگا

ملکت الہ آبادی

وہی ہندوستان جو قبلہ اقوام عالم تھا
سبق جس نے زمانے کو دیا تھا علم و دانش کا
بدل میں خوں سے محکومی نے ساری جھنڈیں کی
نہی دامن ہوا خود جو کبھی دنیا کا دامن تھا

پھر اک مرد خدا اٹھا پھر اک مرد فقیر آیا
خیم گردن سے جس نے شجرہ فولاد کو کاٹا
لڑایا جس نے مجتہد ستارے پہ کوتاہی سے
مہیا یا اپنا خون اور موت کا سر کر گیا اپنی

تسریک کار اس کا اک جوان کامیاب آیا
بھپائے دل میں غم سینے پہ مہکائے گلاب آیا
جوانی آگئی مشرق پہ سارا ایشیا جاگا
ہوئی کافور اندھیری رات جب یہ آفتاب آیا
ہو اُمیں اس کی سنگیں، حین لہکا غصا ہنسی
وہ کیا آیا کہ ساری قوم پر جیسے مٹا آیا

کلی کو اپنی نکت دے کے ہم سے پوگیا رخصت
کلی بھی ہے وہ گل بھی تیغ بھی آہن بھی دیسا بھی
حرم اندر حرم دل اس کا، مخ اس کا صنم خانہ
وہ قاتل بھی سیاح بھی، وہ مومن بھی وہ ترسا بھی
سیاست اس کی عزم اس کا تجماعت اس کی حسن اس کا
ستارہ عقل و دانش بھی سرورِ جام و مینا بھی

شجرِ آنلا دی

عمر انصاری

سجس گلست میں جو بہ بیڑ کھڑا ہے لوگو
میار کا ہے یہ تار، عظمت اس کا بھرم
سرزمین اس کی تہاں کی ہے اک دادی
قدر قامت میں جو ترستہ رہا نہ ت نہیں
سب داندان ہوں عاشق کی دقائیں جیسے
یات یات اس کا ہے مٹا ہوا نگاہوں کی طرح
ٹہنیاں صحرِ مردت کے نکھائی ہیں سستی
اس کے ہیلوین مراؤں کے کھول کھلتے ہیں
راہ تکتا ہے شہ دروہ یہ کس کی کس کی
کارواں ماروں کے اترتے ہیں یہیں
برخ کا جب بھی ستایا کوئی آجاتا ہے

دیکھ سکتا ہو تو دیکھے کوئی جون اس کا
ہلے وہ دور، قصور نہیں مکمل حس کا
ہر نظر ایک دکھتی ہوئی جنگاری تھی
عالم ہو تھا ہر اک سمت اس آہ کے بعد
اس کے باوصف کہ بھو ماٹھے بھر لاکھوں
اب یہ کہنے کو بری روئے بری زادہ ہے
یہ زمین آگ تھی مشکل تھا جانا اس کا
اس سے پہلے کہ یہاں لاکے لگایا تھا اسے
تیر کیا کیا زمانے نے کلجے بہ جلاے

ہاں گریہ کہ نظر میں رہے بچپن اس کا
حرم تھا جب کہ یہاں نام بھی لیا اس کا
دھوپ ہی دھوپ کی ہرست لعلِ داری تھی
کوئی دانی ہی نہ تھا اس کا طفرناہ کے بعد
ہم نے سنبھالنے اسے اپنے لہو سے برسوں
ہے ہمارا ہی سگر جس یہ یہ استادہ ہے
ہم نئے کزور تو دشمن تھا زمانہ اس کا
من جلع خوابوں کے آئین میں اگایا تھا اسے
کیسے کیسے نہ ستر اس کے لیے ہم نے اٹھاے

آرزو میں کرے پھولتا پھولتا دیکھیں
اپنے وہ شام سویرے ہمیں یاد آتے ہیں
جان یوں اس پر خدا کرے کرے والے
مات ابھی کل کی ہے مادک سایہ اک پورا تھا
اس سے پہلے کہ کرم اس یہ کوئی فرماے
نقد حاکم بار کے بھی ماری دل حیت گئے

کتنی کٹا دس خود اپنے ہی سردی کی فصلیں
دس دوار کے پھیرے ہمیں یاد آتے ہیں
زندگی اپنی اسے دے گئے مرنے والے
ہم بچا لیں اسے، ہر سر میں ہی سدا تھا
سہمی مہمن تھی کہ یہ بیڑاں جو چاہے
دیکھتے دیکھتے یکس برس بیت گئے

آج اسے دیکھ کے آنا ہنس یاد ایک بھی غم
سر بسدی میں اگر اس کی ہے تیو کی اٹھان
کی عطا اس کو تارکے سے صفت غم تو اداس
جب کہیں جا کے، یاد ہر میں یہ لانا
ماں میں ہے تو سویت سن ساراں تو
بوا تر اس یہ تو نہ تو نہ تو گنا بد کا
آئے تسم، بوریہ جاتی ہے موتی اس میں
سرا ہو تو ہر آفتاب، بڑا مان کرے
کی سب ہو جو سر فخر اھی اور ادینا

کہے کی ایک، کہ ہیں ٹھٹھے تو گھسی چھاؤں میں ہم
سر زنتی میں بھی ہے جھانسی کی رانی کے سماں
عطیں اس کو یہ آؤ سے ملی ہیں ساری
آب موتی سے، تو تو ہر سے ملی تاملانی
اس کی دگ دگ میں تھکت سنگھ کا، ڈر ہے ہو
کہے محبوب یہ آزاد حسین احمد کا
مات یہ ہے کہ حوا ہر کی ہے جوتی اس میں
مرے والے تو ملیں لال بہ در ایسے
اس کا دامن بھی تو امدار کے ہے آؤ سے سدھا

آخری فائدہ شوق کی یہ منزل ہے
ہم یوں جیا ہیں اسے، یہ تو ہمیں ہو سکتا
جان دے دیں گے، ابھی اسے پہنچے ہو گئے
اس کے بھلوں کی قسم، اس کے بھلوں کی سو گند

بنیادوں

مسعود احمد خاں

اٹھو، جہدِ باطنی کے ماتر گسارو، غمِ رنگاں آج دل سے بھلا دو
ردائے کاروانِ سوئے سہل زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو
زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو

سپا، نرم، چمکا، مہِ دُور آیا، بے حوصلے ہیں، ارادے بے
نئی، نرم، آراستہ، پتھر جو اپنے اسکیں ہی میں، تقاضے بے ہیں

اٹھو، عصرِ حاضر کے، مردِ گارو، یہ تفریقِ ستارہ و گداز اب مٹا دو
اردو کا، ان سوئے سہل زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو
زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو

اٹھو، میری دنیا کے محنت کنوں کو دلوں کے محنت سے معذور کردو
کمت و کلیف و دیر و حسم کے بحرِ زمیں آئے و زبِ ربانی
خدا مے پائے، ستارہ کوئی قیامت ہی ہو، یہ ایجاد کوئی
ہنگامہ اور شاہیں کا، اک لفظ تر یہ تخریبِ ہمسما، یہ جورِ سلس
یہ شرت کی تینالیوں سے اُٹھ کر، جیسیں طلتِ شمس کے، جس کی ہے

زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو کہ تشکیلِ برمِ ہنر، پور ہی ہے
سیدِ رات دمِ یزدانی ہے، افسانہ میں

گیا دورِ سرمایہ اری گیا اب تماشا دکھا کر، ہادی گیا اب

اٹھو، عصرِ حاضر کے، مردِ گارو، اب اس برم کو رنگِ جنت بنا دو
ردائے کاروانِ سوئے سہل زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو
زمانے کو خوابِ گراں سے جگا دو

آزادی کا حق ہے

راہ کر سن مصطفیٰ لکھنؤ دی

لہلہاتے ہوئے کھیت اور یہ گاتے دریا
جنتیں جس میں ہیں آباد یہ دد داسن ہے

ایسے ہاتھوں سے ہی بنتی ہے یہ مٹی سونا
اپنی محنت کا ہے اعجاز نمایاں ہر سو
اپنے ہاتھوں نے ہی فولاد کو گھلایا ہے
کار فرما ہے ہر اک شے میں عمل کا جادو

مقصد اہل دین آرزو ہے جاں باز اس
ہند کے دے جہاں تاب کی تنویر ہے تو
تیری خاطر تری راہوں میں ہبسا جن کا لہو
ان تہیدوں کے جس فواب کی تعبیر ہے تو

عظمت قوم ہے جمہور کی آزادی ہے
تیسرا انداز یہ سوجان سے قرباں ہم ہیں
تیری ہستی سے ہی قائم ہے ہماری ہستی
تیری ہستی کے نگہداد نگہبیاں ہم ہیں

کتنا دل کش ہے ترے رخ کا بہ شاداب چمن
کتنے پُر نور ہیں ان مد بھری آنکھوں کے کنول
کتنے تازہ ہیں ہلکتے ہوئے ہونٹوں کے گلاب
کتنا سندر ہے یہ مکھڑا یہ سنہری آئین

یہ چمکتی ہوئی کلیاں یہ ہنکتے ہوئے پھول
اک کرشمہ ہے تری شوخی و رعنائی کا
یہ چمکتی ہوئی شاخیں یہ جس قوس قزح
آئینہ ہیں تری سستی بھری انگڑائی کا

اے نسیم سحری! روحِ نوجوانِ حیات
تو نے بخشا ہے جلالِ گل و نسیم کو نکھار
تیسے جلوں سے ہی زینتِ سخن زادوں کی
تیرے نموں سے ہی رقصاں ہے ہر اک مت ہا

اپنی دھرتی ہے چمن اپنا ہے گلِ اپنے ہیں
اپنے جیون کے ہر انداز میں اپنا پن ہے

شک

جگیت و دیا تھ میناں مریلوی

پھونکتی رُوح بہاروں میں گھٹا آئی ہے
خادوے حیشم حیناں ہے کہ برسات کی رات
حلقہ زلف بہاراں ہے کہ برسات کی رات
پردہ نیلے سبرہ پہ نگہ آریا ہے
جگمگاتے ہیں نعتن ساز فضاؤں میں کنول
ظلمتِ او و پسراغاں ہوئی بکسر کا نور
اب وہ ادبِ مسلسل ہے نہ دورِ آلام
صورتِ باپِ قفس باز نہی راہیں ہیں
پیش پا منزل مقصود فتادہ نہ سہی
حُسنِ تدبیر سے تھرکا جگر پانی ہے
بہام ہونٹوں سے لگے ہوئے جمنائیل کا
اک چراغِ تیردا ماں ہے چراغِ خورشید
دژہ خاکِ وطن ہے سرِ پنجسم کا جواب

خامل حالِ مقدر بھی ہے مقدر بھی ہے

خدا شہِ دار تو ہے جراثِ منصور بھی ہے

لہ بھائیوں پر دھکٹ

اردو کے ضبط شدہ مطبوعات

علی حواد ریدی

اور ہندو فیتوں میں پھس گیا اور ان محوس و محور کتابوں کو کھول سا گیا۔
۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۱ء، سنہ ۱۹۵۱ء میں اس کی یاد ہندو آئی مکس ہوا کی
طرح ایک درتے سے آئی اور دوسرے درتے سے نکل گئی۔
آج پھر یاد آئی تو خیال آیا کہ کم از کم صطندہ کتابوں کا
حالہ لے لانا چاہیے۔ مشکل یہ بھی کہ یہ کتابیں حلف دباستوں
اور کتب خانوں میں کھری ہوئی تھیں ان کی دست کی ترتیب سے لکھنا
ناممکن تھی۔ تھانی سے ہری طر حکومت بنگال کے ہوم ڈپارٹ منٹ
(پریس) کی مندرجہ ذیل کتاب کوہ کتاب پر پڑی۔

LIST OF PUBLICATION PROSCRIBED IN
BENGAL DURING THE PERIOD FROM

MARCH 1-1910 TO DECEMBER 31 1919.

دنگال میں صطندہ مطبوعات کی فہرست۔ یکم مارچ سنہ ۱۹۱۰ء سے
۱۹۱۹ء کے (ایں)

کتاب سنہ ۱۹۱۰ء میں گو مینٹ پریس علی پور سے شائع
ہوئی تھی۔ تلاتر کے درمدم ہوا کہ اس کے جاری ہونے کو گورنمنٹ
پریس علی پور دنگال سے ایک اور فہرست حکومت دنگال کے ڈپٹی کمشنر
ڈی آر ٹنٹ نے شائع کی تھی اس کا نام ہے

LIST OF PUBLICATIONS PROSCRIBED
FROM 1920 TO 1934 (JUNE)

دست ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۴ء (جون) کے مابین ضبط شدہ مطبوعات
کی فہرست

پہلی جنگ آزادی کی صد سالہ یادگار سنہ ۱۹۵۱ء میں سائی گئی تھی
آج سنہ ۱۹۷۱ء میں ہم حصول آزادی کی پچیسویں سالگرہ منانے جارہے
ہیں۔ پہلے موقع پر میں نے ایک جھرسا ہرہ اردو میں قومی شاعری کے
سوسال کی تحلی میں پیش کیا تھا۔ اب حق سیمیں کے موقع پر یاد دہ
کی فرمائیں پر اسی سے ملے ملتے کسی موضوع پر کچھ لکھنے کی فکر ہوئی۔
مندرکہ ملاقات کے شائع ہونے کے ہی موضوع سے متعلق ح مواد
ملنا ار اسے میں جمع کرنا گیا۔ لیکن اسدہ و حیرہ کا عدات کے اجار
پریس میں دب گیا ہے اور سامے ہیں اور ہے، اس لیے تلاتر موضوع
میں دہیں دوسری فہرستوں میں بھٹکے گا۔ سنہ ۱۹۳۴ء کا ایک اندہ
یاد آ گیا۔

میں اکل ایڈیا اسٹوڈنٹس ڈیڑن کے حرل مکرری کی جنیت
سے شہنہ گیا ہوا تھا۔ دہاں میں نے سیاست حاضرہ پر انہار خال
کجا جرمقا می اخبارات میں شائع ہوا معمر سیاست دان، سجدہ امہا
رندہ تھے اور دہاں کی تعامتی زندگی کے ہر خیب دفران کی
نظر دہتی تھی۔ اخباری اطلاع دیتے ہی انہوں نے اپنے ایک عزیز
طالعہ کم کی وساطت سے مجھے دوسرے کھانے کی دعوت دی۔ اسی
شام انظر میں، اب کہاں ہیں؟ کھانے کے بعد انہوں نے مجھے اپنے
کتب خانے کی زیارت کرائی۔ پھر کچھ مقفل الماریوں کی طرٹ اشارہ
کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں ضطہات ہ کتابیں محفوظ ہیں۔ ص کوئی
گورنمنٹ آفسہ تو میں یہ الماریاں اسے ضرور دکھانا ہوں؟ ان
کی اسی عالمانہ آن سے مجھے مسخوردہ کیا۔ آزادی کے بعد میں سرکاری کاروں

شراڈنٹ ۹۴ ۱۸ شنگ

اسٹیشن نمبر۔ اگست ۱۹۷۱ء

پنٹلٹ، بینٹ لٹ (جو انڈیا میں آج دور کے پسرانہ فتنہ
تصادف، اختارات، رسائل فرض کچھ بھی سمجھنے نہیں پاتا تھا۔ کلکتہ
کے دیگر اذہم طاع قوم پروردوں نے ایک نیا طریقہ نکالا۔ دھڑتوں کے
کناروں پر ایک بنگالی نظم چھاپ دی۔ نظم کا عنوان تھا: اوداع
مال۔ یہ دھڑتیاں، کلکتہ، ہونڈہ اور مونا پور میں فروخت
ہوتی یا ٹیگس اور بنگال کی حکومت نے حکم ۱۳۵۰ء مورخہ
۱۱ مارچ ۱۸۷۵ء کے درجے ہٹا کر لیں۔

صطارتہ کتابوں میں بہت سی ہندستان کے باہر برطانوی
جہ کے باہر طرح ہوتی ہیں۔ ان مقامات کے نام یہ ہیں۔
(۱) پیرس (۲) لندن (۳) برلن (۴) سین فرانسسکو (۵) نیویارک
(۶) جینوا (۷) مسقطیہ — پیر وانی جہاں میں چھپے والے مطبوعات
کی اکثریت میں دس سو سے تالیفات ہوتی ہیں۔ کچھ کتابیں یا دیگر پیر
شائع ہوتی ہیں۔ یا دیگر پیر اس وقت فرانسیسی مقدمہ تھا جس میں
کی حالت طاعت میں تہذیب کی حالت تک یا پر عظم کا نام درج ہو۔
مثلاً یورپ یا انگلیڈ۔ میں فرانسیسی کی ہندستانی تحریکوں کا مرکز
بن گیا تھا۔ مثلاً کاسٹر، فدر پارٹی وغیرہ۔

ان فرستوں میں کئی نام بے حد غلط درج ہیں بعض معلومات
جو بہت ضروری تھیں مثلاً مسقطیہ وغیرہ کا نام وہ بھی درج نہیں
کیا گیا ہے مثال کے طور پر اہلال کے بارے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ
اس کے دربر ملانا ابوالکلام آزاد تھے۔ اطلاعات اور اہتمام چوں
یا قادی وغیرہ کے سلسلے میں بھی نام درج نہیں ہیں۔ پوسٹروں
اور لیٹ لٹوں کے بارے میں تو یہ سوچا بھی جاسکتا ہے کہ نام تالیف
اصل میں بھی درج نہ ہوں۔ لیکن قادی کے سلسلے میں یہ صورت
نہیں ہو سکتی۔

سنہ ۱۸۷۵ء کے دوران شائع ہونے والے مطبوعات
میں زبان کی تفریق انہیں کی گئی ہے صرف دو ایک جگہ 'اردو'
کا ذکر ہے باقی کا اندازہ نام اور دوسرے قرائن سے لگایا جاسکتا ہے
یہ فہرست مزید تحقیق کی محتاج ہے اور جب تک اصل قائلین یا گروٹ
وغیرہ نہ دیکھا جاسکے یہ قطعی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مطبوعات

بھرا سی حکومت کے ہوم (پیس) ڈپارٹمنٹ کی جانب سے شائع شدہ ایک
اور فہرست کا تیتہ چلا۔ یہ جزوی سنہ ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء کے
درمیان کے دفعے میں شائع شدہ مطبوعات کی فہرست ہے۔ اول الذکر دونوں
کتابیں عام مطبوعات ہیں جو شائع ہونے کے بعد عام فروخت کے
لیے کتب فروشوں کو دے دی گئی تھیں۔ لیکن آخری فہرست صرف سرکاری
استعمال کے لیے ہے اور عام طور پر خریدی نہیں جاسکتی۔

مزید تحقیق سے یہ چلا کہ ایسی ہریتیں دوسری حکومتوں کے پاس
بھی مطبوعات یا غیر مطبوعات شکل میں موجود ہیں۔ اگر وہ باب تحقیق کو مشت
کر دیں تو ان تک رسائی ہو سکتی ہے۔ ان فہرستوں میں تحریک آزادی کی
تاریخ اور اس سے متعلق ہیں یا مواد موجود ہے اور اس کی درجہ شدہ
ہے کہ اس سے کو ایک رشتے میں پرورد یا حاسے اور ۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۶ء
تک کی ان مضامینہ کتابوں اور دوسری مطبوعات کا مکمل جائزہ لے کر
ایک تفصیلی فہرست مرتب کی جائے تاکہ تحقیق کے راستے کی ایک اہم
رکاوٹ دور ہو۔

ابھیں فہرستوں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پہلے ان میں ایس ایکٹ
سنہ ۱۸۷۶ء کی دفعہ ۱۱ کے تحت اور اس قانون کی منسوخی کے بعد
قانون ضابطہ و حدادی (ذریعہ بل پر بھی حکومت کی دفعہ ۹ و ۱۰ کے تحت
کے تحت کتابیں درج مطبوعات ضبط ہونے لگیں۔ سنہ ۱۸۷۶ء کے کون سے
مطبوعات ضبط ہونے ان کا سرارج لگاتا ہے پہلے کوئی ایک حکومت
ضبطی کے احکام صادر کرتی تھی۔ اس کے بعد دوسری حکومتیں بھی اپنے
گروٹ میں ان احکام ضبطی کا اعادہ کرتی تھیں۔ لیکن سب حکومتیں اس
پس کرتی تھیں۔ بھرا ایسا سلوم جہاں کہ جہاں جہاں مطبوعات کی سرائی
تھی یا جہاں تحریک آزادی مضبوط تھی وہاں ضبطی کی زیادہ شکر ہوتی
تھی۔ ہر گز مثال میں تحریک زیادہ دور سے مل رہی تھی اس لیے وہاں
ضبط شدہ اور قابل ضبطی مطبوعات پر زیادہ کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ یہ صورت
اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ مطبوعات منع یا شائع نہیں اور جو اس وقت
اور۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مطبوعات اور پوسٹروں کی تصدیق اس رات
میں پڑی جہاں ضبط ہوئی۔

ضبط شدہ مطبوعات میں بھی طرح کی چیزیں ہیں۔ کتاب، کتابچہ

اردو ہی کے ہیں۔ یہ صورت سنہ ۱۹۲۵ء کی فہرست مطبوعات کی نہیں ہے۔ اس میں ہر زبان کی ذہرت الگ الگ درج ہے۔ اردو کے بعض مطبوعات کے نام اور ہزاروں کا اردو انگریزی میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اور اصل نام معلوم نہیں ہو پایا۔ جہاں نام انگریزی میں درج ہیں وہاں اطالی کے بعض خطبیاں ہیں بعض دکانی لفظ کو بچانا مشکل ہو چکا ہے۔ بدھ پرچم میں ٹری سے بدھ بونی گئی ہے۔ بعض اوقات ایک ہی کتاب کا نام ایک جگہ اردو میں اور دوسری جگہ انگریزی میں درج ہوا ہے مثلاً سمری بندر از محمد فیم خان یک اور سمری Western name کے مران سے درج ہے۔ بعض مطبوعات مختلف جگہوں سے شائع ہوئے یا ایک جگہ مضبوط ہونے کے بعد دوسری جگہ سے شائع کئے گئے۔ مولانا مسعود علی مددی نے نظم کردہ خلافت کیٹی کی حاس سے حضرت شیخ اہند مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ کا ایک مزوری خط چھپوایا جو پہلے یو پی پیر میں دربار میں ضبط ہوا۔ غالباً اسی کو دوبارہ علی گڑھ سے شائع کرا لیا گیا۔ یہاں عوامی مفک کر دیا گیا ہے۔ حضرت ایک مزوری خط "مربوہ بی بی میں ضبط ہوا غالباً یہ دونوں ایک ہیں۔ لیکن مزبہ تحقیق کے بغیر قطعی حکم لگانا ممکن ہے۔

کچھ مطبوعات ایسے بھی ہیں جو اردو اور پنجابی میں شائع ہوئے ہیں۔ فہرست میں پنجابی کو ہر جگہ گورکھی لکھا گیا ہے۔ لیکن ایک نمونہ "ذکر شہزادی دامنہ" ہاؤس ڈارمپیاہ از گیانی بان سنگھ صاف طور سے پنجابی ہے غلطی سے اسے بھی اردو درج کر دیا گیا ہے لیکن ایسی مثال بھی ایک ہی ہے شاید ایک آدھ اردو بھی ہو۔

مطبوعات کے نام کے ساتھ جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کی شکل یہ ہے

1... (NAME OF BOOK) PUBLISHED FROM... BY
اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کاشادہ ناشر یا طابع کے نام کی طرف ہو یا مصنف و مدیر کے نام کی طرف۔ جہاں یہ بات بالکل ہی صاف نہیں ہے وہاں میں سے اسے ناشر فرض کر لیا ہے اور جہاں معلومات کی بنا پر یا قرآن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مصنف

عربہ وہاں میں نے قرآن و مسلمات پر اعتبار کیا ہے لیکن یہاں بھی مزبہ تحقیق کی محتاج ہے۔

ہندستان کی برادریوں حکومت کی جانب سے جو مزبہ مطبوعات شائع ہوئے ان میں بعض پر حمید اللہ شام۔ حمید اللہ درج ہے۔ یہ مولانا حمید اللہ سندھی ہیں۔ دوسرا امراہوں میں۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ مرزا فیم بیگ جتانی، شیخ شہزاد حسین مدنی، علی گڑھ کی رائل رائل سکینہ (جو بعد میں پانچویں کے نام سے مشہور ہوئے) مولانا شبیر احمد عثمانی، لکھائی پرانند، کشن چندریتا دھیرہ کے نام آتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولوی مسعود علی مددی کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔

اس دور کے اکثر مطبوعات کا تعلق آزادی کی تحریکوں سے ہے جس میں خلافت کی تحریک کے علاوہ گھانا، غدر، یارنی وغیرہ شامل ہیں لیکن بعض مطبوعات کی اصلی کاسب فرقہ داریت بھی ہے۔ چونکہ اس کی تشریح کہیں نہیں کی گئی ہے اس لیے اس کو ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ ان میں وہ مطبوعات بھی شامل ہو سکتے ہیں جو اس بنا پر ضبط ہوئے ہوں کہ ان سے فرقہ داریت پھیلانے کا اندیشہ تھا۔ مزبہ تحقیقات کے منیر ان سب کو تحریک آزادی سے وابستہ کچھ لینا غلط ہوگا لیکن ان کی بہت بڑی اکثریت (جیسا کہ نام سے اردو دوسری قتر سجات سے صاف ظاہر ہے) تحریک آزادی سے متعلق ہیں۔ ان میں نظروں کے بھی کئی محوئے ہیں۔

یہ فہرستیں دو حصوں میں تقسیم ہیں (الف) کا تعلق سنہ ۱۹۱۰ء تا سنہ ۱۹۱۹ء سے (ب) کا تعلق سنہ ۱۹۲۰ء تا سنہ ۱۹۲۳ء سے ہے۔

فہرست الف

(۱) ایک اخبار کا نام "نور الیوم" تھا یہ بنگال میں حکم ۱۹۰۵ء مورخہ ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء کے ماتحت کسی دوسری حکومت جس ضبط خرا دی جانے کی بنا پر ضبط کر لیا گیا تھا۔ نام سے تو اخبار اردو زبان کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تفصیل نہیں معلوم ہوئی۔

محکم ۹۹۵۲ A مورخہ ۲۶ راکٹر ۱۹۱۳ء ضبط ہوا گھاسے کہ اردو، گورکھی، بھجرائی یا اردو میں۔ یہ نہیں کہ پرب زبانوں میں لکھتا تھا یا ایک ہی شمارے میں سب زبان کے معانی ہوتے تھے۔ یا عرب فہرست کو پتہ نہیں کہ سندھ، مالازاؤں میں سے کس زبان میں تھا۔ (۱۳) - انالیٹی - رومانٹڈ یاد نسر مطبوعہ - اسرائی اعطاء - پالیسی پسند رائج الوقت حکومت کے سامنے آدر آجری اعطاء - سندیش بھگتی - معبود رام پری آکاس تیر۔ ضبط حکم 3514 P مورخہ ۱۵ رارج ۱۹۱۵ء مصنف نامعلوم۔

(۱۵) - "الانعام" کلکتہ سے مطبوعہ - آغاز - رہے ریائے (۲۰ یا ۹) ضبط حکم 3215 A مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۵ء مصنف نامعلوم۔ (۱۶) - مسلمانوں کو کس کا ساکھ دیا جائے - یہاں سے شائع شدہ ضمیمہ محکم 4139 مورخہ ۲۹ رارج ۱۹۱۵ء مصنف نامعلوم۔

(۱۷) - غلامت بعد - نرسہ بی بی سے شائع شدہ ضبط حکم 4920 A مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۱۵ء مصنف نامعلوم۔

(۱۸) - "ارنج ہند" - راجھائی یا ہند - زبان اردو مطبوعہ ونن اسٹیم پریس لاہور ضبط حکم 5004 A مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۱۵ء (۱۹) - شاہدوا فی مسکتی اللہ مصنف نامعلوم بونی سے طبع - ضبط حکم 5336 A مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۵ء

(۲۰) - "سارمانہ" سن فرانسکو - ضبط حکم ۴۳۵۵ A زبان مصنف نامعلوم۔

(۲۱) - "کوما علیکنا الاسلام" - آغاز - برصغیر میں زنگانی کردن - اختتام - با ارحم الراحمین - یہ نہیں نمازی میں تھا بار اردو میں۔

(۲۲) - خرچہ دھال مطبوعہ محاب ضبط حکم ۱۵۷۳ - مورخہ ۵ رجب ۱۹۱۴ء مصنف نامعلوم۔

(۲۳) - "جاد" - آغاز - اگر دوسرے زمین است - اختتام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ضبط حکم 13739 A مورخہ ۱۹۱۴ء مصنف نامعلوم۔

(۲۴) - آرمہ سماج کے مانی دیانند اور اس کے خفیہ پوشش مقام کا

(۲۵) - اسی طرح محکم نمبر 110 A مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۰ء کے ذیلیہ مصطفیٰ کامل (دکال) - باتا کی تقریر ضبط قرار دی گئی - زبان نامعلوم۔

(۳) - پنجاب سے ایک یوجہ برعنوان - مرنا بھلا ہے - شائع ہوا تھلہ محکم نمبر 3299 A کے در سے ضبط ہوا - زبان کی تصریح تو نہیں ہے لیکن صاف ظاہر ہے کہ اردو ہی ہوگی۔

(۳۱) - آلام سے لدا رام ستاسی کی مصنفہ حالات تہید اور ستاسی کی آواز - اور - ہمد ستاسی کی حالت ماضیہ نامی مطبوعات محکم نمبر ۱۱۲۷ A مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۱۵ء ضبط ہوئی۔

(۵) - ریل کے لوازم نامی اخبار کی اشاعت مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۵ء محکم 1178 A مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۱۵ء ضبط ہوئی۔

(۶) - "اڈیشہ صلیح کرے اف ذی تہ اور سی، ان، دیانی سے INDIAN NATIONAL SONGS شائع کیے تھے - یہی حکم 1230 A مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۱۵ء ضبط ہوئی۔ زبان کے بارے میں تفصیل نہیں ہے لیکن اگر یہ نظمیں کسی ملی جاتیوں تو فہم سے کی چریں ہوں گی۔

(۷) - اردو مئی کو - نامی بطور محکم نمبر ۲۲ راکٹر ۱۹۱۵ء ضبط ہوا زبان مصنف، حائے اشاعت وغیرہ کا حال معلوم نہیں۔ ظاہر اردو ہے۔

(۸) - بابو بسن پراکر کی مصنفہ - دوش کی بات محکم 4124 A مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۱۵ء ضبط ہوئی - (اردو)۔

(۹) - "الہلال" - کلکتہ اشاعت مورخہ ۴ اگست ۱۹۱۳ء محکم 3241 A مورخہ ۴ اگست ۱۹۱۳ء ضبط ہوا نام مدرد درج ہیں (۱۰) - "درد فکر" - از رحمت اللہ مددی محکم 3255 A مورخہ ۴ اگست ۱۹۱۳ء ضبط ہوئی

(۱۱) - "الہلال" - کلکتہ - اشاعت مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء محکم 3414 A مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء ضبط ہوئی نام مدرد درج نہیں۔

(۱۲) - "صل آئین" - کلکتہ - مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۱۳ء اردو آئین نامہ لایم ایضاً بنگالی آئینس مورخہ ۱۱۵۴ء ضبط ہوئے۔ ۱۹۱۳ء

(۱۳) - سین فرانسکو سے شائع اخبار ہندوستان - مورخہ ۲۱ جولائی

مری دارالاشاعت ہند نے خانہ کیا۔ پہلے یوپی پھر بنگال آسام
بارادراؤیہ اور مدراس نے ضبط کیا۔

THE ORDER OF THE KHILAFAT COMMITTEE

AND CONGRESS

مخالف مہر ان کانگریس و خلافت کمیٹی مذکورہ پہلے بارادراؤیہ پھر سی
مدراس میں ضبط ہوا۔

(۳۷) "مدتی کٹرڈن کو تھوڑا" علی گڑھ سے سکریٹری کانگریس
کمیٹی نے خانہ کیا۔ پہلے یوپی پھر سی میں ضبط ہوئی۔

(۳۸) "ملتان حریت کا ترانہ" انگلیں مختلف شہرا، خلافت کمیٹی جوئید
نے خانہ کیا۔ پہلے یوپی، پھر سی اور مدراس میں ضبط ہوئی۔

(۳۹) "کانگریس مہجن" مطبوعہ اہل دیوبند، مانگی پور۔ پہلے بہار اور
اڑیسہ پھر سی اور مدراس میں ضبط کیا گیا۔

(۴۰) "COMPLAINT OF INDIA" (خانہ شکوہ خدا کا ترجمہ)
مولانا مفتیل الرحمن ندوی کی نظم اور دو۔ بہار اور سے طبع کی گئی۔

رامیں ضبط کی گئی پھر سی اور مدراس میں۔

(۴۱) "در خلافت" (دلم) (راجہ امجد مطبوعہ علی گڑھ۔ پہلے
یوپی میں ضبط ہوئی پھر سی اور مدراس میں۔

(۴۲) "نغان ہند" مہفلت، اذحامی محمد جمیل۔ مطبوعہ مجنور۔ پہلے
رامیں ضبط ہوا پھر مدراس، سی، یوپی میں۔

(۴۳) "در جہنگ" ڈاکٹر جمال جید سکینہ از لند شہر۔ پہلے یوپی پھر
مدراس میں ضبط ہوئی۔

(۴۴) "صلیٰ الخطاب" کانچہ شمس رتقریر عبدالماجد (عبدالحمید) بریلوی
پہلے ممبئی میں پھر سی اور مدراس میں ضبط ہوا۔

(۴۵) "فتویٰ" کانچہ شمس رتقریر عبدالماجد وجیتہ املا، دہلی۔ پہلے
ممبئی میں پھر سی اور مدراس میں ضبط ہوا۔

(۴۶) "فتویٰ کی مصلیٰ" کانچہ شمس رتقریر عبدالماجد پہلے ممبئی میں،
پھر بارادراؤیہ ضبط کیا گیا۔

(۴۷) "مکتبہ خلافت" از اذحامی سکریٹری بارادراؤیہ کمیٹی کانچہ پور۔
پہلے بارادراؤیہ میں پھر مدراس میں ضبط کیا گیا۔

رامیں ضبط ہوئی پھر سی اور مدراس میں۔

(۴۸) "فتی ترانہ" آزادی کا نسخہ، علی گڑھ سے محمد حیدر علی

پارک خانے خانہ کیا۔ پہلے یوپی پھر مدراس اور بارادراؤیہ میں ضبط ہوئی
(۴۹) "راشتر پرگیت" بارادراؤیہ میں ضبط ہوئی۔

"RELIGIOUS ORASE OF ALL THE ULEMAS

OF INDIA (FATWA)

"کچھ رہائی" از مولانا محمد ریاست علی خان مطبوعہ اشپی برس

دہلی۔ پہلے رامیں پھر مدراس اور سی میں ضبط ہوئی

(۵۰) "شکر" انگلیٹڈ "FEELING OF SABB" قسین کا

نام خانہ۔ جدات مہر کا ترجمہ مطبوعہ شمس برس سرٹ۔ اورولا

سید ابوب احمد قمرکاری شاہجا پوری۔ پہلے یوپی پھر سی اور
مدراس نے ضبط کیا۔

(۵۱) "ملائے عام" یا "DAND" از مولانا حافظ

محمد بک اندر رضا۔ مطبوعہ مکتبہ سی میں ضبط ہوئی۔

(۵۲) "سپاہیت" (سپاہی) لیٹ لٹ مطبوعہ سیب پر شاہ دے کس

بانگی پور۔ پہلے بارادراؤیہ میں ضبط ہوئی پھر رامیں۔

(۵۳) "تحریر مارہ ترکیب ترک الات کفار" خلافت سے تعلق پمفلٹ، بریلی

فرمانی ساکن موضع مھندے والا سے لاہور سے خانہ کیا۔ پہلے مدراس

نے ضبط کیا پھر سی نے۔

(۵۴) "ترانہ قوم" مولانا ریاست دے لاہور سے خانہ کیا۔ پہلے یوپی

پھر مدراس اور بارادراؤیہ اور سی نے ضبط کیا۔

(۵۵) "ترانہ قوم" لاہور سے بریلی سے خانہ کیا۔ پہلے یوپی پھر مدراس

پھر بارادراؤیہ اور سی نے ضبط کیا۔

(۵۶) "ترانہ خلافت" مولانا مصباح الاسلام صدیقی عزیزی نے

دیوبند سے خانہ کیا۔ پہلے یوپی پھر مدراس اور سی نے ضبط کیا۔

THE RELIGIOUS FATWA OF THE ULEMAS

OF INDIA

دہلی سے طبع ہوا، یوپی پھر بنگال، سی اور

مدراس میں ضبط ہوا۔

(۵۷) "قام ہند تان کے حاملین کا شرعی فتویٰ" لاہور کے مجلس

- (۴۳) "خونِ حسین" اردو پمفلٹ (دوسری طباعت درج نہیں)
- (۴۴) "خونِ اسلام حسین میں" از منشی شائق احمد مطبوعہ میرٹھ۔
یوپی میں ضبط کیا گیا۔
- (۴۵) "نیفٹ لٹ" دو طرفہ نگار ہوا۔ مطبوعہ سہارن پور از محمد محمد الہین انصاری بارادڑیہ میں ضبط ہوا۔
- (۴۶) "نیفٹ لٹ" دو طرفہ نگار ہوا۔ مطبوعہ دیوبند۔ از محمد حسین یوپی میں ضبط کیا گیا۔
- (۴۷) "مغزی بندہ" نظمیں اور محمد فیم خاں۔ از لکھنؤ۔ پہلے یوپی میں ضبط ہوئی پھر سی پی ویدراس میں۔
- (۴۸) "شفقتِ حق" مطبوعہ فنی پریس دلی۔ پہلے برہما میں ضبط ہوا پھر سی پی ویدراس میں۔
- (۴۹) "نورِ رام" پمفلٹ اور امانندہ سرسوتی۔ مطبوعہ علی گڑھ۔ پہلے یوپی میں ضبط ہوا پھر سی پی میں۔
- (۵۰) دو طرفہ نیفٹ لٹ۔ ایک طرف طلحہ اہند کے شفقتِ نور اور دوسری طرف اسلامی حق۔ اس بھاد اور سر لیک میں ترکیبِ بوناٹام جو۔ مدراس میں ضبط ہوا۔
- (۵۱) "ہپی لومر غور یا ڈی ڈادن" اردو گورکھی کے پچے مطبوعہ سین فرانسسک کنھاب گکا نتر آشرم۔ مجاہب میں ضبط ہوئی۔
- (۵۲) "ترک حوالت" دکانچہ از ملا حسین احمد مطبوعہ دیوبند۔ پہلے بنگال میں ضبط ہوا پھر سی پی، یوپی، آسام اور دلاس میں۔
- (۵۳) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۵۴) "ترک حوالت" یہ تقریر بربر دست، پمفلٹ از محمد مبارک حسین محمد دی مطبوعہ میرٹھ۔ یوپی میں ادب جہد مدراس میں اور بارادڑیہ میں ضبط ہوا۔
- سہارن پور از محمد محمد الہین انصاری
- سی پی ویدراس میں
- (۵۵) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۵۶) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۵۷) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۵۸) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۵۹) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۰) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۱) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۲) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۳) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۴) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۵) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۶) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۷) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۸) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۶۹) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۰) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۱) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۲) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۳) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۴) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۵) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۶) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۷) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۸) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۷۹) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۰) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۱) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۲) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۳) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۴) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۵) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۶) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۷) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۸) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۸۹) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۰) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۱) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۲) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۳) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۴) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۵) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۶) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۷) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۸) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۹۹) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔
- (۱۰۰) "ترک حوالت" از حسین احمد عثمانی۔ مطبوعہ دیوبند۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔

- (۴۸) "حضراتِ خطاب بنگال کی خدمت میں کالی گچھی" از فقیر مسلم دیوبند۔ بکشی۔ پہلے بارادڑیہ میں پھر مدراس یوپی میں ضبط ہوئی۔
- (۴۹) "عادتِ بختِ آفرین" منشی شائق احمد فرشتہ پور۔ پہلے یوپی میں پھر مدراس میں ضبط ہوئی۔
- (۵۰) "حقائقِ پنجاب" از حاجی احمد دلی۔ پہلے بنگال میں پھر مدراس میں ضبط کیا گیا۔
- (۵۱) "ہندستانِ دینِ غور" میں فرانسسک میں یگا نتر آشرم سے شائع ہوا۔ زبان اردو گورکھی۔ پہلے پنجاب میں پھر مدراس، برہما، سی پی وکٹرک میں ضبط ہوا۔
- (۵۲) "نظم از ہیر داں" پرکاش مطبوعہ میرٹھ۔ پہلے یوپی میں ضبط ہوئی پھر سی پی میں۔
- (۵۳) "اسلام کی فریاد" از ملا محمد مطبوعہ برادڑیہ۔ سی پی میں ضبط ہوئی
- (۵۴) "انصافِ اسلامی" منشی شائق احمد مطبوعہ میرٹھ۔ پہلے سی پی میں ضبط ہوا پھر مدراس برادڑیہ میں۔
- (۵۵) "جدیدہ مسلم" اردو نظم مطبوعہ اخلاقی پریس پٹنہ کلکتہ۔ پہلے بارادڑیہ میں ضبط ہوئی پھر سی پی ویدراس میں۔
- (۵۶) "کاشخ کا جواب" از لال بہادر درہا۔ مطبوعہ بریلی پہلے یوپی میں ضبط ہوئی پھر سی پی اور بارادڑیہ میں۔
- (۵۷) "کاشخ کا جواب" از لال بہادر درہا مطبوعہ بریلی۔ نووی میں ضبط کیا گیا۔
- (۵۸) "ذی نظام" نظم، از ابوبکر پان زان سکسنہ مطبوعہ لکھنؤ۔ پہلے یوپی میں ضبط ہوئی پھر سی پی ویدراس میں۔
- (۵۹) "خطبہ صدارت و فتویٰ" ناشر محمد خفایت کبھی دیوبند
- (۶۰) "خونِ حسین" از حافظ عبد الرحمن خاں۔ مطبوعہ جادہ پریس جون پور۔ پہلے بارادڑیہ میں ضبط ہوا یوپی میں۔
- (۶۱) "کسان بکشا" از بھاجند۔ مطبوعہ بنارس۔ پہلے یوپی میں ضبط ہوئی پھر بارادڑیہ اور سی پی میں
- (۶۲) "خونِ حسین" از میر غفار شاہ دارفی۔ مطبوعہ دلی۔ سی پی میں ضبط ہوئی۔

سہارن پور۔ پہلے یوپی پھر مدراس میں منسلک ہوا۔

(۷۱) "ہملٹن ہندو کا متعلقہ تھی"۔ ناشر فرانسس ڈیورہ وڈن۔ مدراس میں منسلک ہوا۔

(۷۲) "ہملٹن ہندو کے متعلقہ تھی"۔ ناشر آئری سکرٹری سٹریٹن خانہ کتبہ ممبئی۔ پہلے ممبئی میں پھر مدراس، اسی کی ادوار میں منسلک ہوا۔

(۷۳) "ہملٹن ہندو کے متعلقہ تھی"۔ ناشر کیمبرجس دیو نند۔ مدراس میں منسلک ہوا۔

(۷۴) "Western monism" (مغربی مونیسم) سڈن از محمد جمیل خان مطبوعہ کھنڈ۔ پہلے یوپی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوئی

(۷۵) "واقعہ پنجاب"۔ پبلش از حاجی احمد علی گھمسی۔ مطبوعہ دلی۔ پہلے یوپی پھر برار، ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوا۔

(۷۶) "واقعہ پنجاب"۔ حصہ دوم پبلش از حاجی احمد علی گھمسی مطبوعہ دلی۔ پہلے یوپی، پھر ممبئی میں منسلک ہوا۔

(۷۷) "دلی پنجاب"۔ از خان جندریا مطبوعہ لاہور۔ پہلے پنجاب پھر یوپی، ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوئی۔

(۷۸) "رسیدار پور"۔ اتاعت مدرسہ دارالکتبۃ الاسلامیہ از انور الحسن (ظاہر مدبر) ناشر: پہلے پنجاب پھر برار اور ممبئی میں منسلک کیا گیا

۱۹۳۲ء

(۷۹) "انگریزوں سے ٹوہ" (مغربی توہین) از عبدالحق مطبوعہ سیالکوٹ۔ پہلے پنجاب پھر برار اور ممبئی میں منسلک ہوئی۔

(۸۰) "انگریزوں کی گڑبگڑ"۔ پبلش ناشرین سٹریٹس سکرٹری۔ دلی۔ پہلے برار اور ممبئی پھر یوپی، مدراس اور ممبئی میں منسلک ہوا۔

(۸۱) "انگریزوں کی مبادوں"۔ مطبوعہ کھنڈ۔ پہلے یوپی میں منسلک کیا گیا پھر ممبئی اور مدراس میں۔

(۸۲) "Bride of a dead appearance" (میت کی شادی) از آد۔ یوپی میں منسلک ہوئی۔

(۸۳) "آہ غلوں"۔ پبلش از اس اے مطبوعہ سہارن پور۔ یوپی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوا۔

(۸۴) "مسلمانان ممبئی سے اپریل ۱۹۳۳"۔ ناشر "The Muslim of Bombay"

شراورد ۱۹۳۴ء

Muslims of Bombay۔ ناشر: کتب خانہ ممبئی۔ پہلے ممبئی پھر مدراس میں منسلک ہوئی۔

Appeal to Muslims to enrol as "Volunteers in national volunteer corps"

از: ایم بی قاضی دیگر حضرات۔ مطبوعہ کلیان پہلے ممبئی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوئی۔

(۸۵) "آزادی ہند"۔ مطبوعہ مراد آباد۔ یوپی میں منسلک ہوئی۔

(۸۶) "آزادی ہند سوراج کی دہلی"۔ مطبوعہ مراد آباد۔ پہلے یوپی پھر ممبئی، برار اور ممبئی میں منسلک کیا گیا۔

(۸۷) "انگریزوں کی گڑبگڑ"۔ از انور الحسن۔ ناشر سٹریٹس سکرٹری۔ دلی۔ پہلے یوپی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوئی۔

(۸۸) "انگریزوں کی مبادوں"۔ مطبوعہ کھنڈ۔ پہلے یوپی پھر برار اور ممبئی میں منسلک ہوئی۔

(۸۹) "انگریزوں کا خون"۔ مطبوعہ سوراج پرنٹنگ دس دلی۔ پہلے ممبئی پھر مدراس، ممبئی اور برار اور ممبئی میں منسلک کیا گیا۔

(۹۰) "ہندو تاج"۔ ست سری اکالی انڈیا کنگ۔ ممبئی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک کیا گیا۔

(۹۱) "تعلقات منقطع کر لیں"۔ ناشر لال سنگھ۔ پہلے ممبئی پھر یوپی اور ممبئی میں منسلک ہوئی۔

(۹۲) "رباد ساغر"۔ دھرم داس۔ کتاب۔ مطبوعہ گلزار ہند پریس ممبئی۔ پہلے ممبئی پھر برار میں منسلک کیا گیا۔

(۹۳) "میداری ہند"۔ حصہ اول از جگدیش پکاش مراد دیشا چندر دیش۔ مطبوعہ برار۔ پہلے یوپی پھر ممبئی اور مدراس میں منسلک ہوئی

(۹۴) "میداری ہند حصہ دوم"۔ از جگدیش پکاش مراد دیش۔ مطبوعہ برار۔ پہلے یوپی پھر مدراس میں منسلک ہوئی۔

(۹۵) "رباد ساغر"۔ حصہ دوم از جگدیش پکاش مراد دیش۔ مطبوعہ برار۔ پہلے یوپی پھر مدراس میں منسلک ہوئی۔

(۹۶) "مسلمانان ممبئی سے اپریل ۱۹۳۳"۔ ناشر "The Muslim of Bombay"

اپریل ۱۹۳۳ء



ڈاکٹر راجندر پراساد
(پہلے صدر)



ڈاکٹر رادھا کرشنن
(دوسرے صدر)

جمہوریہ ہند کے صدر (۱۵ اگست ۱۹۵۰ء - اپریل ۱۹۶۷ء)



ڈاکٹر ذاکر حسین
(تیسرے صدر)



شری۔ دی۔ دی۔ بگڑی

وزراء
اعظم



ہندستان کے

پنڈت جواہر لال نہرو۔ پہلے وزیر اعظم

فہرستی اندرا گاندھی

تھری لال ہسار شاستری



۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

()

اسپیشل نمبر



۱۱۵۳۔ "مجاہد سمیت" از ابن ہادی آفس دتی سچل پٹی پچس
 مدراس دوسری میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۴۔ "انی امان کا پیام" اپنے فرزندوں کے نام "اور دو نظم تشریح
 قادیان میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۵۔ "انی امان کا پیام" اپنے فرزندوں کے نام "تشریح قادیان میں
 منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۶۔ "سم اثر الرحمن" بظنٹ۔ چلے ہاردار اویس پھر سی پی و مدراس
 میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۷۔ "بانکٹ" بظنٹ۔ از اولاد الکلام آزاد منسلی ہوئی۔
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۸۔ "بانکٹ" بظنٹ۔ تشریح شقائق احمد میرٹھ۔ چلے یونی پھر سی پی و
 مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۹۔ "تیرے کی جرح میں" از شیخ ولد الرحمن مدرسہ مراد آباد
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۰۔ "جو اسرار سات" از لکھنؤ مدرسہ دی۔ برامیں منسلی ہوئی
 ۱۱۔ "دیہ اریسندہ" مجریہ۔ دایوں یونی منسلی گیا۔
 ۱۱۶۱۔ "فریاد ہند" حصہ اولی بظنٹ۔ از شریعت علی خان مدرسہ ہارنپور
 چلے یونی پھر سی پی و برامیں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۲۔ "فریاد ہند" از قاضی محمد رحیل الدین مدرسہ مجنور۔ چلے یونی پھر
 مدراس ہاردار اویس پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۳۔ "فریاد دیکس" از محمد انیس مدرسہ ہارنپور۔ چلے یونی پھر ہاردار
 اور مدراس میں منسلی گیا۔
 ۱۱۶۴۔ "ظان ہند" مجریہ مجنور۔ برامیں یونی منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۵۔ "دوسری ظان" از اولاد الکلام آزاد مدرسہ میرٹھ۔ چلے یونی پھر ہاردار
 اویس و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۶۔ "ظان علی قاضی علی" از سنی احمد علی مدرسہ مجنور۔ چلے یونی پھر
 ہاردار اویس اور مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۷۔ "ظان علی قاضی علی" از سنی احمد علی مدرسہ مراد آباد۔ یونی میں
 منسلی ہوئی۔

۱۱۵۵۔ "فران کابل" محمد بہادر۔ یونی میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۶۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و برامیں مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۷۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 و مدراس پور ۱۹ یونی میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۸۔ "ظان علی" مجریہ سیالکوٹ۔ پنجاب میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۵۹۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 یونی۔ چلے سی پی و برامیں مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۰۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۱۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 مدراس پور ۱۹ یونی میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۲۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و پنجاب میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۳۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۴۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۵۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۶۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۷۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۸۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۶۹۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔
 ۱۱۷۰۔ "ظان علی" از محمد بہادر سنی مدرسہ ظانٹ۔ لکھنؤ مدرسہ
 چلے یونی پھر سی پی و مدراس میں منسلی ہوئی۔

ہندوستانی جیسی ایسی۔ پہلے یوپی میں پھری پئی مدراس اور بنارس ضبط ہوا۔
(۲۰۵) "ہندوستانی" اپنی، عمر میں فرانسکو کتاب ہندوستان غزو
پارٹی۔ پنجاب میں ضبط ہوا۔
۴۸ ی سجاگرت خالصہ حصہ اڈی اڈو سورج سنگھ مطبوعہ بالندھر
پہلے پنجاب پھری پئی، برادر کوک گ نے ضبط کیا۔

(۲۰۹) کابل سراج احمد ہندی اگر نیرد سے راج لینے کی
کتاب "ناشر محبوب ہمتی لاہور۔ پہلے راج پری پئی میں ضبط ہوئی۔
(۲۱۰) "خاقانی خیر باد" بھٹک مطبوعہ بھٹک پہلے بہار ڈاڑیہ میں پھر
سی پئی مدراس ضبط ہوا۔

(۲۱۱) کرکوی زکونہ نگ۔ محرم بکھو پہلے بہار ڈاڑیہ میں پھر
سی پئی مدراس میں ضبط ہوا۔

(۲۱۲) "مسائل حاضرہ" یا مہدسان کی سیاسی حد درجہ بھٹک
مرتہ غلامی حاس۔ لاہور پہلے پنجاب پھری پئی مدراس میں ضبط ہوا۔
(۲۱۳) "Mahatma Gandhi" ناشر محمد علی انعام مدراس
میں منسلک ہوئی۔

(۲۱۴) "A message of Shukh Mohd. Badal Akbar
To Mahatma Gandhi"

(2) "A message of Shukh Mohd. Badal Akbar
to Mahatma Gandhi"

(3) "Manage at the
ذکرہ بالا مطبوعات کے ناشر محمد علی انعام۔ پہلے سی پئی میں ضبط ہوئیں
کو دوسری حکومتیں منسلک ہو گئیں۔

(۲۱۵) "نادر تاج" بھٹک مطبوعہ ریوا دلا پری علی گڑھ۔
سی پئی میں ضبط ہوا۔

(۲۱۶) "ادب تاج" بھٹک ناشر ریوا دلا پری علی گڑھ۔
منسلک ہوئی اور دوسری حکومتیں منسلک کر دی گئیں
(۲۱۷) "تقریرات اسلام" بھٹک از شیخ محمد یاسین رشیج حبیب احمد
مطبوعہ بہارن پور پہلے راج پری پئی برادر دی پئی میں ضبط ہوا۔

اپریل نمبر اگست ۱۹۵۵ء

مطبوعہ لاہور۔ پہلے پنجاب میں پھر ممبئی، سی پئی اور برما
میں ضبط ہوا۔

(۱۹۳) "خاتون کی بیدار مظلوموں کی فریاد" بھٹک
پہلے بہار ڈاڑیہ پھری پئی مدراس اور یوپی میں ضبط ہوا۔
(۱۹۴) "خاتم مظلوموں کی گفتگو" از عبدالحکیم مطبوعہ بدایوں۔ پہلے یوپی پھر
سی پئی مدراس نے ضبط کیا۔

(۱۹۵) "زمیندار" اسر سید احمد لاہور۔ پنجاب میں ضبط ہوا۔
۱۹۲۳ء

(۱۹۶) "الحاجہ" شمارہ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۳ء پہلے سی پئی میں پھر
رما میں ضبط ہوا۔

(۱۹۷) "احوال الحجاز شمارہ ۱۵" بشیر سرقہ مجاہدیں۔ پہلے سی
پئی پھر رما میں ضبط ہوئے۔

(۱۹۸) "ادبی ٹیشر یا تیسر اسلام" مطبوعہ صداقت پریس سی۔ پہلے
راج پری سی نے ضبط کیا۔

(۱۹۹) "ادبی گائیڈ آرڈر سی کے تین میں" بھٹک مطبوعہ تانقی پرنٹنگ
پریس بہانپور۔ پہلے راج پری سی مدراس میں ضبط ہوا۔

(۲۰۰) "فریاد اسلام" مرتہ انعام الحق مطبوعہ مظفر پور۔ پہلے سار ڈاڑیہ
نے پھری پئی دربارے ضبط کیا۔

(۲۰۱) "قرآن کا بے بھٹک از شیخ اذرا الحق مطبوعہ بہارن پور۔
پہلے یوپی میں پھری پئی مدراس میں ضبط ہوا۔

(۲۰۲) "حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کی مدوری ۱۵" پوسٹر
اردو۔ ناشر مسعود علی مدوری، غلاب کیٹی اعظم گڑھ۔ پہلے یوپی میں پھر
سی پئی، برادر اور رما میں ضبط ہوا۔

(۲۰۳) "ہندوستانی اخبار" سین فرانسکو۔ یوپی میں ضبط ہوا۔

(۲۰۴) "ہندوستانی اخبار" سین فرانسکو۔ پہلے مدراس میں پھر رما
میں ضبط ہوا۔

(۲۰۵) "ہندوستانی اخبار" سین فرانسکو۔ پہلے مدراس میں پھر رما
میں ضبط ہوا۔

(۲۰۶) "ہندوستانی کے نام کھلی چٹھی" بھٹک بھری سین فرانسکو بھٹک۔

شمارہ ۱۸ ۱۹۵۹ء

ہندستان سے ایک ملاقات

آفادہ

اودگی کے اس دور میں جو نیم ایا اکثر رڈ میں رکھ دینے اور نیار کرے کی حیرت کر رہ جاتے ہیں یہ خاکسار ابھی تک خود کو جوان بلکہ نوجوان محسوس کرتا ہے خیر یہ حادثہ تو بقل شخصے، بدربارہ دست سٹار کی ایک کمزوری، حالاً اس ذاتی طور پر اسے اس کی سب سے بڑی تہ روزی تصور کرتا ہوں یہ پوئی سے کہ وہ اپنے گزشتہ کارناموں کی لذت چکایت کو دراز سے دراز کر کے کا عادی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض معتبر بزرگوں سے تو یہ بھی مشتاپہ کہ گناہ اسے اور روداد میں مبتنی زیادہ قیاسی اور فرضی ہوتی ہیں اتنی زیادہ لذت اور دل چسپ ہے۔ حیر اس کا تو کوئی ذاتی تجربہ نہیں، ہوتی ہو گی، واخذ اعلم بالصواب۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ چاروں کی راتوں میں لمحوں میں دیکھتے ہوئے، اور کونوں کے زہر کچر میں سیاہیے ہوئے اور شاووں کے قلموں میں محصور، ماشاء اللہ درجنوں نو اسے فراسیاں، پوتے، پوتیاں، بھانجے، بھتیجے، دانا اور گودا کافی کا دودھ چل رہا ہے اور نقل محفل کے طور پر ایک طوط سے ارشاد ہوتا ہے ”نھو بھائی (جی ہاں یہی خاکسار) کوئی شکار کا دل چسپ واقعہ، کسی طرف سے فرمائش ہوتی ہے ”بادا اور بادا“ حیدر آباد میں قیام کے زمانے کی کوئی داستان، ”اور کوئی صاحب یا صاحبہ فرماتے ہیں ”حضرت، اپنی بادوامت کا کوئی ناقابل فراموش واقعہ“ غرض یہ کہ آل انڈیا ریڈیو میں اس خاکسار کے داخلے اور پیرس بجا، مرحوم سے ملاقات سے لے کر نقل کلب کے مقامی کے واقعات اور پھر فری میسوں کی حیرت انگیز داستانوں تک ”خدا

عزیر کا ایک ڈاڑھت میں با حصہ سیر و سکا کی بڑ ہو گیا۔ جنگ جیل گھر سے ان گنت ندی، مالے، گھائیاں، بھلا ڈالیں، بے لگتی کار توں صوبہ ڈالے۔ قاردا، اور مرعاہوں کی ڈاروں کے تعاقب میں گھٹنوں گھٹنوں دلدل اور گردن گوردانی کو اس طرح تحصیل لیا جیسے آج کل لوگ سیما کا کٹ لیتے کے حوں میں جیب کتوں کو اخیر کو جاتے ہیں۔ سا بھر اوہ ہر سے لے کر گگ، نیم، تنک کے تمام مراحل طے کیے۔ کھی ڈر مقصود با تھا، آیا اور کھی چھ میس یہ بھی تحصیل کا لطف۔ دن بھر کی دودھو، بار اتوں کی صحراوردی کے جویا کس کے کسی دیراں اور شکستہ ڈاک نیکل میں تسکاری ساتھیوں کے ساتھ جیسے یا کافی کے ہنکتے ہوئے گوم گوم پیا لوں پر دن بھر یا پھر شب بھر کی نکال اور گوند کو۔ غرق شے ناب ادنیٰ۔ کہہ کر اٹھادیا۔ اور کھی اس تنگ دودھ کا صلہ کسی سیخ پر، مرغابی، قاز یا ہرن کی تسک میں ل گیا تو پھر کامیاب تسکاری مسرت اور پھر فری میس نوشی لذت کام و دہن سستہ اور۔ لیکن رخص

یہ باتیں ہیں تب کی جب کش جوان تھا خدا کو استہ اس سے یہ نتیجہ نکال لیجے گا کہ اب آتش پڑھا ہو چلا ہے۔ صاحبو، بات یہ ہے کہ پڑھا یا قوت ارادی اور جذبہ عمل کے اضحوال کا نام ہے۔ سو الحمد للہ کہ چار ادہر اسی کے اس سن میں بھی، جب بقول اپنے اپنے، مجھ ایسی عمر کے اور لوگ کھوٹیوں رسکا دیے جاتے ہیں اور ڈالڈال گھی ملاوٹ اور فضائی

شہر بڑا، ۱۸۰ ایک

اسے قلی اسم کی قبیل کی کوئی شے نہ تصور کریں، اکی برکت پانچ اوپر
تینا سیسی برسوں سے شخصیت کا خرد بین کر رہا ہے، سیر سیریت
اور قد رت کی کارگری کے نووں سے بالمشافہ ملاقات زندگی کا اہم
مشغلہ ہی ہے۔ شکار کی داستانوں نے تواب آبروے اہل
نظر ہی بھڑکایا ہے، کیونکہ پردہ و الہوس حوقل حلائیہ کیلئے ہے
کسی ڈائجسٹ کے لیے کوئی۔ کوئی داستان شکار کے موجود ہے۔
رو سے سخت کی طرف نہیں، لیکن آسائے غریبوں رہا جاتا کہ ان میں
سے اکثر داستانیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کے مصنفوں سے
صرف اس قدر دریافت کرنے کی جرات کی جائے کہ حضرت، اگر
آپ شکار کی یہ داستان روستانے تو دنیا کے مولات میں کیا فرق
پڑ جائے تو شاید ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ مگر اس کو
یہ خیال ہے کہ ہم کارٹ کی داستانوں کے ارد گرد تھے اس قدر
آسان سے دستیاب ہیں کہ جنگل کی شکل عمریں ایک باور بھی نہ
دیکھی ہو تو بھی ڈائجسٹ کے لیے کچھ کچھ دال دلیا تو فراہم کیا
جی جاسکتا ہے۔

خیر۔ یہ سب تو نقول شخصے حلیا ہی رہتا ہے۔ اس
مگر گزرتی کالب لباب یہ ہے کہ پہلے ارادہ یہ کیا کہ آج کی صحبت
میں شکاری زندگی کا کوئی پڑانا ورق ہی ناظرین کے سامنے
میں کیا جائے۔ پھر فوراً ہی خیال آیا کہ قلم نویس اس کو بھی ڈائجسٹ
شکاریات میں ایک اور کہانی کا اضافہ ہی تصور نہ کر لیا جائے
لہذا آج کی اس صحبت میں گھنٹی کو محض سیر تک محدود رکھیے اور شکار
کو کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھیے۔

جہنے امریکہ سے لکھا کہ وہ بدستال سے راہ راست
لانا کے لیے بے حد مستحق ہیں اور اس سلسلہ میں سفر کی تمام
تیا ریاں مکمل کر چکے ہیں اور عرق قرب و ارد ہندوستان ہوا چاہیے
ہیں۔ لیکن پھر یہ پیلیم آئیے سے ہم صاحب کا تصور ایسا
تعارف تو کرنا ہی دوں۔ یہ حضرت ایک یادوق اور دل صیہب
امر کی ہیں اور ہندوستان اور اس کے علوم کے شہنائی۔ سیری
اُن سے ملاقات اب تک نصف ہی تھی اور اب وہ گرام اور ہونڈا

جائے کس کس داستان اور کس کس واقعہ کو دہرائے کی فرمائیں ہوتی
ہیں۔ اب آپ باور فرمائیے کچھ دیر کے لیے ذہن اچھا خاصا
رہیں کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ زندگی کے میدان کے ان نوادہ
کو کیا یہ کہ ان کی یہ بھی مختصر فرمائیں کہ میں ان تصور کے کئے
کے دونوں ایک ساتھ اٹھ جاتی ہیں جس پر ماہ وصال کی طرح چکی ہے
ایک فرمائش کے ساتھ ذہن کے کھانے کا ایک اب کھانا ہے
اور ایک تصویر بن کر لہوتی ہی ہے کہ دوسری رہائش میں اور بھولی ہو
یاد کو جگا جاتی ہے۔ اور شکار کی داستان اندازہ جس مشغلہ
میں نصف صدی سے بھی زیادہ مدت گزر چکی ہو، لیکن اب بھی رو اور
تب ہاں تب میں حوتوں کو اٹھا لیتا ہوں اس کی داستان کا ایک ورق
بھی کیا چند لمحوں میں۔ ان ہو سکتے کی حیر ہے۔

غالب خدا ان کی معرفت فرماتے خدا جانے کس لیے
دہراتے تھے۔

ہو سیر و تماشا، سودہ کم ہے ہم کو
اب ملاحظہ فرمائیے کہ میر۔ اور کھنڈو سے لے کر کھنڈے کے سبز دار ہا
مسطحی رنگ خدا جانے کہاں کہاں کھو لے گیا کیا وہی اور
مادیہ کی دیکھی، لیکن انکسار ہو تو ایسا کہ 'سودہ کم ہے ہم کو'۔
اب کوئی پوچھے، کہ حضرت اگر یہ ہو سیر و تماشا یعنی تو ادھر کیا
تھا۔ مگر اودہ میں کہاں۔ بہت سے بہت ہی کر سکتے ہیں
آپ کہ کسی غالب میں ایک طویل تحقیق مصروف لیکن کہ ان کی
روح اور ناظرین کے ذوق کو تکلیف پہنچانے کی سعی فرمائیں۔
بات کہاں سے کہاں بھی۔ عرض کرنے کا مقصد ہر حال
قد رہے کہ اس مضمون کے راقم کو اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں۔
جیسا کہ ہر شریف اور محفل افسانہ جانتا ہے، سیر و شکار لارم
لارم ہیں۔ ایک کے فیر دوسرے کا فقرہ بھی محال ہے۔ اور پھر
حقیقت تو یہ ہے کہ سیر کے فیر شکار و سپورٹ نہیں رہتا، ایک
خالہ نہ فعل بن کر نہ جاتا ہے۔ تو صاحب اول تو ایک
ایماندہ و با اصول شکاری ہونے کے سبب سے سیر و تماشا سے
طبعی مناسبت اور تعلق اور پھر اس قلی نام و یادہ کو کوئی صاحب

ہے اپنے ایک تب تک کے غائبانہ تعارف کے سلسلے میں ہاتھوں اور
شیریں کی یہاں بے روک نوک چل قدمی اور کچھ کچھ انگلیوں کے رقص
کی کہانیوں کو اپنا جزا ایمان بنا چکے تھے۔ لیکن وہی سے توفیق
تک کے طول سفر میں ہمیں نظر آیا تو کیا۔۔۔ فقط چند بیلے سیلے
اونٹ، جو آگرہ کے مضافات میں اتفاقاً سر راہ مل گئے اور ہماری
طرف ایک نگاہ غلط انداز ہی کیے بغیر اپنے رستے پر چلتے رہے باہر
گھٹے پٹروں کے درمیان بل کھائی ایک شکر کے کنارے سے بھی ہوئی
چند فحاشیں، کہیں کہیں آنکھیں لیاں کرتے، لیکن خوش فہمیاں کو کہتے
کچھ بندہ زور و مال کا ایک جوتا میں نے ہمارے ہی شہید خواہش اور
بلے حد افتخار کے باوجود ہمیں اپنے رقص سے محفوظ نہیں کیا۔۔۔
ہاں یاد آیا۔ ایک باغی سے بھی ملاقات ہوئی مگر لیکن اتفاق
میں اس پر ایک مہادت ٹپھا ہوا تھا۔

آگرہ سے گزرتے ہوئے ایک عجیب اتفاق ہوا ایک ٹل پار
کرتے ہوئے جیسے ہی حضرت جبر کو ایک اور ڈنڈا آجس پر لکھا تھا
’بمیل دی‘ تو اچانک جیسے وہ کچھ سہمے گئے۔ جیساکہ پہلے
عرض کر چکا ہوں اور اب تک آپ پر کجی ظاہر بھی ہو چکا ہوگا اور اُن
جہت پڑے لکھے تھے، بلکہ ہیں اور امریکی اور دوسرے مغربی مصنف
اور صحافیوں کی نگارشات کے ذریعے سے ہندوستان سے خاصا
قنارت پہلے ہی حاصل کر چکے ہیں چھپ لکھا گیا ہے کہ گرتے ہوئے
یقیناً اُن کے گوش تحمیل میں خوفناک ڈاکوؤں کی نند و نال کی دھماکیں
دھماکیں گونجنے لگی ہوں گی اور چشمہ تصور کے آگے خوفناک بہروں پر
اُگی ہوئی خوفناک موچھیں، خوفناک ہتھیار اور خوفناک مہمیں
رقص کرنے لگی ہوں گی۔۔۔ سمجھو ہرے انداز میں فرمایا یہاں ڈاکو
’عرض کی‘ جی۔۔۔ بس چلتے رہے۔۔۔ چپ چاپ۔۔۔
ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں میرے شوہر کے بغیر بھی وہ ایسا ہی ہو
بہر حال اس خطرناک علاقے کا سفر یہ غیر بہت گزر گیا سو اسے ایک
عجیب اتفاق کے، جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔۔۔ یعنی
ایک حکم ایسا کہ ایک ناعاقبت اندیش خوش گوشتی ٹل پار کی چوٹی پر
سکرپ پر آگئی اور ہماری لار کی روشنیوں کی چکا چوند سے بھروسہ

سروس کی سرپرست۔ لیکن ہندوستانی اور مغربی زبان و ادب
اور سیر و سیاحت میں ان کی تہذیب و دل چسپی نے ہمارے تکنیکی تعلقات
کو ایک حد ضرورت تک بنیاد فراہم کر دی تھی۔۔۔ ہر سال
اب ان کی آمد کی اطلاع آچکی تھی اور اس سے اگلا قدم تھا خود ان کی
اپنی آمد۔ انھوں نے ہندوستان سے ملاقات کے لیے اپنی کار کے ذریعہ
جس پر وہ اپنے سفر کا بیشتر حصہ طے کرنے والے تھے، آگرہ، دہلی، بمبئی
منگلور، مدراس، اور مدد جانے کہاں کہاں کے سفر کا پروگرام طے کیا تھا
اور ہمیں کہے۔۔۔ ۶

قرمہ قال نام میں دیوانہ زدند
اسا کچھ پڑھ لیے کے بعد آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ شاید اس
سفر میں کسی بڑے یا سردار و اقدار کا سامنا ہو گا لیکن۔۔۔ لیکن جو بڑے
ست کاریات کی داستانوں میں تو جیسے جیسے پس خواہ خواہ پیدا
کیا جاتا ہے تاکہ لوگ اسے کسی طرح آخر تک پڑھ لیں یہاں میں
اگر سچ کہہ دوں تو میری یہ سیر و سیاحت کی داستانیں کسی سیر
کے حسن سے محروم نہ ہاں۔۔۔ اس لیے آگے آگے دیکھے ہوتا
ہے کیا۔

ایک خوب صورت صبح (ایک انگریزی فقیر کا یہ ترجمہ بھی
بہت خوب صورت لگتا ہے) حضرت جبر نے اپنی داکس و گن کے
سر میں ہندوستان پر کھڑے اور یہ خاکسار اُن کی موٹریں ان کی برائے
کی نشست پر۔

اب سبھی کے ہندوستان سے ملاقات کے سلسلے میں جبر
کی فہرست میں تاج محل، ایلمرا، اجنتا، کجورا ہو، ساچی، مدرائی
اور اسی طرح کے بہت سے مقامات شامل تھے، لیکن اس سے
پہلے کہ وہ حضرت اپنی گاڑی کو حرکت میں لائیں عرض کیا گیا کہ قلیل
جو کہ یہ خاکسار ہندوستان کو اتنا ہی جانتا اور پہچانتا ہے جتنا آپ
امریکہ کو، اس لیے اس سلسلے میں بجائے اس کے کہ آپ اپنی فہرست
اور سفر کے شیڈول پر بھروسہ کریں، مجھ پر بھروسہ کیجیے اور جہاں
اور جیسے میں عرض کر دوں بے چون و چرا چلیں گے۔۔۔
جیسا کہ زیادہ تر ریڈیوں کا حال ہے، حضرت جبر بھی ہندو

کے بچے ایک سستیرا کے جواب میں اپنی گردن گھماتے، شہر غالباً کسی عمارت کے بچے کے بچے غائب ہو چکا تھا۔ اس کا انصاف رکھتے بھر انھوں نے رہا تھا اور اپنی اس مجرور کا ذکر وہ ٹری حسرت سے کرتے تھے۔ ان کی روٹا گئی، امیر کو میں غالباً دو دن باقی تھے۔ ہم لوگ باہر کے احاطے میں بیٹھے، سریر کی جائے بی رہے تھے۔ اچانک میرا صاحب دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ جو بی کے آگے میں، اینٹوں کے ایک ڈھیر کے نیچے ایک سانپ تھا جسے بچہ اندر قتل کیا جا چکا ہے۔ یہ اطلاع جب میں نے تم صاحب کو دی تو وہ خوش مسرت ہوئے تھے۔ ممکن تا امید کی کہ ایک بیک کامیابی کا کیسہ تھیں اور درختان سورج طلوع ہوا تھا۔ نہ سہی شہر، مگر سانپ سے یہ ملاقات دہندوستان کے سفر کی بیس ہایادوں میں سے ایک اہم یاد رہے گی۔ ہم لوگ فوراً جائے واردات پر پہنچے۔ تم صاحب دو خرمذات سے کاتب رہے تھے۔ واقعی وہاں ایک سچ کاتہا مٹا تھا۔ قاضی یا رپایہ اچھا لہا اور منسل سے کچھ ہی کم مٹا تھا کا ایک بچہ جو اپنی ناہاقت اندیشہ نہ مگر کشمیری کی پاداش میں اب سے جان پڑا تھا۔ سانپ کے برا کھڑے ہو کر جو صاحب نے مختلف زادوں سے جیاریا پچھتویریں اُتر دوائیں۔ ایک سانپ بکڑے والے کو بطور خاص بلوایا گیا کہ وہ اس سانپ کی کھال اُتار کر تم کو دے، کیونکہ وہ اسے اپنے ساتھ ایک سودر کے طور پر امریکہ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر انھیں سانپ کے ساتھ اُتر دانی ہوئی تو دیریں ہی کی یادگار لے جانے پر اکتفا کرنا پڑا کیونکہ سیسبے نے ایک پیشہ ورانہ بے برداری کے ساتھ مطلع کیا کہ اس سانپ کی کھال اُترنا ممکن نہیں کیونکہ اگر اسی کوئی درستش کی گئی تو کھال کے ساتھ پورا سانپ بھی اُتر آئے گا۔

میں کہتا ہوں۔ ایک روبرو وہ ہے جو اس کی عظیم تاریخی عمارتوں کو نظر آتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے جن روبرو سے ہم کی اس سفر میں ملاقات ہوئی شاید وہ روبرو ہندوستان کا وہ حسین روبرو ہے جو ہمان کامب سے پہلے استقبال کرتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے ذہن پر اپنی بھابی چھوڑتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے، ہندوستان سے حقیقی ملاقات کے لیے ادرا سے صحیح طور پر بھیانے کے لیے، جس کی، پرتلوں اور سادہ مسکراہٹ سے ہر بھی کوئی وسیلہ ہو سکتا ہے جو آپ کو صحیح سمت اور رستہ بتائے ہوئے اس ہندوستان کی کھلی پنوں اور ہوتی ہے جس سے آپ رستہ بھول جائے یا یہ یاد اور رہائی کے طالب ہوتے ہیں۔ یہی بلے لوت اور پرتلوں مسکراہٹ ہمارے تھل کا وردہ بنے اور ہمارا غریزہ ترین سرمایہ۔

سیہ و سیاحت کی یہ داستان تو خیر میں پرستہ ہونے کی چاہیے کیونکہ ہم نے حقیقی ہندوستان کی ایک جھلک دیکھ لی لیکن اس سیر کی داستان کے تحت کے طور پر جس طرح اصل سے منشی داستان ہوتا ہو، فکر کی ایک فطرت لیکن عجیب داستان بھی وابستہ ہے۔ وہی تیس کہتا ہوں۔ ہم میرے غریب جان پر سفر کی تکان اُتارنے کے سلسلے میں مقیم تھے اور وطن واپسی کی تیاریوں میں مصروف۔ انھیں اس سفر میں ہر چیز اور ہر بات پسند آئی تھی اور بے حد خوش تھے لیکن انھوں نے صرف اتنا کہ اس سارے قیام ہندوستان میں وہ نہ تو ہمارے یہاں کے تیروں سے ملاقات کر سکے نہ سانیوں سے ویسے ان کے اشتیاق اور بے صبری کے میں نظر میں ہی کے سفر کے دوران میں ایک بار محمد علی روڈ سے گزرتے ہوئے میں نے انھیں ایک سات منزلہ عمارت کے نیچے بیٹھے ہوئے ایک تیر کا نظارہ کرایا جاتا تھا لیکن جب تک وہ میرے ”دہ دیکھو“ ادھر اس عمارت



۱۹۴۷ء کے بعد اردو ناول

ڈاکٹر محمد حسن

صداقت کی انہی اقدار کی بنا پر ادب کو تاریخ پر ترجیح دی گئی۔ یہ ہے کہ یہ خوبیاں کھیلے پچیس سال کے کئے اردو ناولوں میں پائی جاتی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں جن ناولوں کی دھوم دھام تھی ان میں اب صرف کرشن چندر کے ناول شکست اور عصمت چغتائی کے ناول ضدی اور ٹیٹھی لکیر کے نقوش ذہن پر ثبت ہیں۔ ان تینوں ناولوں کا موضوع تھا عفو ان سبب کی شکست۔ دکر وہ تھا حبس، رومانیت کے بوجھ کا چلن تھا۔ فلم بولڈ کے اثر سے ایسی برائی نسل یوری طرح آرا دھنیں ہوتی تھی اور آزاد آرا دھوی، آزاد خیالی کے ارمان نے عنوان سبب کو انارکوم اور رومانیت سے قریب کر دیا تھا۔ دکر سماجی استحصال اور تمدنی الجھن کا بھی ہوا مگر بنیادی طور پر شکست، ضدی اور ٹیٹھی لکیر تینوں نے ہمیں ازم اور انارکوم کی سرحدوں کی داستانیں ہی تھیں۔ رومانی سہمی، انفرادی خواہش اور تلاش نشاط ہی حاصل کائنات تھی اور سماجی ضوابط اور قانون مذہب اور اخلاق کے سبھی مذہن جو اس فطری خواہش سے محروم ہیں یا تس یا تس ہونے چاہیے یہ اظہار ذات کی باغیا نہ خواہش ناول برعادی رہی، ہسی خواہش کی زندگی سماجی زندگی کے بہت سے نشیب و قرار آگئے کہ یہ دور ہی عنوان سبب کی رومانیت کو سماجی سیاق و سباق بخشنے کا دور تھا جس کا ایک سما قاضی عیدالغفار کے ناول لیلے کے خطوط سے ملاحظہ

نہرمت سازی میرا دستور نہیں گونجے نہرمت ساری کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ اعداد و شمار کی بھی اپنی اہمیت ہوتی ہے اور ان کی روشنی میں بھائی میں آسان ہو جاتی ہے اور ادنیٰ دیر سے کی کیفیت اور کیفیت کا اندازہ لگانا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اردو میں ناولوں کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے۔ پچیس سال میں ہزاروں ناول چھپے اور کئے۔ اور کئی کئی ناول رومانی، احساسی، ترسے، طبعی اور ایسے جن کی حیثیت اچھے ادبی دوق کے لیے حیثیت کی بیماری کی سی تھی، ایسے جو محدود حلقے میں رائج ہوئے اور جتھے ہو گئے، ان سب کا شمار نہ ممکن ہے نہ لائبریری یا بہرمت تاک ہے کہ پچیس پچیس سال میں صرف چند نام ہی باقی رہ گئے ہیں اور انھیں یاد کر کے وقت بھی ادنیٰ مورخ اطمینان یا فخر محسوس نہیں کر سکتا۔

ظاہر ہے کہ کوئی تنقیدی جائزہ بھی ہر قسم کے ناولوں کا احاطہ نہیں کر سکتا یہاں محض ادبی مرتبے کے ناول کا ذکر ہوگا۔ لیکن خود ادبی مرتبے کا تعین آسان نہیں۔ مختصر ایلوں کہا جائے تو سہا بہ کہ ادبی مرتبے کے ناولوں سے مراد وہ ناول ہیں جن میں موضوع کے اعتبار سے فکری صلاحیت اور طرز تحریر میں ادبی چاشنی موجود ہو۔ گھٹیا ناول واقعات پر توجہ مرکوز کرتا ہے، ادبی ناول ان میں مصر اقدار کی عکاسی کے لیے واقعات کو استعمال کرتا ہے۔ گھٹیا ناول کے لیے قارئین کا تصور پیش کرنا کام ہے، ادبی ناول کے لیے خارج بصیرت کا وسیلہ، اظہار ہوتا ہے۔ اسٹون نے اعلیٰ بیحدگی اور اعلیٰ

کی قوت کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ حق جیوں کی یہ فضا کچھ دنوں تک پہلے
 بادوں پر چھائی رہی کچھ ادبوں نے اس کو مختلف بیرونی سے دیکھا
 مگر اس دور میں اس غالب حقیقت کو نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا مثلاً منور
 جیسا فن کار بھی جو اس زمانے میں سماجی ذمہ داری سے ہم درپیش تھا
 کر رہا تھا اور ترقی پسندوں کی سخت تنقید کر رہا تھا سیاحا حاشیے
 اور بوریل کی کمپانیوں لکھ رہا تھا اس میں فرقہ دارانہ فسادات کے نتیجہ
 کے نیچے انسان کی شخصیت کی جھپی ہوئی نفسیاتی گہچوں کا نتیجہ
 لکھا رہا تھا۔ ساگر کا ناول اس حدشالوں میں ہے جب دیا یہ اصل
 تصنیف کو کھنچا جاتا ہے ساگر کا لکھا ناول دینا ہے کی بحث کی نذر
 ہو گیا۔ ساگر کے ناول یا فرقہ دارانہ فسادات کے مسئلے پر کچھ ہوئے
 کسی ناول کی کامیابی کا دوا دیا۔ اس بات پر ہمیں ہے کہ اس میں
 ہنگامی صورت حال کی درد مندانہ عکاسی کی گئی ہے۔ یا فرقہ دارانہ
 فسادات کے ایسے کی تصویر کشی ہوئی ہے بلکہ اس کی کامیابی اس میں
 ہے کہ انسانی شخصیت کا سارا ہر اہل بادلوں میں سامنے آیا انھوں
 نے ایک غیر معمولی صورت حال سے انسان کی انسانی روحنی شخصیت
 کے نئے سطح پر مظاہریت یا فحاشیت کرنے کی صلاحیت کو ظاہر کیا۔
 ان ناولوں کی کشش انسان کے تہذیبی ضروریات، اقدار و اعتقادات
 اور زندگی کی سنگین حقیقتوں کے درمیان ٹکراؤ کی کشش سے پیدا
 ہوا تھا۔ گہرائی سے دیکھا جائے تو یہی صورت حال جو اس قسم کے
 ناولوں کے لیے عقیبے زمین کا کام دے رہی تھی دراصل ہندوستانی
 کے ذہن اور دل، ضمیر اور اندرونی شخصیت، ضروریات اور عمل کی کشش
 تھی ایک طرف تو یہ کشش ظاہر کرتی تھی کہ ہمارا دانش ور طبقہ، اس کے
 قصوریات اور ضروریات ہندوستانی سماج سے کتنے دور اور الگ تھا کہ
 نئے دوسری طرف اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ جو وہاں سے دانش ور
 بھی اقدار و اعتقادات اور عمل میں حقیقی کشش موجود تھی اور سائنسی
 روشنی اور بصیرت سے ان کی ساری وابستگی محض جذباتی تھی جس
 وہ اپنے اندر گہرائی کی توہین اور عوامی شخصیت کے دوسرے
 گہروں کو منور نہیں کر پائے تھے یہ گویا اس بات کا ثبوت تھا کہ
 عنوان شباب کے راستے سے انا گم ہو گئے ہیں انہم سے جو

جذباتی لگاؤ میں رہا تھا وہ محض بے بنیاد تھا اور حقیقت کی
 آزمائش نے اسے شکست کو ڈال دیا۔ یہی اس طرح کہ خود ان کی اپنی
 شخصیتیں بھی فرقہ دارانہ فسادات کی آگ سے دہم پر گئیں۔
 لیکن ناول کی عقیبہ زمین پر اس صورت حال کے اثرات خاصے
 دور رس ثابت ہوئے۔ ایک طرف تو اس آگ نے پرانے سبھی
 جذباتی ضروریات کے آگے سوا لید نشان لگا دیے اور نئے سرے سے
 قصوریات کی نفی دیا اگر ممکن ہو تو ان کی تعمیر نو کی ضرورت واضح کر دی۔
 دوسری طرف تقسیم نے نئے سماجی ایدیا اس کی تلخی اور جاشنی مدوں
 تک غالب رہی۔ ماضی کی طرف ہمارا رویہ کی ہونا چاہیے؟ کیا ابھی
 تک زندگی کی ساری محنت و توجہ مشترک تدریس کی ساری جھلکیاں
 مستقل کے بھی خواب محض فریب تھے؟ اور اب اس نئی زندگی اس
 نامہ ران لمحہ موجود کی طرف کون سا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اور آئندہ
 چند سال تک ماضی کو لازمی طور پر ہمارے افسانوی ادب کا ہیرو بننا
 تھا اور ہی ہوا۔

میرے بھی صنم خانے یقین اور گمان کی اسی دھوپ
 چھاؤں میں لکھا گیا فرقہ العین حیدر گویا اس زمانے میں پاکستانی
 شہر کا یقین لیکن موضوع اور ان کی موجودہ شہریت دونوں کے
 پیش نظر اس کا ذکر ہندوستانی ناولوں ہی کے ضمن میں آتا ہے۔ فرقہ العین
 نے اس صنم خانے کے سبھی صنم جڑی محبت اور میرا سے ترانے ہیں اور
 ان کی پرستش بھی کی ہے اللہ ان کو شکست کو نکلنے کا ذلیفہ دقت کے
 ناگزیر یاد رہے رحم عمل کے ہاتھوں پر اہوا ہے زندگی جاگیر دارانہ
 نظام کی ہے اور اس جاگیر دارانہ طبقے کی جواہرستہ آہستہ آہستہ
 صنعتی نظام میں ڈھل رہا ہے انگریزی تعلیم اور تمدن انیہا رہا ہے
 اور ہندوستان میں گویا بین الاقوامی کچھسور کی لغتوں کو اختیار کرنا
 جا رہا ہے اور اس عمل میں ہندوستانی سماج کی ساری قیام
 تفسیروں کو مٹا جا رہا ہے پھر ت جھات، توہمات، ذات
 برادری، مذہب — محو اس ساری فضا یہ جذباتیت اور
 عقوان شباب کی تصور پرستی غالب ہے فرقہ العین نے
 جاگیر دارانہ طبقے کے روشن خیالی نوجوانوں کو مشترک ہندوستانی

تہذیب ہی کا نہیں مالی تمدن کی، اعلیٰ ترین اقدار کا بھی اس کا حصہ ہے۔ اسی لیے جب رومی داری ختم ہوتی ہے تو گویا تہذیب انسانی کا خاتمہ ہوتا نظر آتا ہے۔ واجب تقسیم ہندستان ہوتی ہے تو بھی قرۃ العین اسے محض بلائے نامگمانی کے طور پر پیش کرتی ہیں اور ان طبقوں کی ذمہ داری اس میں نہیں دیکھتیں جو انھیں اتنے عزیز ہیں۔

سیاسی اور تہذیبی نصیرت سے قطع نظر میرے ”مجموعہ“ میں بھی غنواں سستاب کا وہی دور ہے ابھرتا ہے جس کا ٹکڑا کتنی خندہ اور عصمت کے ناول ہیں کہ رہے تھے۔ میرے بھی صدمہ خاں کی مقبولیت کا بڑا سبب عالمی تھا کہ جس کی جھلکانی اور ہی طبقہ کی زندگی کی عکاسی قرۃ العین کر رہی تھیں وہ اردو دواں طبقہ کے لیے نئی تھی۔ کلیں کی زندگی، تعلیم یافتہ آزاد خیال مردوں اور عورتوں کی زندگی یہاں حسی زندگی پر نگہ پڑی اور ان کی قدیم تھی نبرہ دواں حواتین کی گھٹی گھٹی سی آرزوئیں تھیں۔ یہ چمکتی زندگی عصمت کے ناولوں کی گھر لہو نغصا میں تھی ذکر شہزادہ کے توسط طبقہ کے نگار خانے میں۔ اس لیے اس چمکتی دھنکی فضا نے جی مودہ لیا اس پر وہ یہ ہوا کہ سماجی زندگی کی پرچھائیاں اور تہذیبی اکائی کے کھجڑا کا عکس بھی اس کے پس منظر میں ابھرا۔ اتنا سبب کافی تھا جس طرح ہندستانی سماج اٹھارہویں صدی کے تہذیبیوں صدی کا پونڈ لگا رہا تھا اسی طرح قرۃ العین نے بھی ماڈرن زندگی کی ٹپک دمک میں جا گھردا۔ نظام کی فضا سوں کا جو لگا دیا اور اس میں نئی تعلیم یافتہ فصل کی مددانی درد مند کی اضافہ کر کے بچو کی داستان مکمل کر لی۔

بنیادی طور پر یہ فضا کا ناول ہے جس میں سماجی آہنگ کی آمیزش سے نئی سمت پیدا کی گئی ہے فکری صلابت کی تلاش یہاں بے سود ہے۔ ”میرے بھی صدمہ“ جانے کا شاید سب سے خوب صورت مرحلہ حصہ وہ ہے جہاں تقسیم ہندستان کو ہما مہادت کی طبع کی بدد سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک طرف کو رد ہیں دوسری طرف پانڈوں کا لشکر اور یج میں ارتح کا رتھ ہے جسے گیتا دالے سری کرشن جھلا رہا ہیں اور ارجن کے دل میں یہ دکھ ہے کہ دونوں طرف اس کے اپنے عزیز اور دشمنے دار ہیں ۱۵۰۰ کرشن پر دار کو رہے۔ مگر جس طرح یہ

سب کچھ ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ اس میں کبھی کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ وہ تاریخی عکس قرۃ العین نے فراموش کر دیا جو تقسیم ہندستان کی شکل میں انجام پایا۔ یہیں ہوا تھا کہ ایک انگریزوں کے جی میں آئی اور وہ ملک کو تقسیم کر کے چلے گئے۔ وہ نصرت کی آگ جو دھیر دھیر سے پھیل چکی جس کی ذمہ داری ہمارے اپنے سر تھی ہمارے اپنے تاریخی حوالے کے سر تھی جس میں بچو جیسے نہ جانے کتنے نوجوان عملی طور پر سرگرم تھے ان کے تذکرے کے بغیر ناول ایک رومانی معصیت کے ساتھ تاریخی عوامل کے جرم و دسرا پر محض جذباتیت کا ہلکا سا لبادہ ہی ڈال سکتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اس ناول یا کبھی اردو ناول سے تاریخ کے مطالبات رد ہاں لیکن یہاں کو ردی تاریخی تصور کی ہے اور اس تاریخی تصور سے بڑا سونے والی فکری توانائی کی۔

انگلی، پاکستان میں کھائی گئی لہذا اپنا ہماری محبت سے فائدہ لیکن تاریخی تصور، فنی بالیدگی اور فکری صلابت کے اعتبار سے کم سے کم میرے نزدیک وہ اس موضوع پر سب سے اچھا ناول ہے اور میرے بھی صدمہ خانے سے کہیں آگے

قرۃ العین کے فن میں جو چیز خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے وہ جان بوجھ کر اٹھاؤ اور کھجڑا کا استعمال ہے جس سے تصور کی دوسری تصویر کر لیتے ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے تصور کی رد کو کسی کردار کے دہل میں جس ترتیب بالے ترتیب سے مختلف خیالات گزرتے ہیں ان کا حوالہ قوں بیان ہے جس کے نوئے جوشی عسکری کی حیا سے کی بیانی یا احرام حادی۔ یا اس سے بھی متر پڑے یہ کالج سے گھر تک میں پیش کیے ہیں باسما ظہیر کے انسا نے پیدا نہیں آتی میں ملتے ہیں۔ انجھاؤ اور کھجڑا سے میری مراد یہ ہے کہ کسی واقعے یا کردار کو بیان کرنے کو تے دوسرے غیر متعلق واقعات یا خیالات وراثتیں اور اس میں جملہ دیہ صفتی معتزلہ کی صورت پیدا ہو جائے یعنی ناول کا وحدت تاثر ایک تسلسل اور ترتیب کے چلنے کے بجائے عریب مرتب اور غیر تسلسل ٹکڑوں سے مل کر بنے۔ یہ کھجڑا بھی ایک فن ہے سب سے طریقہ آگے چل کر بیان کا تسلسلہ ان تمام غیر مرتب اور غیر تسلسل ٹکڑوں میں ایک گہرا ربط پیدا کر دے جیسے دشتاوی

تہذیب ہی کا نہیں مالی تمدن کی، اعلیٰ ترین اقدار کا بھی اس کا حصہ ہے۔ اسی لیے جب رومی داری ختم ہوتی ہے تو گویا تہذیب انسانی کا خاتمہ ہوتا نظر آتا ہے۔ واجب تقسیم ہندستان ہوتی ہے تو بھی قرۃ العین اسے محض بلائے نامگمانی کے طور پر پیش کرتی ہیں اور ان طبقوں کی ذمہ داری اس میں نہیں دیکھتیں جو انھیں اتنے عزیز ہیں۔

سیاسی اور تہذیبی نصیرت سے قطع نظر میرے ”مجموعہ“ میں بھی غنواں سستاب کا وہی دور ہے ابھرتا ہے جس کا ٹکڑا کتنی خندہ اور عصمت کے ناول ہیں کہ رہے تھے۔ میرے بھی صدمہ خاں کی مقبولیت کا بڑا سبب عالمی تھا کہ جس کی جھلکانی اور ہی طبقہ کی زندگی کی عکاسی قرۃ العین کر رہی تھیں وہ اردو دواں طبقہ کے لیے نئی تھی۔ کلیں کی زندگی، تعلیم یافتہ آزاد خیال مردوں اور عورتوں کی زندگی یہاں حسی زندگی پر نگہ پڑی اور ان کی قدیم تھی نبرہ دواں حواتین کی گھٹی گھٹی سی آرزوئیں تھیں۔ یہ چمکتی زندگی عصمت کے ناولوں کی گھر لہو نغصا میں تھی ذکر شہزادہ کے توسط طبقہ کے نگار خانے میں۔ اس لیے اس چمکتی دھنکی فضا نے جی مودہ لیا اس پر وہ یہ ہوا کہ سماجی زندگی کی پرچھائیاں اور تہذیبی اکائی کے کھجڑا کا عکس بھی اس کے پس منظر میں ابھرا۔ اتنا سبب کافی تھا جس طرح ہندستانی سماج اٹھارہویں صدی کے تہذیبیوں صدی کا پونڈ لگا رہا تھا اسی طرح قرۃ العین نے بھی ماڈرن زندگی کی ٹپک دمک میں جا گھردا۔ نظام کی فضا سوں کا جو لگا دیا اور اس میں نئی تعلیم یافتہ فصل کی مددانی درد مند کی اضافہ کر کے بچو کی داستان مکمل کر لی۔

بنیادی طور پر یہ فضا کا ناول ہے جس میں سماجی آہنگ کی آمیزش سے نئی سمت پیدا کی گئی ہے فکری صلابت کی تلاش یہاں بے سود ہے۔ ”میرے بھی صدمہ“ جانے کا شاید سب سے خوب صورت مرحلہ حصہ وہ ہے جہاں تقسیم ہندستان کو ہما مہادت کی طبع کی بدد سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک طرف کو رد ہیں دوسری طرف پانڈوں کا لشکر اور یج میں ارتح کا رتھ ہے جسے گیتا دالے سری کرشن جھلا رہا ہیں اور ارجن کے دل میں یہ دکھ ہے کہ دونوں طرف اس کے اپنے عزیز اور دشمنے دار ہیں ۱۵۰۰ کرشن پر دار کو رہے۔ مگر جس طرح یہ

”میرے بھی صدمہ“ جانے کا شاید سب سے خوب صورت مرحلہ حصہ وہ ہے جہاں تقسیم ہندستان کو ہما مہادت کی طبع کی بدد سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک طرف کو رد ہیں دوسری طرف پانڈوں کا لشکر اور یج میں ارتح کا رتھ ہے جسے گیتا دالے سری کرشن جھلا رہا ہیں اور ارجن کے دل میں یہ دکھ ہے کہ دونوں طرف اس کے اپنے عزیز اور دشمنے دار ہیں ۱۵۰۰ کرشن پر دار کو رہے۔ مگر جس طرح یہ

کے ناول BROTHERS KARMAZOR کے پہلے صفحے تک لکھ کر اُدب کے بیان سے مربوط ہو جاتا ہے۔ قرۃ العین کے ہاں کھراؤ تکنیک نہیں عادت ہے بلکہ مجھے معاف کیا جائے تو گزروں سے جیسے آرٹ کچھ لیا گیا ہے قرۃ العین ترشے ہوئے پلاٹ پر قادر نہیں (ہاؤسنگ سوسائٹی اور کسی حد تک منیٹا ہرن امتیاز ہیں) یہ کھراؤ اول تو بے جا طوالت پیدا کرنا ہے دوسرے تاثر کی شدت کو مجروح کر دیتا ہے۔

جس ناول نویس کی تہمت کا غلط استعمال ہو اس کے بارے میں یہ بات شاید عجیب سی لگے مگر ان کے ناول پڑھتے وقت بار بار محسوس ہوتا ہے جیسے ان کا ذہن گیلی کی طرف جھٹک جاتا ہو اور وہ اپنی بات کو بے کم و کاست اور بے مایا کہنے کے بجائے بے جا آرائش یاں ادا کرنا سبکی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ ان کے چھوٹے ناولوں میں بھی یہ عجیب موجود ہے۔

اس کے بعد کچھ اور آگے بڑھے تو رینداری کے خاتمے کا اعلان سوا جس نے دیہی معاشرت کو بچھڑ کر رکھ دیا جاگیر داری طبقہ آخری سانسوں سے لہا تھا مگر اس دھچکنے اس کی ساری آب و تاب بھی ختم کر دی لیکن رینداری کا حاتمہ ایک ادھور ادم تھا جس نے یہ انے آقاؤں کا دم تو کھال لیا مگر کچھ تلے کے دے کچھ کھانوں کے لیے عیام راحت نہ لگا سکا یہ انے آقاؤں کی جگہ نئے آقا ابھرے اور یہاں تو میں بود و خلق کساں نے رینداری کی گدی سنبھال لی مگر اس کی تہذیبی میلش جہاں گاہ یعنی یہاں کی تصویر کشی ادھو ناول میں قاضی عبدالستار ہی کے ذریعے ہوئی ہے جو سے انداز میں اور شعرا و اسلوب کے باوجود قاضی عبدالستار کا است۔ بہت گہرا اور پختہ کی اثران بہاوت بلند ہے قاضی کو دفتر کا جادو دیکھنے کا فن آتا ہے مگر ان کی ہمہ مدیاں واضح طور پر مرتبہ ہوئے جاگیر دارانہ طبقہ کے سامنے ہیں جس کی وضع داری اور تہذیبی آب و تاب کو وہ قدامت پسین کرنا ہے۔ قاضی سے پہلے ہمارے سٹے دیہاتوں کی ایسی ہیروئن لکھی کبھی نہیں ہوئی تھی تنہا کسمت کی آواز اور اس کے لیے کسمت کو دیکھنا دونوں میں یہ یکساں ایسی تاب ناک ہے کہ دیہات کی پوری تصویر

آنکھوں کے سامنے لاکھڑی کرتی ہے۔ قاضی ہی نے اس دور کے دو تاریخی ناول لکھے غازی صلاح اور داراشکوہ اور دونوں میں پختہ کے دور سے ماضی کو پوری رنگا رنگی کے ساتھ زندہ کر دکھا بلا اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تاریخ کا مطالعہ جزئیات تک یہ حاوی ہے اور اسی جزئیات سے ان کے پختہ کی غذا ملتی ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کے ناول ایک چادر میلی سی کا حسن تہذیبی تصویر کشی میں ہی مضمر ہے مگر کی خیالی تو صرف اتنا ہے کہ انسانی زندگی گناہوں سے لبریز ہے ہر قدم پر ناگوار حقیقتوں اور کبھی دشمن تہوں سے سابقہ ہے تو کبھی ماضی کے ٹوٹے اور بے جوڑ رشتوں سے اور انسانی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ حالات جن ناگوار حقیقتوں کی گود میں پھینک دیں انھیں سے بچھڑ کر۔ مافو کے لیے یہ کچھ تابہت دل دہرتھا، لیکن کافی کا پس منظر اس کے پیش نظر نہیں کہیں آگے ہے اور اسی وجہ سے وہ پنجاب کی قصبات کی زندگی کو پورے تہذیبی سیاق و سباق کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہ اس زندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہونے لگتی ہے۔ بیدی کا ناول زبان کی ناچواری اور انداز بیان کے پنے کے باوجود اردو کے اعلیٰ ناولوں میں گنا جائے گا کیونکہ اس میں خیالی کا حجم اور قریبے کی روشنی میں ڈھل کو فن کا روپ رنگ اعتبار کر گیا ہے۔

عصمت کے ناول معصومہ اور دل کی دنیا اس عرصے میں شائع ہوئے مگر معصومہ کو دوسرے اور دل کی دنیا کی تیز پس کے اعتبار سے افسانے سے زیادہ نہیں۔ البتہ کرشن چندر کے متعدد ناولوں کی ناکامی کے باوجود ادب کی سچے اور گہرے کی سو گند منت قابل لحاظ ہیں۔ کرشن چندر اپنے اسلوب کو دل چاہے اور شعرا و خانے اور کہانی اور کردار دونوں کو عام سطح تک قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر اس کوشش میں فکری صلاح اور فلسفیانہ گہرائی کو صحافتی دل چاہی کی خاطر قربان کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی فن پر ان کی دسترس ادھر بھی زندگی کی انہی سوچوں و توجہوں کی اور سچی ہے کہ ان کی نقد نویسی کے بعد وہ کبھی نہیں جلا کر دکھا جاتا

ہے۔ داد و بدل کے بجائے اسی قسم کے نادلوں میں ہے۔

گدھے کی سوگزشت کو بہت سے لوگ طنز و مزاح کی صفت میں لکھیں گے اور اسے باضابطہ نادلوں کی فہرست میں بیچہ نہ دیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ طنز کے سارے کائنات کو اور کم کو ملحوظ رکھنے کے بعد بھی عصری زندگی کی پیچیدگی اور رنگارنگی کو کوشش جیتنے والے اس ناول میں بڑی خوبی سے سویا ہے۔

اس دور کے اہم نادلوں میں حیات اللہ انصاری کا ناول لہو کے پھول بھی شمار کیا جائے گا جو پانچ جلدوں میں شائع ہو کر اردو کا عظیم ترین ناول قرار پایا۔ اس ناول میں حیات اللہ انصاری نے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۵ء تک اس کے قریب قریب ہندوستانی سماج کی تہذیبی اور خصوصاً سیاسی کردوٹوں کی تاریخ بیان کی ہے۔

اسی لیے صحافت کا بیانیہ انداز زیادہ غالب ہو گیا ہے۔ البتہ جہاں کہیں حیات اللہ کا فلم تہذیبی زندگی کی مختلف یوتوں کا بیان کرتا ہے وہاں ناول ٹی بلندیوں کو چھلپاتا ہے ہندوستانی سیاستوں کے محلوں کی اندرونی زندگی، قدیم مسلم جاگیر داری گھرانوں کی ریت رسیں اور تہذیبی فضا، امتیہ اور تقسیم ہندوستان میں قوم پرست مسلمانوں کا اُمیہ۔ یہ سب کچھ بڑی دردمندی اور ہنرمندی سے بیان ہوا ہے۔ لہو کے پھول یقیناً عظیم ناول میں نکل امداد ملے۔

اس کے بعد جن نادلوں کا ذکر آئے گا ان میں عظمت نہیں۔ شاید ان سب کو اہم بھی نہ کہا جاسکے لیکن ان میں کئی نمایاں لحاظ ہیں بعض کی حیثیت ایسے راکوں کی ہے جن میں سبق اور ریاضت سے منسلک ہر گاتو نمایاں آگے بہتر تخلیقات کا وجود ممکن ہو سکے کچھ ایسے ہیں جو پختہ وقت اچھے لکھے ہیں لیکن ہاتھ سے چھوٹنے کے تصور ہی دیوبند ہی ذہنی سے فراموش ہونے لگے ہیں۔

خواجہ احمد عباس پرانے پختہ مشن ناول نگار ہیں لیکن اس عرصے میں بھی ان کا کوئی ایسا ناول اردو ادب کے حصے میں نہیں آیا جو ادنیٰ شہکار کی حیثیت رکھتا ہو یا اپنے معنی کی صلاحیتوں کا بوری طرح اظہار کر سکتا ہو۔ نام گنانے سے کوئی فائدہ نہیں لیکن خواجہ احمد عباس کے صحافتی رنگ لگنے اور آسانی سے اور جلد تر

کھلنے کی کوشش ہے اس کے دلوں کو اگل سجدہ کی سطح تک پہنچے نہیں دیا۔

۱۰ اور عظیم کا ناول پچھانٹوں کی وادیوں چھپا جیس میں ایک پھر لے گئے قلبی حلقے کی مختلف ہستوں کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور سماجی تہذیبوں کی تصویر کشی کی گئی تھی۔ اور عظیم ہمارے ان لکھنے والوں میں ہیں جن کی کمائیاں تہذیبی ہر قسم سے ہوا کوئی حصے لیکن اب لگتا ہے کہ اس ناول میں تہذیبی تصویر کشی اور نفسیاتی تحلیل کے تقاضوں کے درمیان وہ اس طرح الجھ کر رہ گئے ہیں کہ ناول میں معنویت پیدا نہیں ہو سکی۔

آئمہ ابوالحسن کا ناول سیواہ سیخ سید نصیر رضا کا عظیم کا صحنہ اور سر شام کا صحنہ عابد حسین کے ناول ساراہ عابد ایسی ایسی صلیب اور عابدی کا تیسری کا ناول بلندیوں کے خواہ اس دور کے اچھے نادلوں میں تھا۔ یکے جاؤں گے ان میں دل چسپی رنگینی اور کوشش ہے۔

پچھلے چند مہینوں میں البتہ ایک اہم ناول عظیم مسرور کا دھرت دیو کی دہلی نظر سے گزرا جو نکال دینے کی حد تک کامیاب دورا علی احمد عظیم مسرور نے لکھے دالے ہیں لیکن کردار نگاری کا سلیفہ دورا احمد نگاری کا سنہلا ہوا امانت مکالموں کی شگفتگی اور سبھی ہوئی شران کی فن کارانہ رنگینی کی گواہی دیتی ہے۔ پلاٹ اور کردار نگاری دونوں کے لحاظ سے خاصا۔ ذاتی ہے لیکن ناظر نگار نے انسانی کردار میں تبدیلیاں پیدا کر کے والے نفسیاتی عوامل اور سماجی حرکات کو جس طرح ایک نئی تجربے کے روپ میں ڈھال دیا ہے وہ اسے خاصے کی چیز بنا دیتا ہے۔

۲۵ سال اور صرت چند لکھے جتنے ناول۔ آخرت شاننا مقصد بھی نہیں اور دوسرا دیکھنے کے درجے کے نادلوں کی فہرست میں آتا نہیں ہے نہ مفید لیکن چند لکھے جتنے نام لافناں نگاری کی کئی بہتات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں۔ بلاشبہ اردو ناول نگاری۔ بے حدی کے مقابلے میں اب اس پریم ہند اس بے حدی میں کہیں آگے نکل آیا ہے مگر ابھی دور عالمی شہ پاروں کے مقابلے میں ابتدائی حالت ہی میں ہے۔ ابھی اس میں فکر کی تاباں کشادہ کے کی قوت تجربہ کی بدولت اپنے غرض تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

ہمارے دستور کے بنیادی حقوق

عرفِ ملیاں

نورِ آفتاب کی گئی اور آئیں سارا مجلس کا قیام علیٰ میں آیا۔
مجلس آئیں سارا کا پہلا جلسہ ۱۹۴۷ء کو ہی شروع ہو گیا
سہا لیکن آزادی اور اس کے بعد کے حوادث کی وجہ سے کام میں تاخیر
ہوئی گئی۔ اس میں سب قوموں اور ادواروں کے نمائندے تھے۔ جمہور
آئیں بطوری کے بے تحاش کی آخری نشست ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو منعقد
ہوئی۔ اس کی نتیجے میں صلابت دل میں روح ہے
(۱) آئیں ساری میں ۲ برس ۱۱ ماہ ۱۵ دن کا وقت صرف ہوا۔
مجلس آئیں سارا کے کل گیارہ سیشن ہوئے۔ (۲) سیشن دیکھنے کے لیے
آنے والوں کی تعداد ۵۳۵۰ ہزار تھی۔ (۳) آئیں ساری پر کل ۳۶۹۶۰۰
کے احراجات ہوئے۔ (۴) آئیں سارا کے مرتبہ آئیں کی دفعات و جدول
مالتزیم ۳۴۳ اور ۱۳۱ تھی۔ (۵) ترتیب سودہ پیش کردہ سودہ کوٹی
۳۱۵ دفعات اور ۸ جدول۔ (۶) سودہ میں جس قدر زرمیوں کا
لوٹس دیا گیا ان کی کل تعداد ۶۳۵۰ تھی۔ (۷) ان میں سے حقیقتاً
۲۴۱۳ زرمیوں میں ہوئیں۔ (۸) آئیں کے آخری سودے کی ترتیب
۳۹۵ دفعات اور ۸ جدول۔
اس آئیں کی ڈرائنگ کمیٹی کے سربراہان میں درج ذیل تھے۔
ڈاکٹر بی۔ آر۔ امجد کار (جرمن) / آئیں سارا کے سربراہ
ایں رائے۔ لیکن ساری کو لاساوی آئیں سارا کے لیگ منشی
ساری بی۔ لیگ منشی ساری۔ ساری لادی کر ساساوی آئیں اور ساری
محمد سعید احمد۔
آئیں سارا اصلی کے بعد ڈاکٹر راجندر پرما دئے جو

آزادی کو ملے بیس سال ہو گئے۔ ماہ اگست ۱۹۴۷ء میں کلاوی
حکومت نے اختیارات سوبہ کرانک ہو گئی۔ صرف ایک بات تیلی بخش
ہوئی اور وہ کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر چند یہ سب
کی بنا پر ہونی ایک ماحول کے سربراہان میں مدہمت کی سادہ کوئی توفیق نہ
مردان سیاسی اعتبار سے وقتی مدہم ہوا۔ اس کی سادہ سیاسی
دہماں ڈی مقبول ہوئی۔ اقتصادی زرمی اور مصیبت تری میں مردان
اتما آگے بڑھا کر دیا کے ملک دیکھتے رہ گئے۔ اس کی سرحدوں کے محافظ
کھی ہر وہ جو کس رہے۔ حوی اور دہماں انتظام بہت تری پذیر
ملی نہ و بات زیادہ تر ملک میں سے گلس سیدہ رو دیا ڈوں کو دوسرے
لا کر ان رٹے رٹے مدہماں گئے اور سلسلہ آب ساری اور کل کی
پیدا اور میں بڑا ساراں نامت ہوا۔ آج ہر ساراں سے کروڑوں
روپیے کا مصیبت ساراں دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے۔ لیکن ان مام
ماوں سے افضل جو بات اس زمانے میں وہ ساراں کے دوسرے کاما
تھا۔ ایک آئیں سارا ساری کے سکولر دستور کا۔ ہمارے جس ملک
۱۰۰ ملکوں میں ابھی تک کوئی دستور ہی نہیں اور ایک ہی تو عوام کے
مقابل اعتبار۔

اس مضمون میں ہم اس دستور میں بنیادی حقوق کی چند دفعات
کا جائزہ دے رہے ہیں جو سیکولرزم اور عوام آزادی کا دار و مدار ہے۔
یہ تو عوام طور پر سب کو معلوم ہے کہ تقسیم ملک کے بعد آزادی کی وجود
تبدیل اور رسدات کی وجہ سے ملک میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا تھا لیکن
ان تمام فساد انگیزوں پر قابو پانے کے بعد ملک میں دستور سازی کی طرف

جاسکا۔

۳۔ عہد سائن کے دستور کے مطابق بیگانہ بھی لینا منع ہے۔ اس لوگوں

کا رجوع ہو یا اور خود وہ سال سے کم عمر کے بچوں کا فیکٹر لیا

کا لوں اور خطرناک کاموں میں تقریباً کوئی قانونی طور پر حرم

۴۔ پہلے تعلیمی اور حفاظتی آڈیٹ کا ذکر کر چکے ہیں اور بعد میں مذہبی

آڈیٹ کا۔ حکومت ہر اہلست کو اپنی تقابلی۔ بدگلی اور بد

گلیوں پر کھینچنے کی اجازت دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کوئی

طلبہ اسی تہذیبی بدگلی اور بدگلی کو نام نہاد گھسا جاسے تو

نہایت اس پر جبر کرے اور اسے لے کر وہ التزم کی راہ

۵۔ یہ۔ یہ طریقہ طلبہ کے لیے۔ اس کی بدولت پہلے والے

استوریوں کا انکسار ہو سکتا ہے۔ جو کہ بعض مہربان دہریہ ۱۹۵۰

کر کے اصل ہو سکتے ہیں۔ وہاں حاصل کیا۔ یہاں انسانی

تہذیب کا حق دانا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ تاہمات بھی دستور

میں کی۔ یہ سب لے کر دے کر بدگلی کو اسے اخلاقیات دینے

۶۔ اس میں کسی کی حق تلفی اس میں اس۔ یہ وہ

میں ملوث اس میں بدگلی ہو سکتی ہے اور یہ تقاضا اس میں بھی دہریہ

ہو سکتی ہے

۵۔ یہ بھی آزادی۔ یہ ایک ضروری مبادی حق ہے اور یہ بعض اوقات

ماتہ سادہ بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر

معمولی باتوں کو مذہب میں دخل اندازی قرار دے دیتے ہیں۔

لیکن ہمارے دستور کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی کو بھی مذہبی

طور پر اتنا ناگھٹایا نہیں حاصل ہیں۔ یہاں کا ہر شہری چھوٹے

پر سب سے سکتا ہے خواہ وہ صدر کا عہدہ ہی کیوں نہ ہو بعض ملکوں

میں صدر کے لیے کسی خاص مذہب کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن

کو کرنا یا بیسنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ چونکہ وہ ان کے مذہبی

لہاس کا ایک حصہ ہے۔

مادی ہمارت کو بعض اوقات بڑی نازک باتوں سے عہدہ پہنچنا

پڑتا ہے۔ کیوں کہ جب کسی مقام پر مذہبی دھوا دہریہ ہوتی ہے

تو وہاں انس فیض و تہذیب بھڑک اٹھتی ہے لیکن بڑے بڑے

بعد میں جمہوریتہ جیسے پہلے صدر ہے۔ یہ دستور ۲۹ حوری ۱۹۵۰

کو نافذ کیا گیا۔

منبر سائن کا دستور اگر برقی تعلیم بھی مادی اور مذہب

تعلق اور واسطی اور مدتانی، مات لی آئندہ شمس سے ماہ اس میں

جیسے دستور کی سب سے وجود اس میں صاحب بھی ہے اور تو بھی

بھی 'لوح بھی ہو اور ایک بھی ہے۔ اللہ استقامت میں۔ اتنے بڑے

مذہب میں جس میں ایسی باتیں آتیں ہیں ان میں انہیں

میں بھی اگر احصار۔ یہ وہاں بہت تشریح و تہلیل آئے

مادی حقوق کا۔ یہ وہی۔ یہ وہی بدگلی بدگلی میں جس میں

ضروری ہوتے ہیں۔

مادی حقوق میں اس میں

۱۱۔ حق مساوات (۲) حق آزادی (۳) استحقاق سے

مطالب کا حق (۴) عدلی آزادی کا حق (۵) تعلیمی اور ثقافتی

حقوق (۶) حادثہ اور کے حقوق اور (۷) دستور میں مطالب میں

مطالب کے حقوق۔

آخری دو حقوق سب تحت طلب میں اور اس میں میں

کی گنجائش ہیں۔ اس لیے پہلے اس کے حقوق کا ذکر احصاء کرتے ہیں۔

۱۔ اس کا مطلب مساوات ہے کہ کسی شخص کو مذہب اور مذہب

ماتہ سادہ کی بنا کر کسی دستور میں نہ ہو اس میں

اس سلسلے میں سماجی برابری قائم کر کے کے لیے حکومت

حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ اس میں بدگلی

یہ مذہبی دھوا دہریہ ہے جس میں وہ سرگرم حطائیات میں

چھوٹ چھات کی سب سے۔ حکومت تمام قانونی طور پر

گئی ہے اور کسی شخص کا مذہب اس میں ایک بات کی وجہ سے کسی

دوکان میں موٹیل یا عام تقریر کا گاہ میں نہ ہو سکتا ہے کسی شخص کو

حکومت کے کسی یا جبری طور پر اسے جو۔ یہ

گھٹا مارنے کے استعمال سے میں روکا جاسکے گا۔

۲۔ اس طرح ہر شخص کی آزادی بھی محفوظ ہے اور اسے

بلا حرج یا بلا وجہ جرات میں دیکھا نہیں جاسکتا۔ اگر

جاسکتا۔

[illegible]

۵۔ ہم سی آڑی۔ یہ ایک نروری مادی حسن ہے اور سی بعض لوگ
ماں راجھی چوتنا بابے بعض لوگ غلط نہیں سمجھتا۔ مثلاً جو کچھ
معمولی بایوں کو مذہب میں داخل امدادی قرار دے دیتے ہیں۔
لیکن ہمارے دستور کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی کو بھی مادی
طور پر اعتبار اٹھایا نہ حاصل ہیں۔ یہاں کا ہر شری بہت
پرستہ سکتا ہے خواہ وہ صدر کا عہدہ ہی کیوں نہ ہو بعض ملکوں
میں صدر کے کسی کی خاص مذہب کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن
کو کر یاں پیسے کی احادیث بھی دی گئی ہے کہ نہ ان کے مذہب ہی
ماس کا ایک حصہ ہے۔

ہماری مارتب کو بعض اوقات بڑی مازک باتوں سے عہدہ برآپونا پڑتا ہے۔ کہیں کہ جب کسی مقام پر بندہ ہی رواداری ختم ہوتی ہے تو وہاں آس خیر و غضب کھڑک اٹھتی ہے لیکن بڑے بڑے

اپستل غیر اگست ۱۹۶۲ء

ملکوں میں نہ باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاں
ملٹی پلریشن ہے اور لوگوں میں روشن خیالی بھائی ہے، جب ہمارا دستور
بنا تھا تو ہمدردی کے، کارہائے اس پر رائے ملی تھی۔ ان اہل
میں ایک سہایت ہی مستور ہے۔ سلطان احمد کی سے جو دائرے
کی ایک کتب خانہ کے نمبر سے تھے اور متعدد مراعات کے ساتھ
تھے۔ اپنے درجے کے قانون دانوں میں تھے۔ انھوں نے دستور
پر حریف دیکھا ہوگا اگر اس شخص کو اس وقت کی حکومت کا کام بھی
کھلے لاکھ رائے دے تو ہمیں قول کرنا پڑے۔ واقعی وہ نہ صرف
مکمل حقائق پر مبنی تھے۔

[illegible]

معدوہ ماں کا ساد ستورہ بھی افسار سے ایک محرم و خانیل تھا۔
دستاویز سے معدوہ ماں اقلیتوں کے عطف نگاہ سے بھی محرم و خانیل تھی۔
اس میں موجودہ دور سے بڑے شے دودھ ماں کی تمام جوہرین کو
میں۔۔۔۔۔ معدوہ ماں کی تقسیم دو دووں کے طرے پر ہوئی تھی اور
تقسیم کے ساتھ ہی دو دووں کے طرے کو ختم ہو جانا چاہیے۔ اگر
دو دووں کو آپ میں مرقہ اور چاہے تو ہمد کو اس بعد سے اور تھاکا
اندار میں کوئی تقسیم کی جاتی تھی۔ اب سردتاں میں مرتن ایک ہی کو
رہے گی اور اس تھاک ہی تھاک اور
سے دودھ ماں میں تھاک ہو کر کے یہ کو خانیل و خانیل کے لیے

ہیں۔ ان میں ہر بات متاثر ہے۔ نہ اتنے مدد گہر ہیں کہ ان کی موجودگی میں محاسن آئین ساز میں سلاکوں کے نشستوں کی تحصیل حاصل ہو اور غیر متاثر ہو۔ یہ ہے کہ انتخاب کے رواج سے رہنمائی کا مادہ ہو گا کہ اس دستخط کی کاغذ پر جانے کا حوالہ سال تک فرقہ دار اور طرز و دوستانہ کی ذمہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ مطلقاً کے رواج کے بعد نہ بالکل تھیں اور یہاں تک کہ وہ اور مسات کو بھی ان سے کال دیا جائے رہا تھا کہ ان کے سلاکوں کے تحت اور دوسروں کے کھار کے لیے حاج دی۔ اگر بہت دن مسلمان آج بھی ایسے دل سے نہ محسوس ہیں کہ ان کے خطا سے علاوہ جو آئین میں وجود میں ساما کا مدھی کی لانا لیا میرت تھی اس کی حفاظت کر رہی ہے وہ وہ انفلکس مالی کا انہوں نے ایک حد تک کچھ کر رہے۔ مسکو اس لانا لیا گیا یہ کام نہ ہوا ہے جو یہ ہے یہی شہر کو ملک ہند کے توں سے ملے ہوئے ہیں۔ ”وہاں کے مطلق سلطان کو کی یہ آج سے

بائیس سال پورا ہے اور کتنی اہم ہے۔

یہ ہے کہ وہاں کے مطلق سلطان نے بڑے دھڑے تو یہ کر کے ہوئے کہ تھا۔ مگر کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھے۔ ہم سب مادر وطن کے فرزند ہیں۔ ہم عملاً اور دعواً تنگ دلی اور مذہبی متون کو پھلتا پھولتا مس میں دیکھ سکتے۔ حاتمہ سے دیکھا کہ ایک مسلمان بہت دن کا دستخط تھی تھی ہوا۔ مسلمان، عسائی، سکھ، ایگوانڈن اور دیار کی بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے جس کا مدد کے ذریعہ بھی رہے۔ گوڈر بھی اور دوسرے عہدوں پر بھی۔

جس ہی میں مطلق اس سے دو دوئی نظر کے ٹھکر دیا اور وہ ایک نہایت نظام نامی حکم کر کے کی طرف کام رہا ہے۔ نہ منستان کے تہ تیہ میں بیاد کی حقوق کی سب بڑی فتح ہے نہ سرحد کا گھبراہٹ کی بارہا سب تک نہ اسی اظام کی طرف بہت سے اصلاحات میں صرف ہوا تھا کہ اس کا مدد کا مدد ایک بیخوف متاثر آ رہا ہے۔

★

فدایان وطن کے عزائم

۔۔۔ دوست بیٹا لوں

دیں گے تہ بہہ بارہاں میں خفا کی
خیالات طالت کی سیاہی کو مٹائیں گے
ضمیر بہت میں نیت کا لہو بھر کر
تیرا دلی داخلی دامن سے مٹائیں گے
ہر اک دل میں عہدیں گے تیرے اخلاص کا جوہر
نظر آئے گا سب کو ایک ہی مرکز پر لائیں گے
حکومت ہوگی حق کی ہمارے عالم کو پر
زبان سے کہنے نہیں جو اسے کہنے دکھائیں گے
ہر اک دل میں تیرے حق بن کا دلوں بھر کر
سبھی کو عظمت توئی کا شیدائی بنائیں گے

اکھا کر اس کا روضہ حسین ہے وہ دامن کو
نہاں کل سارا جی جنگ اندوہ کی مٹائیں گے

۱۰۰۰ کی یہ تیر تہہ۔ لہو نکالیں گے
میتوں کو دیت کے حق سے کو پوچھیں گے
ہمارے نہایت افسوس ام نہ مٹائیں گے
ہر اک کے مہر دہاں کو بڑا ہیں گے
زینت سر مل غصہ یہ نہیں بنائیں گے
بہر ایسے عہد راج کا کو تیرے بکھائیں گے
مٹی بیداری اس اس سے جاؤں جگائیں گے
حسین آؤں گا دیا کوشیدائی بنائیں گے
دماغ و دل کا ہر گوشہ ہر اک ٹکٹے کا خوشبو
گھنسان وطن میں ہم سارا لایں گے

غلام نہیں انسان چاہیے

صالح، عاصم حسین

کے تائے پر سر رکھ کر کہا۔ انہوں نے بے کو دیکھا، ہوی کو دیکھا ہو کو دیکھا۔ پتہ کتنی خوبصورت ہے۔ اور اسی کی صورت۔ تو۔ تو۔ ہاں ہاں۔ میری سلی سے ملتی ہے۔ آنکھیں دھندلا گئیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلانے اور مٹا سو دونوں ان کے پیسے سے لگ گئے اور سال بھر بعد اس کو لگا کہ اندر جو شیشے بھڑک رہے تھے وہ دم بڑ گئے!

رات گئے جب دو لداہن کو ان کے کمرے میں بھیج دیا گیا، مہمان بہت سے بیٹے گئے، کچھ سو گئے تو انہیں برا جب تنگے ہارے ایسے کمرے میں آکر کرسی پر مٹھ گئی تھیں۔ سلی کی بڑی تصویر رکھی تھی۔ بالکل انھیں لگا کہ وہ پتہ پتہ کی بلی ہے، ابھی وہاں سے اتر کر آئے گی اور ان کے گلے میں باہیں ڈال دے گی اور ٹھٹھک کر ان سے اپنی باب منوائے گی! وہ ایک ٹک اس تصویر کو دیکھ رہے تھے!

”مایا۔ مایا ڈیر۔ میں ایم۔ اے یہاں ہیں کروں گی میں تو بیٹی میں پڑھوں گی مایا۔“

”گرڈارنگ۔ تمہاری ماں۔ وہ ایڈور بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ انہوں نے پیار سے سمجھا نا چاہا۔“

”پاپا آپ مجی سے بہت ڈرے ہیں۔ وہ تو جانے کیسی باتیں کرتی ہیں۔ ایک طرف اتنی بڑھی نکھی۔ اتنے بڑے اداہے کی پیر میں ہیں، سر جھلانی ہیں۔ اور پتہ پتہ ذہن

وہ اسی کے سنٹر کی سٹریٹ میں جس میں سب سے سب اب کی جی بہت دل سے وہ اسی جہ و جہ میں تھی کہ کوئی بیک ٹھاٹھا اور مقولہ لگا لے ”مقولہ“ یعنی جو چیز مالکے ہندو سب۔ چاہے جس کو ساس مسر کے کدھن ریت۔ جی کہ ماصوب۔ ہو تو وہ اس باری کی کاسادہ اس۔ اس کے لئے لڑکے ملتا تو اب نا ممکنات میں سے اس۔ اس کے لئے سوہ ماں کے پاس حار جوڑے نشہ ہا ہا ہا ہا! ہا!

وہ آج وہ اتنی کی مومن کر آئی ہے سرج بنا سسی جوڑے خوبصورت زوروں سے آراستہ حیا کی سرتی مسر کی جھلک نے اس کے حسن کو اور نکھا دیا ہے۔

وہ دونوں اس کے سامنے آکر جھک گئے۔ ”ماں۔ میں دعا دو۔ بہتہ تمہاری محبت اور خدمت کی مسرت میں نصیب رہے۔“ بٹے نے پیار سے کہا تو ماں نے دونوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ سال بھر بعد میلی دفعہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی رکھا ہوئی۔

انجیر صاحب نے جبرٹ سے اُسے دیکھا۔ یہ وہی تھیں دل عورت ہے جوان کی سلی کے لیے نہ روئی تھی۔ آج۔ آج۔ آج۔ کیوں رو رہی ہے کس کے لیے؟

”بیٹے۔ اسے گلے سے لگا لیجے۔ یہ آپ کی بہلی وہ اپنی آجی۔“ بیوی نے مسکیوں کے درمیان میاں

غلام نہیں انسان چاہیے

صالح، عامد حسین

کے ساتھ برسرِ مکہ کر لیا۔ انہوں نے شک کو دیکھا، سوئی کو دیکھا،
 ہو کو دیکھا۔ سچ پتا کتنی خوبصورت ہے۔ اور اسی
 کی صورت۔ تو۔ تو۔ ہاں ہاں۔ مہربانی سے طے
 ہے۔ انہیں دھندلا گئیں۔ انہوں نے دونوں
 ہاتھ پھیلائے اور مٹا ہوا دونوں ان کے سب سے گہرے اور
 سال بھر خدا کو نگاہ اندر تو سنبھلے ہوئے رک رہے تھے وہ دم
 چڑ گئے!

رات گئے جب وہ لکڑیاں گوان کے کمرے میں جمع دیا گیا، مہمان بہت سے چلے گئے، کچھ سو گئے تو کچھ صاحب تحفے ہارے اپنے کمرے میں آکر کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ سلی کی بڑی سی تصویر رقی قحقی — بالکل انھیں لگا کہ وہ سچ بی بی کی بیلی ہے، ابھی وہاں سے اتر کر آئے گی اور ان کے گئے میں باہر ڈال دے گی اور ٹھنک ٹھنک کر ان سے اپنی بات منوائے گی، ایک ایسا ٹنگ اس تصویر کو دیکھ رہے تھے!

”ایا — ایا — ایا ڈیر — میں ایم اے کیاں نہیں کروں گی میں تو بمبئی میں بیڑھوں گی ایا۔“

”مگر ڈارلنگ۔ تمہاری ماں۔ وہ اسی دور بھینے کے لیے تیار نہیں۔“ انھوں نے پیار سے سمجھا دیا۔

”پاپا آپ تمہی سے بہت ڈرتے ہیں۔ وہ فوجا نے کیسی باتیں کرتی ہیں۔ ایک طرف آئی بڑھی نکھی۔ اتنے بڑے ادارے کی تیر میں ہیں، مسٹر عطائی ہیں۔ اور بیج، ذہن

وہ اسی کے سسٹر کی سب سے زلف، سب سے حسین، سب سے
سے سب سے لڑکی تھی۔ بہت دیر سے وہ اسی جد و جہد میں تھی کہ
کوئی ملک بڑھا سکے اور مقول لڑکا ملے، یعنی جو جہیز
نہ لے، نہ دے، نہ بیاہے، جس کو ساس سسر کے کدھو
رجیٹو ترقی نامطلوب نہ ہوں، وہ اس بیاری کی لڑکی کا ساد
ہاں۔ سب سے اچھے لڑکے کے لڑکے، ان کا نواب نامکات جس سے
سے، اس امر، ماری سوہاں کے باس چار جو ٹہنیے
مارا تھا۔ سبھا!

و آج وہ اس کی موبین کو پائی ہے سرخ سارسی
 جوڑے، خوبصورت زبوروں سے آراستہ، "جاکا سرچی"
 مسرت کی جھلک نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا ہے؛
 وہ دونوں اس کے سامنے آکر جھک گئے۔ "ہاں۔۔۔ ہیں
 دعا دو۔۔۔ ہمیشہ تمھاری محبت اور خدمت کی مسرت ہمیں
 نصیب رہے۔۔۔" بیٹے نے بارے کے کہا تو ان نے دونوں
 کو اپنے باروؤں میں بھر لیا۔ سال بعد پہلی دفعہ اس کی
 آنکھوں سے آنسوؤں کی برکھا ہوئی۔

انجینیر صاحب نے حیرت سے اُسے دکھایا یہ وہی تیر
دل عورت ہے جو ان کی جلی کے لیے نہ روئی تھی۔ آج
— آج یہ کیوں رو رہی ہے — کس کے لیے ؟

”بچے۔۔۔ اے گلے لگا بیچے۔۔۔ یہ آپ کی
 بہلی داپس آئی۔“ جبری نے مسکوں کے درمیان ماس

”حق۔۔۔ ڈارنگ تھی۔“

”ہاں سرری تھی۔“

”ماں۔۔۔ بابائے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔۔۔ میں آپ کی مشکل سمجھتی ہوں۔ مگر ماں۔۔۔ وہ بہت کم اسے ماں سمجھتی تھی۔ مگر جب کسی نوکرتنا یا رانگنا تھا کلاس کے کھسو۔۔۔ اصول لفظ۔“

”ماں۔۔۔ جی۔۔۔ میں مانا۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ رہ جاتا ہے۔۔۔“

”قدر دیر۔۔۔“

”اور تو نے یہ میں کہا کہ تو مجھے جا رہا ہے بار دے کو۔“

”ماں۔۔۔ تم میں حاسین۔۔۔ آجکل۔۔۔ رنگ کا انداز۔“

”تبادلہ کیا ہے۔۔۔ ماں۔۔۔ تو عام بات ہے۔۔۔ دلی میں۔۔۔ معنی میں۔“

”حد۔۔۔ آواز۔۔۔ آواز۔۔۔ جگال میں۔۔۔ ہر جگہ۔۔۔ ہر دہس۔۔۔ ہر قوم کے بوجھال اسی تیب لگاتے ہیں۔“

”حالی ہوں۔۔۔ گرس انسان خریدے کے خلاف ہوں۔“

”مجھے غلام نہیں ملتا جا رہے۔۔۔ حواسان ہو۔۔۔ نہ حواسان۔۔۔“

”وہ نوادری سب حاکم سب ملاتے ہیں۔۔۔ وہ لڑکیوں کے قاتل ہیں۔۔۔ وہ جس لڑکیوں سے بیاہ کر کے ہیں ان کو کشتی میں دے دیتے۔۔۔ عرب میں کر سکتے۔۔۔ وہ صرف بیسے کے لڑکی ہوتے ہیں۔“

”تجھے ایک سے ایک اچھا لڑکا مل جائے گا میری بچی۔“

”اس کم طرٹ، لالچی خود عروس کے لیے تو ایسی تنصیب سنا کر دے گی۔“

”ای ماں کو ذلیل کرے گی۔۔۔ اس کے عمر بھر کے اہولوں کو خاک میں ملا دے گی۔ کیا اسی لیے ہم نے تجھے اتنا بڑا کیا تھا؟“

”ماں رونے پر آتا۔۔۔ ووری تھی۔“

”سلی کے بوٹ کا ہے لگے۔“

”ماں تنہا۔۔۔ تم۔۔۔“

”میں بہت دور نکل آئی ہوں۔۔۔ اسے اس نہیں مانگتی۔“

”ماں کا چہرہ مسعد لڑ گیا۔۔۔ سلی۔۔۔ تو کس کا رہی ہے۔ کیا تو نے میرے اعتماد کو ٹھس نہیں لگائی۔ کیا۔۔۔ تو۔۔۔“

”کیا تو۔۔۔ وہ حد پورا کر سکی؟“

”نہیں ماں۔۔۔ جس نے تمہاری عزت اب تک بچائی ہے۔“

”مگر میں جی تو اتنا محتاجی ہوں کہ اب۔۔۔ کہ اب کسی اور کو وہ تمام۔“

”جھے میں کافی آسے گا۔۔۔ پھر بیل خود سات آٹھ سو کی گڑ بھٹی۔“

”بے۔۔۔ پھر بیل۔۔۔ پھر بیل۔۔۔ وہ! اور میں ماں میں لوں تو اس کی ماں۔۔۔“

”وہ تو کبھی۔۔۔ سننے گی یہ بات! اور وہی ہوا۔“

”وہ سننے ہی پھر کبھی۔۔۔ تجھے ایسے لڑکے اپنی لڑکی میں جیا رہی ہے۔“

”مگر بیل کا کیا ہو گا بیل۔۔۔ وہ تو اسے دل و جان سے جانتی ہے۔“

”مگر نہ جانتی کہ طرف ہے بوسلی کی۔۔۔ رنگ عذاب ہو گا۔“

”اس لڑکے کو اگر سب سے تھی محبت ہوتی تو وہ کبھی دے۔۔۔ مانگتا۔“

”اور۔۔۔ رات بھر دو لوں میں لڑائی ہوتی رہی۔۔۔ وہ ہر طرف۔“

”سمجھا تا رہا۔۔۔ ساری لڑکی صدی ہے۔۔۔ جدا جاتی ہے۔“

”میں اس کا مستقل دکھا ہے۔۔۔ رویہ بعد میں۔۔۔ دیا پیلے دے۔“

”یہ امر کا اثر ہے۔۔۔ مگر اس کی سوچی سمجھی باب۔۔۔“

”میں صرف اسی لڑکی کی فکر ہے۔۔۔ مجھے بہت سناں بھڑکی لڑکی لیا۔“

”کی جتنا ہے۔۔۔ میں اس کو دے کر لے کے لے رہی ہوں۔۔۔“

”حد و حد کر رہی ہوں۔۔۔ تقریر کرتی ہوں، مصلوں کھتی ہوں۔“

”میں نے کبھی ہی اسی تار دیاں رکوائی ہیں۔۔۔ کتنے ہی ایسے بوجھال۔“

”کی بہت افرائی کی ہے جو عریب لڑکیوں سے بیاہ کر کے جس نام سے کم جنیز اور رویہ مانگے ہیں! اور اب میں وہی کچھ اسی لڑکی کے لیے کروں۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ۔۔۔ ہو گا۔۔۔ میں مہربانوں کی۔۔۔“

”شکست قبول نہ کروں گی! وہ بے بس ہو گیا۔۔۔ مٹی کو تار دیا۔“

”میں مجبور ہوں۔۔۔ تو خود اگر اپنی ماں سے مات کر!۔“

”اس سے آگے سوچنے کی جیسے ہمت نہ رہی۔۔۔ بیل کی۔“

”میں بے بسی سے لگا کر وہ جگہ جگہ کرنے لگے۔“

”وہ بستر پر لیٹی تھی، آنکھیں جھپٹ پر گھومنے لگے۔“

”رہی عین اور سال بھر پہلے کے واقعات اس بچکے سے زیادہ۔“

”تیری سے داغ میں جگر کھا رہے تھے!۔“

نہیں دے سکوں گی۔۔۔ بالکل۔۔۔

ماں چہ ری۔

”نہیں دسا کی لڑکیوں کا درد ہے ماں۔ ای مٹی کا مین“

”ہاں سہلی۔۔۔ تو میری کو کھ سے درد پیدا ہونی۔۔۔ مگر

مجھے اس لڑکیوں کا بھی اتنا ہی درد ہے جو ہر سال جاتے کسی اسک

دبیر کی قسمت کی حثیت جڑھ جاتی ہیں۔“

”اور اگر بھاری مٹی بھی اس کی حثیت جڑھ گئی تو؟“

”سہلی ایہ تو کیا کہہ رہی ہے تو ای ردل میں ہو سکتی

تو پڑھی لکھی۔ سمجھ دار۔ ایسے بیروں پر کھڑی ہونی خود اعتمادی

سے بھر پور۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو مجھے ڈالے کو کہہ رہی ہے۔“

”ہاں ماں ہی ماں ہے۔“ حیرت سوجھا دیا!

میں دریا یا سہلی لہو!۔۔۔

وہ بیٹھنے کے بیچے بیچے کسی اور راز میں تھکا کئے

لگی کہ ماں مٹی میں کس کا اتنا موتی ہیں۔

یا بابا۔

”ماں ڈیر۔۔۔ آس ماں سے؟“

”ہاں بابا۔“

”ماں جوئی۔“

”جوئی بابا۔“

”ماں کی وہ؟“

”بابا۔۔۔ مٹی کو تیر کی پت میں۔۔۔ وہ کسا ماں گئی۔“

”تو اس کا ہو گا مٹی۔“ مے سہ سے اٹھو لے کما۔

”آپ ابھیں محو رہیں۔۔۔ رکے پایا۔“

”میں مٹی۔ اسے کوئی محو میں کس کا بڑا نہیں جیسے

مے اپنی بس نیک کر۔۔۔ تھے دیے دے دوں گا۔ اُسے صر

بھی نہ ہوگی۔“

”میں بابا۔۔۔ میں بابا۔۔۔ یہ ہو گا۔ آپ رہ گئی بکرا صوں

پرست۔۔۔ بہ آرا۔ آپ اس اور مٹی میں مثال بھیت ہے۔

میں۔۔۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ میری دھ سے آپ دونوں

کے۔۔۔ پچ دلو اور کھڑی ہو۔۔۔ مٹی کے دل میں آپ کی عزت کم

ہو جائے۔“

”تو مگر؟“

”سہلی شک ہو جائے گا۔۔۔ سہلیک ہو جائے

کا پا۔۔۔ ڈالے۔“

اس نے اس کے کال کو لوسا یا۔۔۔ ماں جلدی سے اپنے

مک۔ ایکسٹ۔۔۔ سہلی نے دو در سے تھکا۔

”ماں۔۔۔ ماں۔۔۔ ماں۔“

”کہ۔۔۔ سہلی۔۔۔ اس نے سہلی سے کہا۔۔۔ ہی جلا

کار سے۔۔۔ سے سے ہیں۔۔۔ سہلی لیں ہی۔“

اگلے دن سہلی۔۔۔ اس کی مہ سو رہی تھی۔۔۔ مٹی منہ!

سار سہرا اس کے سارے کے ساتھ تھا۔۔۔ اب پاگل

سے ہو گئے تھے۔۔۔ سہلی کو اوروں سے سوچو۔۔۔ سہلی۔۔۔ سارا

حال اس سار استہرو باغ۔۔۔ موب اور اسی موت۔۔۔

مگر وہ سہلی سے اتنے دیکھ رہے تھے۔۔۔ مگر اس کی آنکھ سے

اک۔۔۔ آس مٹی نہ بھل سکا تھا۔۔۔ اس کی سہلیاں۔۔۔ نہیں اس

کے سہلی لڑکیاں۔۔۔ اس کی کوٹنگ اس کے چاروں طرف منع

بھس میں۔۔۔ تھا رکنا کر میں مگر۔۔۔ وہ کسا کر۔۔۔ ہر طرف

ایک صاف تھا۔۔۔ ایک درانی۔۔۔ ایک لے تھی۔۔۔ سہلی

سے تھی۔۔۔ سہلی سار۔۔۔ وجود پر بھائی ہوئی تھی۔

تو۔۔۔ مجھے سے وہ یا علی۔۔۔ ہاں گئی۔۔۔ رہ جائے گی۔

مگر اس کا کچھ سارا نہیں ہے۔ کیا کچھ!

اس نے سارا تھا۔۔۔ چاروں طرف دیکھا۔۔۔ کارنس پر

سہلی کے بھیس کی تصویر سکا رہی تھی۔۔۔ اس کے برابر کی دونوں

لڑکیوں کی تصویریں تھیں۔۔۔ مٹی کی ڈگری کا۔۔۔ میں اور بھوئے

پٹے کی سوٹ میں!

"نئی۔ میرا پیارا بچہ! آہ! کس قدر اے خیال ہے میرا! اس نے سوچا۔ اور اس کی ساری باتیں اس کے دہن میں تازہ ہونگیں، چار مہینے بھی تو وہ ہوئے تھے۔ سبیل کو سہ ہمارے ہوئے!

وہ دونوں بار و پر سر رکھے۔ میز پر بھکی ہوئی تھی۔ جو دل بیت رہے تھے۔ غم کا سا گراور لگرا۔ اور گرا ہوا جا رہا تھا۔ ہر پل پہاڑ۔ اب تو ان کا من میں بھی حیرت لگتا تھا جس پر ساری زندگی بنائی تھی! آہ وہ مولیٰ عورت ہوئی۔ یہ سب کچھ۔ کرتی ہوئی تو شاید اس کا دل اتنا سخت نہ ہوتا۔ وہ ابی مٹی کو اصول پر مہرماں نہ کر دی، مگر اس نے جو کہا۔ مہینے کیا ہے۔۔ طمانت۔۔ روحانی حسی اس کے دل کو ڈھارس دے ہی تھی

"ماں! اس نے سراٹھایا۔ مٹی سامنے کھڑا تھا۔

"ماں!"

"ہاں میرے بچے"

"ماں سراپا یہ کر دو۔" وہ اس کا ہنہ دیکھنے لگی۔

ابھی جو سلی کو گھر سے حاروں ہوئے ہیں، ایسے باہر کی گئی!

"جو جی چاہے کہ میرے لال۔" اس نے افسردگی سے کہا

"ہنس۔ ماں۔ کہ کام تو تمہیں کو کرنا ہے۔ میں یا ہستا ہوں گھر میں تمھاری ہو۔ آجائے۔ یہ ہوں تو تمھارا اور بلیا کا جی بیل جائے گا!"

"مگر بیٹے۔ تم تو انگلیٹھ حارے تھے ماں!"

"ہنس ماں۔ میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ مہارے ہی پاس رہوں گا۔"

"کون لڑکی ہے وہ،" ماں جانتی تھی وہ ایک لڑکی تہہ سن

پہنک بڑھا رہا ہے

"کوئی نہیں اس

"مکروہ تھا۔ ہی دوست

"ماں میں اس سے باہر نہیں کروں گا۔ وہ بے رمانے کی لڑکی ہے۔ خود عرصہ دولت پرست، اعلیٰ لڑکی۔ وہ حادثاں و ایداں کا جکبہ نہیں کوئی۔ وہ کسی اعلیٰ لڑکے سے تادی کرے گی تو اسے باپ اور ام کو لے جائے۔ وہیں رہ جائے۔ مگر میں۔ میں اپنے ماں کو کیسے چھوڑوں گا؟" ماں کا دل چاہا اسے کلینے میں جیپا لے۔ مگر کچھ بولی نہیں

"ماں! تم جو لڑکی سیدہ کرو۔ جیسی سہی ہو۔ جو تمھارے دل کا حلا بھر سکے۔ جس اس سے باہر کروں گا ماں!"

"مگر تیری سیدہ؟"

"ماں تمھاری سیدہ اتنی ادبی ہے کہ اس سے ستر لڑکی میں تو ملاشتہ نہیں کر سکوں گا۔"

وہ جب ہو گئی۔ سہر کماں کماں لڑکی دیکھی رہی۔ اور سیر ایک دن اچانک جب بازو نے آکر اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "ماں۔ تمھارا اس چہرہ مجھ سے دیکھا نہیں حاتمماں۔" وہ اس کی آنکھیں برس اٹھیں اور لگا اٹھے لڑکی مل گئی، مگر عیب امانت۔ لڑکی! انخسیر صاحب۔ اس کا ڈاکٹر بیٹا۔ اس کو بکوں بند کریں گے؟

نئی نے ماں کی سیدہ پر صا د کیا۔ باپ جب رہے۔ اور آج وہ سو سیاہ لائی۔ بیاری ہی ہو۔ سلی کا بدل!

راہ کے کمرے سے دو حادہن کی دبی دبی ہسی کی آواز آ رہی تھی۔ یہی کی آنکھیں جھلک نہیں۔ ستر اور غم کے لئے جلا آئسو اس کے زخم پر حرم رکھ رہے تھے۔



کلیانی

شہیل عطیہ آرا دسی

بابا رشتہ داروں اور دوستوں کو آرام پہنچا سکتی ہے، فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور زندگی کا سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ دن رات کی الجھنوں نے اسے زیادہ بڑھنے اور زیادہ سوچنے کا عادی بنا دیا تھا۔ لیکن اس کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آ رہا تھا۔

ماں باپ کی بڑی کوششوں سے کلیانی کے بیاہ کی ماسٹ ایک جگہ چلی۔ سیام لال ایک مڈل اسکول میں ماسٹر تھا۔ اس کی دوستیاں مرحومہ تھیں، اور تین بچے تھے۔ عمر بالین سال کی زیادہ تھی ماں باپ خوش تھے۔ ان کو نہیں تھا کہ بات بچی ہو جائے گی اور کلیانی کو نہ تھا۔ اسے کیلئے تھیں کہ اس کا سا میل جائے گا۔ اور سیام لال کی بہن سے دیکھتے آئی کلیانی کو دیکھتے ہی اٹھ کر چلی گئی۔

ماں باپ بہن کو بھی نہیں کلیانی پر اس کا اثر تھا اور ہوا۔ وہ ایک انک بالکل بدل گئی۔ ماں سے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب وہ بیاہ کرے گی ہی نہیں۔ وہ ایسے لوگوں سے کوئی لگاؤ رکھا نہیں چاہتی جو ہرے کو دیکھتے ہیں، گنوں کو نہیں دیکھتے۔ ماں نے اس کی بات کو سرسبٹ لیا۔ اور بابا سر جھکا کر مٹھ گیا۔ یہ جھلرنگ کا پتھر کا ڈھکا۔ پہلے تو دل اس کی صورت کی برائی کرنے لگے۔ اب اس کی بات سنیں گے تو نہ ماننے کی کیا کہیں گے۔ ماں نے سمجھا لی کہ کستہ کی بیگم کلیانی شس سے سن نہ ہوئی۔ اس نے کہہ دیا کہ اگر پھر بیاہ کی بات چلی اور کوئی عورت اسے دیکھنے آئی تو اسے گھر سے نکال دے گی۔ یا خود کہیں چلی جائے گی۔ ماں باپ سوچتے رہ گئے۔ اگر بیاہ نہیں کرے گی تو دنیا کی کسے گی۔ مگر کو بھی

کلیانی ماں باپ کی تھاقی پر بھاری تھیں یہ کمرہ گئی تھی۔ جس پر ابھری تو کونٹے جیسی کالی، جیٹھی ماک اور جھوٹی جھٹٹی گول گول آنکھیں، ماں باپ کی طبیعت پر ہر گھٹئی۔ مگر جیسے جیسے فرحتی گئی ان دونوں کو اندازہ ہوا کہ تیر ہے۔ اور اسے جھلے کی ایک عورت کے پاس پڑھنے کو بٹھا دیا گیا۔ پڑھنے میں سب لڑکوں میں تیر تھی۔ ماں باپ نے اسے بھی معینت مانا اور پڑھانے لگے۔ لیکن آدھ برس کی تھی کہ جھپک لگا گئی۔ اگلی تو بڑی مگر جھپک کے دماغ سے تیرہ اور بھلا ہو گیا۔ وہ دیکھتی رہی۔ ماں باپ بھی سوچتے تھے کہ پڑھ لکھ لے گی تو شاید کوئی اچھا برل جائے گا۔ مگر ان کا خیال غلط نکلا کلیانی نے، اس میں سال کی عمر میں ایم۔ اے کر لیا۔ مگر کوئی بیاہ کی بات کرنے کو نہیں لگا۔ نہیں رشتہ داروں میں اس کی سبکی، سکھ میں اور عقل مندی کی تعریف ہوتی تھی۔ مگر بیاہ کی بات نہیں ہوتی تھی۔ جب کسی نے بات چلائی اور لڑکے کی رشتہ دار عورتیں اسے دیکھنے کو آئیں تو پھر جا کر کوئی آہ ہی نہیں کی۔ آنکھ رہنے کوئی مکھی کیسے کھاتا۔ بد صورتی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا اس کے ماں باپ کی پریشانی فرحتی جاتی تھی۔ کلیانی سب کو دیکھتی تھی مگر بے بس تھی۔ صورت کو بدل لینا اس کے میں کی بات نہیں تھی۔ ماں باپ کی پریشانی دیکھ کر وہ خود بھی پریشان رہتی تھی۔ کئی بار اس نے اپنی زندگی کو کسی طرح ختم کر ڈالنے کی بات سوچی۔ لیکن ہر بار ایک دوسرے خیال نے آکر اسے سہارا دیا۔ اپنے ہاتھوں زندگی کو ختم کر ڈالنا تو بزدلی ہے۔ بیاہ نہیں ہو گا تو کیا؟ بیاہ کے بغیر بھی وہ زندہ رہ سکتی ہے اپنے ماں

یہ ہے۔ لیکن میں آپ سے رو بہ صفت اس شرط پر ہوں گی کہ آپ میرا اسکول آکر دیکھیں۔ اور۔۔۔“

کیدار بابو بولے

”اسکول دو دیکھنا کیا ضروری ہے۔“

کلیانی بولی۔

”آپ کو کیا معلوم کہ میں سچ بول رہی ہوں یا جھوٹ دوسری بات یہ ہے کہ میں آپ سے زیادہ مدد چاہتی ہوں۔ اسکول کو بڑا بنانا چاہتی ہوں۔“

کیدار بابو نے کلیانی کو غور سے دیکھا۔ اس کا بیٹا کوئی لڑکی میں کتنی خود اعتماد تھی۔ کیدار بابو نے کہا

”یہ روپے لے لو۔ پھر کبھی آنا۔“

کلیانی نے روپے ہمیں اٹھائے اور بولی

”میں جا رہی ہوں کہ اسکول بڑا بن جائے یہاں زیادہ لڑکیاں پڑھ سکیں۔“

کیدار بابو کچھ سوچنے لگے۔ کلیانی بولی

”اگر آپ کو اعتراض نہ ہو۔ تو اسکول کا نام آپ کی بیٹی کے نام پر آشاد پوری اسکول رکھ دوں۔“

کیدار بابو کی رگوں میں جیسے برف جمنے لگی۔ وہ کلیانی کو دیکھتے رہ گئے۔ اس نے ان کی دھتھی خن پر اٹھتی رنگ دی تھی۔ بہت دنوں سے ان کے دماغ میں ایک بات چلی آرہی تھی۔ آشاد پوری کی کوئی یادگار قائم کریں۔ کلیانی یہ کام کرنے کو تیار تھی۔ کیدار بابو نے اس سے بہت سی باتیں ہوئیں اور جب انھیں معلوم ہو گیا کہ کلیانی نے ایم۔ اے کیا ہے اور اعزازہ ہو گیا کہ اسے کام کرنے کا شوق ہے تو بولے:

”میں تمہاری آخری حد تک مدد کروں گا۔“

کلیانی نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں جھک پیدا ہو گئی تھی اور آواز موندھ گئی تھی کلیانی پر اس کا بڑا اثر ہوا اور وہ بولی:

”آپ میری مدد کریں گے تو مجھے امید ہے میں اسے اچھا اسکول بناؤں گی۔“

کیا کہتے تھے۔ اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ اس کے لیے ایک تھی خرید لیتے۔ کلیانی نے اپنی زندگی بدل ڈالی۔ وہ کچھ روزی روٹی کی طرح گھر کے اندر کھینچ کر رہی۔ ہندو گھر کو پڑے بدلے اور مجھے میں گھوم کر کئی غریب بچوں کو ان کے ماں باپ سے کہہ کر لے آئی۔ ان کو پڑھانا شروع کر دیا۔ ماں باپ کو اس کا یہ کام اچھا نہیں لگا۔ ماں باپ نے اسے سمجھانا چاہا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اسے بچوں کو پڑھانے سے منع کی گیا تو گھر چھوڑ کر ہمیں اور چلی جائے گی۔ ماں باپ اس کی باتیں سن کر حیرت ہو گئے۔

غریب بچوں کو پڑھا۔ یہ اس کا بیٹا لگ گیا اور وہ خود کو سونے لگی۔ مگر پھر قدم قدم پر نئی پریشانی بچوں کی قہر داد پڑھتی جاتی تھی۔ چونکہ کتبیں۔۔۔ کچھ سوتے۔ نہ کتاب۔ کاغذ اور نہ دوسرا کوئی پڑھانے والا۔ کلیانی زیادہ بچوں کے پڑھانے کا انتظام نہیں کر سکتی تھی اور کڑھتی رہتی تھی۔ ماں باپ میں مدد کرنے کی صلاحیت میں تھی اور کوئی دوسرا مددگار نہیں تھا۔ سوچتے سوچتے اس نے ایک دن ہمت کر کے ایک قدم اور بڑھایا اور شہر کے مشہور وکیل کیدار بابو کے یہاں پہنچ گئی۔ کیدار بابو ایسے کاموں میں مدد کرتے تھے۔ ان کی بیٹی دس سال پہلے مر چکی تھی۔ ایک بڑا قصداہ انگلینڈ میں بیٹھ رہا تھا۔ اپنی بیٹی سے انھیں اتنی محبت تھی کہ اس کے مرنے کے بعد انھوں نے دوسری تبادی کا کبھی خیال تک نہیں کیا۔ حالانکہ حیرت وہ مری تھی تو کیدار بابو کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ کیدار بابو نے کلیانی کو دیکھتے ہی کہا۔

”جلدی بناؤ کی کام ہے؟“

کلیانی نے انھیں بتایا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ کیدار بابو نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ دروازے سے سو روپے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

کام کرنے سے کلیانی میں نئی ہمت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے روپیوں کو چھو انگ نہیں۔ اور بولی۔

”مجھے اپنے کام کے لیے روپیوں کی ضرورت قدم قدم

کو بیٹی کی طرح ماننے لگے تھے۔ وہ دہی کام کر رہی تھی جو کیدار بابو بہت دنوں سے کرنا چاہتے تھے۔

کلیانی بہت خوش تھی۔ وہ جو کچھ جانتی تھی اس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔ کیدار بابو نے دل کھول کر کلیانی کی مدد کی اور کلیانی نے دوسرے صوبہ کو اسکول کو دو سال میں اتنا بڑھا لیا کہ مل بنانے کی بات ہونے لگی اور کلیانی کی تعریف ہونے لگی لیکن چلنے والے ایسی جگہ بن گئے۔ وہ صبح طرح کی باتیں کرتے تھے جو منہ میں نہ آتھا کہتے تھے بعضوں نے اس کی دیکھا دیکھی تھے اسکول بھی بنا ڈالے لیکن ان اتوں کا اثر کلیانی پر کچھ نہیں ہوا۔ اس کی مخالفت جتنی بڑھتی جاتی تھی۔ اتنی ہی اس کی خود اعتمادی بڑھتی جاتی تھی۔ اب وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی۔ اس نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ ساری زندگی استاد دہی اسکول کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے اور لڑکیوں کی زندگی کے سہارا بنے گی۔ اب اسے کوئی کون نہیں بچھڑا۔ کبھی کوئی دوسرا خیال اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن کیدار بابو نے اسے خبر دی کہ ان کا لڑکا سنیل لندن سے برسرِ سفر ہو کر واپس آ رہا ہے۔ وہ دس دن بہت خوش رہے تھے۔ انھوں نے سو روپے دیے کہ کھائی اسکول میں تقسیم کی جائے۔

۱۱۔ سہیتے ہوئے بولے

”سنیل آجائے گا تو تم کو اور مدد ملے گی تم کام کرتی جاؤ۔ ماٹی اسکول تک میں اسے اپنی زندگی میں پہنچا ہی دوں گا۔ اس کے بعد سنیل کی ذمہ داری ہوگی کہ ماں کے نام پر کالج بنائے اور کیدار بابو نے ایسے عہداتی انداز میں یہ بات کہی کہ کلیانی جیسے خواہوں کی دنیا میں کھو گئی۔ استاد دہی اسکول جو ابھی مل اسکول بھی نہیں تھا بڑھ کر ماٹی اسکول بن جائے گا۔ اور استاد دہی لڑکیوں کا کالج بھی بن جائے گا۔ اس نے جو بولا گلیا ہے وہ ایک دن تناور درخت بن جائے گا۔ اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ زندگی کا مقصد آخرو کیا ہے۔ مددگار۔ زندگی تو سبھی گوارا لیتے ہیں کوئی کام انسان کو کر جائے اور اس کا نام نہ جائے یہی زندگی ہے۔ استاد دہی کے ہمراہ اس کا نام بھی بند ہو جائے گا۔

کیدار بابو نے عیاں سو روپے اور نکال کر دیے اور بولے ”تم کام کرو۔ میں تمھارا اسکول دیکھ لگا۔ تمھاری مدد پر طرح کروں گا۔“

کلیانی نے روپے لے کر ٹوٹے میں رکھ دیے اور کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ راتوں ”اب کو اسکول دکھانے کے لیے کس دن انتظار کروں۔“ کیدار بابو جیسے جلد ہی جتنی جیسے وہ خود بھی جانتے تھے۔ ”آج تمام کو۔“

کلیانی نے یاؤں چھو کر ان کو سلام کیا اور چلی آئی۔ کیدار بابو نے اسکول دیکھا۔ جگہ کی ٹری ٹری تھی۔ بچیاں زیادہ ٹرکے کم۔ دوسرا کوئی بڑھانے والا بھی نہ تھا۔ انھوں نے کلیانی کے باب سے کلیانی کی ٹری تعریف کی اور اس کی ہمت بڑھائی اسکول کے لیے اپنا ایک مکان بھی دے دیا۔

استاد دہی اسکول ہر روز ترقی کرنے لگا کئی پڑھانے والی استانیان اسٹنٹس اور بچیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ کیدار بابو اور کلیانی نے ملے ملے کیا کہ اسکول لڑکیوں کا ہوگا۔ صرف چھوٹے بچے داخل کر لیے جائیں گے۔

جب اسکول ترقی کرنے لگا تو بہت سے لوگ کلیانی کے مخالف بھی پیدا ہو گئے اور طرح طرح کی باتیں اس کے بارے میں کہی جانے لگیں۔ سچے لوگوں نے کیدار بابو کے بارے میں بھی جوہی میں آنا کھڑا کیا۔ ایسے لوگوں کی زبان پر کون والا لگا سکتا ہے۔ لیکن کیدار بابو کو اسکی رنج ہوا۔ ایک شریف روکی جو حالات کا مقابلہ کر کے ایسے لیے زندگی کی نئی راہ تلاش کر سکتی ہے اس کے بارے میں کسی بات نہ کہنا۔ اور جو ان کے بارے میں۔ حالانکہ وہ اپنی مری تھی کا نام نہ نہ رکھنے کے لیے سب کچھ کر رہے تھے۔

آج کیدار بابو نے صبح کو ایک ماہ نکالی۔ اسکول کے سلسلے میں بڑا جلسہ کیا۔ شہر کے سارے بڑے آدمیوں کو بلا لیا۔ اسکول کے بارے میں اپنے ارادے بتائے اور انھوں نے کہا کہ اس کام میں ان کی مدد ان کی جیٹی کلیانی کر رہی ہے۔ وہ سچ چھ کلیانی

ہو رہا ہے۔ اور وہ دکالت شروع کر دے۔ لیکن سنیل کو کوئی بھلائی نہ تھی۔ وہ کچھ دن یوں ہی وقت گزارنا چاہتا تھا۔ شادی اور دکالت — ساری زندگی کا ساتھ رہے گا۔

کیدار بابو کے یہاں بہت سی جگہوں سے سنیل کے لیے بات کر رہی تھیں۔ ایک سے ایک خولہورت اور پرچی بھی لڑکیوں کی تصویریں خاندان کے حالات۔ اور کیدار بابو کو فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن آخر انھوں نے فیصلہ کر ہی لیا۔ امزنا تھہ کی لڑکی ستر ان بھی پسند آئی اور سنیل کو بھی۔ اور بات یہی ہو گئی۔

لیکن ایک دن اچانک جیسے دنیا بدل گئی۔ سنیل جو پرچہ ملتا آ رہا تھا سمیت حادثہ پیش آیا۔ اسے شدید چوٹ لگی۔ بہت سے گھرے رخم آئے۔ مہینوں اسپتال میں ٹھہرا رہا۔ اور جب اسپتال سے اٹھا ہو کر آیا تو اس کی آنکھوں کی روشنی جا چکی تھی۔ وہ اندھا تھا۔

کیدار بابو کی دنیا یہ بدل گئی۔ بیوی مر چکی تھی۔ بیٹا اندھا ہو گیا تھا۔ وہ غم سے نہ ڈھال ہو گئے اور پھر سے ہی دنوں میں بڑھے نظر آنے لگے۔ لکھانی کے لیے یہ بڑا غم تھا۔ کیدار بابو غم — اس کا غم بن گیا تھا۔ اسکول کے بعد وہ گھنٹوں کیدار بابو کے پاس بیٹھتی اور ان کا غم کم کرنے کی کوشش کرتی۔ گھنٹوں سنیل کسپاس بیٹھتی اور اس کا جی بہلاتی۔ اندھا ہو جانے کے بعد اسے زیادہ سے زیادہ ہمد ہمدی کی ضرورت تھی۔ ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس کی آنکھیں اس کی مدد کر سکیں۔ یعنی اس کا بیاہ چو جائے۔ کوئی اچھی سی لڑکی سے جو سنیل کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچا سکے۔ لیکن سنیل اندھا ہو چکا تھا۔ جو دھری امزنا تھہ کی لڑکی ستر اسے بات بھی ہو کر ختم ہو چکی تھی۔ اور کیدار بابو کو کوئی بھی کہلے سے جلد سنیل کا بیاہ کر دینا۔ اس کا اکیللا پرخم ہو جائے۔ وہ دوسروں کی ہمد ہمدی کا محتاج نہ رہے۔ اس کی پتی اس کی دیکھ بھال کرے۔ لیکن بات یہی نہیں رہی تھی۔ جو لڑکیاں ان کو پسند آتی تھیں ان کے مال باپ بندھے سے بیاہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتے تھے اور جن لڑکیوں کے مال

(ماتنی صفحہ ۸۸ پر)

اور وہ سوچنے لگی — سنیل کیسا ہو گا۔ خولہورت تو ضرور ہو گا۔ کیدار بابو اس غم میں بھی خولہورت آدمی ہیں۔ استاد دوی خولہورت تھیں۔ سنیل مزور خولہورت ہو گا۔ کیا ایک اسے انچی بددیتی کا نشانہ آیا اور وہ مر چکا تھا۔ لیکن پھر وہ سچل گئی۔ اسے خولہورتی سے کیا لیا دینا ہے۔ اسے بیاہ نہیں کرنا ہے۔ اسے اس کی بروا نہیں کو کوئی مرد اسے قبول نہیں کرے گا۔ اب وہ شادی کرنے کے لیے خود بھی تیار نہیں تھی۔ اگر کوئی کرنا چاہتا تو انکار کر دیتی۔ اب وہ اپنی زندگی کے دوسرے مہانے خاب دکھا کرتی تھی اور محسوس کرتی تھی کہ وہ عام عورتوں سے بہت بلند ہے جو اپنے نے زندہ نہیں اور اس نے یہ مرق ہیں۔ اب اس کا اپنا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ اپنا غم بھی نہیں اپنی خوشی بھی نہیں۔

کبھی کبھی اس قسم کے خیالوں میں وہ کھو جاتی تھی اور جب خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا تو خود اپنے اوپر اسے غصہ آتا تھا۔ وہ اپنے کو غلط نہ سمجھنے لے۔ اسے تجویزوں نے تباہ کیا تھا کہ جو لوگ غلط اندازہ کرتے ہیں وہ راستہ بھول جاتے ہیں اور ٹھیکے رہتے ہیں۔ اور وہ جو راستہ دکھانے کی تھی اسے بھولنا نہیں چاہی تھی۔

سنیل برسر ہو کر آئی۔ کیدار بابو نے خوشی میں تری دعوت کی۔ دوستوں نے انہیں دل کھول کر مبارک باد دی۔ دوسرے دن وہ اسکول دیکھنے آیا اور لکھانی اسے دیکھ کر اچانک پریشان ہو گئی۔ سنیل بہت خولہورت جوان تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بھجھکائیں اور کتاب دیکھنے لگی۔ سنیل کتنا خولہورت اور وہ کتنی بددورت — اس نے سوچا۔ بہت سی لڑکیاں دل سے چاہیں گی کہ اس سے ان کا بیاہ ہو جائے اور ایک وہ بھی کوئی بھی اس سے بیاہ کرنا نہیں چاہتا۔

اچانک اس میں ایک نیا اعتماد جاگ اٹھا۔ اسے وہ کہنا ہے جو سنیل نہیں کر سکتا۔ کیدار بابو نے اسے بیٹی کہا ہے اور وہ استاد دوی کا نام زندہ کر دینے کا وعدہ کر چکی ہے۔ سنیل دیر تک اسکول میں رہا۔ سب سے پہلے سنیل کو باتیں کر رہا رہا۔ اس سے بھی — اور اسکول سے چلا گئی۔

اب کیدار بابو کو ایک فکر تھی اور وہ یہ کہ سنیل کا بیاہ

شرائط ۸۹۳ تا ۸۹۷

اور اس کے بعد کسی کے غضب و تابھوں کو کسی نازک کہ جس کو کھنکھنے لگے گی۔
ادھر ایک دم گھبراہٹ ہوئی کہ درسی اسرار و مہر سے، اور دار
والے اور اوراد و معلوم ہیں کہ ہوا کی مایاں آصف ڈیٹی کسری کے تھیں
خوار یا گئے۔ رمدہ نے جب اس طرح کو اختیار میں دیکھا تو وہ غریب یا بیخ
پڑی "اے" "یہ وہ حال ہوس ہوئی۔ مال نے اسے موت میں کوڑا دیا۔
جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے کو ایک مسہری مرٹا پایا۔
آصف سر ہاتھ کھڑا تھا۔ حائے کہاں سے تک بڑا تھا۔ دہی ادا اس
جہرے بے رول آنکھیں، اور حاکم سیاہی ڈھڑے ہوئے۔ لیکن اتنی
آج واقعی سوز سگاری کے نفس۔ سفید جارح کی ساری سرور
ٹپے بھول کر رہے ہوئے تھے، رستہ سمجھ لی اسٹاک کی دھڑکی
سوئٹوں مراد رسہ کی ٹھوہوں میں، ماڈر کا پلستر۔ تبادی کسی کی پوری
بھی ۶ رمدہ کے دماغ میں رسواں چلتا چلا گیا۔ اور وہ ہنسنے لگا کہ
آصف کا ہے کچھ تو مہر کا چیز ہوا کہ ہو گیا۔ اور رمدہ نے سوچا
کہ کہاں میں بھی آؤں تو مل سکتا ہے۔

سام کو آصف کے اصرار میں ڈر دیا جا ملے یا۔ منہر بھر کے
نے فکر سے آنا فاجعہ ہو گئے۔ کائے کائے ڈر سوت اور پھٹی اور پھٹی
کروں کے مانے سے ہی ہوئی ساراں۔ معلوم ہوا تھا کہ کار کے سیاہ
و سفید ٹکڑے رستہ پر بدواروں کے حوش بخور حرام ہیں۔

رمدہ اور سے بچے آ رہی تھی اور آصف اور عار ہا۔ اس نے
اسے گھنے سر پر لگا رہی تھی۔ اور اس کی عمر دس سال کر ہو گئی تھی۔
دلوں کی میٹر بھینوں پر ڈھیر ہوئی۔ زہرہ کے پیر کی گواہی تو بیوہ نسیم آؤ
گلاب کی بچوں جیسے ہوش اور دینے کی دھال راس۔ آصف راتہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
"ٹھارنگ"۔

"ڈیڈ رمدہ کے منہ سے عالم لے اعتبار ہی نہ نکلا۔ اسے غلظ
ہوا جیسے آسان سے شہناں ناف ٹوٹ کر اس کے دل کی گہرائیوں میں
اُتر چلا رہا ہے۔

شادی —————
"اوپر بہت جلد خالی آگئے۔" رمدہ ہنسنے ہوئے کہا "ایک کونین تھی۔
اسے اس حال ہوا جیسے اس کی کوفت اور ادیت بہت جلد خالی آگئے۔

بڑھاپے اور اس طرح بہت بہت بھینچا جاتا ہے سلی مار سکا جاتا ہے۔
اس کے دوسرے دن اسے جلال کا خط ملا۔
رمدہ اسٹوڈنٹ آف آرٹس ایک نوکری میں گئی ہے۔ اگر محض سے
کا کیا نوکری کا بھی وعدہ ہے۔ فی الحال دوسو روپے مل رہے ہیں۔ ہمارا
نرغہ ادا ایک دم کلڑوں کوں ڈیٹی کسری ہو گیا۔ کوک تک شادی کا
ارادہ ہے ۹ مارک ۱۱

"مرعہ بادما۔ کلڑوں کوں۔" رمدہ نے خط کے پیر سے پیر سے
کرتے ہوئے کہا ایک ڈیٹی کسری کی ہی ٹری بے عرقی۔ اس نے خط کے
ٹرے کھڑکی کی راہ باہر پھینک دیے۔ جو ہوا میں لہرانے ایک
دوسرے سے جدا ہو کر کوئی دہائی ٹھکر کر پھو گئے۔ رمدہ نے اطمینان
کی سانس لی گہری اور دلی۔ وہ لال کے جال کی کھلت اپنے دل سے
نکال دیا جی جی جی۔ کچھ آدمی تک میان رپا پینٹا کرتا رہا۔ اور
اب وہاں سے یہ انداز ہی کر رہا ہے۔ اس کی فوہورت آنکھوں کے گوتوں
میں مانی مع ہو گیا۔ کیا وہ رہی ہے۔ بہن اس کے تھیں روئیں اس
آنکھیں صاف کرتے ہیں سوچا۔

ہمارا کی کوئی سے ایک ساں آدرا چلا آ رہی تھی۔
توے تم دوست جس کے، جوے تم

۔ سندھ اس جوتی صوبہ جوتی کو بھی مل رہی تھی۔ چھ ماہ ہوئے
۔ ساں سوی دتی سے مدین کو کر مار دیا کوئی میں اگر رہے تھے۔ کہا
یہ ددلوں میں رہی رہی سے حوش نہیں ہیں، اگر یہ مدھیب ہیں تو اس قدر
حوش کیوں ہیں؟ ٹیکس آڈا رہی کہ برا بر مل آ رہی تھی۔ رمدہ بھی کھڑکی سے
تھا نا عورت ریڈو گرام کے کونوں پر۔ اور اس کا تھوہرا اس کے
تاہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا کر رہا ہے۔ کھٹ کھٹاک، ایک دھڑلگے
سے اس نے کھڑکی بند کی اور اگر کھڑکی میں دھس گئی۔ توڑی ویر بید
موتیر ٹیکس کی کھٹ کھٹ کھٹ مٹی دی۔ سادہ ماں ہوئی کجا رہے تھے۔
ایک سادہ سادی سے دور و پہلے لال آدھڑکا۔ رمدہ کے چپا نے
ایسی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جسم کی پوری قوت جمع کرتے ہوئے اسے
گھورا۔ اس کے باپ نے اپنی چھوٹی موٹھوں پر بھوک اڑاتے ہوئے اس
کی غیر متوقع آمد پر نوکری کی آڑے کئے خوب لڑا۔ لیکن اس نے خاموشی

”زمیدہ یاد ہے“ اس نے مشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ یاد ہے میں نے کہا تھا کہ تمہارا جسم ریشم کا کپڑا ہے جس سے صرف ریشم ہی تیار کیا جاسکتا ہے۔“

”آہ یاد ہے۔ سب کچھ یاد ہے لیکن حد کے واسطے تم چلے جاؤ، ہاؤ نہیں جائے۔“

”ہاں عار ہوں، لیکن میرا تمھ“ بلال نے ایک سنہرا لاکھ حیرت نکتے ہوئے کہا۔ مہول کرو۔ اپنے بھائی کی نشانی۔ ”زمیدہ کو بکھر گیا۔ اس نے لال کا ہمارا ہاں اور پھر اسے کونسلہ لاتی ہوئی کچھ کہے جسے اندر چلی گئی۔ اور لال اسے دکھاتا کادیکھتا رہ گیا۔ وہ بہت ہی خاموشی سے اسی دن احمد آباد لوٹ گیا۔ وہ زمیدہ سے بھی نور کہہ سکا کہ وہ اپنے سوہنہ کی سرکار میں سفارس کر کے اسے کوئی تھوڑی موٹی آسامی دلا لے گی کو مستحق کر دے۔“

(صفحہ ۸۵ کا بقیہ)

کلیانی

آرام سے رکھ سکے گی۔ اور کیدار باؤ نے طے کر لیا کہ ہاں کیدر میں گئے اور جلد ہی بیاباہ کا انتظام کر لیں گے۔

شام تک قہ کلیانی اسکول ختم کر کے سنیل کے پاس چلی گئی۔ اب وہ اس گھر کی ایک فرد بھی۔ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ کوئی ٹکھٹ نہیں تھا نوکرنے کے لئے لاکر رکھ دیا۔ کلیانی نے چائے بنا کر سنیل کو دی اور خوش ہو کر بولی۔

”سنیل باؤ! مبارکباد — آپ کا سایہ ہونے والا ہے۔“

رکھا بہت خوب صورت اور اچھی لڑکی ہے۔“

سنیل کے ہاتھ سے چائے کی بیانی چھوٹ کر گر گئی۔ کلیانی نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ تو سنیل نے کلیانی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بولا۔

”کلیانی — مجھے مت چھوڑو۔ مجھے دوسرے کے حوالے مت کرو۔ میں کسی دوسری لڑکی سے بیاباہ نہیں کروں گا۔ تم سے اچھی کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی۔ تم سے خود بہت کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی — تم کلیانی ہو۔ تم ہی میری کلیانی کو نکھتی ہو۔“

کلیانی کا سر جھکا اٹھ لگا اندر وہ خود کو سنبھال نہیں سکی۔ بوسہ سے نیچے گر پڑی۔

سے سب کچھ برداشت کر لیا۔ وہ زمیدہ سے آخری بار ملنا چاہتا تھا۔ اور اس کی خاطر اتنا لمبا سفر کر کے آیا تھا۔ آخر شام کو ملان کو زمیدہ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ دوپہر کے درجنوں سے رے سورج عرس ہوا تھا۔ زمیدہ اپنی کونجی کے وسیع چمن میں انھوں دوں کی بل کے پاس ڈور سے ہوس سورج کو دیکھ رہی تھی۔ سخن کی شہرکی کو دیکھ کر اسے۔ مائے کیوں بلال کے طلب کی شہرکی ادا رہی تھی۔

”جہن زمیدہ — اس کے کاؤں میں ایک لڑتی ہوئی صد گونج گئی۔“

”لال تم عاز ہمارا کے واسطے میری آنکھوں کے سلسے سے جیدت کے لیے اوجھل ہو جاؤ۔“

بلال نے ایک مسک قہر لگایا۔

”تم در رہے ہو۔“

باب رضامند ہوتے تھے وہ لڑکیاں انھیں مسند نہیں آتی تھیں۔ کیدار باؤ کے سامنے صرف ایک بات تھی۔ اسی لڑکی سے سنیل کا بیاباہ جو اسے زیادہ سے زیادہ آرام دیتی ہے۔ جو خود کو بھول کر سنیل کے آرام کا خیال کرے۔ اور اسی لڑکی انھیں نہیں مل رہی تھی۔

کیدار باؤ بہت برتیاں تھے سنیل اندھا ہو گیا تھا۔ ان کی دنیا اندھیری ہو گئی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ کیدار باؤ کی کلیانی کی کیدر دیاں زیادہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ اسکول کے بعد اس کا زیادہ وقت کیدار باؤ یا سنیل کے پاس گزرتا تھا۔ کیدار باؤ ہر بات میں اس سے مشورہ لینے لگے تھے کلیانی سے بڑا احمق وہ انھیں کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ کلیانی خود بھی سنیل کے لیے کوئی اچھی لڑکی تلاش کر رہی تھی۔ اسی لڑکی جسے اپنے سے زیادہ سنیل کی فکر ہو۔ لیکن کوئی نہیں رہی تھی۔

وہ خود بھی چاہتی تھی کہ سنیل کا جلد سے جلد بیاباہ ہو جائے تو کیدار باؤ کی فکر وہ ہو۔ اور سنیل کے بچوں سے اپنا دل ہلا لیں۔

ایک دن کیدار باؤ نے کلیانی سے ایک لڑکی کے بارے میں پوچھا۔ کلیانی اسے جانتی تھی۔ اچھی لڑکی تھی۔ اچھی بھلی صورت نیک اور سچہ دلدار۔ اس نے کیدار باؤ سے کہا کہ اس سے اچھی لڑکی اسے نظر نہیں آتی۔ غریب ماں باپ کی بیٹی تھی سنیل کو خوش اور



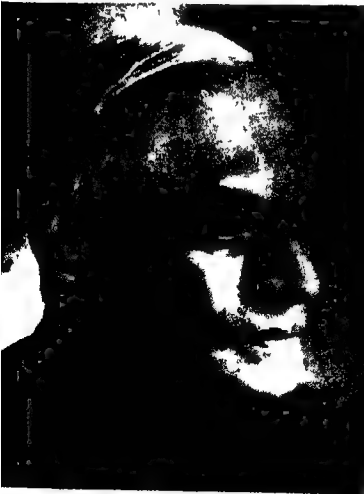
تسری ابجی۔ بی۔ بادی
(۲۱ مئی ۱۹۳۹ء تا یکم جون ۱۹۵۲ء)



تسری سرفری ماسٹرو
(۵ اگست ۱۹۴۲ء تا یکم جون ۱۹۴۹ء)

آزادی کے بعد اتر پردیش کے گورنران ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۷ء

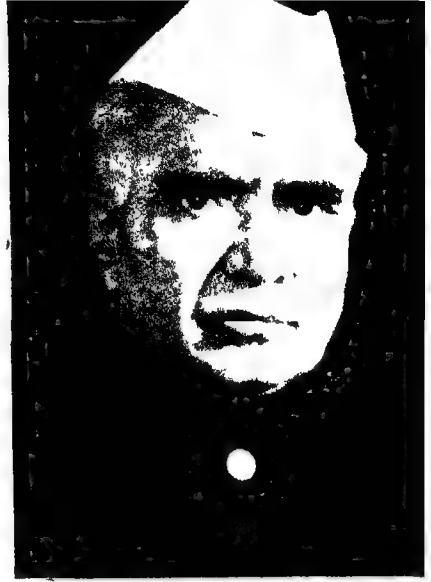
تسری دی۔ وی۔ گری
(۱ جون ۱۹۵۵ء تا ۳ جون ۱۹۶۶ء)



تسری کے۔ ایم۔ ہستی
(۳ جون ۱۹۴۹ء تا ۹ جون ۱۹۵۵ء)



سری فی رام کونٹس راؤ
(یکم جولائی ۱۹۶۶ء تا ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء)



ڈاکٹر بی۔ گوپال رمدی
(یکم ستمبر ۱۹۶۶ء تا ۳ جون ۱۹۶۷ء)

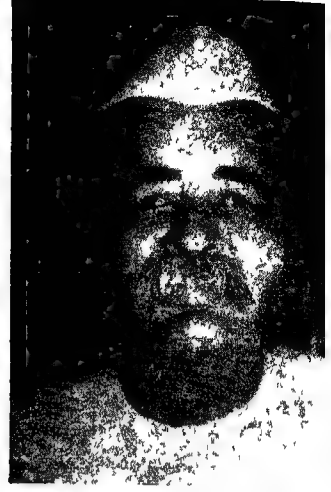


تھری سوا ناھو داس
(۱۶ اپریل ۱۹۶۷ء تا ۳ اپریل ۱۹۶۸ء)





ڈاکٹر سموراس



تہری گوہر لکھنوی

اتر پردیش کی عوامی حکومتوں کے وزراء اعلیٰ

۱۹۳۶ء تا ۱۹۶۲ء

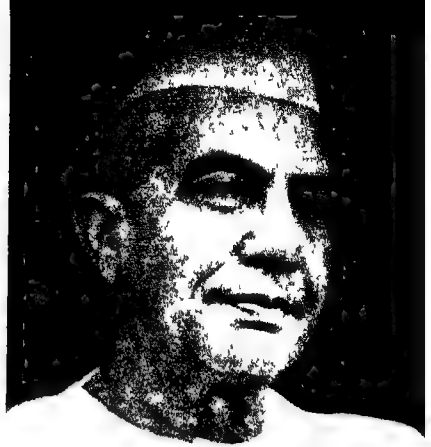


ڈاکٹر لکھنوی



۱

سری چرن سنگھ



سری کنایہ تراشی
(وجود دیر اعلیٰ)



سری ترہوں رائے سنگھ



جاسو

رشتہ سنگھ

مار ہی تھیں۔ تاروں کے تانے بانے اور مستینوں کی جیدگیوں کو دیکھ کر عقل حیران ہوتی تھی

وہ دروغ دہا تھا اور پاؤں جب کام کرتے کرتے تھک جاتے تو تھوڑی دیر سستائے کے لیے اپنے مار ہی گودوں میں بٹلے جاتے۔ وہاں تھوڑی دیر سوتے، جھانپتے، کھانا کھاتے اور کپڑے بدل کر تازہ دم ہو کر پھر وہ ہوتے اور اُس ڈیم کا کام۔

اُن مردوں کو گلوں کے بیچ کچھ راز سے، ایک بوڑھا آنے لگا ہے۔ اُس کے لاغر جسم پر صرف ایک دھوئی ہوتی ہے۔ ہاتھ میں سوئی اور یادوں سے نکلا۔ اس لیے اُس کی شخصیت میں کوئی بھی چیز بظاہر عارف نظر نہیں ہے۔ اور ممکن ہے اُن مردوں کو گلوں کو اُس شخص کی آمد کا احساس بھی نہ ہوتا لیکن شے کے پیچھے سے چھٹی ہوئی اُس کی ذہن آنکھوں سے کچھ ایسی روشنی چھوٹی ہے جو مقناطیسی کشش کی طرح لوگوں کو اسی طرف کھینچتی ہے۔

بوڑھا اُن لوگوں کے بیچ سے گرتا ہوا اچانک کسی شخص کے پاس رُک جاتا ہے اور پوچھتا ہے

”یہ ڈیم کب بن جائے گا؟“

”دو سال میں۔“

”پھر اس ڈیم سے پیدا ہونے والی بجلی کو کون لے گی؟“

”کون کو؟“ کام کرنے والا آدمی پوچھتا ہے۔

”وہ دھواں ایک جھوٹے سے گاؤں میں رہتا ہے۔“

”ہاں۔ یہ بجلی اس گاؤں کے سڑکوں کے رقبے والے بھی لوگوں

ڈیم ٹری تیزی سے اُٹھ رہا تھا۔

ہزاروں ہاتھ مصروف تھے کوئی نقشے تیار رہا تھا۔ کوئی منی کلر رہا تھا۔ کوئی ٹھی ڈھور رہا تھا۔ کوئی پتھر توڑ رہا تھا۔ کوئی لٹے کی سلاخوں سے لے کر گرائڈیں کوڑوں کو ناسب جھکوں پر رکھ رہا تھا۔ کوئی ٹری ٹری مسینوں اور ریکٹیوں کی مدد سے ٹوں دریا چنیریں ادھر سے اُدھر پھینک رہا تھا۔ اور اس سارے کام میں آنا سوراٹھا کہ ساری وادی ہر وقت گونجتی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ رات کے وقت جب بجلیوں اور ٹریوں کی ٹیمپٹی روستوں میں کام کرنے والوں کے سائے لمبے لمبے ہو جاتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں آدمی نہیں بلکہ بڑے بڑے دیو کام کر رہے ہوں۔

ہاں! وہی تو کام کر رہے تھے۔ یہی تو مٹی کا باندھو اُدھے پہاڑوں کے قدموں سے اُٹھ رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے سر اُٹھا کر پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں سے آنکھ ملا کر بات کرنے لگا۔

مٹی کے اُس باندھو کے ایک طرف پانی کی تپسی مندی سونکھ گئی تھی اور باندھو کے دوسری طرف اُسی مندی کا پانی تپے ہو کر ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر رہا تھا۔

اور اس ساری وادی میں مٹر گوں کا ایک جال سا بکھ گیا تھا جس پر موٹا ٹکا ٹریاں ٹرک کر تھیں، بُل ڈونر بھاگتے رہتے نہ بکھارتے رہتے۔

پہاڑوں کی دھلاؤں پر دادیوں کی گودیں اور ڈیم کے ارد گرد ٹری ٹری عمارتیں بھی بن چکی تھیں۔ جہاں ٹری ٹری مشینیں لگائی

آج کریں مجھے نہ تنگ

مدد طلبیہ - ہمالوی

کہ اپنی اللہ اوی سے دی یہ تھوڑی سی یا مدی عائد دے اور صرف
یہ باتیں طرف سے گئے تاکہ حادثات سے یہی جاسکے اور
لوگوں کی آمد و رفت میں حسد نہ پڑے۔

آزادی کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آپ دوسروں کو
آزادی کا لحاظ کیے بغیر اوٹ ٹپاٹ بگڑتی ہوئی آسے کر دیں
یاں تہاں تک کسی باتوں کا تعلق ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے
سے آپ کے سوسائٹی برس کا کوئی اثر نہیں پڑتا آپ ان
باتوں کے کرنے میں ایک حد تک آزاد ہیں مثلاً آپ کو دل چاہے
تو تحلیل قی دھوپ میں حشر میں اور جس آزادی کی سیر کے لئے نکل
سکتے ہیں اور جس آزادی میں نے دلوں کے لیے تھک کا سامان
دراہم کر سکتے ہیں اس کا فعل خود آپ کے دوق دہم سے ہے۔

لیکن اگر آپ آزادی کی روح میں آزاد میں دوسری بیماری میں
بلد یا بخار سے کرتے سے بھی آزاد ہو کر سیر کے لیے نکل نہیں تو آپ کی
یہ حرکت دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہوگی۔ اس لیے آپ
سنگے رہنے کے اپنے میدان شہر میں کو اس وقت تک استعمال
نہیں کر سکتے جب تک سوسائٹی آپ کی اس حرکت کو تفریق تکلیف
کے برداشت کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔

انھوں نے یہ سن کر جو جس کے ساتھ کہا

نہید ہی روز میرے دست قطع بندی رہے
تھراؤ نہیں وہ دن دو نہیں جب ہم رنگی کا مودہ دوق پڑھ کر
مکمل رہیگی کی منزل پر پہنچ جائے جس نے لباس کو تین ڈھکنے

ہمارے ایک دوست نے آزادی سے مست یہ لکھتے تھے
ہوئے کئے

آج کوں مجھے نہ تنگ نہ ہوں باز رنگ
میں نے کہا یہ نعرہ کس خوشی میں لگایا تھا رہا ہے اچھوں نے
تھوم کر فرمایا آپ کو نہیں معلوم آج ہم نے یہ نہیں بلکہ ایسی آزادی
کی ۵۰ سال گزرا ہے جس نے اسے ہم نے ہی ہم ۵۰ اگست کو
آزادی کا یکسوال جام لٹھانے چاہتے ہیں۔

میں نے کہا معاف فرمائیے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے
ہوئی سے آزادی سمجھتے ہیں اسی لیے آپ بہت غصہ ہاں رنگ
کی ٹیڑیاں تو فرحتیں آزادی منانے کے لیے نکل رہی ہیں۔

انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا آزادی کا یہ مطلب یہ نہیں ہے
ہوئی کے چکر میں پڑے ہیں والا نہ تو آپ صاحب دماغ سے میرے
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے یا سب ان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تھما بھی پھوڑ دے

جیسا کہ میں نے آج اسے تھما پھوڑ دیا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر آپ کی طرح سبھی لوگ اسے تھما پھوڑ دیں تو
جس آزادی کا تو یہی بات ہے مگر پرعلیاد شورا ہو جائے۔
آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اجتماعی آزادی کے لیے انفرادی
آزادی پر پابندی ضروری ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ چور اسے
پوسے سب لوگ آزادی اور سلامتی کے ساتھ گزریں لیکن تو اس کے
لیے ضروری ہے کہ ہر فرد مگر پر دلائیں بائیں ہر طرف سے گزرنے

کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کی تائید کا وسیلہ بنایا ہے۔

میں نے کہا کہ جس طرح آپ نے سیاسی آزادی کا مطلب تمام پابندیوں سے آزادی خیال کر لیا ہے اسی طرح جیتس جیتس کے لباس کی آزادی کا مفہم بنائی سمجھ لیا ہے حالانکہ دونوں غلطی پر ہیں۔ سیاسی آزادی اپنے ساتھ صرف آزادی ہی نہیں بلکہ بہت سی ذمہ داریاں بھی لاتی ہے۔ وہ شخص جو ان ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں اسے آزادی منانے کا حق نہیں۔ آزادی کے حصول کی طرح اس کی حفاظت اور اسے ردی وراثہ اور بدعت سے محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ آزادی کی حفاظت کے لیے اتحاد اور پیروی دونوں سے بچنے کے لیے معاشی استحکام ضروری ہے۔ اس لیے جس آزادی میں نہ کیے جانے والے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان تمام اصول پر ہنر کیا جائے جس سے ہر ایک قومی اتحاد میں یہ نہ ہو۔ فرقہ وارانہ نفرت اور لسانی تعصب، بیخ کا سرور اور جھوٹ جیہات سب سے بڑا۔ یہ کہہ کر رہا جائے کہ وہ نہ تو کوئی دور رکھنے کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح دولت کے اس حق کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے جس نے ملک کے کوڑے ان عوام کو بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ ملک کی پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کی مصدعہ تقسیم کے لیے بھی ذمہ داری ہے تاکہ راد کے لوہے کے لیے ہوئی خوش حالی سے صرف اٹنے کے آدمیوں کے بجائے عام لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ دولت کی نعمتوں سے محظوظ ہو سکیں ملک میں سماجی انصاف بھی صحیح معنوں میں اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتا جب تک کہ کبھی فرقہ نہ در کیا جائے۔ دولت کا اتنا بڑا فرقہ عوام کو صرف یہ کہ ضروریات زندگی سے محروم رکھتا ہے بلکہ انھیں سماج



میں باعزت جگہ بھی حاصل کرنے نہیں دیتا۔

اجتماعی خوش حالی کے لیے انفرادی راحوں میں کمی اسی طرح ضروری ہے جس طرح اجتماعی آزادی کے لیے انفرادی آزادی پر پابندی جس طرح شرک پر سکون سے گزرنے کے لیے دائیں بائیں سمجھتے سے گزرنے پر پابندی لگائی جاتی ہے اسی طرح ملک کی معاشی زندگی کو تھیں سکون جانے کے لیے ضروری ہے کہ کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے لیے ٹھکانے معاشی سرگرمیوں پر معاہدہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مہیاں مانگی جائیں اور معاشی سرگرمیوں کا مقصد محض ذاتی منافع کے بجائے اجتماعی نفع اور قومی مفاد بنایا جائے۔

ہمارے دوست نے خوشی سے کہتے ہوئے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں عقل و دہش سے آزاد رہنے کی ضرورت ہی ماتی۔ رہے آپ جانتے ہیں کہ وہ دیکھو دوسرے یہ ہیں۔ ایسے ہی یہ جانتے ہیں اس لیے زندگی کی محرمیوں سے عاجز آکر ہم یہی امن کی زبان توجہ ڈالتے ہیں اور کھڑے بیٹھ کر بیاہر تلخی پڑتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اگر آپ کچھ سے بھاڑنے کی رحمت گوارا کرنے کے بجائے ذرا عقل پر زور دینے کی تکلیف گوارا کرتے تو آپ کی سمجھ میں آجاتا کہ یہ کدھ تھا آپ کے نہیں عام جیتا کے ہیں آپ کو عقل و دہش سے نیاز ہونے کے بجائے عوام کو بیدار کرنا چاہیے! اگر وہ واقعی بیدار ہو گئے تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں اپنے جائز حقوق سے محروم نہیں رکھ سکتی۔ آج آزادی کا چیلہاں سال پورا ہو رہا ہے اچھے اور ملک کے ذوالوں کو تھیں کر کے گریاں کو دیا جا رہی ہیں۔ جنوں کہ دھو میں پھانے کے دن آگئے

آنہ دی کے چپیس سال

(ایک طویل تمثالیہ)
حکمرانہ آزاد

دس ہوا آزاد
آج کے دس سے جوڑ کئی ہے نوے کی دہائی
آج کے دس سے اس سے اس دس کی ہفت سو
ایسے ہی تیرہ کی دسیا ایسا ہے تشریح
گوج اٹھا ہر سمت یہ عود دس ہوا آزاد

دس ہوا آزاد
ہم و آزادی کے لئے کار ہے تھے آزاد
حکمرانہ کی تاریخوں سے حرف یہ کتاب ہوا
توں و کتر بریکر اس کے حملہ کو دیا
نوں - حائے کو اس کے دل میں کیا اوراں تھا
کی حرم سے بڑھا اس کو برہمن سستی
بند سے ہو کر لہسا لہسا آسمان تھا
ہماراں صف مشک بڑھے جلو بڑھے جلو
دلاؤں تیج دس بڑھے جلو بڑھے جلو
تس میں دمن دس بڑھے جلو بڑھے جلو
سرن سے ماہ کو کھن بڑھے جلو بڑھے جلو
بھاری آں ہے وطن، وطن کی آں تم سے ہے
ہراک عدوت ہے ہے ہراک اٹھاں تم سے ہے
وطن کی لاج تم سے ہے وطن کی شان تم سے ہے
شال دھل، جس بڑھے جلو، بڑھے جلو

دس کے انداز میں
نویسی کے ساتھ
ہمارے کارناموں سے وطن کا نام روشن ہے
اس کی صبح سے برہم جہاں کی تار دس ہے
سختی تری اس دس ناکام، دس ہے
کو دنیا پر ہماری نرست صمصام روتن ہے
ہم اس کے درد سے تھکے دکھیں گے ملہ پنا
خدا چاہے لو ہوگا ہر ارادہ مستح مد اپنا

راوی نمبر ۱
(تحت اللفظ)
وطن اے اے اے میں اس مانے،
وطن کی سر میں یہ حب علامی کی حکومت تھی
یہ دس اک نکل کا روٹے لے ناں ہیں لکھن
یہ وہ دس اٹھاں سرستہ کامی کی حکومت تھی

راوی نمبر ۲
(تحت اللفظ)
علامی کا پیروں میں دس سانس سے جوتی
ہی جوتی دس لطف اسماحت، بھوت
جس اسما ہا لکھ اس - اسما - ہ تھا کوئی
ہمارے جس سکرین رمد اسماقت، تھا

راوی نمبر ۳
(آخر سے)
ابن وطن کی قربانی سے آہو آہو اس آنا
آزادی لے دگ جہاد و ملائی سیت جگمگ
نہی کا لیں ہر خیس، حلاش ہمارا جگمگ

کورس
(تیسری ساریوں کے ساتھ)
دس ہوا آزاد ہمارا دس ہوا آزاد
دن کا سب آکھ کا مارا دس ہوا آزاد
سدر سدر ہمارا مارا دس ہوا آزاد
گوج اٹھا ہر سمت یہ عود دس ہوا آزاد
دس ہوا آزاد

سما، آؤ، کچھ کا دھمی سی کا نام
حس کے م سے آج واد بھارائے سکا ام
ایسے ملے جس نے بڑا سامراج کا دام
آج اس گام دھمی کا کیا دس ہوا آزاد
دس ہوا آزاد

ایسے دس کی گنتی اری طودنوں کے مار
اپنے میں کیے خوش ہیں اس کے کھیں ہار
راخت باو، بہر توجی، مولانا اور ستر دہر
ڈھونڈ لیا گنتی نے ہمارا، دس ہوا آزاد

دوسری آواز : اس مجاہد اس ہمارے سایہ شہید
 رخت لفظ : حان سداں رخت کے ہمارے عبد الحمید
 جان وے کو سہ یانی ہے حیات حاددا
 نام علی ہر مبارک کام بھی ہر اسبید
 آجیٹ کے حب کے دال اس دال کا در آیا
 حویں رہا ہم ہولی اور اسد داں کا در آیا
 ایسے سبھارت دہوں نے ماگ کو یہ بیام دیا
 چھوڑا ہر سر کی مائیں قلب بیان کا در آیا
 اس حال سے کار بخیر جی ہے جی
 س طحک - ہم اسدا ہمیں کوئے
 مداحب کی بڑائی مبارک سیوہ ہے
 اور اس میں رکھ کے قدم ہم رکا جس کتے
 س آج بھر ہی کتے ہیں اس کے دس یاہ
 رب عوام سے ہم کو کوئی عناد نہیں
 ہمارا طر علی اس نے عسار ہے
 ہمارے میں طر صلی ہے ساد نہیں
 اسے مصولے میں بھاسد گن جگ کے بعد
 آئی تھی بھرے گلساں پہ لپس تنگ کے بعد
 مجید ٹھس ہوئی یہ جگ ہی ہم یہ لپس
 سر جو کھلا تھا - طر جگ کے بعد
 جگ کے بعد جو معل - حالات آب
 سات اس ورتی کے حالات آب
 مات د بھی آئی گا مدھی صدی بھی آئی
 مدگی بھی آوہ مدگی بھی آئی
 ملی ساحوں لے بھر دیں کو سوارا
 پھر ریکو ہر ہتا سبب و سناں ہارا
 ہمد و سناں کی سرت بوس میں حال کیگی
 اپنی حیات صحت حیات میں بھی دکی
 مدد رتاں سے اک محفل سماں داوی
 حب انتخاب آیا ہمہ رے صد دی

راوی : اس کے عالم سے وطن کا حال پورے حال تھا
 دہ ہمارا تھا جو ہر وہ ہمارا کھل تھا
 حادثے کتے رت ہوں کام رکھتے ہیں
 تزدستاری کے عادی کام رکھتے ہیں
 اسے مصولے بہ حال تھا وطن پوری طرح
 مست تھا اسی ہی جو سبوں میں پوری طرح
 کارخانے تخریب کا ہیں ادارے ہر سے
 اسے اپنے کام میں متول تھے مہذب سے
 دھان گندم جس سے تھے کب مکتس مچل
 رہنا اسنا لقا ہا ہی کا تھا اصول
 ایسے عالم میں حب اپنی دھن میں گس تھا ہر
 ہ جانی کا ناول سے دل میں ہی تھا اداں
 جنگی طبع ہی کو یکساں لے گی ہمہ پور
 بوس اس کی ہمہ رملس جیسے ہوں ہمہ
 ٹمک اس کے میلاں میں سرکے گردن کے مار
 کول حاتے تیگے سے اک کون ملا - خاد
 اس طوفاں کے - کے کو حب ہمارے کہ ہو دھا
 محنت کا درمگ جو ہمہ کسب ستور
 دتر کے سلا سے ہی لے سے دش کی مٹی کو
 سراوں میں جو بہ ایاد میں یک سرہ راٹھ
 دانش ورنے ظم سمبالا اور ن کا لے انبان
 سوں گرم دھان چکا جیسے ہر یک وراٹھا
 سداں میں فوجیں اتریں نیکڑی میں مدد تھا
 مار ہمد کے جو گھٹاں کے جھانگے
 چھا ہمد وکرو وعاؤں میں آگئے
 معام اس تہڑوں یہ جا کو سستا کئے
 تلے کے مرکوں میں قیام اٹھا گئے
 جو تہڑوں کے سر میں تھی وہ بڑی تھی
 دوردرد میں غزدر گنبا خود سبھی تھی



عظمتِ محمدی

حاصل نقوی

مورث تسمیہ سے اُعلیٰ کی کرن بیٹھی ہے جتنی تھیں سے راکت کی کرن بیٹھی ہے
نظمِ سن سے حقیقت کی کرن بیٹھی ہے کھینے چھوڑنے سے محبت کی کرن بیٹھی ہے
— نشہ عظمتِ محمدی کا عصفِ مہیا ہے

بہادری کی تھالی میں عجیبوں کا نام آیا ہے
سے یہی ہے محبت کے طلب نگاروں کو بے تسکائی کے نامِ عیسٰی کی جھنڈا روں کو
بہم — توڑا ہے کھنٹی جوئی تلواروں کو کرنا سرور اکتا ہوئے نگاروں کو
— حقیقت کی جگہ لگی ان لوں سے

سردارِ علم کا سبق یکساں ہے دلوں سے
برقِ بھلی کہ ہمارا کبیر شاہ کرے تاجِ بھرا کہ تخت کو سدا یا کرے
دل میں ہر حس کے عداوت ہے بااں ہے اچڑی چڑھی جو جوبستی اُسے آماد کرے
— ہوا سے تھے اُرت کی جڑ، یہی ہے

ظہن کرنا، بحیام کو آ کر دی ہے
مُسکانت بنے کھنٹی کی سنس یہ ذکر افسانہ کہ باپ کا بیس یاد کرد
بھول جکتے ہیں تھاپہ کا مین یہ کرد بھوسے قرآنِ حساب طس یاد کرد
— مائیں ہوئی ہیں تصویر ہی میں یہ اوس سے

اس جی اے صد کی آواز ہے عداوت سے
لکھنوی کی بہت کا سبق یاد کرد اپنی تاریخ شہادت کا دوق یاد کرد
— ابھی مظهرِ یاقوتِ حق یاد کرد خون میں اوماوا بگڑ نعش یاد کرد
— تائب ہوئی کا پیغام دیا یاد کرد

جسے جیتیں یا قسمیں کا یاد کرد
نکل آنکھ میں سونے کی کھنٹی کھینٹے ہوئے یہی اوس کی
گنگا مس میں یہ چھتیاں مار لیں سحرِ آفتاب میں تہذیبِ یہ دلوں کی
— عظمتِ مس جس ہے ملت کی یہی ہے

کشتی دہریس قاتل ہوئیں سر دی میں

بہارِ بہارِ چلے

وفا خلیل

(تبدیلی کاغذ کے لیے مصلحت)

کیا تھا یہ رسمِ عہدِ تم سے شریعت سے
تہاں میں جگ نہیں اس سرمد چلے
سب مصلح ملے، ناد ما سقہ یلے

ٹھا ڈاٹھ کر اسایت کا نام کوس
گلے گلے کو زمانے میں تاد کام رہیں
گلاب س کے گلےں روتی کے گلےں
کہ سند و باک ہیں دوستان احوال کی

تہاں میں پاک کی سب اور وقت کو
دیا گیا کہ اس اس کی تہاں کو
عظیموں کے رستے سے اسوار کو
تو تیرے مظر تو امتسار کو

ہر اہل ہند ہیں، ہر تاب آرزو کا
کون کون سے جوڑے ہیں آس کی
ہاں ہی ظلم ہوا، حریت یہ آج کی
سکون کے ذریعہ اد کی ہے وہیں

لکھی تھیں میں نے کسی نعم میں یہ طرہ بھی
کون ہوئی، اسیر ہو س نہیں ہوئی
سحر تارہ تاروں کی مسکراہٹ سے

اور آج بھر ہی کہا ہے، گوش دل سے سو
کہ ہند و باک ہیں دو بستیوں احوال کی
کہ ان میں جگ نہیں، امن سر بلدی ہے
مواظظ رہیں، ناد و ہمارے ملے
بقول فیض، حجت کا "کار و بار" ملے

نقشِ آفریدی

مستقادتِ نظم

حما و زیت میں نونا طلسم صبا ہی
صدائے نعرے بدلی، اب فریادی
جو قید ہو تو پوکس طرہ، دق آزادی
تعیات کہاں ۹ عزم جو فولادی
قدم اٹھے تو مجھے میٹھ دھوؤں کے سبگر
سارے، گئے گر و عیار، اس سفر
ہر ایک ڈرے میں لڑاں ہے حق سحر
سوں شوق کی کڑواں کا نام ہے شہر

کمالِ غم سے نصرت سے، کام آتی ہے
شہر بخت سے تہذیب زندگانی ہے

گاہ گرم سے ہے سرد زلزلوں کا جلال
نشاط کار سے ہے حوصلوں کا س دھال
وہ عقدے، تھے مل جو بھی تھے ام جہل
بقا کی حمد میں گنت، جو گزریں وہاں

وہ کل، جو بیت گئی سے تو تر ہے آج
سوم سے دن کو رہے قدیم رواج

دیارِ ہیر و جبار ہے شاہ دل کا رات
مراتِ شعلہ بہت سن ہے، گی کا مزاج
عجب شان سے بکھرا، تاب نکلے بظہر
قدم نہم پہ صبا پاس میں بنو نم
نسب بیاہ کے دامن میں ایک تانہ سحر
گوں میں عنبر و گل کی بے رقص برق و نمر

یو افسر دعا کیجھ ایسا نہانی حکمت کو
کہ مل گئی، وہ مسراجِ کدیت کو

دھنک کو توڑ کر کھینک کر اس پر اندھیرا بھیا گیا عرس پر میں
میں میں دفنانا بھوکے چڑو کل تو کی ادھیجوا سے بارش کل
پیرک اٹھے جنگ بیتا ہوا تھا دوتی سے خانہ خاطر تھا آنا
بہرہ و جلساں حسب آئیں جناب ہی محفل میں آس
حاب رام کے قرب آئی احوال عہداری بھول کر بھولوں کی جے مال
مشتی کش ناخن خوشہ کی تولد اور تہمت کا اندازہ اس سے
ہو سکا ہے کہ ہمدان کے سر ہندو گھر میں جس کی مادی ران او
ہے رامائش حوت پروردے گی۔ دامائش حوت پروردے گی
میں اس سے طبع متی و لئوس جسھی اور اس کے بعد اس کے تولد
ہو لیتن اسی طبع سے تال ہوئے۔ سو ہواں اپدیش ۱۹۲۱ء میں
تال ہو ا تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۲۲ء میں یہ دامائش تال ہوئی
لستم دیوئی بے تار تال بھی ہے

عسوی تاریخ اسے فکر رسا
لکھتے تھے جو تتر کے اٹکا رہا تھا

اردو کے متوی بکروں میں بہتریں، مدلت و اتکر تیرم ہوتی
قدرا انی جھگر بریلی، ترقی مساوری و سرہ کافی متہور ہیں۔ لیکن
اس صفت میں جو تتر کی تہر متوی دامائش جو ستر کے باغ
کسی سے بھی کر نہیں ہے۔ عسوی ان کا کارنامہ تھا چاہتا ہوں اس
کا سارا اردو کی بہترین متولوں میں ہو سکتا ہے۔ سلاست دان، بیکل ما
مدت کی جی اور شکستہ طریقہ میں یہ متوی لا جواب ہے یہ نظر کاری
کے دیکھ اور آفریں کرنے اس میں لے ہیں۔ جیسا کہ ملاحظہ فرمائے
ہو احب مطلع حور شہید دوست گلستاں مہاں میں جلوہ افروز
مواشرقی سے ظاہر عارض حور درج عالم یہ جی کا برنوور
اڑنا داغ سیاہ تہ جہاں سے ہمارے دور کھلا آسمان سے
ہوئی توں لال شب نکستہ عروس صبح کل دست بستہ
فلک پر شاہد خود مستبد آیا در سببم کا زیا مار لا مار
ہوا بیدار شاہ و بخت بیدار شہنشاہ حکم لور یک کردار
تہ دروس جہیں و ماہ سیما ہوا تحت شہی پر جلوہ فرما

لے دام کی شکل تمہ کی

ملک التمر انشی دو ایک کا برتاو حق کھنوی نے رام ناٹک
کے نام سے ایک ڈرامہ ۱۹۱۷ء میں جو کلک لاہور کے لیے تصنیف
کیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں آپ کی منظوم رامائش من فارول کستہ
پرس کھنوی شائع ہوئی ہے جو ایک ادبی کتاب کا بہت ہی جرت جگر
بریلی یا دودھ گان میں مرانے ہیں

"رامائش کی لکھن میں اس ایک ایک نالیہ ہے۔ آپلی
یہی تصنیف آپ کی داد الکلامی کی پروردہ دس بے ادب روانی
عدیم المثال جبر ہے"

مشتی سورن و اس جہرے اسی تہر سے لکھتے ہیں بدو متا
کے دراکو گور سے میں سرگردا ہے۔ آک کی سب سے مادہ سپور
کات چہل حدو دس ہے جس میں کہا ہوں کے در لے ویلاست
محول بھائے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کی دامائش مہر ۱۹۱۸ء میں
ماہو پر س دی ہے شائع ہوئی تھی اس میں لکھی داس ہی مہاراج کی
نارادہ حویسوں اور دلی بھگتی کا فوٹو مہر صاحب سے اردو نظم
میں ۲۴ صفحات میں متی کیا ہے۔ آپ نے دامائش منظوم میں
راہیں بہت ساری اشعار کی گئی ہیں مگر وہ رامائش عوام میں
مقبول ہو سکے۔ دامائش مہر کی اشعار ان اشعار سے ہوتی ہے۔
رام روپ اپنے کو روکی و مبدوم میں لگاؤی کہ کھ میں خاک قدم
در حقیقت خاک ہے نہ کسمبا درو دیا کے لیے کامل تقا
حاک کیسی یہ لودہ اکھر ہے جس کی کشف ذات حق تاثیر ہے
ظاہر و مہیاں چٹسہ دام کے دیدہ دل کو نظر آس کھیلے
کوہ و دریا دست و مہر اجودہ درو ماہدہ آدمی اور راجا
کیا حلا میں کیا ملا میں بر ملا کیا میں کیا جریخ سر اسک با
جلوہ فرما ایک مہر سے رام ہیں وہ میرے وہ تہرے رام میں
کا یو کے مشت سورج برنا و لفتہ رامائش کے لکے کاروں
کا منظوم لفظی ترجمہ کیا تھا جو مدت ہوئی تال ہو چکا ہے۔ اس نظم
تہرے میں بڑی مشکل تشنگل اور مدالی ہے اس کی ایک جلد مری
لاہور پری میں محفوظ ہے۔

پڑت چکست کے گھر کا نام "صحیح وطن" میں "داماش" کا ایک
 سہیلی کی مشہور نظم ہے جس میں انھوں نے قسری و ام جندجی کا اپنی
 والدہ سے نصیحت پر ناؤ دکھایا ہے چکست نے اصل میں داماش
 کے کئی سین نظم کے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے نظم کے جو
 کسی سین کا نہ ہیں بلکہ ایک مندرجہ بالا "تقی" کا ایک مقالہ زمان
 جنوری ۱۳۱۷ء میں شائع ہوا ہے اس میں زنتی صاحب نے لکھا ہے
 "چکست کی داماش کا ایک ٹکڑا تصحیف کی گئی ہے اور
 ٹکڑے چکست نے لکھے تھے اور ان کے دوستوں نے ان کی
 زبان سے لکھے۔ ان میں آخری جگہ سے پہلے راون کی تقریر
 حاصل طور سے قابل ذکر ہے مگر وہ سب ان کے ساتھ نہ
 ہو گئے۔ میں نے ان کے مرنے کے بعد ان کے کاغذات کو
 چھانا مگر اسوں کو کچھ بھی نہیں ملا۔

وام جندجی کے بعد مہربان نے صواب گوشت اس بیان کے بعد
 اپنے بھی نامزد بیت آئیں نظم لکھ جس کے لیے چراغ رہے آہ کفر
 رہا مرا بھی غل غلتا جو یہ تر یہاں صبر بھی کو دعائیں ہیں اور
 لیکن وہ اب تو ب کے بعد مٹ گئی
 چل بھول لے کے باغ سا بچہ کیا

وام جندجی کا جو اب بابت کی زبان میں سننے سے
 اپنی نگاہ میں ہے کسی کا رسا یہ صحرانے کا وہ بہ مہراں اگر
 بچل ہو یا بیاڑ صفر جو کہ مو جھڑ رہا نہیں وہ حال سے بے خبر
 اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم میں
 دامان دست دان مالے کمر میں

مشقی درگساہ مسرور ہمارے ان اردو متوا میں ہے جس
 جن کی شاعری میں سارے مندوسان کا دل دھڑکن ہوا نظر
 آتا ہے انھوں نے داماش کے کئی سین نظم کیے ہیں۔ ہمارے
 دستہ کی بے قراری اور سیتا جی کی گریہ و زاری ملاحظہ فرمائیے۔
 "ہمارا رہہ دشرخ کی بیقراری"

بانگ تھے بزم دست نوردی کے دن تھے
 نیچے ابھی تھے باد یہ خودی کے دن نہ تھے

کائے قدم قدم ہاں کے گراہ گراہ
 غمت میں نہ رہے جھانسنے کا چل چل
 "سیتا جی کی گریہ و زاری"
 مجھ سے شب فراق میں ترا بانہ جاے مجھ
 روز سبیا د بھر کا دیکھنا نہ جاسے گا
 گھر میں جو چوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
 پاؤ گے بن سے آ کے نہ بیت غریب کو
 صورت تمھاری دیکھ کے غم بھول جاؤں گی
 صحرائے ساک ربغ و ام بھول جاؤں گی
 نکس زان تو تیرے بدایوں مرحوم نے "پتہ بانگا" کہ
 متوی فکر اس میں غم میں نظر کا تیار ہر مرحوم کی یہ متوی۔
 امیرالاقبال ریس بدایوں سے ۱۳۱۷ء میں شائع ہوئی تھی جو
 کی اس متوی میں بڑی روانی ہے لیکن ادبی "نیت" سے اس کا
 "قائد" مکرار میں کھینچاں "اور پیام سادری سے نہیں کیا جاسکا
 نکس جہر بھی یہ متوی ادبی حلقوں میں مقبول ہے ہونا ان جی
 سیتا جی کی طاق "اسٹوک" وٹکا میں لکھ رہے ہیں چند
 اسرار طاسط فرمائے

ہر گوسے سے حاکمی کو پوچھا ہر درہ کی دستوں میں دھونڈا
 زنگس سے نظر ملا کے پوچھا سو سن کو قسم ملا کے پوچھا
 بلبل نے ہر ار کی رسائی بخت نہ جس کی بات آئی
 عینہ نہیں کوئی کا بکھلا پتا بھی نہیں پتہ متا
 ہر بھول ہے خاک جو بیان ہو پتا بھی حین کا پاساں ہو
 آسان نہیں ہے چرسائی مشکل ہے خیال کی جانی
 متی جواری لال شعلہ نے مراد پر شوق جنگوان وام
 چندر کے حالات کو اپنے ایک سندس "جنگ بندی" میں
 اس خوب صورتی کے ساتھ نظم کیا ہے کہ ان کا یہ سندس اور
 ادب میں ایک شری شاہکار ہے سیتا جی وام جندجی کے
 ساتھ ہی جانے کے لیے اصرار کرتی ہیں شعلہ کی خوب فطرت
 ہر دم رہے کاغذ کف بانگا میں انھیں چھائی جاؤں گی

سپنل سترہ اکت

رام چندر جی کی شہین اور سیتا جی کی مایا نے گے لیے اور دھیا
 نے جھست ہو رہے ہیں تو ان کی آوازوں کے دل پر کیا گزرتی ہو
 سیتا بدن : صفت سے کر کے گیس
 نکلی : جان بشتیاں پھر کے گیس
 حشر کے قلم کی کیا کی آئینہ ماری دیجھے
 بڑوں کو دکھ آتا آتا ہر گئی
 آئینہ یاد کے زباں بد ہو گئی

بن باس کے زمانے کے رام چندر جی سیتا جی اور شہین جی کی جو تصویر
 کھینچی گئی ہے اسے اس واسطے کہجئے۔

رام اور شہین کے ساتھ میں سیتا جی یوں رواں
 جس طرح برہمہ دیو کے مایا ہو درمیاں
 یوں پر یہ جاگتی تھیں مہ خور کے یاج میں

جیسے ہو پریم بھگت اور ایتور کے راج میں
 شری رام چندر جی کی شہین جی اور سیتا جی کو سر بوندی کو
 بار کرنا ہے اور تسی کا انتظار ہے شہد صاحب نے اس منظر
 کو یوں بیان کیا ہے :

بے ناؤ کر رہے ہیں جو برہمہ شہر کو پار
 اپنے بے آج نہیں کشنی کا انتظار
 پل مارتے ہیں ماؤنٹ کے پانگی
 برو کی طرح کشنی اتارے پانگی

بن باس میں سیتا جی سے بھگت باسی خورتیں ان کا حال درپنا
 کرتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ یہ دو جوان مرزوان کے ہمراہ ہیں
 کہیں ہیں سیتا جی فراتی ہیں ۔

دیور شہین کو دھنڈے میں تھلا کے وہ گھیس
 رگھو بہا کرانا چوچھا تو مسکا کے وہ گھیس
 جنگل کے رہنے والوں نے شری رام چندر جی سیتا جی اور
 شہین جی کا استقبال کرنے نہ وہ دستور کے ساتھ کیا تھا ۔
 کہ ہر جگہ پائی گئیں گرد رائے
 چروں کو ملک لیا تھا ہر جگہ

ہمارا رام چندر جی جدید اور ادب میں ایک نماز تھا
 رکھتے تھے ۔ انھوں نے رام جی کے کئی سین نظم کیے تھے پریم
 کا توڑ یا بھیل کے یہ ان کی شاہکار نظم ہے جس کا ترجمہ ہندو
 کی کی علاقائی زبانوں میں ہو چکا ہے ۔ شری رام چندر جی کا
 بشری کے جھونڈے پر بیٹھتے ہیں اور بشری عقیدت کے ساتھ
 ان کو میر پش کرتی ہے وہ اس واقعہ کو شاعر نے یوں نظم فرمایا ہے ۔

جگوان نے اعلاص و عادات کو دیکھا
 وارفتہ دیدار کے جذبات کو دیکھا
 کچھ ذات کو دیکھا نہ کچھ اذیت کو دیکھا
 دیکھا تو فقط پریم کی سوغات کو دیکھا

دوبے ہوئے تھے سرجت کے چور میں
 حور پریم کے ساگر میں بہا کر کے گئی ہیں

چہ سم جنت کی زمانے سے فراتی تھیں کئی تاثر سے رہتی نہیں غالی
 مسطور کیا رام نے یہ شہد سالہ ۔ خدا جہاں میں جنت لا دھار کی
 اس کا حق جو توں کو لگے ہو کمالی
 اس پریم کے انسانے کو درد نہ ناس

رواں امادی کا شہر صاف اول کے شہر میں کما جاتا ہے ۔
 بد سنائی فضا اور ہندی ماحول سے ان کی نظیں جھرم پور رہا
 ہیں ۔ اس میں رحلت ہال "سیر کوٹ" اور "سکنتی پل" ان کی
 قابل ذکر نظیں ہیں ۔ شری رام چندر جی ، شہین جی اور جاگتی جی کے
 ساتھ جنگل کو روانہ ہونے ہیں اور چتر کوٹ میں کر ایک جگہ مقیم
 ہیں دور سے کھجور اٹھنا ہو انتظار تا ہے شہین جی رام چندر جی سے
 مخاطب ہو کر کہتے ہیں ۔

گرد و خاک کچھ رہے ہیں حضور کچھ
 تکتے تھے کہ آج نظر ہے غور کچھ
 کہ کا سوا جنگ کے غبار کھائیں

اس خاک کا دورہ یہاں کام کچھ نہیں
 شری رام چندر جی شہین جی کو جواب دیتے ہیں کہ آپ کا خیال غلط
 ہے ۔

حلوہ فراہم کیا۔ کچھ تو تو کہاں ہے تیرا وہاں
مشی می لال جوتی سہ لوی شاگر دستید آر وکھو می
سے رام بن ماس کے نام سے اپنا اردو مسکے دو سال پہلے
پندی زبان میں شائع کیا تھا جو بنی صاحب کامرس رام
بن ماس اردو شاعری میں ایک یادگار کارنامہ ہے۔ اس کتاب
ابھی تک اردو میں مت نہیں ہوئی ہے۔

طوسی دس ق کے داعی صحت ماس کو اردو کے قابل وکھو منع
مشی تیور لال دس سے لہا ہوسے لود شری شائع کیا تھا حضرت
مشی جھو می نے سر تھ کے بارے میں اس سال سوج دلی میں انکا خیال
کو تھ کے لیے ایک عظیم رسالہ اور جلدانی شریٹ لکھنے والا کامدیا ہے۔
غشی بانکھ لال ہمارے مشن میں طے فول کشور میں لکھو
سے رامان کا اردو نظم میں خلاصہ میں کیا ہے۔ شاعری کی جو یہاں اس
نظم میں قابل داد ہیں

بھئی توک چند قومے زمانے کے کھی سین نظم کے تھے جن سے
استادانہ شان بچی ہے۔
ڈاکٹر مہر سہاے آفرے رام کی عظمت پر کھی نظمیں لکھی ہیں جو
ہمارے ادب میں ایک عظیم اضافہ ہیں نظم "رام کی عظمت" کے چند
اشعار ملاحظہ کیجئے

دارلہام تیرے راج پر ہے تیری عظمت کا
وہ کس سے ہو سکا جو گیا تیرے زمانے میں
کسیں تاریخ مہالم میں نظر اس کی میں لکھی
زمانے کا جلا متا ہوئیے زمانے میں
مڑی راحت بڑے رام سے بگ بگ تھے
کوئی تھیا ہوتا تھا تیرے زمانے میں
زبردستوں کے ہاتھ اٹھے تھے تیرے ریتوں پر
نہیں جوتا تھا نظم ناروا تیرے زمانے میں
راف اور گراٹ وقت میں تیرا دیکھ کر
بھم اک گھاٹ بریانی بیسی تیرے زمانے میں

دکھاں خوب یہ دھماکے بر دوا لوں سے کیفیت
مجھ کی کھی رانی کے بھیا اب آگئی حکمت
ماتہ سدھ ناہ کی فراتی دریا نادی مرحوم سے حضرت
مہر یا۔ اپر تھ جھو لوں رام چندر کی خدمت میں "غذراتی" کے نام سے
ایک کتاب لکھی یہیں دلی سے شائع گرائی تھی اس مجموعہ میں نظم
رع میں راجیاب اور جنس میں تلی دس کی رائے کا نظم ترجمہ
بھی آج سے مسٹر میں نہیں کے رگ میں لیا تھا۔ رام جھو می پر
اکے۔ لہا طے فرما ہے

لہا سر سے ملک ہا ہا کا سا
لکھ دتھ کپ لہا تھ کہ مہر
وئی بچے سر لکھ پیر تھ کہ
لہا تھ رانی رانی کی صورت لکھی ہیں

داد مری ۱۱ ب ہے ۱۱ روزہ ۱۱
صورت مگر بلوئی کا شمار مسٹر سٹال کے صف اول کے ساتھ
سٹس میں ہوتا ہے اور اردو کی کلاسیکل شاعری کی آواز ہے
نام ہے۔ آپ کی ساجکا دتھوی یہاں سا دتھوی شائع ہو چکی ہے
ص کو ہمارے نقادوں اور دسوں نے اب میں ایک گراں قدر
اضافہ تسلیم کر لیا ہے۔

دنگ و لوکے نام سے ایک کی تھ شومات کا مجموعہ ۱۹۵۵ء
میں نفاذی پریس دلیوں سے شائع ہوا ہے۔ اس میں "پریم کمانی"
کے نام سے آپ نے تھری بھیلی کے حالات کو تھوی میں نظم لکھا ہے۔
بڑی سلامت اور دوالی ہے تھری کو بھلوں رام چند نے خود جاکر
درش دیے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

ہوا محبوب جاں کا ب دیدار تھی سے انسا طے ستر بار
نرہا پیش تن بدن کا سے نہا پیش یر بن کا سے
مجموم نہیں دیکھ کر چانے لکھی ناچنے گانے لکھ لائے لکھی
منسہر تھے دیکھ کر یہ رام اردو کا چلک رہا ہا جام
کھا لکھنے سے املے اسے شیری ناچتی ہی رہے گی کیا لکھی



ہندستان کی آزادی کے پچیس سال

محمد حائق خاں

سارے باشندے ہندستانی قومیت کا جزو لا یرفک ہیں اور ہندستان میں یو۔ پی۔ اے کی طرح قائم اور برقرار رکھا جائے۔ ملک کی بدقسمتی تھی کہ آزادی کے چند ہی مہینوں کے بعد یعنی ۳۱ جنوری ۱۹۵۷ء کو اسے اسے صوبہ سے بڑے صوبہ بنایا گیا۔

ملک کی حق شناسی تھی کہ آزادی کے بعد ۱۵ برس تک اس کی قیادت جواہر لال نہرو کے ہاتھ میں رہی، جن کی سی عظیم فتوحات سوارانہ تھیں۔ انھیں بدقسمتی کہیں جا کر صدیوں میں پیدا ہوتی ہے ان کی قیادت میں ملک نے جمہوریت ترقی کی اور آج تک اس ترقی کا سلسلہ جاری ہے۔

دستور سازانہ عمل نے نومبر ۱۹۴۹ء میں غیر مذہبی جمہوری دستور کو منظور کیا جس کا تعداد ۲۹۶ جمہوری ششہ سے ہوا، جس کی مدد سے دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹری جمہوریت کا قیام عمل میں آیا اور جمہوریہ ہند ہندوین کے نام سے معروف وجود میں آئی۔ دستور نے سارے ہندوستانیوں کو بلا امتیاز یا تفریق مذہب و ملت و جنس و زبان ہندستانی قومیت اور غیرت کے یکساں حقوق عطا کیے۔ اور ان کو انتظامیہ یا مقننہ کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے بنیادی حقوق دیے اور ان کی اس کا بھی حق عطا کیا کہ ان کے ان حقوق پر کسی قسم کی آجے آئے تو وہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اس کے خلاف چارہ چوٹی کر سکتے ہیں۔ اس طرح عمل ہندستانی شہریوں کی شہری اور سیاسی آزادی کا مکمل تحفظ کیا گیا۔

پونے دو سو سال کی طویل عمارت گھس اور روح خراب لایا کے بعد ہندوستان کو دنیا کی سب سے بڑی استعماری طاقت یعنی برطانوی استعمار کے نیچے غلامی سے ہما تھا گاندھی کی قیادت میں گاندھی صاحب حاصل ہوئی۔ آزادی کی اس منزل تک پہنچنے میں ملک کو بے شمار قربانیاں دیں گئیں اور ہر منظم کئے سر و نشان وطن نے آزادی کے لیے اپنی عمارت تک بھاد کر دی۔

جس وقت ملک آزاد ہوا ان وقت اور بے شمار مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف لاکھوں پناہ گزین تھے جو پاکستان کی فوریائیدہ ملکیت سے جاگ کر ہندستان آ گئے تھے۔ دوسری طرف خط و فہم کار و دوست مسئلہ تھا۔ تیسری طرف اپنی دست (۱۹۴۷/۱۹۴۸/۱۹۵۳) خود پر دست جماعتوں نے سر اٹھایا اور مذہبی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ چوتھی طرف ہندوستانی۔ یاستوں کا مسئلہ تھا۔ ان میں سے بعض مکمل آزادی کا خواہ مخہ ہی تھیں۔ انتظامی سرکاری کاحال بھی بہت اتر چکا یہ فرقہ وارانہ دہلیت سے دور کی طرح سے سموم ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستانی عہدشت (۱۹۵۵/۱۹۵۶ء) کو بھی کال کرنا تھا کیونکہ غیر معاشی استحکام کے سیاسی آزادی نے منہی حق سب سے بڑا اور اہم مسئلہ تھا کہ ملک میں ایک مستحکم حکومت قائم کی جائے جو ملک کی وحدت کو برقرار رکھ سکے۔ قوم پروری کو مضبوط کیا جائے کہ اس کا ایسا دستور مرتب کیا جائے جو سارے ملک کو ایک رشتے میں جو دے سکے اور ہندستان کی اصل تباہی شخصیت کے باوجود یہی اصلی لسانی اور تمدنی اختلافات کے ملک کے

شراذہ ۲۴ اکت

اپریل ۱۹۷۳ء

کے نظام کے محاسبہ سے محفوظ رکھنے کے لیے بیچ سالہ منصوبے بنائے گئے۔ لانگ گیش کا تقرریں میں آبا و اقبال یا پانچواں منصوبہ زیر غور ہے۔ ان منصوبوں کی وجہ سے ملک کی سب سے زیادہ میں بے روزگاری کا تقدر کم ہو گا اور قومی دولت و خوش حالی میں جو اضافہ ہوا صنعتی اعتبار سے ملک میں اتنی زیادہ ترقی ہوئی ہے کہ اس کا دورِ غلامی سے مقابلہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ دورِ غلامی میں مشین کے معمول یا چھوٹے برتنے تک باہر کے ملکوں سے منگوائے جاتے تھے، اور اب ۲۵ سال کی اس قلیل مدت میں بھاری بھاری دیو پیکر مشینیں ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلوں کے ڈبے، مال گاڑیوں کے انجن، موٹر کاریں، سارا جنگی سامان کھسکی کا سامان سب ملک میں تیار ہونے لگا ہے۔

جوہا لال ہرو کی قیادت میں جمہوریہ ہند نے امن و آسٹھی اور غیر جانبداری کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اقتصادی پوزیشن حاصل کر لی۔ اس نے اپنے کورس کو وسیع اور امن پر مبنی بنایا۔ ملک بھر میں اس طرح سے دنیا کو غیر ملکی عالمی جنگ سے محفوظ رکھا۔ اس کی قیادت میں ایسا اور افریقہ کی نئی آزاد قوموں کے ہلاک کا قیام آج کا دن اقوام متحدہ میں عمل میں آیا جو عمل کے ساتھ ساتھ غیر جانبداری کا قیام ہے۔ ہر دو کے بعد موجودہ وزیر اعظم شری ستر اندرا گاندھی کی قیادت میں جمہوریہ ہند اسی دنیاوی پالیسی پر گامزن ہے کہ دوسرے ملکوں کی آزادی اور علاقائی سالمیت کا احترام کیا جائے ان کے اندر وہ فی معاملات میں دخل نہ دیا جائے، بقائے باہم کے اصولوں پر عمل کیا جائے اور مظلوموں کے ساتھ برائی نہ کی جائے۔ چنانچہ جب پچھلے سال پاکستان میں پاکستانی فوجوں نے مظالم ڈھائے اور وہاں کے لوگوں سے زیادہ مظالم اور اپنا لینے ہندوستان اسے تو ہندوستانی حکومت نے ان مظلوموں کے ساتھ برائی نہ کی، وہی ہمدردی کی اور جب پاکستانی مظالم کی مدد نہ رہی تو ہندوستان نے نیگلا دیش کی علاقہ مدد کی اور بالآخر نیگلا دیش آزاد ہوئی اور اس طرح سے ہندوستان کے ہاتھوں استعماریت کو زبردست شکست اٹھانا پڑی۔

دورِ غلامی میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم تھا۔ آبادی کے لحاظ سے ملک کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ مطلق العنان اور مستبد راجاؤں اور رہنما راجاؤں کے زیرِ نگیں تھا اور ہندوستان کے اس حصے کے بد نصیب باشندوں کو شہری آزادی مطلق حاصل نہ تھی۔ آزادی کے حصول کے چند معنیوں کے لحاظ سے تمام ریاستوں کو برصغیر کے ساتھ یا تو سابق برطانوی سند کے بعد ملک کے ساتھ ضم کر دیا گیا یا متحدہ ریاستوں کو ملا کر یو۔ پی۔ بن گئی۔ مثلاً راجستھان کی سب ریاستوں کی یو۔ پی۔ میں راجستھان اور اڑیسہ اور کیرلا ریاستوں کی یو۔ پی۔ میں سوراشٹر کے امرتسر۔ ممبئی کی گجٹی اور چند گڑی ریاستوں کو علاحدہ انتظامی وحدت کی شکل دی گئی۔ راجاؤں اور راجاؤں کے مشیر۔ ان کے حارج سے۔ غلامی کی اس دوری کو دور کیا گیا اور سارا ملک انتظامی سطح سے ایک کر دیا گیا۔ راجاؤں کے مہاراجاؤں کی مطلق العنانی کا خاتمہ کر دیا گیا، اور ان ریاستوں میں بھی جمہوری نظام حکومت قائم کر دیا گیا۔ جو کہ برطانوی جمہوریت میں صوبے تمام تر انتظامی مصلحتوں کی بنا پر قائم کیے گئے تھے، اس لیے ان کی مینا سائنٹفک نہ تھی اور ان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس خرابی کو ۱۹۵۶ء کو ریاستی تنظیم ایکٹ کی رو سے ختم کر دیا گیا۔ ریاستی تنظیم کمیشن کی سفارشات پر مبنی تھا اور کیا کیا اور زبان کی بنیاد پر ریاستیں قائم کی گئیں، اس قسم کی تنظیم کا سلسلہ بعد تک جاری رہا۔ چنانچہ اب ملک میں ۲۱ ریاستیں ہیں۔ انتظامی وحدتیں قومی اتحاد کو استوار کرنے میں بہت زیادہ مہم بنیں۔ دستور کے تحت ۱۹۵۶ء میں دنیا کا سب سے بڑا جمہوری انتخاب ہوا اور ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں میں لوگ سبھا اور ریاستی اسمبلیوں کے ہزاروں ممبر منتخب ہوئے۔ آزاد کے ان ۲۵ برسوں میں اب تک ۵ عالم انتخابات ہو چکے ہیں اور برعکس جمہوری یہ سارے انتخابات بڑے برام بنے۔

ہندوستانی معیشت (Economy) کو بحال کرنے کے لیے ملک کو معاشی اعتبار سے مضبوط کرنے اور اسے سرمایہ دار

ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں اس کی مقدار بڑھ کر ۳۰۰۰۰۰ ہو گئی۔
۱۹۷۰-۷۱ء میں شکلوں کی تعداد ایک سو اسی تھیں تھیں۔
۱۹۶۹ء میں یہ بڑھ کر دو سو سات ہو گئی۔ ۱۹۷۰-۷۱ء میں
شکو کی پیداوار ۹ لاکھ اسی تھیں ہزار تھیں تھیں۔ ۱۹۶۹-۷۰ء میں
اس میں چوگنے سے زیادہ کا اضافہ ہوا یعنی یہ بڑھ کر ۲۲ لاکھ
۶۱ ہزار تھیں ہو گئی۔

۱۹۷۱ء میں ملک میں سینٹ کی پیداوار ۴ لاکھ ۶۱ ہزار
تھیں تھیں۔ ۱۹۷۰-۷۱ء میں یہ بڑھ کر ایک سو ۳۳ لاکھ تھیں ہو گئی تھیں
۲۵ برسوں میں اس کی پیداوار میں اس کا اضافہ ہوا۔
۱۹۷۱ء میں کاغذ کے کارخانوں کی تعداد ۵۰ تھیں، اور یہ
کارخانے ایک لاکھ تین ہزار تھیں سو چار تھیں، اس میں کاغذ مسالانہ
تیار کرتے تھے اب ان کارخانوں کی تعداد ۵۰ ہے اور اب کاغذ
کی پیداوار بڑھ کر ۶ لاکھ ۶۸ ہزار تھیں مسالانہ ہو گئی یعنی اس میں
تقریباً گنے کا اضافہ ہوا۔

۱۹۷۱ء میں ہندوستانی میں ۵۲ ہزار ٹن سوکھیا نوے
کیلو میٹر تھیں تھیں۔ تقسیم کے دہے میں مشرقی اور شمالی مغربی حصوں
کی رجوعے لاشی پاکستان کے حصے میں جا چکی تھیں اور اس طرح
کئی ہزار کیلو میٹر کی فاصلے پر ہوئی تھیں لیکن ۱۹۶۹ء میں ہندوستانی
میں ۵۹ ہزار ۸۸ کیلو میٹر تھیں تھیں ان میں تقریباً ۶ ہزار کیلو میٹر
کا اضافہ ہوا۔

دور غلامی میں ریلوے انجن سواری یا مال گاڑی کے ڈبلے
ریلوے انجنوں اور دھنوں کو اٹھانے والے کوئین اور دوسری
سواری مشینیں دوسرے ملکوں سے منگوائے جاتے تھے اور
ان پر نہ کبھی شرف ہوتا تھا لیکن اب ریلوے کے اسٹیشنوں میں ان کی
میں تیار ہونے لگا ہے۔ سبکو راور تھیں جن میں اس سامان کی
تیار کی کے لیے فیکم انسان کارخانے تیار نہیں۔

۱۹۷۰-۷۱ء میں بھارت نے ریلوے انجنوں کی تعداد
۱۰ لاکھ ۶۱ ایک سو تھیں تھیں۔ ۱۹۶۹ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۹ لاکھ ۶۱
سو ہو گئی اس سال ڈیرل سے چلنے والے انجنوں کی کل تعداد ۱۰ تھیں

شہر اور ۸۹ اشک

کم مقدار میں منگوا جاتا ہے ۱۹۶۳ء میں جو شش لاکھ پچاس ہزار
تھیں جیالو باہر سے منگوا گیا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں یہ مقدار ۲۰ لاکھ
ہزار تھیں تھیں۔

۱۹۶۳ء میں ۵ کروڑ باسٹھ لاکھ دس ہزار تھیں تھیں اور
آٹھ لاکھ پچاس تھیں ۱۹۶۳ء میں ۳ کروڑ ساڑھے پچاس ہزار
تھیں منگوا گیا تھا۔ ۱۹۵۰-۵۱ء میں جیالو کی کل پیداوار ۲ کروڑ
چتر ہزار تھیں تھیں ۱۹۶۹ء میں یہ بڑھ کر ۴ کروڑ ۴ لاکھ تھیں ہزار
تھیں ہو گئی۔ تھیں کی پیداوار بڑھ کر ۲ کروڑ ۲ لاکھ تھیں ہزار
اسی طرح سے اس مدت میں حواریا جو ۵ کروڑ تھیں کی پیداوار
علی الترتیب ۵۴ لاکھ پچاس نوے ہزار تھیں تھیں بڑھ کر ۹۰ لاکھ
۲۱ ہزار تھیں ۱۵ لاکھ ۹۵ ہزار تھیں تھیں بڑھ کر ۵۳ لاکھ ۲۰ ہزار
تھیں ہو گئی اور ۳۶ لاکھ ۵۱ ہزار تھیں بڑھ کر ۵۵ لاکھ ۴۶ ہزار
تھیں ہو گئی۔ جیسے اور کافی کی پیداوار علی الترتیب ۱۵-۱۹۵۰
کی ۷ لاکھ پچیس ہزار اور پچیس ہزار تھیں تھیں بڑھ کر ۳ لاکھ پچیس ہزار
ہزار تھیں اور ۶۳ ہزار تھیں ہو گئی۔

۱۹۵۰ء میں دس ہزار سے کم آبادی والے جن قبضوں
میں کبھی پہنچی ان کی تعداد تین ہزار سات سو تھیں تھیں ساری
میں یہ تعداد بڑھ کر نوے ہزار تھیں تھیں سو تھیں تھیں۔ دس ہزار سے
زیادہ اور ۵۰ ہزار سے کم آبادی والے جن شہروں میں کبھی پہنچی
ان کی تعداد ۱۹۵۰ء میں چھ سو اٹھانوے تھیں ساری ۱۹۵۰ء
میں یہ تعداد بڑھ کر ۲ ہزار تھیں تھیں ہو گئی۔

۱۹۵۰-۵۱ء میں کوئٹہ کی پیداوار ۳ سو اٹھائیس لاکھ تھیں تھیں۔
۱۹۶۹-۷۰ء میں یہ دو گنے سے زیادہ ہو گئی اس سال نوے کی پیداوار
تھیں لاکھ تھیں تھیں ۱۹۶۹ء میں ۲ کروڑ سات لاکھ تھیں ہو گئی۔
۱۹۷۰-۷۱ء میں ولاد کی پیداوار ۱۳ لاکھ ۶۱ ہزار تھیں تھیں اس میں
ساڑھے چار گنی اضافہ ہوا یعنی اب ۶۳ لاکھ تھیں ہزار تھیں ہو گئی۔
المونیم کی پیداوار ۱۹۵۰-۵۱ء میں ۴ ہزار تھیں تھیں ۱۹۶۹-۷۰ء میں
یہ بڑھ کر ۳۵ لاکھ ۳۵ ہزار تھیں ہو گئی۔

۱۹۶۳ء میں بلوں میں تین سو تین ملین ملین سو فی کچر تیار

اسپتال نمبر۔ اگست ۱۹۷۲ء

لیکن ۱۹۶۹ء میں یہ تعداد بڑھ کر ایک ہزار ایک نوے سو چھیالیس
تقریباً ۲۲ برسوں میں ساٹھ فی اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۹ء میں بجلی سے
چلنے والے گاؤں کی تعداد ۲۲ تھی یعنی تقریباً ۲ قروں کی قلیل مدت
میں ۱۹۶۰ء میں ۵۲ سو چھیالیس گاؤں گنے کا احصاء ہوا
۱۹۵۰ء میں ریل کے ریلوں کی تعداد ۲ لاکھ ۵ ہزار ۹۶۱ تھی۔
۱۹۶۰ء میں یہ تعداد ٹرک ۳ لاکھ ۸۳ ہزار ۸ گاؤں نوے
سو چھیالیس ۱۹۵۰ء میں ۲۲ سو ۴۴ کروڑ ۱۱ لاکھ ۶۶۹ تھی۔
یہ سقہ یا لیکن ۲۰ برس کی مدت میں ۱۹۶۹ء میں مسافروں کی
تعداد ۲۲ سو چھیالیس ۳۸ کروڑ ہو گئی۔

۱۹۳۹ء میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کی تعداد
۲ لاکھ تھی۔ ۱۹۵۹ء میں یہ تعداد چھ کروڑ ۲ لاکھ تک پہنچ گئی
یعنی ۲۳ برس میں ہوائی جہاز کے مسافروں میں اگلا اضافہ ہوا۔
وسطی طرح سے ڈاک اور تار کے محکموں میں بے پناہ توسیع
ہو گئی۔ ۱۹۸۸ء میں ڈاک سے لائی ہوئی کل چھپڑوں کی تعداد
۲۲۶ کروڑ ۱۹۶۹ء میں اس کی میزان ۶۱۴ کروڑ ہو گئی۔
۱۹۳۸ء میں سارے ملک میں بیلیوں کی کل تعداد
ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔ ۱۹۶۹ء میں اس میں تقریباً مارہ گٹ
اضافہ ہوا اور ان کی تعداد ۱۲ لاکھ ۱۴ ہزار ہو گئی۔ ۱۹۳۸ء میں
ڈاک خانوں سے دو کروڑ ۱ لاکھ تار جھکے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں
ان کی تعداد بڑھ کر کم کروڑ ۹ لاکھ ہو گئی۔ ۱۹۵۰ء میں ملک
بھر میں ۳۶ ہزار ۹ لاکھ ٹاکسٹائل تھے۔ ۱۹۶۹ء میں اس تعداد
میں بقد ۳ گئے کا اضافہ ہوا یعنی ان کی تعداد بڑھ کر ۱ لاکھ ۸ ہزار
۹ سو چھیالیس ہو گئی۔

جمہوریہ ہند اس پرستی سے حامل ہے کہ وہ انیس و امان
رکھنے کی کوششوں میں بڑھ کر حصہ لے اور کسی ملک کے
اہل رندی معاملہ میں مداخلت نہیں کرے اس کا ساتھ ساتھ ہندوستان
کی علاقائی سالمیت پر رنج نہیں لگے دیتی اور ملک کی سرزمین کی
ایک ایک اینچ کی حفاظت کے لیے کمر بستہ رہتی ہے اسی لیے ملک
کے دفاع پر خاصی توجہ کی گئی ہے اور دوسرے ملکوں پر بھر دوسرے

کرنے کے بجائے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے اصول پر
عمل درآمد ہے اسی لیے جنگی مسلمان ملک میں تیار کیا جانے لگا ہے
نفاذی مسئلوں پر باہرین فن کی تعلیمات سے پورا فائدہ اٹھایا
جاتا ہے اور جنگ کے بعد ترین طریقوں کو اپنایا جاتا ہے اور
ہندوستانی قوتوں کو جدید ترین اسلحوں سے مسلح کیا جاتا ہے اور
یہی وجہ تھی کہ تھلڈریش کی جنگ کے موقع پر پاکستان کے مقابلے
میں اتنی نمایاں کامیابی حاصل کی۔

ہندوستان ہندو اور ان کے بعد ان کے لائق حاشیہ میں
ادرا تا دھرم کو، کا پورا احصاء ہے کہ ملک کی ساری
معاشرتی و صنعتی ترقی بے مسمی دے کا رہے۔ اگر اس سے ہندوستانی
عوام کو فائدہ نہ پہنچے اسی لیے ہندوستان کی زندگی میں ہی کانگریس
نے دینے سالانہ اجلاس منعقدہ، راڈی جنوری ۱۹۵۵ء میں
یہ فیصلہ کیا کہ اس کا حصہ انجمن ہندوستان میں اشتراکیت کا قیام
ہے اور اس کے حکومت کی ساری یا بعضوں کا حق تجزیہ شدہ
ڈارپانی تادمہ شالی عوام کو حتمی خوش حالی کے فائدے حاصل
ہوں اور وہ سرمایہ داروں کے استحصال سے محفوظ رہیں۔

مسٹر اندا کا دھرم کی قیادت میں کانگریس جمہوری اشتراکیت
لائے کے لیے ماسی ہے اسی لیے ویرا عظمی نے غائبی ٹیڈا کا پروگرام
ملک کے سامنے رکھا اور سرمایہ دارانہ نظام کے مفاسد کو دور کرنے
کے لیے اس قسم کے اقدامات کیے تاکہ ملک میں اشتراکیت آسے۔
لیکن یہ اشتراکیت جمہوری ہو۔ چنانچہ بینکوں کو قومی یا کی اور ان
تہری و دیہی جائیدادوں پر جدید کی جاری ہے۔ ہندوستان کے
زمانہ میں یہ فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا کہ کلیدی صنعتیں نجی ملکیت
میں نہیں بلکہ حکومت کے ہاتھ میں آئیں گی۔ اندر حکومت کے قریب
اشتراکی اقدامات سے جمہوری اشتراکیت کے لیے میدان اور نرا
صاف ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ ان اقدامات سے ملک میں
دور ہوگی اور ملک سے دو مری صنعتیں بھی جلد دور ہوں گی جو ترقی
کے راستے میں زبردست رکاوٹ اور غیر مذہبی جمہوریت کے لیے
زبردست خطرہ ثابت ہو رہی ہیں۔



کیسے دیکھو سر کا

حیات و ادبی

ساتھیہ دوستو! اپنے حیاوں کے رخ کو اب مڑو

آزاری کے پھول کھلے ہیں جہن ہماراں کی رُس کے
ارمانوں کے دہسے ہیں جہن ہماراں کی رُس کے
سماج داد کا سورج چمکا اندھکار کو بھونڈو
ساتھیہ دوستو!

امن و محبت کے دھکے پر جس سے تلخ نظریں
جس میں عداوت کی بھایا ہوا در نفرت کی بھائی
جو اسماں کا روپ بگاڑے اس در زمین کو توڑ دو
ساتھیہ دوستو!

دکھ کا اندھا باجھٹ جائے، شکھ کا اُجھا لہا گئے
تاج انھیں شہزں کی سرکس کا دُن کا گُل لہا گئے
اپنی موت ارحمت سے بیوں کا مِٹھ مڑ دو
ساتھیہ دوستو!

آشاؤں کی کلیاں ہلکیں ارمانوں کے پھول کھلیں
الگ، الگ راہوں کے لایمی آگے اک منزل پلین
دل کے رشتے ٹوٹ گئے ہر بان کو پھر سے جوڑ دو
ساتھیہ دوستو!

سورگ بنے یہ اپنی دھرتی مسکھ کے برجم لہر امن
جو بیاسے ہیں اک مدت سے جامِ حویلی کے پھل کھائیں
عزم و عمل کی تنویروں سے رنجِ ظلمت کا مڑ دو
ساتھیہ دوستو!

سماج داد کا سورج چمکا اندھکار کو بھونڈو!

آج بھی رنگ کے انیساکو بھنگو کیسے

ہزار لکھنوی

اکٹ نئے دور کا پھر آج سوال آیا ہے
ذہن انسان میں پھر اک نیک خیال آیا ہے
پھرنے ڈھنگ کے تبلیغ، ف کرنا ہے
حق نئے تازہ تھانوں کا ادا کرنا ہے
پھر تڑپ لانا ہے یک جہتی دیک بنگی کی
چھاپ باقی ہے لگی ذہنوں میں افغانی کی
دل کے آئینوں میں مٹی ہو کر دورت اب بھی
عظمتِ صدف و صفا کی ہر ضرورت اب بھی
رنگ، اور نسل ہو کیا بھونٹا بڑا کیا شے ہے
دولت و غربت و ثروت کی کیا شے ہے
دشتر میں پیدا کچھ اس طرح کا آہنگ کرو
آج ہر رنگے انسان کو ایک رنگ مرو
صاف دل ہو کے گلے مل کے ہو اچھا ہے
کام اچھا ہو تو کھل ڈل کے ہو اچھا ہے
آج بھی قلت و کثرت کا سوال آتا ہے
شیستہ دل میں انھیں باؤنے بال آتا ہے
وقت کے ساتھ تو ہر ایک کو چلنا ہو گا
صرف ہم ہی نہیں ہم سب کو بدلنا ہو گا

عل بنو امت

شراؤن ۲۹۹۹ء

پچیسواں دور

دوسرا دور برساتا ماحول تلخ و

روشنی پھیل گئی آگئی گلشن میں بہار
سارے عالم یہ فضا بھاگتی آزادی کی
جب ہوا سنگی تو گل ریز ترانہ آیا
زندگی ایک نئے روپ میں لہر کے اٹھی
ٹھہرے ٹھہرے ہوئے بادل جو فضا پر بچھ
خوں میں ڈوبے ہوئے برباد چمن یاد آئے
باپ کی یاد میں آتی ہوئی آوازِ پوتا
وہ ہمالہ کی بلندی میں حقیقت کا چلن
ناؤ طوفانوں کی آغوش میں کھینے والے
یاد آتے وہ قربانیاں دیتے والے

رنگ سے خانے پہ نکھرا ہوا آیا ہے

مے کشو دیکھو تو پچیسواں دور آیا ہے

شعور اور رنگ میں ڈوبی ہوئی راہیں ٹھہریں
جب تری کا قدم اٹھا تو آہٹ بدلی
زندگی کر رشک بنی سارے زمانے کے لیے
قوم بڑھنے لگی قسمت کا ستارہ چمکا
زندگی مدحِ محبت کی خیمہ بیدار ہوئی
قائد بڑھنے لگا تیز جو رفتار ہوئی

متحد قوم ہے قلب ہر اک شاد رہے

یہ تمنا ہے کہ ماتر وطن آباد رہے

ترانہ ۱۹۴۷ء اشک

سکھائی

سکھائی

وہ شو کوکارتھو

ہر ایک سمت جس میں ہمارا آئی ہے
کلی جینک کے پیغامات ظلالی ہے

تکلیفیں جو تیری جھڑپوں کے ساتھ ہیں
سزا دہکت میں ڈولی ہوئی خدا کی ہے

ہر ایک پھول ہمارے کار و بار میں
تو آتے ہیں اگر ادا خود نہ آتا ہے

ہر جگہ لٹا ہوا ہے ہزاروں حیات ایک
سکھائی ہر مسرت کی تھوڑی سی ہے

پلے پلے طرف سے چلے جاتے ہیں
تو ہر کھلی ہوئی گلستان کی مشکرائی ہے

ہر ایک قید سے آزاد ہو گئیں سائیں
ہمارا اہل گلستان کو راس آئی ہے

رہانے بھر کی نگاہیں میں کس لیے شکوک
ہزاروں اشک پیے تو ہنسی بھی آئی ہے

نہ پوچھو گاں نہیں آنکھوں میں کتنی اپنی شوق
سکھائی کی نیند زمانے کے بعد آئی ہے

لی ہے سر پہ قصور کسا تا سالی
قدم درم زمین آید بے ستر مالی
اس ایک سچ سے ادب آرزو کے لیے
تو اپنی تپ سے ہی تہ نامہ ملی
یہ ان تہ کو صومنا ہاتھ صدم کے رہے
اکو چہ نامہ صومنا سے علی پر اب لی
قدم درم یہ مجھ رہا تھا چاروں طرف سے
قدم قدم یہ وہاں کے لی کل افسانی
اکو چہ نامہ صومنا سے علی پر اب لی
ہر ایک کے لیے صومنا سے علی پر اب لی
سورور لی کو اٹھوں سے ہوں وہاں کے
سورور لی کو اٹھوں سے ہوں وہاں کے
ہاتھ صومنا سے علی پر اب لی
خوشی سے صومنا سے علی پر اب لی
علی کو درم میں تھے سرور سے علی پر اب لی
دھمک نہ کر سکتا ہے۔ ہر ایک دھمکی
یہ ادا تہ سے نہ لی وہاں کے
تو اٹھتا ہے یعنی ملک اور شرمنا
صلوے کوں سسرت پر معصی ہونا
کرم۔ ہر حق ہے ہر کوئی جی ہنگام
صدائے سچ کوں کوں مہ کرتا ہے
کہ صدمہ جو اہم کی رہ سکتا ہے
ایک دست سے آپ بخت بھٹ پے
مضامین سر نظر آہیں لہجہاں دھاتی
قدم ٹٹھاؤ کہ۔ لی ہے دور صومنا
نہ مجھو راہ کو سناں کہ ہے نہ نادانی
احی دہل کے لیے کام ہم کو کوں تہا ہے
کہ یا سہن، دست مضامین افسانی
نثار ہو گئے کتنے ہی اہل دل و دھن
کھلا سکے گی یہ دنیا نہ جن کی ستر بانی

درس سکھائی

آزادی سے آزادی تک

أحمد بن محمد

[illegible]

ہر اساتذہ یا یہ صورت ہے کہ اسے کوئی خاص جبرانی نہیں رہی ہو۔ اس کے باوجود ہر اس صاحبِ دانش کے ذہن میں اس صحتِ دل کی ایجاد و ترقی کی کوئی گواہی ظواہر میں مل رہی ہے۔ جسے صانعِ جاہل ہے۔

آزادی کے بارے میں حسب اس سبب استغناء اور ہر
 کسی کی آزادی کی سلسلہ میں کے وقوع پر حکومت آزادہ کو حق ہے
 اس بات پر جو رہی ہے کہ اگر آزاد ہوئے خواہیں پر وہی پر
 ہو گئے۔ اور اس قدر مضبوطی سے کہ اب قدم جمائے ہوئے ہیں کہ
 حکام کی کامیابی کے لیے اور دوسروں کے لیے سہارا بن گئے ہیں۔

گزارہی کے اس یکپس برہمنوں میں ملک ہرمیدان میں ترقی کر کے کہاں سے کہاں دیہویج جتا ہے اس کا اندازہ مہاراجا دو آنکھوں والوں کو ہر مہکناجرجو سے دور سنان کی عظمت ہی دیکھی تھی۔

مجاہد اسکا اور پورا ایکسٹیکس دہہ و ترے تباری ہو کر
 ہم ہیں جیسے درگاہ و جہت بھی اور لوکار و غیرہ انہیں جوڑے
 اور کجی سے جیسے گاؤں میں پئے جاتے دہہ گاؤں جن میں
 آزادی کے پہلے زمیندار اور ہارات چاکر تھے اور باقی
 سب ان کی رہا جن کا کام ہے گاڑا جانے کا اور نوکر بننا

آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ کے سادہ موقع پر مجھے ا
 ب سے پہلے کا نام یاد آ رہا ہے۔ آپ ایک بادیگ جو اپنے روم
 ایک میں کبھی سواتی تھی اور وہی دینی میں ناگزیر دے اپنی زندگی
 اس وقت تک ہی سن پڑھا گیا تھا کہ وہ ملازمہ ساد کے کچھ
 قادر یک ہیں توڑ سکتے، ایسے ہائی کے ملاں جو اس کے سر
 شافی تھی کہ ان کا دل میں اپنی داؤں نے کیا ہو گا کہ ان کا
 یہ ملک کیسے ملے گا۔ یہ تو میرے اس سے بھی ہے کہ اس کے
 حیرت کا کام ہوئے میری کھنڈ میں نہ تھی ایک چیز اس کے اور
 ہوس گراں سے ایک ادنیٰ سے مل آتی تھی۔

میں نے انجی مرزا سے کہتے پہلے بیل بوندی میں داخل ہوا۔
 ہوا تو وہل زواریاں کو بیکس ڈانٹا تھا کھڑے تھے وہاں۔
 وہ اس کا مارا ڈالتے تھے کسی سے کہا
 'اماں کھڑے پرچہ ہیں مٹا دینی سائیکل رکھ لیا۔'
 کوئی فلاں:

ابن کرم کا کچھ نہیں بیٹ سے ہانڈے گھوم گئے۔
 ہر جن کشتہ کے چکر لگے، ایک ایک جہت میں گول نہیں۔
 اس کے بعد وہ گول نے ڈرتے ڈرتے ایسی سائیکل خریدی پھر
 عام جیٹا ایسی سائیکل استعمال کرنے لگی، اس کے بعد دو سائیکل
 ایسی خریدی کہ دو گلاں لٹائی سائیکلیں اس کے آگے بول گئے۔

آٹا ہوائی کے ساتھ ہوائی قومی حکومت نے ملی صنعت و تجارت
پر جبر و زبردستی نہ کر دی اس کے نتیجے میں دلائی چیمبروں کا طاقتور
محل گیا اور قومی اور دہیسی استیاء کا اچھا خاصا سیلاب سا آگیا

شماره ۹۴، ۱۳۸۵

اسلام آباد

جو کام کرنا ہوا کرتا تھا اب اسی موصاف میں جانیے تو چھان
دھول اڑتی تھی دہان، سب کھینچاں بھلائی ہیں۔ ہر جوت رشتہ
یوت و دین اور بہر سے سیاحتی ہوتی نہ لگی۔ لاک کی جانب سے
منج اور نیلادی کھا دو سیرہ کی پھلائی کا انتظام نے گا اس کے
ملاوہ گرم سہا میں بھی کھانے سا شیشی طریقے سے بہتر بنانے
کے بارے میں مصلحتات بہم پہنچانے کے لیے جو طے ہوتے ہیں کھیت
کھیت جائزہ راجت کے ترقی یافتہ طریقوں کے عملی مطالعہ سے
کئے جاتے ہیں۔ مصلحتوں کے لیے ایسی طریقوں کی کوشش و اجتناب
ہوتی کہ اس سے زیادہ ویرانہ کے اسے پورے ملتے ہیں کہ اب
کسان اسے کھیت، اس کی آبی و فصل کے بارے میں سب
کچھ جانتا ہے۔ وہ کھسکے، تھیں مٹیوں سے کھیا دی اور دیات
کی دہ سے اسی طرح بنانا ہے تیسے سابق سدھان جنگ میں

گاؤں میں اب آب، بجلی، صحت سہولتیں اور
ادارہ مکانوں کے علاوہ بنے مکان بھی نہرت میں لکے کھیتوں
پر خوشتر بننے اور کسان سا سلی یہ راستے مہلت میں لکے
جوانوں میں ملکہ انہی ٹھہر ان میں وہ آب کو باقاعدہ اختیار
اسانے پڑھے اور مازہ میں ساسی، انتظامی اور
علاقہ سائل پر مابت چھپ کرنے دکھائی ہیں گئے

گاؤں میں اب کھیتوں کی طرف ہاتھ پڑے صحت ملی
ہی نہیں اب ٹریکٹر بھی لگا آئیں گے سر پرانہ کمری اناج
ترکاراں لے جائے رائے کسان اب بیل گاڑی کے علاوہ ٹرک
پر بھی سڑی مال لے جاتے دکھائی دیں گے یہ وہ بے حساب
ترقی ہے جس کا عمر آزادی سے پہلے تصور نہیں کر سکتے تھے۔
گاؤں میں ترقی کی یہ ایک بہت ہی بڑی ہلکی تھلک ہے۔ درم
بارہ دیات نے مضمونی دھرم میں بھی ترقی کی ہے سرکار
میں پیسے بہت گھر جو حصہ سے بھی آب کو نفع آجائیں گے کہیں چائیاں
بھی جاری ہیں کہیں، کھیتی باڑی ہے کہیں کوکے ناسہ جاری
ہیں، کہیں تھن کی مٹی، بکری اور مرغی پالی جاری ہے غرض کھیتی کے

علاوہ فلاحی وقت میں ان کسان کو کافی ترقی ملی۔ صحت اور تعلیم
نوعاً حاصل گئے۔ ہر گھر میں گاؤں یا قصبہ کے درمیان آب کو لکے
اودھ جیک بھی ابل جانے لگا اور اب تو پھرنے لگا۔ ایک قدم اور بڑھنا
ہے اور وہی کام کے لیے پانی فوں جیا کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ پھر بے
کے طور پر کئی گاؤں میں پانی فوں نصب کئے جائیں گے۔ غرض یہ کہ یہ
آزادی کی برکت ہے جو اب کسی بھی گاؤں میں دیکھ سکتے ہیں۔

آزادی میں خوشحالی اور ترقی کی یہ جھلک شہروں خصوصاً مضمینی
شہروں میں اب بھی چوتھ صبادینے دہلی ہے ان ترقیوں کو سمجھ کر بھی
خیال کیا کر کے کہ ترقی کے لیے علم میں اب ہمارے پاس کس کس چیز
اسی کے ساتھ خوشحالی بات یہی ہے کہ ترقی پر بار جاری ہے
اس کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ اس میں رفتار کو دیکھا ہوں اور تھکا ہوں

بھی یہ لہو وراثت ہوں تو خیالات جھگڑا گئے ہیں
علاقہ سے آزادی تک آزادی سے آزادی کی پچیسویں
سال کہ اس تک کے اس چوتھائی صدی کے سفر کو آپ بھی
دیکھئے، اسے اب تو کھتا ہے۔ دم محسوس کریں گے۔

اس آزادی کی ایک سہل اچھا مانی ہے جس کی جانب
ہماری بینا رشتہ پر بھی ہے وہ ہے عربی سے آزادی

حب میں، یہی ترقی آزادی پر لہو وراثت ہوں تو کھیتیں اچھا
سے کہ ہم سب سے بھی اسی طرح آزادی حاصل کریں گے جس طرح
ہم نے علاقے سے آزادی حاصل کر لی تھی علاقے سے آزادی ناممکن
معلوم ہوتی تھی جیسے کہ ہم علاقہ کا پتہ لکھ کر لائے ہیں اسی طرح
عربی سے آزادی بھی اظہار ناممکن معلوم ہوتی ہے لیکن ہماری
تاریخ خود اس کی گواہ ہے کہ ہم باہر کے ملکوں کو شکست دے رہے ہیں۔
اس لیے یقین ہے کہ ہمیں عربی کی علاقے سے بھی آزادی مل کرے۔
ہم نے گاہے غزوت کو جو ہم دہم و استقلال سے کام نہیں لے رہے ہیں
پر دو گراؤں کو بردہ کار لائے ہیں اختراک و تھانہ کر کے اور سب سے
بڑھ کر یہ کہ حیدر اعظم برقرار رکھیں۔ بدلتی اور بدلتی ترقی ہو
دیں اور اتحاد میں ملاپ اور ایک ہی کوئی جیت نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

★

استحاثاں اور بھی ہیں

علامہ احمد رضاؒ کا کوروی

کہہ کر جنگ آزادی میں کود پڑے اور اس غم و استقلال کے رشتہ کو ان کا جو قدم آگے بڑھ چکا تھا اسے انھوں نے پیچھے نہیں ہٹاتے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی سامراج کو ”میک نیو وود گولڈ فیلڈ“ ہندوستان کو چھوڑنے پڑا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آفاقی وصال کرنے کے بعد آزادی کو برقرار رکھنا بہت زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ آزادی کے بعد جو ملک کی حالت ہوتی ہے وہ ناممکن شدہ بخار اترے ہوئے ایک مریض کی امیسی ہوتی ہے اور یہی وہ موقع ہے جس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ جب انگریزی سامراج کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا تو اس نے توجہ ہو کر ایسے حالات پیدا کر دیے جس سے ملک کی آزادی کا ہر قرآن رہنمائی خواہ میں پڑ گیا۔ وہ ہندو مسلم فریت کا جو بیج اپنے پونے دوسو سال کے قیام میں پوتا بنا تھا اس نے جیسے جیسے اُس سے پورا فائدہ اٹھا کر ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم پر رضامند کر دیا اور ایسے مسائل کھڑے کر دیے کہ دونوں ملکوں کے لیے اس کا دوسرے ہو رہے ہیں۔

تقسیم کے بعد فریقین کے درمیان انتقال آبادی کے سلسلے میں جو दाخوات پیش آئے ان کے باعث دونوں ملکوں کے درمیان فتنے اس منزل پر پہنچ گئے کہ دونوں کے درمیان تین مرتبہ مسلح تصادم کی فوج آگئی۔ ان تصادموں کی ابتدا ہمیشہ پاکستان کی جانب سے ہوئی۔ پہلا بار آزادی کے فوراً بعد کشمیر میں مسلح ہمارے سپرست ۱۹۶۵ء

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کو پورے پچیس سال پہر جاتے ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس بیس صدی میں ہندوستان نے زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً معاشیات، صنعت و حرفت، تجارت، تعلیم، ریل و سرائی اور تعمیرات میں جو ترقی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن اسے بغیر وہ جس ناقہ ترقی سے مطمئن نہ ہوں اور ان کو ترقی کے خواہ بھی عام ہونے کی بجائے محدود نظر آتے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فوری اور ہمہ گیر نتائج کے منتظر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نقطہ نظر حقیقت پسندانہ نہیں کہا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ کن حالات میں ملک نے آزادی حاصل کی ان کے باوجود گذشتہ پچیس سال میں جو چیزیاں ہوئی ہیں ان کی مثال کوئی دوسرا ملک پیش نہیں کر سکتا ہے۔

آزادی کی اس باسطح سالہ تحریک میں جس کا باقاعدہ آغاز ۱۸۸۵ء میں انڈیائی نیشنل کانگریس کے قیام سے شروع ہو کر ۱۹۴۷ء میں جمہوری آزادی پر ختم ہوا، ہمارے ملک کے سیاسی رہنماؤں نے جو جہانی انسانی قربانیاں دی ہیں اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ اس دور میں جہاں وطن کو کدم قدم پر ایسے بہشت آبادی ملے کہ کانٹے جس کی پیمائش بڑے بڑے پٹاروں کو بلند کرنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن آزادی وطن کے متاعوں نے راہ کا دشوار سفر کی جہاں ہر آن کی اور ہے۔

سید ابراہیم گلشنی برقی طرم

شراذم ۹۸۰ تک

۱۹۶۵ء

میں باقاعدہ دوسرا کلمہ ہوا۔ ادا اب تیسری بار بھی ہر دوسرے کلمہ کو پاکستان کا کلمہ آدھ ہوا۔ ان کلاموں میں سب سے بڑا افسانہ غیر ملکی طاقتوں کا تھا جو کو روڈوں، ٹکوں کی ترقی ایک آنکھ میں بھاتی اور جو دونوں ملکوں میں مل ملاپ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

مختصر کرتے اور سچے کی جنگ کے درمیان چین کا تبدیلی ملک کے لیے کیے گئے کم نقصان رساں نہ تھا۔ یہ ساری کی ساری آئیں اسی پچیس سال کے عرصے میں ملک پر اس وقت ٹوٹیں جب کہنا تھا کہ ملک آزادی حاصل کرنے کے بعد اطمینان کی سادھ بھی نہ لے سکا تھا مگر ملک کے ذمے داروں نے جو یہی جادوت سے حالات کا مقابلہ کیا اور اس کو بچا کر سب سے زیادہ قابل مستثنیٰ کام یہ دکھایا کہ ملک کے نظم و نسق میں کوئی فرق نہ آنے دیا اور وہ دارمصادات سے ملک کے دامن کو بچا رکھا۔ ملک کی تعمیر کے لیے بیٹھ سادھ کر انہوں پر عمل ہونا رہا۔ چنانچہ اب سے پچاس برس پہلے کا مقابلہ اگر آپ جوہر ہندستان سے کوئی توہم شہر زندہ کی میں آج کو نہیں آسوں گا فرق نظر آسے گا۔ آج ہندستان کے شہروں اور دیہاتوں کی مشکلیں بدل گئی ہیں اور جہاں تاریک جنگلات اور دلدلیں تھیں وہاں آج ٹرے

بڑے ٹرے و ق شہر نظر آ رہے ہیں اور اب سے پچاس برس پہلے خود وہاں کے رہنے والوں کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ان کے جوہرہ عملوں میں ان حاشیوں کے اور ان کی تیرہ و تارہا شش گا ہں رتی رتی سے جگمگ جگمگ کرنے لگیں گی۔ وہ کسان جس کی لاشا شست نیندراہوں کے تہم و کرم پر زندگی گزارتی تھی اور جس کے بچے نکلنے کی تہہ کی گھر کرتے تھے آج ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دیہاتوں میں تعلیمی قلا سے قائم ہیں اور ادب ہر دیہات کے رہنے والے کے ہرے پریشا شست پرستی ہے۔ جدید شہر کے وہ آلات جن کے استعمال سے ہندستانی کسان باطل نا آستانہ تھے آج جاگمگ دیہاتوں میں نظر آتے ہیں اور ان پچیس سال کے عرصے میں ہمارے ملک میں کھیتی باڑی نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ بہت سی دوسری چیزیں جو ناقابل کاشت تھیں انہوں نے غلہ لگانا شروع کر دیا ہے۔ ان پچیس سال کے عرصے میں نہایت ترقی پائی ہے اور ہندوستان

اتہ کا گندھی نے ملک کو اپنی ہندی پرانی جگہ کا حق دینا کی کوشش کی تھی۔

تھوہ ہیں۔ یہی ان تمام ترقیوں کے باوجود بعض لوگ غلطی نہیں ہیں اور انھیں شکوہ ہے کہ ملک سے بیرونی گرامی اور غریبوں میں ہوتی ہے۔ سوچتے تو کہ اسے وسیع ملک میں جس کی حیثیت حصول آزادی کے تھی ایک کھنڈ کے مانند سو اس کو از سر نو حشر حال بنانا اور اس کی ترقیاتی عظمت و اہمیت کو کوئی آسانی کام نہیں ہے۔ پھر اس کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ اس میں تعلیمی پر سروس نہیں جوائی جا سکتی۔ یہ تین مہتر نہیں کو سوجھا جائے جو جس ملک کو پلے دوسرے میں تک ملایا اور لکھنوی کی زندگی پر گرا پڑی ہو جس کی دولت کو بڑی طرح کوٹ لیا ہو، جس کی ہر غرضانی ۱۰۰ دلکش کوٹا میں ملا لیا تھا ہو، اس کو دوبارہ مانے اور ستوارنے اور اس میں تعلیمی کی دلکش پیدا کرنے کے لیے طواری ۶ صدی بھی خرچ نہ کیے جاسکیں کی مختصر مدت

اس پچیس سال کے مختصر عرصے میں ہندستان نے جو ترقی کی ہے اس کو انکر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ملک کا بدترین دشمن بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ملک کی تھی ہندی آزادی کو دیکھا ملک کے رہنے والوں کو خود کشیں بنا، غریبوں سے روہ کا رہی کو دہہ کرنے کے لیے جگمگ کارخانوں کی تعمیر تھیں اور دیہاتوں میں جا بجا دلوں کی جہ بندی جنگ کو تو ماکر تو کم کی دلا ج و سہو کے لیے شے شے گٹے نکالنا دیہاتوں میں کو آپریٹوینک اور کو آپریٹو سوسائیل قائم کرنا، غرض کوئی سا ایسا تعمیری کام ہے جو حکومت نے انجام نہیں دیا۔

ادرا کا گندھی نے ہر ہندوستان کے ہی ملک میں ایک سوشل ملک نظام قائم کرنے کے جو منصوبے بنائے ہیں جب وہ سارے کے ساتھ پانچ گیارہ کو بیج باریش کے قوا ملک کا پچھتر ہندستان سولے کے لیے کیا کس جانے لگے لکھنوی ان مصر جوں کے پران تو چھٹے کے لیے یہی تھی کہ وہاں کا سہا دہ اس کے ساتھ ملک کے ہر فرد کے اشتراک قیادہ انہوں میں اور لکھن اور سب بچہ کو اتحاد اور ضبط و نظم کی ضرورت ہے۔



جشن آزادی

دود قصہ

ذره ذرہ ہے چمن کا سر و اختر جیسے
آج ہر خارِ مغیلاں ہے گل تر جیسے
سکے ہاتھوں میں ہے صہبائے طرح کا رخ
ایک ایک لہجہ کچھ اس طرح کھنک جانا ہے
ہر گھر میں عجب کوئی تو ہر ایک کام میں
یوں ہر ایک سمت سر ہے ہر ایک فرد کو خوش
وہ بھی ان تار مار میں اندھا تھا یہاں
ایک ایک بات حق پہنچنے پہنچنے کی کسار
پھر جتنا توں سے نکل آئے ہزاروں انسان
نکلتے نور کا سیلاب اُمت آیا ہے
وہ دم تیز قدم لوگ بڑے جاتے ہیں
یکھے ارض ہمارا یہ ہمارا کا سماں
کچھ اس انداز سے جشن ملتے ہیں عوام
لب پہ غنچہ پہنیں امن و اماں کے نغمے
ارض بھارت پہ کچھ اس طرح جھکا رکھ لہے
ہم میں وہ جذبہ تفسیر و ترقی جاگا
آج کے دور میں ہے یوں میرا محبوب وطن
جشن آزادی بھارت میں قصہ کیا کیجے
میش و عشرت ملے جاتے ہیں پنچاوار جیسے

حفظ عکایہ

مناجیل سلطانینورت
ابنستان میر کی رنات کی نظریں

میں نے احاس کے تعریف کسی تھی جس کی
آج وہ اس مقدمہ سے مرید میں نظر
واقعی منت نظر دے حات کی زبیں
دہ دہے ماں کو کش صدس تہ

شہر دلی یہ ۱۰ یات زشتہ کا زمین
میں کا تہ میں میں ہر کی طے کی تہیں
ہم افلاک کی تہیں ۱۰ یات قطب
اسی نت کی تہیں لعلوں میں تعریف اڑیں

سُرب چلوں سے پہلے تہ یہاں دہا
حاج سجد کی یہ جو تہ قدس تعمیر
شکوانی تہی اک حور لعل ۱۰ یات

رائف و الیور ایہ ۱۰ یات محال
شخص فطرت کا ہر رک تہیں حاجے ہاں
عہد تہی کے صنواں میں تہ کے جسم
نصحت تہی کے تہ دہا ۱۰ یات

نگ مر مر کا یہ تہ کا زمین تاج محل
جس کی تہیں تہ تہا ہے محبت کو ۱۰ یات
میری آنکھ میں سا جاتا ہے تہ کی طرح
بعد از مرگ تہا ہے کا ش میں تہ تہا

نگ تہا کی یہ تہیں یہ تہ کا شکوہ
ادب یہ وادی کشمیر کی شاداب فصا
واقعی جنت نظار ہے محارت کی زبیں
میر کبھی دیکھے آؤں گا اگر زندہ رہا

خط عکایہ

تائیں صدیقی

۲۵۱ یر حق آزادی کے موقع پر

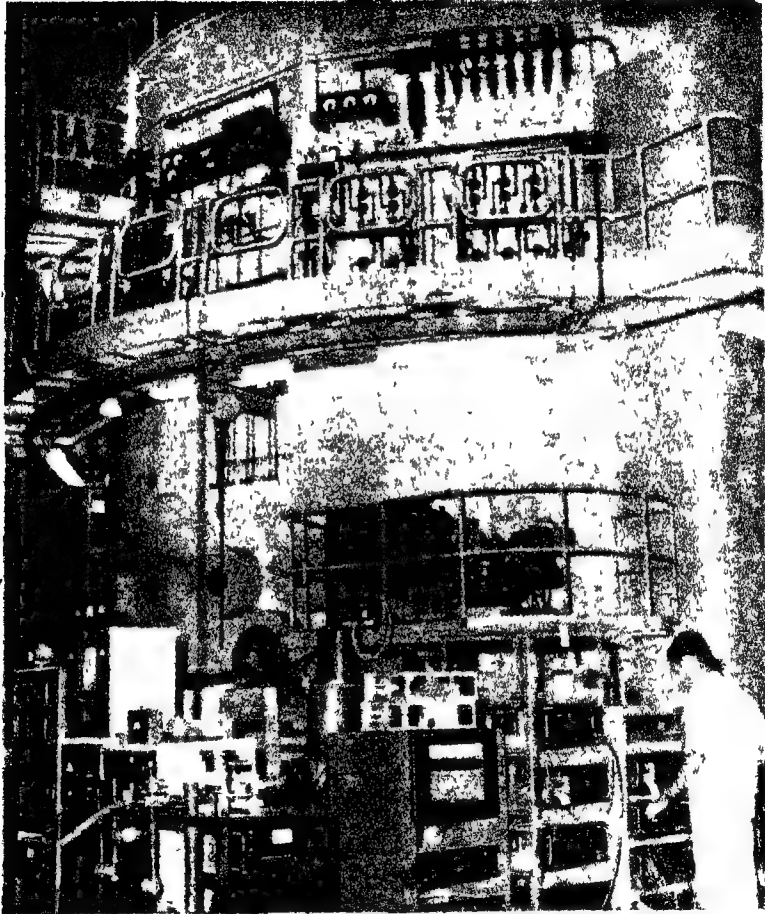
(۱)
تہ ۱۰ یات یہ ہے خوشی کی مومن
آں تہ ۱۰ یات یہ تہ کی کی یہیں
ریں تہ ۱۰ یات یہ ہے یہ تہ تہیں
ہے تہ ۱۰ یات یہ تہ کی کی تہیں

(۲)
تہ مست تہی کی تہ تہ تہ
تہ تہ کا تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ

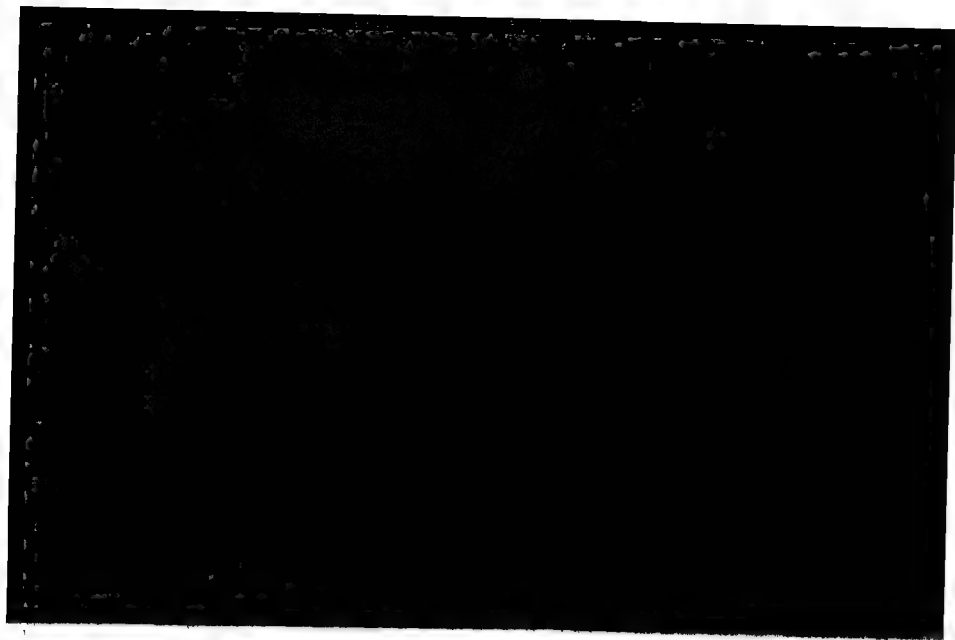
(۳)
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ

(۴)
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ

(۵)
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ
تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ تہ



محکمہ آبائی تحقیق و کوشش (سی اے اے)
ری ایکڑ ہال



نیادور

28 (6)

۵۰ پیسے

ستمبر ۱۹۴۲ء
بھادرم ۱۸۹۴

1

2

3

4

5

6

7

8

ہندستان کی آزادی میں اردو ادب کا حصہ

عبدالصمد نعیمی

کے اخبارات میں اردو کے اخبارات بھی مجموعی اعتبار سے آزاد خیال تھے اور بہت بے باکی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ برہمنی حکومت کے خلاف جس نقد و بدیدہ آپ کو سکتے تھے وہ انہوں نے پیدا کیا۔ ہندوستان میں ہندوستانیوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جو بنیاد کی تھی اس کی زیادہ تر ذمہ داری گاربان دتائی نے اٹھائی اخبارات پر عاید کی ہے۔ "دائرہ صحافت اردو" صفحہ ۲۹۶۔

اس دور کے اردو اخباروں میں خصوصیت کے ساتھ صادق الاخلاق اور اردو اخبار وطن حریت کی دعوت دینے میں سب سے آگے تھے۔ جب جنگ آزادی ختم ہوئی اور برہمنی حاکموں نے تمام ملک کو انتظامی غفلوں کی نذر کر دیا، اس وقت صادق الاخلاق کے مہتمم کو اس جرم میں کہ وہ سرکاری بددیواری کی خبریں مجموعی طور پر نکھار کر لکھتا تھا، سبب برہمنی قید ہوئی۔ (خبرائے ہند صفحہ ۲۸۵)

دہلی اردو اخبارات کے مالک و مدیر محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر تھے۔ محمد باقر کو ہندوستانیوں کو ور خلافت اور "حاکم" سے جنگ کے لیے آمادہ کرنے کے جرم میں پھانسی دے دی گئی۔ آزاد کے نام و وارثانہ گرفتاری جاری ہوا مگر وہ کسی طرح بچ کر رہا۔ چاہیے۔ اس طرح ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں اردو کے ادیب و شاعر وادرسن کی آزمائش سے مسکرانے لگے۔

انقلاب سے ملک کے بعد ہر سمت ایک سکوت ساطاری ہو گیا۔ مگر یہ سکوت دراصل طوفان سے پہلے کا سکوت و سکون تھا۔

کسی ملک میں جب انقلاب جہنم لیتا ہے تو اس انقلاب کو لانے میں اس ملک کے ادب کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اردو میں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان ملکوں کے انقلابات کی پشت پر ملکی ادب تھا جس نے قوم کے سوتے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑا اور انقلاب کے لیے زمین ہموار کی۔ صرف ان دو ملکوں میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ملک کے انقلاب میں وہاں کے ادب کا نمایاں ہاتھ رہا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھی نجلہ و گہر نرانی ادب کے اردو ادب کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ اس وقت جبکہ قوم کے دل سے زیاں کا احساس ختم ہو گیا تھا، خلائی کے لوجھ نے سر اٹھانے کی قوت ختم کر دی تھی، قوم نہ صرف غلام تھی بلکہ پیروں کی زنجیر کو بدیہی حاکم کے جادو کی تاثیر سے سزا دلیری کھ رہی تھی اور ہندوستانی عوام روایتی شرم کی طرح اپنی گردنوں کو خلائی کے ریت میں چھپائے خاموش تھے، اس وقت اردو ادب نے قوم کے سوسے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑنا شروع کیا۔ پھر بنیاد کی ایک لہر اٹھی۔ بنیاد کی یہ لہر جو غلام ہندوستان سے پہلے جنگ آزادی تھی اور جس کو غیر ملکی حاکموں نے غلام کا نام دیا تھا، ایک غیر منظم کوشش تھی جو ایک طاقتور حاکم کے مقابلے میں نامکام ہو چکی تھی۔ اسی جنگ میں اسی جنگ میں دہلی میں نے بدیہی اپنا ان حکومت کے لیے برقی دشمن کا کام کیا۔

خلافت مصافحت اردو کے مصنف کی نظر میں "ہندوستان

باہر سے پرسکون نظر آنے والی قوم کے دل کا اندہ ہی اندہ
تڑپ رہے تھے۔ اس تڑپ کا اظہار اردو ادب نے جس
طریقہ کیا،

..... اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازہ کے
باہر نکل نہیں سکتا، سوار چوڑا نہ کیس جانا تو شری بات پڑ۔
رہا یہ کوئی میرے پاس آئے۔ بہر میں ہے کون؟ گھر کے گھر
لے چراغ پڑے ہیں۔ یہ حالت کا خط لکھتے کے نام)

ایک بل در دہشتان جو کچھ اس یوں کہا آتی نہیں اب کوئی عیب
بال و پر وہ چار دکھا کر کہا دینے یہ اتنی رہ گئی ہے اب بجائے گھر
کیونکہ اردو لک جاے زسودانی ہو

جگہ زمرہ جگہ جیون دغم ہے محل میں تھا اب سہلے اتر ہے
پڑی ہیں، انھیں وہاں جو جگہ تھی گریں کی سرسیر کاسے کھائی نظر کسی
سات دن گریہ ہے اور دنگ ہے اور سینگ اور مگر نگار و سب ان دہلی
مگر کوئی کہ یہ دہلی ہے نو مگر پٹے دہلی والوں کو بھی دہلی ہے گلاب دہلی
موجوں دل میں ہیں یہاں کے دریاں

لے دھواں! اسے مرے بہشت بریں! کیا ہوئے تیرے آسمان دوزین
پہلی جنگ آزادی کے بعد جب ہندوستان اپنی تمام

قوتیں کھو چکا تھا اور ہر طرف بالی کی اور فوضیت چھائی ہوئی تھی
اس وقت اردو ادب نے ایک نیا موڑ لیا۔ سرسید احمد خاں نے
قبلی اور اصلاحی تحریک کی آواز بلند کی۔ اس میں شک نہیں
کہ شعلہ کی تباہی و بربادی پر سب سے زیادہ جس انسان کا دل

لے دھواں! اسے مرے بہشت بریں! کیا ہوئے تیرے آسمان دوزین
پہلی جنگ آزادی کے بعد جب ہندوستان اپنی تمام

قوتیں کھو چکا تھا اور ہر طرف بالی کی اور فوضیت چھائی ہوئی تھی
اس وقت اردو ادب نے ایک نیا موڑ لیا۔ سرسید احمد خاں نے
قبلی اور اصلاحی تحریک کی آواز بلند کی۔ اس میں شک نہیں
کہ شعلہ کی تباہی و بربادی پر سب سے زیادہ جس انسان کا دل

لے دھواں! اسے مرے بہشت بریں! کیا ہوئے تیرے آسمان دوزین
پہلی جنگ آزادی کے بعد جب ہندوستان اپنی تمام

قوتیں کھو چکا تھا اور ہر طرف بالی کی اور فوضیت چھائی ہوئی تھی
اس وقت اردو ادب نے ایک نیا موڑ لیا۔ سرسید احمد خاں نے
قبلی اور اصلاحی تحریک کی آواز بلند کی۔ اس میں شک نہیں
کہ شعلہ کی تباہی و بربادی پر سب سے زیادہ جس انسان کا دل

لے دھواں! اسے مرے بہشت بریں! کیا ہوئے تیرے آسمان دوزین
پہلی جنگ آزادی کے بعد جب ہندوستان اپنی تمام

قوتیں کھو چکا تھا اور ہر طرف بالی کی اور فوضیت چھائی ہوئی تھی
اس وقت اردو ادب نے ایک نیا موڑ لیا۔ سرسید احمد خاں نے
قبلی اور اصلاحی تحریک کی آواز بلند کی۔ اس میں شک نہیں
کہ شعلہ کی تباہی و بربادی پر سب سے زیادہ جس انسان کا دل

لے دھواں! اسے مرے بہشت بریں! کیا ہوئے تیرے آسمان دوزین
پہلی جنگ آزادی کے بعد جب ہندوستان اپنی تمام

قوتیں کھو چکا تھا اور ہر طرف بالی کی اور فوضیت چھائی ہوئی تھی
اس وقت اردو ادب نے ایک نیا موڑ لیا۔ سرسید احمد خاں نے
قبلی اور اصلاحی تحریک کی آواز بلند کی۔ اس میں شک نہیں
کہ شعلہ کی تباہی و بربادی پر سب سے زیادہ جس انسان کا دل

تڑپا دھو جس نے کے سامنے حالی تھے۔ انھوں نے اس پر نگاہ کر
دریا سے غلاب و لعل کی لہریں اُڑی اور انہوں نے عالم میں
سے تعبیر کیا۔ حالی سب سے پہلے شاعر ہیں جن کا دل ہندوستان
کی غلامی پر دریا ہے۔ انھوں نے کے معنی کے الفاظ میں موت
اور آزادی کا لفظ آج تک بچ کر زبان پر ہے۔ لیکن اس زمانے
میں جبکہ یہ لفظ جرم خیال کیا جاتا تھا، سب سے پہلے حالی ہی
نے ہندوستان کی غلامی کا نام کیا: "دشہ لہذا مگر اول صفہ"۔
حالی ہی ہندوستان کا وہ پہلا شاعر تھا جس نے آواز بلند
قوم کو دعوت دی۔

بیٹھے بے کر کیا چہم وطن! اٹھ ابل وطن کے دوست جو
چھوڑو افرودنگ کو جوش میں آؤ میں بہت سے اٹھو ش میں آؤ

اس دور میں بھی عوام میں بیداری پیدا کرنے میں آؤ دو
اخباروں نے نمایاں حصہ لیا۔ ادھر پنج لکھنؤ نے اس وقت میں
جبکہ اخباروں کو آج کی طرح آزادی حاصل نہ تھی، انگریزوں کا حکم

پر زبردست تنقید کی۔ حکام کہتے ہیں کہ ہندوستان کی حالت بھڑ
سے۔ ہندوستان کے گدھے کی بیٹھ کا گوشت تو جو جہاں تک انھوں
میں طاقت ہو یہ گوشت اسی گوشت نہیں بلکہ چر گوشت ہے۔ اس

کا نو چا مسٹر نہیں لکھا جام کار راحت رساں ہو گا۔ مگر حافہ ہے
گلاب پر بار بھی لاؤ اور جب منزل پر پہنچو تو اس کا گوشت تو جو۔

اس کی بعد جلا کر اس کی کھال کی باڈی بنا کر کھاؤ اور کھاؤ۔ یہ
دودھ بھی دیتا ہے گلاب کھا کر دودھ پیا اور سب کو بار بھی لاؤ دو

اور آپ بھی سوار ہو جاؤ تیز نہ چلے تو ہٹ سے خبر ملے لطف یہ ہے کہ
کاٹھ لاکھ حاجت، دکھانے کی حاجت نہ پینے کی ضرورت۔ اس

پر نہ مشادہ نہ زور! (ادھ: پنج لکھنؤ)

دوسرا اخبار پنج لکھنؤ تھا جو ادھ پنج کی طرح مزاح کا سہارا
لے کر ایسے چرکے لگا تھا کہ عوام نے تلو جوائے سوال پندتانی

دن میں کتنی دفعہ کھاتے ہیں؟ اور انگریزوں کی دھمکائی ہے،
جواب: "میر ہندوستانی دن میں ایک دفعہ کھاتے ہیں مگر اس

سے زیادہ بے چاروں کو تیرا ہی نہیں اور غریب بے چارے بھی

سے زیادہ بے چاروں کو تیرا ہی نہیں اور غریب بے چارے بھی

سے زیادہ بے چاروں کو تیرا ہی نہیں اور غریب بے چارے بھی

سے زیادہ بے چاروں کو تیرا ہی نہیں اور غریب بے چارے بھی

شکست کی سی سی میں جیتوں سنگت میں جو
دھڑکی کے باسیوں کی گنتی پریت میں جو
(اقبال: نیا شوالہ)
سے جہاں سے بھانہ دساں جلا پہلیں ہیں اسکی شکستوں جارا
کچھ بات جو کہ ہستی میں نہیں جاتی مددوں رہا ہے دھڑکیوں جلا
(اقبال)
رہ گیا تو دھڑکیاں ہی نہیں بچا گئی نیز اقبال دھڑکاں ختم ہوا تھا
پھر بھی اسے خاک وطن ان سے وفاداری تری
چار سو ہے دیریں ہنسہ کرم جباری تری
(سرور جہاں آبادی)
خونے ہمارے دل کے اس باغ میں کلیں گے
اس خاک سے اٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے
(جکبست)
ترا حسن ایک فاش ہے تری پسیلی گود بار ہے
تو فلاںوں کی دلیل ہو تری پود شرم کا داغ ہو
(مخلت اشفاق دہلی)
کماں ہیں ترے سورا منگن ترے اہل دھنیں ترے اہل فن
کماں ہے ترا اقتدار کماں تھے رام، لکھن، بھرت شرم گون
زمین وطن! اے زمین وطن!
(آئندہ نائن ظا)
اقبال کی "ہمالیہ" "نیا شوالہ" "نقص برورد" "ترتیب ہندو"
"ہندوستانی بچوں کا قومی حقیقت" اس دور کی یادگار ہیں۔
جکبست کی "خاک وطن" "سرور جہاں آبادی کی نظر" "پود شرم"
"کاف" "کافی پھیل" "ہو میں" "آگے چل کر وقت سال کی"
"شہزاد امیر" "آئندہ نائن ظا کی" "زمین وطن" اور "حادثہ ہندو"
اور "ساحر کی نظروں سے جادو جگہ ناشر ورا گویا۔
اس دور میں کئی اخبار جیسے "الہلال"، "ہندو"، "ہندو اور"
"دیندویہ" منظر عام پر آئے۔ "الہلال" "ہولانا" "الکلام" "آزاد" کا اخبار
تھا۔ ایک اعتبار سے یہ اردو کا پہلا اخبار تھا جس نے ہندوستان میں

کے اہل خاص و عام کو ہندوستان میں ہندو کی جگہ کی جگہ کی جگہ
کی شہرت کے اسلام کے دور میں اپنی انقلابی تحریکوں کی جگہ
نظر میں کی وجہ سے اردو ادب میں خاص مقام رکھتی ہیں۔
پہلیں کا اخبار تھا جس میں محمود علی دہلوی، محمد رفیع الدین،
اور ولایت حسین دھڑکی کے انقلابی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان
اخباروں کے علاوہ "حیدر الدین" کی ادارت میں "مسلم گزٹ"
بھی شائع ہونے لگا۔ اس اخبار کی پشت پریشانی کا دلہا تھا
یہ تمام اخبارات اگر دھڑکی اور بخت عم کے دھڑکی پرست تھے۔ انگریزی
حکومت شرم میں خاوندی کے ساتھ ان کی جولاںیاں کی جیتی رہی
لیکن جب ان اخباروں کی آواز بلند ہوئی تو پسیلی حکومت اسے
ہندوستانی اس آواز سے بے حد روکنے لگے تو پسیلی حکومت اسے
برداشت دیکر اس کی اور "الہلال" دھڑکی پر پابندی عائد
کر دی۔ بخت عم کے نام دھڑکی گرفتاری جاری ہوا۔ اس سے پہلے کلن
کی آواز کو اسیر کر لیا جاتا، وہ قید حیات سے آزاد ہوئے۔ اس وقت
تک قوم خراب گراں سے جاگ چکی تھی اور پسیلی حاکم کے ساتھ
آواز دہریا کی بقول ڈاکٹر اشرف "عام لوگوں کے جوش اور انگریز
دھڑکی کا عالم تھا کہ ہولانا محمد علی کا عدلی آئین رو بھی خالی نہیں
کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ پھر خواجہ حسن نظامی جیسے زاہد پرستوں نے
"کو کجیر" جیسے مضامین لکھے جو پسیلی قید کر لیے گئے۔
(جو پھر "جامولہ" "جولہ" بنے)
قریب ترک ہالات کی ابتدا ہو چکی تھی۔ سارے ملک میں
ایک طرف اس آگیا سننے اخبارات میں آئے۔ ڈاکٹر اشرف
کے "مفاہات" "غلام بیگ" "نیرنگ" "توٹی محمد نظام" "آغا خاں" "نیرنگ"
فریہ آبادی جیسے ہندو ہند اور انقلابی ناگشتاں بنی۔ "سرور جہاں"
اقبال سے بڑھ کر شرم و خفا کی کہتے تھے اور ان کا یہ کلام جاری
انقلابی شعاری میں ہمیشہ یادگار رہا۔
(جو پھر "جامولہ" "جولہ" بنے)
اس دور میں محمد علی "الکلام" "آزاد" "الہلال" "آزاد" کا اخبار
نہانی اور ڈاکٹر اقبال "تصویریت" کے ساتھ رہے۔

میا جاوے گا..... ہر ایک کی خدمت کرنا چاہیے جس کو
ہر امر و عمل کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (مذکورہ بالا خط)

تیار کر کے کہ ہندوؤں کے لیے ملک کی آزادی کے لیے
جدوجہد کرنا داخل حب الوطنی ہے مگر آپ (مسلمانوں کے لیے)
ایک فرض دینی اور جہاد فی سبیل اللہ آپ کو اللہ نے اپنی راہ میں
حماہد بنایا ہے۔ آج ہر ایک ملک کی آزادی کے لیے اپنی
قوتوں کو صرف کر رہے ہیں یقین کیجئے وہ بھی جہاد ہیں۔
..... بس اٹھ کھڑے ہو کہ خدا ہم کو اٹھانا چاہتا ہے اور اس
کی بھی مدد ہے کہ مسلمان جہاد میں ہیں بیدار ہوں اور اپنے
فرائض کو وہ فرض جہاد کو زندہ کریں۔ (والد الکلام آزاد)

ہندوستان کی آزادی اور مسلمان،
اب ہم اس متحدہ طاقت کے ساتھ اپنے ہاتھ بڑھائیں
اور مستقبل کے پھر سے جو عمارتیں دینی مگر عقلی تعمیر کے
ساتھ وابستہ ہیں، نقاب اٹھانے کی غلوں دل سے کوشش
کریں۔ (پیشوا جی مل خان۔ ہندوستان کا مستقبل)
ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جن کو خدا
قہار نے کسی پر اسرار مجوزہ سے اس طرح متحد کر دیا ہے کہ اس
سے پہلے کبھی نہ تھے، لازم ہے کہ اس ہیبت ناک حقیقت
کو سمجھیں اور متحد ہو کر ان ناپاک متوسلانیوں کا مقابلہ کریں جو ان
دلوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے شاندار زبائن ماضی کے
آثار کو تباہی و بربادی میں ڈھکیل دینا چاہتی ہیں۔

(ظفر علی خاں، متحدہ تقاضا)
پہلے ہی ہوں! اتحاد و میان میں سینا اور حضرت
ذہب کے نقش قدم پر چلتے والی خواہیں موجود ہیں جہاں کے فخر
یا شہید کر دیے گئے ہیں اور یا تو قید خانوں میں ڈال دیے گئے ہیں
..... تعین قرآن پاک اور شائستوں کے احکامات کا پابند
رہنا چاہیے۔ یاد رکھو کہ جب ہمارے کل درجہ جلی خاندان میں جلی
سے تو اس وقت آزادی کے پھر سے کوئی کوئی نہ کرنا ہوگا۔

خرابے کرنے ہی والی ہے برق زندوں پر
کھڑے ہیں وہ اسیر آسمان لگا ہے
دیکھتی چلی

مٹا دلوں کے مٹا دو نشان غلامی کا زمین چھوڑ چکا کارواں غلامی کا
(کتنی چلی)
ملیں ان کان میں اپنے حال زار اور گراں چاک میں گل ملی ملن چکر
ایک بارہ بچا ہے اپنی پسین دیکھو اپنی حالت کی مگر ہم تو ہیں کچھ بھی خیر
(مفتاحی)

چہم کو بسر کرنا ہے میں اپنے لیے میں اپنے لیے
اٹھو یہ جن شاد اپنا کہ وہاں غاصب خود مر جاتا ہے
(اقبال میل)

پھر انگلیں، آرزو میں ہیں دلوں میں بے قرار
قوم کو یاد آگیا ہے ابنا گم گشتہ و تار
(جگن ناتھ آزاد)

ایک سمت اردو نظم قوم کی دلوں میں تیش بر رہی تھی اور دوسری
طرف اردو نثر تحریک آزادی کو تیز کر رہی تھی۔ چنانچہ حسرت موہانی
لکھتے ہیں: ”یہ سمجھ ہے کہ بعض اخبار اعلیٰ درجے کے نہیں ہیں لیکن
بقابلہ سابق آج وہ ملک کی ترقی پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ آپ
کا مگر میں میں تو بڑے منظر کرتے ہیں وہ ہمارے قلم پائے گروہ
تک پہنچتی ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح اخبار کے کالوں میں حکام اور
رہایا تک ہر وقت پہنچاتی جاتی ہیں۔“

عوام کو متحد کرنا، انہیں حالات و مسائل حاضرہ سے باخبر کرنا
اور آزادی کی لڑائی کے لیے ان کو تیار کرنا اردو اخباروں کا خاص
کام تھا۔ یہاں اس زمانے کے اخبارات کے چند اقتباسات پیش
کیے جاتے ہیں:

”ہم کو پہلے سے یقین تھا کہ میں وقت ہندوستانوں نے
اپنے حقوق طلب کرنے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو قومی وحشت
میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا تو فوراً حکام وقت کی طرف سے ان
کی مخالفت ہوئی اور اگر ضرورت ہوئی تو جبر و تشدد سے ہمیں کام

نہوں کا مہا توڑ مچی تختوں میں آئے ہر ملک خنواں کی زبان پر یہی سنی آئے
صد مگر کہ تو مائدہ زہن ابن محن آج

رخت چوخت تار غلامی کا اندھیرا وہ سائے چوخت سادنت کا سپیرا
جانتے بدیسی کا کھٹنے لگا ڈیرا ہر اسے دیکھیں خلعت قوی کا پھیرا
آزاد ہوا قید غلامی سے وطنی آئے

آزادی کے گئی گمانے اور خوشیاں منانے کے ساتھ ساتھ
ہمارے شاعر اور ادیب یہ بھی نہیں بھولے کہ وطن کی آزادی اور
سالمیت کو خطرہ پیدا ہونے کی صورت میں بھی ان پر ہم وطنوں
کا وصل بڑھانے مقد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا ہونے
اور رجز خوانی کے فراموش انجام دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو۔
چنانچہ جب کبھی یہ سوچ آیا اور آزادی کو خطرہ لاحق ہوا ہمارے سالر
اور ادیب کبھی پیچھے نہیں رہے اور پکار اُٹھے:

اس طرف رقصاں لگا ہوں میں تری جام سے

وہ نشیمن! رام کی جو آنکھ کا تارا رہا
وہ نشیمن! کرشن کو جو جان سے پیارا رہا

وہ نشیمن! جس کو گوشت سے سجا ہوا تھا کبھی
حیر کے پنجے سے گاندھی حملے چڑھایا تھا کبھی

وہ نشیمن! جس میں نامکنتہ ترن لگے ہیں
اور چستی کے جہاں نغماں حق اُڑا رہے ہیں

وہ نشیمن! سرحد پیونے میں ہیں جان دی
شاہ عبدالحق نے جس کو تابش ایمان دی

اس نشیمن ہی سے بھئی و کین حیات
یہ نشیمن بل اٹھا تو بل اُٹھے گی کائنات

(حقیقت یہی تھی بل بھئی)

فرض ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا کوئی مورثا نہیں تھا
میں اردو ادیب نے اس کا ساتھ نہ دیا جو اور ہر ترکہ میں بھر پور

حصہ نہ لیا ہو۔

ذاتی ناموں والہ علی برادران، خطبہ صداقت

اس سرسری جائزے سے اندازہ ہو گا کہ تحریک آزادی

میں اردو ادیب کا کتنا حصہ رہا ہے بقول علی سرور جعفری

"اردو ادیبوں نے آزادی کی جدوجہد کو قوی دار سے تک محدود

نہیں رکھا بلکہ اس کے دائرے میں قومیت سے واسطہ دوسرے

طرح ایک زیادہ جان دار اور ہمہ گیر شعور کو عام کیا۔"

(صباح حیدر آباد)

اور پھر وہ صبح نمودار ہوئی جس کے لیے کتنے ہی شاعر ادیب

دامہ رشن کی کڑی آزمائش سے گزرے، برسوں جیلوں میں بند

رہے اور جب وہ صبح نمودار ہوئی تو شاعر نے اختیار کیا اٹھا:

بعد غرور بعد فخر و ناز آزادی

چل کے گل فنی زلف دلاڑ آزادی

مہ و بخوم ہیں نغمہ طراز آزادی

وطن سے بھر پور اس طرح ساز آزادی

رمانہ قہر میں ہے زندگی غزل بول ہو

(مجاز)

اردو ادیب جس کے یک طرفہ ملی شوق و محبت اور ملک پر بل کی حکایات

دہرائے نہ گزرے ہیں، وقت بڑے بڑے برائے شیشے کی بجائے ٹوڑا

اٹھانے اور بزم آرائیوں کی بجائے میدان جنگ میں کود پڑنے

کی تلقین کی ہے۔ تبصرہ کر ہائی کہتے ہیں:

ناخوش نے کالے کالے بال لہراے بہت

مہ و دشوں نے گورے گورے گال دکھائے بہت

مچھلی نے کھنکھن کرے جام بھلائے بہت

جا بجا تودیدہ دودل خود بھی لٹا لے بہت

سب کو ٹھنڈا کر گھسیں آگیا مدد میں

پھر جب آزادی حاصل ہوئی تو شاعروں نے دل نکھول کر آزادی

اور فتح و کامرانی کے نغمے گائے۔ اقبال سبیل فرماتے ہیں:

گلزار وطن کی کوئی دیکھ تو بھیں آج سزا دہ خوشبو سے ہر کشت گلزار



مَبَاعِیَت

تاراچون رستوگی

معلوم نہیں اور نہ جانے کیا ہو
تازہ ستم و جور نہ جانے کیا ہو
ہر ایک کو اب خوف ہی رہتا ہے
اُس نہ نیا دور نہ جانے کیا ہو

کس خواب کی تعبیر نہیں ہو سکتی
کس درد کی تدبیر نہیں ہو سکتی
ہمت سے ذرا کام تو لے لے طاہر
کس ہاتھ میں شمشیر نہیں ہو سکتی

تخفیر و غلامی کے سبب ہوتے ہیں
آماج گمہ قہر و غضب ہوتے ہیں
ہر بات پہ کھائیں تو قسم اللہ کی
وہ لوگ بھی دنیا میں عجب ہوتے ہیں

بے آب کہیں سبک گھر ہوتی ہے
ہر شام اُدھر رشک سحر ہوتی ہے
بھرتے ہیں جب اشکِ ہنداستِ طاہر
اس وقت نظر رشک نظر ہوتی ہے

جشن بہاروں

طلعت مسعود انصاری

منزل تو کا پیامی، عالم ایکاد ہے
عصر حاضر زندگی کی اک حسین دود ہے
آج کا چہرہ جی دریں بند کی تاریخ میں
مخ سندی کی طلائع امن کی بناو ہے
دیکھنا اہل جہن، اب رنگ ہی کچھ اور ہے
آج اپنے دس میں محنت کشوں کا دور ہے

آفتاب کا مرنی دلخ دل ہوتے کو ہے
رشکِ جنت یہ جہان آج بھل گئے کو ہے
آج یہ محسوس ہوتا ہو، اس چارہ گوئی
زخمِ قہر میں کایا، کُنڈل ہوتے کو ہے
دل سے اب اندیشہ سود و زیاں مٹ جائیگا
ملک سے افلاس کا نام و نشان مٹ جائیگا

ایسا صوبہ داد و دیگدگی جہن کی سوز میں
پس ہے جس کی درجہ کی گاہاں آتیں
جو پیشہ ایک پیادہ علائقہ ہمارا
مٹ گیا آج چھوڑ دیا گیا ہے
آج بھی بھل ہے اس بچہ کو دل کھل گیا
اب نشانِ سرِ مقدس ہم کو مل گیا

شک و بغض و دیکار ہی ہے سہوہرت
سامراجی و ہندوستان کی دشمنی انیت
علم کی دنیا میں قاتلِ ہستی
ظلم کرنا ایکوں پر نہ دینی حمایت
تنگ نظری کہ نہیں درجہ برستی کہ نہیں
ایک ہیں ہم ایک ہیں سو بہتی کہ نہیں

ایک جگہ تو کم کی ہو، صطحت ہندوستان
جو محبت کچھ نہیں ہو دلت ہندوستان
ہم سدا انصاف کی خاطر ہے سید پیر
ساری دنیا پر اس چھوٹے ہندوستان
آج کا دینی اور تہذیب کے مقدس خواب کی
نئی تعبیر کھل جائیگی جہناب کی

سرلا دیوی — تحریک آزادی کی ایک ممتاز مجاہدہ

مرزا سجاد علی خاں اُتار

مفتد و خاتین میدان عمل میں نظر آئے تھیں جو تحریک کو آگے بڑھانے اور اس کو کامیاب بنانے میں چپ چپ سے تھیں۔ بیل ہند سرکاری تائید و تحریکی اہم دہلی شریعتی کتا ر دیوی اس عاتجی پوسٹ قوٹانی، سنر ہے پٹنٹ شریعتی رجسٹرڈ گورنمنٹ کے نام جنگ آزادی کے سپاہیوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو ذکر تاریخ آزادی کا ایک مستقل باب ہے۔ فی الحال شریعتی سرلا دیوی جو دھری بی اے کی زندگی اور ان کے کارناموں کے ذکر پر گفتگو کی جاتی ہے۔

پنچولن خاتون سیدہ میں سر جانی ناتھ گوسال کے گھر پر مقام کلکتہ پیدا ہوئیں۔ ان کے تہال میں ادب کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر راجندر ناتھ شیگوران کے کاموں سے متاثر ہو کر ان کی وطن پرستی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ موصوف نے ظالم پنجاب پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے مسٹر کاکڑاں قدر خطاب، انگریز سرکار کو چھاپا کر دیا۔ ان کی شہرت ان کی بلند پایہ شاعری کی وجہ سے یورپ اور امریکہ پر اپنا سنگہ بھا گیا تھا اور ایک لاکھ نہیں چار روپے کا ذیل پلو کو حال کر کے انھوں نے زبان خلق سے ملک انشوار کا خطاب بھی حاصل کیا تھا۔ سرلا دیوی کی والدہ جنگہ زبان کی ایک نامور مصنف تھیں۔ مڈلٹن ریویوس ان کے مضمین شائع ہو جاتے تھے۔ وہ عرصے تک رسالہ جہاد کی ایڈیٹر بھی رہ چکی تھیں۔

ایسی قابل، قلمبر یافتہ ماں کی زیر تربیت سرلا دیوی اپنی ذہنی اور دماغی قابلیتوں کو اجلا دیتی رہیں۔ ہوتے ہوئے سیدہ میں جبکہ وہ صرف سترہ سال کی تھیں کلکتہ یونیورسٹی میں بی۔ اے کی

صفت نازک کی ملکی خدمات اور ان کے ولولہ انگیز قوی جذبات سے ہندوستان کی تاریخ کے اوراق بھرے چکے ہیں۔ کون ایسا خدا ہے ملک وقوم ہے جس کے دل پر رانی کشمی بائی راجا نیکی رانی، اور بگم حضرت محل کے کام اور نام دودھن نقش نہ ہوں سرفہرین محمد برہما برس سے ان کی زندگیوں کو اجاگر کرنا چلا آ رہا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ان کے سوانح قضا ہو جائیں گے۔ وہ قوام ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں ہرود میں ان کی انمولی رنگیوں کو دہرائی رہیں اور ان سے ملک کی محبت کا سبق حاصل کرتی رہیں۔ انھوں نے ہندوستان کو غیر ملکی تسلط سے نجات دلانے میں سرمدھ کی بازی لگا دی۔

وقت پڑا تو میدان جنگ میں تواری بھی چلائی، وطن پر مال دولت بھی بچا اور کیا اور جانیں بھی دے دیں۔ ان خواتین کے یہ جرأت مندانہ اقدام تو انیسویں صدی عیسوی کی تاریک فضا میں روشن تارے بن کر چمکے۔ لیکن جیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی بیانیہ دور میں بھی جب پورا ہندوستان بری حکمرانوں کی قبضہ گرفت میں آ چکا تھا، چند دلیر، خیر دل اور قوم پرست خواتین اسکا پیدا ہوئیں جنھوں نے ملک کو آزاد کرانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ تاریخ ان کے کارنامے بھی دھرائی رہے گی تاکہ چاہے ملک کی خواتین ملکی خدمت کے سلسلے میں ان کی سوانح سے سبق حاصل کرتی رہیں۔

وہ قیات تھیں کہ تحریک آزادی کی ابتدا ہوتے ہی

ڈگری حاصل کرنی۔

عالم ملی کے زمانے میں سترلا کے مضاف میں مختلف علاقوں میں مشائخ ہوتے رہے۔ آخر رسالہ بھارتی کی ایڈیٹری کا قرضہ خالی بھی اسی ہی کے نام نکلا۔ اس طرح آپ اپنے مایوس ٹیبلٹور اور مائی کی جانشین قرار پائیں۔ بنگلو، انگریزی، سنسکرت اور ہندی زبانوں پر ان کو کافی عبور تھا۔ اردو میں بھی مضافی کے ساتھ محنت کو کر سکتی تھیں۔ اردو شاعری سے کافی دلچسپی تھی۔ دینی علاقوں میں آپ کی تقریریں اکثر اردو ہی میں ہوا کرتیں۔ مشہور ہے کہ وہ انجیلیم اور قلیلم کے بعد بھی رہا بندہ ناہنٹیکور کی قومی تنظیم اور ننگال کے مشہور ناہنٹیکور چٹھری کے نادل ان کے قلب پر آہستہ آہستہ اور نامعلوم طریقے پر انقلاب آگیا اور تقریباً اثر کرتے رہے۔

آپ کے ایک شہوت دار سینڈرناٹہ ٹیکوٹسٹی پریسڈنٹی میں بحیثیت آئی سی۔ اس افسر کے ایک بڑے جہدے پر فائز تھے۔ سترلا جب ان سے ملے قیدی تو ان کو شولاپور، پونا اور ستارہ بھی جانے اور اکثر مہٹوں سے ملے کا اتفاق ہوا۔ ان ملاقاتوں کے تاخیرت موصوف نے اس طرح بیان کیے ہیں: "میں نے مہٹوں میں حیرت انگیز قومی جذبہ دیکھا۔ ان میں کا ہر ایک ملکی ہیرو بننے کے نشہ میں سرشار نظر آیا۔ میں نے ان کی قومی روح میں تازگی پائی۔ مجھ پر ہمارا اثر کہ اس سفر کا ایسا اثر پڑا کہ میں اپنے وطن ننگال سے جو سیاسی جذبے کے پہلی تھی اس پر خاصی چلا ہوا۔ ملک کا حال و مستقبل دونوں مجھ پر چڑھتے ہوئے دن کی طرح روشن ہو گئے اور میری زندگی ایسے سیاسی سوڈر آگئی کہ میری منزلیں قریب تر نظر آنے لگیں۔ موصوف جب وطن واپس آئیں تو ان کو سترلا بارڈر کپٹن، جی کھلی لاہور کے سول ملٹری کونسل کے اسسٹنٹ ڈیپٹی جیوارہ چکے تھے ان کی نظروں کے مطالعے کا موثر لا۔ ننگال چونکہ فطرتاً ذہین اور زیرک ہستے ہیں، انگریز ان سے ہمیشہ خائف رہے اور فرضی قصوں اور بے بنیاد نظروں کے ذریعے بنگالیوں کو رسوا اور ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ ضائع نہ رکھا۔ کپٹن اس

پروسیڈر کے روح رواں تھے ان کی نظروں سے محب وطن سترلا ہی کے ذہن خودہ دل کے ساتھ وہ کیا جو ملٹی ان کے ساتھ تیل کو کرتا ہے۔ جو جذبات و احساسات وہ ہمارا شہر سے لے کر آئی تھیں وہ عجیب و غریب عجیب تھے۔ قومی فطرت و محبت نے تقاضا کیا کہ اس قسم کی مملوون زندگی کب تک بسر ہوتی رہے گی ہمارے ملک اور ہماری قوم پر اس طرح کے جو ناروا اگلے کیے جا رہے ہیں کیا ان کا دعائے شکن جواب نہ دیا جائے گا؟ یہ سوچ کر سترلا بارڈر کپٹن کو بالواسطہ کوئی جواب دینے کی بجائے انھوں نے اپنے رسالہ کے کارناموں سے برادران وطن کو آگاہ کرنا شروع کیا۔ جگہ جگہ بنگالی ناہنٹیکورس کو بھجوا دیے اور لوگوں میں کام کرنے، ملک کا نام روشن کرنے اور ملی زندگی اختیار کرنے کی روح بھونک دی۔ اخبارات اور رسائل میں ایسے مضافی شخصے شروع کیے جن سے ملک کی موجودہ مملوون کے وطن میں حرارت و حرکت پیدا ہو جائے۔ "بھارتی" نام کے رسالے میں جن کی وہ ایڈیٹر تھیں مضافی کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان کا عنوان تھا "انگریزی نگوون بنام دسینا مکا" آخر ان کی اس محنت شاقہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ شادی بیاہ میں جہاں تاج بھرے ہوتے تھے اب قومی اکھاڑے ہونے لگے اور اس طرح اس دیش میں ایک معزز خاتون نے وطن کے ایک بڑے گروہ کو قومی رنگ میں اہل رنگ دیا کہ دو سال کی مختصر مدت میں ننگال میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ ایک بار دہرہ کے موقع پر آپ نے ویرا سٹی کی شہریت کرتے ہوئے حاضرین جلسہ کو بتایا کہ دہرہ درجہل ہائے بہادری کی یادگار ہے اور جب ان ہی بہادری کے خون اور نسل سے ہیں اس لیے بہادری اور شہادت کا دامن ہمیں کسی عالم میں بھی چھوڑنا نہ چاہیے۔ اگرچہ دسینا چھوٹا تو ہزاری رسالے میں ویرا سٹی کو ملک کا شایکہ جانیا گیا اور اسے سترلا کو جو انقلاب کی کوڑ پر ارجح ہے منہ دکھانے کے قابل ہو رہے ہیں۔ انگریزوں نے ننگال کی لادہلی اور قومی ہیرو سترلا کی شادی بیاہ کے قانون اور سیاسی ہیرو سترلا تمام سجدت جو دھری لیا۔ اسے اسرائیل ایل بی کے ساتھ ہوئی۔ سترلا نے اپنے

ایک سب سے زیادہ بڑا اثر تقریر پر ہوتا ہے۔
 غریب سے یا بدوزخ عیش پر بھی کھینچنے کا وہی ٹیڑھا
 جو جب رہے گا زبان بھر کر پکارے گا کہ میں اس کا

ایسے سمزدا ہے قصور خاوند اور دوسرے ناکردہ گناہ
 ایڈروں کی گرفتاریوں، مارشل لا کے ظلم آخر میں ایام کی تیزوں
 اور خلافت کے ساتھ انصافوں کے خلاف احتجاج کے لئے جسے
 مارگر۔ ہشتاد گز آپ نے دال سب بند کو ایک خط بھیجا جو ہے
 "ماب و لا جو کہ آپ کی گزشتہ سے بنگالی رینٹ میں رگڑتے
 سہرتی کرنے کے صلے میں ایک آدینا اعلیٰ کیا گیا تھا جو بھی میرے
 لیے باعث افتخار تھا۔ مگر اب اس پر نگرانا نہیں ہو گیا ہے
 میں تحریک خلافت کے حشر کو دیکھ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں
 محمدرستان کے مسلمان زن و مرد اس بے انصافی سے کس درجہ
 بے چین و مضطرب ہیں۔ اگرچہ میں ایک ہندو عورت ہوں مگر
 میں نے اپنی قسمت کو اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی قسمت
 کے ساتھ جو اپنے دھرم کے اقتدار کو خطرے میں دیکھ رہے ہیں
 وابستہ کر دیا ہے۔ لہذا میں تحریک عدم تعاون پر عمل پیرا
 ہو کر جو خلافت کیس کی حمایت سے نافذ ہوئی ہے نہایت
 افسوس کے ساتھ آپ کی حکومت کے علیحدہ (آؤ بیسے) کو واپس
 کرتی ہوں۔ مزید برآں اس انخار و عورت سے دست کش ہونے کی
 ایک ندرت بھی ہے کہ میں ایک بھائی لیڈر کی بیوی ہوں جس کی
 بیوی دے دینے گناہی پر مجھ کو کما حقہ یقین ہے۔ مگر میرے شوہر کو
 بھرتی کر کے مجھ کے لئے جہیز دیں گے۔ مارشل لا کے ایام میں میں
 لاہور میں ہی مقیم تھی۔ میں مضطرب اور غم خوردہ دل کے ساتھ
 اپنی اپنی بیویوں سے ملا کر اپنی حق کے خاوند بھائی یا باب اُن
 سے مل کر دھم دھم کر دینے کے لئے تھی۔ میں ان فریادیوں کو کشتی دیا
 کرتی تھی۔ میں نے اس منہ کو خیر کارروائی کو بھی دیکھا جو لاہور
 کی عدالتوں نے کیا تھی جو قومی قانون کے تحت قائم کی گئیں۔
 میں اس میں ایک اور معاملہ ہے۔ میرے ایام میں یہ فاشوش بھی رہی
 وہ ظلم میری آنکھوں میں پھرتے تھے۔ ادا ان مناظر کی یاد آتا

بھلاؤ اور تنگ

میں اس وقت تک کہ میں اس کا جواب دے سکوں۔
 انسانیت میں اس کے خلاف ہے۔ اس میں اس کے خلاف ہے۔
 مجھے گوارا نہیں کہ آپ نے کوئی ایسا معاملہ کیا ہے جس کے خلاف
 شاہک سب خلافت اور داخل لاگیا جائے۔ تحریک کے لئے اس میں
 تلاقی ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ مجھے مسلم پختہ کے خلاف
 اور حکومت برطانیہ انصاف اور صداقت دونوں چیزیں سہولت
 ہیں۔ جب تک بے انصافی کے یہ دو غصے میری آنکھوں کے
 سامنے موجود ہیں اور ان کی یاد آتا ہے۔ میں گورنمنٹ کے
 ساتھ ہر اچھا دے انکار کرتی ہوں۔ (سرلا دیوی چودھری)

جنوری ۱۹۳۷ء میں جب ہمارا تاجا ندی کا ٹکڑا جس کے اسی
 میں شرکت کے لیے لاہور میں موجود تھے، چودھری صاحب نے اپنا
 بڑا اداکاران کی درگاہ دیکھی۔ یوگا کارام ہمارا بھگت کے لاکڑوں کی طرح
 اسی طرح اسی طرح دوسروں میں تعلیم پاتا۔ انگریزی کھلنے کا تاوان لڑکا
 پڑنا کہ ہسٹال کرنا اچھا تھا کی سرپرستی میں آتے ہی بالکل بدل گیا
 اب وہ کھد پرست ہے۔ اور بھگت کے خلاف اس میں سفر کرنے کے
 تھوڑا سا میں سفر کا اور ملک کی سب سے بڑا ناچار ہر کھتا
 ہے۔ لڑکے کو تو باپ بچے کو لے کر دیا تھا، فردوسی ۱۹۳۷ء سے
 پانچ ماہ تک خود بھی مہاراجا کے ہمراہ تھی، پنجاب ایوانی دھرم
 کا دودھ کرتی رہیں اور اس طرح ان کی بھرپوری سیاسی فرینک
 حاصل کرتی رہیں جس کے لہذا کے قومی منقذات اتنے پختہ
 ہو گئے کہ سندھ، کواچی، حیدرآباد دھرم میں جہان بھی
 خلافت کے سلسلے میں کیا جائے والی نا انصافی پر تقریر کی زبان
 ایک چلی چا دی۔

سرلا دیوی جو کہ عبداللہ کی ایک باجلی فردوس بن گئیں
 نے اپنے امیرانہ طائفہ کو ایک نکتہ بنا دیا کہ کھد لڑکیوں
 لاہور کی عورتوں کی ان کھد کی ساری بیٹھیں اٹھ گئیں۔
 ابھی چند ہفتے پہلے آپ دہلی کی سہیل اور نازک دھماکے
 کی چوٹی کی ساری بیٹھیں اٹھ گئیں۔ آپ ان کھد کی بیویوں کے

فکر و فن

انگوشتانِ رحیم آبادی

سرکار ہی جہاں میں مرا آسرا نہ تھے
بت ہی تو آپ تھے کوئی میرے خدا نہ تھے

اب اُن کو نہ تلاک مجھ سے تو کیا علاج
پہلے تو سیسک اُن کے مسائل جدا نہ تھے

اک اور ہی حبال سے کھاتے ہے فرب
دھڑے تو ان کے ایسے کوئی خوشنما نہ تھے

اظہارِ مدعا سے جو بیتی وہ کیا کہیں
اپنا یہی تصور ہے بے مدعا نہ تھے

امیدِ انصاف بھی اپنا ہی جرم تھا
ظاہر ہے ورنہ آپ ہمارے بھڑا نہ تھے

یہ مشکوہ ہے تلخ کلامی بجا ہر گھر
سج کیے آپ بھی کبھی شیریں نواز نہ تھے

دنیا کی ہر خوشی کا جہاں سے چھٹ گیا
شاید وہاں حضور کے رہنا نہ تھے

سرکار نے مزاج ہی ایسا بنا دیا
ہم دہ تلخ گوئی پہ ماں ڈرا نہ تھے

انگوٹہ جو انصافِ محبت تھے چشم دید
کچھ دن گزر گئے تو وہی اب فنا نہ تھے

بھارت ۱۸۹۳ء

غزل

شعورِ بریلوی

فطرتِ دلِ غم شناس، دیکھیے کب تک رہے
ذوقِ جنوں بدگواں، دیکھیے کب تک رہے

عزمِ جاںِ مصحل، تاب و توہاںِ مفصل
زلیت کا پھرہ اداس، دیکھیے کب تک رہے

دیرِ دھرم کا یقیں، کش مکشِ کفر و دیں
زندگی و دور از قیاس، دیکھیے کب تک رہے

دورِ خواہاں کا خطر، خدشہِ برق و شمر
قلبِ پھن میں ہراس، دیکھیے کب تک رہے

سویش زخمِ دروں کا دھنس دستِ جنوں
عشقِ دریدہ کس پاس، دیکھیے کب تک رہے

فطرتِ تلخِ سلیم، مرکبِ امید و بیم
نت نئے وعدوں کی آس، دیکھیے کب تک رہے

دکھ دیکھ سحرِ آفریں اور شعوبہِ حزیں
حالمِ امید و یاس، دیکھیے کب تک رہے

بھارت ۱۸۹۳ء

ایک حقیقت ایک کہانی

نجم الدین نقوی

یوسف کی یہ حالت دیکھی تو دل بہلانے اور مصروف رکھنے کے لیے گاؤں کے انتظامی امور سرور کر دیے مگر شرط یہ رکھی کہ ہر روز نماز صبح باپ کے ساتھ ادا کریں۔ لائق فرزند تبدیل حکم کرتے رہے۔ روزانہ علی الصباح شریک گھوڑے پر سوار ہو کر آنا، باپ کو سلام کرنا، نماز صبح کے بعد کچھ کھا کر کھیر کا دینا، کو دالیں ملے جانے والیوں جاری رہا۔

”گرہ کشا یاں سلسلہ سخن دنا زہ کھنہ کان فساد کمن سے معلوم چھا کہ حبیب سید نادے دہلی چھوڑ کر وطن آ رہے تھے تو ان کے حبیب نے وہ سادہ سادہ دیانت کیا جو ان تک پہنچنے کی سیل بن سکے۔ باراستہ بتایا گیا مگر اس یقین کے ساتھ کہ وہ ناخوہ ناذا غریبی اتنی سخت ترنس ملے کر کے کیسے پہنچے گی۔ بتایا گیا کہ دہلی سے براہ جہاں الہ آباد قسریٹ لائیں اور پھر الہ آباد سے آئی ٹھکانا ہائی ہوئی کوہا، پانک پور اور پھر قسریٹ کوہی بہادر کھج قسریٹ لائیں جو عین کھنہ کے کنارے واقع ہے۔

یہ صاحب خدا سے وزارت بتا کر چلتے ہیں مگر اس جانب دل کی آگ نے بے چین اور مضطرب رکھا۔ کہتے ہیں کہ قسریٹ کوہنہ کیسے کرتے ہیں وقت بہت مددگار ثابت ہوتا ہے مگر اس معاملے میں وقت کامر مرقم کو سنبھال کر کار اور دہلی کی جانب آگ پر اڑتی رہتا۔ اس طرف بالکل آگ لپے دلی اور دلی باخک پکاری تھی اور اس طرف آتش شوق تیز تر ہوتی جاتی تھی۔

بزدل جب داستان کی اس سنزلی پہنچے تھے تو اگر یہ ان کی عمریں شریک شریک سے تجاوز نہ ہوئی تھیں ان کی سادہ سادہ

بزرگوں نے میان کیا کہ اورنگ زیب جب دکن کی جہ میں مصروف تھا تو اودھ کی ایک بہت قدیم لہجہ کے ایک سید نے جن کا مردانہ حسن نہ صرف ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے بعد بھی بہت درشت اس خاندان کے لیے باعث فخر رہا، دہلی میں علوم مشرقیہ کی تحصیل کے لیے مقیم تھے۔ وہ ایک دلی گزراہ پر چار سے تھے کہ ان کی شکل و شمائل دیکھ کر کوہی پڑ کر دلوں پر ایک فٹ دل لگتا۔ ایک جڑوہ عصمت بے تحاشہ دل دے بیٹھیں۔ نامہ و پیام شروع ہوئے اور جویم ناز میں شرف باریابی ملا۔ صاحب زاوے ناخبر کا تو آمد زادہ انیلے تھے، پھر وطن سے سیکرول میل دور مسافرت نڈل گزرا رہے تھے کچھ ڈر سے، کچھ سہجے، کچھ بہت باندھی سے کرم نصیب گستاخی بنے پائی و تیار ہا مگر بجز محنت و تعب کچھ ہاتھ نہ آیا۔ قصہ مختصر وطن واپس آئے مگر چلتے وقت تمبھیں کا پھیلادامن یہ کہہ کر پھڑپھڑا کر آگرم میرے وطن آ جاؤ تو پچھڑے ہوئے مل جائیں اور ایسے ملیں کہ تاقیامت جہان نہ ہوں۔ وخصمت ہوئے اور دلی حسرت پروردہ کو بڑی شکل سے سنبھالا۔ سفر میں سوچتے جاتے تھے کہ کہاں دہلی اور کہاں ان کا گور دیہہ۔ ناز و نسیم میں پٹی ہوئی یا بانو سے خستہ صفات اپنے کو کیسے منزلوں کی صعوبات کی نذر کر سکے گی۔

وطن پہنچے، والدین سے ملے مگر کھوے کھوے سے پہنچے بھولے سے محسوس ہوتے ج

دو چھ زبیں کی تو کبھی آسمان کی
تعب سے جس کے قابیلے پر آئی زینداری کا ایک گڑن
بہادر گنج تھا، امین گنگا کے کنارے۔ یعقوب نے حبیب اپنے

روانی کے لئے جو کچھ ضروری ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے اس کی کوشش کرنی چاہیے۔
 خداوند تعالیٰ ہماری ہر کوشش کو قبول فرمائے اور ہمارے ہر کام میں کامیابی عطا فرمائے۔
 اس کے بعد ہم نے اپنی زندگی میں کئی باتیں کرنا چاہیں گے جو ہماری زندگی میں
 بہت اہم ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو بہتر بنانا چاہیے۔
 ہمیں اپنے آپ کو علم و عمل کے لحاظ سے بہتر بنانا چاہیے۔
 دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو صبر و تحمل سے سزا دینا چاہیے۔
 تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو شکر و تحسین سے سزا دینا چاہیے۔
 چوتھی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو دعا و استغاثہ سے سزا دینا چاہیے۔
 پانچویں بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو خدمتِ خلق سے سزا دینا چاہیے۔
 چھٹی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو دعا و استغاثہ سے سزا دینا چاہیے۔
 ساتویں بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو خدمتِ خلق سے سزا دینا چاہیے۔
 آٹھویں بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو دعا و استغاثہ سے سزا دینا چاہیے۔
 نوٹی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو خدمتِ خلق سے سزا دینا چاہیے۔
 دسویں بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو دعا و استغاثہ سے سزا دینا چاہیے۔

خلوت دل سے کہہ دیا ہے جو اس میں خلل
 حسن بلائے تھمے، لغو دہاں گوسنس ہے
 دفعتاً اسی شام کو وہ ہی جانی پہچانی ہوئی صورت نظر آئی۔
 وہی وہی وہی پانڈی کا عصا اور وہی چچو دار زنتار بھڑکی والا نامیہ
 سامنے تھا۔ نظریں میں مگر یقین نہ آیا۔ کئی بار آنکھوں کو ملا اور دُعا
 سے صاف کیا اور پھر دیکھا تو وہی ہوئی، وہی پیکر سامنے تھا۔ بے ساختہ
 منہ سے نکلا، تم کیسے جواب ملا۔
 میں خود آیا نہیں لایا گی ہوں
 بیگم صاحب تشریف لائی ہیں۔ وہ دیکھتے سنہرا بچہ اشق پر طنز کر رہا
 ہے۔ سید خادسے دیوانہ دار ہر سو پہنچا کہ کون تھاٹ پر پہنچے
 دروہی پر سر رکھ دیا۔ اس پیرانی کے جواب میں اس طرف بڑی سے
 چہرہ اٹھو اور مسکراہٹ بھرے کانپتے ہوئے ہنسنے لگے۔
 عجیب تھکے اس منزل پر پہنچنا تو ہم لوگ کتھے پایا، کمال ہے
 یہ عجیب شوق ایکشن ادا ہوا یا ہمارے لئے کوئی ناکامی کا یہ سفر
 پڑھتے لگتے تھے۔

۱۹۸۲ء

میں نے اس بار کو اس بات کو ملحوظ رکھا کہ
 سچا رازنا کو درست دیکھ
 اور پابا بن کر کون نہیں ہے آخر انھیں کے متعلق تو وطن کے ایک
 پہلو نے کہا تھا۔
 وضع داری کے یہ معنی ہیں کہ پیری میں بھی
 نہیں رکھتے دیر دلدار کے جانے والے
 اور پابا کی یہ وضع داری آخر وقت تک قائم رہی۔ ان کے بعد
 ”صحبتِ شب کی صلی ہوئی“ شمع نہ گئی تھی سو کافی دن بھر
 وہ بھی خوش ہو گئی۔

ہاں قویات آگے بھی ہے۔ سید زادے نے اپنے عالی
 محکمے مکان میں اس انجمن کو آثارِ اودھ کو لیا۔ مگر یہ معمول رہا کہ
 صبح کی نماز اپنے باپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہ پابندی بھی تابہ گئے
 جلتی۔ سچو کو زنا، ”اٹھا۔ باپ کے ساتھ صبح کی نماز کی پابندی
 میں شامل ہوتے آئے اور کبھی کوئی عارضی
 بار نہ پاپ کو مطمئن کر دیتے تھے۔ محنتِ شب کی
 دوستوں کو نہ روک سکتا تھا۔ وطن والوں تک پہنچی۔ جن کے شائے
 لطیف تھے انھوں نے مزہ لیا اور جو جنگِ ظرافت اس خبر کو باعث
 نہ کر سکے انھوں نے باپ کے کان بھرے۔ باپ نے حقیقت حال
 دریافت کی۔ بیٹے کو سچ پوچھنے کی تعلیم ملی تھی، مگر چھکا کو شرمندگی کے
 انداز میں جو مجتہد کا اقرار کیا۔ باپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا
 اور کہتے ہیں کہ مدتوں بات نہ کی۔ آخر وقت ہمتِ عذر خواہ نے قدموں
 پر سر رکھ کر بیٹے کو ملال کر دیا۔ باپ نے سینے سے لگا لیا اور بہو کو بھی
 سامنے بلا کر غوا دی۔

بڑے میر صاحب کا حسب انتقال ہوا تو ان کی آبائی ملکیت
 میں صرف وہی ایک گاؤں تھا جس کا اوپر ذکر آیا۔ یہ صاحبِ وطن
 اس گاؤں نے ایک سکین دیوانہ بنوا دیا اور ایک کپتہ سوم ہرا
 تعمیر کی جواب بھی موجود ہیں۔ ہمارے گچ میں جہاں وہ پہلے پہل آتے تھے
 انھیں ایک عالی شان پوٹو نمبر گائی بواج بھی باقی ہے۔ وطن کو مگر
 نہ کوئی میں جاہلوں طرف اپنی دولت سے بے لگائی گزری گاؤں اپنے

بھلاؤ ۱۸۹۲ء

شوہر کے نام نوید سے چنانچہ آج بھی حبیب خدیج ٹوٹ چکا ہے اور
ساتی میں باقی نہیں، اس خاندان میں حبیب بھی کوئی شادی ہوئی ہے
تو لبیک کا کھانا شایاں ایک کھسکا مٹ کا ذکر برابر کرتا ہے۔
بزرگوں نے ان باتوں سے سخت صفات کا اہم گڑی ماہ پرودیا
ماہ پرودیا بتایا ہے۔ بہرہ فرمودہ کو محل شاہزادی بناتے تھے اور
عاصد بھولی النسب بھڑاتے تھے۔

ماہ پرود کے شوہر کا انتقال پہلے ہوا۔ یہ وہ ہونے کے بعد اس
نیک بخت نے محل چھوڑ کر ایک گوشہ میں گنج خانہ آباد کی جو آج
بھی موجود ہے اور عرف عام میں گنج خانہ کہا جاتا ہے۔ بزرگوں
نے بتایا کہ مرہوم نے بوگی کی زندگی اسی گودائی اور قرآن سرائی
میں گزاردی اور مرہوم نے کعبہ زیلعیا قصبے سے باہر اپنے دوست
سے ہمیشہ کے لیے مل گئی۔ ان کا مقبرہ اگرچہ آج منہم ہو گیا ہے
لیکن مقبرہ کی ہر شے مشن کی عظمت اللہ اس کی پائیدگی کی شاہد
عادل ہیں تو نبان حال سے باہر پیر سرائی ہے۔ ۵
ہرگز نہ میراں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

بنت است برود عالم دوام با
پہلا ہر بات میں پر ختم ہوئی مگر نہ یہ دنیا کبھی ختم ہوگی اور
نہ اس کے قصبے۔ اس کہانی کا ایک دوسرا سکرانچ بھی ہے۔ سرماہ
دارانہ نظام ہویا جاگیر دارانہ زمانے کا ظالم ہاتھ کسی کو نہیں
بچتا تھا۔ پھر ان دونوں نظاموں کی قبریں تو خرابی کی صورت بھی
مٹھ کر گئی۔ جب دولت آتی ہے تو اپنا مزاج بھی ساتھ لاتی ہے۔
اس کے اپنے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں۔ یہ خاندان جس کا قصبہ
میں نے مسٹنایا ہے فسادے کو اپنی تاریخ کے دامن میں بہت
کم جگہ دیتا ہے، البتہ مشرقی تہذیب قدی اور اس کی صالح روایات
کا ایک تک حال ہے۔ اس خاندان میں علماء، فضلاء، مشعراء،
ادیب، دانشمندان، صحافی اور وزیر مملکت پیدا ہوتے رہے ہیں اور
ملک کی قومی زندگی میں انچہ حد تک یہ خاندان پورا نصف اول دنیا
کیا ہے۔

یہ داستان میں قصبے سے متعلق ہے وہ شہر کھنڈ سے کل پچیس

بجلوہ ۱۹۴۸ء تک

سین کی دہریہ روایت ہے۔ اس کے لیے محکم کی طرف سے
محکمیت کے اثرات ہیں ایک نیک و کریم۔ یہاں شہر کے
مشافہ قصبہ ہے۔ محکمیت پر چلی شادیاں ہیں سرپرست
میر علی محمد صاحب عاقبت وہ علی صاحب فرخ جو اس صاحب خانہ
شکل علما مولانا سید ناصر حسین صاحب قلی مولانا سید بلال حسن
صنی کھنڈی، محشر کھنڈی وغیرہم نے اس سببی کو اپنے قدم سے
شرع بکشا۔ یہاں بڑا راسے کئے، ہرنے پالے گئے، پالیان بزرگ
کہہ جاتا ہے کھنڈ اور کھنڈے بازی ہوئی۔ غرض یہ سببی دونوں
عیدارات شب برات منائی رہی۔

یہاں تک کہ زمانے نے کثرت بدلی اور وہ دہریہ گنگا حبیب
اس خاندان کی ملکیت میں وہی ایک آبائی گاؤں نہ گئی جو ماہ پرود کے
تشریف فرما ہونے سے پہلے تھا۔ اس وقت اس گھر میں ایک
فرزند کی ولادت ہوئی۔ باپ نے شوگون لے کر اپنے بزرگ کے نام
اس کا نام رکھا۔ اس امید کے ساتھ کہ تاریخ اپنے کو دہرا سے گی۔
صاحب زادے حبیب جوان ہوئے تو بھولی ان کے ایک ہجوم بزرگ
کے "حبیب دے" سے ملے تو انگلیوں کے چھنے کی آواز سنائی دی
کے مصداق ہوئے۔ مادار اگر یہ بات علمائے بزرگ ہوئی تو اتنا
تو یقینی ہے کہ ان صاحب زادے کی جوانی کو دیکھ کر کچھ دلوں سے
آہیں ضرور نکلی ہوں اور کچھ لوگ ع
کو شرمہ داہی دل کی کشد کہ جا اس جا سیت
پڑھنے لگتے تھے۔

باپ نے بزرگ کے نام پر اس فرزند کا نام لکھ کر امید کی تھی کہ
اس خاندان سے جو شاندار ماضی وابستہ ہے وہ حال کی مشکل
کچھ سے لگا کر موم کا یہ خواب شرمندہ تعمیر نہ ہوگا۔
جہاں تک آئی کے حسن و جمال کی بات ہے ۱۲ یہ جوانی ہے
کو حبیب وہ آئینہ کے سامنے جاتے ہیں تو بے ساختہ زبان چمکتے
شہر جاری ہو جاتا ہے۔ ۵

ناوک زین دہر کبھی ہوں گے
آتری ہوئی اب تو کہاں ہیں ہم

بجلوہ ۱۹۴۸ء تک

جشن آزادی

نصرت قریشی

اٹھ چلو یہ تہی اسے طائران آزادی
 بلا رہے تھیں آسماں آزادی
 قدم قدم پہ سجا ڈیا حسن و عین
 سرابِ ازلت میں اسے رہوان آزادی
 بکھر دینے لگے، بکھلا دینے بھول
 ڈگر ڈگر پہ اڑا نشان آزادی
 جہن چن پہ بہاروں کا دل نشیں مرکز
 ہر ایک سمت سے خند ایں دہان آزادی
 جگ رہی ہیں صفائیں شمس جسم لیے
 نکل پڑے ہیں گردن سے پستان آزادی
 فضا سے تاج و اجنما لٹائی ہے فضا
 سہانے گیت سنانے زبان آزادی
 تمہارا عہد ہے تاریخ کا خنجر پہلو
 تمہارے دم سے ہے قائم جہان آزادی
 سبق اخوت و الفت، پیام امن و ممان
 یہ ارض پاک ہے اک سانس آزادی
 وقار و زینت، وقار و فنا، وقار و جہاں
 تمہارے نام کی عظمت ہے جان آزادی
 نہ جانے کتنے سوالات کتنے آئی ہے
 تمہارے واسطے یہ استغاث آزادی
 چراغِ یاروشی انکا جسم دھماں پہ ہسی
 سجاد چھوٹوں سے اپنی دکان آزادی
 نئے جوڑے، نئی منزلیں نئے طاقے
 ہوا کی قسمت رکھو بادبان آزادی
 تمہارے عزم کی تعبیر نر دہان ہوا
 نہ جھکے دور ہونے و پیران آزادی
 نظر ڈالو آج اسے سلام کہتے ہیں
 زمانہ دیکھ ڈالو آج نشان آزادی

نظم آزادی

کلید تنبیہ

رات ڈھلی اور صبح ہوئی
 کیسی، روشن روشن صبح
 اُجلی اُجلی، صاف، مہر
 منزل منزل حسنِ محلی تر
 دفتر، مکتب اور محنت گھر
 جگمگ جگمگ کوئے نظر
 آزادی کی ایسی کہانی
 ایسی حقیقت، ایسا فسانہ
 کس نے بنا اور کس نے دیکھا
 اُتر، اُٹھیں، پڑھیں، بچیں
 چار و شا سے آواز آئی
 ہم نے بنا تھا، ہم نے دیکھا
 دنیا دیکھ رہی ہے نظر
 ہوتا گھر ہے حسنِ محلی تر
 ہندوستان ہے وطنِ مہتر

نامہ برے

حمید عظیم آبادی

مرا حال پریشان جا کے نزد خود ہو گیا
 گولہ ناسر ہو گیا تو سب کچھ ہو گیا
 چلے پڑا ہے شوق و مراد تو گھر ہو گیا
 نکلا ہے ڈھونڈتے رہی ہیں ملان کھار ہو گیا
 گٹھا ہوتا رو دم اپنا جو ضبط غم سے وقت میں
 آسکے بدلے ضبط گتے اسب آ ہو گیا
 بھلائے ہو گیا یادان کی بھلائی پر مشور کی
 بوں پر زکوان کا وائیں کی گنگو کیسی
 میں اپنی برعصی پر ابھر آئو ہوتا ہوا
 اُدھر نا کاکی الفت پہ غصہ نہیں حد ہو گیا
 وقیب رہی ہو تو ہے نہ لادھن نہ ہو گیا
 نہ ہوئے دیکھ دھار گم سے آ ہو گیا
 وفا کی دھن سے اب جان کی بھلائی ہو گیا
 کہو ہے محنت میں کچھ بھی ہو گیا
 نہ رہا اب کر رہا ہوتا ہو گیا
 کہ دیکھوں تک تو رہی ہو گیا
 حسیں غم ہو کہ بات آئی ہو گیا
 کہ کہتا ہے نہیں ہو گیا وہاں سے دوبار ہو گیا

پداوت تنقید کی روشنی میں

کاظم علی خان

لکھنؤ جاسی ہندی شاعری کی جگہ کی تحریک کے پرچار کے لیے
کے اہم ترین شاعر ہیں۔ پداوت ان کا منظوم خاکار ہے جو شہ
سوری کے عہد حکومت میں وجود میں آیا۔ ہندی شاعری کے پریم باری
سلطے میں پداوت سے قبل کم از کم ہر کاوی، مہو، مسافرا
مگدھاوی اور پریمیاوی نام کی چار شہر نظموں کا جو دو بیلا
سے ثابت ہے۔ پداوت کو بولی سمجھنے میں ان تمام نظموں کے اہم
خصوصیات کا اجمالی جائزہ مفید معلوم ہوتا ہے۔ ان نظموں کے
نفاذی خصوصیات کی مدد سے ہم اس کی ادبی ذائق و مزاج کا اندازہ لگا
سکتے ہیں جس میں پداوت بھی کئی تہی اور اس کے ساتھ ساتھ ہیں ان
عصری رجحانات و فکری سیلانوں کی وضاحت کا بھی پتہ لگ سکے گا جن
سے پداوت معنوی طور پر متاثر ہوئی ہے۔

پداوت کی طرح یہ تمام نظمیں بھی دور اس منظوم کہانیاں ہیں۔
پریم باری ہندی شاعری کی یہ منظوم داستانیں سلمان صوفیاء پر ہندو
تہذیب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ سلمان صوفیاء رجب ہندو تہذیب
فلسفے سے متاثر ہوئے تو انھوں نے صوفیاد تصورات کو پیش کرنے
میں ان کہانیوں کے کردار و واقعات کے پردے میں پیش کیا۔ ان نظموں
تخیلیوں کے واقعات اگر دیکھ سادی نقصان ہندو تہذیب اور ہندو
سماج کی عکاسی کرتی ہے۔

یہ منظوم کہانیاں عام طور پر بیان تو کرتی ہیں کہ اس
راہکار اور صاحب جمال راج کمار کی کشش تھی اور وہ اس کی داستانیں
لیکن اصل محبوب یا معشوقہ کی کہانی حاصل کرنے میں عاشق کے
شکلات و مصائب کی پیش میں طریقت و معرفت کے منازل کی گواہی
دیتے ہیں کیا ہے۔

پریم باری سلطے کی یہ منظوم داستانیں اپنی پیشرو جاسی ہندی
کی نظموں کے مقابلے میں نئی اور انسانی اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں
ان کی زبان عام طور پر آدھی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن رضا لکھنؤ

اس میں شک نہیں کہ ادبی حیثیت سے پریم باری صوفیاد فانی
ایک ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ سلمان شعور اس کے ہندو مت کو لپٹا
اور ہندو دھرم کی تعلیمات اور اصطلاحات کے کو محبوب ازل کو اپنی
پیکل کی پیش میں پیش کیا۔ برج شاعری... (کی اور بیت
[کے] یو جہیں جس عورت پر کرم و دین محبوب اولی کے گئے
گات کہیں برہم کے روپ میں جہاں کاراگ الیا...)

یہ منظوم کہانیاں طبع زاد جوئے سے زیادہ قدیم ہندو قصوں پر
مبنی ہیں۔ ان میں بعض تاریخی واقعات یا تاریخی شخصیتوں کے نام و
لئے ہیں۔ لیکن یہ نظموں دراصل تاریخ سے زیادہ تخیل پر مبنی ہیں تاریخ
کے نقطہ نظر سے ان کہانیوں کی اہمیت زیادہ نہیں البتہ ادبی اور
تہذیبی اعتبار سے وہ پریم باری کی منظوم قصوں کی کافی اہمیت ہے۔
پروفیسر افتخار حسین سمجھتے ہیں:

میر کا جانی۔ اور پداوت کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے
تو معلوم ہوگا کہ کتنی زبان ہی کے لحاظ سے نہیں خیالات اور جذبات
کے لحاظ سے بھی ان میں ہندوستانی فکر کے بہترین عناصر موجود ہیں
ہندی ادب میں پریم باری کی سلطے کی یہ تمام کہانیاں اہم ترین
لکھنؤ جاسی کی پداوت شہرت و مقبولیت میں ان سب پر کثرت
دکھتی ہے۔ پداوت لکھنؤ جاسی کا کمالی اور ادبی شاہکار ہے۔

لے ہندی ادب کی تاریخ: ڈاکٹر محمد حسن رضا، اول شہ ۱۹۵۵ء ص ۸۲۔ لکھنؤ: دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

۹۹

سہ ماہ ۱۸۹۴ء

حضرت کے تلامذہ کی تعداد کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

سید ملک محمد جاسی شیر شاہ سوری کے ہم عصر تھے۔ وہ موجودہ
 اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی کے مشہور مقام جاس کے باشندے
 تھے۔ اسی نسبت سے انھیں جاسی کہا جاتا ہے۔ بکری سن کے مطابق
 ان کا دور حیات ۱۵۵۵ء سے ۱۵۹۹ء کی درمیان مدت پر محیط ہے۔
 قلعہ کے مطابق بکری سن سے ۵۶ یا ۵۷ برس قضا دیے جاتے ہیں
 تو میوہی سن کے لحاظ سے ان کی مدت حیات تقریباً ۵۹ سال کا ہے۔
 متعین ہو سکتی ہے۔ بکری سن کے مطابق ملک محمد جاسی کا سال دفن
 قاضی نصیر الدین جاسی نے ۹۳۲ھ بتایا ہے۔

(ہندی ادب کی تاریخ ص: ۸۵)
 ملک محمد جاسی نے یہ بیعت میں رانی ناگ نئی اور پستی کے
 جمالی اور ظاہری حسن کو ایک بے وقعت شے قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ
 اس سے دل نہ لگنا چاہیے۔ رانی ناگ نئی اپنے حسن ظاہری پر غور کرتی
 ہے ملک محمد اسے "دینا دھندا" قرار دیتے ہیں۔ علاوہ اللہ کے کسی کا
 پرستی کے ظاہری حسن پر زلفیت ہونا ان کے نزدیک مایا سو کے مترادف
 ہے جو قابلِ تعریف نہیں۔ ظاہری حسن اور جمالی خوبصورتی کی جانب
 ملک محمد جاسی کا یہ مخالفانہ رویہ عجیب نہیں کہ ان کی بد صورتی کے
 عجیبہ و غریب ان کے دل کا نتیجہ ہو۔ اس لیے کہ بکری سن میں جاسی نے
 ان کے چہرہ کو داغ بنایا تھا اور انھیں ایک آٹھ سے بڑا تھا۔

ملک محمد جاسی مشہور ہندی شاعر ہیں ان کے شاگردوں کی تعداد
 ایک لاکھ تھی۔ ان کی بد صورتی کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے
 شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

ملک محمد جاسی سے تین کتابیں منسوب ہیں (۱) بدصاوت
 (۲) اکھراوٹ (۳) انجری کلام۔ بدصاوت پہلی کتاب ہے
 متعوضانہ تصورات پیش کرتی ہے۔ اکھراوٹ میں بھی تعصبات کے خلاف
 بیان کیے گئے ہیں۔ انجری کلام اسلامی تعلیمات سے متعلق ہے۔ ملک محمد
 جاسی کی کتابوں میں تصوف کا یہ غلبہ ہے اسباب کا نتیجہ ہے ان کے
 ملک محمد جاسی کے عہد کی فکری تہذیب اور سماجی تاریخ میں تلاش کیے
 جاسکتے ہیں۔

عرب کی سامی تہذیب کا زائیدہ اللہ علیہ کی آریائی تہذیب کا پورہ
 یہی تصورات جب ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد قیام کے نتیجے میں
 ہندوستانی و عبادت فلسفے دوچار ہوئے اور اسلامی تصوف اور ہندو
 و عبادت فلسفے کے ایک دو حصے کو کافی متاثر کیا۔ ہندو و عبادت فلسفہ
 بھی آریائی تہذیب میں دھماکا ہوا تھا۔ اسلامی تصوف اور ہندو و عبادت
 فلسفہ کے متشکک آریائی عناصر تصوف اور ویدانت کی قربت کا سبب
 بنے۔ نتیجہ ہوا کہ سلطان صوفیاء ہندو تہذیب و فلسفہ کے اثرات قبول
 کرتے رہے اور ہندو فلسفیوں نے تصوف کے اثرات کو قبول کیا۔

ملک محمد جاسی کے تلامذہ کی تعداد کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
 ان کے شاگردوں کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

ڈاکٹر راجندر چند نے ہندو فلسفہ پر اسلامی اثرات کی شاندار کتاب لکھی ہے۔
انجمن ترقی دینیات نے اسے شائع کیا ہے۔

اسلامی تصوف اور ہندوستانی دیوانت فلسفہ کا یہاں بھی انتقال ہوا۔
شاہ ولی اللہ دہلوی اور تہذیبی سرگوشہ میں سے ہندی شاعری کی کئی
کافی میں کچھ محکمہ ہندی اور فلسفہ و مذہب کی شری تعلقات میں
اور دو اہم اصل کوئی رہیں۔ ہندی شاعری کے پروردگار کی اسلامی
شعری نظموں میں ہندو تہذیب و فلسفہ کا غلبہ اور تعبیر حوالہ
کا یہ جو محکمہ ہوتا ہے۔ ہندی ادب میں کچھ محکمہ ہندو سماج اور دوسرے
پروردگار کی اسلامی ہونیا کی شاعری میں ہندو دیانت اور اسلامی
تصوف دونوں کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر
ظہیر الدین اعظمی کے حسب ذیل نظریے کو تسلیم کرنے میں ہرگز تاخیر نہ ہوگی
تصویر شاعری زیادہ تر فارسی کے خیالات سے متاثر تھی۔ اس کا
پورا ہندوستان کی سرزمین (ادام) آب و ہوا میں بار بار ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے ہندی ادب میں ہونیا شاعری نمایاں نہ ہو سکی۔
بدھ مت کے داخل ہونے سے بدھ مت کے شاعر شاہ سوری کے
حدود حکومت میں بھی گئی تھی۔ ڈاکٹر علی الدین قادری اور سید مہد
کاسن تصنیف شائع ہو کر گئے ہیں جو مسیحی طرح میں نہیں لگتی بحث
تھیں کے بعد ہندو رام چندر نے بدھ مت کے کاسن تصنیف
۹۲۳ھ میں بتایا ہے جو درست معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر اکیان چند جین
نے بھی یہی مسیح تسلیم کیا ہے۔

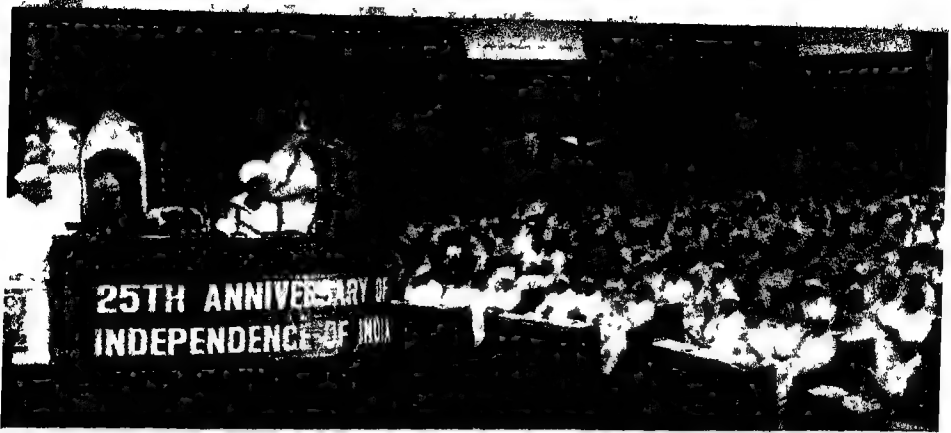
بدھ مت میں راجندر چند جین اور سنگھ پریک اور کھادی پریک
کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنگھ پریک

کی حسینہ راجا کی پریک کے پاس ایک عورت تھی جس کا نام
آجی تھا۔ اس نے ایک روز راجا کی پریک کے پاس گئے اور
برہمن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا۔ اس برہمن نے یہ دیکھا تو راجا کے
سین کے ساتھ زور دیا۔ ایک دن راجا کی پریک کی مالی مالک تھی
نے خوب براؤ سنگھ پریک اور طوطے سے اپنے حسن کی داد چاہی۔ طوطے نے
اپنی اصل مالک راجا کی پریک کے حسن کی تعریف کہہ کر راجا کی پریک
کے حسن سے آگاہ ہوا تو اس پر ناویدہ عاشق ہو گیا۔ طوطے کی رہنمائی
میں راجا کی پریک بھیس بدل کر سنگھ پریک سے مل گیا اور پریک کو سناہ لایا۔

اور وہی کے سلطان علاؤ الدین تھی جو کچھ عین ہندو نے
پریک کے حسن کا حال سنا کر پریک کو دیدہ کر دیا۔ سلطان ایک مرتبہ
میں پریک کی جھلک بھی دیکھ چکا تھا۔ سلطان نے جیل سے راجا کی پریک
کو تھوڑا کر دیا اور پریک کو تھوڑے کے ذریعے پھل چاہا مگر پریک نے
دھڑکی۔ راجا کی پریک کے زمانہ اسیر کے دوران دیو پال نے بھی پریک
کو اپنے چہرے میں گونا گونا پنا۔ پریک نے ہوشیاری سے راجا کی پریک سے
آواز دلا دیا۔ راجا کی پریک نے جو کچھ آواز دیا اس سے جنگ کی۔ اس
جنگ میں دیو پال مارا گیا لیکن راجا کی پریک نے دھڑکی سے ہار نہ ہو سکا۔
راجا کی پریک کی چھاتیں جب آگ لگی تھیں تو پریک نے اپنے شوہر اور محبوب کے
ساتھ تھی ہوئی۔ سلطان علاؤ الدین جب پتھر پھونکا تو وہاں سے
حسین و جیل پریک نے مل کر البتہ پریک کی بجائے راجا کا ڈھیر لایا۔

بدھ مت کی کہانی تمام تر تیشلی ہے۔ اس کے کردار اور واقعات
کے برہمن میں تصوف کے مساکی (مثلاً اور حج۔ لذت و میل۔ منظر
و غنائ کی راہ کی دشواریاں وغیرہ) بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی تیشلی

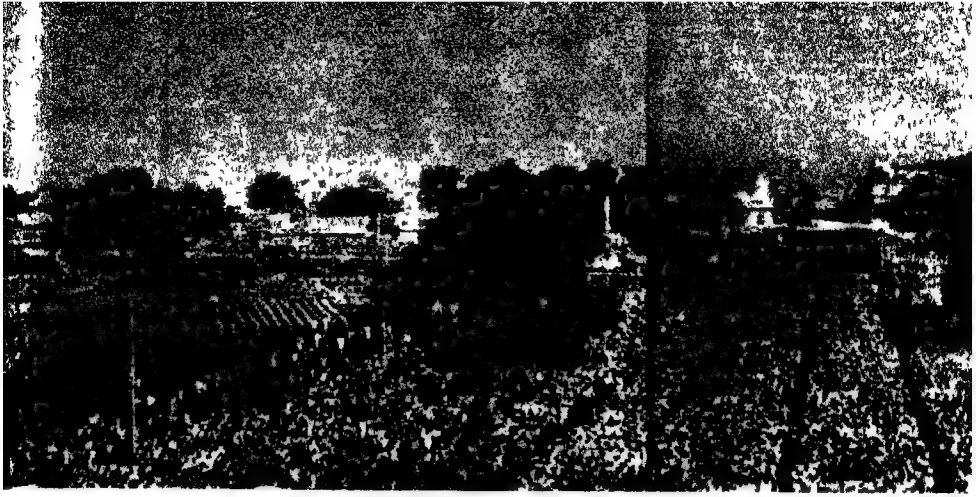
- ۱۔ اسے شارٹ ہسٹری آف دی انڈین سوسائٹی: ڈاکٹر ستار چند۔ ایک ٹرانسلیٹڈ (۱۹۶۳ء) میں ص ۱۶۱-۱۶۲۔
- ۲۔ ادو شتیا سہا کا ساماں میں منظر: ڈاکٹر سید امجد حسین۔ کاروان پبلشرز لاہور (۱۹۶۸ء) میں ص ۱۶۸-۱۶۹۔
- ۳۔ تاسیخ ادب ہندی: ڈاکٹر علی الدین اعظمی۔ شائع ہو کر دہ راجا لال (۱۹۶۳ء) میں ص ۵۶۔
- ۴۔ ہندوستانی لٹریچر: ڈاکٹر علی الدین قادری۔ نئی دہلی (۱۹۶۳ء) میں ص ۴۳۔
- ۵۔ ہندوستانی ادب کی تاریخ: ڈاکٹر محمد حسن (۱۹۶۳ء) میں ص ۴۳۔
- ۶۔ تھیں دیو: ڈاکٹر اکیان چند جین۔ (۱۹۶۳ء) میں ص ۲۲۳۔



آزادی کے ۲۵ سال مکمل ہونے پر ۱۴ اگست، متحدہ کوئی دہلی میں پارلیمنٹ کے مرکزی ہال میں جتو جتو ب مسعود ہونی سے وزیر اعظم شری اندرا گاندھی خطاب کر رہی ہیں۔ ڈائریسٹر صدر شری دمی۔ دی گوی 'نائب صدر شری جی۔ ایس یا ٹھک اور لوک بھاگے اسپیکر شری جی۔ ایس دھلون بیٹے ہیں



جنگ آزادی میں حصہ لے والوں
کے اعزاز میں ایک تقریب دہلی کے
لال قلعہ میں ۱۵ اگست ۱۹۷۱ کو
مسعود ہونی جس کا افتتاح صدر جمہوریہ
شری دمی۔ دی گوی نے کیا اہلیک
ہزار سے زیادہ جاہلین آزادی کو جو
اس موقع پر مدعو کیے گئے تھے وزیر اعظم
شری اندرا گاندھی نے نامہ شہر اعزاز
مند (دے) (سائیں) تصویر میں
وزیر اعظم ہونے کے شری گلاب سنگھ
کو نامہ شہریت کرتے ہوئے



دیر اعظم شہزادی اندرا گاندھی آزادی کی ۲۵ ویں سال گزہ کے موقع پر ۱۹ اگست سن ۱۹۷۰ء کو لال قلعہ دہلی

گورنر اتر پردیش شری شاستری کا ست دہائی ۱۱ اگست سن ۱۹۷۰ء





گودر اتریدیتیں تیری تیشی کاست
 دوا آزادی کی ۲۵ ویں سال گزرتا
 کے موقع پر ہمارا محنت سلسلہ کو
 راج بھون بھون میں پرچم کشائی کرتے
 ہوئے



ب کڑی ہیں

دھان بھون بھون کے دو دھان سجھا ہال میں مجلس قانون ساز کے اراکین کے
 کو خطاب کرتے ہوئے





دہلی میں آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کرنے والے اترپردیش کے مجاہدین آزادی و دیر اعظم سرسیتی اندرا گاندھی کے ساتھ

وزیر اعلیٰ سر کرپال سنگھ جی جی جی آزادی کا اس خصوصی تقریب میں نامزد ہوئے وہ ہیں جو دہلی میں بھون بھون سسٹم کے اگست سسٹم کو منعقد ہوئی تھی۔ نامزد حاصل کر کے دہلی میں بھون بھون کے ۱۱۶ سالہ مجاہد آزادی سر کرپال سنگھ جی جی جی آزادی کے سرپرست اور ماسٹر یواری شامل تھے



اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

اس وقت کے اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۰)
 نے کتاب خود میں مصنف، ابراہیم حلال شاہ ثانی، مرثیہ، ڈاکٹر نذیر احمد سرفراز کی پریس مکتوب دہلی ۱۳۵۵ء، ص ۲۰
 نے قلمی ادب جدید، گلبرگ الدین احمد، نام قارئین، الدہلی ۱۳۶۰ء، ص ۱۱۰

غزل

سید بجنوری

ڈال دی ہے غم الفتنے بناؤں کی طرح
ملن تھیکہ گراہو مجھے غناؤں کی طرح

ہر نفس محفل اسید سحائے رکھے
کس لیے زیت پود ویران سی راہوں کی طرح

میری خوبی تقدیر نہیں تو کیا ہے
بچہ ناڈ ہے گاہ نگاہوں کی طرح

شوق دیدار کی حد ہے کہ سر راہ گزر
منتظر بیٹھا ہوں میں چشم راہوں کی طرح

عشق خود دار کی یہ شان ہے اللہ اللہ
حسن مزور ملا خود بھی خواہوں کی طرح

گوشہ نشین بھی کہ گنگ نہیں لے دست
بلخ بل یعنی ہے یہ تیری نگاہوں کی طرح

ایک بے مہر ہے فریاد اثر کیا کرتی
بے اثر ہو گئی فریاد بھی آہوں کی طرح

دیکھ کر سیت بدلتا ہوا رنگ ماحول
منہ سے اشعار نکلتے ہیں کراہوں کی طرح

غزل

جیل صحا

خود کا پاس جنوں نے کیا کیا کیا

مگر کام جذب و فک سے لیا لیا نہ لیا

تھکے غلم و ستم ہی کی پڑہاری میں
مرغین عشق کا کیا ہے حیا حیا نہ حیا

لکھا تو ہے لی مضطر کا سال ڈر ڈر کے
جواب نامہ کا اس نے دیا دیا نہ دیا

جنون عشق بڑھانے لڑکھیں سے
تڑی بلا سے گریباں بیا بیا نہ بیا

دل شکستہ لے جا راہوں محفل میں
قبول اس نے یہ تحفہ کیا کیا کیا

ہلکے جھنکے پیکرے میں لے ساقی
گھسی نے جام اہل کا پیا پیا نہ پیا

تحریر سلام محبت میں احتیاط ہے شرط
سلام اس نے تمہارا لیا لیا نہ لیا

ملاقات

گرچہ چند دن

چار دن ہیں گزرائے نہیں کہ عاقبت کی خبر خدا جانے
ہیں اہل حسرتوں کے پیارے۔ روز کے شبے بیٹنے والے خدام نے
کتنی بچے کی بات کہی ہے میرا اور میں نے زندگی بھر کا تسلی
تاکم کرنے کی تمنا کی لیکن ایسا دھوسکا حالانکہ اس کی دادی مجھے
بے حد پسند کرتی تھی۔ ہم دونوں کو اکٹھے باتیں کرتے بچاے پیتے
اور ہمیں مذاق کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ دن سے
دن رات میری تفریق کیا کرتی تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ شروع شروع
میں جب وہ گاؤں سے سرلا کو آئے کوئی تو میرا دن کے ہاں خانا
بھی پسند نہ کرتی تھی۔ اسے تو اپنی فوای کی پاسبانی کرنا تھی لیکن
جب میں نے سرلا کو اپنے کاکھ میں داخلہ دیا اور کتا میں وغیرہ
مائل کرنے میں اس کی بھرپور مدد کی تو وہ میری مدد سے ہو گئی۔
صبح و شام مجھے دعائیں دیتی اور بات بات میں سرلا کو کھجور شہ
کرنے کے لیے کہتی۔ یہ بزرگ لوگ کہنے اچھے ہوتے ہیں۔ ان چاروں
کے بھی خواہ اور جان پہچان والوں پر مہربان ہو جاتے ہیں۔

لیکن دن کی والدہ کو سرلا سے میرا بڑھتا ہوا میل بولی
ایک آنکھ دیکھتا تھا۔ وہ سرلا کا دستہ اپنی برادری کے ایک لڑکے
سے کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ چھاری راہ میں کوئی بڑ کوئی بوڑھ
انکا دیتی۔ جب تک دادی وہاں رہی اس کی کوئی دال نہ لگی لیکن
جب دادی واپس گاؤں چلی گئی تو دن کی والدہ خود ہی سرلا کی
نگہبانی کرنے لگیں۔ وہ دن کے کان بھی میرے خلاف تھیں لیکن
سرلا مجھ سے اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ ہم ملاقات کے لیے کوئی

وہ سادوں کی ایک سیس شام تھی جب طبیعت آپ کی آب
سکوانے گنتی ہے۔

صبح آنکھ کھلتے ہی آسمان پر ٹپکتے ہوئے بادل نظر آئے جیسے
برفانی تپے روئی کی وردیاں پہنے غشت لگا رہے ہوں۔ ان
کے ڈرے سورج کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اوپر
سے قبل موسلا دھار بارش ہوتی جیسے شریز بگولے ہستارہا
آبشاروں کو حلقہ کرنے کا حکم دے دیا اور وہ ہر کے بعد آبشار
فضا کے ہم دوش رہے اور وہ دھان گئے دم بدم کا ساں بندھا
رہا۔ اب مطلع صاف ہو گیا تھا برفانی بچے کہیں اور چلے گئے تھے
اور سورج کی تیش اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔

اگر میں بچہ ہوتا تو پیر لائی کے برساتی تالاب میں نہانے نکل
جانا۔ لوکا ہوتا تو درختوں سے جامیں توڑتا بکا کھ کا طالب علم ہوتا
تو اپنے دوست دن کے یہاں جا کر اس کی کزن سرلا سے کہا بڑ
اور ملک کی سیاست پر باتیں کرتا اور اگر میں فوجان شوہر ہوتا
تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر پارک میں جاتا۔ لیکن میں تو ایک قد کا
ہوا اور ہمیں تھاجی ہی بے بسی کو شام کے مسمانے پن تے کچھ اور
میں بڑھاپا تھا۔ مجھے تو ماحول اور مزاج میں کھنڈ کرنا تھا چنانچہ
میں نے باہر بھاگنا جسے میری کھائی۔ یہی کو کچا سے نہانے کا
حکم دیا۔ یہ حالت کی اپنی محبوب جلد نکالی اور میرا جام سے راز دینا
کی باتیں کرنے لگا۔ ایک باقی پر تو وہ ہم کے رہ گئی۔
تھک رہا میں کہیں پریشاں نہ ہوں لیکن آسمانوں کے پیمانے

اس کے لیے میں کل ہی بیٹی ہماری چوں امید ہے تم مجھے رخصت کرنے آؤ گے۔

میں انھیں یادوں میں غرق تھا کہ میرے کندھے پر کبھی نہ ہاتھ رکھا۔ میں نے دکر دیکھا تو دن وہاں کھڑا تھا۔

”اماں کس طرح تم سمیٹے ہو کسی آسے کے کی خبر ہی نہیں؟“ اس نے ڈانٹ سی پلائی اور میں بدستور چپ بٹھا رہا۔ ”ابھی جانی نے بتایا کہ اچھے بھلے چاہے پی رہے تھے کہ یکایک اذیتنے لگے اور وہ یہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اٹھو ہوش میں آؤ۔ دیکھو موسم کس قدر سرد ہوتا ہے۔ جلوزرا گھونٹنے چلیں؟“ بدن نے مجھے تنہا ہونے ہوسے کہا۔

”یار بیس بیٹھو“ میں نے عاجزی چکی کہا ”تمہاری بھالی کو بھی جلاتے ہیں اور چاہے کا ایک اور دور چلاتے ہیں؟“ مجھے منظور نہیں۔ آج مجھے ضرور جانا ہے۔ دن نے کہا۔

”کہاں؟“ میں نے پوچھا۔

”جھوٹے چوک میں ایک یوگی راج آسے ہیں جن سے بچے ضرور ملنا ہے؟“

”کون یوگی راج؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”وہاں چل کر دیکھو۔ سنا ہے بڑے قیامت داں ہیں ہر مشکل کا حل بنا سکتے ہیں؟“ بدن نے اعتماد سے کہا۔

”تم پر کب مشکل آ پڑی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ارے ایک مقدمہ آیا ہے جس کے لیے بڑی بھاری رقم پیش کی گئی ہے۔ لیکن مقدمے میں زیادہ جان نہیں۔ پوچھنا ہے

کہ لوں یا نہ لوں۔ بھئی اپنی شہرت کا بھی تو خیال رکھنا ہوتا ہے؟“

”یاد رکھ لو کہ اسے وہی ہو مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔“

میں نے کہا۔

”دہی نہیں ہوں لیکن بگڑے سٹے کے سب بھلو دیکھو کہ

چلنے میں یقین رکھتا ہوں۔ اپنے مستقبل کو جاننے کی کوشش

دور اندیشی ہی تو ہے؟“

”یہ علم کس کام نہیں آتا؟“

نکھڑی تدبیر کر رہی لیتے تھے۔ جہاد افتخار تھا کہ ہم ایک دوسرے کے بہتر زندہ نہیں رہ سکتے اور خواہ کبھی بھی مخالفت ہو ہم ایک ساتھ زندگی بسر کرنے کا پیمانہ پورا کریں گے۔ دادی کا کٹاں سے سرلا کو جو بھی خطا تھی اس میں میرا در حال پہنچتی اور ہم سمجھتے تھے کہ دادی کی دعائیں ہماری ہر مشکل کو دور کر دیں گی۔ وہ کھاسے بگڑا ہے ابھی جاتی اور ہر بار مجھے جہادیتی ”تمہیں دیکھے بہت دن ہو گئے تھے اس لیے چلی آئی؟“

ہی۔ اسے کرنے کے بعد میں نے ایم۔ اسے کا امتحان دیا لیکن

فیل ہو گیا۔ سرلا بی۔ اسے میں فرسٹ ڈویژن نے کر کا سیاب ہوئی۔

دادی کا کٹاں سے ستر آئی اور ایک بڑا بھلا جش منایا گیا کئی دوست

بار بار مجھے مبارکبادوں سے مسرور ہو رہے تھے۔ مجھے اپنی ناکامی کا دکھ بھول

گئی تھا اور میں ان مبارکبادوں سے مسرور ہو رہا تھا۔ مجھے ایک

اور خوشی ہو رہی تھی کہ سرلا میرے ہی کالج میں ایم۔ اسے میں دھل

ہونے کا ارادہ کبھی نہ تھی۔ لیکن سچ میں اٹل خنٹوں کے پہلنے

— سرلا کا ایک برعکس دلچسپ کے لیے انتخاب ہو گیا اور دن کی

والدہ کے مجبور کرنے پر وہ امریکہ چلی گئی۔ اس کا انصاف دوسرا کا تھا

لیکن اس میں نہایت اچھی کامیابی پانے کے سبب اسے وہاں

پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا فلیڈ مل گیا اور وہ تین سال کے لیے

اور رک گئی۔ اس دوران میں والد پر میرے رشتے کے لیے تقاضے

ہونے لگے جو ہم کی نہ کسی طرح بھیلنے رہے لیکن والد کو ایک

بارٹ اٹیک ہو گیا جس کے بعد وہ ہر معاملے میں غلبت پسند ہو گئے

سب احباب و اقارب کے بھاننے پر میری ایک اور گھر میں شادی

ہو گئی۔

شادی کے ایک سال بعد میرے والد چلے بے۔ میں اسی دن سرلا

امریکے سے واپس لوٹی۔ آتے ہی اسے سب باتیں معلوم ہو گئیں۔ وہ

فوراً میرے ہاں آئی تو خوش فام کی جنازے میں شریک ہوئی۔ کئی

ہفتوں تک میسر سوگ میں شریک رہی۔ پھر ایک دن میرے ہاں

آئی اور بولی ”میں نے جہاد کی ہے کہ ساری عمر شادی نہیں کروں گی۔

کھواری رہ کر ہی پردہ فیر کر کے اپنے نئے منصب کو نبھاؤں گی۔“

وہی رات نے کبھی دھڑکی سے جھری پانی غوری پلائے
 جس کے کپڑے آدرا ہو چکی گرفت سے نکل رہے ہیں برہنہ شراب
 چوسنے والا ہے میرے کمر کی کالوں میں کامیابی ہو گی۔ نئی خوش فہمی
 ملے گی۔ طبیعت دگر بن ہو گی۔ دیر سے پھرتے کچن سے ٹاپ ہو گا
 ملاقات دوست کے گھر ہو گی جس کا نام م سے شروع ہوتا
 ہے۔ آپ کی ذات کے کسی کا جھلا ہو گا۔ کبھی بات پر اخراجات
 بڑھیں گے۔ لیکن راہ کا اثر دیر ہی طرح ختم نہیں ہوا۔ جلد ہی
 رکاوٹ بھی آ رہی ہے۔ ٹاپ ہو کر پھر جدائی ہونے کا ڈر ہے۔
 ”دیر سے پھرتے کچن سے ٹاپ ہو گا۔ یہ استارہ دل
 میں چکیاں لینے لگا۔ یہ سچ کون ہو سکتا ہے۔ مجھے جیوشش
 ششستر کوئی یقین نہیں تھا لیکن یہ سوال سیر بر سر اور ہو گیا۔
 بدن کی باتیں بیلو بدل بدل کر ذہن میں اترنے لگیں۔ پھر
 ایک اور سوال پیدا ہوا۔ اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ جاکا اس
 سے جدا ہوئے ستر سال ہو گئے ہیں اور وہ اگر مجھے معمول
 نہیں تھی ہو گی تو ٹھنڈے دمان سے سوچنے کے بعد بدلتا ضرور
 تھی ہو گی۔ اسی زندگی کے لیے کوئی پختہ راہ جن چلی ہو گی۔
 لیکن دھماکی تو کی تھی جوانی میں اسی راہ سے انکار کیا تو اب
 کیسے اسے اختیار کرے گی۔ میں سوچتا رہا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے
 کہ اس کے ذہن میں میری یاد پھر بیدار ہو گی ہونہر دلی میں
 کوئی جذبات کو کب تک داسکتا ہے اور اگر اس کی پائی ادب
 جذبات خود کو کسے ہیں تو میں ہی کس طرح پھول ہو سکتا ہوں۔
 لیکن وہ ملے گی کہاں۔ لوگی رات کے ارشاد کے مطابق تو اس
 کا تمام بدن ہی کا گھر ہو سکتا ہے اور وہ ابھی کہاں سکتی ہے
 میں بھی عجیب بدحوہوں ایک واضح اور صاف اشارہ بھی نہیں
 سمجھ سکتا۔ میں نے خود کو بہت کوسا۔ اور میرا وہاں جلد
 از جلد جانا بھی ضروری ہے۔ لوگی رات کے کہا ہے کہ اگلے پہنچنے
 اور چن پیدا ہو رہی ہے۔ اور میرے فراق میں جلتا ہو گا۔ میں تو
 پہلے ہی جلی کر دکھ ہو چکا ہوں۔ کیوں نہ اب اس سے نیچے
 کی تہ بیسہ کر دوں۔“

میرے غور کی ہو اگر سوچیں گی میں اس کی ہوس
 نہیں ہو سکتا۔ میرے دوست کا نام ہو گیا۔ یہ جھلا آتا تھا
 اب میں بھی پھرتے گئے۔
 کیا پوچھو گئے؟

میں نے کہ نصاریٰ قسمت میری کیا ہے کوئی نیاباں شروع
 ہو گیا نہیں۔
 ”پہرے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔“
 ”یار جوتو۔ اس نے مجھے ساتھ لے لیا۔

چھوٹے چوک میں ایک زینہ جڑھ کر ہم اوپر چلے گئے۔ لوگی
 راج گاؤں تک مجھے شیشے تھے۔ ماتھے پر تک کی تین دھاریاں
 تھیں۔ بدن اور سر سے شیشے تھے لیکن کندھوں پر دھوئی کا کنارہ
 پڑا ہوا تھا۔ آگے ایک چوکی رکھی تھی جس پر ایک پیلے رومال میں
 بہت سارے اورق کی ایک کھلی پوتھی رکھی تھی۔ ساتھ ہی ایک
 جنتری تھی۔

”دن نے آگے بڑھ کر اپنا مالد پوش کیا اور در تک اس
 سے باتیں کرتا رہا۔ لوگی راج بھی اس قدر بھروسے سے باتیں
 کر رہے تھے جیسے سب کچھ جانتے ہوں پھر دن نے میری
 طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میرے دوست ہیں۔“

لوگی راج بڑی دل چسپی اور شفقت سے میری طرف
 دیکھتے رہے۔

”ان کے بارے میں کچھ بتایا۔ دن نے درخواست کی۔
 لوگی راج سکراٹے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ انھوں نے
 مجھ سے پوچھا۔

میں چپ رہا۔
 ”آپ ہی بتائیے“ دن نے کہا۔

لوگی راج نے میرا نام اور تاریخ پیدائش پوچھی۔ پتی پوتھی
 کی طرف گردانی کی۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ماتھے
 پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ ”مقررہ چھلے۔“
 ہم دونوں دھان کی طرف متوجہ تھے۔

جو کڑی تھی

سنا دل کی دالہ سے سنا ہو گیا وہ دوسرے ایک سے
 آؤ۔ آؤ تھا تو کیاں انتظار ہو رہا ہے۔
 یہاں اس کے دل سے چلے بیٹھے ہوئے
 ہو گی رات کی پتیلی کی گس قدر سن لگی دھن ٹھیک ہی
 کہتا تھا۔ بڑا عیب دل ہے۔ میں دل بھول میں رہا ہے دعا میں
 دے رہا تھا ہم جتنی محبت میں رہتے تھے۔
 سامے چار پائی پروادی تھی تھی۔ پشت چار ہی طرف تھی
 دل ہی پاس ملتا تھا۔ اس کی والدہ نے پاس جا کر کہا۔ ملنے
 کے لیے کہہ رہی تھیں نا۔ یہ تو آگیا تھا راہیٹا
 میں نے بڑھ کر دادی کے پاؤں چھوے اور سرہ جھکا گئے
 اس کے پاس پہنچ گیا۔

میں فرماں خراں دل کے گھر پہنچا

پہلے تو داخل ہونے سے بھٹکا۔ پھر ذرا بہت باؤ کر لگا
 بڑھ گیا۔ دل میں کی سارے خیالات اٹھ آئے۔ اس سے معافی مانگوں
 گا میری وجہ سے اسے تنہائی اختیار کرنا پڑی۔ اس کے سکون
 کا کوئی حد نہ ہو گیا ہوا ہے۔ شک ہے ہم ایک گھر میں
 نہیں رہ سکتے۔ لیکن ایک شہر میں تو رہ سکتے ہیں۔ وہ بھی جوڑ
 کر رہاں چلی آئے۔ اس جیسی ماہر تعلیم کے لیے یہاں بیسیوں ماہیا
 مل سکتی ہیں۔ یہاں آجائے گی تو ایک دوسرے کو دیکھ لیا کریں گے
 کبھی کبھی مل لگا کر رہیں گے۔ قدر بڑے تادی تو نہ ہونے دی تھیں تدبیر
 سے ایک دوستی کا، غم گساری کا چارہ سازی کا خلق تو وہاں ہوتا ہے
 دل گھر میں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔
 میں ان کے بیدار دم میں چلا گیا۔ سراسر لائے اکثر ہمیں ملاقات



پدا ماوت تنقید کی روشنی میں — دھرم کا بقیہ

اور پتا پڑے۔
 اپنے انھیں محاسن کی بدولت دماوت جہاں پر برہمادی
 ہندی شاہی کی سبکچا اہم اور مقبول نظر ثابت ہوتی ہے وہاں ملک مختار
 جاکشی کو سندی ادب میں ایک بلند مقام عطا کرتی ہے۔

کی تصور کشی جانتی کی منظر نگاری کی اعلیٰ صلاحیتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔
 پر لحاظ بہتیت دماوت سات چوبائیوں کے بعد ایک دوسرے کی
 شکل رکھتی ہے۔ تلسی داس کی راہائی بھی اسی شکل میں تھی تھی ہے۔
 دیدماوت کی منظوم داستان مگر دتی اور مدھوماوتی سے زیادہ طبع راہ



نیا دور اپنے قارئین کے مفید شعروں
 کے لیے شکر گوشت

ڈاکٹر بی گوپال ریڈی
ترجمہ: عطیہ باو

اتر پردیش میں عوامی حکومت کا آغاز

ان کا جائزہ لینے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ عیناً سیاست میں یہ پہلا موقع تھا جب عوام کے منتخب نمائندوں کو حکومت میں شامل کیا گیا اور انھیں الگ الگ محکمے دیے گئے کیونکہ مجموعی کنٹرول برہمن گورنر کا تھا۔

انسان کی زندگی میں تو پچاس سال کی مدت طو لانی کہی جاسکتی ہے لیکن کسی ملک کی تاریخ میں نہیں پھر بھی ان پچاس برسوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ دسے دار حکومت کا آغاز پچیس فورڈ اصلاحات سے ہوا۔ ریاستی نظم و نسق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اداہم شعبے مثلاً قانون اور ضبط و نسق مال، مالیات، آبپاشی اور جنگلی ریزرو وغیرہ دسے کر اگر یکیشہ کو نسلوں کو سونپے گئے جو عوام کے منتخب نمائندے نہیں ہوتے تھے۔ لوکل سلفٹ گورنمنٹ سمیت تعلیم، زراعت وغیرہ کے محکمے "ٹرانسفرڈ" کیے جاتے تھے اور ان سیاسی لیڈروں کے حوالے کیے جاتے اور ان کا زمانہ کے جسے اس وقت ایس ایس کوئل کہتے تھے منتخب اور اکین ہوا کرتے تھے۔ نذرہ وضع اور ٹرانسفرڈ وٹھت کی تقسیم کے بعد ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ لیٹننٹ گورنر مارکوارٹ میلر نے سرحدوں کی سرحدوں کو صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کے پہلے گورنر کی حیثیت سے ملحق کیا۔ مہاجب محمود آباد اور سترلہ بھی پورے ملک میں ایس کوئس لیڈر کو شہر کی حیثیت سے ملحق دیا گیا۔ خری سی ہاؤس

اتر پردیش کی سیاسی اور انتخابی سنیٹری کی ہیئت اور کردار میں پچھلے کچھ دسے کے اندر بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ وہ علاقہ جو آج اتر پردیش کہلاتا ہے اس کا بیشتر حصہ سنہ ۱۸۵۷ء میں گال پرسی ڈنسی سے الگ کر لیا گیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں شمال مغربی صوبے کے نام سے اس علاقے پر شمال ایک یا صوبہ بنایا گیا اور اسے ایک لفٹننٹ گورنر کی اتھٹی میں دے دیا گیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں اودھ کے بارہ اضلاع اس شمال مغربی صوبے میں شامل کئے گئے۔ پچھلے پچیس برسوں میں ۶ صوبے کا ۱۲ مہل کر صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کھا گیا اور سنہ ۱۹۵۷ء میں دس ہند کی دسے اس کا نام اتر پردیش ہوا۔

اتر پردیش میں پہلی بار سرحدی سنہ ۱۹۲۱ء کو دو اکیشیہ کنسلروں اور دو وزرا کا نقشہ ریل میں آیا اور ساتھ ہی لفٹننٹ گورنر کو ترقی دے کر گورنر بنا دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء تک لفٹننٹ گورنر صوبے کا نظم و نسق پھر ایک کنسلروں و وزروں کے ہر محکمے کے کنسٹیبل کی مدد سے تھا۔ یہ تبدیلیاں ریاست کی آئین ترقی کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہوئیں جس میں حکومت کے عوامی کردار کی تشکیل اور بالمشدد کی کے بھرپور امکانات تھے پہلے گورنر اور ان کے آگے یکیشہ کو نسلروں و وزروں کی حلف برداری سرحدوں کی سرحد کو انجام پائی۔ وہ ایک یا دگا ر موقع تھا اور سچ ہم اسی یا دگا ر موقع کی یاد تازہ کرنے اور اس دوسرے میں ہم نے جو تر تیاں کی ہیں

لے ٹوپی میں گوری نظام کے پچاس سال "تقریبات کے امتداد کے موقع پر سرحدی سنہ ۱۹۵۷ء کو گورنر کی پان سو کی صاحبان

مقابلہ آج کے نقشہ سے کیے تو آپ دیکھیں گے کہ تقریباً ہر
 میں کسی قدر زیادہ تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ نکال کا زیادہ حصہ
 پاکستان میں چلا گیا ہے۔ سندھ ۱۹۳۶ء میں بھی بے ملک کو اپنی امداد
 میں مدد سے مختص سیر و مہاراشٹر اور گجرات میں ملا دیے گئے۔ مداس کے
 علاقے آرمیہ آدھوہہ میں تال ناڈو سیر و مہاراشٹر میں آگے ہیں۔ آرمیہ
 کو بارہ سالہ الگ کوڈ یا قانون آسام کا سب سے پہلے مشرقی پاکستان میں چلا گیا۔
 وسطی صوبہ (سی۔ پی) اور صوبہ برادر کے بھی ٹکڑے ہو گئے۔ چنانچہ ناچور
 اور امراد فی دوزین ہمارا مشرق کے حصے میں پڑے اور حبیل و
 مدھوہ پور میں کے حصے میں آئے۔ پنجاب کو بھی تقسیم کی وجہ سے بہت
 نقصان پہنچا۔ بعد میں اس کی مزید تقسیم ہوئی اور بہار اور پنجاب
 کے صوبے بنے۔ بہر حال بعض رجحانات کے خلاف شیلڈ اور کوہر تحصیل
 پنجاب کے حصے میں آئے۔ اتر پردیش الیہ تقریباً یوں کاٹا رہا۔
 اس سے کوئی علاقہ نکلا نہیں گیا بلکہ اس کے چھکس آزادی کے
 بعد باقی دہلی ریاستوں کے ہندوستان میں ضم ہونے کے نتیجے
 میں کچھ علاقہ ہو۔ بی میں شامل ہی ہوا۔ شیلڈ پوری ریاست رامپور
 اتر پردیش میں شامل کی گئی۔ اسی طرح ٹری۔ گوڑھوال کی ریاست میں
 ضم ہوئی اور ریاست بنارس کا علاقہ بھی بی۔ پی کے ضلع بنارس
 "اب داراشمی کے نام سے موسوم ہے" میں شامل کیا گیا۔
 ۱۹۶۱ء میں اتر پردیش میں کل ۸۸ ضلع تھے اور اب ۵۵ ضلع
 ہیں۔ ان میں دوہریا، رامپور، ٹری، گوڑھوال، پتھو را گڑھ، جوی
 اور اترکاشی نئے اضلاع ہیں۔ دوہریا پہلے گوڑھوال ضلع میں شامل
 تھا لیکن ۱۹۴۶ء میں اسے گوڑھوال سے نکال کر علاحدہ ضلع بنا دیا
 گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ ضلع گوڑھوال اپنی وسعت کے
 باعث انتظامی نقطہ نظر سے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ حیدر
 گوڑھوال اور دوہریا کی علاقہ کی سے قبل گوڑھوال ہندوستان کا سب سے
 زیادہ گنجان آباد ضلع مشرق تھا۔ ملک کی نشانی سرحدوں کو محفوظ
 مستحکم بنانے کے مقصد سے الوڑہ، پوربی، گوڑھوال اور ٹری کو
 ضلعوں کا کٹ کے پتھو را گڑھ، جوی اور اترکاشی کے نئے ضلع

لے مشرقی پاکستان سے ملا دیے جاب آڈو جگہ دیش بن چکا ہے۔ اب آزاد ہندوستان کے علاقے ہیں

جسے ملے۔ ان میں مشرقی بھارت اور اترکاشی کے علاقے
 ۱۹۶۹ء میں چھوٹی مشرقی بھارت کے علاقے
 کی کو تقسیم ہوئی اور گواٹال اور گواٹال کے دونوں علاقے
 اترکاشی میں بنائے گئے۔ ان کے علاوہ دیگر علاقے
 میں پوربی گواٹال اور گواٹال کے علاقے
 حبیب سربراہ کوٹ شیلڈ۔ بی۔ پی کے کوہر پور سے کوہر
 بیشتر انگریز افسران رکھے جاتے تھے۔ ان میں سون شری رام
 اور انڈین پولیس میں ہندوستانی فعال فعال تھے۔ حق کوہر
 اور جگو آب پاشی میں بھی انگریز افسروں کی تعداد بہت زیادہ
 مین کالجوں میں پولیس بھی انگریز ہی تھے۔ سکریٹری میں قاضی
 آئی سی۔ ایس افسروں کی بھاری اکثریت تھی۔ کچھ بھارتی افسران
 نہیں ہے بلکہ تمام بڑے بڑے ہندوستانی فوجی
 ہمارے عمارت سے بڑے بڑے منصوبے خواہ آب پاشی سے
 متعلق ہوں یا بجلی سے خود ہمارے اختیار تیار کرتے اور نیا پتھو
 تک پہنچاتے ہیں۔ ہندوستانی افسروں نے ہانوم اپنے آپ کو
 ہر طرح کی ذہنی داریوں کا اہل ثابت کیا ہے اور ہمیں انگریزوں کے
 ملے جاتے تھے کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں بھی
 میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کے باعث ہندوستانی
 افسروں کو ذمہ داریاں اٹھانے اور تجربہ حاصل کرنے کے بہترین
 مواقع حاصل ہو رہے ہیں۔
 سربراہ کوٹ شیلڈ کوئی دل کشی سے اس قدر سمجھ چکے اور
 سیاسی اہلی نے انھیں اپنی جانب اتار لیجئے گا۔ انھوں نے اپنے
 دارالحکومت ان آباد سے رفتہ رفتہ کوہر ضلع کو دیا۔ اپنی اپنی گورنر
 ان کے حکومت اور اہلیان فوجی ساز گشت میں ہیں۔ ان کے
 ہندوستانی گورنر ان کے گورنر جنرل کو دفتر میں ایک سربراہ
 اور ان کے دفتر میں دیگر اہلیان فوجی ساز گشت میں ہیں۔ ان کے
 کے بھی ہندوستانی فوجی ساز گشت میں ہیں۔ ان کے
 یہ ہے ۱۹۶۱ء میں ہندوستان کے تمام علاقے

۱۹۶۹ء

۱۹۶۹ء

آندہی کا گیت

دی کے جہیں

لے مرے پیارے وطن ہم بے ضرر بندے تھے
سرنگوں ہیں تیسے آگے بے خطر بندے تھے
بندگی تیری ہمارا دین بھی ایساں بھی
تیسے آگے سر بسجود جسم بھی ہے جان بھی
ہم بجا رہی ہیں ترے کہنے ہیں تجھ سے عاجزی
خاک میں تیری نو، روئیدگی، بالیدگی
ہے جمن اندر جمن تیری خستیں آغوش میں
دھل رہے ہیں تجھت۔ تیری وادی خاموش ہیں
جان کتنی قیمتی ہے، کتنی پیاری زندگی
روپ کتنے ہی بدلتی ہے ہماری زندگی
جان تیری شان ہے، ہم شان لے سکے نہیں
جان دے سکے ہیں، لیکن جان لے سکے نہیں
ارتقا کا راز پنہاں ہے ترے ذات میں
معرفت ہے ذرا فضاں صرف تیری ذات میں
آج ہے جشن ہمارا اے مے پیارے وطن
جاگ اٹھے ہیں دل کے ارماں لے کے پیالے وطن
سر بلند سے تری، ہم شادماں ہیں کس قدر
تیری آزاد دی سے خوش بریجواں ہیں کس قدر
اے مرے پیارے وطن، مٹی تری اکیر ہے
تو، ہمارا زندگی کے خواب کی تعبیر ہے
بخت کی خوش آخری سے ہم کو سب کچھ مل گیا
ذوق دل کی دہسبوری سے ہم کو سب کچھ مل گیا

تقسیم ہوئے گل

حمید الماس

اپنے لہو سے سنج کے گلشن سجائیں گے
گلابائے رنگ رنج کی ذوق پڑھائیں گے
کہتے ہیں یوں تو خدا بھی ہیں پاسبان گل
اجھا ہے خار زار سے امن بچائیں ہم
تعبیر ہوئے گل ہوسدا وصف باغیاں
دیوار انگستاں کی نہ ہرگز پڑھائیں ہم
ہندوستان کی روح میں شاخ ہر صبر مضبوط
دل کو جنوں کی آگ میں کیسے جلائیں ہم
مخفی میں جذب و کیف کا اک سلسلہ ہے
دل جہاں سے شاد ہو وہی نئے مٹائیں ہم
ساہے برساہے نکر و عمل ساتھ ساتھ ہوں
اس منزل حیات کا رستہ دکھائیں ہم
دیکھیں ہر ایک چہرہ کا چہرہ کی آنکھ سے
دہم و گماں کو دل میں نہ ہرگز سامنے ہم
یشمی ہے انتظار میں فرار کی ناز ہیں
آؤ شب دواز کا پردہ اٹھائیں ہم
ٹوٹے کنبھی نہ سلسلہ دکھائیں ہم
الماس یہ ہنر بھی جہاں دکھائیں ہم

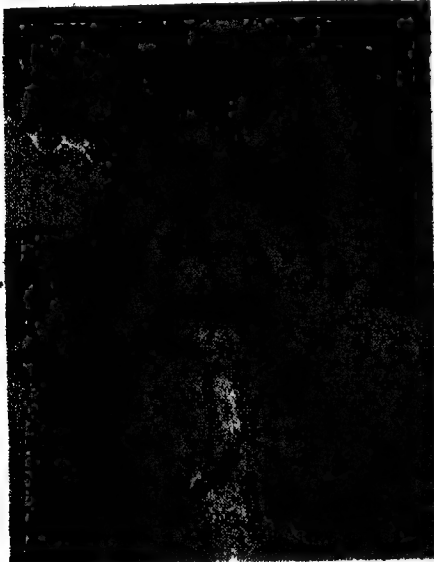
شری اردوند کا مرتبہ سماجی نظام

کی پت جوشی

(شری اردوند کی صدر الہیہ دانش کی تقریب ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو تھی۔ بائیں کے ساتھ موصول ہونے کے باعث چھ مضمون آگے کے شمارے میں شامل رہیں گے۔ اب اسے شائع کیا جا رہا ہے۔)

(ایڈیٹور)

بربادی کے خطرے سے نکلنے کے لیے شری اردوند کے ساتھ ہونے والی روحانی انقلاب کا سہارا لینے کے علاوہ اور کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔



شری اردوند کے خیال کے مطابق اس منطقی دہائی میں کس معیار پر جوتی سماجی جمہوریت، سوشلزم یا سرکاری کمونزم اور نراج کے بڑھتے ہوئے سماج

دور جدید کو غیر معمولی تیز رفتاری سے انقلابات کا دور کہا جاتا ہے۔ شری اردوند اسی دور جدید کے صفت اول کے رہنما ہیں۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی بنی نوع انسان کے انہی تیز رفتاری سے کمال کو اس کو ہی پہنچ کر تک پہنچانے میں گزاری ہے۔ ان کی قوت کا سرچشمہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ شری اردوند نے اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تمام تکنیکی پیش قدمیاں، فنیاتی، فزیکل، دینی، اور اخلاقی سے حاصل کر لیا۔

شری اردوند نے انسانی تاریخ کی موجودہ حالت کو منطقی دہائی کہا ہے۔ منطقی اپنے اصولوں اور نظریات کے ذریعے طرح طرح کے تجربات کوئی جو اور کچھ پہنچائی پہنچانے کے بعد کچھ خود کو مجبور اور ہیرو تسلیم کرتی ہے۔ یعنی وہ کچھ نہیں ہے۔ منطقی انسان کی فطرت کے لیے کوشاں ہونے کے باوجود ابھی تک حیات انسانی کو صحت بخشی بنانے اور اس کو بے حقیقت اور کہا یہ سنا دینے میں کامیاب ہوئی ہے اور اس کے سامنے یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ انسان بالآخر مختار ہے یا مجبور؟

موجودہ بحر ان

پہلے دو گھنٹے میں تصانیف دی آئیڈیل آف ہومینٹیٹی اور دی ہومین سائیکل میں شری اردوند نے موجودہ بحر ان کی مناسبت میں ماحول اور انداز میں بصیرت افزا شرح کی ہے۔ آج جو کہ ہم اپنے ہی پیچیدہ مرحلے سے گزر رہے ہیں ان میں جو صورتحال برآمد تفصیل سے لکھ کر ناچاہتا ہوں۔ میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ انسانی ضرورت ہے کہ خود کو موجودہ بحر ان سے تباہی لاد

ہے کہ ایک انجیل کے لیے تیار ہونے والی تاریخ شاید ہے کہ یہ دونوں خطیں دو سال میں لکھی گئیں، ایک وقت دوسری نہیں ہو پائیں یہی صورت حال غلطی کی ہمارے تمام کتابوں کا اصل سبب ہے۔

لیکن یہی باتیں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مذکورہ مقصد غرضی حاصل نہیں ہو سکا تو مستقبل میں بھی نہیں ہو سکے گا اب ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ اصل انجیل جس میں مقصد کا جائزہ نہیں جس کے کوشش اور وہ پانچ پچھتر گئے اندازوں نے وہ سادہ ہائی کی میں معلوم ہو گا کہ ان دونوں سالوں میں مال بیل پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ انھوں نے جو طاقت حاصل کی جس باوقی عظمت قوت کو وہ زمین پر اتر گئے، وہ درحقیقت پہلی بار وہی شہر ہو گا تو یہی ہے۔ اب اگر وہ سال ہی شری اور دناٹریشنل سفر کے تعلیمی مرکز شائع ہونے والے بیٹن میں ہیں، مانی کا یہ اعلان پڑھنے کے لگا کہ کام مکمل ہو گیا، کام مکمل ہو گیا، لیکن کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی اس انکو قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تمام عالم انسانی یا کہ اسے کہ عبادت تہجد عیوہ دہائی بحران کی حالت میں ہے اور ہر طرح صل کو جاننے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ لوگ 'ازم' کے جگر میں الجھا گئے ہیں اور وہ جانتا چاہتے ہیں کہ کیا ان 'ازم' کے علاوہ بھی کوئی شرب اور بچاؤ ہے۔

شرعی اور دنیا کا طریقہ کار

اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انانیت پوری طرح تیار ہے۔ اب بھی بالکل بے بردا ہے، اب بھی بھوت اور مغر و ضاعت کی پستیوں میں کھوئی ہوئی ہے۔ اندیشہ بھی ممکن ہے کہ انہی ہی بات کے پردے میں صبح نوکا جلوس نمودار ہونے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایک نئی کوشش سے اس نئی صبح کے سورج کے رُخ پر چھا ہو مغلطائے اتر جائے اور اس کی تابانی بھوت پڑے جہاں تک میں گھٹا ہوں اس قسم کی کوشش ہی شری اور دنا کے طریقہ کار کا مقصد رہتا ہے۔ میں ممکن ہے کہ بھلائی پلاسن روحانی صل کا

انجیل کا جو سبب ہے۔ عظیم روحانیت، عبادت کی وراثت دہی ہے اور عبادت کے امتحان کے خواہر اصل میں انجیل کا کچھ نہیں دیکھا ہے ہم پر امید ہیں کہ اس جنگی صورت حال میں بھی بھلائی نام نہا نہیں ہوگا۔ ایک نئی روحانی تہذیب نے اوصاف سے ظاہر آنے والے وقت کا مطالبہ میں مستقبل کو ان کی ضرورت ہے۔ ان نے اوصاف کی تلاش کی گونا گونا گوں انھیں نے اوصاف کو فروغ دینا ہے۔ مستقبل کے قارئین کا ذکر کرتے ہوئے تہذیب اور دنا نے ہیں آئیں یہی کتاب دی ہیوسن سائیکل میں لکھی ہیں۔ میرے خیال میں یہ شریک ہمارے لیے اس سلسلے میں معادن ہوگی کہ جو وہ یہ تو کھجپ، کئی خطوط پر مضمون کے جائیں۔ شری اور دنا کے ہیں مستقبل کی تہذیبیں معادن ہونے والے افراد وہ ہوں گے جو دنیا ارتقا کا اپنی تقدیر سمجھیں گے اور اس لیے اس کو انانیت کی اخذ ضرورت مانیں گے۔ وہ اس طرح کا فروغ دیاں ان کے لیے مدد ضروری تصور کریں گے۔ وہ خاص طور سے سوچنے کی غلطی نہیں کریں گے کہ یہ روحانی تغیریں اور خارجی اداروں کے اثرات میں لوٹ ہو سکتا ہے۔ وہ مشرق کے اس داخل طرز فکر کو بتائیں گے جو وہ اس کی تقدیر اور اس میں پوشیدہ بھلائی کے دائرہ کو جاننے کی تحریک پیدا کرنا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس ات کو بھی مختلف شکل میں قبول کریں گے کہ عمری طرز زندگی میں سب ہی کے لیے زندگی اور علم کی اہمیت ہے۔ وہ اس اصول میں یقین نہیں کریں گے کہ زیادہ تر لوگ یقیناً زندگی کی یہی سطح پر ہی رہیں اور صرف تھوڑے سے لوگ زندگی کی آزاد ہو اور روشی سے لطف اندوز ہوں، بلکہ وہ ان عظیم روحانی شخصیتوں کے نقطہ نظر سے آغاز کریں گے جنہوں نے دوسرے زمین پر زندگی کو حیات دے سنا دیا ہے۔

۱۔ اسے قادر مطلق اسے ابدی حقیقت!

۲۔ ہمیں ایسی اطاعت کرنے کی صلاحیت عطا فرما اور پچھلیوں پر لپٹنے کی قوت ہے!

۳۔ جیسے جیسے



غزل

ویدو رما داز

میں تنہائی میں خود سے پوچھتا ہوں
خدا ہوں نا خدا ہوں بول کیا ہوں
چن سے یوں نہ خالی ہاتھ جاؤ
ادھر آؤ میں خوشبو ہانپتا ہوں
مسلزل زندگی ہے نام میرا
لہو بن کر رگوں میں دوڑتا ہوں
مذاق عشق ہے میرا مقدر
ہمیشہ وار پر چڑھتا رہا ہوں
یہ سب دیکھے ہوئے چہرے ہیں میرے
میں ان سب کی حقیقت جانتا ہوں
لیے پتھر نظر آتے ہیں اپنے
میں کیسے موڑ پر اب آگیا ہوں
جہاں تک ہے مقید فکر تیری
میں اُس دُنیا سے آگے بڑھ گیا ہوں
مجھے بدنام کرنا ہے تو کر لے
مگر یہ سوچ تیرا آئندہ ہوں
نظر آتے ہو اکثر سرائے تم ہی
جب اپنے دل کے اندر جھانکتا ہوں

غزل

احتراماً سلاماً شک

فسردہ غنچہ و گل ہیں صبا پریشاں ہے
یہ کس کے سوگ میں ڈوبا ہوا گلستاں ہے
سبھی پہ اس کی نظر ہے گرد جانے کیوں
زمانہ میرے مقدر پہ اتنا حیراں ہے
مجھے زمانہ کی تار کیوں کا غم کیا ہوا
چراغ عشق مرے قلب میں فروزاں ہے
ترا جمال مبارک سے رہے مجھے ہمدم
مجھے خلوص کی چاہت وفا کا ارماں ہے
غم حیات کو ہنس ہنس کے ٹال دیتا ہوں
مرا نصیب مرے وصلوں پہ حیراں ہے
خود اپنے واسطے مینے کو سب ہی جیتے ہیں
جیسے جو اوروں کی خاطر عظیم انساں ہے
تمام رنج و غم دل کا راز دار ہے اشک
وہ ایک قطرہ جو نوکِ شرہ پہ لڑاں ہے

برکت کا آخری بل چھوڑ کر ایک سا قدر باکت چھو جائے۔ مفتی
 اہل حق سے سادہ رنگہ کر چکی تھی بے نور انھیں صبح پر دھڑا کر دیا
 تھے تین دو آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں، ساتھ ہی پھیلنے لگی
 چادر برفلف سے بھر پڑے جانے یہاں تک کہ چادر کی سطح سکون چھٹ گئی۔
 تھوڑی دیر بعد وہ چادر کے چاروں پہلو بڑھ کر اعضاء سے بیٹھا،
 اس میں سے سکے اس طرح سے ٹٹول کر نکالے گئے، ہی جیروال سے
 پھلیاں پکڑ کر باہر نکلتا اور اپنی تھول میں رکھتا جاتا ہے۔ جب وہ
 اس کام سے فراغت پاتا تو چادر کو ہاتھ لگا کر دوبارہ اسے کانٹے پر
 ہی جگہ پہنچا دیتا تھا اس سے وہ اتاری گئی تھی۔ سکون کو نہ دے
 نکلے ہوئے چھوئے چھوئے میں ڈال کر وہ سارا اٹھاتا اور بچے تلے
 قدروں سے ابھی کسی ہمدردی کو دیکھتا کو اپنی خست بدل لیا کرتا۔
 دن بھر میں وہ مختلف جگہیں دلتا اور جب سر پہرہ ڈھلتی تو
 وہ گھر کی راہ لیتا۔ یہاں اس کا روز کا معمول تھا۔

شروع شروع میں جب وہ گاؤں سے شہر آنے لگا تو
 جانے لگا تھا تو اسے دوسروں کے سہارے کی محتاجی ہوتی کہوں کہ
 اس کے بغیر وہ ان نامانوس راہوں پر ایک تپ نہ چل سکتا
 اس وقت لاشوں میں خواہ سیدہ اس کی خواہش سیدہ جوانی
 ککاش اس کی آنکھوں میں دھندلی کوئی ایسی کرن چلائی کہ وہ دوسروں کے
 رحوں کو کم سے بدیاد ہو کر اپنی راہ خود لے کر آیا کرے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے
 چلی ہوئی لامتناہی عمارت، یہ لاشوں کے کراں اندھیرے

گروں کے لاشوں میں جس تپانے کوئی نہ دیکھ سکتی تھی اس کی قوت
 میں قدرت نے اسے پوشی کی کوئی کنز نہ دکھائی البتہ اس کی قوت
 جس میں ضرور اضافہ کر دیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس طرح
 وہ اپنے گاؤں کی گلیوں اور راستوں سے واقف تھا اور ملا سکتی
 سہاگے کے پہلوں پہنچا چلا جاتا، سخی کا گاؤں کا گھر گھر اس کے ذہن میں
 محفوظ تھا اور جب جس کے براں چاہتا، بے تکلف چلا جاتا، ٹھیک
 ہی طرح وہ شہر بھی نہیں کسی کے سہارے کے آنے جانے لگا تھا۔
 لاؤ اس سے کہ شہر کا پتا، اسے اس کے قدموں تلے اس طرح
 محفوظ ہو گیا تھا جیسے اس کا ایک ایک ذہ اس سے لائوس ہو گیا

فن کار کا نذرانہ

اخلاق حسین عارف

روز صبح ضروریات سے ظہرانہ ہو کر وہ اپنے گھر سے
 تلے قدموں سے چل کر، جو اس راہ پر چلتے چلتے اس قدر بھگتے
 تھے کہ بھول کر گناہ بھی نہ تھا، شہر آ جاتا اور شاہراہ کے قریب
 کسی گوشہ میں بیٹھ کر زرد ملتا، پھر اپنے مشکلی طوف متوجہ ہو جاتا۔

یہاں اس کا روز کا معمول تھا۔ اور یہی تھا اس کا روزیہ معاش۔
 گلی بھی تو آ کر جیسے ہی وہ بیٹھا اور ٹھیک طرح سے دم
 مٹی نہ لینے پاتا کہ ان لوگوں میں سے جو سامی قریب میں اس کی
 منہ مٹی سے لطف اندوز ہو چکے تھے، کوئی سوال کر بیٹھا،
 "مفتی۔ آج کچھ سنناؤ گے نہیں؟"

"ضرور سنناؤں گا۔ آیا ہی اکیلیے ہیں؟"

"تو چھوڑناؤ۔"

"ادھر لکھا سوال کر بیٹھا" کیا سنناؤں۔"

"وہی، جزیروے کی بری والا گت۔"

اور سچی کے لبوں پر خفیت کی سسکاہٹ دیکھ جاتی جس مقام
 وہ بیٹھا ہوتا، کانٹے سے اتار کر وہاں سارے اپنی گلی چادر چھبلا
 دیتا۔ اس کے ایک گوشہ پر بیٹھ جاتا۔ دوسرے کانٹے سے سارا اتار
 کرتا۔ اس کو ترش کرتا اور فراموشی گت کی دل نواز دھنیں لگاتا
 پھر اس کی انگلیاں سادہ پر سرک جاتی۔ ادھر ساڑی کے حماد
 سبک دھن کے ساتھ نوز فضا میں کوئی اور گت میں بت درج
 اضافہ پڑتا چلا جاتا۔ ٹھیک اس کا نذرہ سننے کے لیے اور قریب
 سٹھ تھکے بغیر نہ کیا گت ان ہل دھن پر عورت کا عالم ملا ہی چھا جاتا۔
 گلی پر سبک ہی کیفیت رہتی، یہاں تک سادہ پر مکت اور بچوں

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين

1. Examine the following

”جی ہاں، گھر ہی چار رہا ہوں۔ حدت رات ہو جائے گی۔“
 ”نہیں نہیں، ابھی کافی دن ہے۔ تم چند گھنٹہ تو میرا ساتھ لگو گی پلو۔
 اور وہیں تم لوگ اساتیر کے اور تیشہ کش رہیں گے۔“

”ابھی، بچے اور بڑی میٹھا، جو میو رک کاٹے میں پڑھاتی ہیں۔
آپ کل جوشوں میں آئی ہوئی ہیں۔“

یہ کہہ کر اس کا نام سننے سے ہی اسے اپنے فون کی غلٹی کا احساس ہوا۔ وہ دلا:

”ضرور جیلوں کا..... کتنی دور جیلوں کا گھر!“

”اے کیا دماغ نے ہاتھ پر پتلی کو ٹٹھی ہے۔ یہاں سے کوئی چار پانچ سو قدم پہنچے۔“

”وہ اپنی پرستش مجھے اسی جگہ لکھ چھوڑ دی ہے نا، یہاں میں گاؤں کے راستے سے نہ ہٹک جاؤں؟“

”مجموعہ تھیں بڑیاکی موٹر میں گاؤں پہنچا دیں گے۔ ہمارا یہاں دو موٹر ہیں، ایک صاحب کی، دوسری بڑی بڑیاکی“

”موتی ساری کے خیال سے شرت کی لہریں کے چہرے مقدس تھی۔ وہ بولا۔
 ”اچھا چلے جائے!“

دووں ساتھ ساتھ چلتے ہائیں کرے پسلی کو مٹی پیسے کے،
اندر سے جا کر اسے مٹے نرم تالین پر دھڑکے بیٹھا دیا گیا جو بڑے
کمرے میں کھانا کھاتے اور مسٹر کے چار دیواریں تھیں۔

کے لیے یہ بھی ہوا تھا اور جس کے چاروں طرف میری سہولت
 لگے ہوئے تھے اور اسٹیشن کی ہر سہری چیز میں قریشی سے
 کچھ بڑا شخص، بڑھو گوار، فاساں سے تھے، کی جھلک دیکھ کر خالوات

اس کے ساتھ ہی چکر لگنے لگے۔ وہ بھی اسی خیال میں تھی کہ
ایک سڑک آواز اس کے کانوں میں گئی، اسی نذرہ کی سیسہ جڑ ادا

[illegible]

آپ کی زندگی کا یہ دور ہے.....

[Illegible handwritten signature]

[illegible]

حسن نظر

[نیا دودو بابہ اگست ۱۹۵۴ء (آزادی ہند) کے بارے میں قارئین نیا دودو سے
حسن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان میں چند اصح ذیل ہیں — (ایڈیٹر)]

شوکت پریمی
نیا دودو کو ٹھہر کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ آپ بھی عجب ہیں اور ادیب
کی خواہشیں قدرت کر رہے ہیں وہ نہ صرف لائق تامل ہے بلکہ ادیب
کے لیے باعث فخر ہے۔ بلاشبہ اردو ادب میں نیا دودو کو ایک ممتاز مقام
مائل ہے اور یہ نیا دودو کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

انظر انسر
آزادی کی ایک سو برس سال گرہ کا ایسی شہر نیا دودو لا۔ آزاد دلی ہے
نظمیں اور تصاویر جو ہر بھائی میں آزادی اور اردو و شاعری، آزاد
میں تحقیق، ضبط و مصلحتات، اور دلی آزاد کی کہیں سال
لا جواب ہیں۔ اس قدر کہ میں ایسے شاعرانہ خبر کے رجوع پر میری بہت
سے دلی مبارک باوقر ہو کر لیجئے۔

جگیشور ناتھ متا
آپ کا خاص میر تقی میر، دیگر اشاعتیں پر توجہ دے کر
خاصا کا سبب ہے۔ مبارک!

بی بی بیگم
جزیرہ کرٹی یا ایک لائبریری ہو یا کتب خانہ
آزادی نے جو حسن و خوبی سے شائع ہوا، وہ اب کی اپنی اپنی
اور علمی محسوس کا رنگ نکلتا ہے۔ آپ کی کامرانی اور دنیا و سماج کی حیات
و دھام کی نیک خواہشات عرض ہیں۔ انہی جانب سے لائبریری کے ممبران اور
قارئین کی جانب سے شکریہ اور مبارک باد پیش ہے۔

حسن منظور صاحب
نیا دودو کا آبشیر بہر شکر ۱۵ اگست کو بلا جس سے ہمارا گیت
کی خوشیاں دلا بلا لائبریری، واقعی ایک نئی خوبصورتی پر چرنا کے شاعر
کی طبیعت خوش ہوئی۔ غالب اس کے لیے نیا دودو کا ایک خاص شاعر
خوبصورت شاعر ہیں جو میری طرف سے تبریک میری کے لیے ہے۔
کی طرف سے تبریک مبارک باد لائبریری کے لیے ہے۔

ہر فیصلہ داروں خالص قہروانی
نیا دودو کا آزادی سر بلا۔ خوب صورتی اور خوب سیرتی دونوں میں یکسا
ہے۔ مضامین کے تنوع، مضامین نگاروں کی شخصیت اور حیثیت، اس کے
کی شخصیات اور ادارت کی یکساں ریب دل کی کشش کا باعث ہیں۔ جس
ایک چیز پر ہے جو مجھے سب سے پرانے سال تا آخر کے لیے وقت کا باعث ہو گی
اور وہ رنگین طباعت ہے۔

عزیز مسلمان
آپ کا اگست کا شمار سب سے قابل رشک ہوتا ہے اور اس بارے
مجھے بھائیوں اور نکلے مات آپ سے بچ کر ڈالے۔ ہر محفل سے آزادی کی
پچیسویں سال گرہ کی شان کے خیال ہے۔ اگر پریش میں اس اچھے شاعر
کو دیکھ کر اور وہ میری حکومت کو بڑی خوشی ہوئی۔

سائمن نظامی
خاص بہر بلا، شکر، ہدایت شان دار ہے۔ مطالعہ کے بعد اسے
بھی دوں گا۔

نصیر واحدی
آزادی نے آپ کی محنت، خلوص اور کمالی سلیقہ مندی کا آئینہ
ظہور رضوی
اس طبع و اس محنت کی افادیت، تزیین کی ہے بنا ہلکتا
اور مضامین و مضامین میں نئی صلاحیت اور ادبی وسعت لائق فخر کا
ہیں۔ بلاشبہ سب آپ کے ذوق و طبع اور کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔ یقیناً
دانی ہے کہ یہ ادبی شاہکار و مصروف آزادی کے کس سال پر منعقد ہو گا
کی بانی سے دانی باادگار شاعر ہو گا کہ اس دور کے ادبی جائزوں کے مصنف
گراں قدر شاعر کا سب سے بڑا اور نیا دودو آپ کی ادارت اور نگرانی میں
ہوئی ہی تھی کی بلند ترین حد تک پہنچ کر علم و ادب کے لیے سرمایہ اقتدار
سے تھا۔



اتر پردیش میں ترقیوں اور سرگرمیوں کی رفتار

با مقصد اور تعمیری سرگرمیوں کا گروہ ہے اور نئے انعامیوں سے پاک
ایک خوش حال اور مستحکم سوشلسٹ سماج کی تشکیل کرنے کا قطعی اور
معصوم غرض کو چکا ہے۔

ایک خوش و خوش قسم قوم آج اپنی آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ
منارہی ہے۔ ہندوستانی عوام نے ۱۹۴۷ء میں ۱۵ اگست کو جہان
کا دھج کی قیادت میں ایسے فداکاروں سے اپنی آزادی کا استعمال اس سے پہلے

اتر پردیش میں آزادی کی
بنیاد مستحکم ہو چکی ہے۔ اور آج
ایسا نظام عیسوی سے وجود میں
آ رہا ہے جو صرف چند مراعات
یا فائدہ طبقوں کی نہیں بلکہ غریب
اور سہولتوں سے محروم طبقوں
کی ضرورتوں کی تلافی، امنگوں
اور دلولوں کو پورا کر سکے
اس حقیقت کے باوجود گویا
میں زبردست اضافہ ترقی کے
قوائد کو بے اثر بنا دیتا ہے۔
عام آدمی کی زندگی میں انقلاب
لانے اور اس کا معیار زندگی بلند
کرنے کے سلسلے میں ناقابل

۲۵ آزادی کا پچیسواں سال

- عام آدمی کی زندگی میں انقلاب
- اصلاحات آراہی کے اقدامات
- ریاست کے آبپاشی کے وسائل کی صلاحیت کے
- وہ نئی ہوجانے
- غلہ کے معاملے میں خود کفالتی
- بجلی میں دس گنا اضافے
- صنعتوں کی تیز رفتار ترقی
- ہر کچھوں کے لیے امید کے شے ہو
- ابتدائی تعلیم کے قومیانے
- کھانسی

تاریخ میں کبھی نہیں کیا تھا
تھیں۔ عاصی کے عظیم ترین مرا
طقت سے اپنی تقدیر کے خود
خال مرتب کرنے کا حق چھین
لیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے انکی
ہمارے لیے ایک کوم خورہ
سماجی نظام اور ایک فرسودہ
اور انحطاط پذیر سماجی نظام
چھوڑ گئے۔ ہمیں اسے سماجی
اور سماجی نظام کی ترقی کرنے
کے لیے کوئی ماسستہ تہانے
دلا نہ تھا۔ چنانچہ ہمیں اپنا
موتیوں کی خود اپنا راستہ
تلاش کرنا پڑا۔ ہمیں چاروں

تہذیبیت وجود ہے کہ ہر کچھوں اور دیگر لیسانہ طبقوں کو جس
سماج میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی اب اس قابل بنایا جا رہا ہے
وہ تو ترقی کے خاص و عام سے میں مل سکیں۔

ملکی اور قوم کے باعث تہذیب ہمارے رہنما ترقی پوری تھی اور اب ہم نے
ایک نئے اور اصلاحی کو لیا ہے۔ ایک ملک جو صرف ۷۵ سال قبل
تہذیبی آزادی اور ترقی کی حالت میں تھا اور قسمت کا تابع تھا آج

۱۵ اگست ۱۹۷۲ء

آب پاشی کی زیادہ سے زیادہ سولس فرام کرنے کے سلسلے میں جاری
کا مشورہ دے گا۔

مختلف اقدامات کے نتیجے میں گزشتہ ۲۵ سال کے دوران
زراعتی پیداوار دو گنی ہو گئی۔ ان اقدامات میں اصلاحات آراضی
آب پاشی کی سہولتوں کی توسیع، زراعتی ضروریات کی ہدفیت و
لچینی فراہمی، زیادہ پیداوار والی اقسام کی کاشت، زراعتی آلات
کی کرایہ پر فراہمی، ان کی مرمت کے لیے قدرتی مراکز کا قیام اور زمین
تحفظ سے متعلق انجینئرس شامل ہیں۔ گجرات کی پیداوار ۱۵۳۱۵۵ لاکھ
ٹن سے بڑھ کر تین گنی اور مالدی کی پیداوار ۲۰۰ لاکھ ٹن سے
بڑھ کر ۲۶۰۵ لاکھ ٹن ہو گئی۔ گنے کی پیداوار گزشتہ سال میں ۴۴۴ لاکھ
ٹن سے بڑھ کر ۵۴۶ لاکھ ٹن ہو گئی جبکہ کھجور اور باجور کی پیداوار
بالترتیب ۶۵ لاکھ ٹن سے ۷۹ لاکھ ٹن اور ۶۵ لاکھ ٹن سے ۸۲ لاکھ ٹن ہو گئی۔

جی کو جزر اعظم اور صنعتی پیداوار کے لیے اشد ضروری ہے
سب سے زیادہ اولیت دی گئی ہے۔ بتقدیر کی تعمیر قائم کیے گئے
ہیں جس کے نتیجے میں بجلی کی پیداواری صلاحیت ۱۵ میگا واٹ سے
بڑھ کر ۱۵۰ میگا واٹ ہو گئی ہے۔ بجلی کی ترسیل لائنوں کی لمبائی
۲۳۰۰ سرکٹ کلومیٹر سے بڑھ کر ایک لاکھ سرکٹ کلومیٹر سے زیادہ
ہو گئی جب کہ تیلوں، تیل ویلوں اور پمپ سٹیشنوں کی فراہمی
میں ۱۶ گنی اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ عرب امارات کی کمپنی کے نتیجے میں
جی کے لیے باقور مرکزی حکومت نے منظوری دے دی ہے باوجود
کے مرحلے میں ہیں، امید کی جاتی ہے کہ ریاست کی بجلی پیدا کرنے
کی صلاحیت ۲۵۰ میگا واٹ ہو جائے گی۔

صنعتی ترقی کی رفتار تیز رہی ہے۔ آنا ادا کی کے بعد سے
۱۵۰۰ کوڑ روپے سے زیادہ کی سرمایہ کاری سے پٹنہ اور
درمیانہ زمین کے بہم صنعتی واحدوں کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۸۹ء
کوڑ روپے کی سرمایہ کاری کے ۶ لاکھ سولہ پمپوں اور دیگر کاموں
نئی درمیانہ صنعتی واحدوں کی تعداد میں میں پٹنہ کے درمیانہ
چھوٹے پیمانہ کے واحد سے شامل ہیں جو ۱۹۵۰ء میں ۱۱۳۰ صنعتی مشینوں

اصلاحات آراضی کے سلسلے میں اتر پردیش نے جو پہلا قدم
اٹھایا وہ زمینداری نظام کو ختم کرنا اور زمین پر کاشت کاروں کی ملکیت قائم
کرنا تھا جس کے نتیجے میں کاشتکار اور حکومت کے درمیان ہموار راستہ
رابطہ قائم ہو گیا۔ زمین جو تینے بونے والے سطح کو زمین پر حق ملکیت دے
خواہ وہ اصل کاشتکار ہو یا کسی کاشتکار حکومت نے زراعتی پیداواری
اضافہ کرنے کے لیے تحریک پیدا کی۔ اس ایکٹ کے تحت تقریباً ۱۱۵ لاکھ
ایکڑ فیر مزدور آراضی حاصل ہوئی جو مختلف اداروں اور بے زمین افراد
میں تقسیم کر دی گئی۔ چونکہ اس کے بعد بھی بڑی بڑی زمینیں سابق درمیانہ
اشخاص اور کمپنیوں کے قبضے میں رہیں لہذا ۱۴ ایکڑ کی انتہائی حد قس
کر دی گئی اور حاصل زمین مختلف درجوں کے بے زمین افراد میں تقسیم
کر دی گئی اور اس سلسلے میں ہر کھل کو اولیت دی گئی۔ بدلتے ہوئے سماجی
اور سیاسی حالات میں ۲۰ ایکڑ کی انتہائی حد کو بھی زیادہ تصور کیا گیا
چنانچہ اب زمین کی انتہائی حد گھٹا کر ۱۸ ایکڑ کر کے لیے ایک نئی بل
پیش کیا گیا ہے۔ مجوزہ تبدیلی کے نتیجے میں تقسیم کے لیے مجموعی طور پر مزید
تین لاکھ ایکڑ آراضی کی زمینیاں متوقع ہے۔ اصلاحات آراضی کے
سلسلے میں دوسرا خاص قدم قوں کی ایک سہولت ہے۔ منتظر جوں
کو ایک مقام پر پہنچا کر دسے سے کسان اپنے وسائل اور محنت کا بہتر
استعمال کر سکتے ہیں اور زیادہ منفعت حاصل کر سکتے ہیں۔

کاشتکاروں کو ناسازگار قدرتی حالات سے محفوظ رکھنے
اور بہاری علاقوں، بندلیکھنڈ اور مشرقی اضلاع جیسے سمندر اور
نیم ترقی یافتہ علاقوں کو آب پاشی کے لیے پانی مہیا کرنے کے سلسلے
میں جہاں اس کی بے حد کمی ہے، بڑی درمیانی اور چھوٹی آب پاشی
کی انشیکھوں پر ۱۹۸۶ء کو ۳۳۱۵۱۶ کوڑ روپے کی رقم خرچ کی گئی ہے۔
سلسلے میں نہروں کی لمبائی ۸۰۰۰ کلومیٹر سے بڑھ کر ۸۲۳۰ کلومیٹر
اور ریاستی ٹیوب ویلوں کی تعداد ۵۰۰ سے بڑھ کر ۱۱۳۰ ہو گئی۔
نتیجے میں آب پاشی کے سرکلوں و سائٹ کی صلاحیت ۲۰۵ لاکھ
یکٹر سے بڑھ کر ۵۹۵ لاکھ یکٹر ہو گئی اور علاقہ آب پاشی
شہہ رقبہ ۲۲ لاکھ یکٹر سے بڑھ کر ۸۱ لاکھ یکٹر ہو گیا۔ ایک
آب پاشی کمیشن بھی قائم کیا گیا ہے جو علاوہ دیگر امور کے کسانوں کو

ہوا جب پہلے سال منصوبہ شروع کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے
تیس سالوں کے لیے بیج سال منصوبے اور تین سالہ منصوبے شروع
کئے گئے۔ پہلے بیج سال منصوبہ کے لیے ۱۹۶۲ء کو شروع ہونے
کے مصارف کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ریاست میں ۱۹۶۲-۶۳ء
۱۹۶۳-۶۴ء اور ۱۹۶۴-۶۵ء کے سالانہ منصوبوں پر بالترتیب
۱۵۰۱۹۵ کروڑ روپیہ، ۱۵۱۷۳۲ کروڑ روپیہ اور ۱۴۹۱۳۹ کروڑ روپیہ
کی سرمایہ کاری کی گئی۔ جو بیج سال منصوبے کے مختص مصارف
۹۹۵ کروڑ روپیہ کے ہیں۔

منصوبہ بندی کے فائدہ کا اندازہ فی کس آمدنی۔ ریاستی آمدنی
فی کس پیداوار میں اضافہ اور تعلیم، طبیکی ترقی، صحت اور دیگر شعبوں
میں بحیثیت۔ سرمایہ کاری اور اصلاح سے لگایا جا سکتا ہے۔

ریاست کی آبادی سالانہ ۱۹۵۵ء میں جب اس کی منصوبہ بندی
کے دور کا آغاز ہوا۔ ۱۳۲ کروڑ تھی جو ۱۹۶۱ء میں بڑھ کر ۱۴۸
ہو گئی۔ تخمیناً لگایا گیا ہے کہ چھٹے منصوبہ کے اختتام تک ریاست کی
آبادی ۱۳۱ کروڑ پندرہ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ آبادی میں اضافہ
کی روک تھام کے لیے اتر پردیش میں ۱۹۶۳ء میں خاندانی
منصوبہ بندی پروگرام شروع کیا گیا اور اس کے اثرات جو بیج
منصوبہ کے لیے محسوس کیے جاتے تھے جب منصوبہ کے پہلے دوروں
کے دوران معاشی ترقی کی شرح ۱۹۶۹ء میں صد ہو گئی جبکہ آبادی کی
شرح ۱۸ فی صد تھی۔ ریاستی آمدنی بھی جو ۱۹۶۱-۶۲ء میں ۱۲۹۹
کروڑ روپیہ تھی ۱۹۶۹-۷۰ء میں ۵۲۲۳ کروڑ روپیہ ہو گئی۔ اسی مدت
کے دوران ریاست میں فی کس آمدنی ۲۴۶ روپیہ سے بڑھ کر
۵۱۵ روپیہ ہو گئی۔

منصوبہ بندی کو اور زیادہ موثر اور مفید بنانے کے لیے مسائل
کو شناسی کی جا رہی ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر وزیر اعلیٰ کی سربراہی
میں ایک اعلیٰ اختیار کی ریاستی منصوبہ بندی کمیشن قائم کی جا رہی ہے
بہتر منصوبہ سازی اور جائزہ کے لیے ادارہ منصوبہ بندی تحقیق و عمل
تظامت جائزہ اور معاشیات و شماریات نظامت کو ریاستی
منصوبہ بندی ادارہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب تک ۵۲ اسکیموں

میں بیکار ۳۱۴۲۲۱ روپے کی ریاستی حکومت نے ۱۹۵۵-۵۶ء
۱۹۵۶-۵۷ء کے درمیان مجموعی طور پر ۱۱۷ کروڑ روپیہ کی رقم
خارج کی ہیں جس میں اور دو سو سو لاکھ پندرہ کروڑ روپیہ اور
چھ کروڑ پندرہ سو لاکھ ۲۹۵۱۳۰ کروڑ روپیہ خارج کیا گیا۔ مرکزی زرہ میں
۱۹۶۰-۶۱ء کے آخر تک کل ۱۹ کروڑ روپیہ کی سرمایہ کاری کی گئی
ریاست کی تمام اخراجات ۱۹۵۶-۵۷ء میں ۲۸۱۳۸ کروڑ روپیہ کی مالیت
کی تھی ۱۹۵۵-۵۶ء میں بڑھ کر ۴۰۵۶۰ کروڑ روپیہ ہو گئی۔

صوبہ کی آزادی کے بعد ہر پانچوں اور دیگر بسا نہ طبقوں کے
لیے امداد کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ریاستی حکومت نے ہمارا
گاندھی جی کی ہم کو آگے بڑھانے کے لیے ان کی ترقی اور سماج میں ان کو
جائزہ مقام دلانے کے لیے ایک پروگرام شروع کیا۔ چھوٹے چھوٹے
برتنے والے اشخاص کے خلاف پولیس کو قانونی کارروائی کرنے کا
اختیار دینے کے لیے قانون وضع کیا گیا۔ تب سے تعلیم اور دیگر فلاحی
پروگراموں پر بھی کروڑ روپیہ کی رقم خرچ کی جا چکی ہے اور اس
سلسلے میں مالیاتی سالوں کے دوران ۴۰ کروڑ روپیہ خرچ
کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر پانچوں کو پینے کے پانی اور بجلی کی سہولتیں
فراہم کرنے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ آزادی کے ۲۵ سال
کے دوران ہر قلعہ میں روزانہ ایک بسی کو کھلی فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔
ہر پانچوں کو ان کی بستیوں کے قریب تعمیر شدہ خوب و بڑوں سے مفت
پانی فراہم کیا جائے گا۔ اقوام و قبائل خدوہ فرست کے افراد کو ان کی
بستیوں اور مکانات کی تعمیر کے لیے زمین محفوظ کرنے کے واسطے فائدہ
زینداری ایکٹ میں ترمیم کی گئی ہے۔ رہائشی ضروریات کا جائزہ
لینے بستیوں کے لیے گاؤں سمجھا کی زمین اور سرکاری زمین کی دستیابی
اور میں حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک سروے شروع کیا گیا ہے۔
آج سے ایک ہم شروع کیا جائے گی جس کے تحت ہر قبائلی علاقہ
میں کم سے کم کھس مصاحفات میں ہر پانچوں اور دیگر بسا نہ طبقوں کو مکانات
کی تعمیر کے لیے مفت زمینیں الاٹ کی جائیں گی۔

منصوبہ بندی

ریاست میں منظم معاشی ترقی کا دوا پہلے ۱۹۵۱ء میں شروع

اور پانچواں کا جائزہ لینے کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اہم عہدہ پر کام چاہتا ہے۔ ریاست کے پانچویں منصوبہ کی تشکیل کے لیے کام چاہتا ہے۔ منصوبہ بندی کی لاٹری کے لیے ریاست میں معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ ذرا اعلیٰ خود مختار اداروں کی تشکیل کی رفتار کا جائزہ لیں گے۔ ہر ضلع کو ایک وزیر کی نگرانی میں دے دیا گیا ہے جو اس کی مجموعی ترقی کے لیے ذمہ دار ہو گا۔

ریاستی حکومت نے مستقبل میں پھر خشک سالی کے حالات پیدا ہونے کی صورت میں قحط سے مستقل تحفظ کے پیش نظر ۱۵۴ کروڑ روپے کی لاگت کی اسکیمیں اور دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر بھنگار کے مواقع فراہم کرنے کے لیے ۱۵ کروڑ روپے کی لاگت کی اسکیمیں ایک مرکزی بیم کے سامنے پیش کی ہیں جس نے حال ہی میں کھنڈر کا دورہ کیا تھا۔

مرکزی وزیر زراعت شری فیملی علی احمد کے زیر قیادت مرکزی بیم کو بات چیت کے درمیان جو اقرار ہوئی خشک سالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سنگین صورت حال سے باخبر کیا گیا اور خشک سالی کے اندیشہ کا مستقل طور سے سدباب کرنے کے لیے اسکیمیں شروع کرنے کی فوری ضرورت پر زور دیا گیا۔ بیم کے ممبران سے کچھ اضلاع میں پینے کے پانی کی قلت اور ریاست کے بڑے علاقوں میں ہینڈ اور ٹرن کے پھیلنے کا بھی ذکر کیا گیا۔

ان اسکیموں میں جن پر ۱۵۴ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی فروغ آباد کے قریب تنگا ندی کے کنارے ایک بانڈھ اور لوور تنگا ندی کے قریب ریشا کوٹ لانے کے لیے ایک ۲ میل لمبی محاذی نہر کی تعمیر فرود بانڈھ سے فوہیت کی فصلوں کی آب پاشی کے لیے پانی فراہم کرنے کے واسطے مزید ۵۰۰ کیر نکس پانی کے انواح کے لیے خاص

فرق بھاسا کا نڈل مل مارٹ (موسم ۲۲ باتیر)

غیتہ سے بانڈھ اور اسی کے ہاتھ منڈپ میں بھواریا جو اس دن سکول اسکول کی داغ بیل ڈالے جانے کی افتتاحی رسم ادا کیے جانے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

دور انگارہ کے تھانوں کی تعمیر اور پانچویں منصوبہ کی تشکیل کے لیے کام چاہتا ہے۔ ریاست کے پانچویں منصوبہ کی تشکیل کے لیے کام چاہتا ہے۔ منصوبہ بندی کی لاٹری کے لیے ریاست میں معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ ذرا اعلیٰ خود مختار اداروں کی تشکیل کی رفتار کا جائزہ لیں گے۔ ہر ضلع کو ایک وزیر کی نگرانی میں دے دیا گیا ہے جو اس کی مجموعی ترقی کے لیے ذمہ دار ہو گا۔

ان اسکیموں کے تحت عام پروگراموں کے علاوہ ۱۵ کروڑ روپے کی لاگت سے ۲۰۰۰ ریاستی ٹوٹ پوٹ کی تنصیب بھی شامل ہے۔ ۱۰۰۰ اسکیمیں ۳۱ لاکھ ایکڑ کے لیے آب پاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے آئندہ رجب کے لیے مفید ہوں گی۔ دیگر مستقبل میں خشک سالی کے حالات کا تھانہ کرنے کے سلسلہ میں بھی معاون ہوں گی۔

اس سلسلہ میں اپنی سال ڈال کے دوران کام شروع کرتے ہیں ۱۵ کروڑ روپے کی رقم درکار ہو گی۔

پینے کے پانی کی فراہمی سے متعلق ۱۶ کروڑ روپے کی لاگت کی اسکیم کا مقصد ان ۲۴ اسکیموں کو بندے کرانا ہے جو مرزا پور۔ الہ آباد۔ جھانسی۔ جالان اور دیگر دیہاتوں کے ۱۵۶۰ مراعات کا معاملہ کرتی ہیں۔ تھانہ ذرہ علاقوں میں کینوں کی تعمیر کے لیے بھی دیگر ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم درکار ہے۔

دیہی علاقوں میں روزگار فراہم کرنے کے لیے امدادی کام شروع کرنے کے واسطے دس کروڑ روپے اور دیگر تعمیرات عامہ کے ذریعے کاموں کو پورا کرنے کے لیے پانچ کروڑ روپے کی رقم کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس پروگرام میں مزید دس اضلاع کو شامل کرنے کی بھی درخواست کی گئی جو مرکزی حکومت کے اکثر خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں کے لیے شروع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان اضلاع کے لیے ۲۰ کروڑ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے درخواست بھی کی گئی۔

ہینڈ اور ٹرن کی روک تھام کے لیے بڑے پیمانے پر پینے کے پانی کی کمی میں شروع کرنے کے لیے ۱۳۱ کروڑ روپے کی رقم کی ضرورت ہو گی۔

مقرر حاضرین کے سامنے ماڈل اسکول کی پرستش نے ڈپٹی کمشنر کی تو اس میں سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے جی کے گرو پینے ہوئے کا ذکر کیا تھا۔



اس تاریخ کی ڈوکانی موزیر اعظم شرقی اندر گاندھی نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو نئی دہلی میں مہاجرین کی آزادی کی گدیے



محتویات

۲	انجیل	انجیل
۳	پریسراوی خاں شیروانی	ہمایا کا زندگی میں
۴	تد پرستاری	آزادی کے گیس سال (مظہر)
۸	الہامی سحر	آزاد شاعری میں چند دیوانی عناصر
۱۳	رضا امجدی	میں بڑا (مظہر)
۱۳	مفتی کوٹلی	رحمت انکار۔ تہا تمنا کا مذہبی (مظہر)
۱۵	سید صاحب	حافظ صاحب
۱۹	مضاہر نبوی	غزل
۲۰	اقبالیتیں	میں بھی فساد تم بھی کہاں (انشاء)
۲۱	حضرت دہلوی	آفتاب کی پہلی کرن (مظہر)
۲۳	کوہ سراسی	شکوہ کوہ (مظہر)
		علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی بجٹ۔
۲۵	یر فیض الرحمن احمد	حقان کی روشنی میں
۲۸	سید عارفی	غزل
۲۸	پیرا کاس توہر کوٹلی	غزل
۲۹	آر۔ سی۔ دو بے	لال پم حرگم چند نان چھوڑ کر ایک شہید
۳۲	رشید الدین	ٹری میاں (حاکمہ)
۳۵	ایس۔ ایم۔ عباس خوسر	ہم اور آزادی
۳۹	احسان گوٹلی	غزل
۳۹	پیرم داڑھی	غزل
۴۰	آر۔ ایس۔ رینار	آزادی کے بعد
۴۲	قاسم صاحب	آزادی کے لیے ستمیالے والوں کے لیے ۱۶ از
۴۶	لاریش ریٹاب کوٹلی، طلوع رضوی رقی	ہندستان کی آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ
۴۸	ڈاکٹر اراچن روتوگی، یوسف علی	مختصر نظر (محرمات و نامرات)
	سید محمود حنیف رضا، قاضی محمد	
۴۹		آزادیت ساہواری بر

نہایت افسوس کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کے اردو ترجمے سے بڑی حد تک



جلد نمبر

اکتوبر ۱۹۹۲ء

آشون ۱۸۹۲ء

چند سالہ پانچ روپے

فی سبب ۱۸۹۲ء پانچ روپے

ایڈیٹری

نور شہد احمد

پبلشر

شہر مونی شریا

ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات۔ آئرلینڈ

چونکہ

اشوک دور

پرنٹنگ پریس۔ پانی

مکتوبہ

نیز گورنمنٹ پریس، علی شاہ کھنڈ

شاہد محمد

محکمہ اطلاعات۔ آئرلینڈ



مسلمانانہ ملی گروہیں

۱۹۱۷ء کا ایک واقعہ

* ہمارے مسلمانوں کی



جد اگانہ تھا سر بر گرجانی دین کی در ان کی مگر وہی بدین بدیناں قسم
کی انگلی گھنٹی جو کمرے صحت تین چار اے بچے تنک جاتی تھی اور سوتے
کیڑے کی دھوئی، بد اس کی پوشش تھی یہ کپڑے بہترین سوتوں اور
خیر وانیوں کے جھگڑے میں کچھ عجیب سے سلیم ہوتے تھے۔ دریافت پر
سلیم ہو کر یہ وہی مہون داسن کر منہ گاندھی ہیں جنہوں نے جنوبی افریقہ
میں ایک تملک بھا دیلے۔ اور جن کے کاری تھیا اردو یعنی حق بندی
امان داری، اتحادی اور عدم تشدد نے جنوبی افریقہ کے سفیر خیر غلام
جنرل اسٹون کو جھکے پر مجبور کر دیا ہے۔ دیکھنے والوں کو عجیب ہو کر ایک
برسر اور ایک ذیہ جسے کو بھییں دینے کی کیا ضرورت تھی جس نے اپنی
عمر کا ایک بڑا حصہ فردی طور کی بودا بات میں بسر کیا تھا۔ لیکن ان
عالم الغیب نہیں، انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ کم روز بخشنی شخص ہندوستان
میں سلطنت برطانیہ کی ٹریں ہلا دے گا اور اس کا اقتدار کا کسے ختم
کر کے دے گا۔

ہندی مسلمانوں کا سب سے بڑا تعلیمی اور ثقافتی مرکز ملی گروہ تھا۔
۱۹۰۷ء کے شہرہ صاف کے بعد یہیں سے ان کی زندگی میں ایک
نئی لہر دوڑی تھی، یہیں سے سید احمد خاں نے اپنے محل سے یہ دکھا
دیا تھا کہ مسلمانوں اور ان کے ہندو بھائیوں میں کسی طرح کی تفریق نہیں
ہونی چاہیے، لیکن ساتھ ہی مسلمانوں سے پہلی کر دیا تھا کہ انہیں اپنی
سیاست کی فخر ہمارے ہٹنے کی ذکاوت ہے، مسکت، اسیاسی
میں ملی حصہ لینے سے تھا اور ملک بھر کا نقصان ہی ہوگا انہیں ضرورت
اس بات کی ہے کہ تم سب سے پہلے تعلیم کی طرف متوجہ ہو جاؤ ورنہ تم اپنے

دسمبر ۱۹۱۷ء میں تہہ لکھنؤ میں ہندوستان کے سیاسی رہنما
جس ہیں، کانگریس اور مسلم لیگ کے پس پردہ ہندو مسلمانوں کے
یا ہی سمجھوتے کی بات چیت ہو رہی ہے تاکہ انگریزوں کے پاس
اس چینج کا جو اب بھیجا جا سکے کہ ہندوستانی کی متفقہ دستور کو
پیش نہیں کر سکتے۔ آخر کار سمجھوتا ہو جاتا ہے اور ہندو مسلمان
مجاہد شکر ہو جاتے ہیں ان روح پرور طبقوں میں جن لوگوں کو نہایت
کا موعظ ملا تھا انہیں یاد ہو گا کہ کس طرح ہمارا رہ صاحب محمود آباد
سر محمد علی محمد خاں نے ہندو مسلمان بتاؤں کو، جو لکھنؤ میں جمع تھے، ایک
ٹریے بیانے کی ضیافت پر مدعو کیا اور اس میں سب ہی نے شرکت کی۔
ابیں شاید یہ بھی یاد ہو گا کہ ہمارا رہ محمود آباد کے محل کے بالکل متصل
شاہی زانے کی جو نفیس بارہ دری ہے، اس میں کل ہندو مسلم لیگ
کاملاً نہ جلسہ منعقد ہوا اور اس کی صدارتی کرسی کے لیے کانگریس
کے ممتاز ترین رہنماؤں میں سے ایک کو گایا جن کا نام محمد علی جناح
تھا۔ اس جلسے کے بعد وہیں سے کانگریس نے تقریباً تمام چوٹی کے رہنما
تھے جو صدر کے دایا بائیں لیگ کے ممتاز نمبروں میں گھلے ملے نظر
آ رہے تھے، ان زمانے کے روح کے بوجھ صحت اول کے کانگریسی اور
صحت اول کے ملٹی بہترین انگریزی کیڑوں میں جلوس ہوتے تھے اور ان
کے حکمدار کا لارڈ کنگ راہ یاد دہرے کی گھرے رنگ کے سوتوں میں
دور سے نظر آتے تھے لیکن لیگ کے اس جلسے میں شریفین کے ایک
گوشے میں ایک شخص خاموش بیٹھا ہوا اس میں جل کی قضا کا گویا جائزہ
دے رہا تھا۔ اسی کے کپڑے، اس کی تک دگر اس کا طرز قیامی سب سے

پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکے اور کیا حقہ ملک کی خدمت نہ کر سکے۔
انھوں نے ملک میں ملی گزشتہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد گورنر
سے دواں حالے کا ارادہ کر لیا، لیکن لندن کے اس ارادے کی کسی کو خبر
بھی نہ ہوئی۔

اگست ۱۹۱۱ء کی کوئی تاریخ تھی۔ ملک کی یورپی سلطنت
برطانیہ میں (جس میں سوویت بھی ڈوبتا ہی نہ تھا) کھنڈ بھونڈے کا
چرچا تھا۔ ڈاکٹر انصاری نے کانگریس کی ان کی قوم پروردوں کا جلسہ ملی میں
طلب کیا تھا۔ علی گڑھ کے سندوب، جی میں عبد المجید تاجدار پرست
والہ دھاری محمد علی خاں صاحب شامل تھے، ایک روز بیٹے بن دہلی
پہنچ گئے تھے۔ علی گڑھ کی کیفیت یہ تھی کہ ایم اے اور کانگریس کے طلباء بھی
منسلق ہوئی اور مسلم نہیں بنی تھی، قوم پروردانہ جذبے میں ڈوبے ہوئے تھے
لیکن یورپی اشاعت میں استبدادیت کو ٹوٹ کر بھری تھی۔ یورپی
پروردوں اور لڑکھائوں کے ساتھ سکرٹری ذوالدار الملک کے بیان
چند سال پہلے سخت ٹکٹھٹک ہوئی تھی، لیکن ذوالدار الملک کے استسہ کے بعد
حالات نے مٹا کھا تھا اور یورپی پروردوں اور سوادہ کی ہونے لگی تھی۔
میں علی گڑھ میں کانگریس کی اور قوم پروردوں کی شاش علی گڑھ کا
مستعد تھا۔ دس بجے کے قریب ڈاکٹر انصاری کا میسجے پاس تارا با کہ
ہما تھا جی چو گئے کی دہلی سے علی گڑھ آ رہے ہیں۔ میں نے فوراً مقامی
کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ طلب کی، ساتھ ہی قومی رابطہ کے تمام طریقوں
کو متحرک کیا اور گاندھی جی کے مستقبل کی جی بھی تیار ہی ہوئی وہ یورپی
کی اس وقت تک گاندھی جی کے طور کار کا پھیلاؤ کا ہی ہوجکا تھا۔ کانج
تو ہمارے تحریک کے گویا بارہ بھر باہر تھا، اور ہم نے شہر میں ایک
عظیم ان ان جلسے کا انتظام کیا تھا۔ شہر کے شمالی کنارے پر استیشن کے
قریب ایک عوامی کن جیاز تھا اور اس کے ایک رخ پر ایک بڑا احاطہ تھا
اسے صاف کر دیا گیا۔ اس کے ایک گوشے میں ایک ڈرائنگ رکھا گیا
اس پر ایک سیر اور ایک کسی ہما تھا جی کے لیے کوئی گئی اور تحت برجھنے
کے لیے جو چیز ہیں کا انتظام کیا گیا۔ سیر کے سلسلے میں جی اس
کے بیان کو دیکھیں اور ان کے پیچھے دیوین اور خطبوں کا فرض کر دیا
گیا۔ یہ سب انتظام آنا فانا مکمل ہو گیا۔ ریل آئے سے پہلے ہی

ایشیائی مسیحدوں کی تعداد میں عوام گاندھی جی کے دشمن کے لیے جی
تھے گاندھی جی حسب قول تیسرے درجے کی گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔
دھندلے قلعہ میں نے "ہما نا گاندھی کی ہے" "ہمند مسلمان کی ہے"
کے ٹکٹ ٹکٹانہ فروش سے ان کا سواگت کیا، اور بیسوں نے ہمام
کمرے کی کوٹیشن کی جی کی دھندلے ہما نا جی کو کافی دقت کا سامنا کرنا
پڑا۔ اب سے پچیس برس پہلے علی گڑھ میں نوٹس اڑا کا جی نظر آتے تھے
اور جن اسیادوں، ذوالوں کے پاس نوٹس تھے، ان کے ذوالوں کے سوا
ہم لوگوں کے لیے گویا بن گئے۔ ہم نے کسی دیکھی طرح ایک ٹیس سے
ایک عمدہ فن اور شکی ٹھوڑوں کی جوڑی مانگ لی تھی، ہم بڑی تھکی
و نجوم کو جیتے ہوئے گاندھی جی کو گاڑی تک لائے اور انھیں محل گاہ
تک بھیجا۔ یہ معلوم کر کے کہ انھیں سہارے جایا جا رہے گاندھی جی برابر
احتجاج کرتے رہے کہ میں کانج دیکھے اور باقی کانج کی قبر کا روضہ کرنے
کے لیے آیا ہوں، آپ مجھے شہر کیوں لے جا رہے ہیں۔ بہر حال ہم محل گاہ
پہنچ گئے۔ میدان ہزاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہما نا جی کو سہارا دے کر
تحت پر بھیجا گیا، ان کے کسی پر بھیجنے ہی لوگوں نے تاپاں بجا تیں اور
جی کا رے لگائے شہر کے بڑے بڑے مسلک سے انھیں خاموش کیا گیا۔
گاندھی جی نے کسی پر بھیجنے کی کہ "بھائیو اور سہنو، میں اس وقت کوئی
بھاٹن نہیں دہلی گا، میں بھاٹن دیے میں بلکہ کانج دیکھے آیا ہوں،
یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے قہر کرنے پر صبر کیا، مگر گاندھی جی
کہاں ماسے والے تھے، وہ کہ کسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں نے
سہارا دے کر انھیں مصروفی نہ تین سے اٹا دیا۔ تجھ سے کہنے کے کانج
پہلے۔

اب رات ہوئی تھی، فٹن تیار تھی۔ ہما نا جی بیٹے، مجھے اپنے
پاس بیٹھے، کاٹا، دیکھا۔ سانس کی سست رہا، یورپی ان اور ان
کی دھم دھن دونوں بیٹھے۔ ۱۹۱۱ء کی فضا میں بھی کہے نا ممکن تھا
کہ کوئی بڑا سیاسی راہ فاعلی گڑھ آئے، اس کی بائیں سننے کے لیے جیلر ہار
اس میں کانج کے طالب علم سوجو نہ ہوں مگر ایسے طلبوں میں کانج کے
طالب علموں کا جانا مسوع تھا۔ جس جیلر میں بھی بیسوں طلبہ تھے جیلر گاہ
سے کانج پر مشکل ڈیڑھ میل ہو گا، لیکن گاڑی کے کانج بیٹے میں ایک گئے

سے زیادہ ملک کیا گاڑی کے سوا کسی اور حالت میں ملے گا۔ گاندھی جی نے
 یہ دیکھ کر کھلی گاندھی کے ساتھ پہلی صاف ہے میں ہر بات کو اس کے
 گاڑی آپس میں ملاتی جا رہے تھے۔ چنانچہ ان کو ان کو اس کا مطلب ہے ہر
 مجبور ہو گیا۔ جس پر کوٹ کے دو چاروں وقت بھی بارگاہی کھلا تھا۔ بعد
 دروازے کو دھڑک دیا۔ گاندھی جی نے خود ہاں میں طلبہ ہستبال کے لئے کھڑے
 ہوئے نظر کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ وہ طلبہ ہاں کی صدارت میں انہیں اتحاد
 کا ہفتہ وار جلسہ ہو رہا ہے۔ اور جو طلبہ ہاں جمع ہیں ان کو گاندھی جی
 کے کالج میں آئے گا۔ مطلق علم نہیں۔

گاندھی جی نے خواہش ظاہر کی کہ طلبہ کے جو کچھ کھلے ہوئے ہوں
 وہ انھیں دکھائے جائیں۔ کئی بارگاہی کے کچھ نہایت شان اہل۔
 اور سرسید کے زمانے میں کلان کی نگاہ میں صاف ہوئے ہیں۔ ان کے
 اکثر کہیں انھیں اتحاد کے جلسے میں گئے ہوتے تھے، جو طلبہ ہاں سے ساتھ
 تھے ان میں چند ہی اس اخلاص خلتے میں رہتے تھے۔ انھوں نے
 غریب انداز میں اپنے آپ کے کھول کر ادائیگی میں جا رہی۔ اس قیامت
 میں مسکے روئے دار چہاں سما یا کر وہ ادائیگی اعتبار سے وہ ہوتا ہے جس
 میں کرکٹ ٹیم کا کپتان رہتا ہے۔ اتفاقاً یہ کہ کھلا ہوا ملا۔ ہما تھا۔ جی
 اسے دیکھ کر حیران ہو گئے اور پھر اسے پہنچنے لگے کہ کیا اس کمرے میں میں
 طالب علم رہتے ہیں۔ میں نے اس کا اثبات میں جواب دیا اور ساتھ
 اس کی وجہ کر دی کہ کالج کی تاریخ میں کرکٹ کو ایک خاص تعاون
 حاصل رہا ہے۔ اور کالج کی بازی گاہ میں کرکٹ کے کھیل بے شمار
 لگا دیے ہیں۔ اسی لئے کرکٹ کپتان کے کمرے کو ایک خاص اہمیت
 دی جاتی ہے۔ جاریا جگہ کمرے دیکھنے کے بعد ہما تھی کا سرنگم ملا کلب
 گئے انھیں کھانے کے جلسے میں ملے۔ اول تو پھر پرنسپل کی اجازت
 کے پورا ہما تھی کو کالج لانا پھر انھوں نے کہنے سمجھ کر ان کا معائنہ
 کیا۔ اور سونے پورا گیا کہ انھیں انھیں اتحاد کے جلسے میں لے جانا کہ
 ایسی اجس قیامت میں کار و عمل جو نالازم تھا۔ لیکن ادنیٰ وجہ کا لانا
 خود سے اپنے دل و دھماکت سے بھائی تھی۔ دوسرے گاندھی جی کی
 اہل ہاں میں سے گاندھی جی کو مسکاتا تھا۔ ہر حال ہما تھی ہما دیو
 ڈیال اور پھر پرنسپل کی گاندھی جی کی بارگاہی کے کھیلے والے سے

جلسہ گاہ۔ ہر چہ ہما تھی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور پھر پرنسپل ہاں کو
 پہنچنے کی صدارت کر رہے تھے۔ کسی طرح سے ہم لوگوں کی کالج میں
 آمد کی خبر پڑی اور یہی معلوم ہو گیا کہ ہما تھی کی طرف آئے ہیں۔
 ان کو تو بلانے کی وجہ سے ہیں اور بہت باور چاہا ہوا دل دیتے ہیں پرنسپل
 ہاں کے کسی چور گاندھی جی انھیں اسے مستقل صدر کو صدارت کی کرسی پر بٹھانا
 اور خود تیرہ دھماکتے ہم لوگوں کی طرف آئے ہوئے نظر آئے۔ آدھا راستہ
 ملے ہوا تھا کہ وہ ہماری چھوٹی سی جماعت سے آکر مل گئے۔ میں نے
 ہاں صاحب کا گاندھی جی سے اور ان کے ساتھیوں سے تعارف کرایا
 اور ہم سب نہایت سندرہ بیٹائی سے ایک ساتھ دوسو ہما تھی ہاں پہنچے۔
 گاندھی جی کے ہاں میں داخل ہوئے ہی طلبہ میں جو خوش و خوش پیدا
 ہوا وہ دیکھنے سے قلعن رکھ تھا۔ ہاں میں پہنچے ہی پرنسپل نے اعلان کیا
 کہ ہندوستان کے عظیم ہمناسر گاندھی کو خوش آمدید کہنے میں وہ درخیز
 محسوس کرتے ہیں۔ ہاں میں شرف سے کہ میں اور بہت ہوا ایک بڑا
 روشن دلالت ہے۔ لہذا کہ جانے کس بیچ میں ہما تھی سیروں کھلا کے
 بھولے آئے تھے۔ اور وہی پرنسپل نے گاندھی جی سے تعزیر کرنے کی
 درخواست کی اور وہ تقریر کرتے ہوئے آدھے گلاب کی
 چٹکھڑیوں کی گویا سلا دھار بارش ہوئے لگی اور گاندھی جی ان
 چٹکھڑیوں میں آدھے ڈھک گئے۔

لوگوں کی چیز کی کوئی حد تھی۔ جب چیز کی آواز دہرا کر پڑی
 تو گاندھی جی نے اپنی تقریر شروع کی۔ انھوں نے اسے خاص انداز
 ذرا دکھ کر طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کالج میں
 آئے وہ آدھ آب سے بھرتے ہوئے بڑی خوشی ہوئی ہے اور رات محنت کا نام
 لے کر کہا کہ ان کی خدمت میں یہاں آئے ہیں بہت سورت ہوئی ہے
 میں نے کب سے یہاں سے کمرے دیکھے۔ میں آپ سے بھٹا ہوں
 کہ جو خیال انھیں کروں کی سہارٹ کا ہے، کیا اس سہارٹ کا تو قلم لکھ کر
 لکھ کے کر دلوں سلطان کی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے؟ ایسے کمرے
 اور ان کی زیر افس و ہندوستان کے ٹیٹے بڑے دولت مندوں کے
 بچوں کو بھی مسرتا ہوا رہے۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا ہے
 حضرت محمد کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، غلغلہ کی زندگی

میں حشاک کا نام بھی نہیں پڑی، اور ایک گاڑی انکان کا انتظام کر رہے ہیں، تین غیر مسلم سپاہیوں کے حشر کے لئے سبک دہاں است آئیں جس کے لئے کھڑے ہیں۔ میرا ذخہ پہ کدو منٹ کیا، پانچ منٹ تک جانا گا۔ گاڑی اور ان کے ساتھی اس طرح خاموش کھڑے رہے۔ مسجد سے لگا ہوا سرسبز کھڑے کا دواڑہ باجیہ الرحمت ہے وہاں گاڑی تباہی فتنہ نکالی گئی تھی۔ ہم سب خاموشی کے ساتھ تہمت سنگ کے عالم میں اس میں بیٹھ گئے اور دہان سے مسجد سے علیحدہ خواہ کی کوٹھی پہنچے جہاں جانا گا۔ گاڑی کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا پانچ گھنٹے اور پھر دو گھنٹے کا دودھ حاضر تھا۔ چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد جانا گا۔ صبح چار بجے کی ریل سے واپس پہلی پہلے گئے۔

اس دن کے نصف صبح سے آریا وہ مدت گزر چکی ہے، لیکن اس کے بعض گوشے اب تک ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس کی اہمیت میری زندگی میں اس لیے اور بھی زیادہ ہے کہ اس کے بعد جب تک انگریزی اصطلاحات کا کالج پر غلبہ رہا، اس وقت تک میری اذہنی تہمت نے تھوڑے بہتے ہی رہی، اور اس کا تصور اہم اثران کے تخلیق کے بعد ہی مدت تک جاری رہا۔

میں بنی لباس، جو بھاری ترین ان کروں میں دیکھی وہ درازی سے ثابت ہے، یہ خلق کے افسانے کے طور پر ہے۔ میں پچھتاہوں کہ اس کو دراز کے ساتھ آب ایک سال میں میں دس سال میں نہیں، ہر سال میں پانچ سو سال میں تھے، پھر اور کتنے علی پیدا کر سکتے ہیں؟ میں آجکے دنیا کرنا پوں کہ آب اپنی زندگی کو دہلی اور ان کے تاجیوں کی طرح سادہ بنایا۔ دراز اس کو دراز کا جوا بھانیں سکے گا۔

یہ گاندھی جی کی آدھے گھنٹے کی تقریر کا مختص ہے جو راقم الحروف کو یاد رہا ہے۔ وہ خاموش ہے جو ان بیکروں تالیوں کی آواز سے غبار گونج اٹھا۔ صبح صبح نے گاندھی جی کی تشریف آور کا شکر ادا کرنے ہوتے وعدہ کیا کہ سوز جہاں نے جن ہوں کو سراہا ہے اس پر ہم سب عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

جلسہ ستم چوا توبہ شمار لوگوں نے گاندھی جی کے ساتھ چلنا چاہا، مگر انھوں نے یہ پند نہیں کیا بلکہ انھیں اپنے اپنے گروں کو واپس بلا کر ہدایت کی۔ اب ہادی مقرر ہی مہاجرت یہ بھی گاندھی جی کی مسجد کی طرف چلے جس کے ایک طرف سرسبز اور ان کے دفاع کا دارا سودہ ہیں۔ میں وہ سماں بھی نہیں بھولوں گا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے مسجد



میں پھر اپنے اس یقین کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب تک بری طاقتیں جنگ کے موتر ہوئے اور جنگ کے ساتھ لازم و ملزوم میب و محو کے بازی میں اپنا یقین نہ چھوڑ دیں اور تمام قوموں اور تمام نسلوں کی مساوات اور آزادی پر مبنی حقیقی امن کے قیام کی سرگرم کوشش نہ کریں، اس وقت تک دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

سہانا گاندھی

ازادی کے عجیبے سال * سید پیر ہارسی

آہ سحر سے اگر کی تو ڈانٹ گیا کتنی مہی سے سامان بھانٹ گیا
کس بلا کی حق قس قس فری ادا جرم ہم دھرنی مانا کا بانٹ گیا

سامنے آنی مشکل پڑی سے پڑی اٹھ کے طوفان طوا کے آم دی پڑی
تاشق کا سفید بھنور میں پڑا اس بھنور میں بھی بنا و سائل پڑی

تقرے ہر قدم پر مٹاتے چلیں ساتھ قدروں کے دل بھی ملائے چلیں
اینا میون بنا نا ہے سمندر اگر سب کی چوٹی بھائی بھائی چائے چلیں

کوئی مختار اور کوئی بھڑے صل سرل اہلی منزلوں دور ہے
کاراویں یہ کہتے چلیں اک نظر آگے بڑھے کا اک پیو دستور ہے

کتنی تعمیر اہلی زیر تعمیر ہے ادج تقدیر محتاج تدبیر ہے
گر آگئیں نہ ہوں دل میں تعمیر کی آدمی ایک کاغذ کی تصویر ہے

ٹوٹے ہیں جزاؤں و جفاؤں کے سر جب کہیں جا کے جی ہکا ہ گزر
لاکھوں فرادوں کر ٹٹھکے ہیں جہاں تب شیریں کہیں ہونی چلو گزر

حسن کے ساتھ مریں نکالی گئیں دھرنی مانا کی انکس نکالی گئیں
زندگی ہر طعنے لہر لینے لگی اتنی خوبی سے عمر نکالی گئیں

کئے کھیتوں کے بیجے اُجھلے گئے کہنے ہودوں کے گیسو سنوارے گئے
نفا نہ اپنی جہاں بیکوں بل تک ہم وہاں کے دیکھ لے اے گئے

ہم نے گزریں ہمارے کوئی کیا ہنس پڑیں بچوں کی خیریشیاں
آبشاروں کے نیچے سے گزرتے تھے صبح میرے دیکھ گئے انکس تیریاں

سائیں جوں نہ لی کال کی جہاں میں زندگی میں گئی سوکے گاؤں میں
ست سادہ جام برسنے لگا آئی اُن کو ٹھوکر دانا دھک پادوں میں

اردو شاعری سی

ہندو دیو مالا میں عناصر

ابوالفضل محمد

قدرت کے عجیب و غریب اور پوشیدہ دیا جولوں اور مناظر سے آگاہ ہے۔ اس جہان دور جہان وسیع اور عظیم کائنات میں جب انسان کے تصور میں اپنے وجود اور کائنات کے دیگر موجودات اور مخلوقات اور مظاہر قدرت سے اپنے تعلق اور اپنی نسبت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو گی تو اس وقت کے احساسات اور خیالات کے ارتعاشات کا کیا عالم رہا ہوگا اس لحاظ کو ناگہانکل ہے۔ تاہم ایک عالم حقیر، اور غوث کے احساس، وہم و گمان کی فضا اور حیات کائنات کے دھڑکے سے کہنے اور سمجھنے کی قوتی ذہنی اور تصوراتی کوششوں کے درمیان انسان نے اپنی دانست کے مطابق جو کچھ سمجھا سکا، ایسے دوسروں تک منتقل کرنے کی فکر بھی کی، ایسے وقت اور حالات کی حکا کشی کوئی بجا ہی چنانچہ انسانی احساسات و جذبات کے وسیلہ انہماک کے طور پر زبان اور پھر ادب کی تخلیق ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف ملائم تشبیہات اور تلمیحات و فکر و فن کے تخلیقی سرمایہ کے لوازمات حسن و بیان کا وضع ہوتا گیا۔ دراصل یہی وہ لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے مختلف ایشیائی ہندوستانی ممالک میں وقتی البشریت کی پوجا اور پرستش اور مختلف اعتقادات اور عقائد کی صورت میں مختلف اصنامی روایات نے جنم لیا۔ ظاہر ہے اور آثار غیر مغربی جوں کی توہم و حیرت و عجیب و غریب یہ ان کی عقل، علم اور فطرت اس طرح پیدا ہوئیں۔ مختلف ممالک و مروج سے جو کونسلیت کے ارتقاء تک پہنچنے والے تھے انھوں نے مختلف عناصر کی تشکیل میں اختیار کریں۔ انسانی روایات کی ابتدا انھوں نے ہندوستان، عرب اور ہندستان وغیرہ میں اپنے اپنے نظریات و عقائد کے

اس سے پہلے کہ ہم اردو شاعری میں ہندو مت والوں (Hindus) کے استعمال اور اس کی بازیافت کے سلسلے میں پیش رفت کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متوالوجی (MYTHOLOGY) کے سنہ ادا سلہ معنی و مفہوم ذہنی شیں کو لیں۔ متوالوجی جس بیاوی لفظ سے بنا ہے وہ یہاں کہ سب جانتے ہیں MYTH ہے اور "THE RANDOM HOUSE DICTIONARY OF THE ENGLISH LANGUAGE"

جس میں سنہ لغت میں MYTH کا مطلب ذیل مفہوم درج ہے

A TRADITIONAL OR LEGENDARY STORY, USUALLY CONCERNING SOME SUPER HUMAN BEING OR SOME ALLEGED PERSON OR EVENT WITH OR WITHOUT A DETERMINABLE BASIS OF FACT OR A NATURAL EXPLANATION ESPECIALLY A TRADITIONAL OR LEGENDARY STORY THAT IS CONCERNED WITH DEITIES OR DEMIGODS AND THE CREATION OF THE WORLD AND ITS INHABITANTS

علمی لائن میں اس فقرہ اور حیات و مروج کے بعد اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں۔ علم الامام کے آثار اور ادب کی تفصیل و راسخ انسان کی فطرت اس کے احساس اور شعور کی نشوونما کے اجمال احوال کی تاریخ ہے۔ کائنات، قسم قسم کے موجودات اور طرح طرح کی مخلوقات سے مزین و متنوع

[illegible][illegible]

ارتقٰی محاذ سے نواہے

ہوئی، دھماکے کی حد سے زیادہ اندھے کے دھماکے کے لئے جس نے پتھر
سیا جا سکا جو اس کے کلمہ پر ہی زیر بحث ہوئی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں
زلفت ہے تیری سوچ جسنا کی
تل خود یک اس کے اک سنا سی ہے
کتنی سوں جب کہ رام رامی ہے
گنگا دواں کیا ہے میں سے آپس سستی
آس صنف شباب سے روز نہاں آج
کھوکھو توڑ دل سوں دل میں رکھ کو نیت خالص
ہو اسے رام بن حسرت سوں چاہیں سوں رام اس کا
دکھی لوگ گیتوں میں بھی گھس گھس ہندو اہنائی روایات کے
اشارے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

آہیں آہیں بول کو سچ بولو بند ٹٹ
راجت کے باؤں کو لگاؤں غنی بھگت
بھایاں مرے پیغمبیں، تولا پور کی گھوڑی
اتر صاحب جہو رام بھپن کی جوڑی
میں بن جاؤں گی دیوی ہاں رہے تیاں
یوہاری س بن کر بوسا کر دوں گا دیوی کو جانے زردوں گا
اوند کو شروں سے ہی مسلاوں اوند میرے سوں دونوں کا خلوص و
پیاد اور باہمی اتحاد و یکجہالت کی روح ملی ہے صدیوں سے۔ یہ ایک
رشتہ اتحاد بھی بنی ہوئی ہے۔ عام زندگی کی طرح شاعری میں بھی ایک دوسرے
کی تہذیب، مذہب اور اعتقادات کا احترام ملتا ہے۔ چنانچہ اہریت دا
جو مرہٹی کے شاعر تھے، انھوں نے دہلی میں بھی شاعری کی مٹی منویں سدھام
چرنویں کوئن جی کے بچپن کے ایک ساتھی رام کی زندگی کی ایک جھلک
پیش کی ہے۔ غوی نے بے زحمتی کی اجدا انھوں نے حمد سے کی ہے۔
ابتدائی چند شعر پیش ہیں:

بھلب، ہر گوجی تو ہی کا راساج
خلق پنج مہانے دی کا راساج
دی ہے کوہ بخش صاحب مونی
اسی کو کہے کل عالم غنی

ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔
نوس، سو دھک چک جوں آنڑ سر و مٹی
پوست سستی تاتا ابراہیم پر ساؤ مٹی دونی
چھتی سورت سست سیکھ مہر بھگت پانی
دنت داسی ٹھٹھ گھو گھو روت لیں بھان چوپا
اور شیوی کا سراپا دیکھے کس طرح کینہا گیا ہے۔
بھرو کر پور گورا بھال تنک جند را
تری مینرا جٹا منکٹ گنگا دھرا
ایک ہست اندر ترا رسول جنگل کورا
باہیں، باجوہ دیت مات گسائیں ایوہرا
مچھتی تم روپ کی تنک جوت ڈوہر جٹا رت
بھو رجن تھاں مہتا پھر اندر پھیا پو بھیا اور دار
اس طرح سادہ دہلی مہد میں ہندو ساہیہ کے تعلق سے بے شمار مثالیں
ملتی ہیں جیسے:

سورج گیران چھوٹے لگ
(کھرا موصیہ۔ مانتاہ)
موہان تے یانی سیت کا دھل جاؤی رامیری
(علی نلفہ۔ مصری)
کھیاستہ کوں راکس اس بھار پ
(قطب متھی۔ ملا دھن)
دوا جند ہم کا سستارے جنگ
کل امواس لگ داں تے اندھار پاک
(ہوگ بل۔ ریشی سیدی)
بھاگرتی سوامگ ہے سب بھول بہرن
(کھلتا سادھی۔ ستا ہی)
جنت کے تر جگ سس سو یک جس تر بیج کا
کر گون کے مدھن گئی ہے کان کی جاگے
(کلیات جبرہا۔ محمود بوری)
دلی کوئی کو جس کے اترے شمالی ہند میں بھی اودھ شاعری کی ابتدا

اس نے بنا یا تیرا آسماں
یوں آگ آتش بنا یا مکان
مرگ تیرا کیا حال پہر تیرو
ہری ہری چہ باجو کھلا تیرو

شمال میں اردو شاعری کے آئینہ کے بعد شمالی ہند کے ان اچھ شعرا
میں بطور سلسلہ ہندو دیوالا کو بھونچو طور پر بتا ہے نظیر کو آبادی اپنی
نظیر آپ ہیں۔ اردو میں عوامی شاعری کے دامن میں نظیر کو آبادی کے
ہاں بھی ترقی پسند گھانا پانا آدم قسمل کو کہتے ہیں ہندو دیوالا بھی عناصر
اور ہندو نہ ہیں ہزاروں کا ذکر دیوان کی صورت میں ہے اس اعتبار سے کی صورت
میں ہی نہیں بلکہ ایک طرح کے عقیدہ اور طرز زندگی کے طور پر اسے مد
ہے کہ انھوں نے کوئی شراکی طرح صرفت میں بھی ہندو واسطی کا دامن
نہیں چھوڑا ہے۔ سحر ایک ہندو ملاحظہ ہو۔

کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اور شکر تگری
کوئی ایک رو بہ کو تار کے نکال سکے کوئی نہواری
کوئی رام رام کہہ کر سب کوئی بولے شو شیبو ہری ہری
کوئی دانا دینت دیوال کوئی راگیس دیوت جن ہری
کل عالم تیری یاد کو سے تو مالک سب کا پتا ہے
نظیر کا ہندو عقائد ہوادوں اور دیوی اوتاروں وغیرہ سے گہرا
لاؤ ان کے مزاج میں پوری طرح سے رچ بس گیا تھا۔ چنانچہ انھوں
نے اس سلسلے کے ہر مکتبہ نوٹ نہیں کی ہیں۔ جیسے ہر مکتبہ کی کا "کھنیا
جی کی شادی" "الینین ہانسی بریا" "رسم کھا" "ہر کی تعریف میں" "دوگا
جی کا دشمن" "مادری کا بیاہ" وغیرہ وغیرہ۔ ہر کی تعریف کا ایک ہندو شاعر

میں کیا کیا صفت کہوں یا رو اس تمام برن لاداری کے
چکھن کھنیا میری دھرم موہن گنج ہبہ ساری کے
گھپاں موہن سارو لیا کھنیا میں اٹل ہزار کی کے
نندال دلارے سندھ جب راج چندرک جھک لکھ کے
بانسری اور ہولی کے تعلق سے ایک ایک ہندو ملاحظہ ہو:

جب ہری دھرم لے مری کو اپنی اور دھرم
کھپا کی پیم میت بھری ایک دھرم بھری

کی اس میں دھرم دھرم کی ہر دم بھری گھری
لہرائی دھرم جس کی اور دھرم اور دھرم
سب سینے دانے کھراٹے جے جے ہری ہری

ایسی بھائی کو شمن کھٹا نے ہانسی
ہر آن خوشی سے آپس میں سب سب رنگ چمکے ہیں
رخسار کلاوں سے گلوں کیوں سے رنگ چمکے ہیں
کچھ رنگ اور رنگ بھکے ہیں کچھ سے کھام بھکے ہیں
کچھ کور سے ہیں کچھ اچھے ہیں کچھ ہتے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور پر نقشہ ہولی کا بیان سنایا ہولی نے
اس سے قبل کہ شمالی ہند کی مسیاری اور دھرم کی شاعری کا ذکر کیا جائے
جوان صاحب کی دیکھنے میں ہر دھرم کا ایک خاص اسلوب اظہار ملے
ہندو اسلوب سے متعلق چند شائیں پیش کر دینا تقیہ تو یہ عمل نہ ہوگا:

سوم کے گھر میں میاں کی دال بھی گھنٹی نہیں
برہم کے گھر میں جہاں لے گا "آکھ لے گی کا لکا
گو گھنٹی میری اچھا ہے پر کی کھڑی بھی
تقدیر تو تیرے مری بھاگ بھری ہے
نام کیا لکا میں کوئی مسامی سے میں سوا
مجھ سے جادو گونیاں ہوتیں اگر دان کے ساتھ
ایک ایک نھلے پے ٹوٹ لڑتے ہیں مردوبے
مصل مشاعروں کی اکھاڑا ہے مجھ سے
قل نہیں جھگت میں زنا نمی کی
یہ کھنیا کھڑا ہے گو گل میں

اردو شاعری میں ایک مقام بڑا اکتوزیراٹھا لکھا ہو
اور بہت صحیح لکھا ہے کہ انیسویں صدی میں اردو کیمت کی ابتدا اننت
کی انڈیا مینا ہے جو کی اور انڈیا مینا ہے کھنیا کی ابتدا اننت
کا مکس ہے جس میں بت پرستی کامل اور فطرتی اور تنوع کی صفات ہر شے
سے عام ہوئی ہیں۔ (انڈیا مینا ہے سحران دیان اور گھنیا مینا ہے
کے پر تو کے آثار بھی ملتے ہیں۔ ذیل میں دو شائیں پیش کی جاتی ہیں۔

لج دکھ شام ہاری
میر جی ہوں تعادری
تم چاروں کے گھیر لیا
جہ ڈر پگ اٹاری
تاک بھاگت گشت ہوں
یہاں نور ہمارے

کسی بھی زبان کی شاعری کا کسی قسم کا پتہ اس وقت کے ملے
اولیٰ سیاسی مہادی تھیں اور معاشرتی حالات کے پس منظر کے مطالعہ کے
بغیر ناممکن ہے انہیں بکرا نہیں ہو پتا ہے یہ سوشل نہیں کہ ان تمام حالات
سے بحث کی جائے مگر مختصر یہ کہ کیا سکتا ہے کہ ہاری سماجی اور تہذیبی
تاریخ میں نہ تھی رنگ ادنیٰ کی حد ادنیٰ کے ذریعہ میں متعلقہ وقت پر
رسم و راج میں تہذیبی بین دن کے خطا سے اور اپنی عزت و احترام
کا کھس اس وقت کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے جس کا یہ ہے۔ اور انکو
بہ جان اور مصائب و آلام و غم و غصہ کے زلزلے میں غریبوں پر اس کا
رنگ چکر بھیا ہوتا گیا ہے۔ مختلف تحریکوں اور مختلف انقلابوں کے زیر اثر
اور شاعری کے مزاج میں ایک خاص قسم کے دھوپ بھاڑ بھی ملتی ہے۔
اس کا نتیجہ شمالی ہند کے عیاد اور ہند کے ہند کے بعض شعراء کے ہاں ہند
وہ بالائی عناصر بھی ہیں کہ اس طرح ادنیٰ کے رنگ اور دھوپ میں نکلتے ہیں۔
ذیل کی مثالوں سے اس حقیقت کی بھرا ایک بار تصدیق ہو جاتی ہے کہ اردو
شاعری کسی زمانے میں بھی اپنے ماحول کے اثر اپنے وطن کی غضا اور اس کی
تہذیبی قدروں سے لگ کر اپنی وہ آیات و حکایات کے دل آویز اور جاذب
نظر نقش سے بھر جاتی نہیں رہی۔

خطا نکلے پر سر رخ نور کا پایا
خیرات برین کوئی چاند کوں سے (شہاد حاتم)
سوائے جن پر غضب کی دھج ہے بستی شال کی
مٹی میں ہے کچھ شیشے اب بے گھسیالان کی
شیر کی کھال بچا اور کسے تن پر بھجوت
گاہ جوئی کی طرح بہتے ہیں آئین مارنے (افکار)
درد دل اس بیت پر دودے کے کھنکھ
جاکے کہ درام کوئی آستانہ اور گھنٹیں (ایضاً)

میں الیہ مسیح عالم کا جاندار
میں نے میرے ہاتھ لگا کر ان کا
ڈر کے میری شب عبد الی سے
کا کارام دام کوئی ہے

سافلی دیکھ کے صورت کسی سہالی کی
ہوں مسلمان مگر ہوں انھوں نے کالی کی
سافلی ہیں یہ قبا ہے جو ترب بھاری ہے
لاڑ کتا ہے جن میں کوئی گودھا لگتا ہے (نابینہ)
اور دھواں میں صحت میں ہیں شیریں تر و آتش و فخر
اور دھواں سے دھواں کے شمشیر کے لالے ہی نہیں ملے بلکہ ایسے انسانوں کی رنگ
کے شہری تعلقات میں ہندوؤں کی طرح، شاکھ و پوری کی گڑ
مرا یا اپنی رنگ بخت کی تصدیق شہری مل و دھن کا فخر و عبت
خان رو بہ ملک کی مسیحی اور جوت اور نرے سکر ایک ہندو پر سرام کی
دانتان عشق کے تعلق سے ایک شہری تھیں کی ہے۔ اس کے علاوہ خدا کے
کھن تیر کے ہاں اس قسم کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

سنا ہو گا دانتی پر جو کچھ ہوا
نہ اس عشق میں کبھی ملے سے ہوا
جو لکھا ہے گوری سو مشہور ہے
دین کا بھی احوال مذکور ہے
جسٹن اور دہر چوٹی ہے
راگ رنگ ادنیٰ کی ٹھولی ہے
ہاری خصوصاً شاعری کی روایات و صورت اور شاعری کا قدیم
قد و رشتہ میں بلکہ فلسفہ غیر مذہبی اور جمہوری نوعی نظام زندگی میں ہندو
مسلم و مسافریت اور سماجی مل جولی تہذیبی و تمدنی کے سکر بھگت
اور ایک جہتی کی بنیادوں کا بعد میں سے مضبوط بنانے والی انہیں پھر اور
گلا رہا ہے۔ فیض سلطان مونی شرانے ہندو مذہب و رسوم و عقائد میں
بھی وہ گہرائی اور ہر اہن پانی جو سماجی و روحانیات کی تعلیمات سے بڑی
مددک ہم آہنگ ہو۔ اس لیے خیال اور صورت ہو سکتا ہے کہ ان کے
اس احساس اور ادراک کی بدولت اور دھرم و رکت کے اظہار اور انانہ
اصول کا گور و بزم خاندان و تاقوس اور زنا و بیوی و بچہ کا اظہار و کتب
طوائف و تعلیمات کی خوش اور صفا کیسے بھیت سے نظر ہو کر خود کوئی
آفریں کی پریوں کی نشیں میں گیا ہے۔ انھیں اپنی اردو کی خصوصیات اور

میں ہے ایک ہونا اگر دل نہیں ہے پاک
 و مہم میں نہیں ہے کہ چھٹا ہنس جائے
 مانا اس اس سر کے زبر اشفاق سے زہب نہیں لکھا ہا میں میں
 ہر کہ کھا کھ گیا اور ایک نیا غوال دھینکے رہے نہ تمام ہر کہ نے کی
 دعوت دنیائی اور گوتم محمد نامک اور سامی نام تہ کو کوئی اندر حقیقت چلی
 کی تھی

چشتی نے جس زمیں پر پیغام حق سنایا
 ناکت نے جن میں جن میں وحدت کا حجت گایا
 گوتم کا جو دل ہے جا پاں کا حسہ م ہے
 حسی کے عاشقوں کا چھٹا یار و سلم ہے
 ان کے ہاں بھی رام چند جی پر ایک متعل نظر ملے ہے۔ چند شوبہ جہوں
 ہے رام کے دھوپ ہندوستان کو تاز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 امانا ان چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن ترادھر ہے والے میں شام ہند
 تلوار کا دھن تھا تماغت میں فروغ تھا
 پاکیزگی میں جو شمع جنت میں فروغ تھا

یہی نہیں انیس کے شہر کی طرح جن میں ہندوستانی تہذیب و
 ثقافت کا رنگ نمایاں ہے شہر رشت گوتم کا اور دھما کے ایک منچور
 نقیہ تصدیق کی قشیب کی سرسوی رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے۔
 سمت کا شمع ہے جلا جاب بھرا دل برقی کا نہ چھ لاتی ہر جگہ
 گھر میں انسان کو بس سوز دلان کوں جا کے جہاں بنانا بھی ہو کہ طلال
 دیکھے چوکا سری کو شمع کا کیر کو دشمن سید رنگ میں دل کو بولے ہو کہ
 ڈوبنے چلے ہیں لگا میں ہزاروں دلا فروزاں کا بلور ہے یہ بھی ہو کہ
 دکھیاں ملے کہ سولوں کی ہر نکلیں تیار ارض کا ڈولے کوئی سدا کوئی

سے خاندان کو دیا جائے تو وہ باطل بلکہ گنہگار ہے نہ رنگ ہر جگہ کی
 شکار گنہگار نہیں لکھا ہا میں میں ہر کہ کھا کھ گیا کی تھی
 منزل سے پہلے خود تیرے لکھا تھا

تیرے کہ دھند زہب گلاب و پچھ گیا ہوا نے تو
 خشتہ کھینچا اور میں چھٹا کھ کا ترک اسلام کیا
 ہم نے پچھ گئے کہ امت و بد و حرم کی راہ چل
 اب یہ چھٹا کھ ترک شیخ و برہمن میں رہا
 کفر کھر چاہیے اسلام کی رونق کے لیے
 حسن و زنا رہے تیسرے سیلانی کشا
 اور اس روایت کا سلسلہ غالب تک جا ملتا ہے۔

وفا داری بشو استواری اہل ایمان ہے
 مرے بت خاتے میں کو کھر میں گاؤں برہمن کو
 دو روٹی سے دو سس پر زنا رہی نہیں
 یعنی ہماری جیب میں ایک تاد بھی نہیں

اس تصور مذہب انسانی و سچا نظری اور معالی بشری کے متفق ہواں کی
 بیل کے چھ ہندوستان کی سرزمین رنگ رنگ کی سرسوی کے زور حجت
 اور لاکھ لاکھ لاکھ لاکھ ہاں رہے تھے۔ مگر تھے تھے یہ قلعہ محرمات و
 عوام اور اہل و عیال و شہر و شہر کے شہر شہر سے اہل و عیال کیسے
 اسی انقطاع اور اختتام کے اثرات کے شہر شہر سے اہل و عیال کیسے
 خالی رہ گئی تھی چنانچہ اگر آبادی اپنے مخصوص رنگ میں فرماتے ہیں۔
 کہاں کے سولہ کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سبے اہل نہیں
 عقیدے سبے ہیں تین تیر و دیکھا ہو جس پر دھما شمع ہے

ادب بھر و زنا تھا جاتا ہے غیر نہ کی مذہب ہر مذہب کی غیر
 ہندو سے آپ کی محبت جو سدا کھر ہر کہ کھا کھ گیا ہا میں میں
 اس سرکار میں سال کا دھن اسلافیات و ذہبیاں کا تاد پور سے خالی نہیں



سید محمد علی شاہ

رعنائی افکار

مہانت ماگان دھی

مفتونے کو لڑے

جمہوریت ملک پہ فخر ہیں آج ہر اہل وطن کے لیے زینت ہے سرتاج
صدور کرنا یہاں ہوا ملک میں اب راج ہاں کس کی بدلت ہوا انگریز کا خراج
وہ شخص خود راہ و قدارتے گا بھی

وہ راہ دکھائی کہ وطن چو گیا آزاد سرشار ہر ملک پر ملک پر کشاد
ڈالی گئی جمہوریت ملک کی بنیاد ہر گوشہ ملک پہ ہے اک جٹن سے باد
اس ملک میں کے خواب ان ملک سے گاہی

جیانی ہو سکے جو کہ سلاٹ برہمن مزدور ہوا، وہاں جو کہیں مانو بھرا
کشید میں گھر ہو کر پوچھا میں سکھ بنگال ہوا در اس جو جرات ہو ماس
ہر اہل وطن کے لئے دلدارے گا بھی

آزادی ملک اور خیالات ترقی ہیں مد نظر ہے، روایات ترقی
خواہش ہے بھر لے ہیں جذبات ترقی کشش سے پیشکش حالات ترقی
بر نشہ وہ ہے جس کے شرابے گا بھی

آزادی ملک اہل وطن سب کو سارک جمہوریت شان جن سب کو سارک
چینچہ و گل سرور سب کو سارک اب راج تری کا چل سب کو سارک
کیا بیکر رعنائی افکار تھے گا بھی

سرتا امر ہے صورت

آج سے کچھ سال پہلے اس زمیں کی خاک پر
اک مجاہد، اک عظیم انسان ہوا تھا جلوہ گر
یعنی گاندھی، اس زمیں کی عظمتوں کے ترچھا
پہ کے کھولے، اہلسا کے محافظ بے گناں
وادی امن و اماں میں آپ کی تنویر ہے
زندگی کے ہر ورق پر آپ کی تصویر ہے
آپ کا پیغام، پیغام محبت کا امیں
آپ کا پیغام، امن و آشتی، عزم و یقیں
آپ کی دانش و رمی ہندوستان کی آرزو
آپ کی ہستی ہمارے زندگی کی آبرو
سرزمین ہند کو روح بخشی، پاش دی
آپ نے رحمت بندوں کو فکٹ فاش دی
آپ نے انسانیت کی قدر کو بالا کیا
خون کا اپنے جلا کر دیب احیالا کیا
آپ کی یہ روشنی ظلمت مٹا سکتی نہیں
آپ کی اس شمع کو دنیا بجھا سکتی نہیں

آپ

کا

پیغام

امن

آشتی

عزم

یقین

یقین



حافظ صاحب

• سید حامد

جون ۱۹۳۷ء کا ذکر ہے میں ملازمت کے سلسلے میں
لاہور آکر رہے مجھ کو رکھے یہ دوا نہ ہوا۔ جہاں میرا پہلا دفتر ہوا
تھا۔ مجھ پر پہلے ہی حافظ صاحب کا ذکر کانٹوں میں پڑنے
لگا۔ مضمون ہو اگر وہ سلسلہ کی جو تک میں گرفتار ہوئے تھے

اسی چھوٹے کو آئے ہیں۔ زبان سخن پران کی تعریف تھی۔ ایک دوزان
سے ملاقات بھی ہو گئی۔ از رہ غریب و آزاری، ایک دن وہ مجھ سے ملنے چلے
آئے۔ میں اپنی شکل کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔

یہ پہلی ملاقات تھی اور آخری ملاقات جون ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔
اس وقت وہ بچا کے گھر تھے۔ کوکڑے واپسی میں ہم لگ دو روز
کے لیے ان کے ساتھ ٹھہرے۔ اس وقت ان کے مزاج ناراض تھے،
سائنس پر زور دیتا تھا، سب سے پہلے اپنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ پہلی اور آخری
ملاقات کے درمیان کئی بار حافظ صاحب کی خدمت میں حاضری کا
موقع ملا۔ اس آشنائی میں وہ کبھی حکومت کا ہر تھے اور کبھی اس کے رکن
کہیں۔ لیکن اس ۶۷ سال کے عرصے میں ان کے ذہن میں ہر تبدیلی
نہیں ہوئی۔ اپنا احساس ہوتا تھا گویا انھوں نے وقت کے پہنچنے کو
قبول کر لیا تھا۔ مگر کبھی اب اس نے لاکھ سہا یا حافظ صاحب کی رہنمائی
نہیں کی۔ بلکہ یہی دیکھ کر کہ وہی وضع تھی، وہی انداز نشست و

برخاست، وہی آداب و اطوار، اسباب کے ساتھ دیکھی خصوصیت
عوام کے لیے وہی مصلحہ عام جس کا جی چاہے دستور ان پر مل جائے
جس کے دل میں کہے ان کا جہان بن جائے جو جانتا خود کو کھوت
دے دیتا۔ و صد ہا رہی حافظ صاحب کی خوشی جس طرح ٹیبلوں
سے کونٹیں بھونچتی ہیں، ان کی بے تکلف اہل ذلیل پر شخصیت سے
و صد ہا رہی بھونچتی تھی۔ زمانے نے لاکھ زور لگایا اس بندہ خدا کی
وضع میں فرق نہ آیا۔ سخت و سخت کے مراحل سے وہ کئی بار گزرے
آج زنداں میں توکل ایوانِ قیامت میں۔ آج عدالت میں بحث
کو رہے ہیں توکل مجلس قانون ساز میں۔ خواہ ملامت کو نہ ملامت سے بچا
ہو یا خود زنداں میں جانا ہو، قانون توڑنا ہو یا قانون بنانا ہو حافظ
صاحب کے رویے، ان کے انداز، ان کے سکون و طاقت، ان
کی حافظہ انسانیّت اور ان کی دلربا گفتگو میں کوئی فرق نہ آیا۔
ان کے چہرہ پر ہر اعدائے کفر میں گھبراہٹ کی لکیریں نہیں بکھیں۔

بجٹ پیش خواہ نامہ لایف کا پوراہ اسمی کا تھا ہر جگہ
 ہوتا ہے۔ جو کچھ کر جیٹ پر کام کرتے ہیں انھیں اس وجہ سے کہ
 بڑی تیار کیا کرنا پڑتی ہے جب اس کے لئے کہ گرانٹ اور ان کی
 جاتی ہے۔ ایسی ہی کہ اس کے حافظہ صاحب کوئی میں جملہ کوئی اور
 محکم کے صنعت و حرفت کے وزیر بنے۔ میں ہی کے سے متعلق
 تھا۔ ہم سب دفعت سے اسے کوٹ گرانٹ کی بجٹ کے لیے ہی بھر
 کرتا رہا ہیں۔ ان طالب علموں کی طرح جو سوچ سوالات کے
 جواب تیار کرتے ہیں ہم نے بھی سوچ کے گھوڑے دوڑاتے اور ان
 سوالات کا تصور کیا جن کی بوجھ لگتا ہے وزیر یا دیگر کو سامان لگنا
 پڑے گا۔ ان سوالات کے جواب بھی تیار کیے جواب کو اب کو قیاس کی
 گرفت میں لاکر اس کا جواب بھی قلم بند کیا گیا۔ اور ان کی تعداد میں
 سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ
 سب پیش گیری میں کیے جاتے ہیں۔ ہر مسئلہ دار قلم بند کرتے ہیں۔ ان
 کے جوابات کا سو وہ اذکار کے متعلق سالانہ جلد تیار کر کے وزیر
 کے پاس پرزے پیچ دیے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت کا محکمہ ان
 بھی اہم ہے پھر ان کے پھیلاؤ اور ترقی کے امکانات کے رد نظر اور ان کی
 نے محکمہ کے طرز عمل پر خوب لے دے کی۔ طرح طرح کے ریشاں کی عزت
 کے۔ یہ سب سوالات کے۔ آفیش گیری میں بھی کوئی ناخوشاں پیش
 نہیں۔ جو اپنا وہ شرمات کے روز پر پورے کیے گئے۔ حافظہ
 ان پرندوں کی نہیں میرے جاتے تھے۔ نہ چرچہ پر تھیں کے آواز نہ ہلے
 برصہ شام کا دن کو پڑنے کی کو شیش۔ یہی جواب دینے کا وقت آگیا۔
 فرماتے ہیں۔

”فادری میں ایک گیل ہے۔ کوئی حدیث نہ کوئی حدیث۔
 میں کیے جو سو راجاؤں نہ کیے تو ایک برائی۔ اس معاذ اور ان کے قابل
 اور ان کے کہنے کو طویل تقریریں ہمارے ملک صنعت و حرفت کی کارروائی
 کے متعلق ہیں۔ کتنے جب کالے لکھے نقائص کے ٹھکانے مٹی پر بنا کر
 دیات ہیں۔ اس کے کیا ثابت ہوتا ہے۔ یہی کہ ہم نے بہت کچھ
 بناتے تھے۔ کالے دیات بنائے گئے۔ یہی کہ ہم نے بہت کچھ بنائے
 ہر مصلحت کے کاموں کے لئے کیا۔ ہم کچھ کہتے ہاتھ ہاتھ دھرتے تھے۔

۱۲ جون ۱۹۵۹ء

ہے صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لیے کیا گئیں۔ نہ ہلے
 میں نے تو دیکھا تھا کہ وہاں کوئی صنعت کی اور کوئی نہ کی۔ کوئی نہ
 کوئی نہ کی اور کوئی نہ کی۔ کوئی نہ کی اور کوئی نہ کی۔ کوئی نہ
 اس کے لیے۔ لیکن اب میری کاوی کا اذکار لگا سکے ہیں۔ جب کوئی نہ
 یہ دیکھا کہ داخل کو سب حالت سے بہت گری کا بنا دھنا چھوڑا گیا۔
 اس کی تقریر میں نہ کوئی کارآمد چیز نہ کوئی تعمیری کچھ نہ۔ میں اسے کہہ رہا
 تھا کہ سیکشن کو بہتر بنانے اور صنعتی اور تھکانے پر جگہ کو مضبوط کر کے
 میرے فاضل کے سیکشن کوئی کارآمد تھا۔ اس اذکار کے سامنے وہ سیکشن
 لیکن میری اپنی کی ابتداء وہی جب انھوں نے اپنی کوششوں کو کر دیا
 تک محدود رکھا اور کوئی بات ایسی نہ کہی جس سے ہمارے صنعتی پروگرام کو
 مزید فروغ ہو سکے۔

بہت شور مچاتے تھے پہلو میں دل کا۔ جو راتوں کا تھوڑے سے
 اتنا کہ اور وہ حافظہ صاحب بیٹے کے فاضل کی ساری کاٹوں کو اپنی
 پریر ہو گئی سے سزا کرے۔ ایک کھاتے سے تقریر کا آغاز ہوا اور ایک
 شر پر اتمام حافظہ صاحب اور ان کی نس کو بچاتے تھے، جب
 چاہتے تھیں یہاں سے اسے گوارا نہ دے سکے۔ اسے لا جواب کر دیتے۔
 اعتراضات کو جملہ حق میں اذکار ان کے تیس ہاتھ کا لیل تھا۔

شو کا ذکر بھی آئے انھوں اس انہماک کا ذکر بھی کر دیا جانتا جو
 موصوف کو شورشاعی سے تھک دین کے کچھ جگہوں اور جگہوں سے فاضل
 ہو کر دات کا کھانا کھانے کے بعد حافظہ صاحب کو جو کچھ آ رہا اور جو چند
 سیلاب ہوتے جو یہاں زیادہ تھا وہاں کہ تھک تازہ ہو کر آتا اور نہ شب
 تک شور مچا کر اور لطافت نظر افک اور حرمت و حکایت کا دور چلتا حافظہ
 صاحب حق پر تھے جانی بخشی داری کا کو بیٹے رہتے اور وہاں نہ شرم سے
 سرور اندوز ہوتے۔ ان مجبوں کو شرم فلک حدوں تک نہ رہتے تھے۔
 مشاہد کی حدایت کرتے تو کچھ کہتے۔ وہ سب کی طرح سداوت میں نہ
 کوئی نہ کیا ایک پریشانہ اور کہات میں سے ہر وقت کھینچ کر ہوا میں نہ
 ہے۔ اس کی سن میں کا کہ نہ نہ کی فاضل کی کھینچ کر ہوا میں نہ
 کہتے تھک کر ہوا میں نہ کی۔ حافظہ صاحب کی حدایت ان کی شرم و شرم
 کہتے تھے کہ اسے۔ میں انھوں سے کہتا ہوں کہ ان کی حدایت میں نہ کی

میں ترقی اور طاقت آگئی۔

آزادی کے بعد، پی ایچ ایم جو سلطان وندا ہمسے میں اہل میں مولانا آزاد کو پھیر کر کھن میں ہی محافظہ ابراہیم کا کوئی حریف نہ تھا۔ مولانا آزاد کو بلند ترقی حاصل اور اس ساس پر ترقی نے حکومتیں بنا دیا تھا اور وہ رفت ترقی اور بلند کی ذوق کے دام میں اسیر ہو گئے تھے۔ ان کے اور عوام کے درمیان خواہ وہ سیاست کی دنیا پر خواہ شعور ادب کی، فاصلوں پر نہ رہتے تھے۔ حافظ صاحب عوام کے اپنے فوٹے۔ ان کے ساتھ مکمل یکو شیئر ہو کر رہتے۔ وضع قطع، نشست برخواست، اطوار و ادب میں وہ سولہ کے عوام کے آدمی تھے۔ سول لائن میں زندگی گزارنے والے سطحی طبقے سے جو کہ ہوا میں معلق بہت ہے۔ انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔ انھوں نے عقل کی زندگی سے اپنا نام بھی نہ توڑا۔ مزہ کے تمدن نے ان کی نگاہیں بھی غیروہ کس۔ علم و خود کی نام نہاد خوش فہم نے ان کے ذہن پر گہرا دھڑک اور حقیقت آشنا فہم کو بھی مگر نہ کیا۔ یہی راز تھا کہ کینے کے اس فن زندگی مقبولیت سا دل، اعتماد اور سکون کا۔

سیاست میں حافظ صاحب نے پی سادگی کی دھڑ سے باہر اچھو کے کھائے لیکن انھیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ ان پر بھیچے ڈالے گئے، پتھر اچھا لگتا تھا ان آزادانہوں سے وہ بے دواعیہ تھے۔ وہ ہمارے رہاؤں کی صفحہ اول میں رہتے۔ سیاست عالیہ میں شاید انھیں دخل کا موقع بھی نہ ملا جو۔ شعور ادب میں انھوں نے کوئی یادگار نہ چھوڑی پھر بھی ایسا اب سیاست میں وہ۔ پی کے تمدن کے وہ آخری ترجمان تھے۔ ان کی شخصیت و لہذا اور لہیر تھی، ان کی سیرت بے تھیں، ان کی نگاہیں بے تکلف، ان کا سرخوان وسیع، ان کا عمل آواز شرج، ان کی انسان دوستی ضرب المثل تھی۔ ان کی طاقت کا راز یہ تھا کہ وہ ایک عام انسان تھے۔ ان کی ذات میں عام انسانیت کے بے شمار دلکش پہلو جمع ہو گئے تھے۔ اور اس کی بعینہ کز ویاں بھی۔ ترقی نے ان کی روشنی میں اضافہ کیا، زمانے کے فنیب و درار نے لاکھ سردار ان کی وصودادی میں کوئی حیدر لی نہ آسکی۔ یہی ان کی عظمت کا بڑا پہلو ہے۔ اعتیاد اور اقتدار کا نشہ انھیں بھی نہ ہوا۔ ان کی عدلی طرف نے غریب اور امیر کے درمیان بھی امتیاز نہ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ انسان کی بڑائی اس شخص اس کا کردار ہے اور کردار کی بنیاد ہے سادگی اور انسان دوستی پر۔

بائبل ان بھی اس دوسرے کوسن کی بڑی زمین میں دور تک پہنچ گئی ہوں، لکھاؤ کر دوسری جگہ نہیں لگاتا، وہ جانتا ہے کہ وہ پودا ہی زمین میں جڑا نہیں رہے گا، کھلا جائے گا۔ حافظ صاحب کو اوروں کی بے لکھاؤ مرکز میں بٹھا یا گیا تھا جس آکر وہ پنپ نہ پائے، لکھنے کو وہ مہلا نہ سکے۔ ان کی جڑیں مرکزی زمین کو پکڑ رہی تھیں انھیں یو پی کی سائنت، دہاں کا گھر ملے ہیں وہاں کی جمہورتوں کی یاد دہانی تھی۔ پارلیمنٹ میں انھیں انگریزی میں تقریریں کرنا پڑیں جو وہ روانی سے کر سکتے تھے لیکن اعلیٰ دہاں کمال ہوا کی لطافت و طراوت سے بھری ہوئی خطابت اور نہ لکھی سے سنوادی ہوئی اور دوسری تھی۔ دلی سے وہ کھلائے گئے۔ دلی نے ان کی شخصیت کی آب و تاب کو کچھا ہی نہیں۔ دلی سے بڑے توجہ کی ضرورت تھی۔ اچ بھون میں اسیر کیے گئے۔ دہاں کی فضا انھیں کرا دیتی تھی

برعکس ہندو نام نہانگی کا فوہ۔ آخر میں حافظ صاحب کا یہی عالم ہو گیا تھا۔ جس کے حافظ نے بھی قرآن مجید کا مطالعہ کیا تھا۔ زندگی کی آخری دہائی میں اسے نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور بات بے جا تھی۔ کلام اشد کو بھول جائے کہ بعد پھر یاد رکھنے کے لائق کیون کی چیز تھی۔ حافظ صاحب کے حافظ سے جو ہر سرور ہوتے ان پر چھ گویاں ہونے لگی تھیں لیکن وہ دوسروں کے اعتراضات سے اسی حد تک بے نیاز تھے جیسے ایسی کو تپا رہے۔ بھولے دماغوں کی بھولی باتیں ان کے لیے بھی درخورد افشار نہ ہونیں۔ حافظ صاحب کا مارہر بیان ڈاکٹر عبداللہ مرحوم کی دلکس بیان سے مختلف تھا۔ موخرالذکر برنگ نے جان کو بھولے اور بھول کو یاد کرنے کو فن لطیف کا مرتبہ عطا کیا تھا حافظ صاحب کی بھول میں آؤر د کا ستارہ نہ تھا۔ وہ سر اسر کا تھی۔

حافظ صاحب کے ادا رنگوں میں خوش خوری کی ادائیں تھیں۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ سن سرعت کے ساتھ کسی بات کی طرف منتقل ہونے کے لیے تیار ہی نہیں۔ وہ بات آہستہ آہستہ کہتے تھے اور ایمان سے جیسے کھانا کھاتے وقت کوئی بھر کا لطیف اٹھانے۔ دوسروں کی باتوں کو ان کا ذہن بظاہر ہی زناد سے غور سے میں لاتا تھا۔ بات کھنے کی بات سمجھنے میں بکھلائی ہوئی تیرہ دی کوہ شاید میرا ہندیب سے ساقط

جلیبت بھی زد کی کو اپنے والد گرامی کی سوانح عمری تہذیب و تمدن کے لیے لکھ کر دلا سکیں۔ مرحوم کی بات چیت کے انداز پر اپنے والد صاحب کے لکھنے کے انداز پر بھی چھاپا تھا۔ میں جیت میں رہ گیا۔ وہ ایک نابینا اور ذہنی اوقات میں اسلوب فکر و خیال پر لڑا ہوا وہی آداب و ہی اطوار و سلوک کے اصول کی جگہ میں دو سلوک کے قریب کا نظریہ رکھ رہا تھا۔ میرا وہ اس میں دل میں کمالیت کی طرف گیا جو رشید صاحب اور اس زمانہ کے اسالیب کے متکون ہے۔

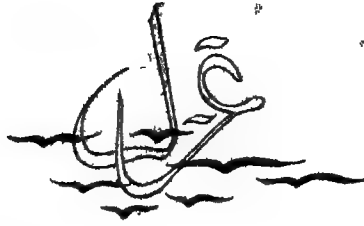
گردشِ آیات نے ہزار ہا سلازوں کے سر کو کھلا دیا۔ دقت نے علوم کتنی ہتھوں کو کھینچ کر کتنے مصلو کو کھوکھلا کر دیا۔ ماہ و سال کے کھالام سلسلہ نے کتنے قوی کو مضمحل کئے اور لوگوں کو شرمز دل کر دیا اور کتنے حریت پرست آتش آقا امام انقلاب بندوں کو عاقبت طلب اور کاش پسند بنادیا۔ حافظ صاحب بھی اس طبقے سے تھے۔ وزارت سے واپس بار انھوں نے ہول اور ان کی خاطر اسفندی دیا اور عاقبت کے معاملے سے ان کے لیے دیا۔ لیکن حافظ صاحب کچھ بھی نہیں ابن الوقت نہ تھے۔ جو وضع انھوں نے شروع میں اختیار کی اس پر آجود منک قائم رہے۔ شرارت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی کوئی جھوٹی بات ان سے سرزد ہو سکتی تھی بھالاک ان سے کوسوں دور بھی۔ تختِ امیر، آئین اور قیاس سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ حافظ صاحب نے سیاست کے سمندر میں ایک عمر محو آری تاہم

ان کی پختہ ہیرہ پانی کے ادبر بھی۔ سیاست کے داؤں بچا اور فریب کے وہ معصوم تھے۔ ملکہ انتخاب کے ہندو مسلمانوں میں نہ ہوئے نہ تھے۔ چنانچہ اس ملکہ میں ان سے مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ مختلف وقتوں میں صلیح مجبور کے دو یا تہذیبوں نے جو حافظ صاحب کے سایہ کفایت میں پہلے تھے اپنی فتر پرست و ذہنیت کی وجہ سے انھیں اھوکا دیا وہ ان سے سر تالی کی سیکھ وہ نہ تو حافظ صاحب کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے نہ ان کا سکون برہم کر سکے اور نہ ان کے لب و لہجہ میں لٹی لاسکے۔ حافظ صاحب فرقہ پرستی سے نفور تھے وہ وہ اکثر شریعت کی ہونہار اہلیت کی۔ سیاست کیوں میں وہ اس کی تہذیب کے آخری نمائندہ تھے جو تہذیب (مافیہ صوفیہ)

کھتے تھے۔ شرفدار گھسی لے سربراہ دوڑتے دھچکا ہے ۱۹ ایک سوال کو وہ ایک سے زائد بار دہرے گویا خود سے کہہ رہے ہوں مگر ارشاد۔ آپ کے جواب کا انتظار کیے بغیر کہی دوسرے سے مخاطب ہو جاتے۔ لیکن پھر آپ کی طرف واپس آتے بے قصدیہ تھا کہ حاضرین مغل میں سے ہر شخص جو وہ انکشاف رہے۔ چنانچہ جب حافظ صاحب کھنگو میں خوش خرامی فراتے تو حاشہ نشین حاضرین چونکنا رہتے کہ کب کوئی بات حافظ صاحب کی زبان سے ایسی ادا ہو جائے جس میں دوسرے کن ان کی طرف ہو اور جس سلسلہ مخاطب کی ایک کڑی جو جس کا آغاز ان کی آمد سے ہوا تھا۔ انداز مغل سے سا اوقات ان کا مخاطب مجنوں کی روشنی کی طرح ہوتا جو ملتی کھنکھناتی ہے۔ اس کھنگو کا لہجہ وہ پہل کھنکھاتی تھا۔ اس زبان کی خوشگلی پر اہل کھنگو چسپ چسپ ہیں تو زائد انہیں لیکن اس میں کھنگو کی ہوا اور کھنگو کی اور لطیف زبان سے اتانی نہیں زیادہ ہے۔ اس زبان کی سرحدیں ایک طرف سہا ہونے کی مشدہ زبان سے ملتی ہیں تو دوسری طرف دلی کو عوامی زبان سے۔ حافظ صاحب کے سوالات میں سا اوقات خوشی کے کن کھنکھاتے ہوتے۔ انھیں لطف آتا تھا پھر ہنسنے میں دوزیر لب اور بالاسے ہنسنے میں کھنگو اسنے میں۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کی وہ چمک میں لے آکر دیکھی ہے جسے اگر میری میں MERRY TWINKLE کہا جائے گا۔

حافظ صاحب ابراہیم کی رحلت کو اسی صرت چھ سال کے قریب ہوئے ہیں، لیکن ہماری مٹھلیں ان کے ذکر و جیل سے محروم ہو چکی ہیں۔ یہ ہماری محرومی ہے کسی اور قدر ناشائسی ہے۔ ان کے جس صاحبزادہ عتیق الرحمن (انھوں نے کہہ گئے اب اس دنیا میں نہیں ہیں) مرحوم سے جو اس وقت یوپی کا میڈیکل کالج تھے میں نے برس قبل تذکرہ کہا تھا کہ کسی اہل فکر کو حافظ صاحب کے سوانح حیات لکھنے پر آمادہ کیا جائے جس میں بالخصوص اس تہذیب کی ہکا بھکا ہونے کے وہ ترجمان تھے، اور شعروادب کی ان مغلوں کا تذکرہ جو جن کی وہ جان تھے۔ عتیق الرحمن مرحوم نے ایک حد تک میری تجویز سے اتفاق کیا لیکن انفرادی زندگی اور شعروادب کے بھلے جو کراٹھ انھوں نے اجتماعی زندگی اور سیاست کی طرف موڑ دیا۔ اور زمانے انھیں اس کی

لے پروفیسر شہید احمد مدنی



قہتا ابن فیضی

خزاں زدوں کو مستاع بہار بھی دے دو
صلیبِ عصر سجاؤ مگر ذرا اس کو
یہ چاندنی بھی ذرا دھوپ کا مزا چکھ لے
میں آئینہ ہوں؛ کدورت کو جذب کروں گا
یہ اور بات ہے میں راستے کا پتھر ہوں
یہ بانگین ہے اب اہلِ خبر وہ پہ ایک الزام
کچھ آج تیز تو ہو، وقت کی شرابوں کو
سُنگتی دھوپ کا صحرا ہوں میں کہاں جاؤں
یہی ہے سہل کو یارانِ رشک پیشہ کو
بھٹک رہی ہے خود خایہ ساز اندھیروں میں
دبے دبے یہ تیور، نیچے نیچے سے شعور

دیا ہے غم تو ہمیں اپنا پیار بھی دے دو
بہارِ قامتِ رعنا یا رہی دے دو
قمر و شوں کو غمِ روزگار بھی دے دو
مجھے تو اپنے دلوں کا غبار بھی دے دو
غریبِ شہر کو کچھ اختیار بھی دے دو
جنوں کو تاجِ سبِ شہریار بھی دے دو
مرے جوانِ اہو کا خُشیاں بھی دے دو
مجھے کوئی شجرِ سایہ دار بھی دے دو
مرا قلم بھی قلم کا بکھار بھی دے دو
اسے مری نگر ہو شیار بھی دے دو
سخنِ دروں کو ہنر کا وقار بھی دے دو

مجلد ہے تم سے فضا ہے کلا ہی فن کو
غزل کے عمدہ کو اک تاجدار بھی دے دو

میں بھی فسانہ تم بھی کہانی

اقبال ص ۱۰

(افسانہ)

کہا ہوں تجھیں ہم بولتے جا رہے ہیں۔ تجھیں یاد ہے۔
 کبھی تم نے مجھے دکھا تھا۔ کیا دکھا تھا تم نے مجھے صبح تووری
 طرح یاد نہیں۔ شاید۔ تم نے مصیبت سے یہ بھی دکھا تھا کہ جب
 میں دفتر سے تھکا ہوا گھر لوٹوں گا تو مجھے آرام کو سی پرگواہی دی۔
 — بڑے جاؤ سے میرے چوتے کی دو دریاں کھولیں۔ میرے کوٹ
 کے تین کھولیں۔ ان کو دلی عزائی انگلیوں سے جن سے میری
 زندگی کی گھنٹیاں سلجھ سکتی تھیں، تم نے جو تے کی دو دریاں ادا کوٹ
 کے تین کھولیں، کیا بیان کیا تھا۔ تم نے تو پھر اسی زمین پر نہ کہ
 بات کی تھی، شاید اسی بے عورت ستاروں کی طرف ہاتھ پڑھاتی
 بھی ہے تو اپنے پیروں کو زمین سے اٹھنے نہیں دیتی۔ لیکن میں
 تو زمین کی لپٹیوں سے اتنا لٹک رہا ہوں کہ ستارے میری نظر
 میں سنسکرتوں کی طرح ماند پڑ گئے تھے۔ شفق کی سرخیاں دل
 پر خون کا عکس بن گئی تھیں جو آنکھوں میں اتنا تر کر آئیں جاتی تھیں۔
 لیکن ہاتھ نہ سنسکرتوں سے ہاتھ نہ آتے تھے نہ افسوس۔ ادا میں چلتے
 پھرتے افسانوں کے تنگل میں تمہارے نرم و نازک دوجو سے
 شیفٹنگ کا گراں بار بوجھ اٹھائے تہا تہا دبا جا رہا تھا، لیکن
 اس فانیانگی کے باوجود مجھ میں دنیا بھر میں چھانے کا حوصلہ تھا۔
 اسی حوصلہ کے سہارے جب میں نے ہاتھ پکڑ کر تجھیں زمین
 سے اُپر اٹھا لیا تو تمہاری محبت زندگی کا بوجھ سہارنے لگی اور ہم
 اپنی زمین پر لوٹ آئے۔ یہ وہی تو میاں دل اور مسودہ تھی۔ ہم
 چاہتے تھے تو یہی تھے تاکہ جن کا کھیل بن کر ہمیں۔ صبا کی نقار

تمہاری آنکھیں تو وہ آئینہ تھیں جن میں چھانک کو میں اپنے
 ضدِ محال ہی نہیں اپنی روح کا عکس بھی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اب یہ
 آئینہ خانہ ایک ایسا حیرت کہہ بن گیا ہے جس میں چھانک ہوں تو
 اپنی صورت تک پہچانی نہیں جاتی۔ ہم کبھی اتنے اجنبی تو نہ تھے۔
 اس وقت بھی نہیں حجب ہم نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا
 تھا۔ جہنم کا ساتھ دینے کی قسمیں کھانے والے ہم لوگ اپنی
 محبتوں کو زندگی کے دکھ درد سے بچا کر اور کتنی دور لے جاسکتے تھے
 اب تو ہمیں اس کی بھی خبر نہیں۔ اور پھر سچ تو یہ ہے کہ
 پاس اس کے سوا تھا بھی کیا۔ لیکن کیا تم آج بھی مجھے جانتی ہو؟
 — کیا میرے لیے آج بھی تم میں وہی دل کشی ہے؟ — اگر
 ہے تو پھر یہ دور ہی کیا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ وہ جو تم ہوا تم
 نہیں ہو۔ وہ جو میں ہوں، میں نہیں ہوں۔

ہم سر جھکائے ایک ہی دنگ پر اس طرح چل رہے ہیں جیسے
 منہ اٹھائے مخالفت راستوں پر چل رہے ہوں۔ میں جو باتیں تم
 سے کرنا چاہتا ہوں ان کا قطع نہ کر کے کراہے سے بچے جس کا
 تھانہ ہم پر پور ہا ہے، نہ گواہی کی تک مزاجی سے کہ اس نے
 کل سے تجھے کا دودھ نہ کر دینے کی دھمکی دی ہے۔

میں تو تم سے حسبِ وجہان کی باتیں کر رہا ہوں۔ منہ بند
 سبب میں پیچھے ہوئے اس سے بچے ہوئی کی باتیں کر رہا ہوں جو تم نے
 اپنے پیچھے سے میرے سینے میں تسقل کیا تھا۔ روح کی گھراؤوں
 تلخی ہوئی انجائوں اور دعاؤں کی باتیں کر رہا ہوں۔ اسی باتیں

کبھی تم نے ادھکھی میں نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے تو تم سے محبت کی باتیں کرنی ہیں۔ تم سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ کیا ہمیں بے سن دس سال کی سزا کی پوچھ کر ایک دوسرے کو بچے بغیر ہی اس دنیا سے گزر رہا ہے؟

مجھے تو تم سے اتنا پوچھنا ہے کہ اس دن جس دن تم اپنے دور افتادہ بھائی کو کوکھنے دے رہی تھیں کہ اس نے تمہاری زندگی بنا کر دی، اس لیے کہ وہ تمہاری اور میری محبت کے بردان پر جانے میں ایک وسیلہ رہا تھا، مجھے بتاؤ کی تم یہ سچ کہہ رہی تھیں؟ اگر یہ سچ ہے تو آنا بھیانا کس سچ تھیں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ سچائی اگر موت کی طرح سفاک ہو تو زندگی کے خوب صورت جھوٹ میں اسے پھینالینا چاہیے۔

ہم انسان ہیں لے کر تو مجھے آئے نہیں تھے نہ کچھ لے کر جائیں گے ہی، لیکن ایک دوسرے کو کچھ فے لینے میں کیوں کھلے سے کام لیں۔

اسی لیے تو میں تم سے آج صرف محبت کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ فی الوقت تم بھی اس حقیقت کو قبول جاؤ میں بھی اس حقیقت سے انکھیں پڑاؤں کہ ہم اپنی محبت کی باتیں تم کو لیں تو مجھے دامنے کی تلاش میں سرگرداں ہو جانا ہے۔ اور تمہیں انھوں نے جبرمٹ میں جھجھ کر روٹیاں بیٹی ہیں اور انھیں بھرتی کھی جاتیاں ستانی ہیں کہ پرستان کا شہزادہ ٹھنڈے سیٹھے پانی کو خود دھو کر پی جاتا تھا۔

مجھے تو تم سے صرف اتنا کہنا تھا کہ نہ تم کو مجھ سے نفرت ہے نہ مجھے تم سے۔ بات اتنی سی ہے کہ تم میری چپ کو کھان لومس تھا آفسوؤں کا راز جان لوں۔ ہم ایسی کچھ بتائیں ہیں کہ تم کی رضی دودیاں ہمارے معاشرے نے اپنی آنکھوں پر لپیٹ رکھی ہیں۔ لیکن بغیر یہ ہے کہ ان کچھ بتائیوں کا ذہن ہے، جذبہ ہے، احساس ہے اور حیات تک یہ سب کچھ رہے گا ہم ان جن کو خوش رہ سکیں گے نہ بچ کر نہ دھڑے، اس وقت تک حیات تک کہ یہ ریشمی دودیاں کٹ نہیں جاتیں۔

میری چپ سے تمہارے آفسوؤں تک جو راستہ جاتا ہے

بن کر چلیں۔ اس کے موتی بن کر سورج کی کرنوں میں زندگی کو گم کر دیں۔ لیکن میرے کوٹ کے ٹخنے سے لے کر ٹوٹے ہوئے تھے۔ تمہیں فرحیت ایک نگاہ بھی کہاں تھی۔ ہم نے یہ کب سوچا تھا کہ یہ دھرتی میں ہم ساتھ ساتھ دو دم اٹھانے کے لیے لوٹ آئے ہیں، یوں بھی ہو گا کہ ہمارے پردوں تلے سے سرک جائے گی۔

اب یہ سب کچھ کیا ہو گیا ہے۔ جب میں دترے گھر لوٹا ہوں تو ہم ایک دوسرے کو کیسے اجنبی اجنبی سے لگتے ہیں۔ جیسے جانتے تو ہوں لیکن بھائی نہیں پارہے ہوں۔ ابھی کل ہی کی قبات ہے۔ میں تم سے کہا تھا کہ تم سارے گھر کی صفائی کے بعد ہرے اور بابوں پرانے ہوئے گرد و غبار کو اکٹرا کر غانا گھر کو اس طرح مٹائیں ہو جاتی ہو کہ مجھے تمہارے ہرے کی یہ بوگیاں اچھی نہیں لگتی۔ اس بات کی کئی شاید شخص کھن کھنکھتی تھی۔ تم نے دوسرے دن بناؤ سنگھار کیا۔ اور حسب میں گھر لوٹا تو مجھے اپنے گھر میں اچالے اچالے سے نظر آئے۔ لیکن تم بہت جلد بھول بھال گئیں کہ میرے لیے تمہیں یہ اہتمام زندگی گھر کرنا ہے۔ خواہ گھر کا سارا بوجھ سیکھ سیکھتے تمہارے ہاتھ شل کیوں نہ ہو گئے ہوں۔

پھر میں سوچ کر رہ گیا ہوں کہ تلو، تم نے ٹھیک ہی کیا رد نہیں سنا اچالے کا تصور بھی مٹ جاتا تو۔ اکیونکہ تمہارے کنوارے اٹھرن کو سہاگ کی سپرد کی عطا کرنا تو میرے بس میں تھا لیکن تم اس سبب کو جوئی کو تمہیں لینا خود میرے بس میں کہاں ہے۔ جی جانتا ہے اس سے پہلے کہ تم اس معاشرے کے ہاتھوں ایک چلتی پھرتی کسائی بن جاؤ اور میں ایک جیتا جاگتا افسانہ تم سے بھی بھر کے محبت کی باتیں کر دوں۔ ایسی باتیں جن کا اسکول کی فیس نہ دے سکنے کے باعث اندو کے امتحان میں عدم شرکت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی ان باتوں کا تعلق تمہارے نکلے ہاتھوں سے ہے جی میں چوڑیاں نہیں کھیتے نہ ٹوٹے گلے سے جس میں کان پوت کا پتھا تم کبھی ضرور کی سمجھتی تھیں۔ ہم شاید زندگی کی ان ہملات سے بہت آگے نکل آئے ہیں، کیوں کہ ہم لوگ ٹھٹھے لگے لوگ ہیں، کچھ داد لوگ ہیں، تم سے ان چھوٹی چھوٹی آندوؤں کی بات بھی نہیں کرنا چاہتا ہوں جن کو

وہ ایک ایسا پل صراط ہے کہ ہم پارا تریں تو پھر کوئی پرستش نہیں ہوگی اس لیے کہ تولد کی دھار پر چون خشک آفسدوں کے نیز سے کی افی کو دل میں ترانہ کہنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

جی جانتا ہے کہ تھارا ہاتھ تھامے ماضی کے ایک ایک جہنم دار میں فکرم پھروں، کچی کلیاں پھر سے تھارے راستہ میں بکھاؤں اور حبیب تم انھیں مدد نہ کر گزراؤ تو میں بن کر اپنے داموں میں غرق خاکروں کہ ان پر تھارے نقش کھٹ پائیں۔ اور اگر ایسے میں اپنی موٹر سائیکل بھٹ پھٹا غلغلہ لاسینٹھیا اس جہنم دار میں دے آئے اور میرا راستہ روک لے تو نہ تم کچھ بردارو نہ میں کچھ بڑا مانوں کہ اس عزت و توقیر کی میت کے اٹھ جانے سے ہماری محبت کو کیا لینا دینا ہے۔

کچھ بھی سوچتا ہوں ہم لوگ کیسے پاگل سے لوگ ہیں زندگی سے کچھ بھی نہیں مانگتے مرنے اتنا حسن سلوک مانگتے ہیں کہ ہمارے بعد زندگی پر یہ حوت نہ آئے کہ اس نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا۔

بعض یاد ہے کہ ایک سماں شام کو ہم اپنی ساری اداسیاں سیمے میں پڑے تھے کہ شاید کہیں ہل جائیں۔ تم اس کو کشش میں بٹھیں کہ مجھے خوش نظر آؤ میں بٹھیں یہ سزا ناچا ہوتا تھا کہ واقعی شام گنتی۔ خوب صورت ہے کہ چونکہ مجھے ایک کما کی کارہنر مادہ ملا تھا۔ جب ہم لہجہ پھر کو اتفاقاً اس باغ کے قریب آ گئے جہاں کلا محبت کی ابتدا ہوئی تھی تو میں نے لکھنؤ کا موضوع بدل دینے کی کوشش کی تھی چونکہ اس وقت تم مجھ سے اس مرض کی بات حبیب کا آفسانہ کو چکی بٹھیں جو مجھ سے میری انا بھیں بہا تھا اور تم سے تھارا حسن میں نے تم سے کہا تھا۔ ہٹاؤ بھی۔ دو کچھ شغف کسی پھول رہی ہے اور وہ حد نظر پر کوئی کس سے ہی رہا ہے۔ کیا وہ بھی ہم ہی تو نہیں؟ لیکن کوئی جو رہتا جو اس وقت بھی میرے دل میں گھسا میری محبت کی نگوی ٹوٹ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم اپنی اپنی سوچوں میں گم سم اس باغ میں داخل ہو گئے تھے جس کے پھول مچھاپے تھے جس کے گلے ٹوٹ گئے تھے جس کی کیریاں اچھٹیں بٹھیں جس کی روشیں خاردار بھاریوں میں ناچے چکی بٹھیں اور وہ مکان جس کے محراب میں

دیا جا کر تم مجھے اپنے دل میں اترا ہوا محسوس کرتی تھیں بکھا بجائیں بھائیں گور رہا تھا۔ مجھے اپنا بوجھ تو بالکل اسی مکان کی طرح دگا جیسے ایک گھنڈہ دوسرے گھنڈہ کے متقابل کھڑا ہو اور تم میرا دل تیراقل نظر دل سے دونوں کو نکال رہی تھی۔

یہ کیا دکھ درد ہے کہ ہم ہر کی لمبی راتوں کا کرب آج دصال کے لمحے میں محسوس کرتے ہیں تم نے تو یہ سوچ کر میری جانب ہاتھ پڑھا تھا کہ میرا ہاتھ تھام دو گی تو میں خود کو فانی مکان دہاں مجھے ٹھوگی اور میں نے بھی کچھ سمجھا لیا۔

لیکن اگر تھارے ہاتھ جن میں پھولوں کی کوہن بھٹی اب اتنے کھوڑے ہو گئے ہیں کہ میرے اپنے ہاتھوں کی بلے سی اس لمس کے فرق کو بھی محسوس نہیں کر سکتی ہے تو تباؤ میں کہاں قصور مدار ہوں، تھارا کہاں دوش ہے۔ محبت تو انسانی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تھاری عرق عرق پیشانی سے اگر محبت مر جاتی ہے میرے ذہن کی تابیالی سے اگر سینے میں اندھیرے سے نہ لپکتے ہیں تو نہ محبت کو بدو عاودہ میں اپنے شور کے اجالوں کو قتل کر دوں بعض اوقات کسی چھٹی چھٹی مصلحتیں زندگی کے سمندر کی آتھہ گرائی کی چٹنی کھاتی ہیں۔ ہم اپنے محدود احساسات کو بکھپا لینا چاہتے ہیں تو مسکراہٹ میں بھی یہی چراغیں بکھر جاتی ہیں اندیہ منہم کیسا نہ تھی دکھائی دیتا ہے۔

میں نے تھاری خوشی کو اپنی خوشی اور تھارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے کی جو باتیں کی تھیں کیا میں وہ سب بھول گیا ہوں؟ — پتھر سے سمیت اڑ جانے کی سوچے والا میں پرستے پرندے کی طرح زمیں ناپ رہا ہوں۔

میں ایک جینے کی ڈگری پر گئی ہے جس کو میں عادت کا نام دے کر اپنی شکست و فساد کی کہ احساس کو نرم کر لیتا ہوں۔ اور تم مصلحتی ایسا کی میری محبت کی جاتی ہو۔

میری کامیابیوں کا پہلا تجربہ وہی دن تھیب کہ اپنے گھر آیا تھا میں نے پہلی کاپی تم کو نذر کی تھی۔ میں کتنا غلطی میں تھا جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کا گھر لیتا ہو اور کھد رہا ہو۔ لیکن تھارے

میں تھادی نظروں کے سامنے کھلا ہوا تھا اور میں نے تمہارے ہاتھ سے اپنی یہ کتاب دلا میں نے کو بڑے یقین سے بگ شیلٹ میں سمجھاؤ کہ اس میں میرا خون جگر بھی متاں ہے تمہارے آنسو بھی۔

تم ہی بتاؤ کہ اپنی محبت میں اس بات سے تو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ میں ایک ایسی عظیم زبان کا ادیب ہوں جس کی موت کے بعد مستقبل کو اس کی تحریر کا ایک خوف ہی ملتا ہے اور نہ اس کی قبر کا نشان لیکن اپنی نسل کے بہت سے دیوانوں میں اگر میں بھی ملوں ہوں اور میں اپنے اپنے خون سے دیے جلا سے ایک دوسرے ہی کو راستہ سمجھانے سے پہلے ہی توکی تھیں اس دیوانی پر بار نہیں آتا جو مستقبل سے اس لگا سے بغیر ہی اپنے حال میں مست ہے۔

دل میں دو درد تک امتنا کی کوئی کرن نہیں تھی۔ تم نے مسکرا کر یہ کہا قبول کر لی۔ میں نے اس مکان میں نہ توں کا ایک چمن دکھا اور نظر نہ جھکا لیں، یہ نے اپنا آبائی گھر بیچ دیا تھا۔ نا قابل برداشت قسم میں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بیچ رہا تھا اس کتاب میں لگ گیا تھا۔ تم تو مال ہو تم نے یہی سوچا ہو گا کہ کہا نیوں نے تو کھڑا لیا اور حقیقت کا کھڑا سلام ہو چکا ہے۔ تم نے ٹھیک ہی سوچا تھا۔ میں نے تھیں چھوڑنے کے لیے کہا تھا۔ اپنی کہانیاں مجھے بڑی سیرا رہی ہیں کہوں کہ میں نے انھیں ختم دیا ہے۔ وہ میری منوی اولاد ہیں۔ لیکن ان سے تمہارا سونو کی ماؤں کا سونو ہے؟ تم سونو ہو سہ ایک مہینہ ہو گئی تھیں۔ پھر بدیدہ ہو گئیں اور تمہارے آنسو میرے پہلے جوئے کی پہلی کاپی پر چھوڑے جو تمہارے ہاتھوں



حافظ صاحب (صفحہ ۱۸ کا قلمی)

ناحن سے جدا ہو گیا۔ چند سال کے بعد انھیں ایکس کے اکھاڑے میں پہنچا رہا گیا ایک ایسی حلقہ انتخاب سے۔ جاتے جاتے انھوں نے پڑاؤ میں ہانک کر بھی نکلے۔ لیکن یہ ان کا دراصل تھا اور کسی دوسرے کا حلقہ انتخاب۔ وراثت سے پہلے لکھ اور محنتوں میں حافظ صاحب نے کامیاب کالکت کی۔ ان کی محنتوں کی کاویز جرح کو اسی دور کی یادگار سمجھیے۔ کالکت سے انھوں نے جو کیا اور وراثت میں جو لکھ یا یا اس کا ایک بڑا حصہ کیا میں گزرا۔ سیاست نے ان کے تجربے میں اضافہ کیا اور ان کے پہلے میں نھیٹ لیکن ان کی صبح میں ترمیم کو کسی وہی تیروانی، وہی علی گڑھ طبع کا یا کاندھ، میاں دند، اری کی طرف اس 'دم نکرو' کے داناں کا وہی ارتباط وہی جمہوری دربار، وہی ایک تاریخ میں جہاں اور دوسری تاریخ میں سونا، وہی انسانیت، وہی ظلم، وہی جہد، وہی غم خوار می، وہی حسین اطوار وہی گفت لانی گفتار۔

کے ساتھ میٹ رہی ہے، جو کہ عبارت تھی تراوت، بھلا سہت، خلق، نرم روی، سادگی، مصداقی اور غوراری سے۔ ایک دوسرا ادب ہاں حیرت کے سوا ذکر رہے تھے زمانہ کی بے بسی کا۔ ایک صاحب کی رحلت کی خبر پر جوئی ملی کی ایک سرکاری کالونی موتی بارغ میں رہتے تھے حافظ صاحب تعزیت کے لیے گئے۔ استقبال کوینہ کھٹے ہو چکے تھے لیکن ہر سہاے بھی۔ ہر اسکے کمرے والے کا گھر کون سا ہے۔

حافظ صاحب کی پرواز بلند تھی، میاں روی و سیاہ روی کا داس انھوں نے کبھی نہ بھڑکایا لیکن ان کی سیاہ روی ان کے دسوج و طاقت کی عناصر تھی اور ان کے حسن کردار کی نماز مستہویر وانی ہر دو کی طرح زمین پر ان کا جو دم پڑتا ان کی طاقت میں اضافہ کرتا تھا۔ ان کا حلقہ انتخاب ان کی کوئی نہیں تھا، چنانچہ ان کے صاحبزادہ کو اسی نے مجلس آئیں ساز میں بھیجا۔ حافظ صاحب ایسے حلقہ انتخاب کو بھڑک کر دلی کیا آت گوشت



آفتاب کی پہلی کرن

عشرتِ رملو پورے

ایا پورے تہذیب و تمدن کے لیے

اے ہم نشین نہ دور غلامی کا حال بوجھ
لب بستہ تھے کہ درد کا اظہار بھی نہ ہو
رداں کے پاسبانوں کا فرمان تھا یہی
نہجیر باد میں رہے جھنکار بھی نہ ہو

تھے باغیاں کے بھیس میں لکھیں دگل فرمش
بھولوں کا گلستاں میں کوئی پاساں نہ تھا
بجوا ہوا نظام جہن تھا کچھ آفس قدر
محفوظ بجلیوں سے کوئی آتشیاں نہ تھا

جس وقت ماں کی گود میں تو نے جنم لیا
باپو! وہ ایک لمحہ بڑا دل نواز تھا
جس طرح ایک لفظ میں نہاں ہوا داناں
پوشیدہ ایک لمحے میں صدیوں کا راز تھا

آزادی وطن کی لڑی جنگ اس طرح
ہوئے محافلوں کو اھولوں سے دی شکست
تیر و ستان و تخت و تلواریں جگہ
سجائی اور صبر کے بھولوں سے دی شکست

تو ہے وہ روشنی جو اندھیروں کو جبر کر
منزل کا وہ نور دوں کو پیغام ہے غنی
تو ہے وہ آفتاب کی پہلی کرن کہ جو
مکمل تو ظلمتوں کا سحر نام دے گئی

بات جیتے تھے ذریعہ
مسائل تھے
یکسوئے سے
مشارہد ہو کر

شملہ سمجھوتہ

جوہر
باشی

انسان ماضی کو فراموش کر دیا
جگمگاتے ہوئے حالات کو حکمت سے سنوار دیا
نظروں میں لیے پیار کا استقبال نہ لگیں
آواز دو خوشیوں کو بہاروں کو بکار دے
فالوس جو روشن ہوا ایوانِ طلب کا
اس دیب سے اس سیکڑوں تم دیب جلاؤ
دل جس نے ہوس در نظر جس سے سنوار
وہ پیار کا دنیا کو نیا گیت سنار
لہرائے لگے یہ جسم نو امن و وفا کے
اب پھر سے درو بام ہو جائے ہیں روشن
جس پیار کی خوشبو کی حضور کے جہاں کو
اس پیار کی خوشبو سے مہلے لگا کشش
اب جذبہ الفت سے جہاں ہو گیا سرد
ہم پیار کا دنیا میں جہن عام کر دیں گے
آپس میں ہم اک دوسرے کے ہونے لہریاں
انساں کی بھلائی کے لیے کام کر بیٹھے
اب دونوں مانگ ہیں رواں راہ و قابر
دونوں ہی کا ہے منزل الفت کا ارادہ
اک جان دو قالب نہ ہوں کیوں سب کی نظر میں
منزل دی دو فوں کی دی دو فوں کا حادہ
سمجھوتہ سے شملہ کے لئے قلب و نظر صاف
اخلاص ہر اک فعل میں اب ہو گیا شامل
ہم منزل ہستی کے طلعہ کا رہوے ہیں
مل حاسے گی اک روز آواز ہمیں منزل
دو دینوں میں بھیلے کا محبت کا املا
سمجھوتہ سے شملہ کا بلندی میں ہمارا

حقائق کی روشنی میں

پروفیسر کتب خانہ اسلامیہ

مغربی تعلیم کے حصول کے ذریعہ سے ہی سماجی اصلاح ممکن ہے، انھوں نے اندرون بنگال ایسے اسکول قائم کیے جن میں انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاسکے، ان کے برتاؤ میں سے ایک شخص سترڈیوڈ سٹیٹلے صاحب نام جوہن رسل کی یہ خوش قیامت کے ہیرے یاہ کلکتہ میں ۱۸۱۷ء میں جو یا کہ سر سید احمد خاں کے سال دلاوت میں سدوک کج عالم کیا جواب یہ دیے کہ کچھ کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح سر سید نے بھی مراد آباد بریلی اور دارالاسمی میں عالم کئے اور ان کے بعد مل گڑھ ایم اے "ادکار کج کی سیاد و الی صاحب نام جوہن رسل نے بنگالی نثر کو ایک نیا طور عطا کیا۔ سر سید احمد خاں نے بھی اردو میں پہلی بنگالی کی سیاد و الی اور اردو نثر کو ایک نیا انداز عطا کیا جس سے اردو میں ایک نیا جان بڑھی، اب وہ جوہن رسل کی طرح سر سید بھی بھڑکی زبان کے ذریعہ تعلیم دیتے جانے والے اسکولوں اور کالجوں کی جگہ جس سترنی علوم کے مدارس کھولے جانے کے لیے رطاد دی، داؤ کی مخالفت کی سر سید احمد خاں اور رام رام جوہن رسل دونوں ہی پر درود مطیب ہوئے کے علاوہ مصحف بھی تھے اور سماجی برائیوں کے خلاف صف آرا تھے، آپ آپ خیالات کے باعث دونوں ہی کو برا کہا گیا اور بدنام کیا گیا، جس طرح رام رام جوہن رسل کو منہ و سبیل میں کٹر قسم کے محدودوں کی طرف سے ذاتی خلاف کر دیا گیا اسی طرح مسلمانوں میں سخت اور کٹر قسم کے مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے سر سید پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا، سر سید اور رام رام جوہن رسل دونوں ہی انگریز تھے، اور دونوں ہی دہلی دہلی برطانوی ثقافت سے بے حد متاثر تھے، ایک سب سے دھچپ بات یہ ہے کہ دونوں ہی فارسی کے ماہر تھے۔

میں جس بات کو واضح کرے گی کہ کوشش کر رہا ہوں وہ نہ کہ انگریزوں کے خلاف کے مقاصد اور ان کے حصول کے تئیں، انہوں نے نظر میں قریبی عجائبات

تقریباً ۵۰ سال کی ملازمت کے ایسے تجربے کے بعد جو کئی لحاظ سے اہم ہے اور جن میں ۱۸۷۷ء میں سر سید احمد خاں کے قائم کردہ کالج کے چنے ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کے صدر دے کر ملی گڑھ سترڈیوڈ سٹیٹلے کے نام سے موسوم کیا گیا، دو سال بھی شامل ہیں اور اسی دور میں تک یونیورسٹی سے قریبی رابطے کی زندگی گزارنے کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ملی گڑھ سترڈیوڈ سٹیٹلے کی تحریک کے حضرات، آثار کا اندازہ اس ادارے کے باقی پر نظر ڈالے بغیر نہیں لگا جاسکتا، چنانچہ در نظر مضمون میں میری یہی کوشش ہے کہ اس پس منظر کو سنے، طور پر واضح کر دوں کیوں کہ راج کے اعتبار سے یونیورسٹی کا راج ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

مجھے اکثر اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ سر سید کی سوانح حیات کھسے والوں میں سے ہیں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے سہانی چندستان میں سر سید احمد خاں کی مدد ہی از مہما سترنی اصلاحات کی تحریک کو مسلمانوں کے احیاء کی تہہ تیا یا ہو، یہ تحریک ۱۸۵۷ء کے المیہ کے بعد ہی جس کے عالم میں سردار آزاد کی نذر گوئی ایک طرح سے پھر کیا نام دام جوہن رسل (۱۸۳۳-۱۸۹۲ء) کی طرف سے چلائی گئی، تحریک ہی کے سلسلے کی ایک کڑی پٹی تھی، صاحب نام جوہن رسل نے آئیسویں صدی کے آغاز میں ہندو سراج کو میدا کر کے اور اس میں نئی روح بھونکے کے لیے بنگال میں ایک تحریک چلائی تھی۔

مشترکہ باتیں

صاحب نام جوہن رسل نے دیہوں اور پنڈروں کی نئی مشین کی سر سید احمد خاں نے بھی جدید علوم کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی، تاکہ تعلیم یافتہ طبقے کو اسلامی تعلیمات سے متاثر کیا جاسکے اور رمانہ ٹورے کے ساتھ ساتھ گہری اور غفلت پسندی کی جو تہہ چڑھی ہوئی ہے اسے دور کیا جاسکے، صاحب نام جوہن رسل نے اس بات کی پر زور حمایت کی کہ

لغظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ راجہ رام موہن داس نے بنگال میں ہندو مت کی
میں نئی میزبانی اور ان میں نئی رو بہ کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو گئے جبکہ
سر سید احمد خان کا مثالی ہندوستان کے مسلمانوں میں اسی طرح کی سیرابی
لانے کا خیال محض ایک خواب ثابت ہوا۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ سر سید کے مثالی
کیا لوہوں اور دوسری صدی کے بعد اور تیسرا دور (پہلیں) کے اسلامی
تہذیب کے تہذیبی جہد کی نشاۃ ثانیہ کی کوششیں نے کار ثبات ہوئی تھیں
مسلک کے حقیقت یہ ہے اور یہی اس مضمون کی کلیدی بات ہے کہ راجہ
رام موہن داس کے کاڑی حمایت کرنے والے تھے کمال کے روش خبیثانی
طبیعیوں میں کسی کینے تھے مثلاً کہ سیکر و فیروزہ بھوں نے مسودوں کے چارہ
کے لیے راجہ رام موہن داس کا پورا پورا ساتھ دیا تاہم سر سید احمد خان کے
خاصہ معاملہ اس کے اکل پولس تھا حتیٰ کہ ان کے اندرونی حلقہ احباب
میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا جو عمرانی تعلیم اور سماجی اصلاح کے ذریعے
مسلمانوں کی بہبود بہتری کے سلسلے میں ان کے ترقی پسند خیالات نظر ثانیات
نے تعلق ہوتا ان کے ساتھیوں میں زیادہ تر اس وجہ سے ان کے ساتھ تھے
کہ وہ مسلمانوں کی مثالوں کی نظر میں ایک پسندیدہ شخصیت تھے۔ ان کے فقاریے
کار میں سب سے سب ان کی اس کوشش میں کھلا دل سے ان کے ساتھ
نہ تھے خود اسلام کو بہت سی ایسی فروعات سے پاک و صاف بنانے کے لیے
کوشش تھے جو آزاد گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام میں داخل ہو گئی تھیں
سر سید کو اکثر اور طلبہ قربانی یہ دی پڑی کہ انھیں اس زمانے کی افواہات
مذکورہ دیا پڑی ہیں کے ذریعے وہ اپنے ترقی پسند خیالات عوام تک پہنچاتے
اور ان کی نمونہ حمایت اور مالی اعلاہ حاصل کیا کرتے ان کے حامیوں
میں زیادہ تر ایسے تھے جن کا تعلق امرا کے طبقے سے تھا اور جو ملی گراف کے
آس پاس بستے تھے اور جو ۱۸۵۰ء کے عہد سے اہم اثرات کی بنیاد تھے
اس مسئلے کی طرف سے اپنے کا ذکر شدہ یہ خطہ محسوس ہوتے دیکھ کر
سر سید نے اپنے ذہن میں اس بات کو سمجھا کہ اگرچہ ان کی کوششیں مشہور و معروف
نہ تھیں، لیکن جانشین اور لائق سکرٹری نامہ کو دیکھا جائے تو وہ ایک
ایسی شخصیت تھے جو سر سید کے خیالات کے بھڑا تھے اور سر سید کو ان
پر اعتماد بھی تھا۔ تاہم ان کی کوششیں و فتویوں کی کئی کئی غلطیوں کو جان کر
ان پر یہ تھے ذمہ دار اور کوشش کے لئے جس میں سر سید اسلام کی بنا پر سر سید

۱۸۸۹ء میں ان سے امتحانات لے لیے گئے اور ۱۹۲۵ء میں ۵۵۵ نامہ اپنے
عہدہ پر فائز ہوئے۔ ان کی قلم کے اثرات نے لاد و لکشی کی نظر میں انھیں ان کی
مطالبہ لاد کے ذریعہ امتحانات حاصل ہونے کو ان ترقی پسند اور سماجی کاروبار
جو ترقی پسند ہیں ان کے جہد پر تحقیق و بصیرت ہے۔ یہ ترقی پسند کی بنیاد ہے صبح
مضمون پر یہ شخصیت کے حامل اور اس چاندروں کے لئے اور ترقی پسند کے
ہوتے سمجھوتے جو ترقی پسند ہیں، آزاد و آزاد خیالی کی ابتدا کی۔

اس طرح کی روایت میں اب اس طرح کے حالات پیدا ہو گئے کہ جہاں
مسلم لیگ کا جیو ترقی پسند ہیں، آزاد و آزاد خیالی کے ساتھ خلیفہ مسلمانان

تھیں۔ لیکن ان کے خلاف قیادت کی ضرورت تھی جو ان کے خلاف قیادت کی ضرورت تھی۔
قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں میں نے کئی اصلاحات
جو تھیں ان کا کوئی اصولی جواب نہیں ہے۔ یعنی درستی میں ہمارا واسطہ
خالق علی ترقی سے جو ہے چنانچہ اس شخص کے حصول کے ضمن میں ہمارا
منہری نے مسیحی ہی کہا ہے کہ "جب تک مسلمان عوام کی صف میں ان کے
دشمن بدوش نہیں کھڑے ہو جاتے تب تک وہ ترقی کی راہ پر گامزن
عوام سے قدم ملانے کے لیے آگے نہیں بڑھ سکتے۔"
بلکہ اشارہ

"اگر یہ حال منہری کے سدھہر، الا توں کی وضاحت کی جائے تو
یہ طریقہ گنبدی کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ ہے اور اس ایکٹ کے
تائید کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کی کو رد کر کے جائے ہم اس بات
سے باخبر ہیں بھی ہماری نقصان اٹھا رہا ہے، اگرچہ یہ زندگی کے دیگر شعبوں
میں بہت زیادہ سنگین نتائج ظاہر نہ کرتی ہو تاہم تعلیم کے معاملے میں تو
یہ سنگین نتائج ہیں۔ لہذا ہم اس تعلیم کو اپنے لیے خود کو مقابلے کے لیے تیار
کرنا ضروری ہے، تاہم اس حالت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم میں متعلقہ
حلقہ پیدا نہیں ہو گا، یعنی درستی میں اسی قسم کی باسی کو دیکھ کر کہے
دیکھ جانا ہے اگر ہم اس طرح کی باسی کے خطرناک نتائج سے سبق لینے کے
لیے تیار نہیں ہیں تو یہ اقدام خود کشی کے مترادف ہو گا کوئی شخص خواہ
کچھ بھی کہے کہ جسے ہم اس کے کہنے میں ذرا اہم نہیں کہ پر دھماکا
منہری نے یعنی درستی کو ایک عقلی ادارہ سالے کی ایک پرکاش۔ دھکر
مسلمانوں کی زبردست خدمت کی ہے مجھے صرت اس بات کا شوق ہے
کہ اس انداز نظر کو زیادہ وسیع پایاں پر توسیع نہیں دی گئی ہے
دوسرے ایک بھارت کے ذریعہ تعلیم، اعلان کرنے میں حق بجانب
ہو کہ مسلم یعنی درستی کے سامنے جو مقصد ہے وہ ہے حد یہ تعلیم کو فروغ
دینا، اس طرح سے وہ سرمدی اس مقصد کو یاد رہے ہی جو انھوں نے
مسلمانوں کو حد یہ تعلیم سے روشناس کرنے کے لیے اپنا ہاتھ دیا تھا۔ دوسرے الفاظ
میں اس ایکٹ کا مقصد یہ ہے کہ اس ادارے سے جس قدر ادا و تعلیم
پیدا ہو سکے اس کو خارج کر کے اسے حد یہ تعلیم کو فروغ کا ذریعہ بنایا
جائے۔"

(اگر میری مضمون سے نفی ہو تو)

جو صریح غلطی انہیں اور ناظم الدین اور بیت سے دیکھ رہی تھی خود بخود
تعلیم کو پیش کرنے کی بجائے اور صرف بتلنے سے یہ سرگرم جانوں کو جو
میں گروہ پر عمل کیے کا نتیجہ تھا اس میں جو عالمی اور اذکار نظام سے جو کہ خود سرکاری
نصرت کا ایک ہی بیٹھا تھا اور جس کے اندر میں تعلیمات تھے ایک کے، انہوں کو خوش
آخر یہ کہا جاتا تھا کہ گرج کر نو بدی میں طلباء کو خطاب کرتے ہوئے کہ اس
وہ جی کہ میں جلازمین اور ملک کا دودھ کر کے سونے لگے کہ پلان کے مطالعے کی آواز
گھر کو پہنچا رہی ہیں غلطی ہمارا دے مخالفت کی نہیں سخت ہو سکتی تھی وہیں دی
گئی۔ اس تحریک میں ہمارے زمیندار پیش پیش تھے۔

۱۹۴۷ء کے صدر بھی دینوری کی صورت حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی
مسلمانوں کی نفسیاتی بحالی کی پالیسی چل رہی تھی اس لیے حکام نے کسی تبدیلی کی ضرورت
نہیں محسوس کی تھی لیکن ہم اس ادارے میں تعلیمات پتہ کی اور رجعت پسندی کے
بڑھتے ہوئے رجحانات سے بچنے کی کوشش کی گئی اور ہرگز ایسا ہی نہیں تھا تو
اور اعلیٰ سطحوں کے زمینداروں کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ تقریباً کہ نو بدی تحقیق مطالعے
کا مرکز رہ کر ان ادارہ میں گئی جہاں کو لازم کو مقبولیت حاصل نہ ہو سکی
مخالفات کی کوئی وجہ نہیں

لہذا نو بدی درستی ترقی ایک کوئی ایسا اقدام نہیں ہے جو بہت
جہلت میں کیا گیا ہو اور یہ بات سمجھ سے ماہرہ کہ بھارت میں ملے
ہوئے حالات کی درستی میں مسلمانوں کو جو دے کے لیے فکر مند کوئی بھی
شخص کس طرح اس اقدام پرکتہ یعنی اس کی درست فکر نہ کر سکتے۔ نو بدی
کا کام تبدیل نہیں کیا گیا ہے یعنی درستی کے اقامتی کردار کو جو کالوں
دے دیا گیا ہے، مٹی اور شعبہ دیہات کے شعبوں اور شعبہ علوم اسلامی
کو نہیں چھوڑا گیا ہے سید بیک اور اعظمی جگہ کا محو میں نشستوں کی لغت
نفاذ کو عملی کرنا کے طلباء کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے مختلف اکیڈمک
تعلیم میں اس ادارے کو سب سے زیادہ موثر مقام دیا گیا ہے۔ ملک
میں کسی بھی نو بدی درستی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ طلباء کی تعلیم
کو کوٹ میں قائم دی گئی ہے اور اس طرح ان کے مفادات کی
اثر انداز ہونے والے معاملات میں ان کو موثر رد و اکرانے کو کہا گیا
ہے۔ یہ سب سے نئے ایکٹ کی رو سے دانش چاند کے اختیارات کو
فرہا دیا گیا ہے لیکن یہ کہیں کے خصوصی حالات کے پیش نظر ضروری



سعید عارف

کوب احساس جو اس نل پہ قہے یار
یہ صیغہ انھیں نظروں کا گرم ہے یار

پسند اپنی ہے یہ ذوق نظر ہے اپنا
وصل کا مجھ کو تمھیں ہجر کا غم ہے یار

درد کی دھوپ ہی ہے سایہ محرومی جی
توق ہر حال میں نایاب ستم ہے یار

کتنا دشوار ہے اسان کی خاطر حینا
کیوں عبت کھٹکیش دیر درم ہے یار

اُن وہ غم لب پہ جو آئینہ تبسم بن کر
ہے وہ درد جو عنوانِ گرم ہے یار

سرد ہی سہے بوسہ دے جنوں رکھتا ہے
دل دہی دل ہے بوشائے غم ہے یار

رج د اندر ہے ماتی ہے سسرت کا دود
ظلت شبے اُجالے کا بھرم ہے یار

روشنی روزِ گلِ صافی ہے اپنے پیکر
ہم پہ ہر روز اندھیرن کا ستم ہے یار



میں یہ پہ پہکھانستے جو ہر محرومی

بسا شام نہ رنگینی سحر مجھے
نشاطِ دل ہے بیشتر تری نظر سے مجھے

قدم قدم یہ جبینِ نیچے ابھکتی ہے
ہے ایک ربطِ نہاں تیری رگبند سے مجھے

شعورِ عشق، شعورِ وفا، شعورِ حیات
ملی ہیں نعمتیں کیا تری نظر سے مجھے

ابھی ابھی کو پیامِ حیات دینا ہے
ابھی ہیں کام بہت عمرِ مختصر سے مجھے

گزر گئے ہیں وہ جس اہ سے کبھی اک بار
ہزار مار گزرتا یڑا دھر سے مجھے

جنوں سے ٹھہر کے نہیں کوئی رہنما جو تہر
ملا ہے درس یہ اک صاحبِ نظر سے مجھے

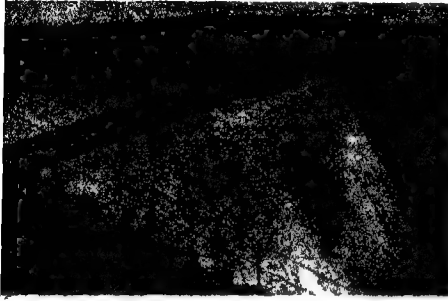


برٹت جوہر لال نہرو کے ہاتھوں دیہاں مادہ کا افتتاح

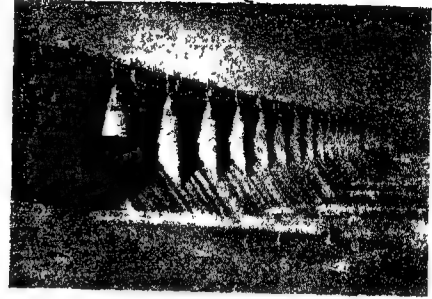
یوپی میں

آزادی

کے بعد کی ترقیاں



جیدریر کا مائٹھ (صلح دار اسی)

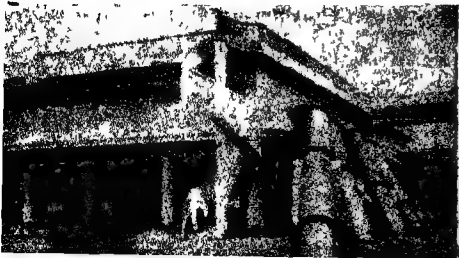


لاٹیلہ مائٹھ (دھانس)

تصویروں
کے
آئینے میں



بان جھکا نہر

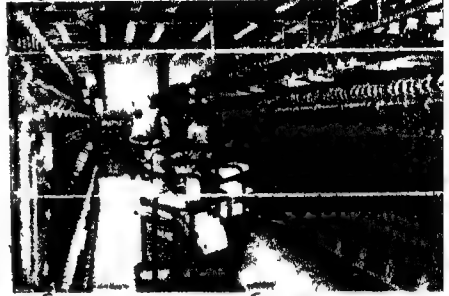


ڈول سوپ نہر

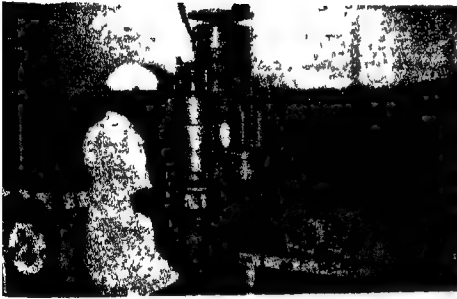


پہنت جہاں لال سرواڑہ دست کریں
کما افتتاح کو لے کے جہد
شکر کی تیاری کا عمل دیکھ سب سے ہیں

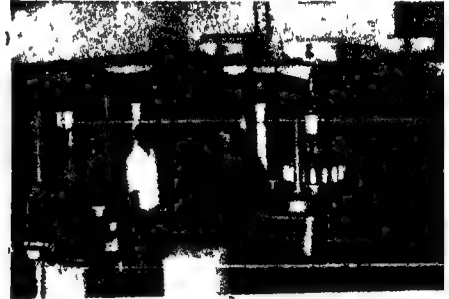
میو پی کی
ترقی



نانوں مسکری مودی جی



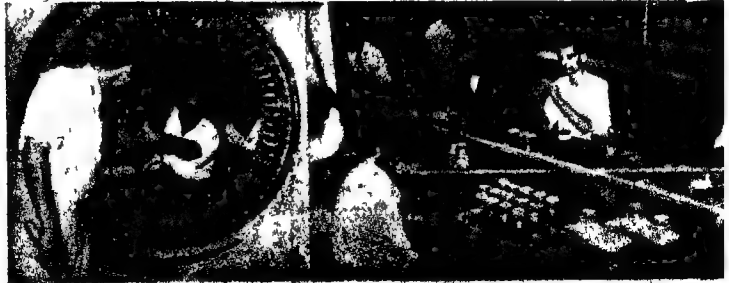
بہنی ڈومینکری، مراد آباد



ادرو باہی دودھ گیری، کان پور

کے آئینے

(داہلہ) بری سرن انٹرمنٹ بیکو
(دایا میں) مہمات بریوی کا کھوکھل رانا





یوپی کی ترقی

دیرپا ترقی کے لیے ترقیاتی کاموں کی ضرورت ہے اور ان کے لیے حکومت کی مدد ضروری ہے۔

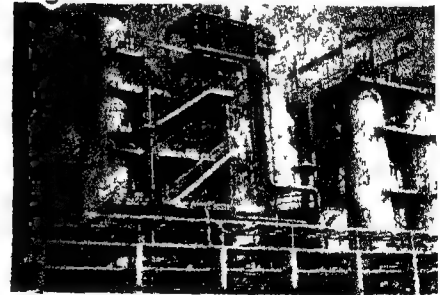


سرکاری سیٹ فیکٹری میں ترقیاتی کاموں کی ضرورت ہے



سرکاری ڈالاسٹ فیکٹری، مرزا پور

کے آئینے



ہندستان ایلیکٹرک کارخانہ، مرزا پور

ڈیزل کوکوسٹ کارخانہ، دہلی

میوپی کی ترقی



وزیراعظم سرسید اندرا گاندھی کی یاد کے کارخانہ دگو رکھپور کا افتتاح
کولے کے اندھلوں کو سہ ہے (اپریل ۱۹۶۸ء)



وزیراعظم سرسید اندرا گاندھی کی بجلی گھر کا افتتاح کرتے ہیں



ایگزٹو ڈسٹرکٹ کارپوریشن، سال کوڑہ کھوسے متعلق ٹریڈنگ کا معاملہ



ہوا اگج خول یاد اسٹیشن

یاسٹیل یاد اسٹیشن کا سوچی یاد



کے آئینے

لالہ پھدیم دھرسنگھ

ہندوستان چھوڑو تحریک کے ایک اعلیٰ شہیر

۱۹۴۰ء - ۱۹۴۷ء

اور قاضی کا بچوں کے طالب علم تھے۔ ان میں جوانی کا خون جوش ابھنے لگا۔ جگہ جگہ چلے ہوئے تھے، ایکسپریس بنے تھے، جلوس کھلے جانے لگے اور ہر طرف انقلاب زندہ باد کے نعے بلند ہونے لگے۔

طالب دربارت کا مرکز اور لگا جتنا کہ ننگ کا شہر آباد بنگال کی تیار باں کر رہا تھا۔ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے طالب علم اپنی جانوں کو قربانی دے رہے تھے۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لیے تیار تھے، کچھ ایسے کامیے فیصلہ کر رہا تھا۔ ہندوستانی عوام کو ڈرانے اور ان کو دہشت زدہ بنانے کے لیے لیڈروں کو اتار دیا۔ دھندہ گردنا کر کے، اسلام آباد مقامات پر بھیجا دیا تھا۔ اس میں چھوٹے بڑے لیڈروں کا استیصال نہیں تھا۔ لیکن لوگوں میں آزادی کی لگن اتنی بڑھ چکی تھی کہ ان استبدادی ڈھانچوں کا ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اور انھوں نے برطانوی سامراج کے اس جیل کو خوشی خوشی قبول کر لیا۔

یونیورسٹی کے طالب علم نے ۱۱ اگست کو پونہ ہال میں ایک نشست طلبہ کے اپنے لیڈروں کی خدمت تیار کی۔ اس کے بعد جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے جب جلوس سس جھا پوٹل اور بریجی پوٹل کی درمیانی شرک سے ہو کر گرا تو پولیس کے سب ایجنٹوں کو جولا علیوں سے نہیں روکنے کے دونوں طرف تھپا دیا۔ ماسے کھڑے تھے جلوس کو روکنے کا حکم ہوا لیکن طالب علموں کے اس بڑے مجمعے نے پولیس کی آگاہی کے باوجود دستبرداشتوں سے صاف انکار کر دیا اور انتہائی جوش کے عالم میں بلند آواز سے ”انقلاب زندہ باد“ کے نعے لگانے لگے۔ پولیس کو لاکھی جارج کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت ایک بڑا ہی عجیب غریب

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ۱۹۴۷ء کا دن ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دن کا بھگت سنگھ نے اپنے ساتھیوں جیلاس میں ایک اہم تجویز پیش کی جس کے مطابق انگریزوں سے ہندوستان چھوڑنا کا پرزور الفاظ میں مطالبہ کیا گیا۔ تجویز کے پاس ہوتے ہی ہما چاکر جی نیز دھنکے تمام لیڈروں کو گورنر کے قید کر دیا گیا۔ لیڈروں کی گرفتاری کی خبر ملنے کے گھنٹے میں ہی ہندوستانی وطن پرستوں کی موضوع گفتگو بن گئی۔ اس خبر نے ملک میں غم و غصہ کی ایک عام لہر آزادی اور عوام میں برطانوی حکومت سے بھگتے اور اس کے خلاف سب کچھ کر ڈالنے کا جذبہ اور جوش اور بھی بڑھ گیا۔

ایک ہفتہ قبل یعنی ۲ اگست کو لالہ آدیش سنگھ نے اپنی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ہندو قوم داس ٹیڈن یا ایک لوگوں سے کھینچا چھوڑا ہوا تھا۔ بندت جواہر لال اس سلسلہ دھار بارش میں بھی تفریق نہیں کرتے تھے۔ ان کے قریب کھڑے ہوتے جب ایک شخص نے ان کو بارش سے بچانے کے لیے چھتری لگانے کی کوشش کی تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کو ہٹا دیا اور چھتری کی پیشکش کو کسی طرح قبول نہیں کیا۔ بندت ہر دو کی اس معرکہ آلا تقریب کے دوران جب لوگوں نے ان سے یہ تاریخ ساز الفاظ سنے کہ ”گل میں سہی جا رہا ہوں۔ کانگریس کمیٹی کے فیصلہ کے بعد میں واپس آسکوں گا“ انھیں یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر ہر لوگ گرفتار کر لے گا تو کانگریس کمیٹی اور اس کا بچھ آپ ہی لوگوں پر دھمکیوں کے فتوے پڑ چکا تھا۔ تو اس کے دلوں میں دہائی چنگاری کی شعلیں کھڑکیں اٹھیں۔ بندت ہر دو کی اس موثر اور جوشیلی تقریب کو سننے والوں میں زیادہ تر لالہ آدیش سنگھ

دیکھتے ہیں یہ آباؤ اجداد کیا بنائے جو سے ہاتھ اور پیراٹھا سے ضرور دے
 لیکن وہ ہاتھ لگنے کے لئے ہی نہ گئے اور طالب علموں پر ایک بھی لاطمی
 کا وار نہ ہوا۔ ہزاروں طلباء کا ٹھکانہ بن گیا اور ہاتھ لگنے والوں کی
 کی تعدادوں کو جو رستہ دے کے اور لاطمیاں تانے لگ کر یہ نہیں کاٹی کی
 طرح چیرتا اور کاٹا ہوا آگے بھجوا دیا۔

”سرانکہ کھنڈے شہیدوں کی ٹولی نکلی“

اس وقت میں ہندو پور ڈنگ ہاؤس کے کمرہ نمبر ۱۰ میں رہتا
 تھا۔ لال پم دھرم چلی۔ اس بستی کے طالب علم تھے، انھیں جب
 کسی ہسپتال میں جگہ نہ ملتی تو میری اسٹور ہاؤس بھی مہیے کی کمرے
 میں رہنے پڑتے تھے۔ ان سے میرا واقف آگرہ میں دو سال پہلے ہوا
 تھا۔ وہ دیکھ کر پہچانی کے دوست تھے اور جب دسمبر ۱۹۳۷ء میں
 آگرہ کی مشہور تاریخی عمارتیں دیکھنے آئے تو انھیں کے جہان ہے۔ میں
 بھی ان دنوں وہیں مقیم تھا۔ میری ان کی یہی ملاقات رستم رستم
 دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ وہ بندھن ٹکے ایک معزز اور بااثر راجپوت
 گھرانے میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے تھے اور ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء
 کو اور وطن پرست رہبان جو جانے کی سلاطین حاصل کی۔ ان کی بے لوث
 ادائیگی وہ وقت کے سب سے مستحق تھے۔ وہ بھی ان کے قریب آتا بہت جلد ان
 کا گودیدہ ہوا جو انہیں ہم لوگوں کو لال صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

لال صاحب ہندو پور ڈنگ ہاؤس میں میرے ساتھ بندھن میں
 رہ رہ رہے تھے کہ اگست ۱۹۳۷ء کی تحریک سرور ہو گئی۔ وہ
 شہر سے ہی جلالت خیالات کے تھے۔ آزادی کی لڑائی میں شامل
 ہونے کا بہترین موقع آیا تو ان کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ انھوں نے
 اس سلسلے میں بہت سی آگیاں تیا کیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے
 میں من و عنان سے لگ گئے۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

ہندستان چھوڑ کر پکے ملک میں پہلے ہی جادی تھی۔ ۱۲ اگست
 کا دن تھا اور صبح کا وقت۔ ہم لوگ شیش ہزار اخبار پڑھ رہے تھے
 مختلف مقامات پر آزادی کے حامی ادیبوں کی برطانوی سامراج
 سے مذہمیتوں، منتوں پر گولیوں کی بارشیں، اور انہوں میں شریک
 ہونے والوں کے گھروں کو تاراج کرنے، مال و اسباب کو لوٹنے اور

کڑی قیاموں کو تباہ و برباد کیے جانے کی خون کھولا دیے والی خبریں
 شائع ہوتی تھیں۔ اگرچہ برطانوی حکومت کا غلط دور اور بریت
 اپنے انتہا کو پہنچ چکا تھا لیکن ملک کے جاں نثاروں سے قدم آزادی
 کی منزل کی جانب سے خوف و خطر بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔
 ملک کے مختلف مقامات پر برطانوی حکومت کی جانب سے بربریت
 کا جو ننگا ناز ہوا تھا اس کی خبریں برابر ہی تھیں۔ اگرچہ وہ پہلی
 کے ہم طالب علموں اور شہریوں کے دل سے خون سے آزادی کی کھانسی
 کی سرخی کھٹنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن وہ پہلی کی کھانسی میں جب
 وہیں کی لاطمیاں نفسا میں بلند ہو کر ہمارے سروں تک نہ آئیں،
 شعلہ و پس کی ٹینگیں اور گولیاں ہمارے گلے میں کو چھبھنے اور
 کو چھلنی کرنے کے آگے نہ بڑھیں تو ہمیں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ
 کہیں اس بات میں کما دھن جو ہمارے خلوص اور جذبہ قربانی سے
 مطمئن نہیں۔ حالانکہ اس دن ہم سنگینوں اور گولیوں کا استقبال کرنے
 کے لیے تیار ہی نہیں بلکہ بے چین تھے۔ مگر یہ ہمارا وہی تھا۔ اس
 لیے کہ شہر کا جھکا کھٹنے کا نئے جب ہمارا ہی قریبی قریبی کے سانسے
 پہنچی تو ہم نے دیکھا کہ ہمارا ہی قریبی قریبی کے سانسے
 نہیں لگا۔ لاطمیاں، گولیاں اور بندہ تو دوسرے ہیں برطانوی حکومت
 کے حافظہ ماں ہمارا استقبال کرنے کے لیے پوری طرح تیار کھڑے تھے۔
 پولیس جس میں شہر کے کونے کونے سے طلبا کی ٹولیاں، انقلابی بڑے باؤ
 کے نعرے لگاتی ہوئی شامل ہوئی تھی انھیں اب ہزار ہا کی تعداد میں
 ہو چکا تھا۔ اس پر جوش و خروش کے قریب پہنچے ہی اس پر
 لاطمی چارج شروع کر دیا گیا۔ ساتھ ہی دھمکی دی تھی۔ ہمارا
 جاؤ اور بھونکے دے جاؤ گے۔ لیکن آزادی کے پروانے بھلا جانے
 سے کب ڈرتے؟ لاطمیوں کی بارش اور بھونکے دینے کی دھمکی جب
 جمع کو آگے بڑھنے سے روک نہ سکی تب بندہ قوت کے بول کھٹ کھٹانے
 لگے۔ شہر میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ تو انہیں معلوم ہوئی گویا طلسم
 چھٹاے جا رہے ہیں لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے گولیوں کی چوڑی
 صاف دکھائی دینے لگی۔ ہم لوگ خشک گولیوں کی زبردستی اور
 لگے پیروں بھانسنے لگے۔ یہ ایک لمحے سے لعنت و ملامت کی

قریب سبھی لوگ زمینی پر لیٹ گئے۔ اسی لمحہ لال صاحب کو غصہ میں ہوا کہ ان کا واسطی جھنڈا لے بیٹھے وہ چاروں طرف سے گھونپا ہے اور سخت خطرے میں ہے وہ تیری سے لکھے تیسرے طرح جھلک لگا کر دس کے پاس پہنچ گئے اور جھنڈا لے لے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک ایک گولی لال صاحب کے سینہ کو پار کرتی چوٹی تک گئی اور وہ زمین پر آئے۔ اُن کے کچھ ساتھیوں نے اپنے خوب شہید ساتھی کا خون اپنے ماتحتوں پر لگا یا اور لاش کو "یہ نہیں ہاں" میں لے جا کر رکھ دیا گیا۔ ۱۳ رات کی صبح کو جب تنگے میں بیٹے ہوئے ان کے جسد خاکی کو نذر کش کرنے سے پہلے پونہ سو سٹی کے احاطے کے مشورہ گدگدے دیکھنے سامنے والے پر امنے میں لٹا یا گیا تو اسے معلوم ہوتا تھا کہ فوج کا قلع کمانڈر میدان جنگ سے تھکا ہوا وہاں آکر آرام کر رہے ہیں۔ ان کے پاس ادھر کھلی تعین اور چوٹیوں پر کمر بستہ چلی ہوئی تھی۔ انہوں میں آسو جے اور دل میں مادر وطن کے ایک بچے سوت کے ساتھی پونے کا فخر محسوس کرتے ہوئے ہم نے ان کے ذہن پر پونہ کی یادیں پڑھنے۔ آج اسے ایک پیارے دوست اور جنگ آزادی سے ایک عظیم سوار سے فخر ہے جو تیس برس بیت گئے لیکن ان کی جیسا بھی یاد آتی ہے تو اس کے واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ فوجی جھنڈے کی سلامتی کے لیے میں جب بھی کھڑا ہوتا ہوں وہاں "اللہ ہو" کہتے ہیں کہ ان کا سر اٹا ہوا چہرہ آکاش سے چھانک رہا ہے۔

مجھے جب بھی اللہ آباد جانے کا موقع ملتا ہے میں بولی توڑی میں ہال کے نزدیک نصف ان کے عرصہ درزن نہ رہتا ہوں۔ کاش اس کی اس شان اور موت میں مادر وطن کے لیے ان کی اس عظیم قربانی میں میری بھی ان کا سہارا دے سکا ہوتا۔

اور اس بلند فوج میں لال صاحب کی آواز سب پر غلبہ کرتی تھی۔ "بزدلو! خوبصورت ایسی زندگی پر لڑکیاں لگے بھر رہی ہیں اور تم بیٹے دکھلا رہے ہو!"

جھنگے والوں نے جب دیکھا کہ لڑکیاں بال کھولے اور ترنگا جھنڈا لے پھری ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہیں تو ان میں سے بہت سے لوگ "اچس لوٹ آئے" اور آگ اٹھتی چوٹی چند وقوں کی جانب بڑھنے لگے۔ لال بدم دھرم بھی جوش میں آگے بڑھتے بھی مڑ کر اس تجربہ کو لکھاتے اور مادر وطن کی آزادی کی خاطر جان قربان کر دے کی تلقین کرتے۔ کچھ دیر میں ہم لوگ بھڑی کے احاطے میں پہنچ گئے اور نیم کے پیڑ سے لٹنی ایک خشک ٹھیکے ٹھیکے میں ہو گئے جس کے تین طرف لہے کی سلامیں لگی ہوئی تھیں۔

آزادی کے یہ بڈر پاسی "افقلاب زندہ باد" بھارت مانا کی جے ہو، انگڑو! بھارت چھوڑو، سامراج شاہی مردہ باد، وغیرہ نعرے لگا رہے تھے۔ دفعتاً لال صاحب کی گرجا آواز آسانی دی۔ "لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ، ہم سب پیٹ کے لیٹ گئے۔ جب تک گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی رہی ہم لوگ بیٹھے رہے۔ گولیوں کی بارش ختم ہوتے ہی ہم سب اٹھ کر کھڑے ہو جانے اور نعرے لگنے لگے۔ اس طرح کئی بار گولیاں چلیں کئی بار ہم لوگ لیٹے اور اٹھ کر کھڑے ہوئے مگر ہر حال میں زبان پر وہی نعرہ تھا۔ "افقلاب زندہ باد" انگڑو! بھارت چھوڑو، بعض جو بیٹھے جاتے تھے عدم تشدد کا طریقہ حرکت کر کے نرمویک ٹپے ہوئے پتھروں، اینٹوں اور گولوں کو پولیس والوں پر پھینکنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر لال صاحب کے پیچ کر کہا: "ایشیں مت بھیر، ایشیں مت بھیر" گولیوں کی بوچھاڑ پھر ہوئی مگر آواز



تہا کہ دس آب کا اپنا پرچہ ہے۔ آپ اور خریدار نہیں اور دوسروں کو خریدار متائیں
 —————
 کتابت کیلئے لکھا گیا ہے: مسٹر شری رام انواریشی (دس) ڈپارٹمنٹ۔ پی کھنڈو

بڑے میاں

رشید الدین

میں جا کر دو تین لکھ چار چھ پڑیاں جا سے پی جائیں گے اور پھر کہیں آہستہ سے بازو کا راستہ لیں گے۔ مازار بھی جائیں گے تو سیدھی طرح سے نہیں لکھ جاتے جاتے خواہ مخواہ ہی کلو پان دالے کی دوکان سے ہوں گے اور ایک زر دے کا بان کھالے کے بعد باتیں کرتے کرتے اتنی بے تکلفی پر آتے آئیں گے کہ تو یہ بھی بھلی! ایضاً دفعہ تو نوبت گالی گلوچ لکھ بھی پہنچ جاتی ہے۔

دہان سے بازو جائیں گے۔ گھوم پھر کر تریا دہ اور سودا سلف لے کر کم دو گھنٹے کے بعد ایسے کرے میں داخل ہوں گے جسے بازو سے سودا نہیں لائے کوہ قاف سے پر ہی اٹھا لائے ہوں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ دراندازے میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور انھیں دیکھتے ہی ہم سب بچے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

”ہاں بڑے میاں! آؤ کی کیا خاص خبر ہے“ شریہ خاں لڑائی کرکٹ کا میٹ ہوا میں گھماتے ہوئے پوچھتا ہے۔

اور بڑے میاں حسب معمول اسے خاص انداز میں بڑی سنجیدگی سے خبریں سناتے لگتے ہیں۔ دھن میں سے ایک آدمی صبح ہوتی ہے اور باقی کا اللہ ہی علیم! اس اثناء میں آئی کو آتے دیکھ کر ہم سب نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں اور بڑے میاں پر سے خوش و خرم کے ساتھ انھیں حساب دینے لگتے ہیں:

”چار آنے کے آلو۔ دو آنے کے میگوں۔ ایک آنے کی بھاجی۔ آدھا آنے کی کھیر۔“

غرض ایک گھنٹہ اس حساب میں مرت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ معمول

اصل! ام تو امی! بھانے کیا تھا مگر میں نے حب سے پوش نہ بھالا وہ گھر میں اسی نام سے مشہور تھے۔ لبا پکا جسم، منہ پر گونہ پرکھ ڈاڑھی کال سلو فلا رینگہ، ہاتھ میں ایک سا ڈنڈا جسے وہ منٹ بھرا پنے سے بڑا نہیں کہتے تھے، ننگے موری کا پا جامہ اور ایک ڈھیل ڈھالی آنکھیں۔ میں ہی ان کا حلیہ تھا۔ حب میں تیار یا اسکو ل جاتے لگا تھا اس وقت بھی بڑے میاں بڑے میاں ہی تھے اور اب حب میں کانٹا ہوا ہوں تب بھی بڑے میاں بڑے میاں ہی ہیں۔ حب سے لے کر پتا تک کئی انقلابات آئے، زمانے بدلے، حکومتیں بدلیں مگر کیا مجال جو بڑے میاں کی روش، بات چیت یا عادات کا طواریں ذہہ ہمارے بھی فرق آیا ہو۔ حب بھی بڑے میاں صبح اٹھ کر سودا سلف لائے جاتے تھے اور اب بھی جاتے ہیں۔ حب بھی بڑے میاں ہر روز جاتے جاتے کلو پان دالے سے توڑ میں تیر، کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ حب بھی بڑے میاں بات بے بات شکر کھاتے تھے اور آج بھی کھاتے ہیں۔ حب بھی بڑے میاں کار مار سے گھر میں سکتے تھا اور آج بھی ہے۔ فرق تو صرف اتنا کہ پہلے وہ ہر روز دو پہر میں بادری خان میں جا کر ہر چیز کا وزن دیکھتے تھے اور اب وہ دانا صاحب سے منڈار منڈا کر باتیں مانتے تھے مگر اب ماما سے ان کی کچھ آن بن ہو گئی ہے۔

گھر میں چاہے کتنی ہی گر بڑکوں نہ ہو، کتنے ہی مہان کیوں نہ جمع ہوں، بڑے میاں کے ہاتھ منڈوں میں در بھی فرق نہ آئے گا۔ وہی اپنے وقت پر آٹھ بجے ڈھلین گئے، منہ ہاتھ دھو کر بادری خان

”مٹیوں بڑے میاں؟“

خالد نے سر اٹھایا تھا ہوں سے بڑے میاں کی طرف دیکھا اور بڑے میاں نے اپنے مخصوص انداز میں کوٹ کے ٹپن کھلتے ہوئے سینہ ٹھلا کر وہ قہقہہ چھیڑ دیا کہ جب وہ چھوٹے تھے تو ان کے ایک بڑی رجن کے گھر میں چوہے بہت تھے (روز رات کو محلے کے میونسپلٹی کے چراسی سے ایک آنے کر اسے کا چوہا بچانے کا بیڑہ لاتے تھے۔ پھر صبح ہی اٹھ کر دیکھتے تو بیچرے میں چوہوں کی لٹک رہی ہوتی تھیں وہ درمیان میں لے جا کر چھوڑ دیتے تھے تو یہی بڑے میاں ایک چوہے کو بھی زندہ دیک کر نہیں جانے دیتے تھے۔ ابھی یہ قہقہہ ختم بھی نہ ہوئے پایا تھا کہ خالد نے انھیں دوسرا واقعہ یاد دلایا:

”کون بڑے میاں! اور آپ نے اپنی جوانی میں ایک مست باغی کو کس طرح مار رکھا تھا؟“

”ارے وہ تو معمولی واقعہ ہے ورنہ میں نے تو اپنی جوانی میں ایک بار پوری لٹائی ہوئی کس کو سیدھا کر دیا تھا۔“

”وہ کیا واقعہ ہے بڑے میاں سنبے نا۔ ہمارے نئے نوکر کو بچنے لگا جوت سے کہا۔“

”جہل ہٹ بے۔ گدھے کو زعفران کی کیا قدر؟“ بڑے میاں نے اُسے ڈانٹ پلائی۔

”آج میں مٹی کے کتنے برادر کریم کی سفارش کرنے پر پورا واقعہ چھوٹ بولنا تو ان کے نزدیک کوئی خاص بات ہے ہی نہیں اور پھر طرہ یہ کہ چھوٹ بولنے کے بعد قسمیں کھا کھا کر اسے سچ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باتیں کرتے کرتے وہ قسمیں یوں کھاتے ہیں جیسے کوئی بان کھاتے کھاتے زندہ کھاتا ہو۔ چھوٹ بات کرنے اور قسمیں کھانے کی ان کی یہ عادت اب معمول کی چیز بن گئی ہے۔ ایک دن آبا جان اپنے چند محبوب دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ بڑے میاں چارے لے کر پہنچ گئے اور بات ہی بات میں ایک عدد قسم کھائی۔ آبا جان نے انھیں نکھایا کہ قسمیں کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس عادت کو ترک کرنا چاہیے۔ بڑے میاں نے فوراً وہیں کھڑے کھڑے کچھ وعدہ کر لیا کہ وہ

کے مطابق اطمینان سے کھانا کھاتے ہیں اور پھر گھر کی تصحیح کو مکمل جانتے ہیں:

”یہ چیز یہاں کیوں رکھی ہے۔ وہ چیز وہاں کیوں رکھی ہے۔ نیا نوکر کچ کچر کہاں غائب ہے، مٹی آج اس کو کیوں نہیں گئی۔ خالد محلے کے آوارہ لوگوں میں کیوں کھیلتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔“

میں پھر دوپہر سے لے کر شام تک بڑے میاں کو یہی کام ہے اور رات میں وہ اپنا مخصوص تاریخی ادنی کوٹ پہنے نوکروں کے کمرے میں جا کر اپنے بچپن اور جوانی کے تھکے سنا یا کرتے ہیں جہاں کبھی کبھی ہم لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنے کوٹ کے ارے میں بڑے میاں یہ ردا ت بیان کرتے ہیں کہ پہلے وہ ایک بلا کٹ (کپڑے) پہنا کرتا تھا جسے ان کی والدہ محترمہ کو ان کی والدہ محترمہ نے ہینر میں دیا تھا کہ وہ سرا کھانے میں اس کو کم ادنی کپڑے کو استعمال کر کے سردی سے بچاویں۔ ان کے والد مرحوم کی اس ادنی بلا کٹ پر بڑی نظر تھی مگر وہ مرتے مرتے یہ بلا کٹ ان کے پیچھے نہ چھوڑ سکا۔ آخر ان کے مرنے کے بعد ان کی والدہ نے اس کا کوٹ بڑے میاں کو بھی دیا تھا۔

در اصل انھیں اپنے بچپن کے قہقہے سننے میں بڑا لطف آتا ہے۔ یہاں بھی وہ کوئی واقعہ سن لیتے ہیں فوراً اسے اپنے نام سے منسوب کر کے سناتا دیتے ہیں۔ ہر کس کے متعلق مشہور ہے کہ حبیب وہ بالکل چھوٹا تھا تو دوسرا سب اس کے قریب آ گئے جنھیں اس نے وہ دونوں ہاتھوں سے بچہ کو اس زور سے دایا کہ ان کی جان لگ گئی۔ بڑے میاں نے یہ قہقہہ کہیں سن لیا اور فوراً اپنے نام سے منسوب کر کے ایک مات نوکروں کے کمرے میں سناتا دیا اتفاق سے مٹی اور خالد بھی وہاں موجود تھے۔ مٹی نے حبیب بڑے میاں کی ادنی کا یہ قہقہہ سنا تو ششدر رہ گئی اور حیرت سے انھیں بھاؤ کر کہنے لگی:

”سچ بڑے میاں آپ اتنے بہادر تھے؟“

میں اتنا سننا تھا کہ خالد کی آنکھیں شراست سے چمک اٹھیں:

”ارے یہ تو معمولی واقعہ ہے مٹی۔ بڑے میاں کے اپنے بچپن میں تو چوہے جیسے چالاک جانور بھی ان کی زد سے بچ کر نہ جاسکتے تھے۔“

استدلال پر غامض ہو جاتیں۔ خوب خوب کھٹ ہوئی، فیصلہ شرط پر چھوڑا گیا۔ باجی نے فوراً دس روپے کی شرط باندھ لی اور ان کی حیرت کو کوئی اہانتا نہ رہی سب کچھ سمجھنے کے بعد میں نے ماما کے میلے کیلے برقع کی نقاب اٹھائی اور انھیں سلام کیا۔ باجی اپنی شکست پر بہت نادم تھیں۔ انجام حاصل کرنے کی تقریب کو صبح کے لیے اٹھا رکھنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں فوج کی خوشی میں سرشار ہو گیا۔ لیکن نقاب سے صبح ہی صبح بڑے میاں کے کان میں اس واقعہ کی ٹھنک ٹوک گئی۔ میں پھر کی اٹھا ناشہ کر کے ہم باجی سے دس روپے وصول بھی نہ کر پا سکے تھے کہ رات کی ساری روداد بڑے میاں نے اسی جان کو سنا دیا۔ اس طرح ہمارے دس روپے کے دس روپے گئے اور ڈانٹ الگ سننا پڑی۔

صبح بھی بڑے میاں ماہر سے سودا سلف لے کر آئے ایک نہ ایک نئی اور سنسنی خیز خبر ضرور ساتھ لاتے۔ ایک دن صبح وہ درد آڑے میں سے نمودار ہوئے تو حرج حرج کو سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ دراصل وہ ہماری ماما کو کاررہنہ تھے۔ اسے دیکھتے ہی فوراً کہنے لگے: 'اری ٹوٹو تو رہاں کی کڑی ہے۔ تیرا بٹا تو بڑے کھرا گیا ہونا مانا ہے صبح اپنے اگلوتے بیٹے کے حادثے کی خبر سنی تو کھٹا میں کھاتی ہوئی گھر پہنچی۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو اس کا بیٹا ہشامش لٹا بیٹھا ہے۔ جو میں معلوم ہوا کہ اسی محلہ کا کوئی دیوا کا حادثے کا شکار ہوا تھا۔ اب مانا ہے وہ میں آکر بڑے میاں کو ڈھونڈھنا شروع کیا حسب معمول وہ نوکر دوں کے کمرے میں مصروف تھ گئے۔ ماما نے ان کے قریب جا کر بڑی ہی سنجیدگی سے پوچھا:

"بڑے میاں ایک بات کہوں؟"

"ہاں، ہاں کہیں نہیں۔" بڑے میاں نے اپنا دندا منبھا ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتائیے آپ بڑے ہیں یا آپ کی بیوہ؟" ماما نے پوچھا۔

"اے میں انسی بات" بڑے میاں نے تپکی جاتے ہوئے

(ذاتی سقوطیہ)

بالکل قسم نہیں کھائیں گے چاہے ان کے گلے پر پتھری کیوں نہ چسپن ہمارے۔ بڑے میاں سے بخوبی واقف اباجان کے ایک دوست نے جو ذرا خوش طبع واقع ہوئے تھے، بڑے میاں سے پوچھا۔ "کیا بڑے میاں اب آپ نے قسمیں کھانا چھوڑ دی ہیں؟" "ہاں، ہاں! بالکل چھوڑ دی ہیں۔" بڑے میاں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"بالکل؟" ان صاحب نے لفظ بالکل پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "بالکل، خدا کی قسم بالکل۔" بڑے میاں نے انھیں یقین دلاتے ہوئے بے ساختہ کہا اور دوسرے ہی لمحہ سارا کمرہ عقول سے گونج اٹھا۔

اس کے بعد جب میں نے اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے: "ارے میاں قسمیں نہ کھائیں تو کی کہیں۔ رہاں تو کسی کو ہماری بات پر اعتبار ہی نہیں آتا۔ جیسے ہم انسان نہیں تھوڑے۔" کے سنتے ہیں۔

"صبح بڑے میاں، آپ کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرتا میں نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔" صبح میاں اچھا اکی قسم کوئی اعتبار نہیں کرتا۔" بڑے میاں نے حسب معمول قسم کھا کر کہا۔

کوئی بات انھیں معلوم ہو جائے اور پھر وہ صند، از میں رہے یہ ناممکن ہے۔ کوئی بھی بات انھیں معلوم ہوئی دغا وہ کتنے ہی ساندک کیوں نہ ہو، وہ اس کی فوراً تشہیر شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے انھیں اپنے دل کی بات دوسرے کو سنا کر لیکر کھانا ہی ہضم نہ ہوتا ہو ایک دفعہ باجی دفرہ کچھ برائے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ باجیوں باتوں میں گفتگو مرد و عورت تک پہنچ گئی۔ باجی کچھ سے تک کو کھنے لگیں ہم لوگ تو کھارے مردانہ کیا رائٹ میں منہ سیکھتے ہیں لیکن تم لوگ باوجود ہنر کو شمشک کے زندہ کیا رائٹ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

مجھے بھی تاؤ لگنی اور میں نے کہا انھیں یہ غلط ہے۔ ہم لوگ خود ہی وہاں بیٹھنا نہیں کرتے وہ ہم پر برا بیٹھ سکتے ہیں۔ باجی بھلا اتنی بھولی کہاں انھیں کہہ رہے اس سیدھا سادے



(جوئے ایچ، عتاس نے ضوی)

اور آراوی کا ریمے کو بھر ہے اور ظلم کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو
اس نے یہ کھلا جلیج دیا ہے کہ

لاکھ تخریب ہوئے ہیں روک سکتی
زندگی موت کے قدموں پہیں ٹھک سکتی

تا میرے آئندہ ہے۔ ہم پر بھی ایسا ہی ملک وقت گزار ہے۔
ہم طوق و سلاسل میں سلسل "کر دیے گئے تھے۔ ہماری زبان بند
کی جا رہی تھی۔ فکر و نظر پر پھر سے ٹھادیے گئے تھے۔ ہم مجبور اور
محمود تھے بنا کر ہماری کس میری کا کھلے عام مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔
تنگاہوں پر بھاری پردے ڈال کر جاری قہدیہ دھولے جا رہے
علوم و فنون کی صد سالہ برائی عظیم الشان تاویج و تحریکیت و نالود
کی جا رہی تھی۔

یہ نہیں! انسان اور اختلافی قدریں کھلے عام یا مال جو رہی تھیں۔
عزت کے ساتھ زندہ رہنا محال تھا۔ محض طاقت کے زعم اطل کی وجہ
سے مصلحت و فتنہ ہم سے "ہر گام" پر "سجدہ" کی طلب کا رہی۔
اس انتہا پر پہنچ کر جب حیات موت کے قدموں پر چھٹکنے کے لیے
محمود ہوئی تو مجھے سرفروشان و فاکو کک و قوم کی اس حالت ناز کو
دیکھ کر حلال ہو گیا۔ حریت کا جذبہ سوزا ہو اٹھا اور راجے سرے
کفن یا غمہ کر اٹھوں نے وطن کو آؤ کر اے کا بیڑا اٹھالیا۔

اُن آزادی! تیرے جانثاروں نے بھی دنیا میں کتنے
بھیا تک علم برداشت کیے۔ کتنوں کے سینے دکھائی ہوئی گہریوں سے
چھلکی کر دیے گئے۔ کتنوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکا کر ان کے

انسانی زندگی حدات کا محمود ہے۔ یہ جدبات کچھ خوش
کے ہیں کچھ غم کے۔ کچھ حجت و رواداری کے۔ کچھ غیرت
و حدوداری اور اُن کے۔ جب بھی انسانی عظمت و وفادار کو چھین لگی
ہے زندگی کی اُن تک کوئی بات یہی ہے تو اس کے اندر ایک بچاں
ریا ہوا ہے۔ اس کے خیالات نے انکڑائیاں لی ہیں اور ایک
حذبے نے کروٹ مٹی ہے۔ اسی جذبہ کا نام آزادی ہے۔
یقیناً وہ نہایت ہی مبارک ساعت رہی ہوگی جب انسان کی
سرشت میں آزادی کے اس عظیم "یا کبرہ" اور مقدس حدے جسم لیا
ہوگا۔ ابتداء کو انش سے لے کر آج تک ہر دور میں یہی جذبہ
سی انسان کی نیت پناہی کرتا رہا ہے۔ طاقت سے توڑ کر کشت و ستر
سے خیر کی جانب اور رفعت و وحدت و نصرت کی گہری کھائیوں سے
حق و انصاف و صداقت کے پہلے لالہ رادوں تک بہ جد بہ کتاں کتاں
آوی کو آگے ہی بڑھاتا رہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی انسان ظلم کے گرداب میں گھلے،
اساں سے انسانی طور و طریقہ کے ساتھ زندہ رہنے کے حقوق چھیننے
کی بات ہوئی ہے، زندگی کے بنیادی اصول، انسانیت کی اعلیٰ قدر
جبر و استبداد کی بھاری چکیوں تلے سی ہیں، انسان کی حشر و اعدا
منانے کی کوشش ہوئی ہے، زندگی کی عظمت و شان پر دھتکا ہوا،
جمہیت و بردہنگ کی آہنی زنجیروں میں مصحوم انسانوں کو جب کڑ کر
خون ریزی اور فسادت گری کے گھاٹ لپ اندھیرے میں زندگی کا
اساں لوٹ لینے کی سازش ہوئی ہے تو انسان اپنے ہاتھوں میں تیرتا

تہو کے جینٹیل سے منظرِ دار کو نگین بنایا گیا۔ کتنوں کے گلے کاٹے گئے۔ کتنی بہنیں دیرانِ کردی گئیں۔ کتنے گھر جہنم کے لیے اُڑ گئے۔ کتنی ماؤں نے اسی ساری زندگی کی کماٹی لٹا دی۔ کتنی سہاگنوں نے اسی نازک کلاہن سوئی کر لیں، مانگ کے سینہ پر پتھر ڈالے۔ کتنے بھائی سے بھائی اور باپ سے بیٹے بچھڑ گئے۔ یہ طویل سادہ اور نکلیں داستان آج تک یہ کہہ رہی ہے کہ

کرن کریں کہ جگہ کیا گیا ہے استکون میں
کہ حادواں توئے عہد لو بہار کا بھول
”آخر جب“ ہزاروں ”خیمے“، ”یاماں“ ”ہمے“، ”لاکھوں کلان“
”موت کی بھیا نک“ آگ میں ”جلس“ ”خیموں“ تو ”سب“ ”طلات“ ”نے“ ”گھر“ ”گھر“
”چاند“ ”م نور“ ”دا۔“ ”روسی“ ”نے“ ”تاریکی“ ”پر“ ”خ“ ”م حاصل“ ”کی“ ”اور“ ”ہیں“ ”انک“
”پیغام“ ”لغا“ ”۔“ ”طا۔“ ”ہم“ ”دبا“ ”کے“ ”سارے“ ”سرخ“ ”وہ“ ”ہے“ ”اور“ ”ہم“ ”ے“ ”دما“
”کو“ ”صلح“ ”و“ ”آشی“ ”،“ ”امن“ ”و“ ”سلامتی“ ”،“ ”انصاف“ ”و“ ”مداقت“ ”کی“ ”دعوت“ ”دی۔“
”یہ“ ”صبر“ ”جہور“ ”آئی“ ”اور“ ”اپنے“ ”ساتھ“ ”سب“ ”وینا“ ”دانی“ ”کا“ ”یہ“ ”عیام“
”لائی۔“ ”ہم“ ”نے“ ””جتن“ ””بہا“ ”واں“ ”،“ ”کے“ ”اور“ ”ہمیشہ“ ”ہیتہ“ ”اس“ ”حسن“ ”کی“ ”جو“ ”ستبر“
”تاکم“ ”رہنے“ ”کی“ ”وہاں“ ”م“ ”انجمن“ ”لوگوں“ ”کسی“ ”کے“ ”۔“

میں نے اس کہہ تھیں کہ مجھے اس ایک ہی جوت چلنے کی قسم کھانی تھی
میرے احساس تکمل کے لئے رطاری حسن نہیں تھا رعنائی ہی وہاں تھی
میرے خوابوں کے میں رویے میں ٹپنے کیلئے درنگ خود میرے قد میں ہی آئی تھی
آج ہم آزادی کی دعائیں مانس لے رہے ہیں۔ ہم نے خود ایسے
دستور مرتب کیے اور اس دستور کو ہم نے کچھ اس ڈھنگ کا لکھا جس میں
ہمیں زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم ہوئیں۔ ہم قانون کی نگاہ میں برابر
ہیں۔ ہمارے حقوق یکساں ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے گا تو وہ خاص حلقے، چھوٹے
حالات اور احوال رحمت کے باعث ہے۔ یہ ہمارے دستور کی ایک
غیر معمولی بات ہے یعنی عوام کو جو حقوق دیے گئے ہیں وہ کمال، نریندر
اور رطاریہ کے اندر دل کو سمجھیں لے ہیں۔ ان حقوق کا اولین حصہ
عوام کی خوشنالی اور پورے ملک میں امن و مساوات و آزادی کی
کمالی ہے۔

نمایا دور

[illegible]

لیکن آزادی اور جمہوریت، جہاں ہمیں کچھ حقوق کی ضمانت ملے گی اور کچھ فرض بھی عائد کر دیے جائیں گے۔ جمہوریت جو ارد گرد سے دوڑنے والی اصول کی نرگس درست حال میں ہے۔ اس کی اساس ہی آزادی اور مساوات پر رکھی گئی ہے۔ جہاں ہمارے دو مردوں کے کچھ مطالبات ہیں، سماج سے ہمیں کچھ ملنا ہے، وہاں ہماری بہت کچھ ضرورتیں ہیں، سماج کو ہمیں کچھ دینا بھی ہے۔ ملا سہیلین دوہی کے سماج سے ہمارا رشتہ قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ کسی نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ:

”بہ حقوق و فرائض بالکل ایک نسل کے دو پہلو ہیں جو تہہ
 ساتھ رہتے ہیں اور اگر ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔“
 اسی طرح ہنس قانونی برابری کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن یہ برابری
 کس مات کی ہوگی؟ کس نوعیت کی ہوگی؟ یہ بات فریڈریش نے نہ کہنے
 کی ہے۔ ہم براہِ ضرورت میں لیکن ہماری برابری، برابری کی حقیقت
 میں یہ عکس ہے۔ بالکل یہی صورتِ آزادی کی ہے۔ ہم بہت سے مسائل
 میراثِ آزادی ہیں۔ لیکن کیا ہماری آزادی لامحدود ہے۔ اس پر کوئی پابندی

یابندی عالم ہونا چاہیے۔ قانون نے ہمیں آزادی بخشی ہے، حقوق سے دوستانہ کرنا چاہیے اس لیے قانون پر ہی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سماجی رشتوں کو مستحکم بنانے کے لیے غریب کو امیر اور کمزور کو طاقتور کی شکل میں ہونی چاہیے۔ دستوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک روشن حال ہی میں ایک خوش آئند مستقبل کے لیے آزادی کے حقوق کے استعمال کی حدیں مقرر کر دے۔ یہ قانونی سرحدیں بھی قانون ہوں گی۔ اسی لیے جان لاک نے بہت پہلے کہا تھا جہاں قانون ہیں وہاں آزادی کا وجود بھی ناممکن ہے۔

یہیں سے آزادی اور قانون کا رشتہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی رشتہ ہماری کھمیں کم آتا ہے۔ ہم اکثر یہیں پہنچ کر بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آزادی اور قانون کے باہمی تعلق کو بے فکر میں بھی غلط سمجھیں رہی ہیں۔ جین مفلر کے قانون کو آزادی کے لیے مقرر کیا ہے۔ لیکن یہ خیال زیادہ درست نہیں۔ دراصل قانون، آزادی کا معاون ہے۔ وہ آزادی کے راستے میں حقیقی بھی پابندیاں عائد کرتا ہے وہ وقت اور حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے، مفاد عامہ کی بقا و تحفظ کے لیے اور ایک پرسکون معاشرہ کی تعمیر کے لیے۔

یہ بات واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ جمہوریت میں آزادی کا مطلب مکمل ہونی چھوٹ، یا سن مانی کرنا، ہرگز نہیں بلکہ حق انصاف، امن و سکون کے ساتھ زندگی کی تعمیر و ترقی ہے۔ اسی طرح، مساوات، کا یہ مفہوم کہ ہر شخص برابر ہے، بالکل غلط ہے بلکہ ہر وہ شخص برابر ہے جو برابر کی حیثیت اور برابر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ برابر کی حیثیت قانون کو ہی برابر کے حقوق دے رہی ہے۔ دی گئی ہیں۔

آج ہم اسے سامنے جو گونا گوں بیہوشیاں ہیں اس کی بھی دیکھنا ہم آزادی و مساوات کا کھنڈن چھوڑ کر اپنے ہیں۔ اس کی گہرائی تک نہ جا کر محض نظروں کی پھاڑتے ہیں۔ اس میں ایسی نکتہ ہے۔ دوسرے کی پرواہ نہیں۔ ہر جگہ ہم حقوق ہی کی بات کرتے ہیں مگر ان کی حق نہیں۔ ہم مساوی ہونے کی بات کرتے ہیں لیکن انسانی و اخلاقی

نہیں ہے۔ اس کے اندر عمل کی کوئی تصدیق نہیں ہے، ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل آزادی پابندیوں پر ہی رہ کر اپنی حقیقی منزلوں کو تلاش کر سکتی ہے۔ آزادی پر پابندی نہ لگانا ہی تو سلاح میں جس کی لاشی اس کی کھینس (MIGHT IS RIGHT) کی فضا پھیل جائے گی۔ پھر یہ منزل اتنی خطرناک ہوگی کہ ہرگز وہ اسے اپنے سے زیادہ طاقتور سے یہ خطرہ محسوس کرے گا کہ اسے وہ اسے نہیں دے دے اور اس حالت میں محض تھوڑے سے لوگ پورے ساحل کے کم اور ہر شخص کی خوشی کے مالک بن جائیں گے۔

جمہوری معاشرہ کو اس مازک صورت حال سے بچانے کے لیے کسی نے آزادی کی وضاحت کرنے سے کہا ہے کہ ”ہم ایسا ہاتھ نہیں تھک پھیلاؤں جہاں وہ دوسرے کی ناک کو چوٹ نہ پہنچائیں۔ ایسی سماج میں اس و سلامتی، ہم آپس کی وساکینت قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ جہاں ہم اپنے حقوق کا استعمال کریں وہیں دوسرے کا بھی لحاظ رکھیں۔ دوسرے یہ کہ ہم اپنے حقوق کا استعمال اسی حد تک کریں جہاں وہ دوسرے کی آزادی میں کوئی خلل یا توجہ نہ پیدا کریں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ آزادی کا استعمال حدود کو مدنظر رکھ کر کرنا بہتر ہے۔ یہی سلاح کا توازن قرار دے گا۔ جیسے ہم بائبل میں سے آگے نہ بڑھیں تو اس کے لیے دھڑکیں گے، حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ اسی لیے ولوبی نے کہا ہے ”آزادی کا وجود اسی وقت ممکن ہے جب کیرا بنیاں بھی ساتھ ہوں“ اسی خیال کی ترجمانی ہر برٹ (پیرس نے یوں کی ہے:

”ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لیے آزادی میں شمول ہے کہ اس کا کام کسی دوسرے شخص کی آزادی میں کوئی تداخل نہ پیدا کرے“

اس بیان پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ آخر ہمارے حقوق کے استعمال کی حدیں کون عین کرے گا۔ یہ بات کیسے طے ہوگی کہ ہم اپنے کسی حق کا استعمال کس دائرہ میں کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب بہت آسان ہے یعنی جہاں سے ہم آزادی ملی ہے وہیں سے

غزل

پسیم وارنٹھنے

پہلے تو بہت گردشیں دوراں سے لڑا ہوں
اب کس کی تشا ہے جو قتل میں کھڑا ہوں

گو قدر مری بزم سخن میں نہیں لے سکی
ہیسے کی طرح فن کی انگوٹھی میں جڑا ہوں

خیرات میں بانٹے تھے جہاں میں نے سنا ہے
خود آج وہیں کا شے شب لے کے کھڑا ہوں

ہوتا کوئی پتھر بھی تو کام آتا جنوں کے
ٹوٹا ہوا شیشہ ہوں سیر راہ پڑا ہوں

آفاق کی تسخیر تو آسان تھی لے سکی
اے جاں جہاں تیسرے لیے خود سے لڑا ہوں

طوفاں سے کہو میرے قریب اور نہ آئے
بہر جاؤں گا دریا میں کہ مٹی کا گھڑا ہوں

سمٹوں تو کسی سیب کے سینے میں سما جاؤں
اے پریم جو پھیلوں تو سمندر سے بڑا ہوں

غزل

اھلاں گھونڈوی

لے کے دیوانگی کی کرن آگئے
کمد و ظلت سے ظلمت نکال آگئے

ڈوب کر غم کے کیا سے ابھرے تو کیا؟
ہم ابو میں ڈبو کر بدن آگئے
ہم کو یادوں نے تنہا نہ چھوڑا کبھی
راہ ہر جب گئے راہزن آگئے

وہ ہمیں تھے کہ جو قتل دیکھ سکے
زندگی کا بے باں نہیں آگئے
اصل میں حاصل جستجو نئے ہی
مرحطہ پیش جو دل شکن آگئے

عقل کو دیکھ کر آج ننگ دھو
ہم جنوں کا لیے پیر ہیں آگئے
تجربہ دوستوں کی فداوش بہ تھا
یا دیکھوں دشمنوں کے جلن آگئے

ان سے بہتر ہیں احساس تنہائی
دیکھ کر ایک اک انجن آگئے

انجمن سے

۱۰۔ ایسے: سرمدار

اور ۵۰۰۰ دامیاں تعین لیکن اب امید کی جاتی ہے کہ جو نئے نئے منصوبے کے خاتمہ تک ہمارے یہاں ۱۲،۹۳۰ ڈاکٹر ہوں گے، ۸۸۰۰۰ نرسیں اور ۵۰۰۰ دامیاں ہوں گی۔ یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ ڈاکٹر اور مرلینوں کا تناسب ۱:۱۲۲۲ ہو جائے گا جو کبھی ۱:۵۲۰۰ تھا۔ میڈیکل کالج اب چار گنا زیادہ ہو چکے ہیں۔ ۱۹۴۴ میں ہمارے یہاں ۲۵ میڈیکل کالج تھے اور اب ۹۵ ہیں جن میں ۱۱۰۰ طلباء کی بجائے ۱۱۸۰۰ طلباء طبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میڈیکل کالجوں کے علاوہ ۵۰ ڈسپنسری کالج اور ۱۱ دوسری نوعیت کے طبی ادارے بھی ہیں جن میں ڈاکٹری کی تربیت دی جاتی ہے۔

پچھلے بیس سال میں نئے اسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچ چکی ہے۔ اب ملک کے اسپتالوں میں بیماروں کے بستروں کی تعداد ۱۱۳۰۰۰ سے ۲۶۱۰۰۰ ہو چکی ہے۔ سارے ملک میں ایسے مرکزوں کی تعداد اس وقت ۵۰۰۰ ہے جو ہمارے کورڈر دیہی باشندوں کی خدمت کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ کوشش یہ ہے کہ وقت ضرورت ہر شہری کو اپنے گھر سے معمولی فاصلے پر طبی امداد فراہم ہو سکے اور کوئی بیمار بے علاج پڑنا نہ رہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک طرف تو شرح اموات میں کمی اور صحت عامہ میں ترقی ہوئی ہے لیکن دوسری طرف آنادامی سے پہلے تقسیم شدہ ہندستان کی آبادی جو ۳ کروڑ ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اس کا انجمام ہو چکا ہے۔ آبادی اگر ایسی رفتار سے بڑھتی گئی تو اس کا انجمام ڈیڑھیا تک ہوگا۔ ہندو افریقہ آبادی کی رفتار کو روکنے کے لیے

عہد آنادامی کی اقتصادی ترقی کے ساتھ تعلیم کے فروغ اور صحت عامہ کی سرکاری سرپرستی اور نگہبانی کے طفیل کئی موزی امراض مثلاً طبریا، پلیگ، مہینہ اور چھک کی بیج بکھری پرورد دنیا شروع ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنادامی سے پہلے اوسط صیادو جو ۳۲۱ سال تھی، ۱۹۶۹ء میں عمر کا یہ اوسط ۲۵۶ تک پہنچ گیا۔ شرح اموات ۴۱ فی ہزار سے گر کر ۱۶ فی ہزار تک آگئی۔

۱۹۵۱ء میں طبریا کے مرلینوں کا شمار ہندستان میں دس کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ اس طبریا کی وجہ سے لاکھوں افراد ہر سال ہمارے ملک میں موت کے منہ کا نوالہ لیں جایا کرتے تھے۔ لیکن اب طبریا کا موزی مرض قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔ پلیگ اور مہینہ تو ہماری شہری زندگی میں اب کبھی ماسے کی بات بن چکے ہیں۔ ہمارے دیہات میں اشاعت تعلیم کے فیض سے اب وہ اگلی سٹی لگی اور جہالت نہیں رہی۔ اب ہمارے دیہات میں گندگی کے انبار کم نظر آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ بہتر صحت اور بلند تر معیار زندگی کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ طبریا کے خلاف جو حکم ۱۹۵۱ء میں شروع کی گئی تھی ۱۹۶۲ء کے قریب پایہ اختتام تک پہنچ جائے گی۔ چھک کا تو بہت حد تک اعتقاد ہو چکا ہے۔ تپ دن جو ہمارا سب سے پرانا اور خونی دشمن تصور کیا جاتا تھا۔ اب بی۔سی۔جی (B.C.G) کے ٹیکوں کے طفیل طبی مدد تک قابو میں لایا جا چکا ہے۔

اتنے بڑے ملک میں ڈاکٹروں اور امیٹالوں کی سخت قلت تھی چنانچہ ۱۹۴۶ء میں ہمارے یہاں ۵۰۰ ڈاکٹر تھے۔ ۱۹۶۰ء میں

میں نے گلاب بھی ۱۹۶۶ء میں ان کی تعداد پانچ کو دیکھیں۔ لاکھ ہو گیا ہے۔ دھرتی لاکھ لاکھ انسانوں میں غلبہ کی تعداد اب بس لاکھ کی بجائے ایک کو دیکھیں لاکھ ہے۔ اندہا بنی اسٹینڈرڈ میں غلبہ کی تعداد ۱۹۷۰ء میں دس لاکھ سے کم تھی مگر اب جیسا سہ لاکھ ہو گئی ہے۔ ۱۹۷۱ء تک ہمارے کاجوں میں غلبہ کی تعداد صرف تیس لاکھ تھی مگر اب اس سے بڑھ گیا زیادہ ہے یعنی ایک کو دس تر لاکھ۔

اسی سب سے زیادہ شاندار تاریخ تعلیمی مغلہاہر ہوسے ہے۔
 اقتصادی ترقی کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم بہت ضروری ہے۔
 اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارا ملک آج تک وہاں تک نہ گئے
 انجینئر اور ڈیپلو یا ہولڈر پیدا کر سکا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں ہمارے یہاں صرف
 ۳۸ انجینئرنگ کالج تھے جن میں ۳۰۰۰ طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے لیکن
 ۱۹۶۸ء تک انجینئرنگ کالجوں کی تعداد ۱۳۸ ہو گئی اور ان میں
 ۲۷۰۰ طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اسی طرح پانی ٹیکنک اسکولوں کی تعداد
 ۲۸۴۲ ہو گئی تھی جس میں ۲۷۰۰ طلبہ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ انجینئرنگ
 اودے کے اس شاندار ترقی کے فیض سے ہماری صنعت و حرفت میں
 زبردست ترقی ہوئی ہے۔ اس وقت ہمارے کارخانوں کی بنی ہوئی
 چیزوں کی برقی ممالک کی مشینوں میں کافی مانگ تجربہ رہی ہے۔

اپنے انقباضی اداروں کے دورہ دانے سے ہمارے نام نہاد اچھوتوں کے
کے بے حدوں سے مسدود چلا آتے تھے۔ لیکن ہمارے دستور نے
چھوت کے بھوک کو ملک بدر کر دیا اور ہمیں باغ و خلیجہ کے دوسرے
لوگ بھی شاہ راہ ترقی پر گامزن ہو چکے ہیں۔ قومی زندگی کا ایک اچھا
محصول ہمارے فلاح اور مصلحت چاہتا تھا۔ اس سرور زندہ ہو چکا ہے۔
چوتھے اور پانچویں منصوبوں کی تکمیل کے لیے ہمیں اونچے درجے
کے تربیت یافتہ کارکنوں کی بڑی ضرورت ہے۔ اس ضرورت
کو پورا کرنے کے لیے مناسب سہولتیں اور ضروری وسائل پیدا
کرنے کا انتہائی کوشش کی جا رہی ہے۔

پرنسپل اور دیگر مفسر مائدہ قومن کے بچوں کے لیے مخصوص ہیں
پرنسپل کی تعلیم حقت دی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بہت سی دوسری مراعات
بھی دی جا رہی ہیں۔ یعنی طلباء کے لیے وظیفے، ان کی دیکھ بھال اور

خاندانِ منصور کے عالمِ وجود میں لاکھ ہونے لگے ہیں۔
 پہلے بیس سال میں ایک سو تین پیدائشیں کی شرح ۴۴ فی ہزار
 تھی لیکن اب خاندانِ منصوروں اور استعمارِ حمل کے طریقوں کی بدولت
 اب شرحِ پیدائش ۳۵ فی ہزار ہو گئی ہے۔ لیکن ہستہ کے منصوبہ کی ہزار
 ۲۵ گنا ہو گئی ہے۔

خدا کی تعظیم و تہلیل کے لیے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس وقت ۱۹۷۰ء پر پہنچا ہے اور امید ہے کہ پانچ سال اور گزر جائے سے پہلے اسی کا قعدہ ۱۹۷۰ء تک پہنچ جائے گی۔

بہت سے امراض ایسے ہیں کہ اگرچہ کھانا پانی دستیاب ہو اور حفظانِ صحت کے قوانین سے واقفیت ہو جائے تو ان سے لوگ بڑی حد تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے سکول نے شین ڈاؤن سلائی اور حفظانِ صحت کے پروگرام ۱۹۵۵ء میں شروع کیے۔ جو پچیس سالہ منصوبے کے شروع ہونے تک دس لاکھ نیپے کنوین اور تین لاکھ سے زائد نیپ ٹیپ لگائے جا چکے ہیں۔

عظیم
قومی ترقی کے لیے تعلیمی ترقی بہت ضروری ہے۔ آزادی سے
پہلے ہمارے وہ بات ناخواندہ لوگوں کی بقیہ لکھاتے تھے جو کہ
ہماری نئی آبادی کا نصف وہ بات ہی میں رہتا ہے۔

انگریزوں نے جب ہندوستانیوں کو تعلیم دینا شروع کیا تو تعلیم
دہیات اور پٹنچل کے لوگوں کو بے شکل نظر آئے گا۔ وہ بے تعلیم شہر
کے اونچے درجے اور امیر لوگوں کے بچوں کا حق اور شغل سمجھا سکتا تھا۔
فیکٹریل تعلیم دینے سے تو پوری طرح احترازی کی گئی تھی۔ یہ حالت تقریباً
آزادی کے آغاز تک قائم رہی۔ لیکن ۶۶ جولائی ۱۹۵۰ء کو جب ہندو
ملک جمہوریہ بن گیا اور نیا دستور عمل میں آئی تو ہندوستان پر پانچ شہری کو
ووٹ دینے کا حق دار قرار دیا گیا۔ وہاں یہ بھی اضافہ کیا گیا کہ وہاں کے
خود ارادہ بچے سے چودہ سال تک کی عمر کے بچوں کو حق اقتدار لازمی
ہو جائے گی۔ تعلیم دینا ہے گی۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء تک چھ برس بھی ہزار سال
کی عمر تک کے ۶۶ فیصد بچے ہمارے اسکولوں میں شامل ہوئے۔ تعلیم حاصل
کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۶۶ء میں اس وقت تک ان کی تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ

ابھی خوراک کا مزدور دست بیک کی جا رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں دیہات میں پرائمری کے بعد کی تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے مشین کو قرض پر لے کر انٹر ایجوکیشن قائم کر دی گئی ہے جس کا فرض منصوبہ حکومت کو تعلیم کے ضمن میں ضروری اور کارآمد مشورے دینا ہے۔

اقتصادی ترقی صنعتی اور زرعی ترقی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس وقت ہماری فیکٹریوں میں ۵۰۰۰ مزدور کام کر رہے ہیں۔ مزدوروں کی اکثر بڑی فوج کو اپنے حالات سے مطمئن رکھنا اشد ضروری ہے۔ سب سے بڑا اور اہم سوال شرح مزدوری ہے۔ اس کے لیے گورنمنٹ نے مختلف صنعتوں کے واسطے الگ الگ اجرت (درج) بورڈ قائم کر رکھے ہیں جن کے مشوروں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

ایسٹ اسٹیل انڈسٹریز اسکیم ۱۹۴۸ء میں شروع کی گئی اور فروری ۱۹۵۰ء تک ۳۷ لاکھ مزدوروں کا یہ اسکیم کے ذریعے ۱۳ سینٹروں میں کیا گیا۔ مزدوروں کو ایام زندگی میں ذرا معاون بنایا جاتا ہے۔ مزدوروں کے اہل عیال اور بچوں کی فلاح و بہبودی کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے۔

مزدوروں کو ٹیڈ یونین بنانے کی مکمل آزادی ہے۔ ۱۹۶۶ء میں ہمارے یہاں ۲۵۴ ٹیڈ یونین تھیں اور ان ٹیڈ یونین کے نمبروں کی تعداد ۲۳۸۱۵۴۸ ہو چکی تھی

اسی طرح زرعی مزدوروں کے مفاد کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲-۶۵ء میں نیشنل سیل سروس کی وساطت سے زرعی مزدوروں کے حالات کی تحقیقات کی گئی اور اس کی روشنی میں ان کی آمدنی، خرچ اور ضرورتوں وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل کی گئیں۔ ایک نئے قانون کے تحت جو ۱۹۴۸ء میں نافذ کیا گیا تھا، کئی صوبوں میں زرعی مزدوروں کی کم سے کم شرح اجرت مقرر کر دی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ غنائیوں، جاگیرداروں اور زمینداروں کی سطح بھی کئی صوبوں میں کر دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زرعی مزدور اس زمین کے مالک بن گئے جس پر وہ کاشت کاری کی کرتے تھے۔

ہر بچوں اور بچوں کی ماہانہ اقوام کی حالت، زاد اس بات کی مقتضی تھی کہ ان کی ترقی کے لیے خاص وسائل پیدا کیے جائیں۔ اس لیے ہمارے

دستور اور پنج سالہ منصوبوں میں اس کام کو ترجیحی قرار دیا گیا۔ حکومت اہمیت دی گئی۔ اس کا نتیجہ پانچ تک ۱۵ لاکھ کوڑے روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ صوبائی حکومتیں بھی اس پر کافی روپیہ خرچ کر رہی ہیں۔ ہمارے سب سے پہلے پنج سالہ منصوبے میں اس مقصد کے لیے ۱۳۵ لاکھ روپے کا انصاف کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مزید ۳۵ لاکھ روپے غیر پنج سالہ منصوبے کے خرچ کے طور پر مخصوص کیے گئے ہیں۔ یہ رقم اس میں ماہانہ اقوام کے بچوں کے تعلیمی اہلیوں اور دیگر ذرا کم کاموں پر خرچ ہوگی۔

مرکزی حکومت نے ان لوگوں کے لیے سرکاری ملازمت ۱۲ فی صد کر دی ہے اور ہر بچوں کے ضمن میں یہ شرح ۵ فی صد سے لے کر ۱۰ فی صد کر دی گئی ہے۔

انسان کی خوش حالی اور بہبودی کے لیے خوراک اور صحت کے علاوہ ایک تیسری اور چیز کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اور وہ ہے رہنے کے لیے مکان۔ دیہات میں ۹۴ فی صد لوگوں کے رہنے کے لیے اپنے نجی مکان ہیں اور شہروں میں ۴۶ فی صد۔ لیکن گاؤں میں مکانوں کی اکثریت کچے مکانوں پر مشتمل ہے اور یہ کچے مکان نہایت گھٹیا درجے کے ہوتے ہیں اور یہی حالت اکثر تھیں اور شہروں میں باؤں جاتی ہے۔ چوتھے پنج سالہ منصوبے میں ۸۲ لاکھ ڈالروں کی کی کا اندازہ تھا۔ اس لیے صوبائی اور مرکزی حکومتوں نے اپنے ملازموں کو رہائشی مکان مہیا کرنے پر توجہ کی۔ پاکستان سے ہجرت کر کے آئے ہوئے لوگوں کے لیے مکان بنانے کی ہم کے ساتھ پہلی دفعہ حکومتی ملازموں کے علاوہ دوسروں کے لیے تعمیرات کا پروگرام اپنا یا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ہڈ سنگ کے ایک الگ ایجنسی کی تخلیق کی گئی جس کے وجود میں آنے کے ساتھ لوگوں کو مکان بنانے کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ کئی قصبے اور شہر انھیں ایجنسیوں کی مدد سے بسا دیے گئے ہیں ان میں چند ہی کو گھر کا نام ہمارا آتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے پنج سالہ منصوبے کے دوران ۱۹ لاکھ ڈالروں کے تعمیراتی کام کی انجام دیا جاتا ہے۔ ان میں ۵۵ لاکھ کوڑے کے خرچ کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پہلے پنج سالہ منصوبے کے دوران میں ۱۰ لاکھ مکان تعمیر کیے گئے تھے تیسرے منصوبے میں ہر ایک سکھ کو پانچ روپے کی رقم کے مکان کی تعمیر ۱۵ لاکھ کوڑے روپے خرچ کی گئی تھی اور تقریباً

ایک کاروبار کی بنا پر ۱۹۷۰ء میں رکھی گئی۔ اس غرض سے دو سو کوڑ روپے کو نو سو روپے میں بڑھا دیا گیا جو اس سے توقع ہے کہ اس کا تعلق کسی قسٹ کے سطح میں خاص مدد ملے گی اور یہ نیا قدم اس مسئلے کو حل کرنے میں بہت مفید ثابت ہو گا۔

اب رہا سوال ہے روڈ گاری کا قرضہ آزادی سے پہلے کبھی کسی نے اس بات کی پروا نہیں کی تھی کہ ملک بھر میں بے روزگاری کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے۔ آزادی کے بعد اس بے روزگاری کے مسئلے کی وسعت پر پوری طرح غور و خوض کیا گیا۔ مزدوروں کی مردم شماری کی گئی اور وہ صنعتی امور آپ باہمی نیزہ راجت وغیرہ میں کفایت اور کھتے تھے اس کے ماحول کی کٹھن بھی کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کھیتوں کی تعمیر کے معاملے میں کس کس کام پر لگایا جاسکتا ہے۔

روڈ گار و فز (میلانٹ ایکس پیج) اور دوسرے ادارے جو اس مطلب کے لیے کھولے گئے ہیں، ہر وقت اس بات کی کوشش میں رہتے ہیں کہ ہر شخص کو اس کی قابلیت کے مطابق کام ہمایا جاسے۔ لیکن سب کے لیے بیک وقت کام ہمایا کرنا فوراً آسان نہیں ہے۔ ابھی ہمارے صنعتی زونز اور دوسرے اداروں میں کئی طرح کی توسیع عمل میں لانا ہے۔ گاؤں میں بھی پہنچا دینے کے کام کی ابھی تکمیل کرنا ہے۔ ابھی بہت سی نئی سرنگیں ہیں اور نہیں بنانا ہیں۔ ان کاموں کی تکمیل کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ بہتر آبادی کے لیے روڈ گار اور کام ہمایا ہو سکے گا۔

بایدیل جی اس بات کا بھی فخر ہے کہ آزادی کے ۲۵ سال کے اس تئیس عرصے میں ہم نے صنعتی، زراعتی، سائنسی، تعلیمی، مذہبی وغیرہ میدانوں میں کافی ترقی کر لی ہے اور امید ہے کہ ملک اس راہ پر تیزی سے کام لے رہا کہ خوش حال اور خود پسند ملک سماج کے قیام کا نصب العین ہو کر اگلے کامیابی سے آزادی کے بعد اپنے لیے متعین کیا تھا اور جس کی تکمیل کے لیے وہ مسلسل کوشاں ہے۔

۲ لاکھ روپے کی رقم ہے۔
پچھلے عرصے کے دوران ۲۷۹۱ کروڑ روپے کے قرضوں کو نو سو روپے کی شرح پر کم کر دیا گیا اس کام پر دیوید گارٹی کی قیادت میں کام ہوا۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۲ میں ایک اسکیم تیار کی گئی اس کے مطابق ستمبر ۱۹۶۹ تک ۶۷۰۳۲ لاکھ روپے کی قرضہ کی گئی ہے۔ اسی طرح کی ایک اور اسکیم اقتصادی و مالی طور پر کوڑ روپے کے واسطے ملکوں کی تعمیر کے لیے بنائی گئی۔ اس اسکیم کے ذریعہ ستمبر ۱۹۶۹ تک ۱۹۶۷ لاکھ روپے ہیں۔ دسمبر ۱۹۶۹ تک مرکزی حکومت نے ملکوں کی تعمیر کے لیے اپنے طرزوں کو ۹۴۴ کروڑ روپے کے قرضے دیے ہیں۔

دیہات میں مکان بنانے پر خاص توجہ دی گئی جو ۱۹۵۰ میں ویلج ہاؤسنگ پروجیکٹ اسکیم کا اجرا ہوا۔ یہ اسکیم امداد اور خود اعتمادی پر مبنی تھی۔ اس کے مطابق مکان کی تعمیر کے لیے ۳۰۰ روپے یا اس قیمت کا ۸۰ فیصد ادائیغہ دیا جاتا ہے۔ دونوں میں جو بھی کم ہو ۶۰۰ لاکھ ۹۶۹۰۰۰۰ ۹۲۱۰ روپیہ قرض دیا جاسکتا ہے اور ۹۲۴۴ لاکھ روپے کی قرضہ کی گئی ہے۔

صنعتی بینوں اور کارخانوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے کئی بینوں کا سوال زیادہ اہم شکل اختیار کر رہا ہے اس کے حل کے لیے ۱۹۵۷ میں ایک اسکیم بنائی گئی۔ اس اسکیم کے مطابق صوبائی حکومتوں کو مالی امداد دی جاتی ہے تاکہ کئی چھوٹے بینوں کو منہدم کرنے کے بعد جو لوگ ان میں رہتے تھے ان کے لیے رہائش کا بندہ وسعت کیا جاسکے۔ اس اسکیم کے تحت صوبائی حکومتوں کو ۳۲۲۰۰۰ روپے یا ۱۹۶۹ لاکھ ادا کر دیے گئے جو اس عرصہ میں اس اسکیم کے مطابق ۵۸۷۵ لاکھ مکان تعمیر کیے جا چکے ہیں۔ ایسی ہی ایک اسکیم دیہاتوں میں ۱۹۶۰ء میں چل رہی ہے۔

صنعتی کارخانوں اور دیہاتوں کی مالی امداد دینے کے مقصد سے



ہزاوی کے لیے سختیاں

جھیلنے والوں کے لئے اعلیٰ اشہ

ذریعہ اطلاع از پیش کشی کلاسیکاً ترقی پائے نے ۱۵ اگست کو یہاں
منصفہ ایک خصوصی تقریب میں، دعوہ ۲۴۹۶ء کی بنیاد پر اس سے
۱۹۹۰ء کو تا سرپریش کے لیے اس تقریب میں ۱۰۳۰ء کا بدین آزادی کو مرکزی
حکومت کی جانب سے اور ۹۵ کو ریاستی حکومت کی جانب سے نامزد
پیش کیے گئے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے حسب یل ۱۰۲۷ء کا بیان کیا گیا
کو تا سرپریش کے لئے۔

علی گڑھ: سرودھری روپ کشور اور تلسی رام۔ اوروہ: سرودھری
ریا دھ بانڈے اور روگات بانڈے۔ آگرہ: سرودھری چند رہیں
اور شیشنگو۔ اعظم گڑھ: سرودھری کیدانہ لال سنگھ
عون گھوٹا سنگھ اور سیدو رام حمام۔ اناروا: سرودھری
شیدو اس بانڈے عون کیشو دیو پرشاد اور سولے لال حشر با۔
الہ آباد: سرودھری ہرجن لال دہا اور دیوی پرشاد بھٹناگر۔
اترکاشی: شری نھاسنگھ کشپ۔ اناروا: سرودھری رام دت
اوتھی۔ رگھو نند اور رام دھار مسرا۔ امیتھ: شری کند اسنگھ
کانوڑ: سرودھری حمید خان، اقبال، کوثرن کچراو جھیل بہاری۔
مٹاڑی پور: سرودھری بیٹی دھوراسے۔ بن روپ سنگھ۔
اندر دیو سنگھ۔ رام سرودھری بابا دیپاے سنگھ دیال ماسے
اندھرا پرادھ ورت بابا بانڈے۔ گونڈا: سرودھری بشوہری پرستار۔
پریشور سن اور سام پریاے لال تیاری۔ گوگھوڑ: سرودھری گنیش
اور نہادیو۔ جھول: سرودھری باگ سنگھ رات اور کھانڈناری
جاولی: سرودھری پچھ دیال اور رامیشور دیال۔ جھانسی: سرودھری
ہن پت سنگھ پراد۔ کانپور: پرشاد گروال اور رام گپال شاستری۔
شہری گڑھوال: سرودھری بھول اور انیال اور خوش مال سنگھ
دیوریا: شری چندر سنگھ۔ دہرہ دوئی: سرودھری لگی رام اور
دیر بند ناتھ بانڈے۔ نئی تال: شری سنگھ مٹی دیوی۔ شری شری

[illegible]

اس کے علاوہ حکومت ہند کی طرف سے جی ۲۱ کیلئے ایک آئندہ کی کو
تائید دینے کے لئے ایک اور جوائنٹ ہونے پر وہ ۱۹۹۱ کے ای کے نام
حسب ذیل ہیں :

نثری و کتب پرستگار (ایڈیٹور) - سرمد نثری - سرمد نثری

دگو رکھیں۔ سو شری ادیا پر شاد سنگھ اور باجو دھیا پر شاد
 (جو پند)۔ شری گنیش نہ رت (گروہال) شری بھگت سنگھ (لجھا)
 شری گنیشی سنگھ (لجھی) شری چندر بھوشن سنگھ (بانڈہ) شری
 بدی پر شاد (پند شری شری بسنت لال (دعز اچہ) سو شری
 پھول سنگھ اور پھیال سنگھ تیاگی (جیرٹھ) شری پریم لال دیو (لجھی)
 شری گوندھادی سنگھ (راہید)۔ شری مادھا کوٹن (کھنڈ) شری
 دتتا این سنگھ۔ بند شری پاٹھک اور گوری شکو مسرا (دراہنسی)
 شری دلم لال (شاہ جہاں پد)۔ شری رگھو نند (شراہروٹی)
 ریاستی حکومت کی طرف سے جن ۹۵ مجاہدین آزادی کو
 نامزد کیے گئے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں
 علی گڑھ: سو شری دیکھ دیا سنگھ اور پشادی سنگھ
 اٹھوہ: شری بھگت سنگھ اور گنیش چندر دوانی۔ آگرہ: سو شری ام سرگڑ
 ہما پر پشاد اور سام سنگھ۔ اٹھل گڑھ: سو شری ترک ملے شرا۔
 رام چندر یادو جگتا تھ مارے۔ پائیشی شری ہرواسا اور تلال سنگھ
 اٹاھ: سو شری دین دیال راجپت۔ رستم اور مرلی دھر دھیسے۔
 الہ آباد: سو شری رام کتور۔ رام اٹا گپتا۔ کھپت مارے اور شری
 کلاڈی مصرام۔ آناؤ: سو شری نکھو سنگھ شیوال۔ دشنا تھ سنگھ
 برننا تھ اور پھید کال۔ ایٹھ: سو شری مہی رام۔ بدی سنگھ۔ لال مہی
 اور رام جہاں۔ قانڑی پور: سو شری ہری سنگھ سنگھ۔ جمبیدی ڈسے۔
 مانا مارے۔ رام سنگھ اور جتا مدھ سنار۔ گوندھ: شری جگت مہکا
 پر شاد۔ گورکھو: شری رام سبھاگ کوار۔ جونیور: سو شری
 سارکٹ امپت۔ جگتا دین پھٹی اور پشلا پر شاد۔ سہا لون: سو شری
 گنگا دین لکھ سنگھ نام تواری۔ جھانسی: سو شری بہاؤ سنگھ
 ہر پر شاد اور لکھ سنگھ۔ دلوہ: ہری مدھ موہن وٹ پورن
 ماسی۔ ہر پور وٹن: سو شری تھیم سنگھ بھاشا اور دوش پال بھاشا
 نین تال: شری دیو اور شرا۔ جھوڑا گدھ: شری گنگا دت شرا
 پٹی بھیت: شری دے نام پوری گروہال۔ شری لنگی رام۔
 پرتاپ گدھ: سو شری جگتا تھ۔ ریگتین اور شری بادی سنگھ
 راج پور: شری گوندھ تھ پاندھے۔ غرخ آباد: شری رادیشو دیا ل

فیض آباد: سو شری رام سنگھ اور پشاند پاندھے۔ پدایوں
 سو شری امراؤ سنگھ اور شونا تھ شرا۔ دییدی پشاد سنگھ۔ پدایوں
 شری کی پادی۔ بلیا: شری بھگت پاندھے۔ بہرائچ: سو شری
 سنیام۔ بدی پر شاد اور بھگت پشاد۔ بانڈہ: شری مہی کلا دیو
 بھگتہ: سو شری لال سنگھ اور رام سرن داس۔ طڈ شری
 کھیشو رام بھٹرا: شری ہیٹ رام۔ مرزا پور: سو شری جی سنگھ
 کوشتا پشاد۔ رام سنگھ۔ جے نارائی سنگھ۔ دیاس جی آباد: جی
 رام اور گروہا اور شری نیکو۔ مظفر پور: شری نیکو سنگھ۔ ملوہ آباد: شری
 بھرت سنگھ اور شری بھگت۔ میرٹھ: سو شری جی سنگھ۔ جگتا کتور شرا
 رانا تھ تیاگی اور پشی لال شرا۔ مین پوری: شری کرنا سنگھ۔ رام پور
 شری کاشی رام لکھو: شری مہی پنا آبادھیا۔ شری آتما رام
 پاندھے۔ بدی۔ شری نارنگا اور شری کشوری لال (گودال۔ شراہجی
 شری فوال۔ مین۔ پتیا پور: سو شری سری پال سنگھ اور پشاد
 سلطان پور: شری شری پاتھر۔ ہروٹی: سو شری کون سنگھ
 اور پتال۔
 ریاستی حکومت کی طرف سے نامزد کیے گئے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں
 ۳۹
 مجاہدین آزادی کے نام حسب ذیل ہیں جو اس موقع پر نہ پہنچ سکے۔
 شری مہی مہی دیو (راناؤ)۔ شری سنگھ لال۔ شری ستیہ نارائش
 شری کالی چوں۔ شری موہن لال اور شری کاکا شری رام دھاتیا گ
 دکانڈہ)۔ شری پرم ہنس۔ راسے (غازی پور)۔ شری سوامی ناٹھ
 (گوندھ)۔ شری سوہی سنگھ (جھالون)۔ شری شکو دوشیا
 شری اند سنگھ۔ شری بھیدوت اونیال۔ ہری گروہال۔ شری
 رنجیت سنگھ (پوری گودھوال)۔ شری بکوال۔ شری گھوڑا (فرخ آباد)
 شری ہدی پر شاد اور پشاد (فیض آباد)۔ شری سیند پاندھے (پلیا)
 شری عبدالرحمن (لجھی)۔ شری سیوک رام۔ شری مہی لال (راہجی)
 شری مہی مالویہ۔ شری بس راج۔ شری بھگت سنگھ۔ شری
 جے نامائ سنگھ۔ شری ادیا پر شاد (دعز اچہ)۔ شری باجو رام
 دسیرٹھ۔ شری ناماد اور جھادراہنسی (شری ہرے رام (سہا پند)
 اور گروہا دی کھیا (ہمیر پور)۔



قَائِمٌ صَرِيحٌ جَلِيلٌ

حالات کے پیش نظر ہندوستانی سماج میں سدھار کی کوشش کی گئی۔
 سورتوں کو برابری کا حق ملا، ہندستان کے آئین میں ہندو عورتوں
 کو طلاق کا حق دیا گیا۔ "حسط تولید" کے سلسلے میں خاندانی منصوبہ بندی
 اسکیم چلی تاکہ ملک کی حد سے بڑھتی ہوئی آبادی کو اوسط منزل میں لایا
 جاسکے۔ والیان کی کفالت کے سلسلے میں جی پری بوس "ہندو خاص"
 مقرر کی گئی تاکہ ان کا حاکم ہو۔ بینک کو عوام الناس کی بہتری اور
 خوشحالی کے واسطے "قومیابا" کیا گیا۔ ادبی بیج، چھت پھلت
 کی لہنت ختم کی گئی اور سرکاری کو برابری کا حق ملا۔

آج کا ہندستان ایک ترقی یافتہ ملک ہے جس کی گودی میں
 بڑی بڑی سرین کی پیدا کرنے کے کام آ رہی ہیں۔ دریا آبپاشی
 کو کے کھیتوں کو ملہا رہا ہے، باغات اور جنگلات قومی سربراہ بن رہے
 ہیں، چمکتا ہوا سورج بہت صاف ستھری ہوا، برقت، بہاؤ اور ہیش
 پہننے والے طوفانی بہاؤ کی جتنے ہندستان کی عظمت کو شہرہ کو آدھار
 لارہے ہیں جو غیر ملکی دور حکومت میں مادی بڑی تھی اور ہندستان کو کھلا
 ہو گیا تھا، محقق یہ کہ آج سے پچیس سال پہلے آزادی حاصل کرنے کی صورت
 ہم کو ملی تھی تھی، مگر سخت ترین ہم اس آزادی کو نذرانہ تھے ملک
 کو تسلیم نہانے، سوتلوں کے راستے سے اسے ترقی کی اعلیٰ منزلوں تک
 پہنچانے کی باقی ہے۔ اس لیے آج اس مقدس موقع پر ہم عہد
 کوین کو اس کے لیے ہم ہر ترافی پیش کرنے کو سارے ہیکے اور ہم سب مل
 کر پورے اتحاد کے ساتھ اس کام کو انجام دیں گے، ہم میں باندھیں
 ہمارا ملک قائم رہے گا، ہماری داستان باقی رہے گی۔

کہی جاسکتی ہے جس کے نتیجے میں جھگڑا پیش نہ ہو دوسرا یہ تدریج عالم
 میں بہت نمان کی یہ شاندار کامیابی ہنرے جوں میں چھی جاسکتی گی۔
 ہندستان میں قدرتی اور معاشی وسائل کی کمی تھی نہیں
 رہی۔ قدرت نے ہندستان کو ہر قسم کی نعمتوں سے بہرہ مند کیا ہے۔
 یہاں خام اشیاء بڑی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ ہم
 غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور ہم ایک غیر ملکی حکومت
 مسلط تھی جس کے باعث ہم ان نعمتوں سے اپنے دامن کو خالی پارہے
 تھے اور یہ نعمتیں قومی دولت نہیں بن رہی تھیں۔ لیکن آزادی حاصل
 کرنے کے بعد ہم نے تجارت کی مندی میں فروغ پایا اور ہم ملک
 کی ترقی و خوشحالی کی طرف چل پڑے۔ زمینداری جو ایک لعنت تھی
 آزادی کے فوراً ہی بن خاتمہ زمینداری بل پاس کر کے ختم کر دی گئی اور
 اس طرح ایک سامنت شاہی نظام حیات نے دم توڑ دیا۔ آزاد
 ہندستان نے "سماج واد" نظام حیات کی بنیاد ڈالی اور اس نظریہ
 حیات کے ترویج و بقا کے سلسلے میں وہ تمام برائی روایتیں اور اصول
 جو اس "نقص و حیات" کے منافی تھے ایک ایک کو کے ختم کر دیے گئے۔
 نادرین آپ کو آگے بڑھ کر آواز دے گی کہ "ہندو سماج" میں عورتوں
 کے سلسلے میں وراثت کا مسئلہ رہا تھا۔ ایک سے دو بیوی پرکت رفت
 رکھے پڑا فونی پابندی نہ تھی۔ ایک فرد دو مرتبہ دہرے کے افرا و
 سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں کر سکتا تھا۔ افلاس، جہالت، ہماری
 معاشی و برابری اقدارست پرستی، ذات پانت، ادبی بیج اور چھوت
 جہات کا جذبہ ہندستان کی ملی قومی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا تھا۔ ان



"تشدد کا جواب تشدد سے نہ دینا بلکہ اپنے ہاتھ کو روک کر اور اس
 کے ساتھ ہی ساتھ دھار کے مطالعے (حسن کی بہت پر طاقت ہے) کے آگے بھگنے
 سے انکار کر کے تشدد کو لے اٹھنا دینا ہی، بنامیں، آگے بڑھنے کا واحد راستہ ہے۔"
 مہاتما گاندھی

(مجموعہ سائنس و فنون)

حسن نظر

[آباد اور اب گتہ ۱۹۴۰ء (آٹھویں نمبر) کے بارے میں قارئین غیاثیہ نے جن مبالغہات کا اظہار فرمایا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔] ایڈیٹر

ہے کہ کاش میں بھی اس میں شریک ہوتا
 ڈاکٹر نواز جونہی ہوتی
 آجے اگست کا شمار ہوا خاندان کا لاپے، خوب بہت خوب
 بوسٹ اٹلی
 میا دوسرے آزادی کی ۲۵ ویں سال گرہ کے موقع پر قوم کے لیے جواہر
 سوغات مدد کہے وہ امرتیش جیو رہا ہے گی۔ مضامین شری و انتخاب اور
 حجب ہر کا قصہ ایک نیا نیا مثال ہے۔ اس طرح ایک سرکاری مانتا ہے
 ادبی دنیا میں جو مقام پیدا کیا ہے اور دونوں میں اس کے لیے بوجھ بیکار بھی ہے
 وہ سادہ اور دلانی نہیں ہے۔

سیف بختری
 آزادی کی پچیسویں سالگرہ پر بنیادوں کا کینسل نمبر باصرہ نواز ہوا
 مضامین اور کسکے تمام معاملات کے لحاظ و اعتدال اور آپ کی خصوصی
 توجہ سے تو اور بھی اسے ایک معیار پر پہنچا کر قابل سادہ کا ہونا دیا ہے اس
 خاص نمونہ پر اور اسے معیاری سمجھا ہے اپنی عدم شرکت کا افسوس ہے۔
 حقیقتاً
 محمد خورشید رحمانی سلام دنیا ز

آپ کی اداسیت میں ماہ ماہ رسالہ کا معیار کھرا جا رہا ہے۔ یہ سب
 آپ کی سہی جیل کا جھوٹ ہے۔
 آفاق حسین صدیقی

مجھ جیتے جاگتے سے میا دوس کے صدیقی معیار میں قابل قدر
 اضافہ ہو رہا ہے اور ہر شاہانہ گزشتہ سے بہتر ہو کر آ رہا ہے۔ خدا کو سب
 گویہ مسئلہ اسی طرح جاری رہے۔ اس مسئلے میں آپ کی کاوشیں اور
 محنت قابل مبارکباد ہیں۔

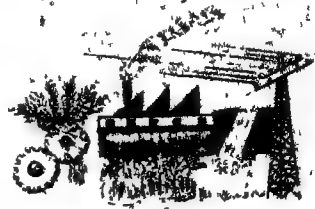
پرتاب گلوی
 مگر سب سے پہلے میں سے رسالوں کے صفحات پر غلط کاری کی وجہ سے
 کے ساتھ پھیل چکی ہے جن میں باتو ہے مجھ کو کہ شعرا کی تعریف و توصیف ہوا
 کوئی ہے پھر سالہ روزہ برسالہ کی شان میں قصیدہ خوانی۔ مگر کسی بھی رسالے
 میں آپ کا ہر اک حرف نظر پڑے گا۔ میں شریعہ کے تعریف و توصیف کے
 معاملے میں بے حد احتیاط رہتا ہوں اور بھول "تو خیر مجھے کہیں بولا ہی
 نہیں گیا۔ اس کے باوجود آپ کا آزادی پسند ہونے کے بعد بے اختیار مسیحا
 منہ سے لگتے ہیں کہ میں ہی گیا۔ مسیحے پاس بہت سے ماہماہوں اور ہفت روزہ
 خاوند کے آزادی پسند ہیں لیکن مضامین کی فراہمی پھر ان کی ترقی ترقی
 میں آپ سے جس حد تک دیکھتا اور سلیقے کا ثبوت دیا ہے وہ کسی دوسری جگہ
 نظر میں آتا۔ اس میں تو صورت اور کارآمد سرکاری اشاعت ہیں آپ کو
 سادہ کا پویش کرتا ہوں۔

آرہ سادہ
 کوئی روزانہ صحت کے عام "بیمہ میں میا دوس کے خاص ہر کار کا ہی
 کی نگاہ پر سے گزری بنیادوں کے متوقع اور واقعی شان کے حامل اگست نمبر
 کے لیے منتظر ہی تھا کہ کل ٹھیک پدم آزادی کے روز ہی ڈاکیر یہ شان دار سرٹ
 گیا اور سرٹوں میں اضافہ ہوا۔

چیز نظر شمار ہے تمام محاسن صوری و صوری کے ساتھ آپ کے شری
 "اداسیت کا مظہر ہے۔ یوں تو "آج کل" کو مگر کی سرپرستی میں ہے مگر اب نظر
 خوب حالت ہے کہ بنیادوں کا مقام کتنا بلند ہے۔
 یہ شمارہ میں بخیر و بکھور ہوا ہوں اس میں کیا میں نے ۹ جہاں کر آج کے
 شگفتہ ادارے سے خارج ہے اکثر جریں وجود شامل اشاعت پر ہر کیلچر
 معیاری ادب تاروں کی کشائیں ہیں۔ اسے پھر ہوا ہوں اور شک ہوا



اتر پردیش کا ہلہ ترقی پر



غلہ کی پیداوار کے لیے جنگی پہلے پر کام کرنے کی ضرورت ••• خشک سالی کا مقابلہ کرنے کے لیے اتر پردیش کو کمر سے اُلی ابراد •••
 ••• بیٹوں کے احسانے کی روک تھام کے سلسلے میں اڑن دستوں کا قیام ••• مجاہدین آزادی کے لیے تعمیراتیات کی سہولتیں
 ••• جواؤں اور ان کے دالین کو نقد اخراجات ••• بینر سربیک سکولوں کی امداد کے قواعد میں ترمیم ••• جنگ تسمیسی بورڈ کا قیام
 ••• بڑی صنعت، سینما گھروں اور انجینئرنگ واسدوں کے مزدوروں کی اجڑوں میں اضافہ ••• کسانوں کو دیتے جانے والے
 قرضوں کے قواعد میں ترمیم ••• زراعتی صنعت کا پلے پڑشیں ہٹا سب نہیں کی ادا دیکھنے سے کشن ••• اعظم گڑھ میں ہرجمخوں کی
 زراعتی صنعتی سہولت کا قیام ••• اتر پردیش ترقی یافتہ کونسل کی تشکیل ••• چھوٹی دینی برسوں کے لیے برسوں کا فیاض اند
 اجراء ••• بے گھر افراد کو مکان کے بلاؤں پر واقعی قبضہ دلانے کی ہدایت ••• لکھنؤ میں بھوک کی پرورش گاہ کا قیام ••• زمین
 اور پانی کے وسائل کے بہتر استعمال کے لیے دو ضلعوں میں رہبر منصوبے ••• سیانہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولتیں ••• یو۔ پی۔ ڈی
 کے موقع پر ۱۱۲ قیدیوں کی سزا عافیت ••• متصرفات

اتر پردیش کے درپردہ اہم شری رام لکھن نے عکس ذراعت کے
 ملازم اسروں کو ہدایت کی ہے کہ بارش میں تاخیر اور اس کی غیر یقینی صورت
 حال کے باعث ملک کو زیادہ غلہ پیدا کرنے کا جو چیلنج درپیش ہے وہاں
 کا متناظر کرنے کے لیے بھر پور کوشش کریں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی تساہلی
 نہ برتیں خلیت کی پیداوار میں کمی کے اسکان کے پیش نظر ضرورت اس
 بات کی ہے کہ اس کمی کی تلافی کرنے کے لیے جیسے جیسے پیرا پردیش کی جہم
 شرمع کی جائے امداد ••• لاکھ ایکڑ کے کس آبپاشی مشورہ رتبرہ گوگھوں

کی زیادہ پیداوار والی اقسام کے ذریعہ کا شعبہ لا رہا ہے۔ اس پروگرام
 میں تالوں اور موسم گرما کے دھان کی فاضل پیداوار شامل ہوگی
 شری رام لکھن کل کھنڈ میں کوئی بھون میں تمام اضلاع کے
 زراعت، افسران، اعلیٰ دائرہ کشروں اور پراجکٹ افسروں کے ایک طلبہ
 میں تقریر کر رہے تھے۔

شری رام لکھن نے کہا کہ اگر چھوٹے مکان کو نظر انداز کیا گیا اور
 صرف بڑی عمارتوں کو متعلقہ روں کو متبر انقلاب کے میدان میں اتارا گیا
 تو زراعتی ترقی کی کوئی اسکیم کامیاب نہیں ہوگی۔

درپردہ صورت ہے کہ زراعت افسروں کو اپنے علاقوں کی
 آبپاشی کی ضروری بھی قبول کرنا چاہیے کیوں کہ باقی کے بغیر واقعی
 پیداوار میں بڑھکٹ پیدا کرنا ناگزیر ہے۔

درپردہ راست ہرے زراعت شری نیام صورت اپنا دھیاے نے
 مقامی حالات کے مطابق گاؤں اور ملاک کی سطح پر زراعتی منصوبے تیار
 کرنے کی ضرورت ہے درودیا انہوں نے کہا کہ اگر یکم عرصہ غلہ بری کے لیے نہ جو بکر
 زمین اور زمین کی صلاحیت پر مبنی ایک حقیقت پسندانہ اسکیم پر مشرئی اپنا جائے

درپردہ صورت ہے کہ زمین سرکاری غاصروں کو سخت آپند کیا اور نقصان
 پہنچا رہا ہے۔ یہاں پر وہ دیکھ کر مستحیل ہیں یہ تمام نقصان پر چلیں ۵

کے جائیں گے۔

ریاستی حکومت نے ۸۰ کھن بیک تعلیمی بورڈ کی تشکیل کی ہے۔ یہ اعتبار عہدہ نمبروں کے علاوہ بورڈ کے دیگر نمبروں کے مدت تین سال ہوگی۔ جبکہ تعلیم کے ڈائریکٹر بورڈ کے چیرمین ہیں۔ بورڈ کے دیگر نمبروں میں ہیں۔ سنی جاگتھو ریشاڈا مڑیسیل کارپوریشن کان بور۔ سنی مکشن پرنشاد سنگھ۔ صدر پرنسپل بورڈ۔ برٹی، شریستی ایس۔ بی سکھیا پرنسپل وی میں ٹریننگ کالج دیال پانچ آگرہ اور سنی بلونت سنگھ دیال سابق ڈائریکٹر تعلیم۔ از پرنسپل۔

حکومت از پرنسپل کے مالیات سکریٹری۔ پرنسپل اسٹیٹ منسٹری ٹیوٹ آف ایجوکیشن الہ آباد اور ایٹائی تعلیم کے ڈیٹی ڈائریکٹر بورڈ کے یہ اعتبار عہدہ نمبروں میں ہیں۔ انڈیائی تعلیم کے ڈیٹی ڈائریکٹر بورڈ کے نمبر سکریٹری ہیں۔

جبکہ تعلیم کے ڈائریکٹر کا کمپس انس بر بور۔ باؤس سنگھ مارگ ریشاڈا بورڈ کھن میں کھول دیا گیا ہے۔

حکومت از پرنسپل نے بٹری کی صنعت کے ۲۵۰ لاکھ سے زیادہ مردوروں کی اجرتوں میں فوری طور پر اضافہ کر دیا ہے۔ ایسے سینہ گھروں اور انجینئرنگ و ایدوں کے ملازمین کی اجرتوں میں بھی پہلی بار اضافہ کیا گیا ہے جہاں پچاس سے کم افراد کام کر رہے ہوں۔ اگر کسی واحدہ میں اجرت کی موجودہ شرحیں حکومت کی اعلان شدہ شرحوں سے زیادہ ہیں تو وہاں مزدوروں کا بہتور زیادہ اجریں ملتی رہیں گی۔

بٹری صنعت میں گھروں اور انجینئرنگ و ایدوں کے ملازمین کو اپنی کم سے کم اجرت میں ۲۵ فیصد کا اضافہ ملے گا۔ باس سلسلہ میں سرکاری احکام جاری کر دیے گئے ہیں۔

اعلانہ کے مطابق بٹری صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کی کم سے کم اجرت کی موجودہ شرح ۶۰-۲۱ روپیہ فی ہزار بٹری سے

بٹری کی وجہ سے وہ اپنے اصلاح میں حکومت کی اس فیصلہ سے کوئی فرق نہ ہو گا۔ فوری کارروائی کے لیے مطلع کریں۔

پانچ حکومت نے ایسے والدین کو بھی پانچ سال کی فلی۔ اور پیالہ کی رقم دینے کا فیصلہ کیا ہے جن کی اولاد میں ایک ہی اکو یا بیٹا ہو اور ان اکو سے پہلے نے فوج کی ملازمت اختیار کر لی ہو

یہ تعداد عام ایسے والدین کو جن کے تین یا تین سے زیادہ بچوں نے ایسی فوج کی کمن کے ترہ اور دو بچوں نے میزلیس والدین کو جن کے اکو سے پہلے نے فوج کو میزلیس والدین کے حالات کا اعلان ہونے کے بعد سے فوج کی ملازمت اختیار کر لی ہو پہلے سے ہی دستیاب ہے۔ مگر تہہ ہد۔ پاک جنگ سے کر اب تک تقریباً ۱۱ افراد اس سہولت سے مستفید ہو چکے ہیں۔

ریاستی حکومت نے دیہات کے اعجاز یا لے سکول ڈیفینٹ سونچہ جھوانی دیہی سکول ڈیفینٹ چندر پال۔ علی گڑھ اور لے ریشاڈا برمانت کارگھوش۔ الہ آباد کو تین تین ہزار روپیہ کا نقد انعام دیا ہے ان سکولوں نے ہند۔ پاک جنگ کے دوران غیر معمولی دلیری کا مظاہرہ کیا تھا

ریاستی حکومت نے غیر ملکی یا فتنہ تسلیم شدہ سیز بیک سکولوں کو امداد حاصل کرنے کے لیے تعلیمی امداد کی فہرست میں شامل کر کے بے شرط امداد میں جزوی طور پر ترجیح کی ہے۔

ان قواعد کے تحت اسکولوں کو جو غیر ملکی اسکول کے امتحان کے نتیجے کی تعاقب بنیاد پر امدادی فہرست میں شامل کرنے میں امدیت دے گی۔ ان اسکولوں کو امدادی فہرست میں پہلے سال کیا جائے گا۔ جن کا نتیجہ ملے گا اسکول امتحان کا نتیجہ کم سے کم ۵ فیصد ہو گا۔ جو غیر ملکی اسکول کی سطح پر گھر لے امتحان لینے والے اسکولوں کو امداد میں امدادی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔

پہلے ہی ملاقات کے جو غیر ملکی اسکولوں کا کم سے کم نتیجہ ۳ فیصد سے زیادہ ہو جائے امدادی فہرست میں وہ مالی امداد کے مستحق

برطحا ۲۵، ۲۶ روپہ فی ہنرہ برٹری کو دی گئی تھی۔ اس صنعت کے دیگر مزدوروں کے ملازمین کی کم سے کم اجروں میں بھی اضافہ لیا گیا ہے۔

کابل خیموں، بیڑی علاقوں اور برٹری، گورکھپور اور میرٹھ میں سینا گھروں کے ملازمین کو اب کم سے کم ۱۰ روپہ ماہانہ کی اجرت ملے گی اور دیگر مقامات کے سینا گھروں کے ملازمین کو ۹ روپہ ماہانہ ملے گا۔

حکومت نے ایسے انجینئرنگ، واحدوں اور اداروں کے معاملہ میں جہاں اس سے کم ملازمین کام کر رہے ہیں ایک غیر ہنرمند مزدور کے لیے کم سے کم ماہانہ اجرت ۱۱ روپہ، ایک نیم ہنرمند مزدور کے لیے ۱۴ روپہ اور ایک ہنرمند مزدور کے لیے ۱۶ روپہ ماہانہ مقرر کی ہے۔

ریاستی حکومت نے چھوٹے اور بڑے پیمانے کے ایسے صنعتی واحدوں کو کالوں کاروباری اداروں اور ٹرانسپورٹ کمپنیوں کے لیے جو فیکٹریز ایکٹ کے تحت چلیں اور جہاں دس سے زیادہ افراد کام کر رہے ہیں مستقل احکام نافذ کر دیے ہیں۔

ریاستی حکومت ملوث اور ملوثیوں اور پان کی کلوں میں عروض پر کام کرنے والے مزدوروں کی مستقل اور پیکل جیسٹ کے لیے بھی احکام جاری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس سے عروض پر کام کرنے والے تقریباً ۱۰۰ ہزار مزدور مستفید ہوں گے۔

وزیر ریاست برائے امداد باہمی شری گوئی ناتھ دیکھت نے بتایا کہ امداد باہمی ترقی و ترقی جینک کی طرف سے اس سال چھوٹے پیمانے پر آبپاشی کے آلات کے لیے کسانوں کو ۲۲ کروڑ روپے سے قرضہ تقسیم کیے جا رہے ہیں جو اب تک تقسیم شدہ رقموں میں سب سے بڑی رقم ہے۔ اس رقم میں سے ۱۰ کروڑ روپہ صرف پینک سیٹ لگنے کے لیے دیے جائیں گے۔

شری دیکھت نے کہا کہ اس مقصد کے پیش نظر کہ کسان رقم کے ایک ایک پیسہ کا اوراق فائدہ اٹھا سکیں اور اپنی پسند کے آبپاشی

کے آلات خرید سکیں قرضہ کی تقسیم کے موجودہ طریقہ میں کمی لائی گئی ہے۔ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ترقی و ترقی جینک آبپاشی کے آلات فروخت کرنے والوں کے نام جینک جاری کرنے کے موجودہ طریقہ کار کو ختم کر کے کسان کو اپنا بہتر قرضہ کی رقم ادا کرے۔

وزیر امداد باہمی نے کہا کہ اس طرح کا فیصلہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پینک سیٹ وصول چوری چوری کہ آبپاشی کے آلات فروخت کرنے والے کسانوں سے باز رہ کر عروہ قیمتوں سے بہت زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو زیادہ قیمت کے لیے رقم ایک ہزار روپے سے لیکر دو ہزار روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ شکایتیں بھی موصول ہوتی تھیں کہ ان کے قرضہ ادا کردہ آلات اچلی درجہ کے نہیں ہوتے ہیں۔

وزیر امداد باہمی نے کہا کہ کسانوں کو اپنی جو رقموں کے لیے مشہور پینک سیٹ صحیح قیمت پر فراہم کرنے کے لیے ان کی تقسیم مجاز نظام ریاستی امداد باہمی ڈیپارٹمنٹ کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ریاستی امداد باہمی ڈیپارٹمنٹ نے آبپاشی کے آلات کی فروخت کے بعد بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے خصوصی سرکاری کابندہ بسٹ کر رہا ہے۔

شری دیکھت نے کہا کہ کسانوں کو دینک سے جلد قرضے دلانے کے لیے بھی اقدامات کیے گئے ہیں ترقی و ترقی جینک کی شاخوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرضوں کی منظوری کے لیے براہ جملہ مستند کرنے کے بجائے بہت سے مستند کریں اور قرضوں کے پالنے سے اس بات کو بھی پس کیے جلد سے جلد نچالیں۔

ریاستی حکومت نے وزیر کو جس نے اچھی صنعت کاروں کو بروئے کار لانے کے اقداماتوں پر اس سبب غور کیا ہے اس کی اچھی صنعتی کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو حکومت اسے تکنیکی طور پر اچھی صنعت کاروں کو قرضے دینے کے لیے منظور کرے۔ یہ فیصلہ ان کے وزیر اعلیٰ کی کٹاپنی و ترقی کی صداقت پر مستند کا نتیجہ کے ایک سلسلہ کا ہے۔

کے لیے ہیں اور وہ کنوؤں کی تعمیر جلد ہی مکمل ہونے والی ہے

حکومت ان پریشن نے ریاست میں سیاحت کی ترقی کے لیے ۷۵ ہیران پریشنل ایک کونسل کی تشکیل کی ہے۔ دیگر اعلیٰ ترقی کلاپتی ترقیاتی کونسل کے سربراہ وزیر سیاحت نائب صدر اور حکم سیاحت کے ڈپٹی سکریٹری محکمہ سکریٹری ہوں گے۔

کونسل کے دیگر ممبران یہ ہیں۔ وزیر مہاتما، سیاحت اطلاعات اور پمائی علاقوں کی ترقی کے وزراء نے ریاست حکومت ان پریشن کے چیف سکریٹری اور مالیات، منصوبہ بندی سیاحت، صحت اور وکل سیلف گورنمنٹ محکموں کے سکریٹری صدر ریاستی جلی بورڈ، ڈرائیو سیاحت کے ڈائریکٹر جنگلات کے چیف کمر و دیگر۔ تعمیرات عامہ کے کے پانی سے صحت، سیکم اور ریاستی کے محکموں کے چیف انجینئر۔ حکومت ہمد کے محکمہ سیاحت کے ڈائریکٹر حمل حکومت ہمد کے تھری جہاز رانی کے ڈائریکٹر جنرل اور پمائی ترقیاتی کارپوریشن ان پریشن کے سیکرٹری، انکمکس اور ڈرائیو سیورٹک ریڈین اور پریشن کے جنرل منیجر۔

ان پریشن میں مستقبل ریاستی ڈرائیو سیورٹک اور اتحادی کے جاری کردہ کنٹرول کے تحت پریشنوں پر کسی بھی ساخت کی ایسی چھوٹی بسیں چلانے کی اجازت دی جائے گی جن میں سات سے کم اور میں سے زیادہ نشستیں نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ریاستی ڈرائیو سیورٹک اتحادی کے جاری کردہ ایک پریسن ٹوٹ میں کمر لگائے کہ ان ریاستوں کو چھوڑ کر، میں پر ان پریشن ریاستی روڈ ڈرائیو سیورٹک کی نقل و حمل سے متعلق خدمات کا اعلان کیا جا سکا ہے۔ بڑی ریاست کے لیے بیس کنٹرولنگ کمرنگ پریشن فیاضی کے ساتھ جاری کیے جاتے رہیں گے۔

پریسن ٹوٹ میں ریاست کر دی گئی ہے کہ چھوٹی بسوں میں لازمی طور سے آرام دہ انگوٹے دار نشستیں ہونا چاہیں اور

ریاستی حکومت کی سیاحتی اداروں کو روزگار فراہم کرنے کی اپنی اسکیم کے تحت نجی صنعت کاروں کو ریاستی زرعی صنعت کار پریشن کے توسط سے ترغیب دی ہے۔

ریاستی حکومت ساڑھے پانچ فیصد کی شرح سے سود وصول کرتی ہے جبکہ زرعی صنعت کار پریشن ان صنعت کاروں سے ۵ فیصد کی شرح سے سود لیتا ہے اس طرح کارپوریشن کو سود میں اپنے حصے کے طور پر صرف نصف فیصد ملتا ہے جو وہ قرضوں کی تعمیر رکھنا رکھنے اور قرضوں کی وصولی وغیرہ پر خرچ کرتا ہے۔ چنانچہ کارپوریشن نے اسامیہ پریسن کی ادائیگی سے اسٹاک ڈیو کی تھی۔

ضلع اعظم گڑھ میں ہر-مکوں اور بے زمین مردوروں کو رہائشی سہولتیں اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لیے مستقبل قریب میں ایک زرعی صنعتی بستی کے قیام کی تجویز ہے۔ آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ کے سلسلہ میں سماں کے کارور طبقوں کے لیے یہ بستی بطور تحفہ پیش کی جائے گی جو عائد روپیہ کے ابتدائی اخراجات سے قائم کی جائے گی اس بستی میں صنعتی اور زرعی دھرم میں - اخراجاتوں کو روزگار فراہم کرے اور رہائشی سہولتیں مہیا کرے کا بندوبست کیا جائے گا۔ یہ اسکیم مرکزی حکومت کی طرف سے چلائی جا رہی ہے۔

اس بستی میں آباد ہونے والوں میں سے جو شخص راجپ کا پیشہ اختیار کرے گا اسے بستی کے اندر تین سے چار ایکڑ تک زمین اور کاشت شروع کرنے کے لیے ضروری مالی اور مادی امداد دی جائے گی۔ گھر بلو صنعتیں قائم کرنے کے خواہشمند افراد کو حتمی کاروباری سرمایہ اور خام مال فراہم کیا جائے گا۔ قلعہ کی لال کھج تحصیل میں جو ضلع ہونگا انتخاب بستی کی چاہیے ہو تو اس کے طور پر کیا جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی قلعہ کی ہر زمین بستیوں میں چار لاکھ روپیہ کی ایک اسکیم کے تحت - اکتویں نمبر

جیت سکر ٹیری شری ایم لال نے الاٹ کی چوٹی زمین تیر مستقبل میں الاٹ کی جائے والی زمین کا نقشہ بنانے پر زور دیا انھوں نے کہا کہ اس اسکیم کو واقعی کارآمد و موثر بنانے کے لیے ہر قدم اٹھایا جانا چاہیے۔

شری مینی سنگھ نے ہر بھجن نطراج اور صنت کے محکموں سے خاص طور پر کہا کہ وہ زیادہ حوصلہ مند نہ ہو گرام و ضلع کریں جھیں آزادی کے ۲۵ دیں سال کے دوران بروئے کار لایا جاسکے۔

نکھڑی بچوں کی ایک پیدائش گاہ قائم کی گئی ہے جو ریاست میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہے۔

یہ ادارہ ۲۱۰۰۰ روپے کی لاگت سے قائم کی گئی ہے اور اس میں ۴ سال تک کے ایسے بچے داخل کیے جائیں گے جو لینے والہ دین کے تعلق میں ایسی اور دوسرے اپنے خاندان سے بچے گئے ہوں۔ اس ادارہ میں سات بچے داخل کیے جاسکتے ہیں جنکو ان کو مفت قیام و طعام اور تعلیم کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

ادارہ میں قیام کے دوران ان بچوں کے والدین کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی اور انھیں اپنے بچوں کو واپس لینے کی ترغیب دی جائے گی۔ ایسے معاملات میں حبث الدین اپنے بچوں کو واپس لینے سے انکار کریں تو ان کی پیدائش کی ذمہ داری قبول کرنے والے والدین کو انھیں سپرد کرنے کا بند و بست کیا جائے گا۔ یہ ادارہ اس وقت موجودہ آباد میں واقع ہے۔

درمق پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے دستیاب زمین اور پانی کے مسائل کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے اور اس طرح دیگر ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لیے ریاست کے درمق اضلاع میں متعدد فصلوں کے دوہرے ہیرے اور ایک طرف منظر رکھے گئے ہیں۔ یہ پراجیکٹ ضلع دیوبند کے دو ترقیاتی بلکوں یعنی روڈ پور اور گوہی بازار اور

ان بھوں کے ٹیکہ حالت میں ہونے کا ایک جائزہ سرٹیفکیٹ پیش کیا جانا چاہیے۔

موصات میں لے گھر افراد کو جنھیں مکانات کی تعمیر کے لیے زمین الاٹ کی گئی ہے زمین پر وقتی قبضہ دلایا جانا چاہیے اور اس قبضہ کو قانونی بنانے کے لیے مال کے کاغذات میں نوڈ ۱ اندراج کیا جانا چاہیے۔ اس خیال کا اظہار وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ شری جینی سنگھ نے بھی یہاں کیا۔

وزیر موصات آزادی کے ۲۵ ویں سال کے پروگراموں پر علحدہ آدھے متعلق کمیٹی کے جلسہ کی صدارت کر رہے تھے۔ اس جلسہ میں وزیر ریاست شری راجہ بھاری سنگھ جیت سکر ٹیری راجہ بھاری کٹرہ احمد آجاسی اطاعت مال لوکل سیلف گورنمنٹ محنت اور منصوبہ بندی کے محکموں کے سکرٹری اور متعدد محکموں کے سربراہوں نے شرکت کی۔

شری جینی سنگھ نے کہا ہے کہ بے گھر افراد کو زمین تعمیر کر کے کی اسکیم کے تحت پہلے زمین کو ترقی دینے اور اسے پلاٹوں میں تقسیم کرنے اور مختلف احکام کے تحت انھیں بے زمین افراد کو الاٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا الاٹمنٹ کی وین کر کے لے مال کے کاغذات میں اندراج کیا جانا چاہیے

انھوں نے ایک رابطہ کمیٹی کی فوری تشکیل کا مشورہ دیا جس میں مال اجتماعی ترقی اور لوکل سیلف گورنمنٹ محکموں کے سکرٹری شامل ہوں جو یہی علاقوں میں مکانات کی تعمیر کے لیے زمین کی تقسیم کے سلسلہ میں واضح احکام جاری کریں۔

ذکر ان میں حصہ لیتے ہوئے وزیر ریاست بڑے آبپاشی شری راجہ بھاری سنگھ نے مشورہ دیا کہ اس بات کا پورا خیال رکھا جانا چاہیے کہ موصات میں ہر بھجن اور سماج کے کمزور طبقوں کے افراد کو باافراد کے مکانات سے متعلق پلاٹ الاٹ دیکھے جائیں۔ اگر یہ احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی تو ہر بھجن اور دیگر افراد کے لیے الاٹ مشورہ زمین پر وقتی قبضہ حاصل کرنا مشکل ہو جائیگا۔

کمیاد کی گھاد پودوں کے تحفظ اور زمین کو مناسب شکل دینے سے متعلق طریقوں کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ ان کمیتوں کے اور دگر ترقی یافتہ ترقیاتی طریقوں اور ترتیب کے تحت یکے بعد دیگرے پیدا کرنے کے طریقوں کی کمزوریوں کو مرتبہ بہ مرتبہ دیکھا جائے گی۔

۴۰ ریاستی حکومت نے ریاست کے سب سے زیادہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولتوں کی توسیع کے لیے ایک جامع پروگرام وضع کیا ہے۔

۴۱ یہ پروگرام ڈاکٹریں پر مشتمل ہے اور تقریباً ۱۰۰۰۰۰ ایکڑ آراضی کو آب پاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ ایکسپنس مالیاتی سال ۱۹۶۵ کے دوران اولیت کی بنیاد پر برائے کار لائی جائیگی۔

۴۲ ان ڈاکٹریں میں رائے پور، بریلی اور پٹنپور کو گھاد اضلاع میں ۱۰۰۰۰ ایکڑ سے زیادہ آراضی کی آب پاشی کرنے کے لیے ڈاکٹریٹ نمبر مغلہ دوم، ضلع بانہ میں ۱۹ ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین کی آب پاشی کے لیے چلیا پٹنپور نمبر پراجیکٹ، ضلع پٹنپور میں ۶۰ ہزار سے زیادہ ایکڑ آراضی کے لیے آب پاشی کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے سرچر پٹنپور پراجیکٹ، ضلع غازی پور میں ۶۵ ہزار ایکڑ آراضی کی سہولتیں کے لیے دیم کلیم پٹنپور پراجیکٹ، غازی پور اور بریلی اضلاع میں ۱۱۰۰۰ ایکڑ آراضی کی آب پاشی کے لیے دھری گھاٹ سرائے پراجیکٹ، ضلع المورہ میں ۱۴۰۰۰ ایکڑ آراضی کی آب پاشی کے لیے رام گنگا داری آب پاشی اسکیم، ضلع نیپالی میں ۱۴۰۰۰ ایکڑ آراضی کی آب پاشی کے لیے گھسی ندی آب پاشی اسکیم، ضلع الہ آباد میں دواہ علاقہ میں ۵۱۰۰۰ ایکڑ آراضی کی آب پاشی کے لیے کشن پور پٹنپور پراجیکٹ، اور شیک سالی سے متاثرہ ضلع مراد پور میں ۳۱۰۰۰ ایکڑ آراضی کی آب پاشی کے لیے ادا بانہ پراجیکٹ شامل ہیں۔

۴۳ اس کے علاوہ ریاست کے مختلف حصوں میں پانی اٹھا کر آبپاشی کے لیے متعدد چھوٹی نہروں کی تعمیر کی تجویز ہے۔

۴۴ زیر نظر سال کے دوران ۴۴۰۰۰ ٹریلر کی تعمیر کی بھی

تیار دوس

ضلع الہ آباد کے گھاد پودوں پھول پورا اور پٹنپور میں برائے کار لاسے جاتے ہیں۔

۴۵ امیج کی جاتی ہے کہ آئندہ چند برسوں میں حبیب ریاست میں کسان بڑے پیمانے پر غلہ کی زیادہ پیداوار دینے والی اقسام کی کاشت کو اپنائیں گے۔ زراعتی پیداوار کے سلسلہ میں متعدد فصلوں میں زیادہ سے زیادہ اور منفعت بخش فصلوں کی کاشت کی کو اختیار کیا جائے گا۔ برہم پٹنپور میں پانی کے مسائل اور کسانوں کے ذرائع کا استعمال کو کے مختلف قسم کی آب و ہوا کے حالات میں متعدد فصلوں کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے بنیاد فراہم کریں گے جن کے لیے تمام ضروری سادہ سامان خریدنے اور خرید و فروخت کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ پراجیکٹ کے علاقوں میں کسانوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے علاوہ ندرت ڈیری باغبانی مرغابی، سور پالنے کو ترقی دینے اور کھیتی باڑی کے کام شروع کیا جائے گا۔

۴۶ اس پروگرام کے تحت چاروں ترقیاتی بلاکوں میں سے ہر بلاک میں مالیاتی سال ۱۹۶۵ کے دوران ۷۵ لاکھ روپے کی رقم خرچ کی جائے گی۔ ہر پراجیکٹ کی تکمیل پر ۸۰ لاکھ روپے کی لاگت اسے کی جو مرکزی حکومت برداشت کرے گی۔ گوئندہ، علی گڑھ، پراہوں اور رائے بریلی اضلاع میں متعدد زمینوں کے پراجیکٹ پہلے ہی جاری ہیں۔

۴۷ آگہ پور پراجیکٹ ابتدائی مرحلہ میں ضلع میں ایک ہی منتخب بلاک میں شروع کیا جائے گا لیکن بعد میں مرحلہ وار طریقہ سے اس کی توسیع پورے ضلع میں کر دی جائے گی۔ پہلے سال میں ہر بلاک میں دو موانع کا انتخاب کیا جائے گا۔ ان کو ندرت ڈیری کی ترقی کے واسطے ضروری مسائل مہیا کیے جائیں گے۔ ہر بلاک میں اوسطاً دو کے کاشتکار طبقے کی نمائندگی کرنے کے لیے کم سے کم ایک گاؤں میں مظاہرہ سے متعلق مراکز قائم کیے جائیں گے۔ مظاہرہ سے متعلق کھیتوں میں کسانوں کو سہولیات فراہم کرنے کے لیے ادھار کے جہد دیگر فصلوں کے نظام میں مناسب تبدیلیوں۔ آب پاشی گندے پانی کی محاسنی

جوڑے ہوئے۔ بند بیکھڑ میں خاص طور پر بانجھ، جھیر پور، جھالو، جھالو
میں خوب دلوں کی غیر کام شروع کیا گیا ہے۔

متصرفات

۱۱۲ قیدیوں کی سزا معاف۔ حکومت اتر پردیش نے آزادی کی
۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر ۱۱۲ قیدیوں کی سزا معاف کر دی ہے۔
یہ قیدی اس وقت - ریاست کی مختلف جیلوں میں مختلف مدت
کی سزاکاٹ رہے ہیں ۱۵ اگست کو وہ پہرے قبل آٹا کو دیے گئے
مروڑی جیلوں سے سہائیے جانے والے قیدیوں کی فوجداری
نئی ۱۷ - بریلی ۳۲ - دارالمنی ۱۲ - قلعہ گڑھ ۳۲ - اس کے
علاوہ بال جیل کھنڈ سے آٹھ ضلع جیل سلطان پور سے تین سمبھرتا
کمپ تارکھنچ (نئی تالی) سے تین اہلکھار (مروڑا پور) سے تین قیدی
آزاد کیے گئے۔

ریاستی کھلی بورڈ اسٹامپ ڈپٹی کی ادائیگی سے مستثنیٰ۔ اتر پردیش
ریاستی کھلی بورڈ کو بالائی سالوں کے دوران قیدیوں کی مرگ و میر کا روریشن
سے ملنے والے تین کوڑے دینے کے قرضے کے رہن نامہ پر وصول کی جانے
والی اسٹامپ ڈپٹی ادر جبریشن فیس کی ادائیگی سے ۱۱-۵، ۹ روڈ
ہوتی ہے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ کل یہاں کابینہ کے ایک
جلسہ میں کیا گیا۔

جنگ کے سوراوٹوں کو نقد انعامات۔ ریاستی حکومت نے
گزشت ہفتہ - پاک جنگ میں غیر معمولی دلیری کا مظاہرہ کرنے والے
اتر پردیش کے ۸۷ سوراوٹوں کو ۲۵۹۲ روپے کے نقد انعامات
دیے ہیں۔ ان میں سے ۱۸ کو مراد پور جیل اور ۱۸ کو دیر جیل کا اعزاز ہے
کوٹلہ اور انٹیم جیلوں کے لیے کارپوریشن۔ ریاست میں آئندہ
۵ اکتوبر تک کوٹلہ اور انٹیم جیلوں سے متعلق ایک کارپوریشن قائم کیا
جائے گا۔ یہ فیصلہ کل یہاں وزیر مالیات تھری نارائن دت تھری کی
صدارت میں منعقدہ انٹرو کے ایک جلسہ میں کیا گیا۔

جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ انٹرو
اور سینٹ کی قلت کی وجہ سے محکمہ تعمیرات عامہ - محکمہ آب پاشی اور
بجلی کے راجیوٹوں سے متعلق تعمیرات کا کام رک گیا ہے مختلف محکمہ
جاتی سبڈگراؤنوں کو چلانے کے لیے انٹرو کی تیار ہی بہت ضروری
چنانچہ اس معاملہ کو سب سے زیادہ اولیت دینا ضروری ہے۔
مجاہدین آزادی کے زیر کفالت افراد کے لیے عمر کی حد میں رعایت
کے بارہا کردہ ایک اعلانہ کے مطابق ریاستی حکومت کے تحت سامیو
پر کھڑی کے لیے درخواست دینے والے مجاہدین آزادی کے زیر کفالت
افراد کی عمر کی بالائی حد میں مزید ایک سال کی چھٹ دینے کا فیصلہ کیا گیا
اس زمرہ کے درخواست دہندگان کے لیے اب تک عمر کی بالائی
حد چار سال زیادہ تھی۔



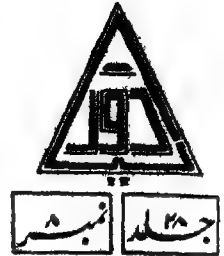
بڑی طاقتوں کے لیے یہ موقع کھلا ہوا ہے کہ وہ کسی بھی دن اس چیز (عدم تشدد) کو اختیار کر لیں اور
آہستہ سہولت کی ادائیگی حاصل کریں۔ لیکن اس صورت میں ان بڑی طاقتوں کو سامراجی علم اور
دشمنی کا نام نہاد غیر مستند یا غیر مستند قوتوں کے استحصال کو حرکت کرنا ہوگا اور اپنے طرز زندگی پر نظر ثانی کرنی
پڑے گی۔ اس کا مطلب ہے ایک مکمل انقلاب۔



یہ اعلیٰ ترین تشریف رکھتی تھیں۔ یہ سستی سب مانتے تھے۔ وہ دی گھوڑیں تھیں۔ اگست ۱۹۶۲ء
 کہ حقدار تھے یہ رہے ہیں



مجله



جلد ۸ نمبر ۱۹۹۳
کارنگ ۸۹۳ اشک

جدید سالانہ، پانچ روپے
فی بیعت ۵۰ پچاس پیسے

اسٹیلو
خورشید احمد
ہلستا
شروینی شرما
ڈاکٹر مکملہ اطلاعات، آتر پردیش

چودھو
اشوک ور
پرنٹنگ پریس، پٹنہ
مظاہرہ
نیو گورنمنٹ پریس، پٹنہ

شاید ۵۵
مکملہ اطلاعات، آتر پردیش

۱۹۹۳

- ۲ اپنی بات
- ۳ نہرو۔ ایک اصول پرست انسان ڈاکٹر راہا کوئنس
- ۶ اندر کا دھڑکی (نظم) مسودہ سحر جمال
- ۷ روایت کیسے؟ ڈاکٹر مطلقہ صدیقی
- ۱۱ یہ احوالی رات (نظم) مسودہ مدنی
- ۱۱ رخصت یوج و تسلیم (نظم) ساعر جیدی
- ۱۲ آسمان بھون (نظم) اقبال ماہر
- ۱۳ قسمت کی بھینج (احسانہ) صفرا جیدی
- ۱۴ غزلیں حورست، الاکرم، تسوکت پر دیا
- ۱۸ غزلیں علامہ محمد آجی، صیغہ دار، جیواوادی
- ۱۹ عالموں اور دانشوروں کو اعزازی اسناد ادارہ
- ۲۱ شہزادی کے جنازہ پر مگر دار خاضی حیدر رحمان ہاتھی
- ۲۴ مگر آزاد کی پچیسویں سالگرہ مظہر امام
- ۲۴ ہرود (نظم) دودو شہر
- ۲۸ فدا وطن۔ چند شیکھر آزاد ادارہ
- ۳۰ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے شری قتی بیو بانی
- ۳۱ اور دو شاعری اور قومی یکیت: جتنی ساغل ادیب
- ۳۶ مری خوشی ہے مری آبرو ہے میرا وطن و نظم) اعجاز فاطمہ
- ۳۶ غزل ہادی مصطفیٰ آبادی
- ۳۷ ملی گزشتہ مسلم یونیورسٹی قومی ایکٹ نے مکانات سید قمر الحسن
- ۳۸ غزل (مناجیہ) بی۔ اے۔ شاہد
- ۳۹ اے بسا آرزو (مناجیہ) علی عباس اسید
- ۴۲ غزلیں قدح جیتی، مغز ولسا، تار، عمدہ دار ولسا
- ۴۵ آتر پردیش شاہراہ قریر

پٹنہ کے سفارت خانے میں نکال کر پٹنہ، پٹنہ میں پٹنہ کے سفارت خانے میں پٹنہ

کارنگ ۸۹۳ اشک

[illegible][illegible][illegible]

- [illegible]

ایڈیٹر

بچوں کے چاہا



عظیم رہنما جواہر لال نہرو کی ۸۳ ویں سالگرہ منانے کے سلسلے میں اس سال بھی ۱۲ دسمبر کو دیوہم اطفال کی شکل میں منائی جائے گی۔

ایک نئے دوستی قہریدہ قسسی

۱۰



شرعی انداز کی مدھی کی وہ دن ساگرہ کا بحر میں ۱۹ فروری کو منائی جا رہی ہے



مصلحت سے حکمت دلائی جائے۔

جب وہ اس نظریہ کے ساتھ ہندوستان واپس آئے تو انھوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اسی سیاسی قوتیں کون سی ہیں جنھیں اس ملک کے آزاد کرانے میں مدد دینی چاہیے۔ ایسی قوتیں تو کئی تھیں لیکن ان کے لیے گاندھی جی کی اہمیت بہت پرکشش تھی۔ انھوں نے سوچا کہ یہ ہے وہ انسان جس کے پیش نظر ملک کو آزاد کرانے کا عظیم کام ہے اور جس نے وہ شرفیاد طے کی ہے جس کے لیے ہر جہاں کے ذریعہ یہ آزادی مل سکتی ہے۔ نہرو کے خیال میں یہ وہ انسان تھا جو زمانہ دراز سے دکھ سہتے ہوئے اور تازے ہوئے ذہن کی غائبدگی کرتا

۱۳۱۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۶ء کو گاندھی جی نے دہلی میں نہرو کی دہاگاری جلدوں کے اجراء کے موقع پر تقریر۔

نہرو

ایک اصول پرست

انسان

★ ڈاکٹر رادھا کرشنن

دوستو! ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ابھی آپ سے بتایا ہے کہ کس طرح ان جلدوں کو مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا اور کیسے یہ اب شائع ہو میں۔ انھوں نے مجھے یہ موقع دیا ہے کہ میں ان جلدوں کا اجراء کر لوں۔ ان میں سے ایک تصویروں کا البم ہے جس میں جواہر لال نہرو کو پچیس برس کے زمانے کے آخری لمحہ تک کے مختلف منارل حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ دوسری جلدیں ابھرتے ہوئے عالمی سماج کا ذکر کیا گیا ہے۔

عام طور پر تاریخ انسان کو سناتی ہے اور پھر انسان تاریخ بناتا ہے۔ جواہر لال نہرو پران کی زندگی کے ابتدائی برسوں میں ہوا زرت پڑے انھوں نے ان کی زندگی کے نظریے اور سلیپ کے ڈھانچے میں بہت کچھ کیا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جب وہ بیرونی تھے تو انھیں خوشحال اطواری کے لیے ایک کتاب بطور انعام ملی تھی۔ یہ کتاب تھی جیگری باڈی کے متعلق جو طریقہ لینے نے انھیں تھی جب نہرو نے محسوس کیا کہ جیگری باڈی کیسا انتظامی بیرو تھا اور اس کی شخصیت کتنی عظیم اور پرکشش تھی کس طرح اس نے مطلوبوں کے لیے جدوجہد کی اور کیسے ملی لکھ آؤد و متحد کیا انھوں نے سوچا کہ میں بھی کچھ ایسا ہی کیوں نہ کروں۔ جیگری باڈی کے سولہ نچا نے ان کے تخیل کے لیے ہمیشہ کام کیا اور ان میں یہ احساس ترقی پیدا کیا کہ ہندوستان کے غریبوں کو بچوں اور کنگوں کو ان کی

انھوں نے یونیورسٹیوں سے کہا کہ سائنس پر زیادہ توجہ دینی چاہیے اور ان کے سامنے جو بھی مسئلے آئے انھوں نے ان کے حل کے لیے سائنس کے طریقے استعمال کئے۔ یہ تھا کہ کام کرنے کا طریقہ سائنس میں زیادہ سائنس کے لیے نہیں ہے۔ وہ کوئی بیرونی چیز نہیں ہے بلکہ جو ہر جگہ ہے اور اندازت کہ میں سائنس کو داخل کرنا ہے ملک اپنی طویل مصیبت کیوں برداشت کرے۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے یعنی لوگوں کے ذہن کی نفسی رکاوٹیں ہم فہم ہاتھ بندھنوں، مذہبی تعصب اور برتے سے دیگر سماجی عدم مساوات کا شکار ہیں۔ ہم نے اپنے آدمیوں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے اور ان سب باتوں کی ہم کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اگر ہم ان سے چھٹکارا پانا ہے تو ہم اپنے سماجی تعلق سے سائنس کی اسپرٹ کو داخل کرنا ہوگا۔ اپنے ذہنی عادات میں سائنس کی اسپرٹ کو لانا ہوگا۔ اسی لیے نہرو یہ کہتے تھے کہ میں سائنس کا متفقہ ہوں سائنس صرف حقیقت کی تلاش ہی نہیں وہ انسانوں کو بہتر بنانی ہو اسی لیے نہرو سائنس اور ٹکنالوجی پر اتنا اندیشہ تھے۔

کیا آج ہماری حالت بالکل دینت ہے؟ کیا ہم نے اپنا مقصد پایا ہے؟ کیا ہم اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ غذا کی کمی کو دیکھئے، مختلف میدانوں میں جو سکٹ آئے ہوئے ہیں انھیں دیکھئے، ان سیاسی اختلافات کو دیکھئے جو ہماری عوامی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان طریقوں کو دیکھئے جن کی وجہ سے ہمیں اپنے ملک کے مقابلے میں اپنے خاتمے کی زیادہ فکر ہے اگر نکلے، براہ خطا ہی اور بے ایمانی کی جڑ اکھاڑ پھینکنا ہے تو پھر صرف اپنے ماحول کے سدھار بلکہ اپنے سدھار کے لیے بھی ذہن کو سائنسی سلپے میں ڈھالنا ہوگا۔ اسی لیے نہرو سائنس اور روحانیت کو بروئے کار لانے پر زور دیتے تھے۔ روحانیت سے مراد ہے ہماری زندگی کی ایک دوسری حد جو سماجی حد سے آگے ہے۔ انھوں نے ہمیں یہ سب کرنے کو کہا۔ اگر ہم باقی دنیا پر نظر ڈالیں تو آج بھی ہم پیچھے ہیں۔ تو یہ ان سماجی مجبوریتوں کی وجہ سے جو ہم نے اپنے اوپر عائد کر رکھی ہیں۔ دنیا کے نظریہ تسلیم

تھا جو ان کی فکر کی عظمت و وسعت اور اس کی معاہدہ پسندی کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ دونوں باتیں گاندھی جی میں سمجھتی ہوئی تھیں۔ نہرو خود آج ان کے وفادار پیرو اور پر جوش شاگرد بن گئے۔ جب وہ پچھلے پس میداں میں گئے تو ایک جلد باز اور غصیلہ نوجوان تھے لیکن گاندھی جی نے انھیں سادہ لیا۔ انھیں اپنے طریقوں سے آگے بھر تو نہرو نے بڑی طویل تہیں جیل میں گزاریں۔ کوئی بات انھیں گاندھی جی سے الگ نہ کر سکی۔ خود گاندھی جی نے کہا: ہم میں دہشی اختلافات ہیں مگر ہمارے دل ایک ہیں۔

رمار قبل تاریخ سے تباہ اس ملک کا دیکھ رہا ہے جن شے آدمیوں کا ہم استہزائم کرتے ہیں عزت کہتے ہیں وہ بابر شاہ نہیں بڑے بڑے کارخانوں کے مالک نہیں اور نہ وہ فوجی سربراہ ہیں۔ وہ لوگ تو ہمارے سادہ رشتہ ہیں جنھوں نے تباہ کر دیا اور اپنے لیے زندگی کی بنیادی ضرورتیں بھی رواد نہ رکھیں۔ آج کل دنیا میں کچھ سلیسٹہ مندی ہے اگر کچھ آن باقی رہ گئی ہے۔ اگر سچائی کے لیے کچھ عزت ہے اور اگر ہم اپنے لوگوں سے آج بھی وحدت رکھتے ہیں تو وہ اس لیے ہے کہ انھوں نے اس ملک میں کچھ کارخانے دکھائے اور دنیا کو گتہ دینے والے ان جہان لوگوں نے کچھ حاصل کر سکے دکھایا۔ پس نہرو نے گاندھی جی کی رہنمائی میں سخت جدوجہد کا کام کیا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ گاندھی جی کے تکیا کا طریقہ سلو پو کو بڑا سکتا ہے ظالموں کو لڑنے پر اندام کر سکتا ہے اور آزادی دلا سکتا ہے لیکن یہ سب کچھ حاصل کر لینا ہی آخری منزل نہیں ہے نہرو نے ملک پر نظر ڈالی۔ ملک تو قدرت کی قیامتوں سے مالا مال ہے مگر یہاں بننے والے انسان حویب ہیں۔ آخر یہ کروڑوں آدمی بھوکے خنگے کیوں ہیں؟ یہ اتنے لگان کیوں ہیں؟ انھوں نے محسوس کیا کہ بچے لار مان لوگوں کی حالت بہتر بنانا ہے۔ اگر آزادی کو واقعی آزادی پر نہ توجہ دے اس میں آزادی ہونی چاہیے جو افراد کو شخصی آزادی دے یعنی سیاسی برابری کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی آزادی۔ انھوں نے یہ بھی سوچا کہ سائنس کا طریقہ ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے ہم اپنے ملک کی کاپیلاٹ کر سکتے ہیں۔ اسی لیے

ہے کسی ایک سائے میں بھل کر نہیں جاسکتی۔ کوئی قوم یقین نہیں کر سکتی کہ اسے اپنے نقصان کے مطابق کام دنیا کو ٹھکانے کا حق ہے ہر قوم کا اپنا جوہر ہے اپنی روایات ہیں انھیں مٹانا نہیں ہے انھیں محفوظ رکھنا ہے اور دنیا کی رنگارنگی اور اسے مالا مال بنانے کے لیے بروئے کار لانا ہے۔ ہمیں ابھی اپنے آپ کو اس منزل تک پہنچنے والا راہ روا رکھنا ہے جس سے دار کھنڈا چاہیے ہمیں ہر فرد کو مدد دینی چاہیے کہ وہ ہم تک پہنچے۔ نہرو نے اپنی کتاب "تلاش ہند" میں دو سکتیت شلوکوں کے حوالے دیے ہیں اور انھیں دنیا کے نئے نظام کا بنیادی اصول قرار دیا ہے۔

ایک یہ تھا۔ کہ اپنے کنبہ کو فرقہ کے لیے چھوڑ دو فرقہ کو قوم کے لیے چھوڑ دو، قوم کو دنیا کے لیے چھوڑ دو اور دنیا کو بھی اپنی پوز آجائے کہ لیے چھوڑ دو۔ عیسائی آزادی، انفرادی حق کے پاکیزہ سنگی ہے۔ اگر آپ نے اپنی روح کو کھو دیا تو پھر اگر ساری دنیا کو باہمی لیا تو کیا ہے۔ اپنی آتما کی پرائیویٹے بڑھ کر کچھ نہیں ہے جس کے لیے سب کچھ کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔

دوسرا سنسکرت کا شلوک جس کا انھوں نے ترجمہ بھی کیا ہے اور جو گاڑی جی اکثر پڑھا کرتے تھے مطلب یہ ہے۔ میں دہری راج نہیں چاہتا۔ سب کچھ (رخا،) یا سورگ (دہشت) بھی نہیں چاہتا۔ میں ان لوگوں کا دکھ کم کرنا چاہتا ہوں جو معصیت میں پڑے ہیں میرے لیے یہی کافی ہے سماجی برابری اور انفرادی آزادی ہی کسی پاکیزہ عالمگیر نظام کے بنیادی اصول ہو سکتے ہیں۔ سچائی اور محبت یہ اصول ہیں (اچھے اور اچھے) نہرو ایک بااوصال انسان تھے۔ انھوں نے ہمیں بتائیں سکھائیں اور اپنی زندگی میں بھی ان پر عمل کیا۔ ہمارے لیے یہ بڑی بات تھی کہ ہم میں ایک ایسی آتما موجود تھی جو ہمیں سلا بعد سلا حوصلہ دلاتی رہے گی۔

لگے ذات پات یا فرقہ اور طبقہ کی بات نہیں کرتے بھرتے۔ وہ ایک ہی رہتے ہیں۔ چالیس ہوں یا چھیالیس یا کوئی اور ہوں۔ وہ یہ نہیں بوجھتے بھرتے کہ آپ کا مذہب کیا ہے۔ گاندھی جی کا گیت۔

الیشور اللہ تیرے نام میں یہ بتانا ہے کہ میں نے کئی مطلب نہیں کو ہم پر مانتا کو کیا نام دیتے ہیں۔ جب تک ہم سچے دھرم پر قائم ہیں حق خالصہ کو کوئی بھی نام دے سکے۔ ہیں جہاں تک عوام کی خدمت کا تعلق ہے مذہب سے اس میں کیا فرق پڑتا ہے جو ہر لال نہرو نے گاندھی جی کے اصول کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی اور ہم سے یہ کہنا کہ ہمارے ایسے مانگوں کے اندر جو رکاوٹیں ہیں ان سے ہوشیار رہیں کیونکہ یہ ہماری ترقی کی راہ میں حائل ہیں

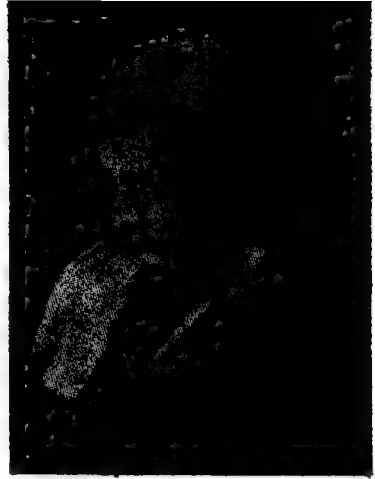
اس کے بعد وہ اپنے آپ کو دنیا کا ایک تہری محسوس کرتے تھے۔ جمع ہم نے جس کتاب کا اجراء کیا ہے اس کا نام ہے "اندرنی دنیا" ایک نئی دنیا اھر رہی ہے۔ وہ دنیا جس سے ہمارے برگ اب سے سوچا جس برس پہلے آنا نہ تھے آج ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف عقائد پر سب قومیں مل رہی ہیں اور ساتھ کام کر رہی ہیں اور ہر دینے ناظر فدا رہنے کی یالیسی اختیار کی۔ یہ ناظر فدا ہی انتہائی ہے، یہ تعصب کو ختم کرتی ہے، لوگوں کو اپنے ساتھ لاتی ہے اور انھیں اس قابل بناتی ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھیں۔ ناظر فدا ہی کے صحیح معنی یہی ہیں نہرو نے پنج سبیل کو رواج دیا اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ عوامی معاملوں میں بھی ضبط نفس کی ضرورت ہے۔ وہ بامذہب کانفرنس میں شامل ہوئے۔ بلگرڈ کی کانفرنس میں شمولیت کی اور جہاں تک اڈو چائنا کے معاہدوں کا تعلق ہے انھوں نے ان میں نمایاں حصہ لیا۔ تمام معاملوں میں انھوں نے یہ محسوس کیا کہ انسانیت تمام قوموں سے بالاتر ہے۔ ہماری نسل کے لیے حکام ہے وہ محسوس اپنی قوم کے بنانے کا نہیں ہے تمام دیا کے بنانے کا لال



اندرا گاندھی

مستعوز انجمن جمالیہ

(جنگ سیمیں (سلور سیل) کی تقریب میں ایک شاعر کا اندرا گاندھی کی تعریف)



اندرا انجم و فراست میں یگانہ سب سے
دولت عزم و یقین، سوز و تکلم اس کا
بیش از لعل و گہرا ایک تہم اس کا
کہکشاں زیر قدم قوس قزح اس کی شکل میں
خوشہ چھیں، جلوہ ہر و سرور انجم اس کا

اندرا سخن قیادت میں یگانہ سب سے
اندرا انجم و فراست میں یگانہ سب سے
اے کہ، اک زندہ حقیقت کی حکایت تیری
حوت زریں میں لکھی جملے گی رزوا دھری
مژدہ فتح و ظفر، منزل افتاد تری
جادواں تو ہے، دنیا ہے آباد تری
ہے عا میری کہ ہر دل میں ہے یاد تیری
فلح کر و شش دوراں ہے محبت تیری
اے کہ، اک زندہ حقیقت کی حکایت تیری

اندرا، ایک نئے دور کی تمہید خیں
صفت اعدا میں غریبوں کے لیے سینہ سپر
کارواں کے لیے، اک شمع سر راہ گذر
ایک تابندہ کرن، اتیر گی شمع کے لیے
ارض مشرق پر بہاؤں کی شفق رنگ سحر

مطلع شوق پر، تابا بانی خورشید خیں
اندرا، ایک نئے دور کی تمہید خیں
تج کے دن یہ تب و تاب اُسی کے دم سے
فکر کو قوت پر واز دیا ہے جس نے
سازے شعلہ آواز لیا ہے جس نے
حال مستقبل و ماضی کا بنا کر سنگم
اگر، نئے عہد کا آغاز کیا ہے جس نے

آج کا لمحہ نایاب اُسی کے دم سے
آج کے دن یہ تب و تاب اُسی کے دم سے

رومانیت کیا ہے

ڈاکٹر طلحہ ضوی بٹ

پہنچا کہ :

“The word ‘romantic’ has come to mean so many things that, by itself, it means nothing. It has ceased to perform the function of a verbal sign so that the whole sole use of the word has led to a good deal of unconscious falsification of the history of ideas.”

حقیقت یہ ہے کہ ادبی تنقید میں جب سے اس لفظ کا استعمال شروع ہوا ہے، غلط فہمیوں اور نارائیوں کا ایک مستقل اب کھل گیا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں فریڈرک شلیگل (Friedrich Schlegel) نے تقریباً سو سو صفحات میں اس لفظ کی تشریح کی تھی۔ مگر وہ بھی اس لفظ کے کسی ایک قطعی معنی کا تعلق نہ کر سکا اس پوری تشریح میں لفظ رومانی کا مفہوم نہ صرف یہ کہ ہر ادبی تخلیق میں بدلتا رہا بلکہ اکثر ایک لفظ کے مختلف حصوں میں متضاد پایا گیا۔ جیسے ادیب و شاعر اسٹینڈل (Stendhal) نے سٹیجیکیر کا مطالعہ کر کے لکھا تھا کہ رومانیت عوام کے سامنے ایسے ادبی خیالات پیش کرے گا کہ وہ جو انھیں عصری میلانات، عقائد اور رسوم کا احترام کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ صحت پسند سمجھیں گے۔ اس کے برعکس کلاسیکیت وہ ادب پیش کرتی ہے جس سے انسان کو خاطر خواہ مسرت نہیں ملتی۔

اسی دو میان فرانس میں پیرس کے ذہین طبقہ نے شاعری

رومانی تحریک (ROMANTIC MOVEMENT) یورپ کی ادبی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ یہ تحریک کچھ وقت سے انگریزوں اور جرمنی میں شدت اختیار کیے ہوئے تھی۔ ہر سر ممالک میں اس فکر کو شک و شبہ رومانیت ROMANTICISM کا تصور کسی حد تک مائل اور بعض بہتوں سے متاثر و متاثر رہا۔ انگریزی، فرانسیسی اور جرمن ادبیات میں لفظ رومانی (Romantic) ایک مضبوط اصطلاح بن گیا ہے مزاج و ادب کے اختلافات ان میں سے ہرگز اس لفظ کی معنی سمجھیں بدل دینا اور تضاد و مغایہ بھی پیدا ہوتے گئے۔

اس میں قطعی مبالغہ نہیں کہ ادب کی کوئی اصطلاح رومانی کی طرح بے اندازہ وسعت میں نہیں رکھتی ہے۔ برنڈن (Barnum) نے رومانی کے متعلق مدید مرادفات کے لیے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں۔ “دکھش، بے غرض، وافر، آرائشی، معنوی، حقیقت پسند، مادی، حیرت انگیز، بیک، شاندار، مترنم، رواجی، براہ راست، روحانی، ادبی، انقلابی، مطالباتی، منطقی، بے بہتیت، ظاہر نہیں، جذباتی، تصور رانی، بے عقل۔“

ادراخت یہ کہ ابھی یہ نہرست بہ آسانی ایسی مثالوں سے طویل ہو سکتی ہے جن سے ذہن دوچار رہتا ہے۔ اس نوع معنوی کو ہم اس پر محمول فہمیں کر کے کہ ابھی تک اس کی صحیح تعریف بیان کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ مغایہ ہم آپس میں کچھ اس حد تک متضاد ہوتے گئے ہیں کہ ابہام کا پیدا ہونا ناگزیر ہو گیا۔ مشہور ادیب اے۔ او۔ لو جو اے (A. O. Lovejoy) رومانیت سے متعلق لکھتا ہوا اس نتیجہ پر

اور انقلاب و ریاضت اسکول جس سے خارج قومی خصوصیات و اساتذہ ہیں ان اسکولوں کے تقابلی مطالعے میں ایک بڑی وقت اور سہ پر چند کہانیت اور بائبل عام طور پر رومانی کردہ میں کیے جاتے ہیں مگر ان دونوں کی سطحی شعاعی پڑھ کر یہ کہنے کا خطرہ کون مولے گا کہ انگلیش میں بھی کوئی رومانی اسکول ہے اس طرح کی مثالیں مائٹس میں بھی ملیں گی جن کے پیش نظر فرانس کے رومانی اسکول کی فہم دشوار معلوم ہوگی، غرض میں ATALA اور ESSAI SUR LES REVOLUTIONS کے بعض حصے رومانی کہے جاسکتے ہیں بعض نہیں ڈکلاسیکی ڈرامہ کے مخالف ہوگو HUGO جس کی تصنیفیں CROM WELL اور HARNANI ہیں اور ODESET BALLADES کا مصنف بالالوں کی سماجی اور اصلاحی ذمے داریوں کا قائل ہے ان تبدیلیوں اور تہذیب کے تین نظریاتی آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملک میں بھی معمولی اوسط، مخصوص، مآخذہ بلکہ علامتی، رومانی انداز، خاید کھئی نہیں رہا۔

اساں گتا ہے کہ یہ ساری دستاریاں رومانیوں کی دقت پسندی، اختلافات، ہیئت اور تادہ کاری کی عکاسی سے پیدا ہوئی ہیں اس کے اوصاف لطیفات کی تبدیلی کے سہیدہ اسامہ خود بخود متلا شلیکل کا ATHENAUM کے مطالعہ کے بعد یہ مطالعہ کہ رومانی شعاعی کو ہمیشہ ترقی پذیر (PROGRESSIVE) ہونا چاہیے شاید اس پر واضح۔ تھا کہ جرمنی میں یہ ترقی پسندی دو قطبی مختلف گروہوں FRUHRMANTIC اور HOCHROMANTIC سے متاثر ہوئی پہلا گروہ عوامی موسوم، میا رومانتیک (JENA ROMANTIC) لای طور پر نسلیمان، بالعد الطبعیاتی، مفکر اساد و غلی مجیبوں کا حامل ہے جبکہ دوسرا گروہ موسوم بہ - HADELBERG RO - MANTIC زیادہ تعلیقی، خارجی اور جرمن کے قومی ورثہ و مشلا لوک گیت، لوک کہانیاں وغیرہ کوئی تو مائی بخشنے والا ہے جس رومانی فکر اسے اس تاریخی، ادبی اور سانی انقلاب کے ساتھ تہذیب سے قومی دیاسی اتحاد کی طرف گامزن ہیں دوسری طرف سنہ ۱۸۴۷ء رومانی فکر انقلابی دور کی علیحدگی پسندی اور جو شخص غلبہ سے

میں ناکام و نسی، منظر نگاری، مہمہ سطحی کے ایجاد اور تاریخ کے استہلال کو رمانیت سے تہذیب کا MUSSET لکھتا ہے کہ حسن و تنج، مشک، سنجیدہ، سادہ و بیگن ہیئت و طمانیت بلکہ آسان لفظوں میں اپنے طریقیے استلزام کے علاوہ رمانیت کوئی دوسری چیز ہو نہیں سکتی۔ اور مختصر یہ سیدہ اخذ کرتا ہے کہ اس وقت کلاسیکی ادب صرف رومن شعاعی کی بعض اور رومانی سر اسر جرمن، انگریزی اور اسپانی تاوی کا جز تھا۔ موبت کا یہ سیدہ نظر اس ابہام پر بہت صاف روشنی ڈالتا ہے جو اس اصطلاح کو اپنے اندر لے کر کیے کی طرح سند کر لیتا ہے۔ انگریز شعراء اس مسئلے میں کافی دودھ لکھیں تھے کہ انھوں نے اس کی شہر تہذیبی انھوں کو سمجھتے ہوئے خود کو کتا دھا کھا اور اٹھا دیا۔ صدی اور اوائل صدیوں صدی عیسوی کی انگریزی شعاعی رومانی اصطلاح کے پیروں سے الگ رہ کر آسانی کھی اور یہ بھی جاسکتی ہے۔ یہ لفظ ملک، دور، سورتھ، کالاج، سٹیٹ اور کینٹن کی شعاعی میں بہت کم استعمال ہوا ہے نسبت جرمن اور فرانسیسی شعراء کے جس کے یہاں اس کا استعمال کثرت سے نظر آتا ہے۔ اس عہد کے انگریز شعراء کی طرح اس تحریک کی فلسفیانہ میادوں سے کاساحق متعارف نہ تھے۔ غرض اس کی طرح انگلیش میں رومانی اور کلاسیکی کی تعویق اتنی اہم تھی کہ اس تو انا، تحریقاتی اور دیر جانبار انگریزی عقیدے اس کی چند اصولی باتیں کہیں حتی کہ کالاج سے حوا جاتی فلسفیانہ طور پر اس تحریک سے کثرت و متعلق تھا۔ انجی دریا متوں کی میاد عام سطح پر دکھی اور کوئی قطعی اصول وضع نہ کیا لہذا رومانی (ROMANTIC) کی مختلف تہذیبی حریفی، فرانس اور انگلیڈ کی ادبی رومانی تحریکوں کی گیرائی اور اس کے درمیان خصوص اختلافات پر کانی روشنی ڈالتی ہیں ہر زبان میں یہ لفظ چند خاص معنوں کا حامل رہا جو غیر شعاعی شعراء کے لیے قابل قبول نہ تھا ان متضاد معنوں اور مختلف مضامین کے پیش نظر ہر سہ ملک کی رومانی تحریکوں کا اکثر و بیشتر تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور محسوس و تلاق کے بعد ایک ایسی تعریف (DEFINITION) اور اس کے اجزاء و متفرکات پیش کیے گئے ہیں جس پر سب کا اتفاق ہے۔ ان باتوں کے باوجود یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ہر ملک کا اپنا عہد گاہ

FEELING OF THE IMAGINATION کہتا ہے۔

تصور کے لیے کہ میں اس کی شکل تصور میں کر رہا ہوں اور اس کے شعور میں گم ہوں۔

ایک سیر مختصر جو روایت سے بہت گہرے طور پر وابستہ ہے احساس (FEELING) ہے عام طور پر ہم رومانی نظم یا نعتیہ الفاظ سے کہتے ہیں بہت زیادہ احساسی و جذباتی (SENTIMENTAL) بارقت آئیں جو احساس کا تعلق ہر اس مطلب انسانی سے ہے تصور، نہیں۔ تصور ادراک، مگر یہ سب ذہن و دماغ سے متعلق ہیں۔ اس کے برعکس احساس، جذبات، رقت، جوش اور کیفیت کے رشتے دل سے استو ہیں انسان کا دل احتیاجی کیفیات و جذبات کا منبع ہی نہیں رومانیت کی نگاہ ہے یہ درد و گداز قلب رومانیت کے تصور کو عملاً بخشا ہے اور حسیت کی یہ نعمت فیروزہ دل و اندہ کے ممکن ہیں

روبوکن مین (CONFESSIONS) میں لکھا ہے

"I FELT BEFORE I THOUGHT

THAT IS MAN'S LOT"

وہ حسیت کے لیے قلب کی اہمیت اس نقطہ نظر سے ہو گئے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"THE HUMAN HEART IS LIKE THE EARTH, YOU CAN SOW, PLANT, CULTIVATE WHATEVER YOU PLEASE ON ITS SURFACE, IT WILL BRING-FORTH ITS NATURAL VEGETATION, ITS WILD FLOWERS AND FRUITS. ... IT IS THE FOUNDATION OF ART JUST AS THE EARTH IS OF NATURE"

فریچ اڈیپ STIEL بھی قدیم و جدید ادب میں اسی انداز سے تقریر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسطاعت کی شاعری خاص ادب (دانی ملاحظہ ہو)۔

یہی رومانی شاعر اپنی داخلی و عقلی و حسی انفرادیت کے تحت شعور کو تیار کرتا ہے۔ تقریبی اور منطقی شاعری کے جو تصور بنے ہیں شاعر کی داخلی بصیرت کو بڑا دھل ہے اور یہی وجہ ہے کہ رومانی شاعر نے اس کے سہارے بہت جلد مشہرت حاصل کی۔

رومانی دنیا میں جس طرح ایک فرد کی اہمیت جزو اعظم کی ہے اسی طرح تصور کو مرکزی نقطہ کی حیثیت حاصل ہے، تصور ہی کسی فرد کی قوت مشاہدہ سے جس سے وہ اپنی داخلی بصیرت کے سہارے تجرباتی تاثرات کو نئے و امتیازی شکل دیتا ہے۔ تصور کی یہ بالادستی براہ راست شعور کی عظمت و انفرادیت کا حاصل ہے۔ یہ تصور یقینی طور پر ذاتی احساسات کے ترکیبی عمل سے متعلق ہے ہر فرد میں ایک اتنا (انجی) ہوتی ہے اور یہ اتنا اپنی قبولیت، حسیت، اور دماغ کے لحاظ سے بصیرت کی کام کرتی ہے۔ اس انانکے ادراک و عمل کا واحد ذریعہ تصور ہی ہے لہذا رومانی نقطہ نظر سے تصور ہی اہمیت کا حامل ہے۔ رومانوں کے نزدیک انانکے اہمیت و موضوع سے وہ چند زیادہ ہے کہ چونکہ اس سے وہ خارج کو اپنی ذہنی گرفت میں لانا اور اپنے تصور کی حد سے نئی شکلیں عطا کرتا ہے

کارلج اپنی مشہور کتاب "پایوگریفیا لٹریا" میں لکھتا ہے:

"THE PRIMARY imagination I HOLD TO BE THE LIVING POWER AND PRIME AGENT OF ALL HUMAN PERCEPTION IN THE FINITE MIND OF THE ETERNAL ACT OF CREATION IN THE INFINITE"

اور سوچئے PREFACE میں آپے کارلجوں کو

WORKS OF IMAGINATION AND SENTIMENT کہتا ہے۔ کیش کا دعویٰ بھی کہ ایسا ہی ہے اپنے بھائی جانس کو ایک خط میں لکھتا ہے:

"I DESCRIBE WHAT I IMAGINE" شیلی نے شاعری کی صداقت "میں شاعری کہ THE EX-

سیاحیالی رات

سجود علیٰ خدوتہ

جوت کی نالائگی میں ڈالے رات کھڑی ہے روپ نکالے
گہری جھیل، روپلا پانی اُبل اُبل رات سُہانی
زلزل جل میں چاند کی نیسا تیر رہی ہے پنا کھوٹا
نیٹھی میٹھی، تدمم نے میں محبت سنا میں چل لہری

ایک سہانا خواب ہے پیارے

یہ اُجیالی رات !!

بے ہے نہ یاد میرے لیے لہری ماؤ تڑپے ہے
کول جھونکے، پون پھیلی، ہلکی ہلکی، گیلی گیلی
اُس کے موتی بھوکے بھوکے، دُوب کے تھے تھکے بھوکے
دوب کے اوپر ہرن چمکے، ادنگ رہے ہیں دیندے کے

ایک سہانا خواب ہے پیارے

یہ اُجیالی رات !!

چاند کی کرنیں برسیں جم جم لہریں لڑ کر ناچیں باہم
پیر کی ڈالیں جھوم کے چمکیں شینل جل کو چوم کے چمکیں
اڑتے جگنو جھم جھم چمکیں ہوا میں ناچیں، تھم تھم چمکیں
جھوم رہے ہیں خوشی کے مارے نیچے جگنو، اوپر تارے

ایک سہانا خواب ہے پیارے

یہ اُجیالی رات !!

جیالہ قلعہ

☆ مسافر مہریت

(آواز کی سیلور ویل کے بوندہ پر)

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
ذہن پر اب کوئی سرو نہ لگا ہیں مجبور
پاؤں میں اب کوئی زنجیر نہ رہا ہیں مجبور
نقشے ہی نقید ہیں نہ آہیں مجبور
جبر و بسداد کے سب ڈیٹ کے دستگیر
زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
دُورہ دُورہ ہے خیمہ دُور کے پہرے گھلا
جن کا ہر قطرہ خون قول دُور کا عباد
بات اپنوں کی تیر رہی کے کٹاؤں افکار
یاد آئے ہیں تو رہ جاتی ہیں آنکھیں پر دم

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
پھر جہنما و ایلور کا بصر رقص میں ہے
شکر شکر کا انداز نظر رقص میں ہے
قلعہ شہر میں پھر دُور نظر رقص میں ہے
اپنے ہاتھوں میں لیے محبت توئی کا حشر

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
جس کی آہستہ سے اندھین کا ہر ٹوٹ گیا
غسل کی طاقیت سوز کا دم ٹوٹ گیا
جس کی خوشی سے ہر گھٹنا دم ٹوٹ گیا
اُسی احساس کی شعل کے رستا رہیں ہم

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
ذہن کا بیس کی درختانی تعبیر ہے یہ
مادر ہند کی جاگی ہوئی تقدیر ہے یہ
آرزوؤں کے سنسین خواب کی تعبیر ہے یہ
جس نے آنکھوں سے جلا ڈالے ہیں گئے پرچم

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم
بیکساں گوتی رہی قلعہ نیلے ہی سے
خون نہ لے کے جلا دیتے کا پتہ ہی سے
نترنیں بلکے بگلی پر پاؤں جلتے ہی سے
کیا چمکے تھے کوٹھڑی کے قندم

زندگی رقص میں ہے رقص میں ہیں لوح و قلم

☆ مسافر مہریت

آئندہ بھون

اقالہ مام

یہ قصرِ علم بردایہ وطن
راحت کدہ سالارِ وطن
فردوسیت گلزارِ وطن
صنعتِ عمری معیارِ وطن
یہ فنکدہ فنکارِ وطن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
یہ قلبِ دجگر ہے بھارت کا
کا شانہ صاحبِ عظمت کا
ایوان ہے اہل سیاست کا
گہوارہ ہے حسرتِ یث کا
یہ رزم گہرہ سالارِ وطن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
یہ صدر مقام آبادی کا
دل گنگ دجمن کی وادی کا
لبوس بدن پر کھادی کا
اک سہیل ہے آزادی کا
عزت سے ہے یہ جیسے کاجلن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
یہ گنبدِ بامِ دروزن وہ
ہر چیز بیانِ فردوسِ نظر

نہ ۱۸۵۷ء (۱۸۵۷ء ملاحات)

یہ عزم کی پہلی منزل ہے
یہ امن و امان کا ساحل ہے
یہ حالِ رنجِ مستقبل ہے
ہر ذرہ ادب کے قابل ہے
یہ درس گہ تہذیبِ زمین
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
شاداب کنولِ فونیز جواں
دوشیزہ گل ہے حورِ جواں
پھولوں کی روش ہے بزمِ بتاں
نوارہ مثالِ کاکشِ آں
یہ باغ ہے اچوتھی کی دہن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
یہ تہذیبوں کا سنگم ہے
الفت کا نظامِ حکم ہے
اک شیر و شکر کا عالم ہے
آمین شعلہ و شبنم ہے
یہ ہمدِ سالِ روح و تن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
عاموشی بہت کچھ کہتی ہے
ہر دل میں محبت رچی ہے
اک پریم کی گنگا بہتی ہے
یہ انجمنِ یک جہتی ہے
قوموں کا یہاں ہوتا ہے ملن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون
ہر ذرہ نجوم و شمس و فتر
ہر رنگ یہاں ہے لعل و گہر
ہر قطرہ شبنم و درِ عدن
نہرو کا مکاں آئندہ بھون

(احسانہ)

۱۱

صفرا مہرست

صحت کی لکیر



وہ دن بھر کہاں رہتے ہیں؟ رات بھر کہاں رہتے ہیں۔ اس نے مجھے بچا لیا ہوتا کہ آخر وہ کس کو ہر وقت برا بھلا کہتی ہیں۔ ان کو ہر وقت غصہ کیوں چڑھا رہا ہے وہ اس کو کھینچتی کیوں ہیں بھری سے تو اسے ڈر لگتا تو آج اسے ہی پوچھا جتنا کہ یہ کھینچ کیا چور ہے مگر اس نے کسی سے کبھی کچھ پوچھا یہ بھی بتایا کہ اس پر کیا بہت رہی ہے۔

اور جب ہی کہیں چلی گئیں اور پاپا نے گھر سے اتنی دور بورڈنگ بیچ دیا تو وہ باوجود بھڑکنا ہش کے ان سے یہ نہ کہہ سکی کہ وہ اسے اپنے سے دور نہ کریں وہ انھیں بہت چاہتی ہے۔ جب وہ کبھی پکار کرتے ہیں یا کچلے سے لگاتے ہیں تو وہی لمحات اس کے لیے خوشی اور سکون کے ہوتے ہیں۔

پارڈنگ میں آکر کچھ عرصے وہ بہت اداس پریشان اور گھبراہٹی ہوئی رہی مگر پھر سمجھ کر کہ اب نہیں رہنا ہے خود کہ اس نے اپنی زندگی کا عادی بنایا۔ ہوسٹل میں لوگوں نے اس سے بہت دھکی کر کے کی کوشش کی مگر وہ تو اپنی روم میٹ اور

اساتذہوں سے بھی کم ہی ہونچی۔ ہنسنا لگتیوں جو اسے ہنس رہی تھیں کیا کہیں اسے بہت پسند ہیں اس لیے کہ وہ کبھی امداد اس کے بارے میں کوئی سوال نہ پوچھتیں۔ وہ اکثر ان کے کمرے میں

جاتی اور بیٹھ کر کہتے ہیں آہیں اُدھر اُدھر کی باتیں کہتا میں رسالے پڑھ کر دیتیں۔ وہ اس کو پڑھنے میں بھی مدد یا کوشش

نہیں کرتا وہ آپ ہی آپ ہنر اٹیوٹیوٹی کی طرف پھٹنے لگی اور کچھ

ایک عرصے تک تپتے ہوئے صحران سفر کرتے رہے کے بعد کوئی گھنسا یہ دار درخت مل جائے یا ریگستان میں چلتے چلتے اجانک کوئی چشمہ نظر آجائے تو ایسا ہی تو لگتا ہو گا مگر ریگستان چشمہ..... صواب..... کہیں یہ بھی تو کوئی سراب نہیں؟ کہیں یہ بھی تو پھجائیں نہیں جو ہاتھ لگاتے ہی غائب ہو جائے گی اُنہ ایسے مکان دل ہاں یہ زندگی کے کچھ تجربے جو اس سے اس خوشی کو بھی چھیننے پر مہر ہیں۔

بچپن میں آسمان پر اڑتے ہوئے جگنو اے کتنے اچھے لگتے تھے۔ وہ پڑھا ان کا بھیجا کرتی مگر کبھی وہ ہاتھ ڈالتے اور زندگی بھر وہ اسی طرح خوشیوں کا بھیجا کرتی رہی تھی..... خوشی اطمینان اور سکون اس کی زندگی سے ہر شے ہی عقار ہے تھے۔ مگر ایسا کیوں ہوا؟ قسمت؟ مگر اس کی قسمت تو بہت اچھی ہے۔ جس نے بھی اس کا ہاتھ دیکھا تھا یہی کہا تھا نصاریٰ قسمت بہت اچھی ہے۔ اس کے کافوں میں ان لوگوں کے جیسے زندگی بھر گنجے رہے جنہوں نے اس کو خوش قسمت کہا تھا۔

زندگی میں جو ہوا اس کی ذمے دار وہ خود بھی ہے۔ اس کی زندگی، خود اعتمادی کی کمی مگر یہ اس کے حالات ہی تھے جنہوں نے اسے کم گو اور ریزہ اور ایک حد تک قنوطی بنادیا تھا۔

اب وہ سوچتی ہے کہ آخر اس نے پاپا سے کبھی یہ کیوں نہیں پوچھا کہ روز ان کی اور بھی کیا لڑائی کیوں ہوتی ہے؟

نمبر ۱۹۹۲

کی دہانت اور وسیع مطالعہ کی تعریف کرتے رہے۔ انہوں نے
اسے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جب چاہے ان کے کمرے
میں اور جس مونسیر پر چاہے گفتگو کر سکتی ہے۔ اگرچہ وہ
بائیں زادہ تر اپنے عقیدوں یا دنیا کے عام مسائل کے بارے میں
بڑے مگروہ جبران رہ جاتی کہ ان کے سامنے اس کی جھجک
کہاں مٹی جاتی ہے وہ کس طرح ان کے سامنے بے تکلف ہوتی
ہے۔ ان سے بحث کرتی ہے اور کبھی کبھی لڑ پڑتی ہے۔ اور وہ کس
ری اور پیار سے اس کو کھاتے تھے۔

اس نے اہم اسے میں یونیورسٹی بھر میں ٹاپ کیا تھا۔ یہ
سن کر سنز ایڈون سجد خوش ہوئی تھیں اور بڑی بھی۔ مگر
ارون! وہ کچھ زیادہ خوش نہ ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ تھوڑے
ڈیڑن پاس ہوا تھا۔ بڑی بڑی اسے مشورہ دیا تھا کہ اس
کو باہر جا کر قیام حاصل کرنا چاہیے اور اس کو داخلہ اور اسکالر
شب دلوانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تین سال کے لیے ڈیڑنگ
پروفیسر کی صحبت سے باہر جا رہے تھے۔ مگر سنز ایڈون کی خواہش
تھی کہ وہ شادی کرے اور اس کے لیے ارون سے زیادہ خیر لڑکا
ان کے خال میں اور کوئی نہیں تھا۔ خوبصورت کھانا پینا، ایسے
خانہ ان کا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کو کبھی جان سے
چاہنے والا۔ کیا کرے وہ کبھی شکست میں تھی کہ سنز ایڈون
جن دن سارہ کر چلی بسیں اور وہ کبھی رہ گئی۔ سنز ایڈون
جو اس کی دوست تھیں، محبوب تھیں، غافل تھیں اور کب
نہیں تھیں؟ ان کے جانے سے اسے لگا تھا کہ دنیا خالی ہو گئی
مگر ارون کی دل جوئی اور محبت نے اس کو زندہ رکھا اور
جب اس نے اسے آفر کیا تو وہ انکار نہ کر سکی۔

شادی کے بعد چند دن اسے محسوس ہوا کہ زندگی میں
سوائے محبت، پیار، آرام سکون کے کچھ اور ہے، ہی
نہیں۔ ارون کو اپنا کہ اس نے سب کچھ پایا۔ مگر وہ ایک
دلہا سے بڑی کے خدشے پر اطلاع ملی کہ اس کو داخلہ ہو گیا
ہے اور اس کا رتبہ بھی مل گیا تو اسے اپنے ہاتھ کی ٹکسیر پر

عرصے بعد اسے محسوس ہوا۔ وہ اٹھیں چاہے لگی ہے۔ جی
جان سے۔

ان گزرتے گئے وہ ہر کلاس میں امتحان سے پاس
ہوئی رہی ایک کلاس سے دوسرے میں چڑھتی رہی۔ کبھی کبھی پایہ
کاٹھ آتا۔ ایک دو دفعہ وہ اس سے ملے بھی آئے۔ مگر اسے گھر
نہیں لایا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ سنز ایڈون کے ساتھ
کسی مل اسٹیشن پر چلی جاتی

ایک دن اسے پایہ کا خط ملا "میں لے امریکہ جا کر رہنے
کا فیصلہ کر لیا ہے تم چاہو میرے ساتھ چلا جاؤ یہیں مسٹر
یرون کے ساتھ رہو۔ وہ ہفتوں سوچتی رہی۔ پایہ نے یہ
کیوں نہیں سمجھا کہ تم میرے ساتھ امریکہ چلو؟ اور پھر اس نے
فیصلہ کر لیا کہ وہ یہیں رہے گی۔ سنز ایڈون اس کے کس فیصلے
سے بہت خوش ہوئی۔ اس کے پایہ چلے گئے اپنی بیوی اور بچوں
کے ساتھ۔ ان کے جانے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے
مشادی کر لی تھی۔

وہ اسکول سے کالج میں آئی تو زندگی کا ایک سیلاب کھلا
اسکول کے مقابلے میں کالج کی زندگی اسے زیادہ اچھی لگی یہاں
اس کی زندگی میں دلچسپیتیں آئیں۔ ایک اس کا کلاس فیلو ارون
دوسرے انگلش کے پروفیسر بڑی، جو ہفتہ میں صرف ایک
دفعہ اس کے کلاس میں بڑھنے آتے تھے اور وہ اس دن کا
بے چینی سے انتظار کرتی رہتی۔

چند دن بعد اسے محسوس ہوا کہ ارون اسے پسند کر رہا ہے۔
سنز ایڈون کو بھی پسند تھا۔ اب وہ اکثر گھر بھی آ جاتا۔ کبھی کبھی
وہ اس کے ساتھ باہر بھی چلی جاتی مگر اسے ارون کی باتوں
سے محسوس کا احساس ہوا اور بڑی بڑی طرف وہ خدا کو آپ ہی
آپ کہتا ہوا محسوس کرتی۔ وہ ان کی قابلیت اور ذہانت سے ہمید
تا ترستی۔ موٹے موٹے شیڈوں کے پیچھے جھانکتی دیریں اور
سباہ آکھیں اسے بہت پیاری لکھیں جنہیں وہ گفتگوں لگا
کرتی۔ وہ بھی اس کے ساتھ بہت ہنر بانی سے بہت آتے۔ اس

ان کا کہنا چاہتی ہے۔
 اس کی آواز نے اسے حیرتوں کی دنیا سے باہر اٹھایا۔
 شاید ان کا خط ہو۔ ات کن الفا لیس انھوں نے اس کے خط
 کا جواب دیا ہو گا۔ وہ کتنے خوش ہوئے ہوں گے۔ فون پر تو
 صرف اتنا ہی کہا تھا: "میں آج ابھی ضروری کام سے جا رہا
 ہوں۔ تمہارے خط کا جواب دے دیا ہے۔ تمہیں آج ہی
 مل جائے گا۔"

میم صاحب چٹھی ہے

اس نے خط کو دس گھنٹے لیا۔ دھڑکے اور کانپتے ہاتھوں سے
 اس نے خط کھولا۔ . . . شیشی! مانی! تو میری تھوڑی دیر پہلی
 تمہارا خط لا تمہارے دقیقہ کی انداز سے سوچو گی مجھے امید نہیں
 تھی۔ اور یہ بتا دیا کہ اب ہم ایک نہیں ہیں۔ کہا میں تمہیں جی جان
 سے نہیں چاہتا ہوں۔ شیشی! فرنگ! تم جی تو میری نہیں
 دیرال، مدنی میں ایک دوش سارہ ہو۔ میری زندگی میں وہی
 نے پُرسرت اور پرسکون ہوتے ہیں جو میں تمہارے ساتھ
 گزارتا ہوں۔ ہمارے دریاں جو آرتھک رشتہ ہے اس کو
 دقیقہ کی ٹیکس بے رنگ بندھنوں میں باندھنے کی ضرورت
 ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم چند گھنٹے ایک ساتھ کو گزرا رہیں۔
 زندگی کی ساری نمایاں سارے ٹینشنز (TENSIONS)
 کو مٹا کر بہت کافی ہے اور۔ یہی سب کچھ ہے۔

اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اسے لگا وہ جگن جو
 بہت مشکل سے اس کی گرفت میں آیا تھا، وہ بھی اڑ گیا اور اب
 اس میں اس کے پیچھے دوڑنے کی سکت بھی نہیں ہے۔ وہ گھور
 اندھیرے میں کھڑی ہے۔ تھکی ہوئی تشنہ لب پر مہنچا۔ . .
 اس نے اپنے ہاتھ کی گیر دیکھی۔ وہ بہت خوش قسمت ہے۔
 وہ گیر دیکھی رہی، دیکھتی دیکھتی وہ اپنے گپ بگپ . . . ہے
 لگا پیچھے وہ دھندلی ہو رہی ہے اور پھر۔ . . وہ دھندلی
 ہوتے ہوئے غائب ہو گئی۔

کی زبان بالکل بند کر دی اور وہ مسرت اپنے دل کے گھیر
 آگئی اور دیر تک اپنی قسمت کی گھیر کو دیکھتی رہی۔
 اس نے مقامی کانچ میں پڑھانے کی طاقت کو کئی گنا لکھ
 دن کا راج سے باہر نکلی تو دیکھا بنرجی کا زمین بٹھے ہیں۔ وہ نظر
 بچا کر نکلتا جا رہی تھی کہ انھوں نے اسے روک لیا اور وہ ان
 کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔

بنرجی نے ایک دھماکے سے بھر زندگی سے باز کرنے کا
 حوصلہ دیا کچھ کرنے پر اکسایا۔ ان سے مل کر اسے محسوس ہوا
 کہ وہ اکیلے ہیں۔ وہ روز شام کو آ جاتے اور دونوں
 گھنٹوں دینا بھر کی باتیں کرتے رہتے یہاں تک کہ نوکرا کو ان
 کو یاد دلاتا کہ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ چلے جاتے۔ اور
 وہ ان کا تھوڑا سا سوچا جاتی اور صبح اس امید کے ساتھ چٹھی
 کو شام کو بنرجی سے ملے گی۔

چند دن سے اس نے یہ محسوس کیا تھا جیسے بنرجی اسے
 اپنے سے قریب کر لینا چاہتے ہیں، اتنا قریب کہ وہ گھبرا
 جاتی۔ وہ اب اس سے باہر جانے کی فرمائش بھی کرتے
 مگر وہ حال جاتی۔ انھوں نے اس سے ملنا ساتھ چلنے کو بھی
 کہا تھا جہاں وہ اپنی کتاب کے لیے جانے والے تھے۔ اس
 کا ساتھ جانا اس لیے ضروری تھا کہ اس سے ان کو انٹرکٹین
 ملتا تھا مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ آخر وہ کس حیثیت
 سے ان کے ساتھ جا رہا۔

روز رات کو وہ اسے وہاں سے فون کرتے اس کی
 نوعمرورت اور پیاری آواز سننے کے لیے۔ اور وہ خوشی
 سے پھولی نہ ساتی۔ شام سے ہی فون کا انتظار کرنے لگتی تھی
 انھوں نے اپنی کتاب کے نام ان الفاظ میں منظر کشی کی
 "اس خوشی کے نام جو مجھ سے گزرا ہے" اور پھر اس کے
 دل کو کہہ کے ان کو سب کچھ بتا دیا سب کچھ دیا۔ وہ اب
 ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ ان کی چوٹ چاہتی ہے۔ انہیں

حریصۃ الاسرام



نشو و نما کی سی

دھڑکنوں میں بسا ہے تنہائی سارے دل بھیرتی ہے تنہائی
 اتر اجاتا ہے دل میں سناٹا درد کی بانسری ہے تنہائی
 دن ٹھٹھے آئے شام کی ڈولی دستہ دیکھتی ہے تنہائی
 تمقوں کے اتر گئے جیسے بام و در میں بھی ہے تنہائی
 کیسے پوچھوں بتائے گی بھی کیا کیوں سہاڑے کھڑی ہے تنہائی
 کاٹ لورات کیوں زماں کھو وقت کی سہ گئی ہے تنہائی
 بات کرتی ہے صورت محبوب ہر تب جاگتی ہے تنہائی
 جاگ اٹھتی ہے روح خوابیدہ رات کی زندگی ہے تنہائی
 جسم ہے لگا ہوا سایہ ساتھ دل کے لگی ہے تنہائی
 گھر سے نکلوں تو کس طرف جاؤں راہ رو کے کھڑی ہے تنہائی
 فریب میں ہیں کراستیں کی بھری یہ بھی اک قسم کی ہے تنہائی
 راہزن بن گیا اک لمحہ مجھ سے ٹھہر کر لٹی ہے تنہائی
 خوابِ امروز کا ہوں آئینہ میرا منہ دیکھتی ہے تنہائی
 رابلوں نے بنائی ہے زنجیر جہاں بچاں پل رہی ہے تنہائی
 میری ہی طرح دیر سے حقیقت
 جانے کیا ہو جتی ہے تنہائی

چاروں طرف فضا میں اداسی بکھر گئی
 تم کیا گئے کہ رونقِ شام و سحر گئی
 میرا سلام شوق انھیں ہو گیا قبول!
 نظروں کی احتیاط بڑا کام کر گئی
 جب کچھ نہ بن پڑا تو یہ عذرِ شکست شوق
 کو تباہیِ عمل بھی مقدر کے سر گئی
 ناکام آرزو بھی بہت کامیاب تھی
 کچھ دیر تو حیات کو آسودہ کر گئی
 تھا جسم سے بلند مرا متبر مگر
 جب بھی کوئی نگاہ اٹھی جسم پر گئی
 اٹھی تھی ایک موج ترے التفات کی
 وہ بھی سرِ شکر درد سے دامن کو بھر گئی
 اوروں کا عیب سب گنا تے چھوے مگر
 خود اپنی خامیوں پہ نہ متوکت نظر گئی



غلام مرتضیٰ رہتے

نظر آتا ہوں، لیکن بے سناں ہوں
اگر دیکھو تو میں بھی آسماں ہوں

انٹھا یا ہے سوال اک اس میں نے
کہ خود میں بھی شریکِ استخاں ہوں

مری شہتہ کا اندازہ بھی کیا ہو
وہ چرچا ہوں کہ ایسے درمیاں ہوں

حقیقت کو مری محسوس کر لے
زباں پر آگیا تو داستان ہوں

ابھی کچھ دیر پہلے میں یہیں تھا
مگر اس وقت میں جانے کہاں ہوں

مری تصویر کا اک اور رخ ہے
کہ میں قطرہ ہوں لیکن بیکراں ہوں

بکھرتا جا رہا ہوں ہر قدم پر
میں اپنی کوششوں سے اینٹھاں ہوں

بندھا لیتا ہوں ڈھانسی سے جی کو
مگر اپنی طبیعت پر سگراں ہوں

نصیر یزدان

ڈھکیل یاں کی غادوں میں کوہِ ابھی
میں آسماں ہوں زمین پر درازاں تھے

یہاں جاب کے لئے گئے ہمیں جاتے
یہ جواںوں کا نگرے یہاں نہ مار تھے

پتھر مٹ چکے کوادر و حیدر لادے
نئی طرح تو کون کونئی سنہ سار تھے

سنت دینے سے غمور یوں کی انتہاں
انگوں میں دور رہوں دھج کوٹیاں تھے

وہ جس کے واسطے مصیبت کا درہِ سہا
اسی نظر سے کیا مارا شکار تھے

میں تو نام جوڑوں کا سیات سیکے
دیکھنے کی ساتھ ہر اک گام پر ہمارے تھے

ہر ایک شخص مجھے یا مثال کوئے تھا
ہر ایک شخص سمجھتا تھا ہونا مجھے

جور ساتھ لات ترے دست مار کی خوشبو
کوئی کب اسی پھر سے سگارا تھے

مے نہیں مے احساس کو حواں تھا
ہمیں ہے کچھ برائے یہ اعتبار تھے

تری شکست میں اک نمک کا ذرہ سی
مگر خدا کے لیے اس طرح نہ مارے تھے

اداس آنکھوں میں ٹھنڈی سی ٹھنڈی ہوا
نہیں تو اشک کی ناسد ہوا بھلا تھے

میں ایسے جس کی رومیؒ روا تھا تھوڑا
ہوا بکھر جیسی بیسے اک خدا تھے

بشیر فاروقی

تذکرہ میں ترے اک نام یونہی جوڑ دیا
دوستوں نے مجھے تیشے کی طرح توڑ دیا

اب تو آجائیں مجھے چھوڑ کے جانے والے
میں نے خوابوں کے دیوچوں کو کھلا چھوڑ دیا

رنگ بکلی تھی ہر غم کا مداوا کرنے
میںد جیروں نے خیالات کا رخ موڑ دیا

مگر حباب تو وہ دھوکے کا زمانے والو
تم نے سینے میں جو غم دل کی طرح چھوڑ دیا

تدرداں قیمت بازار سے آگے نہ ٹرے
فن کی دہلیز پر فنکار نے دم توڑ دیا

یوں تو رسوائے رازہ سہی لیکن اس نے
مسیحہ ساتھ آ کے روایات کا رخ موڑ دیا

اس جن میں بھی تھیں چین میسر نہ ہوا
جس جن کے لیے تم نے یہ چمن چھوڑ دیا

میں سا فر نہیں آوارہ منزل ہوں بشیر
مگر دوش وقت پر دیکھ کے دم توڑ دیا

ہمالوں کے در الشورے کو اہن زائی اسناد

آلہ

مردی (دست خط) کے قریب پر صدمہ جو ہرے سکتے، عربی اور فارسی کے جن عالموں کو اہن زائی سند دی ہیں ان میں مولانا امتیاز علی عرسا اور ڈاکٹر صدیق احمد عرسا کو بالترتیب عربی اور فارسی کے لیے باعوازی اسناد دیے گئے ہیں۔ مولانا عرسا نے عربی قادی اور اردو میں رانوں کے مترادف بنوہ اپنے وطن رام پور میں ملی کاموں میں مصروف رہے ہیں۔ ڈاکٹر صدیق دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے صدر و اہل اساتذہ تسم کیے مائے ہیں۔ سید صاحب الدین عرسا نے کوئٹہ میں گزشتہ کئی سالوں میں عربی اور اردو تفریکہ کی تعلیم کا کام سے لگے ہوئے ہیں۔ بعد ازاں دارالمصنفین اسلام گڑھ سے رات ہو گئے اور وہیں ملی اور عربی کاموں میں مشغول ہیں۔

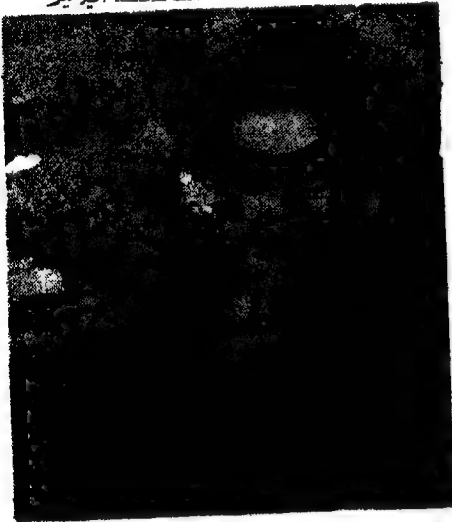
اسیٹریٹر

امتیاز علی عرسا

مولانا امتیاز علی عرسا عربی اور اردو، عربی اور فارسی کے ایک تجربہ عالم اور حیدر اویس ہیں، ان کو علوم شرقیہ کی ملتی پھرتی، انہیں کھوپڑیا کتا زیادہ مناسب ہو گا۔ آپ کی سیس ہا ادبی خدمات اور ملی کاموں کو پورے ہر صنف میں شرف قبولیت کا درجہ مل چکا ہے۔ آپ کی پندرہ ایش ۱۹۰۴ء میں رامپور (پوئی) میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم مدرسہ مطلق العلوم، رامپور اور اس کے بعد درمیل کالج لاہور اور درمیشل کالج رامپور میں حاصل کی۔ آپ رسوں سے رنٹ لائبریری، رامپور کے لائبریری ہیں۔ یہ لائبریری ہندوستان میں اپنی نوعیت کی واحد لائبریری ہے جس میں مشرقی علوم اور اسلامیات سے متعلق ہر کچھ کے کچھ ہرے ہندو ہزار سے زائد نادر و سوات موجود ہیں۔ مولانا عرسا اب تک ۴۰ کتابیں اور تقریباً ۲۰ تحقیقی مضامین لکھ چکے ہیں۔

آپ کو ۱۹۶۱ء میں دیوانہ غالب (نقوش عرسا) مرتب کر کے پراسا ہر اکاڈمی ایوارڈ دیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر ڈاکٹر حسین مرحوم سابق نائب صدر جمہوریہ ہند نے آپ کی ادبی خدمات کے صلے میں نذر عرسا پیش کیا سال رواں میں آزادی کی کیمپوں ساگرہ کے قریب برکات کے جن آٹھ دستہ و معروف ادیبوں کو صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے اعزاز دی سند دی گئی ہے ان میں مولانا عرسا بھی ہیں۔ آپ نے فقیر ملک میں بھی مستشرقین کی کانفرنسوں میں ہندوستان کی سند و افکار کی کی ہے۔

فروری ۱۹۶۵ء



مولانا امتیاز عرسا نے ہمارے ماہر ادیب ۱۹۶۳ء میں مولانا عرسا کے بارے میں اپنے مخصوص ادارے میں یہ لکھا تھا: مولویوں کے طبقے میں مولانا عرسا کی خاصیت ایسی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی موت سے بچے کا فخر بنا سکتے ہیں چاہے اس کفر کا نام ان کے بیان اسلام ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں اسلام اور عربی کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم سرانگیزی واد جواس وقت پرنس یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں، مولانا عرسا کی علمیت کے بارے میں یوں دیکھنا چاہیے

کار تک ۱۸۹۳ء تک

"یہ ایٹمی تخلیقات میں اتنی جانفشانی اور دیرہ دیری سے کام لیتا ہے کہ پورے دین ادیب اس سے متاثر ہو کر حیرت ہو کر بغیر نہیں رہ سکتے۔"

ڈاکٹر اکبر حسین مرحوم فرماتے ہیں "مولانا امتیاز علی خاں عرصی فاضل کسی تحارف کا محتاج نہیں ان کے متعدد تصنیفی کارنامے علمی اور ادبی حلقوں سے خارج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ پچھلے ۲۵-۳۰ برس میں انھوں نے جو تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے اس سے سماں ہماری زبان کے نثرانے میں ہلکا اضافہ ہوا" وہیں ہمارے سے لکھے والوں کو رہنا بھی ملتی ہے کئی قیمتی اور قابل قدر کتابیں محض ان کی کوشش اور زور و جہد کی بدولت پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہیں کئی پہلی کتابوں کو انھوں نے اپنے سن ترتیب سے نمایاں مدنی بخش دی جو خاص طور پر نوجوانوں کے تشبیہ و تدوین کا جو بلند سیار انھوں نے قائم کیا ہے وہ کسی زمان کے لیے بھی راحت فخر ہو سکتا ہے۔"

سید امیر حسین عابدی

برصغیر ہندوستان میں عابدی فاضل کے ایک مستند عالم اور بلند پایہ ادیب ہیں جو اپنے ادبی کارناموں کے لیے ہندستان کے علاوہ ایران میں بھی دارحسین یا پیکے ہیں۔ آپ یکم جولائی ۱۹۱۷ء کو غازی پور (یوپی)،



نیاں دور

میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھرانے اور دارالعلوم میں پائی۔ اس کے بعد سینٹ جارجس اسکول میں داخلہ اور آگے بڑھتے ہوئے ہائی اسکول ہنٹ ڈونٹن فرسٹ پوریشن میں ایم۔ اے کیا۔ اسی یونیورسٹی سے آپ کو بی۔ ایچ۔ ڈی (فاضل) کی ڈگری دی۔ چھ ماہ میں آپ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایران تشریف لے گئے اور تہران یونیورسٹی سے بی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیان ایک عارضی ادبی رسالہ بھی آپ کے زیر نگرانی چلا جو ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی ادب کی تاریخ کا سواد جمع کرنے کے لیے کامل یونیورسٹی کے جہان کی حیثیت سے آپ افغانستان بھی گئے۔ آپ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے فاضل اور عربی سے متعلق متادونی و ڈیگے میں۔ ۱۹۲۸ء میں ماہر اہل انبیاء کی دورہ کا محضر میں شرکت کرنے کے لیے آپ بحریران گئے۔ آراؤ کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر آپ کو ادبی خدمات کے صلے میں ہندستان کے صدر کی جانب سے اعزاز کی سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے۔ عابدی صاحب کی اب تک سات کتابیں منظر عام پر آئی ہیں اور بہت سے تحقیقی مقالے ہندوستان اور غیر جاناک کے مستند رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ سجاد و دی علی اعانت بھی عابدی صاحب فرماتے رہتے ہیں۔ یونیورسٹی گورنمنٹ کشمیر کی اسیک کے محنت دہی یونیورسٹی نے آپ کی مزید تین کتابوں کو شائع کرنے کے لیے سفارش کی ہے۔

اس وقت عابدی صاحب بی یونیورسٹی میں فارسی اور عربی شعبے کے صدر ہیں۔

سید صباح الدین عبد الرحمن

سید صباح الدین عبد الرحمن ایم۔ اے لہذا باہر کے محقق اور محقق ہیں سید صاحب کے تحقیقی اور علمی کارنامے نمایاں کارنامہ ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپ وسیع وسیع مینڈرہاؤز میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم پندرہویں اسکول میں پائی۔ ۱۹۲۵ء میں ہی دارالافتح تعلیمی اکیڈمی میں آگئے۔ درس و تدریس اور بیڑے بڑھانے اور محقق میں موصوف کو اسی تدریس میں کہ اسی کو اسی زہدگی کا شغل بنایا۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں ۱۹۲۸ء تک شبلی شیل کالج اسلام آباد میں علمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور کالج سے سکونت کرنے کے بعد بھی کہیں اور جانا پسند نہ کیا بلکہ دارالافتح میں اکیڈمی میں علمی اور ادبی تحقیقی میں (۱۹۲۹ء)

۱۹۲۹ء

کازنگ ۱۸۹۴ء تک

مثنوی کے چند اہم کردار

★ قاصد نے عجب الم تر کھائے تھا شمع

(۱) مثنوی لیبان میں وزیر ادا کی جسم السار (۳) بھنگا اور قاصد
میں تاج الملک اور (۳) دھڑکتی ہیں مہر میں مثنوی لیبان میں
بجھانسا کی صبح حشیت کا عین داعضاب ددو اس وقت تک حال
ہو گا جب تک ہمارے سامنے تقابل و تضاد کے واسطے دوسرے کردار موجود
نہ ہوں اس لیے کہ نظم النساء کی جو بھی طور پر انھیں کرداروں کے دریاہ کر
ہم سے ایسی ہی اہم کارواں کرتی ہے۔

ابتداء میں اس مثنوی میں ادا کا کردار سامنے آتا ہے جس کے تصور
سے ہم دلی طور پر ایسے ذہن میں بہت ساری امیدیں قائم کر لیتے ہیں لیکن
وہ ہمارے کسی بھی توقع کا زیادہ حصے تک ساتھ دینے کی ایسے اندر صکت نہیں
دکھتا۔ اس کی ذات ہر لمحہ تضادات کو جنم دیتی رہتی ہے اور بالآخر وہ زندگی
کے کھوکھلے پن سے مجبور ہو کر ادا ہر جزن کی تاب نہ لا کر ذاتی افق سے
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جاتا ہے۔

دوسرے کہاں ہے ہم مثنوی کے مرکزی کردار شاہزادہ بے نظیر سے متعلق
ہوتے ہیں۔ اس کردار کی عین میں مصحف کا عین و آدرش مراح اس حد تک
آزادی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ یہ کردار حقیقت و واقعت سے بہت دور صلا
جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس پر حقیقت کا التماس تک نہیں ہوتا۔ اس کی
مسوائیت اور ذاتی شخص اس کے لیے ایک اسادام قریب نہیں جاتا ہے کہ وہ
اسی میں گھٹ گھٹ کر جاتا ہے لیکن ہے کہ بے نظیر کے کردار میں اس
دور جہاں ادا اور انضالیات اس معاشرتی اور تہذیبی رویوں سے پیدا کردہ
ہو جس کے تحت آصف اللہ کے سلاح میں عین صفات ایک عظمیٰ مثنوی
میں کو ابھری تھیں۔ کم و بیش انھیں صفات سے اس کی مجاہدہ بد مذہب کا بھی

کردار کے بڑھتی کہانی کا تصور کرنا محال ہے۔ کہانی میں کردار مثنوی
حیثیت رکھتا ہے جس طرح کوئی کہانی سلا میں جہم نہیں لے سکتی اسی طرح کردار
کی شمولیت کے بغیر کہانی کا وجود تو سبباً ناممکن ہے۔ کہانی اپنی نیکی کے
لیے بھی کردار کی محتاج ہوتی ہے۔ اس کی نوعیت جو بھی ہو اور اس مقصد کے
لیے بھی کبھی بھی اس میں کردار در دلازم کی حیثیت سے موجود ہوتا ہے بلکہ
محتاج تو یہ ہے کہ کہانی کچھ کچھ کرداروں ہی کو پیش کرنے کے لیے بھی مالتی ہے اس
کے مختلف عناصر ترکیبی مقلد مالت۔ مکالمہ و طبع کردار کے مختلف پہلوؤں کو
پیش کرتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کی زندگی کے نقش و نگار کو اجاگر کرتے ہیں
جس کے سبب کہانی زیادہ جاندار اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔ کردار کے لیے یہ
مات ضروری ہے کہ وہ کہانی میں جس مقام و منصب کی نامزدگی کرتا ہو اس
میں وہ اپنی بے پناہ صلاحیتیں صرف کر سکتا ہے اور یہ ثابت کر سکتا ہو کہ وہ
مذکورہ منصب کا مستحق و مصلح تھا۔ کردار چاہے کبھی ہو سکے ہیں اور انھیں بھی فعال بھی ہو
سکتے ہیں اور غیر فعال بھی البتہ ظاہر ہے کہ جو کہ حقیقی زندگی ہی کے نامزدہ
ہو کر ایک تخلیقی سطح حیات پر ابھرتے ہیں اس لیے ان کے اعمال کے مطابق
ہی ہم اس پر کوئی حکم صادر کرتے ہیں اور ان کے اعمال سے ہم یہی مدد مل
اور کیفیات ظاہر ہوتی ہیں جن کا ہم درستی اور اصلی زندگی میں ہرگز تجربہ نہ
ہیں۔ اب اگر یہ کردار کہانی میں خفایت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہر ان سے
زیادہ محظوظ ہوتے ہیں لیکن اگر وہ دوسرے پن اور انضالیات کا مظاہرہ کرتے
ہیں تو ہم بھی ان سے نفرت اور مبغضی اوقات ان کی ذات سے ہر روز
پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سناظر تک ہم بڑے کمین کرداروں کا مطالعہ نہیں
کر سکتے۔

مطلب ہے جو اس عشق پر مجھ رہا تھا جس نے اس کے دل کی طرف سے ٹھٹھا بھرا کر
جالتے ہیں۔ نیز درخت ایک مرنے والی مخلوق ہونے کے باوجود اس سا نظریہ
پسے اپنے دل سے نکلتے سرشار نظر آتا ہے۔

نہیں خوش کیا اور کیا اگر اس کو بھی دودھ پلٹی تھی آگے یا اس
کبھی مہر چھپا یا دکھانا کبھی کبھی ماؤ ڈالا جلا یا کبھی
ہمارے دل پر رحم الساء کے کردار کا نقش مہر گہرا جو تار تار ہے غصہ
اس لیے مرنے کی بات اس ماحول میں بھی ایسے واقعات سے تعلق نہیں
ہر کسی جن میں زندگی کی ساری اقدار کے بعد دیکھنے سے زیادہ ہر کسی میں اور
جہاں ہر ماحول اور فطرت کو جہاں کے سلیب پر آؤ یاں کوڑا جاتا ہے۔
اس حقیقت کا اعتراف خود رحم الساء کی زانی اور چہ زیب نہیں دینا کہ
جو کہ اس کے اعمال میں اس کا جوہر (اہم کہتے ہیں اس لیے اس کے اعتراف
کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

میں رحم الساء اس کی حیرت ویر ہستہ سے ہمارا تعلق اور مشیر
صد ایک دوسرے سے ہوتی تھی سلب تعلق اس کو سوتی نہ تھی
غصے سے رکھا کہ عسک فرار۔ رنگ چین رہتی تھی باغ بارغ
آغوش اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ رحم الساء کے کردار کی گہرائی
اور اس کا دہم اور روحانی اضطراب اس کی ذاتی اور انفرادی خصوصیت ہیں
جو کبھی بھی رانے ماحول اور معاشرے میں کسی بھی انسان کی ذات میں پیدا
ہو سکتی ہیں البتہ اس کے دماغی اشت کے لیے توہین کی ضرورت سے بھی انکار
نہیں کیا جاسکتا۔ رہا یہ مسئلہ کہ رحم الساء بھی بعض حالات میں جنسی گورم ہاؤز
پرستی اور عیسائی مذہب کے موافق دھوڑ لیتی ہے تو یہ چیزیں اسے اپنے معاشرے
سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ خود کو ان چیزوں سے محو بھی نہیں دیکھ سکتی
تھی اس لیے کہ کوئی بھی فرد جو دراصل سماج اور ذہن رکھتا ہو گا وہ
سرمعاشرتی سطح پر پیدا ہونے والی حقیقتوں سے آنکھیں چراگے گا اور نہ ہی
ان کی عطا کردہ مونیوں یا عقوبتوں سے ہی وہ سیکڑ دھڑکے گا۔ میرے خیال
یہاں وہ غیر معمولی ہنسیاں نہیں ہیں جو اپنی صلاحیت اور استقامت کو
دوسے کار لاؤز سے سیکڑ کو ٹوڑتی ہیں اور وہ زمانے کے نقش کو قبول کرنے
کے بجائے اپنی شخصیت کے ادنیٰ تھوڑے سے کوئی نہ بے نسبت کو دیتی ہیں۔
رحم الساء کے کردار کی تمام تر خوبیاں یا خامیاں ایک مخصوص معاشرہ میں

کو ہمارا عادت ہونے پر زندگی میں موجود روحانی صلاحیتیں انہیں انہیں کی قدرت میں
سے پرکھنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کرنا سب سے بڑا حق تصور کرتی ہے۔
ان کو دادوں کے روحانی جوہر کے سبب جب قاری خود کو ایک
کاوس میں گھر مائے کا پتھر پر کر رہا ہوتا ہے اس وقت اچانک رحم الساء کا
”قیامت سریر ہر“ اسے ایک غیر معمولی فرست کشت پتھر سے دوچار
کر دیتا ہے۔

بھی ہر ایک اس کے دست و پا نہایت حسین اور قیامت تیری
رہیں تھی تار اسی وہ دل با سے لوگ پچھتے تھے رحم الساء
رحم الساء کی ذات وہ ذات ہے جو پہلی بار اپنی حوالی طبیعت کا مظاہرہ کرے
و اسٹو فی حوطلات کے ساتھ کہہ سکتے کہ اسرار ہوتی ہے اور
ہیں یہ غموس ہوتا ہے کہ ہم ایک باؤس دہ اور زندگی کی دعا یوں سے
معور ہواں میں ساس لے رہے ہیں۔ رحم الساء اپنے اعلیٰ سے اس روحانی
خلا کو بھی پر کرنا چاہتا ہے جو مائیکہ راہ تہذیب کے پروردہ کو دادوں کی نگاہ
کو رنگ آ کر دیکھنے پر آمادہ ہے لیکن شاید ان کی جے سی اور سہ ولی
اس درجہ بڑھ چکی ہے جو خود اس کے بھی ختم کرنے سے تم نہیں ہو سکتی، اس
کی ایک تصویر ملاحظہ ہو۔

انہوں کے کہہ سیکھنے سے حفا ہوتی دل میں اپنے وہ جسم انسا
گلابی کو لاس کے آگے دھرا بیالے کو پھر جلد اس سے کھرا
کہا شام راہی کو کھینچے کیا یہ بیالہ تو اس کے سحر سے لگا
رحم الساء کی ذات اس وقت اور بھی زیادہ دربار دادوں کی کس ہوجاتی
ہے جب وہ اپنی ہستی مدبر میر کے آلام کو کہنے کے لیے اپنی وفا ستاری اور
جرات کا مظاہرہ کر کے جس کا وہ دھماکا تھا اسے اور سہ نظریات حوہیں
صحر اور دیہیں کا مقدور ہوجاتی ہے۔

ساحیکہ رحم الساء اسے ہر حال ہوتی سے ادنیٰ تہ اس کو کمال
گئی پچھتے وہ دیوں نے انہو ہوا ترسے واسطے میں سلب دیکھ سہا
بس اب سر ہر کھنچتی ہوں میں اسے دھوڑ لالے کو کھنچتی ہوں میں
ہو مانی رہا کچھ مہر میں دم تو کھرا کے دیکھتی ہوں قدم
دگر تھی کو ملا سے سوتی تو یوں حایو تھہر جھڑتی ہوتی
اس کو داریں میں صرف حرکت نہ کرنا نہیں ملتا بلکہ اس روح کا بھی سرگرا

شوق، تجو اور شوقِ نظارہ کے سالانہ فراہم کرتی ہے، اس کا نام جو عمل اس حقیقت، لکھتا ہے، بالآخر وہ خود کو صحیح معنوں میں ذرا شوق و تاج ثابت کرنا ہے۔

تاج الملوک اور اس کے چار بھائیوں کے درمیان کوئی موازنہ ممکن نہیں اس لیے کہ یہ ایسی عظمت کے لحاظ سے دو زناؤں میں تقسیم ہو چکا ہیں۔ چار بھائی ایسے باب کے طبع اور ایک طور پر چھوٹا جات میں ہیں اس کے برعکس تاج الملوک کی نئی کی ناپسندگی کو تاج نے اقدار حیات کا لحاظ ہے، حیات پر ہی وحہ ہے کہ اس کی سدا اُس کے ساتھ ہی عواطف کے عقاب و سرسبز کھلسلاں میں سرسبز ہوتا ہے۔ اس کو دیکھ کر باب کا ارہا ہوا تا خود اس بات کی علامت ہے کہ لاسوری طور پر اس کے بیٹے کے تئیں ابدی پس کا پسلیکس سید ہوا ہوتا ہے اور وہ نئی روشنی کا زیادہ عرصے تک دیکھ نہیں سکتا ہے

پیارا یہ ہے وہی کہ دیکھ اسی کو
بھر دیکھ، س کے گام کسی کو

باب کے اندر اس (COMPLEX) کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب بالآخر تاج الملوک ہی اس کے لیے گل بگادی کو درہم کرے کہ سبب بت ہے جس سے اس کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

تاج الملوک ماحول و معاشرہ کے جس سے صحیح و مدلل قبول کرنا ہے اور مصائب اس کے لیے ایک حقیقی قبح بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے مقصد و خواہش کے حصول کی ناکامی سے غلاب زندگی کی مختلف منزلوں سے گزرتا ہوا اصل منزل تک پہنچتا ہے۔

تاج الملوک کو اصل مقصد سے سڑکا رہے جا پھر وہ خود اذیت میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کی مزاحمت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ارم کے ڈاڑھے پر پہنچ کر دو کو درہم کر کے اس کی حقیقت ہی ہے کہ وہ عواذ سے آپ سے ہر آواز ہوتا ہے جیانی بی بی دو (تاسلیک نفس) اپنی بے کسی کا اعتراف کر کے اس کی رہبری کوئے نگاہ ہے پیار ہے مرایہ آدمی نرا د رکھو اسے جس طرح مرئی یاد انسان ہے عجب سادہ سچکھ میاں ہے کچھ نوادش تاج الملوک باغ آدم میں پہنچ کر بالآخر گل بگادی کو توڑ دیتا ہے۔ یہ

دیکھتی ہیں اس لیے میں ان کے مطالعہ میں اس قدر متاثر ہو کر کھڑا ہو کر کھانا کھا رہا ہوں ہاں اسے دوسرے لوگوں اور محققین میں تاج الملوک کا ہے۔ گھوڑا وینڈ میں بہت سے کردار ہیں لیکن ہماری توہم مذمت کے ساتھ اپنی طوطی منطقت کے اسے میں صرف دو بگڑاؤں کا سیلاب ہوتے ہیں۔ تاج الملوک اور بگادی۔ بگادی مصنف کی ایک عظیم اختراع ہے لیکن جو نگارہ مادلانی دیا ہے حقیقت رکھتی ہے اس لیے وہ مرئی زندگی سے مطابقت پیدا کر کے کے مادہ کبھی بھی ہماری عقل کی حدود سے برے طبعی حاق ہے اس لیے اس کی بہت کا اعتراف کرے کہ یہ اس اورانی عواطف کا ہمارا المناک ٹیسٹ کا بظاہر ہو کہ ہمارے لیے یہ بہت زیادہ کا رونا ہے جس میں ہو سکتا ہے کہ مل باطل ہی دوسری نوعیت کا حال ہے کہ مصنف نے اپنی مدد مرئی میں انھال کی ضرورت کو بھر محسوس کرنا ہے اور اس کا منطقی جواب بھی اس کے پاس ہے یا نہیں۔ اس کا ایک سیدھا سادا جواب ہے کہ جو کہ ہمارے سامنے انسان گوئی پر ہمیشہ خود دوسری کا جذبہ طاری رہتا ہے اور وہ زندگی کو کلی طور پر یکسویں کے آئینے میں دیکھتے تھے اس لیے انھوں نے ظلم و حقیقت بنا کر پیش کرنے کی سادگی کی مسکن اس پیش پیش میں سانس کی اور کھلی خلق کا گروہ نہیں تھا اس لیے آج حقیقت مشتبہ ہو کر رہ گئی ہے اور اس میں جگہ جگہ شکاف پڑ گئے ہیں۔

گھوڑا وینڈ کی کہانی ابتدا تا انتہا ایک علامتی رنگ ہے جو ہے جہاں چار اس کی اصل مصوبیت کا انحصار اس علامتوں کی عقدہ کشائی اور تجزیہ ہے۔ یہاں کہانی بھی علامتی و عینت رکھتی ہے اور کردار بھی۔

تاج الملوک کہانی میں زندگی کی آواز سے نپٹنے، آلام زمار سے سرو آواز ہونے کی علامت ہے جو زندگی کے ہر لمحے میں اپنی حد اور صلاحیتوں اور مقادمت کی صلاحیتوں کو بروہ کا دل لکھنے کے لیے حالات کو ساڈا کارمانا ہے اور یہ بات آخر میں واضح ہو جاتی ہے کہ جو مسلسل اور تدریجی انسان یا کی تقدیر میں بدل سکتا ہے۔ تاج الملوک ایسے بڑے بادشاہ مایہ کی پانچویں اولاد ہے۔ اس کے چار بھائی ہیں جن کے نام طاعتی و عینت کے حال ہیں (دوتا، عاقل، ذکی، خردمند) اپنی صفات کی ضد ہیں جس کا ارتقا اگرچہ کہانی میں فطری انداز میں ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ ایسی ہیاطی حشر کا بار اٹھانے کے قتل نہیں ہو جاتے۔ اس لیے بہت جلد جلد وہ فراخ شہ گادی کی نذر ہو جاتے ہیں اور صرف تاج الملوک کی ذات وہ سہم کر رہا ہے

ہوئے گلستا ہے کہ عشق ہی پر شباب کی تکمیل کا انحصار ہے اور خود شخصیت بھی اپنی ادھماکے لیے محتاج عشق ہے، ہمیں اس کے شش میں ایک طرح کی طہارت کا احساس ہوتا ہے۔ بجاوے جس کا سراپا وہ یہ ہے دیکھ چکا ہوتا ہے اس کے جلوہ صدر رنگ کا نقشہ اس طرح پیش کرتا ہے؟

تجھے مری خاطر اب کہاں حج تو شہرِ حلال میں رگ شمع
تو جوشِ یحییٰ میں نور ہے پر میں نقشِ یادِ مگر بادِ صحر
تاجِ الملوک کی شخصیت میں ہم جونی کا بھی عصر خاصا تو اٹا ہے
البتہ مصنف اس کے کردار میں حکمِ غرضِ واقعیت کے بھی رنگ بھرے ہیں
کامیاب ہوا ہے۔ وہ اسی تحت کو جس پر بکاوی کی مٹی ہوئی ہے نیچے سے بکاوی
مادرائی دنیا کا اس انداز میں سفر کرتا ہے کہ وہ بکاوی تک کو نہیں چھوٹی۔
اسے ہم مصنف کے حسن بیان پر محمول کر سکتے ہیں وہ درجہ تاجِ الملوک بھی
اس قسم کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تاجِ الملوک ایک دفا شعار شوہر کی بھی صفات اپنے کردار میں رکھتا
ہے جس کا ثبوت وہ ماہِ بجا ہے اعمال کے فراہم کو تار جتا ہے بوجہ جب وہ
ہزار افتاد سے گزر کر اس طبعی بہت خالص تک سچا ہے جو اس بکاوی کی مقید
ہے تو وہ اپنے ہونے کے حال ناز کو کچھ کر کے قرار ہو جاتا ہے۔
صدے وہ بہتر ہوا پر ہی کے قدروں پر مگر بکاوی کے
پاؤں اس کے چھوٹے سچا آئینہ بھروسے گہرا تھا

تاجِ الملوک کی کادلی کے ساتھ دفا شعار کی کا بھر صرف حیات
تک محدود نہیں ہے اس کا سلسلہ حیات و موت کا دورہ پھر بجا ہے یہاں
تک کہ جب وہ نہا کے گھاٹ اتر سکی ہوتی ہے اور دوبارہ وہ بقائے کمال
میں ختم ہوتی ہے (ری انکارنیشن RE-INCARNATION) ہندو
عقیدہ کا جو ہے اور یہاں اس کی بھی علامتی حیثیت ایک خاص معنویت
رکھتی ہے چونکہ دونوں کرداروں کو روح کا سفر و گشت ہے لہذا اس کی نظیر
ناجی یعنی اور اس طرح ممکن تھا کہ جب زمین کا باشندہ تمام اذیتوں کو
برداشت کرنے کے بعد دوبارہ دنیا تک پہنچا اور خود بکاوی کے لیے نیا سفر
تھا کہ وہ فنا ہو کر دوبارہ حیات میں آئی اور اب اس کا وہ سفر نیا مخلوق
کی حیثیت سے ہوتا ہی وقت و دنوں کا جہانی اور روحانی اتصال ممکن
تھا، اس وقت تک تاجِ الملوک اس کا انتظار کر رہا ہے۔

اس بکاوی خود بکاوی کی زندگی کی علامت بن جاتا ہے جس کی حفاظت
بکاوی ہر شے حلال سے کرتی ہے۔ اس کا کس و ستیاب اور دعائی ایک ایسے
بیول کی علامت ہے جو ابھی ناگنہ ہے۔ اس بیول کی چوری سے مراد
بکاوی کا وہ عیسوی طور ہے جو اب ایک عیسوی کی موجودگی میں ایسا تک بید
ہو گیا ہے، بیول کے عاٹ ہو جانے کے بعد بکاوی حواہ و بکاوی ہے وہ
اس کے احساسِ گناہ کے ساتھ اس کی لذت کی بھی ہماری کڑوا ہے جو
زندگی کے خاتمے کے وقت ایک نظری چیز ہے۔ البتہ یہ بات بھی غور
طلب ہے کہ زندگی کے خاتمے کا عمل بیک وقت دونوں میں ہوتا ہے۔
وہ تاجِ الملوک بھی زندگی سے اس وقت اٹھتا ہے جب وہ پہلی بار
ایک محال جس سے اتصال کی لذت حاصل کرتا ہے اور اس میں بھی
کی علامت خود بکاوی کی انگشتی ہے جسے وہ چلتے وقت بدل لیتا ہے۔
تاجِ الملوک کی زندگی سے کششِ رمانہ اس طرح ہوتا ہے جو
کسی طرح اس سے الگ ہونے کے لیے تیار نہیں۔ ہزار مصیبت اٹھا کر وہ
اس قافلہ ہوا تھا کہ اسے بیول کی مدد سے ایسے باب کی آنکھیں دھن کر
لیکن اس کے ہر دھکا کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اس کے کھائی
بڑی حیات اور سیر کی کے ساتھ اس سے بیول بھی لیتے ہیں جو گھر
ایک سانچہ ہے لیکن یہی چیز اس کے استقلال اور جدوجہد کو حکم دے گی
معاذ ہوتی ہے، وہ اس وقت کا انتظار کرتا ہے جب حقیقت خود خود
اس کے باب برکتس ہو جاتی ہے اور وہ ایسے باب کا محبوب نظر نہ ملتا
ہے یعنی جو EDIPUS COMPLEX اس کے تحت اکتوبر میں
تاجِ الملوک کے لیے انداز میں سید ہوا تھا۔ وہ اختتام پذیر ہوتا ہے

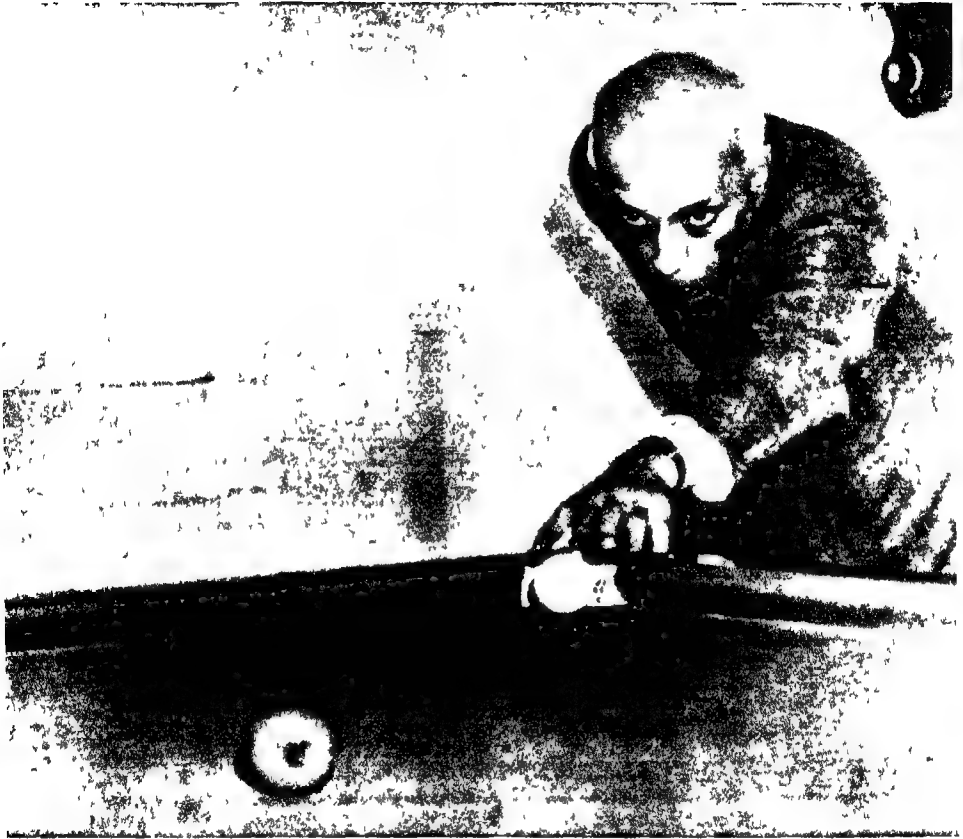
مسدے تہ اٹھ کے بے حاما

بولا ہونے سے جان و اسان

روشن کما دیرہ پیر

اور کے بھی چل کے آسو پوچھو

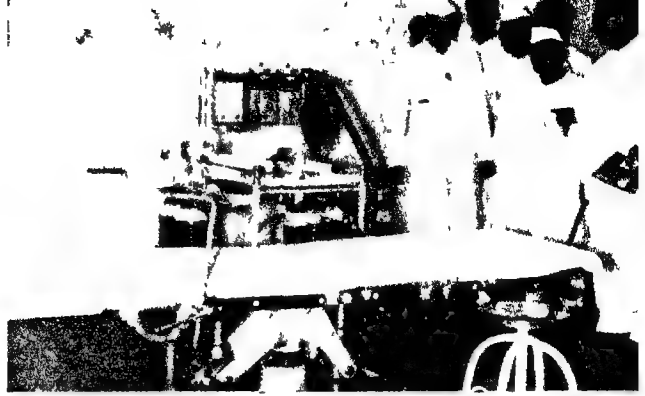
تاجِ الملوک زندگی کی جراتوں کے درمیان ملہا اٹھنے کے
بجائے مسکراتا ہے وہ ہر مصیبت کو اس انداز سے گلے لگا تا کہ گویا
یہ چیزیں اس کا سراپا بن کر ہیں۔ تاجِ الملوک کی زندگی میں ہیں ایک
وفا دار جو اب ہر بار ہواش کا بھی سراغ ملتا ہے یہاں پہنچ کر یہ محسوس



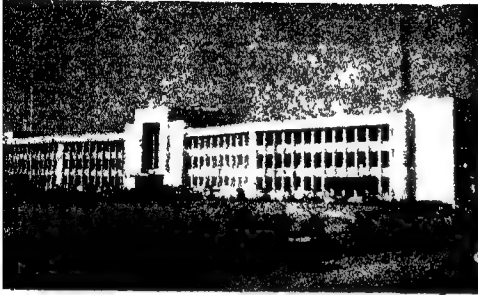
بیل کے چاچا نہروا نے

پنڈت ہر وکیل کو اور ورزش پر ہیستہ ملا دور دیتے تھے اور نہ صرف بیلوں کو ہیستہ
اس کی نصیحت کرتے تھے بلکہ اسی نے ہاہر وکیلوں کے اوچھوڑ دیے تھے اس کے لیے تھوڑا
بہت وقت کال لیا کرتے تھے اور بیل کی تصویر اس کی تین شال ہے

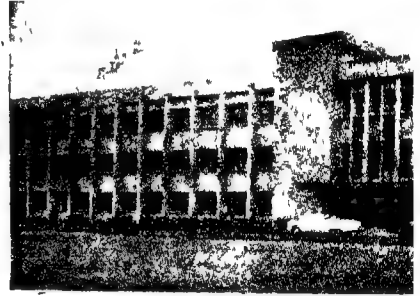
یوپی کی ترقی



کیسراٹھی ٹیوٹ۔ کان پور جس کا افتتاح وزیراعظم یٹو جواہر لال نہرو نے کیا تھا



گنیش سنگھ روڈ یا تھی میڈیکل کالج۔ کان پور



ٹیکنیکل کالج سرگھ

کے آئینے

سٹیل ڈاک روڈ سرچ انشٹی ٹیوٹ
پھرتی سٹیل ٹھکانہ

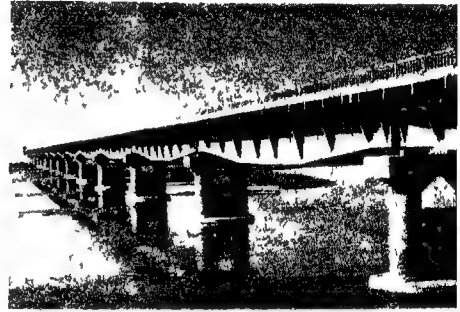


میو پنی کی ترقی



دیر اعظم ترقی امداد گامی ۱۹۶۵ء کو صلح ہیرانج میں گھاگوا کے بن کا افتتاح کر دی ہوا

گھاگوا میں، گدھ کشتور - میرٹھ



کے آئینے

شارد ابرج - بھیم پور کھیری

رتی کشیش - عدی ناتھ سڑک - برنل دھل کا بدست

انرا کھڈ میں موٹر سڑک - ضلع - بھڑا گڈھ





میوپی کی ترقی

دیرپا اعلیٰ سربہ جہاں گیت ۲۲ و ۲۳ سربہ جہاں کو کھنکھنیں رہتی آکر میوپی کی عمارت کا
سنگ سیادہ کھرہ ہے میں ادا میں اس عمارت کے دل میں کی تصویر

دیرپا اعلیٰ سربہ جہاں گیت ۲۲ و ۲۳ سربہ جہاں کو کھنکھنیں رہتی آکر میوپی کی عمارت کا
سنگ سیادہ کھرہ ہے میں ادا میں اس عمارت کے دل میں کی تصویر



ایمٹی بائوٹک کارخانہ - صلیبا دہرودوں

کے آئینے

مرد درستی - کان پور

تاردا محلی گھر کھٹا (سی تال)

دہاتوں کے لیے کے بان کی اسکیم مراد پور



جہاں پہلی ان گھڑی کے بعد غار پر شہنشاہت، صبح و شام
 غار پر ہے کہ جہاں صفت اپنے عقیدے کے مطابق تاج الملک
 جو ایک سنگ مرمر ہے اسے ایک ایسے رنگ میں پیش کرتا ہے جو عجب
 ناممکنات سمجھتے ہیں اس سے الگ بھی اس کی کمالیت کی یہ عقیدہ عقل
 کی بھی گرفت میں آسکتا ہے۔ اس سے اگر یہاں بعض تاج الملک اور کلاں
 کی بددست دہن و جسمانی صلاحیتوں کا اظہار مقصود ہے تب تو اس کے گرد
 پھلکا ہوا علائقہ غار کا دنیا باطنی جو ہا تا ہے ورنہ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔
 درہن میں نہ جس کا کوہ دارا یعنی فصالت کے پلے پاؤں جو کہ گھبرا
 ہے۔ درہن کی نام بجا خود اس شہنشاہی کے موضوع اور مواد کی طرف اشارہ
 کرتا ہے۔ درہن کا فی زمانہ نام لفظ ہے البتہ اس پر ہر ذلے سے ایک شخص
 نقاب ڈال دیا جاتا ہے جس کے تحت اس کا اصلی روپ ہادی نظروں سے
 اوجھل ہو جاتا ہے۔ شاید پہلی بار اس شہنشاہی میں مرزا تنوکی نے اس کو
 کوہ حق سے لکھنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ اصل بات خود سمجھنے
 ہی کو حق و باطن کا تصور میں پائے پر درہن میں پیش کیا گیا ہے وہ حق
 سائیدہ سیدہ کی دستان عشق اور کار نقاب کشائی ایک طور پر
 مصنف کا محفلت کا بھی توت و راہ کو تا ہے مصنف کے شہنشاہی جہاں
 ہیں ایک حقیقت کی واقعیت کا احساں لایا ہے اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ
 عشق ہی سے خود اپنی اصلی شکل میں کس کو گتوں سے ابھرتا ہے اور اس
 کا اظہار کیوں کر ہوتا ہے۔ یہاں نہ جلیبت کی گرم لہرادی ہے نہ طلسماتی
 گورکھ و ہند ہے اور نہ ہی یہاں قادی کی شکلیں کشی جاتی ہیں۔ جو کچھ
 واضح ہے یہاں اسطورہ کی بھی نہیں ہے۔ حق تو ہے کہ یہی اس شہنشاہی کی
 خوبی ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خانی بھی ہے کہ وہ بالواسطہ کم سے کم
 ہے اور براہ راست بہت زیادہ۔

یہاں ابتدا میں (SENSUOUSNESS) ہے اور تدریجاً
 (SENSUALITY) فروغ پائے لگتی ہے۔ مرد کا کردار خود روا
 تنوکی کی ذات بھی جو ملتی ہے وہ لکھنوی سماج کے پیدا کردہ مادہ حرام
 سے معمور ہے۔ یہ ذات سستی سستی کی مٹلائی اور صرف ہجرت ہی کو زندگی
 کا سب سے بڑا انداز تصور کرتی ہے جس میں حقیقی فصالت کا سراغ نہیں ملتا۔
 اس طور پر اس کا کردار اپنے اندر بجاہمیت کے بھی آثار کم دکھاتا ہے۔

ہر گھڑی منقلب رہا نہ ہے یہی دنیا کا کارخاں ہے
پہل اٹھایا نہ زندگانی کا نہ لاکھ مزا جوانی کا
دل میں لے کر تیرا یاد لیے باغ عالم سے نامرزا چلے
اس پر تیرا دل کے سائے کا بوس کی مانند چھاتے ہیں اور
اسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ ابھی چند لمحات میں وہ عشق کے اس
جہاں غسل اور خود مشغولوں میں مبتلا کر اپنے وجود کا شیرازہ منتشر
کرے گی۔ اس خیال سے وہ محب کو دعوت دیتی ہے

پھر کہاں ہم کہاں یہ صحبت یار کر پھر کبھی کبھی بچنے کے لیے
اور کبھی کہتی ہے

پھر پھر تیرے ہی ہے کالوں کی
بوسہ کھا دو تم اپنے بالوں کی

زندگی کے آخری لمحے میں اس کے کردار میں زندگی کی وہ اعلیٰ
صعادت بجا رہ جاتی ہیں جو اسے حیات و دوام بخشی ہیں یہاں اس کی
دات ان خصوصیات سے محو نظر آتی ہے جو ایسے اندر ایک آفاقی شان
لیے ہوسے نظر آتی ہے جس سے اسے جن ملی دارات کا اظہار کرتی ہے
وہ صرف اس کی انفرادی شخصیت پر محیط ہیں بلکہ آفاقی منزلت کا ایک
جزو ہے

صراط کرنا اگر ملال رہے میری رسوائی کا خیال ہے
کئے دیجی ہوں جی نہ کھو نام ساتھ تاوت کے نہ دوا تم
سری میت کا دھیان رکھیے دگا بند اپنی زبان رکھیے گگا
مکرہ کچھ نہ کیجیے گا مرزا نام منہ سے نہ لیجیے گا مرزا
آپ کا نہ خانہ دینے گائے سم میں رسوا نہ کیے گا چلے
ذکر کس کو مرزا زود دیا میری عزت نلوں ڈوب دینا
ان اشعار کے ذریعے ہم جس کے کردار کی جو تصویر بنی ہے
وہ اپنے اندر ایک عجب انکسلیں لیے ہوئے ہے مشرقی تہذیب کے
غیر سے تعمیر کی گئی مرحبین کی ذات سم و کشن معصومیت اور خلوص
کی ملی جلی شان سے آراستہ ہے اس کی حکما کی صفو ترہاس پر مبنی
نہیں۔ مرحبین کا کردار ایسے عشق سے عبارت ہے جو پہلے زندگی
کو محروم بناتا ہے پھر اسے خاک و خون میں لٹ پت کر دیتا ہے۔

اس پیش روی کا خیال کو کے کہ جس پر مجاہد ملی ہوئی ہے وہ عشق
کے سلسلے میں کچھ جواز بھی تلاشے جڑے ہیں۔
تم یہ میری کیا قیامت تھی کیا رب دشمنوں کی شراست تھی
مجھ کو ایسی تھی تیری کیا برداشت باہر تو ملا سے آکر نہ آ
لیکن یہ باتیں محسوس تو ہیں کسی احساس گماہ کی قطعاً تھلک نہیں
ملتی اس لیے کہ۔

ہوے اس گل سے گل کے انوار اگر مائی دریاں سے سست تکرار
جو کہا تھا او کیا اس نے وعدہ اکثون دیا کیا اس نے
مرحبین کی دات و دو عشق سے محبت ہے جو عشق ہی کی پروردہ
ہے اور بالآخر عشق ہی کی صلیب پر حرقہ جاتی ہے یہاں طہارت
اور باستانی عشق کے تابع ہے جو مدلی کی ہر قدر سے متصل ہے جس
کا یہ خیال کہ

گو کہ بعضی میں رو سیاہ چلی
لیکن اپنی سی میں نہا چلی

نصف حقیقت ہے اور نصف فساد ہے اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ عشق
سانی طلب کا حقیقی اور جائز مطہر ہے لیکن چونکہ اس کے اظہار پر ہمیشہ کچھ
بکھنڈ پیش رہی ہیں جس سے ہم جس کی ملی دات آرا ہے اس لیے وہ
اپنی ہیئت قدری کو گناہ کے مترادف سمجھتی ہے لیکن عشق جو کہ اس کی ہستی
کا انتصاب ہے اور اس کا سبب اس سارے اس لیے وہ خلوص دل سے
اسی میں یقین رکھتی ہے اور نظیر آئیں اس کے نزدیک مسمیٰ اہمیت کی
حامل ہیں اس کی ذات لاشہ عشق سے سرشار ہے جس کے دائرہ است
کی ہمارے اس میں مل پارہی ہے

حسرت دل جوڑی باقی ہے

اور بہاں دات چھوڑی باقی ہے

مرحبین سو عشق میں جل مرے ہی میں یقین رکھتی ہے چاہے
اسے اس بات کا اندیشہ یہ ہے کہ رائے رائے اسے لذت عشق سے صحیح
مسئل میں مشا رہوتے ہی۔ دیا اور نہ کا کٹھ کا اس کے لیے
اس راہ میں سب بڑا دھچکا زار اور ستارہ ہو گیا ہے
جسے صرف سرائے فانی ہے مورد مرگ و جوانی ہے





درود

رونی گنگ و تہیں بھاسرو
جلوہ صبح وطن تھا نسرود

جان ہر سرو و سمن تھا نسرود
زیمت صمن یمن تھا نسرود

تو کبھی لعل یمن تھا نسرود
میں نکھوں درِ عدل تھا نسرود

عزت آدم عبد حاضر
عطیت اہل وطن تھا نسرود

ایک یحیا مہربان و سلام
تہرالت کی نکر ن تھا نسرود

متفق سب ہیں وہ دشمن ہو کہ دولت
باک دل ، پاک جہن تھا نہرہ

اے ققو یاد رکھے گی دیا
اک یقین ، ایک لگن تھا نسرود

کارتک ۱۸۹۳ء



مظہر اسام

زندگی ہی کے دہن کر کے لگا داتی ہے
دل کی خواہید اسگوں یہ بہا داتی ہے
میں نے کیا شان ہے کیا رنگہ ڈالی ہے
میں نے کونسی ڈھیل کا اسچل ڈھیل ہے
جس طرح سانی جذبات کا گھر تھکے
ہمس مشن براگندہ نقاب آبا ہے
اپنی سانسوں میں لے لے گلا آبا ہے
لینے پونوں میں لے لے لے لے آبا ہے
آج ہر کام بہت کا گیاں ہوتا ہے
عمر کی دیباہیں پورا ساں ہوتا ہے
زندگی حسین فرادان کا یہ دیتی ہے
مستی قہیں غزالان کا یہ دیتی ہے
جس آزادی بھارت کو مل گئے ہیں
وقت وہ ہے کمر و ہمت لے لے لے لے
مطب دل ہے ساتھ دھڑکنے لگاں
ہو دہے مسکاتے ہوئی سے جہاں
نقہ گردن کی رہا رہی جاتی ہے
عاشق و وقت ہے غارہ رنگینی حال
سیری طوں کی خوانی غزل کاں
ہر آزادی بھارت کی صدا اور ہے
عزم جہور کی جیاک ادا اور ہے
زندگی خواب بھی ہے عالم ساز بھی ہے
نقہ نگار بھی ہے ، روح کی لگا بھی ہے
روپ بھی ہے کیا دیا ، ہی ارب بھی ہے
یہ گھاسا بھی ہے اور کڑی دھوب بھی ہے
اپنے گدہ اور کی قدیل طمان ہے ہیں
اپنے نس ملک کو دروس بنائے ہیں
چشم منزل بھی ، شورہ ہر بھی ہے
حقن آہنا نہیں بایا تھو ہاں ل بھی ہے
پوسا کوک میں ہیں بس کا پوسر
شروع کچھ لہر ہوائے گلن نلے ہے
لے دھن ہے نکی جھلکے کاٹاں لہر
جشن کا دن بکھیراں ۱۱ اور دین

۱۹۵۴ء

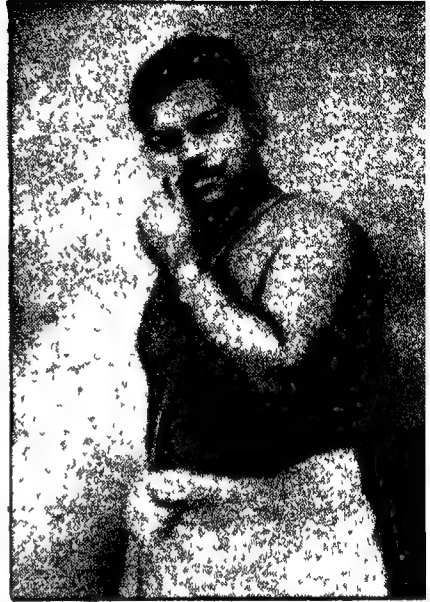
خدا کے وحش



سیت سے عرصہ دراز تک تابندہ رہے۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء سے جب انھیں ہاتھ پائی کی تحریک عدم تعاون میں حصہ لینے کی یادش میں ۵۰ تاریاؤں کی سرشاری ایک طویل رات طے کیا۔ وہ ۱۹۳۷ء تک انقلابی تحریک کی طرف متوجہ ہو گئے اور علیحدہ ہی اس تحریک کے روح رواں ہو گئے۔

آٹھ سال کی طویل مدت تک آزادانہ ہندو برطانوی سلطنت کی طاقت کو لٹکا رہے اور پھر بھی ان کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس عرصہ میں انھوں نے صرف ۱۹۳۷ء کی کاروباری دیکھتی کس میں نمایاں حصہ لیا بلکہ ہندوستان سوشلسٹ ری پبلیکن آرڈی کے پرچم پر مبنی حکومت کے ساتھ انقلابی تحریک کو از سر نو مظہم کیا اور اس کے کئی ان کی حیثیت سے اس کے تمام ترے اور دلیرانہ کاموں سے وابستہ رہے ہیں جس میں ان کا وہ کارنامہ بھی شامل ہے جب لاہور میں ۱۹۳۷ء میں جہاں کبھی لاڈلہ رائے کی موت کا بدلہ لینے کے لیے حکومت نے گولہ بارود کے ہاتھوں میں اس سب سے بڑے کے ملک ہونے کے بعد انھوں نے پولیس میں کئی بار تھیں جہاں گولہ بارود کو اس وقت کوئی مارٹر ہلاک کر دیا جب وہ ان کے ذمہ رہا بالعدو ساتھیوں کا تعاقب کر رہا تھا۔

آزادے ۱۹۳۷ء سے ماہر رہتوں کے بجائے کوٹ پتیل اپنے ہاتھ میں لیا اور اس سے بڑے فائنل جہاں گولہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔



● یہ بات مرمی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں اس عدم تشدد کا حامی ملک ایک ہیٹول کو عزت تھے لیکن ہندوستان آج جس ہیٹول کو عزت و احترام سے یاد رکھتا ہے وہ وقت کے اندکاب کا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ جسے رشیکہ کرادے والدہ سوکراس محبت وطن انقلابی کے ہاتھ میں یہ ہیٹول مادرِ وطن کی قربان گاہ پر سبوت کا ایک دسلر اور بھلائی سامراج کے انحصالی اور ظلم و تشدد کے خلاف ہندوستان کے احتجاج کی ایک علامت بن گیا۔ لہذا یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ ایک مومن قوم اس محبت وطن اور اس کے ہیٹول کو اس موقع پر یاد کرے جب وہ اسی آزادی کی ۵۰ ویں سالگرہ منا رہی ہو اور ان تمام جہاں مشاہد کو بدیہ اوٹ احترام میں گورہی ہے جنھوں نے اس مقصد کے پیش نظر ہی ہائیں قربان کر دیں کہ ان کے پیچھے عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہیں اور آزاد وطن کی نفسا میں سانس لے سکیں۔ آزادانہ نام ہی کی بجائے ملک کے آسمان انقلاب پر ایک آزاد وطن کی

اس وقت سے لے کر ۱۹۷۱ء میں ان کی شہادت تک وہ دن تک کوٹ منہل
ان کا مستقل رقبہ رہا۔ چنانچہ ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کو بھی جب آزاد کوڈ آباد
میں الفریڈ پارک میں بواب آزاد پارک کہلاتا ہے چاروں طرف پہلے
ایک پولیس پادری نے پھر اس کی قیادت میں آئی۔ ڈی کا اسپل پرنٹ
ہے۔ ایلج۔ آرناٹ پادری کا تھا کوٹ منہل ان کے پاس تھا پولیس کے
ہتھکنڈوں کی پوا کر آڈا نے اس سے پہلے سکودیس کے پوسٹ کوٹھوں نے
پارک میں بات چیت کے لیے بلایا تھا زار ہو جانے کے لیے کہا تھا۔
اس کے بعد اسٹپ کی بعد وئی کی تنگ میں اس اپنی درجہ کے
نشانہ ڈالنے اپنے منہل کو ہاتھ میں لے کر پرنٹ پادری اور اس کی پارل
کو بروا ہی میں اچھلتے رہتے پر مجبور کر دیا۔ آڈا نے عام شہادت نوش
کرنے سے قبل پادری کی کلائی پر گولی مار دی اور ڈی پرنٹ پادری کے تنہا
جبراً توڑ دیا۔ پھر لوگوں کا کہنا ہے کہ جب آڈا کے پاس صرف ایک گولی
رہ گئی تو انھوں نے منہل اس کی پٹری پر گولی چلا دی اور اس طرح بھی
اچھریوں کے ہاتھ میں نہ پڑنے کے اپنے عہد کو اور کرکھلا ان کی نشانہ دار
کی آئی دہشت تھی کہ کسی پولیس والے کو ان کے قریب جانے کی اوقت
بھی جرات نہیں ہوئی جب نہ زمین پر گر پڑے اور پارل نے اس بات
کا یقین کرنے کے لیے وہ دائمی مردہ ہو چکے ہیں ہی تمام گولیاں اس پر خالی کرویں

خود قی طور پر آڈا کا کوٹ منہل سڑناٹ اور کے لیے ایک اضافی
ٹھکانہ بن گیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ اٹھائے لے گیا۔ برطانیہ میں مقیم ہندوستانی
ہائی کمشنر کے توسط سے حکومت ہند کی ذمہ داری امور خارجہ کی مسلسل کوششوں
اور تقریریں کے ذریعہ اپنی شری کملا جی تریا بھی کی ذاتی روح امت کے بعد
سی آئی ڈی کا ساتھی پرنٹ پادری اس منہل کو حکومت اتر پردیش کو بطور
تھوڑے سے مدد مانگ ہو گیا۔ اس منہل کو ڈرامیں کرتے ہوتے پادری نے
الہ آباد میں آزاد پارک میں اس انقلابی کے عمر کی تصویر کے لیے درخواست
کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آڈا کے مخالفین بھی ان کی حب الوطنی اور محنت
دلیری کے لیے اس کی انتہائی عزت کرتے تھے۔

یہ امر بات سڑناٹ ہے کہ آڈا کی ۶۷ سالہ عمر کے مارک
میں قریب پھول ریاست کی راجدھانی میں پہنچ گیا ہے۔

علی راجہ ریاست میں (جو اس وقت وسط ہند) میں تھی اس
محب وطن کی پیدائش سے بائیس سال قبل سن ۱۹۴۷ء میں ۳۲ ورہس
راؤنڈ کا پٹو ایک منہل امرتسر میں جایا گیا تھا جس کو اب ایک قومی جوا
کی حیثیت سے رکھا جائے گا اور برطانوی سامراج کے خلاف ہمارے ایام جہاد
کی ایک یادگار ہے اور جو میں حد تک آڈا کی جہاں شہادی اور لے لوٹ اور
دلیرانہ حب الوطنی کی یاد دلاتا ہے۔



(عالموں اور دانشوروں کو اعزاز سے مستند ۲۰ کا بیٹھ)

عہدہ علیہ مسلمان اور ہندو موجود ہیں کی نظر میں ہندوستان
اصغر خیر کی نظر میں 'آپ کی شہر تالیفات و تصنیفات میں توجہ
کل آپ غالب' مدح و جود کی روشنی میں کی تصنیفات میں مصروف
ہیں جو ایک ہزار صحابہ پر مشتمل ہوگی اور ہندو جلدوں میں شائع ہوگی۔
آپ کو حال ہی میں یونیورسٹی گراسٹن کی پانچویں ایڈیٹور اور ایڈیٹور
مقرر کیا گیا ہے۔ آپ کے اس اعزاز اور امداد و تہنیت میں شکر تاج ہے۔

بھانے کے لیے اس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ جلی کالج اور جلی اکادمی
کو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔ دیوانہ امرتسر علی حاد صاف
ہم دیوبند، ہندوستان کے مذہب و دیوبند، ہندوستان کے عہدہ علی
کی اصلاح چھلک، ہندوستان کے عہدہ وسطی کا فوجی نظام، ہندوستان
کے شہزادوں کے عہدہ کے تمدنی جلوے، ہندوستان کے
سلاطین، علماء و مشائخ، ہندوستان کے مذہب و فتنہ کی کلیں کہانیاں



بہت کھڑے

شہریتہ میوبائی

تم کو کھڑے میں بھی پوجا کر رہی ہو؟ انھوں نے جو مشن زندگی پر ایک نظر ڈالی اس کے بعد انھوں نے دلی کی دیو خانہ میں کے ساتھ علاقہ میں لاپور کا ٹکڑے میں یہاں کی خواہش ظاہر کی۔ مگر انھیں صرف اس لیے نہیں جانے دیا گیا کہ لاپور میں ان کی سسرال میں ان کی ساس موجود تھیں اور ممکن ہے وہاں ان کا خیر مقدم نہ ہوتا۔ لیکن بات ایسی نہ تھی یہ آگے چل کر معلوم ہوا انھیں دونوں خاندانوں سے ان کا تعارف نہ ہوا اور وہ دھڑ دھڑ خاندان کے افراد سے کبھی تعلقات قائم ہو گئے۔

آزادی کی تحریک اس وقت پورے رورڈ پر تھی۔ جو کچھ غریب کی کڑوں کی جوتی بلیکٹ۔ اور قانون کی خلاف ورزی کی جاتی۔ سسر کا راجی عمارتوں پر کانٹنٹس بھینٹے لہا جاتے تھے۔ راجی رشتہ میوبائی اب پوری طرح سے تحریک میں شامل ہو چکی تھیں۔ اس سلسلے میں ۱۹۲۰ء میں پہلی مرتبہ انھیں مل جانا پڑا۔ اس کے بعد میل جانا تو روزوں کا معمول ہو گیا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد۔ ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۵ء میں وہ کئی کئی جیسے جیل میں رہیں۔ یہ اتفاق یہاں کی بات ہے کہ سن میا ایس میں لاپور میں عورتوں کی بیل کے بھاٹک پر بھٹتا ہوا لانے کے الزام میں انھیں اسی جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ وہ ۱۵ اگست ہی کا دن تھا۔

اپنے بھائی کے اوراق پلٹتے ہوئے انھیں جوش امینڈ آیا۔ ان کا جبر پرائی یادوں سے بھگتا تھا اور انھیں جیسے ان کے سسر انھیں مجرم ہو گیا ہے۔ بے ساختہ ان کے ہاتھ اوپر کی طرف اٹھے جیسے بگڑا ہوا لہانے والی ہیں۔ ان کے ہونٹے انھوں کو دیکھ کر اڑاڑ ہو کر انھوں نے زندگی میں کتنی عینیت بھلی ہیں۔ یہ سوال کرنے پر کہ تاہم یہ تو کمر جوہر سس نے ان کی قربانی اور خدمت قوم کا اعتراف کیا ہے۔ یہ تو عقیدت کا ایک بیوٹا سا پھیل ہے۔ کیا اب وہ کام کاج کی زندگی نہ رہا۔ یوں کے بوجھ سے (باقی صفحہ ۲۱ پر)

ہیں میں بھی ریٹائر نہیں ہوں گی۔ ابھی میں نے کیا ہی کیا ہے؟ ابھی تو یہ بہت کام باقی ہے؟

جنگ آزادی میں حصہ لینے والی بہادری تو ان شہریت میوبائی نے بہت بڑی سلائی سے کھی۔ ان کی عروس وقت ۸ برس سے حال ہی میں انھیں تیار ہوتے کوان کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ ملک کو آواز دہرانے کی لڑائی میں حصہ لینے والی دلی پتلی جو سٹے قدر کی سس کھڑی ہوئی ہیں کام کرنے کا تیار ہی جو شش اور شش آج بھی ہے جو کبھی جنگ آزادی کے زمانے میں تھی۔

شہریت میوبائی کا جنم دلی کے ایک معمولی خاندان میں ہوا۔ ان کی پرورش ان کے نانائے کے پاس ہوئی۔ ان دنوں تعلیم نواں کسواں نہیں کے برابر تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم درجہ بہت زیادہ تر گھری پر ہوئی تھی۔ اس قدر بہت پرست ماحول کے باوجود ان کے نانائے انھیں شہر کی اسکول میں داخل کر دیا جہاں وہ صرف فیری جماعت تک ہی پڑھ سکیں۔

یہ پوچھنے پر کہ گھر گھر کسی اور ملک کی خدمت و دلوں کو وہ کس طرح کوئی انجام دے سکیں انھوں نے بتایا کہ ان کی تادی صرف ۲۳ برس کی عمر میں لاپور کے ایک معمولی خاندان میں ہوئی تھی لیکن برقی سے ان کی گھر پڑی بہت جلد ختم ہوئی۔ صرف ۲۳ برس کی عمر میں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ بیوہ جو ہانے کے بعد وہ دلی واپس آ گئیں۔

یہاں آکر انھوں نے اپنے بھائی شری رام برساوی کو صلا افزائی کی بدولت گھر میں کھانا پھینا جانے لگا اور کچھ عرصے کی تحریک عدم تعاون میں حصہ لینے لگے۔ یہاں شری رام دھارن ہی آگیا کرتے تھے۔ بہن متیہ دلی میں بھی آتی تھیں۔ میرا زیادہ تر وقت پوجا پٹھا اور مذہبی موضوعات کی کتابوں کے مطالعے میں گزرتا تھا۔ بھائی صاحب کو یہ اچھا نہیں لگتا تھا ایک دن وہ گھر آئے اور کہنے لگے کہ دیش میں آگ لگ رہی ہے اور



معاہلے ادیب

حاصل ہے ان کا کلام ہندستان کی محبت سے بڑھتا ہے جس میں مشترک ہند ب کے نمایاں خدوخال ملتے ہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں "خسرہ کے فکر کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیاسی محافوں کے ساتھ سخت، سختی کا سلوک کرتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء وہ کسی مذہب کے ہوں لیکن آپ ہم دھڑوں کے مددگار ہیں۔ ان کا بلا تفریق مذہب احترام کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہب ہندی زبان اور ہندو رسموں اور دھڑوں کا بیان محض روداداری کی یاد پر نہیں بلکہ طرز فکر کے لحاظ سے کرتے ہیں؟" امیر خسرو صوفی شاعر تھے۔ اردو زبان کا صوفی طرز بجز مذہب سے زیادہ بھائی چارگی، صلہ و استغنی اور انسان دوستی کا درس دیتا ہے۔ اردو کی اہم دوائی نوزدنا میں صوفیائے کرام کو حاصل ہے۔ اہمیت حاصل رہی ہے ان کی اردو شاعری میں قومی بھتی اور انسان دوستی کے نادر نمونے ملتے ہیں صوفیاء کا کام ملا تفریق مذہب و فرقہ و عام کو انسانیت پیارا اور غلوں و محبت کا درس دیتا تھا۔ ان کے عقیدہ مندوں میں بھی مذہب کے افراد شامل رہتے تھے۔ اس سلسلے میں خواجہ بندہ نواز شمس المصطفیٰ، شاہ میر انجم آباد اور ان کا خاندان، خواجہ امیر، حضرت نظام الدین، اولیاء، حضرت شیخ فرید خٹک، اور شیخ بہاؤ الدین باجن دینرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اب اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی ظہب شاہ کو بھیجیے ان کے یہاں قومی اتحاد اور حب الوطنی کی کئی عمدہ مثالیں

ہندوستانی ہند ب کو دنیا کی قدیم ترین ہندیوں میں ایک بلند و نمایاں مقام حاصل ہے اور اس کا ارتقائی تسلسل اس کی اپنی اہم خصوصیت ہے۔ ہندوستانی ہند ب کی نشوونما، اس کے ارتقا اور اس کی بقا میں قوموں کے اشتراک، نسلوں کے اتحاد، فرقوں کی مساوات اور علاقوں کی ہم آہنگی کو بڑا دخل رہا ہے۔ مذہبی روداداری اور قومی بھتی کے اس عظیم کچھو کے استقامت دار تقاسم دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب نے بھی اہم رد و اد کیا ہے گو اردو زبان کے واحد، مقام پیدائش اور اس کے ادب کے آغاز کے بارے میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس بات سے بھی متفق ہیں کہ اردو ہندو مسلم ہندیوں کے ارتقا و ہندو اور مسلمانوں کے ایک دوسرے پر گہرے احترامات اور دلوں کی رفاہوں کے اتحاد و اشتراک ہی کا نتیجہ ہے۔ اردو زبان بلاشبہ ہندوستان کے مشترک کچھو ہی کی پیداوار ہے اور اسی لیے اس میں اشتراک اتحاد اور قومی عناصر کا وجود مشرور ہی سے ملتا ہے۔

ڈاکٹر امجد حسین صاحب لکھتے ہیں "اردو کو ہندوستان کی قومی یک بھتی، وطن پرستی اور انسان دوستی کے استقام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔" اردو نے اپنی ابتداء سے آج تک ہندوستان کے قومی سنگم، حب الوطنی اور علاقہ داری، ہم آہنگی کی تشکیل دیکھ میں ناقابل فراموش خدمت انجام دی ہے۔

اردو کے پہلے شاعر امیر خسرو (متوفی ۱۳۵۴ھ) کو بھیجیے قومی یک بھتی اور وطن پرستی کے تعلق سے ایک نمایاں مقام

عاشق کو قلعند ہے ہندو مسلمان
 لاکڑہا صاحب اسلام رہے گا
 آخر دہا اشر کا کٹ نام رہے گا
 نظیر اکبر آبادی بقول نیاز فتح پوری ایک بہت بڑے وطن
 پرست شاعر تھے۔ ان کے کلام میں ہندوستانی فنی اتحاد و اشتراک
 کے بہترین نمونے ملتے ہیں؛

وہی دیکھا، وہی کھا وہی جانا وہی پایا

برابر ہو گئے سب ہندو مگر اندھرائی

عرل، اردوستانی پر پرورد، ہر زمانے میں مکرلوں رہی
 ہے گو قدیم غزل معاملات میں دشمن اور عاشق مستحق تنگ ہی
 محدود رہی ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں وطن دوستی، عوام
 سے دلچسپی اور اس اس کے احترام اور عقیدت کے ان گنت نمونے بھی
 ملتے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہوں۔

تسبہ تری زلف کو کہتے ہیں اسے صم

یک تار دے کر ستہ زنار کر رکھوں (دکنی دکنی)

مدرسہ تھا کر دیر تھا، کھٹہ بیات عاید تھا

ہم سبھی ہمیں تھے واں، اک توڑی کھا تھا (دکنی)

ملک دیکھ صم مار، حسن آں کے لئے پیچ

جوں شہ حسد م رنگ چھکتا ہے بناں کا (مردو)

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا جواب نے تو

قشقہ گھنچیا دیر میں بیٹھا اک کا ترکہ ہلا کر (میر)

وفا داری بشرط استواری اہل ایماں ہے

مرتب بہت غلغلے میں تو کیسے میں گاڑو برہمن کو (غالب)

گلزار نسیم کے مصنف دیا شکر نسیم نے اپنی مثنوی کی ابتدا احمد

باری سے کی ہے۔ حیدر آباد کی گنگا جی تہذیب کے شاعر، مہاراجہ

نکشن پریشاد نے رسول کریم کی شان میں ان گنت بخشش قلم بند

کی ہیں۔ دو شعر ملاحظہ کیجئے:

پیروں میں کوئی ایرا آفتاب نہیں

صبر اسو مختار کا جو اب نہیں

مل جاتی ہیں۔ دکن میں اردو کی ترویج و ترقی کا ایک اہم سبب
 ہندو مسلم اتحاد بھی بنایا جاتا ہے۔ یہاں کے مسلم علمبرداروں کی فوجوں
 اور اہم دفاتر میں بہت سے ہندو بڑے بڑے حدود پر فائز
 تھے اور اپنی دینی زبان جو اردو کی استادانی شکل تھی، استعمال
 کرتے تھے۔ دکن کے مسلم حکمرانوں نے دہلی سے نانا توڑ کو اپنی الگ
 الگ حکومتیں قائم کر رکھی تھیں وہ حکومت، معاشرت اور زبان و خط
 کے تعلق سے دہلی کے مقابلے میں ایک نئی طرز کو ترجیح دیتے تھے، اور
 اسی العرانیہ وحدت لہری کے جذبے نے انھیں دہلی کی سرکاری
 زبان فارسی کے بالفاظ دکنی یا استادانی اردو کے ارتقا پر اسکا
 سلطان محمد قلی تعجب ساہ کے کلام میں ہندوستانی ماحول
 کی فکر و رویہ کا مٹی ہے ان کے کلام میں ہندوستانی کا شدید
 علیہ ہے۔ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے توہار و سادہ اور سادہ
 سیاہ کے رسم و رواج سب پریش آرائی کی گئی ہے۔ ان کا کلام مرد
 دارانہ ہم آہنگی کا بہترین نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

وہی جیتی اور وطن دوستی کے اعتبار سے اردو نظمیں نظیر
 اکبر آبادی کو مایاں مقام حاصل ہے۔ بقول کلیم الدین احمد اردو
 شاعری کے آسمان پر نظیر اکبر آبادی کی ہستی تہا سارے کی طرح
 درختاں ہے۔ قلی قطب شاہ کے بعد لطیف پہلے عوامی شاعر ہیں جنہوں
 نے ہندوستان، اس کے رسم و رواج، ہندوستانی تہذیب و
 ہندوستانی معاشرت اور اتحاد و یکجہتی کو تفصیل کے ساتھ ایسے کلام
 میں جگہ دی ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد تحریر کرتے ہیں "نظیر نے عوامی ہندوستانی
 پہلوؤں پر زیادہ توجہ مرکوز نہیں کی بلکہ انھیں ذہنی لگاؤ اور جذباتی
 حلوں کے ساتھ پیش بھی کیا جس سے ان کی مذہبی رعاداری اور
 میل ملاپ کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظیر کو عوامیت اور
 جمہوریت کا آئینہ دار کہا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کی اندر ادبی
 اجتماعی زندگی کے ایک عظیم الشان حلقہ نگار تھے؛

جھگڑا دے کر مذہب و ملت کا کوئی یاں

جس راہ میں جو آن پڑے ٹوٹا رہے ہر آن

زنار گلے میں کر منبل بیچ ہو مہتر آں

ملک ہیں اتفاق سے آزاد شمس ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوا اگر کھاتے جیروں کی ٹھوکریں کوئی کر
قوم جب اتفاق کوٹھی اپنی پوچی سے ہاتھ دھو بیٹھی
جاگنے والے غافلوں کو جگاؤ۔ تیرے والوؤں بتوں کو بھاؤ
ہو سلطان اس میں یا ہندو بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمن
سب کی بیٹھی نگاہ سے دیکھو سمجھو آکھوں کی تیلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد شہر ہیں اتفاق سے آزاد
حالی جدید شاعری کے امام تھے۔ انھوں نے اپنے ہم عصر
اور بعد کے آنے والے شاعر کو بے حد متاثر کیا۔ حالی سے اس
ور شاعری کا آغاز ہوتا ہے جس نے اقبال، اکبر اور ملکیت
جیسے شاعر پیدا کیے۔

اقبال کی ابتدا انی نظموں میں قومی رنگ درجہ اتم موجود
ہے۔ اردو کی قومی نظموں میں اقبال کے ”ترانہ ہندی“ اور
”نیا ستوالہ“ کو ایک اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی قومی
نظموں کے بارے میں حکیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ ”یہ نظیں ان کے
جذبات ذاتی کی صداقت ہیں جو جوش کے ساتھ محسوس ہوں گی
جاسکتی ہیں“

خوب ہیں سکھانا آئیں میں سر رکھا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

پک کہہ دوں لے ہمیں گز تو رانہ ملنے
تیرے سم کہے کہتے ہو گئے پرانے
ایوں سے سر رکھا تو نے توں کو سیکھا
جنگ و جدل سکھایا داغ و خون بھی خدائے
تیر کی بوروں کو سمجھا ہے تو خدا ہے
حاکم وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیو تلے

اکبر طرز و مزاج کے معاملے میں دائمی اکبر و عظیم ہیں۔
انھوں نے مغربی تہذیب اور انگریزی تعلیم کی دلیل نہ مخالفت کی۔
ڈاکٹر رفیع سلطانی لکھتی ہیں: ”اکبر نے جدیدیت کے خلاف احتجاج

زادہ کو بے قیمت کی تمنا تو بیکارک
ہم کو بھی سر سٹ ہے کہل جاسے پرنہ
منشی شکر اللہ تاقی بھی جو بزرگوں پال نقد کے تجا ز ادبھائی
تھے، بلا کے منت گو تھے۔ ان کے یہاں حقوق کے استعارہ کا انبیا و اسلاف
میں اگر خفاک نہیں در احمد ہوں گا
دخبل عوش کی ہم سرری ہستی ہوگی
پنی گیا بھر کے جو عام سے سخن چھو
اس کی سستی کو ہرگز کبھی پنی ہوگی

مگر وہ ملاقاتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے اردو
شاعری اور اردو ادب انسان دوستی، فرفر وارانہ ہم آہنگی
اتحاد و یگانگت، امن و صلح جوی اور وطن پرستی کی علیہ دار رہی ہے
علامہ اختر علی تھری مرحوم ”انسانیت دوست ادب“ میں
لکھتے ہیں ”ادب و شعر کا کام شاعری، پریم کے گیت گانا اور اس صلح
کی فضا پیدا کرنا ہے اور اس طرح دنیا کو جہاں تک ممکن ہے جنت
بنا دینا ہے۔ اس کا کام یہ نہیں کہ نفرت، تشدد اور جنگ کے لہرے
بلند کرتا ہے اور فتنہ و فساد کو ہوادے کر دنیا کو جہنم بنائے کی
کوشش کرتا ہے۔“

یہ صیح ہے کہ اردو کے قدیم ادب میں قومی یکجہتی، فرفر وارانہ
ہم آہنگی اور ہندوستانی وطنیت کا وہ مفہوم نہیں ملتا جو آج
لیا جاتا ہے۔ یہ مفہوم اردو شاعری میں دہلی کی بربادی اور
مادر شاہی خلیے کی تباہ کاری کے بعد سے واضح طور پر ملنے لگتا
ہے۔ اس میں شدت شعور کے انقلاب کے بعد پیدا ہوئی ہے۔
اردو کی جدید شاعری میں حال اپنی اور قومی اختر اکٹ کے
سلسلے میں حالی کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ملک کے مصائب کا
احساس بھی کو کھتا لیکن معاشرے کی دکھتی رنگ پر حالی کے سوا
کوئی اور آگاہی نہ ملے سکے۔ حالی کی اردو دقت کی آواز بھی حال و تنہا کی آواز
تھی، وہ بے آخر نہ رہی۔ ان کی شہسوی حب وطن اپنی مثال آپ ہے۔
اس شہسوی میں انھوں نے اتفاق و اتحاد اور قومی یکجہتی کا پیغام دیا
ہے اور بتایا ہے کہ اسی کی کمی کی وجہ سے ہم لوگ خلائی کا خراب ہیں،

فرق داری سے ہے بالاتر ہمداری سرزمین
تنگ ہوگی فرقہ داری پر ہمداری سرزمین
(محترمہ)

وقت ہے اب بھی سنبھل جاؤ بھگنے والو
توڑ دو فرقہ پرستی کو

چھوڑ دو باعث تفریق لسانی جھگڑے

پھر ا خواب

تحقیق میں بدل جاوے گا (سلیطان ادیب)

ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب نے فرمایا ہے کہ آج ہمارے ادب

میں قومی عناصر و وطن دہسی کا سا بڑا اور ست خداداد میرہ موجود ہے

جس پر ہم غرور ناکر سکتے ہیں۔

غازی، محمد ہدیف سنگھ انٹیم پیری گوڑے

جنگ افکار کا عدل ہے آج ہمداروں

یہ کہہ کر ہندوستان اسے کہتے ہندوستان

(مدنی صدیقی)

اوت کا پیراقت میں جام نے مساوات ڈالنا کا پیراقت

عدالت کا بھی ہے پیراقت و ملک کا بنا در حقیقت وطن

زمین وطن، اسے زمین وطن

(آندرائس ٹاٹا)

ہند میں جس کو نہیں منظور جمہوری نظام

ہند سے کیا اس کو مطلب ہند سے کیا اس کو کام



رومانیت کیلے۔ (صفر۔ اکابقیہ)

یہ انٹلکٹ، افہامات دلہابی، سوچ و بچہ یا آگہی، ہی زندگی

قلب سے عبارت ہے۔ غرض کہ دل اگر مردہ ہے تو غم و مشاہدہ

کوئی احساس پیدا نہ کر سکے گا احساس نہ ہوگا تو جذبہ بھی ناپید ہوگا

حذیب سیدارد ہوگا تو تصور کو پرواز نہ ہوگی، نہ تصور کو سوجھ لائی

ہوگی ذہن کی اسکا کو ایسا خاص رنگ دے سکے گی۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگی عبارت ہے تیرے سینے سے

بیسویں شاعری کو خفاں دات اور نکلے دردوں سے تعبیر کیا جائے

گا۔ یہ وہ منزل ہے جہاں شاعری سے سلیقہ ایک قدر مطلق پٹری کی ہوگی

ہے رومانیت شاعری کا ایک رخ ہے جس کی تشریح، تعبیر اور تنقید ہر

دور میں ہوتی رہی اور حقیقت یہ ہے کہ بقول ایف۔ سٹینگل رومانی

شاعری ابھی تک اپنے دور حرکت و گوں ہے اور یہ حرکت و نمئی

در اصل اس کی روح ہے۔ یہ میرٹھ تعبیر پذیر رہے گی اس کی تکمیل

فائدہ کبھی نہ ہو۔

کاغذ نہ ہے جبکہ ہر شاعری میں رقت و اشک دہری پر چھو کر تی ہے۔

جرمن شاعر شیتیر CHENIER کا قول ہے کہ

“THE HEART ALONE CREATES POETRY”

اس طرح بات بھی سنا ہے کہ احساس کا مفر بھی لیریا

کی رومانی تفریقوں میں ایک قدر مشترک رہا ہے احساس کا منبع و مصدر

قلب ہے اور صرف قلب اسی لیے HUGO نے احساس کو شاعری کا نام

دیا ہے۔

اس کے باوجود جرمن ادیب و شاعر VIGNY نے کیا پتہ کی

بات کہی ہے:

“THE HEART CERTAINLY EXISTS AS

A MORAL FACTOR. ITS JOYS AND

SORROWS ARE FELT; BUT IT

IS A DARK ROOM, AND ITS LL

IGHT IS THE INTELLIGENCE.”



مری خوشی ہے

مری ابرو ہے

میرا وطن ہے

اصحار فاطمہ

مری خوشی ہے مری ابرو ہے میرا وطن
مرا وطن ہے تنہا، مرا وطن ہے لگن

مرا وطن ہے جلالِ حیات کا دیرین

۱۰ اچلن ہے تمدن کا بے مثال چین

مرا وطن ہے محبت کا شان دار لگن

مرا وطن ہے سکون و قرار کا دین

مری خوشی ہے مری ابرو ہے میرا وطن

مرا وطن ہے تنہا، مرا وطن ہے لگن

مرے شعور مری آجی کا دفتر ہے

مرے خلوص، مری آرزو کا محور ہے

دل و نظر کے تصور کا ایک پیکر ہے

خیال و فکر و خیال سے ہی جس نے ہے

مری خوشی ہے مری ابرو ہے میرا وطن

مرا وطن ہے تنہا، مرا وطن ہے لگن

عظیم تلخ اسی خاک پر ہے جلوہ نشین

ہے جس کے گھٹن سے تابندہ تر جہاں کی جبین

اجتنا ادا ہوا بھلا ہیں اور کہیں

زمین تو ہے مگر آسمان سے کم بھی نہیں

مری خوشی ہے مری ابرو ہے میرا وطن

مرا وطن ہے تنہا، مرا وطن ہے لگن



ہادیہ مصطفیٰ آبادی

کتنے آدمی وقت پر دیکھے ہیں کی کی آشنا
کوئی آئے سرالِ الفت میں دل سے آشنا
دو ہڈیے حسنِ عاقب جو مجھے صبر و قرار
کوئی بھی میرے سوا ٹھہرا نہ میرا آشنا
یکلاں دام و جر میں اچھو کر رہ گئے
ایک میں ٹھکرا تھاری بنے رہی کا آشنا
جس جی امیں تو اسیرِ مصیبت ٹھہرا مگر
آپ کی ذاتِ مقدس سے چھٹانا آشنا
جز مرے کوئی نہ بھی اس خلعت کے قریب
وہ رنگِ اہمیت کس نشہ رقا آشنا
گورہِ الفت میں کی ہے ہر قدم پر رہتی
رہبری کا بنے سربانہ نہیں گئے ہر آشنا
کثرتِ عمل کو اس درجہ عقارت سے دو گھر
یہ کچھ رکھنا کہ یہ نظر ہے دریا آشنا
سوچتا ہوں زندگی کے اس بھوک بازار میں
کتنی سستی دیکھی ہے کتنا جھکا آشنا
تسلی ہے کوئی ہونا چاہیے حسنِ کمال
زندگی کی موت بھی کوئی ہے پیدا آشنا
اس قدر سے دوستی پر کس موسم کا اثر
جب ہوا اپنی ہوا کے ساتھ بٹا آشنا
آج اسی سادگی پر در رنگ مینا بڑا
کتنا میلا تھا وہ جس کو میں سبھی آشنا
فرق کو دوست طلب کے چاشنا تو چاہیے
ورنہ کچھ کون بھی کہہ دیتے گلوں کا آشنا
رنگ و بو تو اڑیلے یا خسر اس کو دیکھ کر
بھول سے بھٹو ہے کوئی اور تیرا آشنا
اک راز توں کو دم بھرتا ہے الفت کا مری
کاش تو بھی جانتا ہے کون کتنا آشنا
آج تو خوش ہوں کو مری فریادی کو دیکھ کر
کاش جو تیں مری آنکھیں اسکر فریاد آشنا
آپ ان بھرے جوے جلوں کے اندھا کیا
جو بچی سے اب نگاہِ سوتی پر وہ آشنا
جاوہِ دیر و حرم میاں سے بیچ و دم نہ گئے
جانتے والے ہیں ہلوی اب ہوئے نا آشنا

از سید قمر الحسن
ہیف ڈاٹر
مندیم بھوپال

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ

نئے امکانات

۱۹۷۷ء کو کچھ افراد یا پارٹیوں کی جانب سے ایک خاص مقصد، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ سازش کے تحت، ہفت لخت و طامت بنا یا جا رہا ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو نادانی یا دانشمندی یا حدیث کا شعور ہو کر اس ایکٹ کے خلاف سوچوں اور فتروں و ضد و بدلہ میں مبتلا ہیں۔ میں ایکٹ کو - حیثیت مجموعی اس کی تمام دفعات کے تحت - حوت آخر نہیں سمجھتا نہ کوئی دُوبی قانون آئنا صاحب اور مکمل ہو سکتا ہے کہ وقت اور زمانے کی تبدیلی کے اندر جو اس میں لفظ رکھنے کی گنجائش نہ ہے مگر جہاں تک اس ایکٹ کے مقاصد اور اس کی غرض غایت کا تعلق ہے میں اسے روح عصر کی آواز سے تعبیر کرتا ہوں۔

میں یہاں تک کہنے کے لیے تیار ہوں کہ آج اگر سرسید و مددہ ہوتے تو وہ تعبیر کسی تہذیب اور تامل کے اس قانون کے مقصد پر صاف ہی نہیں کرتے بلکہ اسے اے خوابوں کی بھی تعبیر بھی سمجھتے۔ یہ قانون کیا چاہتا ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو ملی اور خلیسی نقطہ نظر سے کتنا آگے بڑھا رہا ہے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ علی گڑھ یونیورسٹی کی نشاۃ ثانیہ، اس کے احیاء، بقا، اس کی ترقی اور بلندی کی طرف ایک بڑھا ہوا قدم ہے۔ وہ مسلمان جو یہ سمجھ رہے ہیں انہیں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ایسے ایک مسلم یونیورسٹی رہ گئی تھی اس پر بھی حکومت نے اچھے صاف کر دیا اور ایسا قانون نافذ کر دیا کہ آگے چل کر یہ نام کی مسلم یونیورسٹی غیر مسلم یونیورسٹی بن جائے گی جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس قانون کی منشا کے تحت مسلمان طلباء پر بہترین تعلیم و ترقی کے

۱۹۷۷ء کو کچھ افراد یا پارٹیوں کی جانب سے ایک خاص مقصد، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ سازش کے تحت، ہفت لخت و طامت بنا یا جا رہا ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو نادانی یا دانشمندی یا حدیث کا شعور ہو کر اس ایکٹ کے خلاف سوچوں اور فتروں و ضد و بدلہ میں مبتلا ہیں۔ میں ایکٹ کو - حیثیت مجموعی اس کی تمام دفعات کے تحت - حوت آخر نہیں سمجھتا نہ کوئی دُوبی قانون آئنا صاحب اور مکمل ہو سکتا ہے کہ وقت اور زمانے کی تبدیلی کے اندر جو اس میں لفظ رکھنے کی گنجائش نہ ہے مگر جہاں تک اس ایکٹ کے مقاصد اور اس کی غرض غایت کا تعلق ہے میں اسے روح عصر کی آواز سے تعبیر کرتا ہوں۔

میں یہاں تک کہنے کے لیے تیار ہوں کہ آج اگر سرسید و مددہ ہوتے تو وہ تعبیر کسی تہذیب اور تامل کے اس قانون کے مقصد پر صاف ہی نہیں کرتے بلکہ اسے اے خوابوں کی بھی تعبیر بھی سمجھتے۔ یہ قانون کیا چاہتا ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو ملی اور خلیسی نقطہ نظر سے کتنا آگے بڑھا رہا ہے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ علی گڑھ یونیورسٹی کی نشاۃ ثانیہ، اس کے احیاء، بقا، اس کی ترقی اور بلندی کی طرف ایک بڑھا ہوا قدم ہے۔ وہ مسلمان جو یہ سمجھ رہے ہیں انہیں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ایسے ایک مسلم یونیورسٹی رہ گئی تھی اس پر بھی حکومت نے اچھے صاف کر دیا اور ایسا قانون نافذ کر دیا کہ آگے چل کر یہ نام کی مسلم یونیورسٹی غیر مسلم یونیورسٹی بن جائے گی جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس قانون کی منشا کے تحت مسلمان طلباء پر بہترین تعلیم و ترقی کے

اس لیے ہم کو آج یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مل کو کون سا یونیورسٹی کا ہے ایکٹ
الطریقہ مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے جس کے پیش نظر سرسید نے
اسی یونیورسٹی کی ایم۔ اے۔ اڈکالج کی شکل میں زیلاوولی ٹی اور سیم سے
مسلمان طلباء کو ازریں متقبل و اہستہ تھا اور جسے گزشتہ کئی سالوں سے
ایک معقول قانون نہ ہونے کے باعث ٹھن گھا جا رہا تھا۔

ہم یہ سوچیں کہ یہ یونیورسٹی کا قیام کیوں کر ہوا باقی رہے یا نہ رہے ہم کو اس سے بحث
نہیں ہو تو یہ چاہئے کہ اس یونیورسٹی سے مسلمان طلباء علوم اسلامیہ اور دیگر
فنون میں تعلیم و تربیت پانے کے واسطے امکانات حاصل ہو سکیں جس سے وہ
ایک اچھے اور قابل مسلمان بننے کے علاوہ ایک عمدہ انسان بھی بن سکیں جو
صوت ایشیہ فرم کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم ایشیہ کے لیے مفید اور کامیاب ہوگا۔



مزاحیہ



جسے اسے تہاہر

اپنی نظر نہ ہند پہ مرکوز کیجیے
دل دیکھیے نکالتا ہوں کس صفائی سے
بیرس میں جا کے حُسن جہاں چوز کیجیے
دل دیکھیے نکالتا ہوں کس صفائی سے
کل رات کیا ہوا تھا بیاں نیوز کیجیے
مرغ شباب اسیر ہے ٹیڈی لباس میں
یونی کا لب آپ ذرا نیوز کیجیے
روشن ہے تنہا حسن تو پر دلنے آئیں گے
قافیں نہیں، یہ میرا دلِ لختِ لخت ہے
غیر دل کو پیش شوق سے تر بوڑ کیجیے

شاہر پند آپ کو بھنگا ہے یا ٹوٹ
ظاہر جناب اپنے ذرا دیوڑ کیجیے

اے بسا آرزو

میراج

علیؑ کے حباب سے افسردہ

جو کہ درستی اس لیے میں بس ہی سے مل بڑا میرے بھوپال پہنچے
پر خالو، خالو اور ان کے تمام بچوں نے عید میں خوشی منائی اور
مھے اس کا سہن چو کہ اب بھی دنیا سے محبت ہم میں ہمیں ملتی ہے
اور اپنا میت کی روایت برقرار ہے۔ گھر آگے یہ بھوپال تھا لیکن
رہنے والوں کے دل بڑے تھے۔ میں بالکل گھر کی طرح رہنے
لگا۔ چند ہی دنوں بعد ایک سرکاری دفتر میں کام کرنا شروع کیا
زندگی ایک ہو کر پرگت تھی اور دن گزارنے کے لیے میرا ہی ختم ہو گیا۔
اور گرمی کا موسم شروع ہو گیا۔

گرمی آنے ہی ایک لمحہ پیدا ہو گئی۔ خالو کا مکان بھوپال تھا
اور رہنے والے زیادہ سردیوں میں تو کسی طرح گھر بھوجانا تھا
لیکن اب بھوپال سے آگن میں شہر کا سونا کی طرح ملنے لگا تھا
دل تو اچھا بھلا آفس میں گھر جانا لیکن رات نصیبت بن کر
نازل ہوتی تمام کو دفتر سے دہیں آنے پر میں دیکھتا کہ اس مختصر
آگن میں بڑے فنکارانہ طریقے سے خالو، خالو، میاں جاوید
ہی سنگت تھے خالو بھوپالی اور بیلوان آبا کے بستر لگے تھے۔
ان کے ساتھ ہی شبنم، حیدر، شبنم اور بڑی بی بی گڑھ ہو کر رہیں۔
اس کے بعد اتنی گھنٹا میں ہی نہ رہی کہ ان کے دھیان سے مل کر کرتے
میں جایا جائے۔ کچھ کسی نہ کسی طرح باور کی خانہ کی مغلیہ والی
کوٹھری تک پہنچا ہی پڑتا تھا کیونکہ رات تو بھر حال اسی میں ہی گزارنا
پڑتا تھا۔ مھے خالو یا خالو سے کوئی شکایت نہیں تھی کیونکہ ان کی بھوپال
پر مھے کسی قسم کا شک نہیں تھا۔ ان کے خلوں کا آئینہ ابھی پہلے

جب میرا ایم۔ اے کا رزلٹ آیا تو گھر میں نوب
وہ خوشیاں منائی گئیں۔ پاس پڑوس کے سبھی مردوں
نے برٹھا بارک بادپش کی اور عورتیں اسی برٹھا سے اکٹھا
ہو کر کئی دنوں تک ایک دوسرے کی عینیت کرتی رہیں کئی بیویوں
اور شہ داروں نے تو پھوٹے ہوئے بے فزقہم کے تحفے بھی
پیش کیے اور خواہ مخواہ مھے اپنی اہمیت کا احساس دلایا۔
اس روز تو مھے اپنی کامیابی پر ذاتی عزور ہوا جس دن بھوپال
والی خالو نے میرے پاس ہونے کی خوشی میں گڑھ کی جلیبیوں
تقسیم کر ڈالیں۔

میں نے پہلے اسی لذت میں گزر گئے اور جب خالو کو تازہ جلا
کدوا اصل ایسا کرنے کا مطلب ہے ایسا لاشس حاصل
کر لینا جسے دکھا کر اپنے گھر بسر کا بندوبست کیا جاسکتا ہے۔
چانچ ہم نے بھی سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں کے چیکر
لگانے شروع کر دیے۔ جب کئی ماہ بھٹک چکا تو معلوم ہوا کہ
جو گرمی تو سبھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس سے صحیح فائدہ نہ
ہی لوگ اٹھا لیتے ہیں۔ تقاضی طور پر نا کام ہونے کے بعد میں
نے بیرونی طور پر ہم شروع کی اور دور دور رستہ داروں
دوستوں دوستوں کے رشتہ داروں اور پھر ان کے رشتہ داروں
سے رجوع کیا۔

دو ماہ گزرے ہوں گے کہ بھوپال سے خالو نے لکھا
کہ خود آجاء ملازمت ملے ہوئی ہے۔ بھوپال کی گاڑی میں

وہاں سے بڑی سی درمی سے ہانی کے چھیننے والی کرٹھنے کے لیے
مجبور کر دیا۔ اٹھنے پر عظم ہو گیا اور تھپ نہایت سہا سہا کے کر
تھر کے چنے دبا جو اچلوں کا اکوٹا جوڑا کوئی صاحب اپنا کھ کر اٹھالے
گئے ہیں۔ مجھ کو اٹھنے پاؤں گھر لوٹا بڑا۔

اس دن آٹھ بجے میں اس پریشانی کا بڑا کڑا تو سنگھ صاحب نے
دوسرا مکان لیے گا مٹھ رہ دیا۔ دفتر سے اٹھ کر وہ میرے ساتھ مکان
ڈھونڈنے نکلے تو یوں محسوس ہوا جیسے جہاں طائی کے سات ساتواں
میں سے ایک کا جواب تلاش کرنے کے لیے چل رہے ہیں جہاں جاتے
توگ ہیں اس طرح دیکھتے جیسے ہم کوئی ناقابل یقین بات کر رہے
ہوں۔ آپ کو مکان چاہیے؟ خوب! اسے بھائی اب مکان کہاں
ملے ہیں؟ کرہ تو کمین ملتا نہیں اور آپ دوسرے مکان کی بات
کر رہے ہیں؟ شاید آپ حال ہی میں کمین دیہات سے
آئے ہیں اسی لیے یہ بے فائدہ کوشش کر رہے ہیں؟

رات کو گیارہ بجے جب ہم ناکام لوٹ رہے تھے تو ہمارا
مشترکہ تناسبات تو حیل ل گیا اس نے بتایا کہ آج ہی شام کو
ایک مکان میں کے پڑوس میں خالی ہوا ہے۔ اس کے مالک بڑے واسے
بابا جی سے اس کے کچھ تعلقات ہیں لہذا صبح ہونے کے پہلے ہی
وہ ہیں دلا دے گا میں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے انھی آسانی سے
ہماری مشکل کو سہل بنادیا تھا ہم اس کے ساتھ مکان دیکھنے کے لیے
چل پڑے۔ پھر تو ڈیور چیلے کے بعد اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔
اے نالے کے دامن جانب تین دیواریں کھڑی تھیں۔ ادا کے اوپر
تین کی دو ایسی چادریں پڑی تھیں جن میں سے بیکسی خاص رحمت
کے آسمان کے بدلے ہوئے رنگوں کا دیدار ہو جاتا تھا۔ میں نے
لباقت سوچی سے دریافت کیا کہ وہ مکان کہاں ہے وہ وہ بھیجیر تا
سے بولا۔ یہی تو ہے۔ ابھی آپ نے لیجئے عید میں بابا جی سے اجازت
دلا دوں گا تو اسے اپنی مرضی سے رحمت کرا لیتے گا۔ بابا جی تو ساہو
آدھی ہیں انھیں کسی تیز کار لا رہے تو پڑے ہی ہے۔ اگر آپ ہر ماہ
کراسے کے فوسے روپے پیشگی دیتے رہے تو جب تک جی چاہے
رہیے گا وہ کچھ عرصہ ہمیں گے؟ پھر وہ ذرا رک کر دے مجھے بوجہ میں

ہی جیسا تھا، بس مکان کی تسلی نے اسے خیر کو دیکر دیا تھا۔
کچھ راتیں میں نے باورچی خانہ کی نفل والی کو کھڑی میں گزار لیں
لیکن جب گھڑی زیادہ بڑھی تو وہاں سونا نا مکن ہو گیا۔
وہ رات بہت گرم تھی۔ شاید اس پر سورج کچھ زیادہ ہی تھا۔
ہوا تھا۔ گیارہ بجے تھے تو کھڑی تھنی میں تبدیل ہو گئی اور میں
گھبرا کر باہر سرک پر آگیا۔ ہمارے کچھ سکون تھا۔ کافی دیر تک ٹھٹھنے
کے بعد منہ کا علیہ ہوا لیکن گھر میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ میں
دیوے استیشن کی طرف چل پڑا۔ پھر تو ڈیور چیلے کے بعد میں
پھر پلیٹ فارم ٹکٹ خرید کر سیکڑ کلاس کے ویٹنگ روم کا رخ
کرا۔ ابھی میں سونے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کر ہی رہا تھا
کہ تو کیدار نے جبر کی فائدہ پڑی کے لیے ٹکٹ طلب کیا جس نے
کمال لاپرواہی سے پلیٹ فارم ٹکٹ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا
ٹکٹ دیکھ کر وہ مجھے اسی طرح گھر لے لگا جیسے اچانک میرے
کان پیکوں میں تبدیل ہو گئے ہوں یا پھر ناک نے چھٹے بڑھے
سر کی شکل اختیار کر لی ہو جس کی سیہرٹ کچھ کم ہوتی تو اس نے
ٹکٹ میرے ہاتھ پر رکھ کر انگلی سے پلیٹ فارم کی جانب اشارہ کیا۔
میں نے یہی عنایت جانا کہ اس نے اپنی زبان کو قصیدہ خوانی کے
لیے رحمت نہیں دیا اور سر ہلکا کر کہا: نکل آیا مسافروں کی فستری
نگا میں دیر تک جھپٹی رہیں اور سب ادھر ادھر جھنگتا رہا۔ اب وہ نکل
چکے تھے، گھر تین میل دور تھا۔ میں غالب آ رہی تھی اور تھک کو آؤں بھی
جانا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اسٹیشن کے سامنے والے
پارک میں گئی سوچی مات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں پسپا تو ایسا عرصہ
ہوا جیسے کسی جو تانسانے والی کہی میں پہنچ گیا ہوں کیوں کہ دوسرے
پارک میں گھاس پر لوگ اسی طرح پڑے ہوئے تھے جس طرح بچوں
کے اندر جوتے اٹنے کو رکے رکھے جاتے ہیں۔ میں بھی ایک کوسے میں
چلیں سر کے تنے دبا کر پڑا، پاؤں کی طرف جگہ تھی کم تھی کہ وہ
لمبائی رہے۔ کئی ماہ بعد مجھے آسمان کے نیچے سویا تھا، پاؤں
کے سرکے ہوئے اور اس پاس جسموں کی سندید گڑی کے باوجود
مجھے خند آئی۔ میں نہ جانے کب تک سوتا رہتا لیکن مضافاتی کرنے

بادرہی خانہ کی بغل والی کوٹھری میں تھا اور خاردار سہانے میٹھی رو
میں تھیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ نگہ صاحب نے ساڑھے چار روپے لے
کر وہ ناول لے لیا تھا۔

میں نے اخباروں میں ایک ستارہ تھا "دنیا کا سب سے بڑا
ناول۔ ادب کی تاریخ میں تنگہ صرف سرورنی دیکھ کر ایک شخص
یہوش ہو گیا آج تک ایسا خوفناک دل نہیں کھتا تھا۔ ہاتھ ہاتھ
بک رہا ہے آپ بھی فوراً اپنی جلد حاصل کر لیجئے ورنہ دیکھ کے ایڈیشن
کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

دو دن بھی رہے کہ بعد دفتر پہنچا تو یہ عورت تنگہ لگ بھگ مذاق ادا نہیں
کے لیکن وہاں صلاحیت سول سی گئی تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میرے
درد کو سب سمجھتے ہیں۔ اسی روز معلوم ہوا کہ میرے ساتھیوں میں سے
مقریشا نصف دھرم تالاؤں یا ستر روں میں رہتے ہیں کچھ لگ
اے بال بچوں کو اس لیے ساتھ نہیں رکھ پاتے کہ وہ کوساں خاؤ
اور مسجدوں کے قبروں میں گرن گرتے ہیں۔ جن کے پاس نیلی ہے ان
کے مکان بھی ہمارے مکان سے مختلف نہیں ہیں۔ ان اطلاعات نے
میرے زخم پر ہر دم کا کام کیا۔

ڈاکٹر اگر وال میرے قریبی دوست ہیں، اب انھیں میری
زبوں حالی کا یہ جلا تو وہ مجھے اپنے ایک قریبی دوست کے پاس
لے گئے۔ ان حضرات کے ہاں زاد بھائی کے سالے کے بچا دولت
نام کا مکان خالی تھا۔ جب ہم دو گ دولت نام کے پاس پہنچے تو
انھوں نے ایک سوال نامہ دیتے ہوئے کہا: "ہب! اطمینان سے
اے کھر کر دے جاوے گا ہمارے پاس اور بھی کافی سوال نامے
آئے ہیں۔ اگلے ہفتہ ان سب پر غور کیا جائے گا۔ اگر آپ ہمارے
معارف پر پورے اتنے تو مکان آپ کو مل جائے گا۔" میں نے ہر
پہلو کی نزاکت اور ہر مسئلے کی اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے
نہایت ہی احتیاط کے ساتھ ان کے کہیں سوالوں کے جواب
بھر کر ان تک پہنچا دیے۔ مکان کافی اچھا تھا اور کرایہ بھی معقول
تھا۔ اس لیے فیما و شام انھیں سلام کرنے کی غرض سے ان کے
در پر حاضر ہونے لگا۔ آج کل سفارتوں کا زمانہ ہے لہذا پتہ

پولیسنگر کا دیکھتے کہ پشام کو خالی چواہر نہ اب تک تو اسٹ
چکا ہوتا۔ ہم نے کافی سوچنے کے بعد بادرہی خانہ کی بغل والی کوٹھری
ہی کو خیمت مانا۔

دوسرے دن آئیں جانے ہوئے نہیں میں سیریل جی مل گئے
انھوں نے بتایا کہ ان کے ایک دوست ہیں منظور صاحب۔
اردو کے بہت بڑے ادیب ہیں۔ انھوں نے خالی مکان کا
تذکرہ کیا تھا۔ میں نے اور سنگھ صاحب نے دفتر سے چھٹی
لی اور منظور صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ وہ بہت بااخلاق
انسان ثابت ہوئے۔ اندر ڈرائنگ روم میں بٹھایا، سترت
پلایا، اسگریٹ میں کیا اور میں نے تنگہ لگتی تازہ کمیاں لے کر
رہے جب کافی دیر ہو گئی تو سنگھ صاحب نے پہلو بدلا اور
دھیرے سے منٹاے "منظور صاحب ہم آپ کے پاس ایک ضرورت
سے حاضر ہوئے ہیں۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے "لے فرما لے۔
فرمائیے، سنگھ صاحب نے جھجکے جھجکے کہا۔" وہ

وہ..... خالی مکان..... ۱۴ اور منظور صاحب کھل اٹھے
"اچھا اچھا میں سمجھا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے نا قدر کو ستر تازہ دانہ
"۔ اور صاحب یہ حقیقت ہے۔ دہائی آپ دونوں حضرات
ملک ادب کے بادشاہ ہیں۔ آپ ہی جیسے درد اہوں کی دھیرے
اس بدری دور میں بھی ادب زندہ ہے۔ ابھی حاضر ہوا۔ وہ
اندر چلے گئے، سنگھ صاحب "لے" استاد کام بن گیا۔ اب
دعوت کرنا ہوگی۔ ہوں میں نہیں نے "گھر میں" میں نے قسم کھا کر
انھیں یقین دلایا کہ مکان ملنے کے بعد کرایہ نکال کر قبضہ سمواہ
ان کے حوالے کر دوں گا۔ اتنے میں منظور صاحب براہ جوئے ان
کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ انھوں نے سنگھ صاحب کی جانب
بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بیٹے قدر وہاں ہیں جو اس طرح فکر آکر اسے
لے رہے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ اب بکھا تھا۔ خالی مکان بیران کا
پہلا جاسوسی ناول تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے چھوٹے بڑے
دارتے گھومتے گئے۔ ان میں کسی کا رنگ سرخ تھا، کسی کا سیاہ
کوئی زرد تھا اور کوئی آسمانی۔ پھر مجھے کچھ خبر نہیں۔ تنگہ کھلی تو میں

یہ مزہ سب کا کہ دولت نام بہت اصولوں کے آدمی ہیں اور ان کے
سے کسی طرح کی سفارش ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ آپ نے
بہت نصائح کی حجت ہوگی میری ایک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں
اپنی حالی اور خستہ جب کی اشک خونی کرتے ہوئے اللہ کے بیک
پڑی خالی اور خستہ عیب کی اشک خونی کرتے ہوئے ان کے نیک خواہشات
وہیں چھوڑ کر میں بلا کیا چند دنوں بعد دولت نام سے ملاؤ اس نے بتایا کہ
دیئے تو میں طرح ان کے مقررہ معیار پر پورا ہوں لیکن جو کہ ابھی میری شادی
نہیں ہوئی ہے اس لیے یہ مکان مجھے نہیں مل سکتا۔ میرا سنا
موت بازو عرض کیا کہ میں ضرور غیر شادی شدہ ہوں لیکن میرے
ساتھ میرے خاوند بھی ہیں جن کی بارات پندرہ سال قبل ہمارے
اپنے مکان سے گئی تھی۔ اس کے توش کے طور پر مختلف سازندوں
کے یونہی دھن بچے ان کے دروہ و پیش کیے جاسکتے ہیں۔
دولت نام نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میں نے
انہیں یقین دلانا چاہا کہ اگر انہوں نے مکان مجھے دے دے یا تو اسی
ماہ کے اندر اسے اپنی شادی کا مہر بنا دل کرادوں گا لیکن ان
کی گردن کاٹوں کی سمجھ میں ملی تو مقرر ہوئی۔

دولت نام کی نفی کا بار اٹھا ہے ہوئے تین ہفتے ہو چکے
تھے۔ ایک سرپر کو مسودہ صاحب لے آئے تو بولے کہ جہاں تک آپ
مرغی بازار میں یوسف پہلو ان کے جائے حاز کے سامنے ایک
مکان خالی ہے اپنے ٹھکانے بھائی احسان کو لے کر وہاں پہنچا تو
معلوم ہوا کہ ایک بیوہ اپنا مکان کرایہ پر دینا چاہتی ہیں یہ معاملہ
کے بروہ والے اس مکان کے دو دانے پر پہنچے تو ایک سزا دانی
آواز آئی "بیٹے دماغی کو آواز تو دینا" میں نے وہیں تھیلی ہونٹی
ایک پیوٹیکار آتے چلا کر منی دھارل بڑی لی کی اس مرغی کا
نام ہے جس کے سفید پروں پر سرخ رنگ کے پھٹے ہیں۔ میں
اور بھائی احسان اس کی تلاش میں چلے کوئی آدھ گھنٹہ کی گفت
کے بعد وہ گھوڑے پر نظر آئی۔ ایک طرف سے میں نے اسے دیکھا
جانب سے بھائی احسان نے اسے گھیرنا شروع کیا جب قریب
پہنچے تو کہنے اس پر ہاتھ مارا تو وہ مارا لاتی ہوئی اڑ گئی اور اس

کا نام شروع کیا کہ اچھے کون لوگ ہیں جن کی بات دولت نام مان
سکتے ہیں۔ بڑی دوا صاحب کے بعد اچھے وہ اسٹامپ کا نام معلوم
ہوا جو مکان حاصل کرنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ پہلے صاحب کے
طاقت کی تو انہوں نے کہا کہ آپ وہ گزشتہ انہیں کا تصدیق
شدہ میرے سرٹیفکیٹ اور کسی مقامی باعوت شخص کی ضمانت
لائے پھر میں اس سلسلے میں سوچوں گا۔ دوسرے حضرت سے ملاؤ
وہ دیر تک بڑے خوشگوار موڈ میں ادھر ادھر کی بات کرتے رہے
پھر بولے "آپ تمام کو بھولی رحمت میں آجاسے پھر تفصیل سنوں گا؟"
پہلے میں حالی سیاست سے لیکر مکان کے مسئلے تک گفتگو کر کے
مات کے دس نیچے جب ہم اٹھے تو یہ نے کیا وہ روپے کا
بل میری جانب بڑھا دیا۔ باہر نکل کر انہوں نے بڑی لاہر داری
سے ٹھیکہ کو آواز دی اور مجھے کہا "پہلے کہاں جاسے گا آئیے
مجھے پھر دے دے اسی سے آپ بھی گھر نکل جائیے گا"۔ ٹھیکہ
والے کو چار روپے ستر پیسے دے کر جب میں باورچی خانہ کی نفل
والی کو گھڑی میں داخل ہوا تو اس سے میرا دل بڑھ گیا تھا
تیسرے روز بہت لگنے پھر ان کے پاس پہنچا۔ وہ اسی خوش
اخلاق سے پیش آئے "آئیے کیے حضرت! کہنے مزاج تو بخیر ہیں
آپ کے! بھلی صاف کیجئے گا اس قدر مصروف رہا کہ آپ کے
کام کے لیے وقت ہی نہ نکال سکا۔ آج شام کو طے کیجئے
بالکل پکی رہی۔ میں کافی دیر تک بادل خواستہ جھوٹی جھوٹی
باتوں اور ٹھیکوں سے انہیں خوش کرتا رہا۔ جب اٹھ کر چلنے لگا تو
وہ بڑی بے تکلفی سے بولے "بھئی سید صاحب میں تمام کو مرد
گھٹ گھٹ کر لوں گا، آپ سو رہے آجائے۔۔۔ اور ہاں آپ کو تو
توجہ دینی لیکن آپ کی بھائی کی دوا ہے اس لیے مجھے آپ سے تو ایک
ملاویب کام رہیے آئیے۔ کئی دنوں سے وہ کہہ رہی ہیں لیکن
مجھے فرصت نہیں تھی۔ آج شام کو لانے کا ارادہ تھا لیکن آپ کے
کام سے چلا جاؤں گا اور ان کے مزید ناسخہ جو جائیں گے۔"
تھر دیکھیں راجا دیکھیں ان کے مصداق سو رہے ہی سو رہے سبب
کام نہ لے کر ان کے گھر پہنچا تو انہوں نے بہت ہی خوش خوش

تامل دیکھ کر کہتی تھی۔ لیکن بھائی احسان نے خلاف توقع عمل سے کام لیا اور میرا بازو پکڑ کر مجھے تھام کر سرگرم کردیا۔ کافور دور پہنچ کر جب ہم دم لے کر لے کرے تو احساس ہوا کہ تقریباً بے دم ہو چکے ہیں۔ پھر بھی خداوند عالم کا شکر ادا کیا کہ دل نے اپنا کاروبار جاری رکھا تھا۔

مکان تلاش کرتے ہوئے مجھے دس ماہ ہو چکے ہیں۔ برسات کی آمد آ رہی ہے اور میں باورچی خانہ کی بنفل دانی کی پٹری میں سوتا ہوں۔ جب بادشہ ہوتی ہے تووری رات چھت پرانگیں شعلہ دہتی ہیں کیونکہ باران رحمت کا ایک قطرہ بھی باہر گرنا منع نہیں ہوتا۔ شاید یہ پورا اس صبح کا بدلہ ہے جو جو شیشہ تھینا تھا میں میرا رفیق رہا ہے۔ سنا تھا کہ میرا رحمت کا چھل چھلایا تھا۔ مجھے اس عقولہ کی صداقت پر قہری اختیار نہیں ہے کیونکہ دلی میرا درسلل صحت کے باوجود دس مہینے تو کھلے چلے ہے بھی محدود ہوں۔ اب تو یہ صورت چھٹی ہے کہ جب بھی کسی سے ملتا ہوں تو مجھے اس کی اداسی کے بال بچوں کی خیریت دریافت کرنے کے کسی خالی مکان کا پتہ نہ پوچھنا پڑتا۔ اس کا بھی پتہ نہ چلے گا کہ میں ایک ایسا مکان ڈھونڈنے میں کامیاب ہوا ہوں جس میں پٹ پٹ کرے لوگ اپنی مرضی کے مطابق ایک ایک چار پاؤں پر لٹ کر سو سکیں۔ امید ہے دنیا قائم ہو کر میں بھی اسی امید کے سہارا بنوں اور انصاف میں اپنے گھر کا دروازہ کھولوں۔

کی پرواز کے ساتھ ہی میری بھی کچی عزت نے بھی پرواز کیا۔ کچھ عرصہ اس حکم کے کوئی نصف درجن باجرات اذیت عزت لوگوں نے ہیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور اس صدارت کے باہر ان کے دندہ مستقبل تانیاں بچا بچا کر مری چور مری چور کی آوازیں لگا رہے تھے۔ ہم نے لاکھ سمجھائے کی کوشش کی کہ ہم مری چور مری چور کے حوالے نہیں ہیں بلکہ اس مری کی مالک کی درخواست پر اسے کر رہے تھے لیکن جو منچوں والے ایک صاحب برابر ہیں برا بھلا کے چلنے سے بد میں پتہ چلا کہ جس مری کو ہم بڑی کی ملکیت سمجھ کر کھانے کی کوشش کر رہے تھے، دراصل وہ انھیں حضرت کی تھی۔ بہر حال ایسے حادثاتی مواقع پر کچھ شریف لوگ بھی پہنچ جاتے ہیں یہاں بھی تھے اور انھوں نے معاملہ کو سمجھ کر جاری جان بچا کر ایک برنگ نے کہا کہ چلے میں آپ کا مسئلہ ہے کہ ادوں گا؟ ہم پھر وہاں پہنچ گئے۔ مکان دیکھا، ایک کمرہ اور برآمدہ تھا۔ بڑی بیٹے کے کمرہ کے برآمدہ میں سادہ خود رہا تھا اور کمرہ کے پرانے دیو گئی۔ کرایہ دار کے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی سوا اس کے کہ اس کے بویے رہ جو ان کی موجودگی کا خیال کر کے ان کے کام آئے اور اپنی عاقبت مسوارے کام بھی کوئی خاص نہیں بس یہی کہ وہ فون دقت پانی بھرے، باہر سے سودا دھیرہ لادے اور ان کی مریوں کی نگرانی کرے۔ مریوں کا ذکر آتے ہی میری وہی کیفیت ہونے والی تھی جو منظور صاحب کا



فجہ البھی بہتے کچھ کورنا ہے (صفحہ ۴۰ کا حقیر)

عزیزہ اور گھر پر استعمال کی اشیاء ہاتھ سے بنا کر درخت کی جاتی میں جن کی آمدنی سے کچھ طبقے کے عورتوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یو ایچ آف جی جلیوں اور تقریبات میں حصہ لیتا ہے۔ ہلاک اس کیندر کی مصنوعات کی فروخت کے لیے انھیں جگہ جگہ جانا پڑتا ہے۔ وہ غریبوں کی ہمتوں میں پائندی سے جاتی ہیں اور ہر ایک کی خواہش کو کھٹے صفائی، غلامانی منصوبہ بندی وغیرہ کے بارے میں بتاتی ہیں۔ بڑے ترانی ایٹار اور خدمت خلیں کی طبقی ترقی خلاصت ہیں۔

سہارہ براہونچا پھانگی ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ نہیں۔ میں بھی ریٹائر ہوئی ہوں گی۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ میرے چاروں طرف ابھی بھی بہت اور تداست رہتی ہو ہے اور بے دم دروازے کے بندھنوں میں پھنسا ہوا اسلحہ کی کچھ دے گا وہ طبقہ ہے جس کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے ہلاک اس کا ذکر کیا کہ اسے باسے میں پٹایا جو دنیاوی طور پر پہنچا جس کو تین کے لیے کھو گیا ہے۔ یہاں مری سلا

غزل

✱ ————— قذیحیت

اک مجھ ہوں عسیم اسید کی کھولو مجھ کو
میں کہ خود ہی میں چھپا ہوں ذرا دھونڈو

اختلافات کی دادی میں اندھیرا ہے بہت
دیکھا ہے تو ذرا بڑھ کے ہی دیکھو مجھ کو

میں اسی تہر کا گستاخ سا باندھ ہوں
ذرا انجان بچا ہوں سے ٹٹو مجھ کو

ایک مہم جوں بھر دے پر تین ٹھیک نہیں
کوئی امید نہیں مجھ سے تو بھڑو مجھ کو

ظفر کو ناہیت آسان ہے لیسک بارد
وقت مل جائے اگر تم کو تو سو جو مجھ کو

سامنے ایک شمس اساکوئی چہرہ ہے
اجنبیت کا ہے احساس بگاڑو مجھ کو

عاشق شوق پہ ناکامی کا دھبہ ہوں قذیح
جو جو ممکن تو کسی طور ہی دھو مجھ کو

غزل

• ————— مظفر انشاء

نظر ملائیں تو کس طرح بے سہاراں سے
لہو ٹپکتا ہے بجھتے ہوئے چراغوں سے

یہ رہبری تو فقط منزلوں کا دھوکہ ہے
گزر رہے بھی اپنی اپنی راہوں سے

اکیس لین میں میں یکسانیت ڈرتی ہوں
حیات نکھری حوادث کے تیز وھاوٹ سے

جہاں بھی دیکھا تبسم نواز گوگوں کو
بڑے خلوص سے ملتے ہیں اشکباروں سے

جنوں پسند مزاجوں کو کون سمجھائے
مرا بھئی ربط ہے روٹھی ہوئی بہاروں سے

کودوں میں شکوہ اغیار کس زباں سے نکلے
لگے ہیں زخم تو اپنے ہی خیر خواہوں سے

شیشے کے فصیلے

○ ————— محمد عابد بن صاحب

پگھلے ہوئے لبوں سے یہ چلتا ہے پتا بھی
اس شہر میں رہتا ہے کوئی تسلسلہ نوا بھی
ڈرتا ہوں کہ قسمت اسے "بچر" نہ بنادے
اپنے لیے میں نے جو کوئی "بھولی" چنا بھی
کیا جائے، کہاں کھو گئے خوشی کی طرح وہ
میں جا قدم ان کے تعاقب میں جلا بھی
ماحول کے زخموں کی تکک دیکھے والو
حالات کے دھاگوں سے کوئی رخم سیا بھی
راکب رہے جسم سے ظلمات کے دھبے
راتوں کا بدن چاند کی کروں سے دھلا بھی
ہر تنہ کی مہاسی ہے تری آنکھ کا کاجل
ہر صبح کا رتہ ہے ترے رُخ کی صبا بھی
ہاتھوں میں تو بنادیلے زنجیر کے کنگن
نکس ہو تو محصور ہو دل کی صدا بھی
لفظوں سے تراسا ہے ترے جس کا بیکر
شعور میں سو ہے ہیں ترے مار واد بھی
پتھر کی چٹانیں بھی تو ہیں راہ میں صابرو
شیشے کی فصیلوں کو اگر توڑ دیا بھی



خشک سالی سے متاثر علاقوں کے باشندوں کے لیے مرکزی امداد اور ریاستی اقدامات ●● مرزا پریم سنگھ کا معاملہ کوٹنے کے لیے ملٹی بینک کی مالی امداد ●● دیہی انجینیئرنگ سروس کے لیے روزگار کی فراہمی ●● اتر پردیش میں مرہ ۲۰ لاکھ ایکڑ آڑھس کے لیے آبپاشی کی سہولتیں ●● یالی ٹیکنیکوں میں مختلف نصاب کا اجرا ●● نئے ترقیاتی ملاکوں میں مراکتہ برے کام کا آغاز ●● تعمیر کے لیے تقریباً ۴ لاکھ ایکڑ آڑھس دستیاب ●● پانی اٹھا کر آبپاشی کی نئی سرزمینیں ●● دوم جمہوریہ کیسٹلنگ تک ۲۳۶ نئی ڈسٹرکٹ ہاؤسنگ فام کرنے کی تجویز ●● مجاہدین آزادی کو سکامات اور پلاٹوں کی فراہمی ●● جہازوں سے متعلق کنٹرول حکم نافذ ●● متصرفات

کے کل مصارف ۲۲ کروڑ روپیہ ہیں۔ اس بینک سہ ۷ کروڑ روپیہ کی رقم خزانہ کی حاکمیت ہے۔

انھوں نے آبپاشی، تعمیرات عامہ، جنگلات اور زمین کے تحفظ سے متعلق محکموں کے اصرار کو ہدایت کی کہ وہ جنگی پیمانہ پر پروگراموں کو بروئے کار لائیں۔ انھوں نے افسروں سے کہا کہ اس سلسلہ میں کسی قسم کے حدود لگ کر ہدایت نہیں کیا جائے گا اور انھیں اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ ان کروڑ روپیہ کی بقیہ رقم مناسب طور پر مصروف میں لائی جائے اور پروگراموں کے تحت کام مقررہ مدت یعنی آئندہ ڈیڑھ سال کے اندر مکمل ہو جائیں۔

وزیر اعلیٰ نے سید افسروں کو خبردار کیا کہ اگر آئندہ پندرہواڑ میں بارش نہ ہو تو وہ کسی بھی جنگی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے چکنا چریں۔ انھوں نے کہا کہ ایسی صورت میں آئندہ تین یا چار مہینے سماج کے گزروں طبقوں کے متعلق چلائے گئے۔ انھوں نے گزروں طبقوں کو کام اور روزگار فراہم کرنے کے لیے انھوں سے کہا کہ وہ تیز رفتاری سے کام لیں اور دیہی علاقوں میں بیروں گاڑی دور کرنے سے متعلق دیگر اسکیموں کو تیزی سے عملی جامہ پہنائیں۔ وزیر اعلیٰ نے حکم مال کے افسروں کو ہدایت

وزیر اعلیٰ شری گلاپی تریباٹھی نے حال ہی میں اس امر کا اکتشاف کیا کہ اتر پردیش میں خشک سالی سے متاثرہ افراد کی امداد اور ریکارڈنگ کے لیے مرکزی حکومت نے اتر پردیش کو ۲۲ کروڑ روپے کی مالی امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ مذکورہ رقم میں سے کیسے دی کیسے لے کر ۲۲ کروڑ روپیہ ضائع نہ ہو۔ انھوں نے متاثرہ عوام کی امداد کے لیے ۲۲ کروڑ روپیہ اور بقیہ رقم متاثرہ عوام کو بیج کی خریداری اور امدادی کام شروع کرنے اور مفت امداد دینے اور دیگر مقاصد کے لیے قریب فراہم کرنے کے واسطے ہوگی۔

وزیر اعلیٰ انھوں میں اعلیٰ سطح کے ایک جلسہ میں ریاست کی خستہ کاری صورت حال کا احوال اور اکثر و بیشتر خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے علاقہ امدادی پروگراموں کا انھوں نے متاثرہ علاقوں کے لیے شری تریباٹھی نے اکثر و بیشتر خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے علاقہ امدادی پروگراموں کی سب سے زیادہ برائیاں اور تشریف کیا جو مرزا پریم سنگھ کے علاقہ آباد - ہندو - ہمسیر رہا اور دھالون کے چھوٹے اضلاع میں جاری ہو۔ وزیر اعلیٰ کو مطلع کیا گیا کہ مرکزی حکومت کی طرف سے چلائے ہوئے پروگراموں

کی کردہ جہاں کہیں بھی ضرورت ہو غریب اور محتاجت مند افراد کو مدد فراہم کرنے کے لیے امدادی کام شروع کریں۔ انھوں نے کہا کہ منصوبہ جاتی اسکیمیں اور تیز رفتار اور دیگر پروگرام حواس کو آئندہ دیکھنے میں کمی آئی۔ بہت مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لیے عوامت فراہم کریں گے۔

جلسہ میں دیگر افراد کے علاوہ وزیر اجتماعی ترقی شریانی۔ اس کیخ
ویر مال شریانی شریانی شریانی۔ لے۔ خان فیروز
گودا شریانی علی اور نائب وزیر شریانی کے۔ شریانی شریانی کے۔ اس
کے علاوہ جلسہ میں چیف سکریٹری شریانی۔ لال۔ ذراستی بدلاؤ کٹر
شریانی۔ ڈی سانیال مختلف ڈویژنوں کے منسٹر اور محکموں کے سربراہ
علی موجود تھے۔

عالمی بینک جنگ سالی سے اکثر دستبردار ہونے والے ممالک
مراہد میں جنگ سالی سے متعلق علاقائی پروگرام کے لئے کاروبار
کی مالی اعلا دیے سے مراد مہم ہو گیا ہے۔ مصلحہ عالمی بینک کی شہرے
ریاست کے جنگ سالی سے متاثر ہونے والے مصلحہ علاقہ دورہ کرنے
کے بعد کہا ہے جو اسے کچھ حصہ فیل کھا۔

یہ پروگرام اگر دو روپے کی لاگت کے اس مرکزی پروگرام کے علاوہ ہے جو ریاست کے جنگ رانی سے سب سے زیادہ شائق ہیں۔

یہ اصطلاح دارالاسی، مرزا پور، الد آباد، نامہ، ہیسر پور اور حائل میں منجاری ہے۔ مرکزی پروگرام کے تحت جسے مارچ سنہ ۱۹۶۹ء تک مکمل کرنے کی خواہش ہے، ۵ روپے آبیائی کی ایک سو پانچ سو روپے خرچ کر اعلیٰ ہوگا۔ اس کے علاوہ ان اصطلاح میں ۹۰ کوٹھڑیوں میں کوٹھڑیوں کی تعبیر کے لیے ۲۲ روپے کوٹھڑیوں کے لیے رقم مخصوص کی گئی ہے۔ شجورائی اور زمین کے تحفظ سے متعلق ایک سو پانچ روپے کوٹھڑیوں کے علاوہ ایک سو عالمی بینک نے جس پروگرام کے لیے امداد کی پیش کش کی ہے وہ ضلع مرزا پور میں اس وقت شروع کیا جائے گا جب اس کی مستعد کیا جائے گی۔

کے خانے مرکزی حکومت منظور کر دے گی۔ پروگرام کا بنیادی مقصد کم و بیش مستقل طور پر حالت کی صورت حال کو ختم کرنا، زیادہ تر قومی دنیا اور سماج کے تمام طبقوں خاص طور پر چھوٹے کسانوں اور بے زمین

تاریخ

مزدوروں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

اس سلسلے میں ریاستی حکومت نے ایک ماسٹر پلان تیار کیا ہے جس میں متعدد درجہ اول اسکیمیں شامل ہیں۔ یہ پلان منظوری کے لیے مرکزی حکومت کو بھیج دیا گیا ہے۔

ریاستی حکومت نے جھوٹے چمپانے کے تعویضاتی کاموں کی رپورٹیں
کرنے کے لیے گزشتہ جولا میں قائم کی گئی دیہی افسیہ رنگ سروس کے
تحت ۸۔۱۱ اسٹنٹ افسیہ ۴۲۴ اور ۴۲۵ کی تقریبی ہے تاکہ
دیہی علاقوں کی رہائشی کو درکار کیا جاسکے۔

صلح عمریٹ کی نگرانی اور درہنہائی میں دہی اچھیر رنگ کی لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیراتی کام میں دہی علاقوں میں معاون سرکاری عینے کے بانی کے کڑوں۔ ہلاک کی ہماروں۔ سیاحت گھروں اور ہاتھوں کی صحت مرکزوں کی تعمیر سے متعلق کام تھل ہے، مکمل کیسے گی۔ دہی اچھیر رنگ سرسوس ہر سال تقریباً ۵۰۰ افراد کو دہی گھرانہ کی طرح جس میں راستہ کے ۴۰۰۰ خیر ہنرمند مزدور بھی شامل ہیں۔

رہنمائی حکومت کے بعد در مقام پرمیوٹر اطلاعات کے مطابق
 لیبانی سال رواں کے اوّل مہار ماہ میں ۹۵۸۷ طوب ۲۸۰ بیسنگ سٹیل
 اور ۳۸۱۸ رپوں کے لگ جانے اور ۵۱۰ بیخہ کنوڑوں کے تعمیر ہوجانے
 سے اتر پردیش میں مزید ۲۰ لاکھ ایکڑ آراضی کی آبپاشی کے لیے
 سہولتیں مہیا ہو گئی ہیں۔

ترقی کا ارضی بینک نے مکمل مدت کے دوران ۱۷ لاکھ روپے کے قرضے دیے جبکہ اس کا مالیاتی سال ۱۹۷۱ء کے لیے قرضے دینے کا نشانہ ۳۳ لاکھ روپے ہے۔

مرا سلسلہ خالص مجاہدوں سے کہا ہے کہ وہ مجھ سے پہلے کے کہیں اپنی جگہ پر رہیں اور میں ان کے ساتھ رہوں گا۔

ریاستی حکومت نے تکنیکی تربیت اور انجینئرنگ کے مخصوص

نشیوں میں روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کے لیے کچھ پالیٹیکنیکل میں مختلف قسم کے متعدد پلوما انصاب شروع کیے ہیں۔ یہ انصاب مقامی ضروریات اور ریاست کی صنعتی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر تیار کیے گئے ہیں۔ نئے تربیتی انصابوں میں پی۔ ایچ۔ ایم۔ بی۔ یال ٹیکنیکل، مینھار میں تین سال کی مدت کا آڈیو ٹائپل کورس (جس میں مین ٹائپ کے داخلہ کا بندوبست ہے) ایس۔ جی۔ ایس۔ جے۔ ایلی ٹیکنیکل، خود مدہ۔ میں سیریکس۔ شیشہ اور پلاٹنگ ٹیکنالوجی سے متعلق رسرچ انصاب (جس میں تیس طلباء کے داخلہ کا بندوبست ہے) اسکرائیوٹس یال ٹیکنیکل، گھنٹوں میں طوالت کی ڈرائنگ اور مقامی سے متعلق دو سالہ انصاب (جس میں تیس طالبات کے داخلہ کی گنجائش ہے) اور بی تال پال ٹیکنیکل نئی تال کا دس باری طریقوں سے متعلق دوسرا ترمیم انصاب شامل ہیں۔ موزالڈر انصاب کے لیے تیس تئیں ہیں۔

نئے پیمٹ ڈیجیٹل انصابوں میں نئی تال پال ٹیکنیکل نئی تال میں بلند مقامات پر پال ٹیکنیکل سے متعلق ایک سال کی مدت کا انصاب (روٹیشنل) اسکرائیوٹس یال ٹیکنیکل، اور پورس ایک سال کی مدت کا صنعتی انجینئرنگ کورس (دو تئیں) اور گورنمنٹ یال ٹیکنیکل گورنمنٹ میں ایک سال کی مدت کا ایگریکچرل سائنس اور ایگریکچرل سائنس (دو تئیں) شامل ہیں۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ یال ٹیکنیکل مھاسی میں الکٹرانکس میں ایک سالہ انصاب بھی شروع کر لیا ہے جس میں تیس طلباء کے داخلہ کی گنجائش ہے

اتر پردیش کے انتہائی حد درجہ اقتصادی قانون ۱۹۶۶ء میں مجوزہ ترمیم کی عین قانون ساز سے منظور کی جا چکی ہوئے مختلف ضروریات کے لیے زمین اور اس میں جن میں ہر مین بھی شامل ہیں، تقسیم کے لیے ۶۰ لاکھ ایکڑ زمین کی دستیابی متوقع ہے۔ اس تقسیم سے ۱۵ لاکھ دس کھے مستفید ہوں گے۔

مجوزہ ترمیم سے نہ صرف جو زمین کی انتہائی حد تک مچھانے کی جگہ مذکورہ بالا قانون کی خامیاں دور کرنے میں بھی مدد ملے گی جس کا فائدہ اٹھا کر مچھانے کا ایک خاص طبقہ ایسے مفاد کو پورا کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں جو متعدد اہم اقدامات کیے گئے ہیں ان میں مذکورہ قانون کے تحت فراہم کردہ متعدد مراعات کا استعمال ہے جس کا سہارا لے کر کھائیدار جو زمین کی انتہائی حد سے زیادہ زمین پر تانیں رہتے ہیں۔ اس امر کے پیش نظر کہ قانون کو پچھلی تاریخوں سے نافذ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو زمین سے دست بردار ہوئے کا اختیار کم کیا جا رہا ہے۔ خاندان کے ارکان کی زمینیں بھی کھائیدار کی جوت میں شامل کی جائیں گی تاکہ وہ اپنی سیوی یا مالانہ جوت کے نام پر انتہائی حد سے زیادہ زمین اپنے قبضہ میں نہ کر سکے۔

اتر پردیش میں ۱۹۶۶ء قانونی ملاک جو سن ۱۹۶۶ء میں ختم کر دیے گئے تھے اب چھ سال بعد ۱۹۷۲ء سے دوبارہ کام کرنے لگیں گے۔ تمام ترقیاتی بلاکوں میں جن کی تعداد اب بڑھ کر ۷۰۰ ہو چکی ہے کی توسیع کرنے کے لیے ضروری کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔ بلائی سطح پر نظم و نسق کی اس طرف سے اصلاح کی جا رہی ہے کہ متعدد ترقیاتی اسکیموں کو تیزی سے برے کار لایا جاسکے اور مکمل کیا جاسکے۔ ڈیویژنل کمشنروں سے کہا گیا ہے کہ وہ اسٹینڈرڈ پیمینٹ افسروں اور متعدد ترقیاتی محکموں

حکومت اتر پردیش نے فٹ آپاشی نہروں سے آبپاشی پر دو ملی محمول نظام کو ختم کرنے اور آبی نہروں سے آبپاشی کے لیے شیشہ دول اول کی شرحیں نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ آئندہ کم اکثر برے نافذ ہوگا۔ اس سلسلے میں محکمہ آبپاشی کے عہداری کوہ پریس نوٹ میں کیا گیا ہے۔ اس دفع ریاست

میں لٹ آجاتی تھیں اس لیے اس قسمی برود عملی معمول نظام نافذ ہے اس بنیاد پر مذکورہ شہر میں نہروں کے لیے رافٹیشنل ایڈولپمنٹ فرم سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ آبپاشی کی صلاحیت کا پورا پورا استعمال کر سیکے بے حکومت نے اس پیچیدہ نظام کو ختم کر کے اور ایسی لٹ نہروں سے آبپاشی پرستیڈل اول کی ترس میں وصول کرنے کا فیصلہ کیا ہے ان ترسوں کا اطلاق یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء سے ہوگا

جولائی سے اکتوبر تک ہر ۱۲۰۰۰ گیلن پانی کے لیے ایک روپیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جبکہ اس وقت ریاستی ٹریب ویڈوں سے پانی کی فراہمی پر ہر ۸۰۰۰ گیلن پانی کے واسطے ایک روپیہ وصول کیا جاتا ہے سال کے بقیہ حصہ کے لیے ہر ۱۰۰۰ گیلن پانی کے واسطے ایک روپیہ کی شرح مقرر کی گئی ہے۔ ان ترسوں کا لغاؤ بھی یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء سے ہوگا۔

آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ کے سلسلہ میں گزشتہ ۱۵ اگست کو سرووے کے نئے ایک خصوصی پروگرام کی تحت ریاست میں ۴۵ ایلیمنٹیک اور ۱۲ آرڈریک ڈسپنسریاں قائم کی گئی ہیں۔ محکمہ علاج کی تیار کردہ ایک ذہنیت کے مطابق ریاست بھر میں ۲۵ حوزی سنہ ۱۲۰۰۰ گیلن مجموعی طور پر ۱۲ ایلیمنٹیک ۲۶ آرڈریک اور ۲۰ ہومیو پیتھک ڈسپنسریاں قائم کی جائیں گی۔ گاندھی جینٹی۔ میڈل نہرو کے یوم پیدائش وزیراعظم شہریتی اندر آگامی کے یوم پیدائش اور یوم جمہوریہ کے موقعوں پر ڈسپنسریاں کھولنے کے فیصلے مقرر کیے گئے ہیں۔

ریاست میں باؤسنگ کارپوریشن کی جانب سے مکانات کی تعمیر سے متعلق مختلف اسکیموں کے تحت تیار کیے گئے پانچ قیعدہ بلاٹ اور تعمیر شدہ مکانات مجاہدین آزادی کو الاٹ کرنے کے لیے محفوظ کر دیے جائیں گے۔

مجاہدین آزادی کو یہ بلاٹ اور مکانات تسلیم کرنے کے بجائے بغیر نفع و نقصان کی بنیاد پر دیے جائیں گے۔ یہ سہولت صرف ایسے مجاہدین آزادی اور ان کے پسماندگان کو حاصل ہوگی جن کے پاس رہنے کے لیے اپنا کوئی مکان نہیں ہے۔

کارنگ ۱۸۹۳ء تک

حکومت اور برکشن نے ریاست بھر میں مہاؤں سے متعلق سٹرڈل حکم سنہ ۱۹۵۷ء نافذ کر کے عام تقریبات، تعلیمی باہ اور تجمیہ و تگلیں جیسے خصوصی موقعوں پر مرض خورد و ناخش کی خاطر بے جامعہ صارت کے پیش نظر غذائی اجناس کے استعمال اور مہاؤں کی تعداد پر پابندی عائد کر دی ہے۔

یہ نیا حکم غذائی اجناس کے استعمال پر پابندی سے متعلق حکم سنہ ۱۹۶۶ء کی جگہ پر ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۶۶ء سے نافذ کیا گیا ہے۔

اس حکم کے تحت عام تقریبات کے موقع پر ایک دن میں ۲۵ سے زیادہ مہاؤں اور سادگی اور تجمیہ و تگلیں سے متعلق خصوصی موقعوں پر ۱۰ سے زیادہ مہاؤں کو ناجائز اور والوں سے بنی ہوئی غذائی دستیار اور تمام قسم کی مٹھائیاں کھلانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

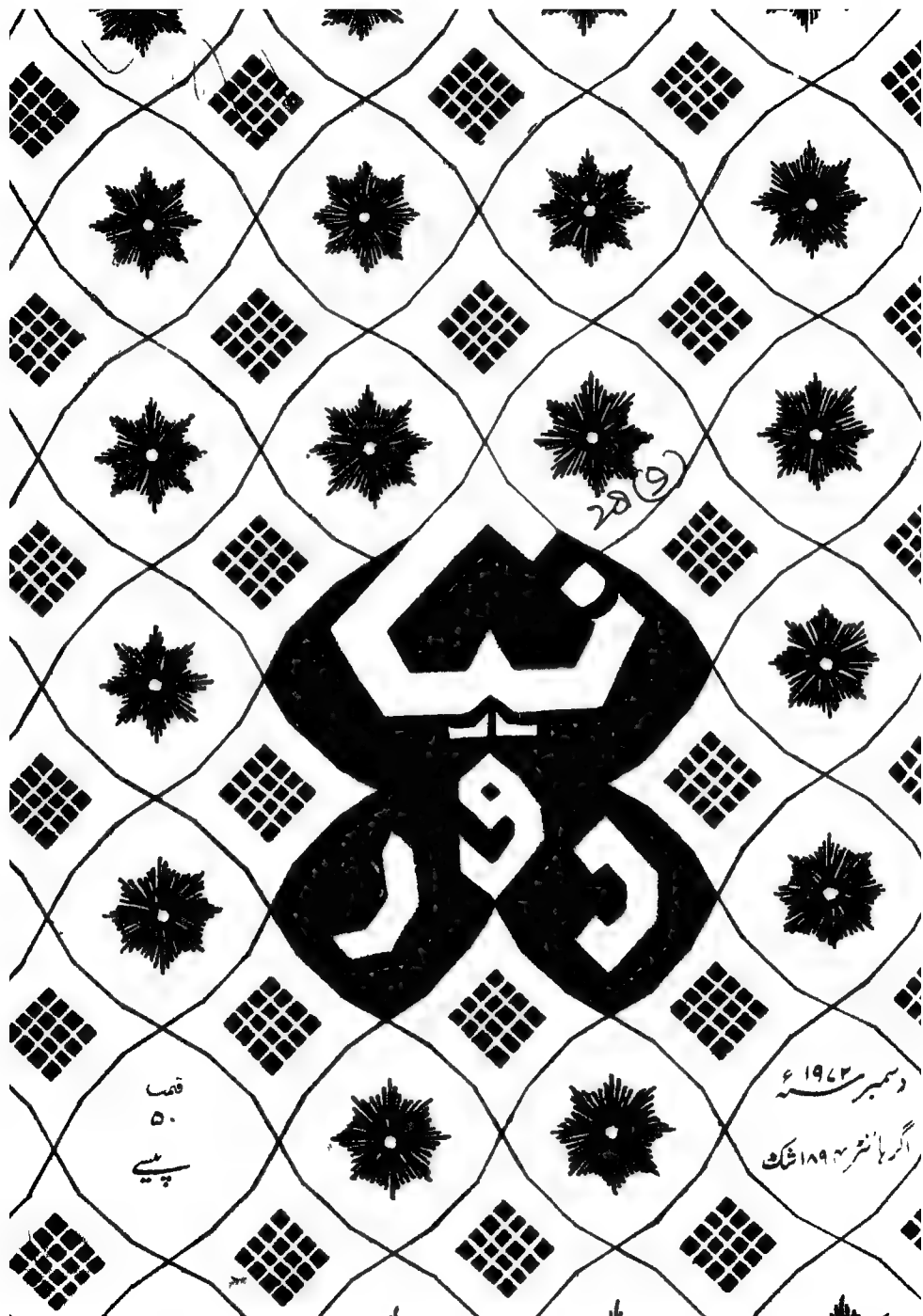
متفقہ فائدے

امدادی پروگرام میں مٹرگوں کی تعمیر۔ ریاست کے خشک مالی سے متاثرہ ۲۲ ضلع میں امدادی پروگرام کی تحت دیہی علاقوں میں مجموعی طور پر ۱۵۲۹ کیلومیٹر کی سڑکوں کی تعمیر پر غور کیا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کے تحت جس پر تقریباً ۶ کروڑ روپیہ کی لاگت آنے کی ہر ضلع میں ۲۲ کیلومیٹر لمبی دیہی سڑکوں کی تعمیر کی تجویز ہے۔ ہر ضلع میں ان سڑکوں کی تعمیر کے نتیجے میں دیہی مزدوروں کو ۵۳۵۰۰۰ کام کے دنوں کا روزگار فراہم کیا جائے گا۔

واجبات کی وصولی میں رعایت۔ اتر پردیش ریاستی بجلی بورڈ نے ناکالی بارش کی پیش نظر اپنے سپر ٹرنڈنٹ انجینیئروں اور انجینئروں انجینیئروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بھی خوب دلوں یا پیپنگ سٹیشنوں کے بجلی کے کنکشن بجلی حاجات کی عدم ادا کی کی بنا پر آئندہ ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۵۷ء تک نہ لائیں۔

ان ہدایات کا اطلاق بہر حال ایسے ٹریب ویڈوں اور پیپنگ سٹیشنوں پر نہیں ہوگا جن کے کنکشن واجبات کی عدم ادا کی کی وجہ سے پہلے ہی کاٹے جا چکے ہیں۔

۱۹۶۶ء



۲۵ (۹)

دسمبر ۱۹۶۲ء
اگر ماہنامہ ۱۸۹ اشک

قصب
۵۰
پے

محتویات

۲	اپنی بات
۳	ایچ کیائی ڈرائیو کالمیہ
۱۱	عزل
۱۲	ہیرو 'دانشیہ'
۱۳	خط کے انتظار میں (مستطوم خط)
۱۵	عدالتوں اور قزوں سے فارسی کا احوال
۲۱	غزل
۲۲	شہید آراوی - رام پرساد سیل
۲۶	برلوریں پاکستان سے خطاب (مطم)
۲۷	آگینہ (احسان)
۳۱	عہد سیمیں (مطم)
۳۱	پاکستان کے ادب میں عقیدے (مطم)
۳۲	ایشیا - ۲
۳۶	غزل
۳۶	قطعات
۳۷	شادی حان آبادی (در احیہ)
۳۹	محبوبوں کی کھیتی - سبر انقلاب
۳۹	ادب رحیت لال
۳۲	کچھ کلام آئیں میں غزل
۳۵	کے بارے میں
۳۵	اتر پردیش شاہراہ ترقی پر

مجلد کے صفحہ ۱۱۱ پر غلطی کا حوالہ دیا جاتا ہے، خطری نہیں کہ حکومت اتر پردیش سے پہلے اس کی



اگر ہائرس ۱۸۹۲ اشکات
دسمبر ۱۹۷۷ء
چند سالوں پہلے
فیضیت سے بھاس ہے
ایڈیٹر
خورشید احمد
برلوریں
شرومنی شرمہ
ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات - اتر پردیش
بھوپال
اشوک در
پرنٹرز ہنگوٹ پرنٹری - پوہی
مطلبہ
نیو گورنمنٹ پریس، عیش باغ، کھنڈو
شاید مکتوبہ
محکمہ اطلاعات - اتر پردیش

اسرائیلیت

✱ ————— ✱
اسرائیلیت یوسف

کوسے کے لیے اساتذات، حرکات و سکنات سے کام لیتا پڑتا ہے اس لیے
اگر یہ سچ ہے کہ "ڈرامے کا فن ڈراما نگار کا نہیں بلکہ اداکار کا فن ہے تو دراصل
یہ بچوں کا فن ہے ماہر ڈرامائی انسان کا؟" (۳) اس میں شک نہیں کہ موجود
دور میں بھی ڈرامے اور نقیض کی بہت سا لگ ہے اور کسی نقیض میں تاثرات
کی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن ان تاثرات میں اکثریت اے بھیر، لوگوں کی ہوتی
ہے جو اپنے دہسے اور فحاشیاں مکمل تقلید یا کسی نفسیاتی وجہ کی بنا پر پیچھے
رہ گئے ہیں اور ان میں فنون لطیفہ کی عملی تسوں سے غلط طور پر عملی صلاحیت
موجود نہیں ہے۔ اس تمام سببوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسٹیج ڈراما
وہ دور سے دھن کا ہونا یونانی، مختلف قسم کے مصائب کا شکار ہے۔
خاص طور پر یونانی اسٹیج ڈراما شاید سب سے زیادہ خطرناک لگایا ہے جس کے
باعث اس کے عملی بھی کوئی واضح حصہ رہا ہو سکا۔ پروردگار تعالیٰ
یونانی اسٹیج ڈرامے کو مورد خطاب خود اسے میں فرماتے ہیں جس طرح
میں صورتوں میں مختصر انسانوں کی راہ میں اور فریضوں کی راہ میں
کھڑی ہو گئی ہیں اسی طرح یونانی بتیلیس ایچے مکمل ڈرامے کے راستے میں
حائل ہیں۔ یہ تھیلے والی ڈراموں کا بدل نہیں بن سکے گی۔
جب تک بانی اسٹیج ڈرامے کے سلسلے میں صورت حال یہ
ہو تو ظاہر ہے کہ اس مصف کی رقی کے راستے محدود ہو جاتے ہیں اور ہر

اردو کیانی اسٹیج ڈراما وہ مصنف (مصنف ادب) ہے جس کی طرف
مذہب و طوائف اور سادگی اور سادہ اہمیت حاصل ہوتی حوسوں لطیفہ کی
دوسری اصناف کو حاصل ہے۔ اس کی وجہ ہمارے کچھ نقصانات ہیں جو اس
فن کے مقابلے میں ہیں زیادہ عزیز ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن "جس وقت
اردو ڈرامے اسٹیج پر پہلے تیار ہوئے تھے اس وقت ہمارے ادب اور فن
ڈرامے کو ادبی صنف تو کیا فن سرگرمی تک قرار دے ہوئے نکھاتے تھے
لیکن اس سے ملتی بات وقتاً بوقتاً بڑھتی چلی گئی ہے کہ اس لوگوں نے ڈرامے
کو ایک مصنف ادب تسلیم کیا ہے ان کا انداز مصنفیت کا ہے۔ ایسے لوگوں
کا کہنا ہے کہ ادبی اصناف ڈرامے کے لیے بنیادی حیثیت نہیں رکھتے۔
مستطیعین و سوسائٹی ڈرامے کے متعلق جو اختلافات فرماتے ہیں وہ بھی
اور بھی نہیں فرماتے ہیں (۱)۔ "کلیہ ادب کی اس تہو پر خطیں جو انھوں نے
کل دھماکا کاغذات لکھتے ہوئے غزل کے متعلق تحریر کیا ہے کہ رول ایک
نیم دستیار مصنف شاعری ہے ذرا تعجب کر کے ڈرامے کو ایک نیم دستیار
مصنف ادب نہ بھی کہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ادبی قسم کا فن ہے جو طبعی
یا فنی اقوام یا نیم خواندہ اور ادوار کم عمریوں کی ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر لکھا
اور پیش کیا جاتا ہے" (۲)۔ اس طرح اسان کی طرح کوئی ایسے
تجزرات کے اظہار کے لیے اپنے مافی الضمیر کو موثر اور دل شیش انداز میں

لے محض اردو ڈراما آرا دی کے بعد ہمارے آج کل ڈراما نویسوں کی تعداد ۶۲ ہے اور ساتیس دسوی ادب میں ڈرامے کا مقام ماہرستان
بدلتی ستمبر سنہ ۳۶ء کے صفحہ ۲۵ دسوی ادب میں ڈرامے کا مقام ماہرستان شاعری علی سربراہ ص ۳۶ ص ۲۸ ص ۲۸ ص ۲۸
جدید دور ڈراما اور اس کے مسائل، ماہر۔ آج کل ڈراما نویسوں کی تعداد ۶۲ ہے

طرح پورے وقت کا ڈراما ہو یا کیا ہی وہ اسٹیج اور ادب دونوں سے اپنا رشتہ قائم کرے ہوئے۔ گو ڈراما نگاران دونوں میں توازن برقرار رکھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اس سے ڈرامے کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور کاکوئی ایسا باقاعدہ اسٹیج نہیں ہے۔ اگر اس میں دس پانچ ڈرامے کا جوں اور اسکو کے اسٹیج پر رکھ لے جاتے ہیں یا کچھ خوشین مزاح کو ایک دو ڈرامے اسٹیج کر لیتے ہیں یا کچھ پیسہ دروگن ایک دو ڈرامے دکھلا دیئے ہیں تو اس کو اسٹیج کا جو قیل میں کیا جا سکتا۔ اور جو کیا ہی نہیں ہے اس بے صفت ڈراما کو اگلے نظر انداز کر دینا اس صنف کے ساتھ انصاف نظر نہیں آتا۔

اس طرح ڈرامہ کی دو چیزیں ہیں ایک اس کا ادبی ہونا اور دوسری اس کا تھی ہونا۔ جتنی سے جتنی اس کی وہ تکنیکی حیثیت ہے جو اس کو دوسری اصناف سے جدا کر کے اسٹیج پر پیش کیے جانے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ ادبی سے مراد زبان و بیان کے ساتھ اس کا زندگی اور اس کی عجیب و غریب کوئتی کو سامنے۔ ڈراما نگار اس کے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ زندگی کی عکاسی انسانے اور ناول میں کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان کے جذبات اعلیٰ کا اظہار شاعری میں کیا جا سکتا ہے تو یہ بات بھی میں نہیں آتی کہ ڈرامے کو ادب سے کیوں خارج کر دیا جاتا ہے یا اس کی ادبی حیثیت کو قبول کرنے میں کون سا موانع ہے۔ حکایت نامہ ادبی کی جیسے کہ ہیں، انسان کے احساسات و جذبات اس کے غموں اور سرتوش میں اندازہ سے پیش کرتا ہے اس میں واقعت اور تاثر زیادہ ہوتا ہے اس لیے اسے قطعی ادب سے خارج کر دینا یا تو اصلیت پسندی ہے یا بھروسہ ڈرامے کی طرف سے تعجب۔ اور کئی اسٹیج ڈراما نہیں ہے کہ اس کی ادبی حیثیت مسلم ہے بلکہ اب تو وہی ادبی شاعری بن کر رہ گیا ہے۔ فیکس کے ڈرامے اگر اپنے اندر اسٹیج پر کیے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو وہ انگریزی ادب کے بھی شاعر ہیں۔ یہودیہ عجیب کے زیادہ ڈرامے اپنی زندگی کی کرداروں کے ہوتے ہوئے بھی ادب پارے مزہ ہیں۔ پھر ہر ڈرامے کو ادب میں نال کرنے سے کیوں ترس لے ہیں اور اسے بطور ادب قبول کرنے میں کون کی قناعت ہے۔

ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوتی جادیں ہیں جہاں حقیقت یہ ہے کہ اس طرح انگریزوں میں غرض کیا کیا ہی ڈرامے کی ابتدا کرتے ہیں۔ (CURTAIN RAI-ZERS) سے ہوئی جو ڈراما شروع ہونے سے پہلے ان تاشائیوں کی دیکھی قائم کرنے کے لیے دکھلائے جاتے تھے جو وقت سے پہلے تاشا گاہ میں آجائے تھے۔ اسی طرح اردو کی بانی اسٹیج ڈرامے کی ابتدا اس بھولے بھولے کانکس سے ہوئی جو پادسی تھیٹر میں ڈرامے کے شروع یا آخر میں دکھلائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ انگریزی کے بھولے بھولے بھی لوگوں کو اس باب میں کیا۔ اس کے علاوہ ان کا لوں اور اسکو میں جو انگریز مشنریوں کے ذریعہ چلائے جاتے تھے انگریزی کے کیا ہی ڈرامے اسٹیج کیے جاتے تھے ان کو دیکھ کر اردو والوں کو بھی اس صنف میں دلچسپی پیدا ہوئی اور کیا ہی اسٹیج ڈرامے سے حیا۔ اس لیے یہ خیال کر کیا ہی یا غصہ ڈرامے کی ابتدا اور اسٹیج کی صورت سے نہیں بلکہ ادبی حیثیت سے ہوئی حقیقت سے بعید ہے۔ ڈاکٹر مائیکسن کے سرائے کا دوسرا حصہ کچھ ڈراما خاص ادبی چیز ہیں مگر اصل طرح۔ ڈاکٹر صاحب موصوف سے صاحب ادبی جو گردانتے ہیں جگہ جگہ عظیم کو ڈرامے کی ادبی حیثیت پر ہی شک ہے۔ اس قسم کے متضاد بات لے ڈرامے اور کیا ہی ڈرامے کو ڈراما تعان پہنچا ہے۔ ڈاکٹر مائیکسن کو اس کے خاص ادبی ہونے کا شک اس وجہ سے ہوا ہے کہ ابتدا میں کچھ رنگوں نے ڈرامے کے لوازمات سے قطع نظر کے مکالمے لکھے اور ان میں ادبی چاشنی ہی کھروٹی سمجھا مگر جوں جوں کیا ہی ڈرامے کے معلق علم ٹھٹھا گیا یہ رکھاں بھی ختم ہونے لگا۔ ممکن ہے آج بھی کچھ لوگ ایسے مکل آئیں جو صنف مکالمے ہی کو ڈراما سمجھیں۔ مگر اب کیا ہی ڈرامے پر قطعی طور پر یہ کہ نہیں لگا یا جا سکتا کہ وہ کیا ہی ادبی مکالمہ بن کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح ڈراما عظیم کے اس خیال سے بھی انصاف نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ڈرامے کا تعلق ادب سے ہے ہی نہیں۔ درحقیقت پورے وقت کا ڈراما ہو یا کیا ہی۔ یہ ایک وقت اسٹیج اور ادب سے اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہے مگر یہودیہ عظیم ختم زمانے کو ڈراما ادب اور اسٹیج کی کجائی سے تخلیق کے سیکر میں دکھلاتے ہیں۔ اس لیے عالمی ادب میں وہ ڈرامے کامیاب ہیں جو دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ اس

لے یہودیہ عظیم سین حیدر ڈراما اور اس کے مسائل بار بار آج کل کی ڈراما نگاری سے ملے ۷

کی سند سے آزاد ہے۔ حکم اسٹیج ڈراما جو اخلاقی حدود اور بیک کا باندھ اور زبان کی قید میں جکڑا ہوا ہے جو وحدت تاثر کے لیے لازمی ہے۔ ریڈیو ڈراما کا کلون اور آواز کا کھیل زیادہ ہے جبکہ اسٹیج ڈراما اصل و حرکت پر زیادہ زور دیتا ہے اور مکالمے شاذی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ مکالمہ مکمل و حرکت اسٹیج ڈراما میں بے بولے مکالمے میں جو زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے کہیں زیادہ مست اثر کرتے ہیں۔ اس طرح اسٹیج ڈرامے میں جنت نگاہ اور فردوں کو کشاکش مل ساتھ ساتھ جلتا ہے جبکہ ریڈیو ڈراما میں صرف فردوں کو کشاکش مل ہے۔ ریڈیو ڈراما نگار ان تکنیکی بندشوں سے آزاد ہے جس میں اسٹیج ڈراما نگار جکڑا ہوا ہے۔ چونکہ ریڈیو ڈراما انسان کے طرح زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اس لیے غلط فہمی کہ غلط ڈراما اس میں ریڈیو اور اسٹیج ڈراما دونوں شامل ہیں افسوسناک ہے کہ اس کا رد کیا ہوا غلط نہیں ہے اور چونکہ ریڈیو ڈراما اور اسٹیج ڈرامے کو گڑبگڑ کرنے کا رجحان عام ہے اس لیے ریڈیو ڈرامے کو اسٹیج ڈراما سمجھ کر اراک نگاہا جاتا ہے۔ اگر دونوں کو علاحدہ علاحدہ کر کے دیکھا جائے اور ڈراما نگار کی واضح طور پر یہ کھڑکیں کہ ریڈیو ڈراما ہے تو یہ غلط فہمی تری حد تک دور ہو سکتی ہے۔

ایک اور دوہر یہ بھی ہے کہ اکثر کسی طرف کے تحت ریڈیو ڈرامے کو اسٹیج ڈراما میں تبدیل کر کے کی کوشش کی جاتی ہے مثال کے طور پر یہ سمجھ لیا کہ ریڈیو کے لیے لکھا گیا تھا اگر بعد میں اسے چند تبدیلیوں کے بعد اسٹیج ڈراما کا روبرو آجائے۔ بیدی ایک بڑے فنکار ہیں اور اس میں اسٹیج ڈراما کے لوازمات پیدا کر کے میں تو کامیاب ہو گئے مگر تصادم کی دھندلہ ند سے نکلے ہوئے اسٹیج ڈراما کے لیے مردی ہو۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں کی جاکتی ہیں اور ایسے ڈراموں پر افانٹ کا شک پیدا ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات اور بھی غور طلب ہے اگر ہم اردو کی کلاسیکی اسٹیج ڈراموں کا غور سے مطالعہ کریں تو ہم کو ان میں دو طرح کے ڈرامے نظر آئیں گے۔ ایک ایسے ڈرامے جن کی بنیاد خاص خارجی تصادم پر ہوتی ہے اور دوسرے ایسے جن میں تصادم داخلی ہوتا ہے۔ جن ڈراموں میں تصادم

اسے بھراں منفعت لاسے سے خارج کر دینے کا کوئی معقول حوالہ نہیں ملتا۔ آتا۔ جس سے ایک بڑا طبقہ ہے اس خیال سے متفق نہ ہو لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ریڈیو پر ڈرامے کو اس کو لطف اندوز کیا جاسکتا ہے اگر کم تر سن کر لوگ اعمال ہو جاتے ہیں تو یہ کونسی جگہ کہ بعد میں نہیں ہوتے۔ پھر دراصل کہ بڑے صف میں کون کی قیامت ہے انا کو ڈرامے کو اسٹیج سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں تک اس کے ادبی پہلو کا تعلق ہے اس کے لیے ڈرامے کو بڑھانے کوئی غرضی بات نہیں ہے۔ لیکن برعکس سے ڈرامے کی طرف سے جو تفسیر ذہنوں میں پیدا ہو جاتی ہے اس کا دور ہونا بہت مشکل ملتا ہے۔ ایک اور عام اعتراض اس کے کہ کلاسیکی ڈرامے کے تعلق کیا جائے؟ وہ یہ کہ ان ادبی نقطہ نظر سے کچھ جملہ اسے نقطہ ذما میں پر غور انداز کا فن غالب نظر آتا ہے یہ اس میں شک نہیں کہ اکثر صاحب موضوع کے اس اعتراض میں غرور ہے اور اعتراض بھی ضعیف سے بہت قریب ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کیوں ہے۔ وہ تحقیق ڈراما جو پورے وقت کا ہو کیا کیا ہی تری حد تک فارمولائی فرم ہے اور جب بھی اس فارمولے کو نظر انداز کیا جاتا ہے ڈراما انسانوں اور ان کے تعلق کے اور کوئی چیز بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جناب محمد صاحب نے میرب ایک ڈرامے "داروغہ" پر اپنا نام متاع لکھی اساتذہ ماجہ سلسلے میں بحث کرتے ہوئے ڈرامے میں کشمکش کو ضمنی شے قرار دیا ہے اور جو کہ ضمنی شے کو نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے اس لیے ایسے ڈرامے میں کشمکش کو نظر انداز کر دیا جائے گا ڈراما نہیں رہے گا بلکہ انسان سے قریب ہو جائے گا۔ ایسے ہی ڈراموں پر ڈاکٹر حامد حسن کو اس کے کائنات غالب نظر آتا ہے اور ان کا اعتراض بھی یہی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسے اور جو صف میں ہے ریڈیائی ڈرامے اور اسٹیج ڈرامے کو گڑبگڑ کرنے کی نئی چیز پیدا کر کے کشمکش ہے جس کا نتیجہ ہے کہ اسٹیج ڈرامے کے بارے میں ایسی بگڑاؤں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم اسٹیج ڈراما اور ریڈیو ڈرامے کا فنی مقابلہ کریں تو ہم کو دونوں میں بنیادی اور جتن فرق نظر آئے گا۔ ریڈیو ڈراما زمان و مکان

لے ڈاکٹر تہجد حیاتین اور دین محمد ڈراما، انہماک سلسلے میں ۱۶ جلد دوسرے سہ صدی اہمات قدح اول جلد شہدہ ۱۳۳۱
ڈراما سلسلے میں ۱۳۶ تا ۱۶۲، ۱۶۵

کی بنیاد عالمی حالات یا کسی مضحک سیوا میں پر ہوتی ہے اس میں ڈرامائی عنصر بہت واضح اور حالات کی انٹلیجیبل سیر بہت تیزی سے ہوتی ہے جیسے ڈراما کا ڈسٹنس ہے جو اگرچہ منٹ دس منٹ کا ڈراما ہے مگر واقعات کی تیزی ڈرامے کو برق پراس بنادیتی ہے یا جیسے جیوڈ کا سموگتس اور "صحت ختم" میں جن کی بنیاد مضحک سیوا میں پر ہے۔ حالات تیزی سے بدلے ہیں اور کچھ بھی تو ایسیج پر دھما جو ٹوکیو گانگن ہونے لگتا ہے مگر ڈرامائی کیفیت برابر قائم رہتی ہے۔ دوسری قسم کے ڈرامے وہ ہیں جن میں ایک انسان دوسرے انسان سے یا ایک قصور دوسرے قصور سے نہیں بکرتا بلکہ انسان خود اپنے آپ کے دست و گریباں بھڑا رہا ہے۔ ایسے ڈراموں پر بھی افسانیت کا اہرام عائد کیا جاسکتا ہے۔ یہی کہ کہ ڈرامے "تیلھٹ" میں ماں اپنے کسی جذبات سے متصادم نظر آتی ہے یا مسکرت "حسن میں کڑھو اپنے آپ سے متصادم ہے۔ میں سے خود گیا ہے کچھ ڈراموں میں ایسے ہی تجربے کیے ہیں جیسے "حاجو تیا شہ" "دم قدم اداس سوڑا" "موسیٰ خشت" اور ڈاکٹر کلین کی "الہی" "حسن کوئی حاجی متصادم نہیں ہے بلکہ کردار اپنے آپ سے متصادم نظر آتے ہیں اور ہمیں بھی ایک دوسرے سے ہمیں ٹکراتے۔ اس سلسلے میں معدت کے ساتھ ہر عرض ہے کہ ہم نے ڈرامے کا مقصد ایسیج پر دھما جو ٹوکیو بھڑا ہے۔ اپنے آپ سے ٹکراتے آہستہ مرزد کرداروں کی ذہنی دنیا کو دیکھنے میں ملے ہیں آہستہ۔ آگوا آئی۔ ایس جو ہر کا ڈراما "بھڑکا متدھ (جوش) اور یہی کی ڈراما تھٹ بیک وقت ایسیج کیے جائیں تو ہر دو کام شدہ کام باب رہے گا اور تیلھٹ کا کام ہر جگہ کہ تیلھٹ زندگی سے بہت قریب ہے۔

ایک اور طرز کو کہا جاتا ہے وہ یہی ڈرامے اور ایسیج ڈرامے کا

المجلد ۹۳، شماره ۱

کی کوئی گنجائش پیدا نہیں کی گئی ہے۔ دوسرے واقعات کی ترتیب اس طرح ہے کہ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف بارہ سالے کی حیثیت تیار کر رہا ہے جس میں طبعیوں کے کمزورتیاں تک سب کچھ ہے مگر ذرا ناہمیں۔ اس کے مقابلے میں، کوئی کچھ، یا کچھ جس میں لا تعداد کمزوریوں کے باوجود کمزورتیاں کی واضح صورت موجود ہے اور زیادتی مقصد نہیں نکلے گی۔ وہ بھی نہیں ہوتا۔ دہلی اور خاں کی کمزورتیاں کے توازن نے ڈرامے کو بڑا بھاری بنا دیا ہے یا پھر، جو ٹکڑے ٹکڑے ہیں، دہلی اور خاں کی کمزورتیاں کا کلی فائدہ فتنہ کی کالی نہیں بخور نہیں ہوتی۔

یہ فتنہ اختتام حین سے وحدت تاثر کو چھٹی وحدت قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کمزورتیاں وحدتوں پر غور کریں تو اس کا حاصل یہی ہو گا کہ کمزورتیاں وحدتیں جو بھی وحدت پیدا کرے گی یہی وحدتیں آئی ہیں۔ گویا چھٹی وحدت وہ مرکز ہے جس کے حصول کے لیے باقی وحدتیں گور کمزورتیاں کر رہی ہیں۔ خاص طور پر وحدت زبان و مکان۔ یہی کمزورتیاں وحدت یعنی وحدت عمل جس کے متعلق اختلاف صاحب فرماتے ہیں کہ ”در اصل اس کا (وحدت عمل) مقصد یہ ہے کہ جو درداد زبان کی جارہی ہے اس میں کسی قصے کو ظاہر کی نہ پیدا کی حالت اور نہ المیہ اور طبع کو کوئی نہ کیا جائے۔“ اختلاف صاحب نے وحدت عمل کے دھڑی اور قرار دیے ہیں۔ پہلا قصہ کی کالی اور دوسرا المیہ و طبع کو کوئی نہ کرنا لیکن وحدت عمل اور وحدت تاثر میں میرے نزدیک بنیادی فرق ہے۔ قصہ کی کالی کا تعلق وحدت تاثر سے ہے نہ کہ وحدت عمل سے۔ ایک بڑے وقت کے ڈرامے میں قصہ کی کالی پر عمل کیا جانا ضروری نہیں بلکہ ہر کمزورتیاں کی حالت کو توڑا مانی بخشنے کے لیے ضمنی ملاطمت جاسکتے ہیں جو اصل قصے سے مربوط ہوں اور اس کو غیر متضمن نہیں کہا جاسکتا۔ قصہ کی کالی کا تعلق صرف کیا ہی ڈرامے کے لیے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ یہ وحدت عمل کا دوسرا جز المیہ و طبع کو کوئی نہ کرنا، تو یہی وحدت عمل کا صحیح مفہوم ہے۔ مگر زمان کی غیبت اس قدر

ڈراما زبان و مکان کا پابند ہے اور اس کی جزا فی الحدود سے باہر نہیں نکل سکتا مگر یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے جو کہ زمان و مکان کی پابندی اس کو وحدت تاثر عطا کرتی ہے۔ نیز اس کی جنت نگاہی اس کی خوبی ہے جو بڑے ڈرامے کو حاصل نہیں۔ اس کے دوسرے صفت آوازوں اور مکالموں کا کھیل نہیں ہے بلکہ کچھ بولے مکالموں کا بھی کھیل ہے جس کو عمل و حرکت کہا جاتا ہے اور یہ بولے مکالمے کسی کردار کی ذہنی کمزورتیاں کو جس طرح ظاہر کرتے ہیں وہ بولے جسے مکالمے نہیں کہہ سکتے۔ نیز اس کے ٹینک احوال میں جو رنگ آمیزی کوئی ہے اور اس کے ترقی یافتہ اسٹیج پر رنگوں کا کھیل کھیل جاتا ہے اس سے صرف ماحول کا ایک ٹکڑا دکھایا نہیں، بلکہ یہ رنگ کرداروں کی ذہنی کمزورتیاں کو ظاہر کرتے ہیں۔ طراجم، دول اور گئے ہیں۔ اس لیے خیال کر کے بڑے ڈرامے کو کرداروں کی ذہنی زبانیں زیادہ آسانی سے اتر جاتے ہیں یا بڑے ڈرامے کو اس کے اعتبار سے رنگ کے تئیں زیادہ وفادار ہیں بلکہ حقیقت سے اس قدر زیادہ قریب نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ڈرامہ نگار کا یہ خیال کہ بڑے ڈرامے کو ایچ ڈراما کی سطح پر نہیں رکھا جاسکتا۔

یکباری ڈرامے کے عناصر ترکیبی یقیناً وہی ہوتے ہیں جو بڑے وقت کے ڈرامے کے ہوتے ہیں لیکن ملاطمت کی کالی، کمزورتیاں کی شدت اور تاثر کی وحدت یکباری ڈرامے کے لیے ضروری اجزا ہیں۔ بڑے وقت کے ڈراموں میں ملاطمت کی وحدت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور ضمنی ملاطمت کو بلاط کی مدد اور ہر کمزورتیاں کی وضاحت کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ مگر یکباری ڈراما ضمنی ملاطمت کا تعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ یکباری ڈرامے کا اختصار اور قصہ کی کالی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ دوسرے ضمنی ملاطمت کی موجودگی یا غیر ضروری واقعات کا ڈرامے میں شامل ہونا یکباری ڈرامے کی شدت کمزورتیاں کو کم کرنا ہے مثالی طور پر غالبؔ، کوئیے۔ اول واک میں ڈرامے کا بنیادی پہلو کمزورتیاں میں ہے جو محدود عمل و حرکت

لے اظہار، غالبؔ، ماہنامہ شاعر، مئی خاندانہ عمر فردی ۱۹۷۲ء ص ۳۲، لکھنؤ، اکبر، ماہنامہ تھانہ، دہلی، سال ۱۹۷۲ء ص ۱۰۵
تے کو تاثر دینا، جو ٹکڑے ٹکڑے، فنکار، دہلی، سال ۱۹۷۲ء ص ۳۶، لکھنؤ، راجندر سنگھ، دہلی، سال ۱۹۷۲ء ص ۱۰۵
خاصہ نمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۰۵

مجیدہ ہیں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کسی شخص پر ایک ہی نو ہونے کا یہ وہ
سکتا ہے۔ بازو کی کھدائی اس قدر سپاٹ ہیں کہ وہ ایک وقت حس
د جو چلائے ہویش اسی پر چلتے رہیں گے۔ بعض وقت عم دوشی ایک دوسرے
سے اس طرح جڑ جڑ ہو جاتے ہیں کہ انھیں الگ الگ خانوں میں نہیں رکھا
جاسکتا۔ اس لیے میں وحدت کو ڈرا سے لے کر وحدت نصوت
نہیں کرتا۔ اگر آج ڈرا سے میں اسے جدا جدا کبریاں ڈرا سے کی تسک
یرو کی منہی اگر تیر تیر ہیں ہو سکتا۔ رہیں باقی دو وحدتیں تو ان کا وجود
یحیائی ڈرا سے کا بھی دود ہے۔ ان دونوں کی عدم موجودگی وحدت تار
کو بری طرح بخود کر دیتی ہے۔

دینے تو گمانی ڈرا سے اگر ایک ہی سین برتن ہو تو بہت سی سخن
ہے۔ لیکن اگر ہر فرد اس کے ہی سین نظر میں باطلات تو مقام ایک
ہی ہو نا بہت ضروری ہے نا کہ احوال کا جو تاثر شروع میں قائم ہوا ہے وہ
آزاد نگہ برقرار ہے۔ ہر سین کا ایک نئے مقام پر ہونا تاثر بری طرح
اثر انداز ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مگر برتنے کو نیچے جس میں سات
منظر ہیں اندر کے بعد گھوم دو الگ الگ مقامات پر دھونے پر برتنے
ہیں حالانکہ ڈرا ایک پلاٹ کی وحدت کے باعث یحیائی کہا جاسکتا ہے۔
مگر وہ اعلیٰ کا الگ الگ گھوموں پر ہونا تاثر کو بری طرح بخود کر دیتا ہے۔
نتیجہ ظاہر ہے کہ ناظر کا ذہن ہر دو مقامات کے بعد اپنے ذہن کو ایک نئے
سین کے لیے تیار کرنا پڑتا ہے۔ بار بار پردے کا گردا گردنا اور پھر ایک
نئے سین کا سامنے آنا ناظر کو ایک اکٹھا میں مبتلا کر دے گا اور جو تاثر
ڈرا سے کا پیدا ہونا چاہیے وہ اکٹھا اور پھر پلاٹ کی نظر ہو جائے گا
اسی طرح "شیریں گل" ہے جو یہ منظر و ترش ہے اور پھر کے یہ منظر چھ
الگ الگ گھوموں پر ہوں ہیں جو نہایت اکبر کے غلط خانے سے لے کر
جنگلے میں شیریں گل کی خواہ گاہ اور دیوان خاص تک پہنچے ہو ہیں۔
شاہد ڈرا کے صاحب نے غور نہیں دیا کہ انھیں اسٹیج کرنے کے لیے کئی نو

کا سامنا کو ناظر سے کہا اور کیا اس کا اسٹیج کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ
شیریں گل کے کردار برقی محنت کر کے قرون کلن کے
کی خصوصیات کو اپنے سحر ڈھنگ سے بھاگوں گے مگر اسی کے ساتھ
اکبر کا کردار اندر کی کہ جہاں کی کشش میں کر رہا ہے۔ انجین کی کی اور بعض
جو طویل درباری مکالموں کے ڈرا سے کو بڑا بوجھ بنایا ہے۔ آخری سین
غیر متوقع طور پر شروع ہوتا اور غیر متوقع طور پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے
مقابلے میں ان کا ایک انداز "شکست" ہے جو یا دود یا پنج منظر پر
شخص ہونے کے وحدت تاثر پر یوں اترتا ہے۔ ڈاکٹر کی داخلی کشش نے
ڈرا سے میں ٹری جان ڈال دی ہے۔ کاسٹ ڈاکٹر محمد حسن اس میں ایک
کا منظر شامل نہ کرتے تو ڈرا سے کے اسد کو مستقیم پیدا ہو گیا ہے وہ ہوتا اور
اس سے ڈرا سے کے پلاٹ پر بھی اثر پڑتا۔

تھنک کی کافی، وحدت تاثر اور وحدت ران و مکان کے علاوہ کمال
ڈرا سے عمل و حرکت کا سامنے زیادہ تعامی ہو جاتا ہے۔ نظری طور پر انسان
ایک ہی چیز کے لیے حرکت نہیں دیکھ سکتا، اور اگر وہ دیکھ سکتا ہے
ایک ہی چیز پر جہاں رہے تو وہ ٹھک جاتی ہیں اور اس لیے جتنی عورت
کرتے لگتا ہے۔ اس لیے ایچ پر کرداروں کا جامہ ہو جانا ناظر میں اکٹھا
پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ کرداروں کے عمل و حرکت اور
ہرے کا تاثر چھوڑ دے کے لے کے لے جاتے ہیں جو بہت کرداروں
کی وہی حالت کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ناظر کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول
رکھتے ہیں۔ اسی لیے اسٹیج ڈرا زیادہ سے زیادہ عمل و حرکت چاہتا ہے۔
اس سلسلے میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کئی ڈرا بار بار کرداروں کو اکٹھا
نہیں ہو سکتا مگر کرداروں میں ہی کا مطلب یہ بھی ہیں کہ ہم صرف دو
کرداروں پر ہی ڈرا سے کی بنا کر رکھ دیں۔ دو کردار ہی ڈرا میں آؤں تو
تصادم کی شدت پیدا ہو نا مشکل ہے دوسرے اگر تصادم کی کوئی صورت
پیدا ہو سکتی ہے جسے تو مکالموں کی ریائی اور پورے وقت میں صرف دو

لے اہل اس سکرین پر شاہ کا دلی ڈاکٹر، دارسی خدی سلسلہ ۱۱۹ مے محسن ڈاکٹر، شیریں گل کے ماہر اچانک دلی محنت سلسلہ
۳۳ مے ڈاکٹر محمد حسن شکست، ماہر اچانک دلی ماہر اچانک دلی سلسلہ ۳۳ مے اہل اس سکرین پر شاہ کا دلی ماہر اچانک دلی محنت سلسلہ
افسانہ منور حیدر دوم و مرتبہ ۲۸ م

اگر ماہر ۱۸۸۳

دیکھو

یادگاروں کے منسوب کی نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کبابی ڈور اسے اس خوبی سے خالی نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر گوہر خواہش پدم سنگھ میں باب اپنی بیٹی کے نکاح پر عاشق کو مجبور کرتا ہے کہ وہ دسی جلا اس کے سامنے دھرے جو وہ اس کی عدم موجودگی میں کہہ رہا تھا۔

جیل ۱۰ اچھا جوہر حکم نے اچھا جوہر نام نہ نہیں حاصل ہو، دراصل ہمیں خبر نہیں کہ میں ہمیں کس قدر چاہتا ہوں۔ یہ کہتا ہوں ان سونے اور بھڑے ہونٹوں کو جس کی ہمارے تھامے دھتے داؤ کوئی قدر قیمت نہیں ملے گی۔ میں انہیں ایک ماہ سے کے لیے اسی سادی زندگی قریب کر سکتا ہوں؟“

حکلا کوں ایسا باب جو گا ایک مرد کو مجبور کرے کہ وہ اس کے سامنے اس کی بیٹی سے ایسے الفاظ کہے جو تہہ سب سے گئے ہو۔ اور اس کوئی ایسا شخص ہندوستانی سماج میں ہے تو وہ باب نہیں اور کچھ ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس قسم کے مکالمے لکھنا یا اسی سبب اسٹین پید کرنا جو کسی جانی پہچانی ہمدرد اور کچھ کے خطاب ہے، ذرا اسے میں متاثر نہ کی مانا چاہیے کیونکہ اس سے ذرا لے کی تہذیبی قدریں کم ہوتی ہیں۔

غرض یہ چند خامیاں اور غلط جہاں ہیں جو اردو کبابی ڈور اسے کے مطلق بھلی ہوتی ہیں۔ اگر ہمارے نقاد اس جانب توجہ کریں اور اردو کبابی ڈور اس کا اعتبار کریں تو اردو کبابی اسٹیم ڈراما بلندیوں کو بھروسے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کر سکتا ہے۔

کرداروں کا نظروں کے سامنے رہنا ناظر میں بدلی ادا کا سہل پیر کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر تیر چھویں شب کا چاند نہ صرف دو کرداروں پر مشتمل ہے، ایک ڈور میں بیٹے دوڑتے پھرتے ہیں مگر نہ ڈرامہ نگار کو ٹوکنا اسٹیم پر کسی طرح ایچ کی حد و جزائی حد میں دوڑنا جسے گڑ گڑاؤں کو ٹوکے اندر حکلا کر کس حرکت کے لیے کون کی چٹان نش پیرا کر سیکے گا سو اس کے کہ مکالمے، مکالمے اور مکالمے۔ یہی حال خیال کی دستک ہے اور اعتبار نظر کا ہے۔ اعتبار نظر میں نہ تو عمل حرکت نہ اندر تصادم کی شدت اور پھر کردار نگاری میں اس قدر ذہنی ڈھالی ہے کہ دونوں کرداروں میں فرق کو نا اہل دونوں کی ذہنی ساخت کا تعین کو نا اہل ہے اگر ناظر محال ڈراما کو یادگاروں پر ہی ہو تو لٹ کی ترتیب پر خاص دھیان دیا جانا ضروری ہے۔ مکالموں کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ہر مکالمہ جتنس اور تہیز پید کرے۔ مثال کے طور پر کلنک کا ٹیکہ جو مرہمی سے ترجمہ کیا گیا ہے، ہر ہر قدم پر تہیز و تہیز پید کرتا ہے کہیں بھی ناظر باقاری ٹھٹکا ہو محسوس نہیں ہوتا ہے بلکہ سرفروم پر کسی سے واقف یا انکشاف سے دو جا رہے کے لیے تیار رہتا ہے۔

اردو کے کبابی ڈور اس میں صرف اس بات کی ہے کہ اجول اور کرداروں کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ وہ کسی ہمدردی کا لہجہ کی مانند گیت کرتے ہوں، کرداروں کا کوئی عمل اور مکالمہ ایسا نہ ہو جس سے کسی مخصوص تہیز



لے مار سیدی خیال کے دستکے اپنا انداز اختیار کر دیا، مولائی سلطنت ۳۷ کے منور، اعتبار دھلی ہمارا شاعر بیٹی سمر سنگھ ص ۶۱ سے ش۔ ن۔ اے درجہ دوم سے اس کے کلک کلک "ہمارا شاعر بیٹی آزاد دھلی سمر سنگھ ص ۶۹ کے اظہار ہو کر خواہش، دم سنگھ" ہمارا شاعر بیٹی درجہ دوم ص ۵۵



اسے بھی اپنے مسائل میں مبتلا نہ کرو
 اُداس ہو تو کسی دوست سے ملا نہ کرو
 بکھے تو اتنے پریشان، اتنے افسردہ کبھی
 چراغ بن کے کھسا تھا کبھی جلا نہ کرو
 کلی کھلے گی، ستارے ضرور چمکیں گے
 یہ اور بات کہ تم شکریہ ادا نہ کرو
 گزشتہ کی راہ میں اک روشنی کا نور بھی ہے
 مرے لیے ابھی لے دو دستہ دعا نہ کرو
 نے رفیقو! مرے حال پر ترس کھا کر
 ابھی سے ترکِ غفلت کی ابتدا نہ کرو
 جو حسن کا رہو ساری فضا تمہاری ہے
 اگر نہیں ہو تو پھر شکوہ فضا نہ کرو
 یہ کم نہیں ہے کہ اس دہریس بھی زندہ ہو
 مسلاہ! صورتِ حالات کا نگلا نہ کرو

دینے

ہیرو

حبیبہ علیہ السلام

مرزا عالم کو آم بہت پسند تھے ایچے آم کی تعریف اچھولے یوں کی تھی کہ بہت سے ہوں اور صحت میٹھے ہوں — آپ کی پسند اور بامید مجھے نہیں معلوم مگر آپ جانتے ہوں گے کہ آم بہت کچھ دلوں کو عات کر دیتا ہے ایسی ہیرو پسند کی کا اظہار کر کے بھلا اس وقت اپنی یا آپ کی شامت منظور نہیں — تو کھلے اور پیٹے آم کی طرح بیوقوفی خالص اور ہوتے ہیں مثالی اور موسمی اسے اپنے لکھ کی حوصہ قسمتی کہیے کہ ہمارے بھیلوں میں جتنی تسلی اور سواد کے آتے ہیں، اتنی ہی بھیل کے ہیرو بھی، مثال کے طور پر، ملی ہیرو اور قوی ہیرو کلاس کا ہیرو اور بار بار کا ہیرو، مصلحت کا ہیرو اور کچھ کا ہیرو دھبہ دھبہ — یہ ہیرو کی عداوت کا ہیرو کرتا ہے، کہیں سودااری کہیں یہ کامیاب کہلاتا ہے، کہیں رنگ دار کہیں یہ سروازی کرتا ہے اور کہیں سودا کی کہیں اس کا شغل پہلوانی ہو سکے اور کہیں عاشقی — جہاں زندگی کی علامت ہے، وہاں ہیرو لازم کی علت جہاں رنگی کا سود و سامانہ وہاں ہیرو لازم کی تہ و تاب کوئی جگہ ہیرو سے خالی نہیں، بہر حال میں ہیرو تنہا کا جذبہ اور حور و حور ہے

العرض، ہیرو طبقہ اور ہوتے ہیں، مثالی، اور موسمی — مثالی ہیرو کو تائی دیا میں متوجہ دے دے اور جو مایہ راہیدہ خیال ہوتا ہے۔ نامی شعرا اور کہانی کار اس کے خالق ہوتے ہیں اور اسی ہیرو کے م سے وہ مقام اہل حاصل کرتے ہیں۔ نیچے نیچے زانے مثالی ہیرو اگر بھی اس عالم رنگ و بوس نمودار ہو جاتا ہے تو اس کا قیام اور بقاء معاشرہ کے لیے خطر ہو جاتی ہے اس کی منفرد ساریاں جو اس کی

ہیرو لازم کو اور احوال و سادہ ہیں اس کے احوال و اعمال کی تعریف ہوتی ہیں۔ ہر کے بعد اس کی مندی کا اعراہ ہوتا ہے اور انوار و تفریح کے نام پر اس کی قدریں قدر کی جاتی ہیں پر ان کی یہ ہر ہر اس کی یہ راستہ کے مصداق اس مرد اس کے کردار سے راہہ اس کی واث کو مرکز و کورج و بحد و نایا جاتا ہے — مثالی ہیرو راہد کو یا را جھوٹا ہے اور یکجہ دیکھتے اس کے مصلحتیں و تابعین خرافات کے ظلمات میں درہ و تلاش کرتے رہتے ہیں — لہٰذا مثالی ہیرو ایسے بھی ہوتے ہیں جو وقت یا قبل اور وقت مصلحت اس پر نمودار ہو جاتے ہیں، اور اپنے محو و مشغور کے عرفان کی ناہمی اور بلا خیز و دشمنی طبع کی وجہ سے وہ خود آپ شکار ہو جاتے ہیں تاریخ تارہ کے کہ ایسے حید اور حیلے مہیرو کو ارباب قضا و قدر حیلہ و حیلہ عالم جتنی سے عالم سببی میں و اس کیفیت ہیں مثالی ہیرو کا احاطہ خواہ یہ راہد و مسلم کا یہ یا یہ درہ و قدرت انوارا الیہ ہوتا ہے مگر، اپنی انسانی کے اور حوزہ و دست ماسے محفوظ رہتا ہے، ہیرو مثالی ہیرو کے الیہ کا خطرناک اور درحشاں پہلے ہے جس کی جہت سے اس کی ہیرو لازم کو لکھا جاتا ہے

عصر صبر پر کا ہیرو لکھا جاتا ہے ہیرو سے زیادہ حوصلہ مند اور فعال ہوتا ہے اس کی وجہ اس کے مزاج اور ماحول کی کم رنگی ہے — تو کہیں سے پہلے اس میں عاشقی کا مادہ اور حوالی سے پہلے حسینوں ہر کے کا حوصلہ آ جاتا ہے اور چلتے پھرتے احباب و عشق کی خاطر ہمہ وقت وہ آواز جارتا ہے۔ اسی عاشقی کا مصلحت یا ترسیل عشق کی ہم، وہ ہمیشہ ترقی دہ انداز سے سوتا ہے اور یہ روایتی طریقہ کار کو اپنا لے۔ وہ تنگ دلی یا عرو گوئی نہیں کرتا وہ کوثر یا ملازم کا سہارا نہیں لیتا۔ وہ طحانی یا بھٹی کا بھی قائل نہیں ہوتا۔ یہی قصوری اور افسانہ نگاری، تواریخوں کا استعمال اس کے لیے امر محال ہے کہ اب اسرار اور قصور ہیرووں تحریری آرٹ ہو گئے ہیں۔ لارنس و سمرقانی روئی یا زور وئی کے مستخرج سے لے کر ہر واکر و تفسیر عشق میں وہ بے خطر حیلہ و گنگا تے کہ تیرہ سہا مرا لگتے ہیں،

محسنے ظلمت سے کا دل چاہے نور
ہر ہوتی نصرت ہر ہوتا فلسفہ

عصر جدید کے ہر دور کے سفارت پر ہفتہ کے عوض مجھے ترس آتا ہے اور آپ بھی میرے ہم خیال ہونے کو اس کی ہر واہم کی باعقوبیت دراصل بابت نظام تعلیم اور طریقہ تربیت کا شروع ہے۔ فور فرامیں، سب کچھ اور مذہبی تعلیم ہے، نہ دوس گاہوں میں چٹائی اور چٹری، مکتبہ تعلیم اور دیگر کم کا درودورہ ہے، ابتدائی تعلیم کے آغاز سے بہت پہلے بچہ کی دنیا سے تازہ میں وہ چکرا دیکھیں، انھیں دیکھیں، اصل ہو جاتی ہیں جو والدین کے ذوق اور کردار کی نسبت کا تحت دیتی ہیں بچہ کی نفس پسند نظریں ان ماہ پیکہ کے عریاں جسم کے مبرا فہ کا چارہ یعنی رہتی ہیں گھر و ماہر، بار بار بافترب کی کوئی قید نہیں مرنے کی دعوت دے ہر جگہ لٹی ہے۔ وہ مینی کما یاں دیکھتا اور پڑھتا ہے۔ بڑھتا بہت کہہ کر دیکھتے سے بکارتے فرصت نہیں ملتی۔ عمر آنے کی کار کھلی نفا میں اس کی ہر واہم تازہ دم ہوجاتی ہے اور حول رنگہ لیتی ہے، حیوانی خواہش سے اس کا مظاہرہ شروع ہوجاتا ہے۔ آخرش، بد اقبال والدین اور امارا دلا دل بد زحمت سیار ایک ہی انجام پر جا پہنچتے ہیں، آپ کی ہمدردی پر لمے دل اور دے گل کا داغ و تحت دونوں ملتے ہیں۔ خدا نیچے کھنڈ کے گلے کیسے روشن ذمہ اور دور میں تھے! ان کی فحاشت پسندی اور حدت پرستی کا جواب نہیں ادب اور تہذیب کو اس کھنڈی رندہ دل سے کیا کچھ ملا؟ ریت کو کھینچا اور قیصر باغ کو داغ اندر کا دربار سا کر اور سل کو مدگر اندر کرانھیں لے دلا دلاں کسے مقامات آہ و فغان سے دو سانس کرایا۔ اور لو اور نہایت دور تازہ و ماضی کے ایک تہذیبی مشغلہ کو اٹھلنے پل پالیا کہ نقل و حمل سے دو ہاتھ آگے بڑھتی۔ قدیم روم اور یونان کے ان جبری سوداؤں کے قصے آپ نے مجھے سنے ہوں گے جو خونخوار اور گرسنہ دندوں سے کشتی لڑنے اور پتھر سے بدل بدل کر اپنی نولادی شجاعت کے مظاہرے کرتے۔ حیات دعوت کی کشش کا یہ روح فرساتا شادی اور بڑائی فراں رواؤں کا ایک محبوب مشغلہ تھا اس کشتی سے جا باز کی جیسا بھی مظاہرہ ہوتا ہو، ہر مشغلہ کسی کی جان بھی آپ کی ادا مہری، والا یک طرفہ معاملہ تھا۔

تو جناب کھنڈی غاف نے اس رومی روایت کی احیائی اور اس کشتی میں فحاشت اور حدت دونوں پیدا کی ایک طرف انھوں نے انسان اور دونوں کی پہلے شیر اور مرغ کی پہلوانی رانج کی دوسری جانب دو پہلو افلاں کو اکھاڑے ہیں اتارے کے عو غلابی ٹیٹے ہی جیسے چوچ لڑنے کا سلیقہ سکھایا۔ بھلا درہ اور دو پایہ کا مقابلہ کیا، حیوان دونوں ہی ٹھہرے مگر کھنڈی انھوں نے ایسے سورما ہمارے جو بہلولان سے بانگے ہو گئے، ان کی گلوٹ اور گئی اور نچھو گئی پہلوانی جسم نہ رہا پس بل اچھا دکھا آپ نے کھنڈ کے بانگے بھی دراصل ہمدردی کی ایک قسم تھی یا سہم کی تسبیح عاہ و حال کی جسم تصویر تھے۔ ان کی ہر واہم سے جسے اور مصلحت میں جان آجاتی!

کہتے ہیں، کھنڈ مشین سے دو بانگے نفعی سفر کے بعد دیکھے ایک ہی ٹیٹے میں داخل ہے۔ ان کی نظریں ملیں۔ جو ٹیٹہ چکا تھا، جاد سکا اور جو آیا وہ داپس۔ ہر کو ہر حق کو دیا، انہیں مسرہ بڑھتا۔ ٹریں روانہ ہوئی۔ مسافر خوش ہوئے کہ ان بانگوں کی آمد سے بھی خوش وقتی نصیب ہوئی، مگر ہر دلوں کے تے سے اسے سیٹ پر اٹھایا ٹیٹے دونوں بانگوں نے اپنی اپنی ترقی شروع کر دی مسافر دل سے مخاطب ہو کر اپنے لیے مٹی کے بے حس اعزاز و انتہار پر ڈول کی لینے لے اور سکاڑ میں ٹیٹے پر دلہا اور دلہے پر بیک کی باری سسٹم شروع ہو گئی۔ یہ دیر بعد کسی اسٹیشن پر ٹریں رکی۔ اتفاقاً دو دو لوں بانگوں کو کسی جگہ آتا تھا۔ اپنی مرس چھڑی لیے یہ لیٹ مام پر آگئے۔ اور دھڑھکی گھوم رہے تھے، ایک بانگے نے دارا دانے قلی کو کھانا۔ دوسرے لکے دوزیدہ نظروں سے دیکھا کہ سا ان نرادر پھرتی چمٹی، وہ نہ دیکھنے کے انداز سے اس کا ہاتھ لینے لگا پہلے بانگے نے نہایت نکنت کے ساتھ قلی کی طرف اپنی چھڑی بڑھائی اور کہا، ”دیکھ لیا ہے؟“ یہ چھڑی اٹھا۔ بانگوں کا یہ مظاہرہ دوسرے بانگے کو ڈک دے گیا۔ قلی دل میں وہ تھلا تھا جیسے اس کی گرد ہو گئی، چاکر چھٹی میں لے لے سارا دیا اسے بھی قلی کی صدا لگائی۔ ایک سیل دو ڈوڑا یا پاس آکرولا ”توب صاحب، ساماں کہاں؟“ بانگے نے کارواں کی

کے انتظار میں



(منظم خط)
ملکت کے کوکے (گلتا)

بندہ پرور آپ کو کچھ یاد ہے
کس طرح اکس حال میں تانا دے
ہم نے تانا آپ ہیں غنوار بھی
اے دل کے امانی دمتا رہی
جھوڑے طر تفل مل چھوڑے
رشتہ الفت دوا رہ جوڑے
قید خانے کی طرح تھمر ہو گیا
جگر میں میا بھی دھس ہو گیا
تاہر ادوں کی صحت دیکھ لی
جادوں کی رسم الفت دیکھ لی
جائے تھی اک بچھا ان نقات
تھوڑی سی تکلف میں یہ مات
سنے کے بدلے حوس کا جام سے
تام بھراں مل گئی اجام سے
رد و رتب رہتا ہے دل کو انتظار
آپ کی تحریر پر دنیسا تار
ڈھونڈا ہے دل دی باتیں تار
ٹرھ کے بیٹائی ہو من سے آپ
کائناتوں باغی کی باتیں تو نگوار
دوت نے جس کو سن یاد لھکار
برطاس لے دوائی - تہ ستم
علقہ دام صحت کی قسم؟
توڑ کے آجائیں ہم ہر آں کو
آپ کے قدموں میں دھریں جان کو
دل دھڑکتا رہا ہے ملت کہاں؟
انتظار خط میں ہیں باہم جاں!
لے مروت آپ ہیں ہم تو نہیں؟
بیماری سبھی ہے فطرت بھی نہیں؟
ماتحت کی صورت آپ کو
"خط نہیں لے کر چہ طلب کہ ہو"

کی حبیب میں نہایت غمر سے دو بھلی ڈالی اور اپنا محنت کا تے ہوئے قلی
کو پھمکے ہاتھ لڑا بکے کچے اے! پلمٹ اٹھا۔
گرج کا بیرو بائکا سہیل نہیں ہوتا اور اس کی بیرو لازم کو دیکھنے
پاسنے کوئی مکتا ہے۔ نہ مثالی ہوتا ہے اور نہ کتائی یہ فصلی مولے اور نہ
موسم میں تو نہ ہوتا ہے میں یہ شاہدہ نہ کر سکا ہوں کہ موسمی ہیر کی بھی
فصل نامناسب تھا کا نتیجہ ہوتی ہے یا اس سب فصل سے اسکی فصل بدلہ لیتی
ہے پڑا نہ تو قے سے کہہ سکتا ہوں کہ کھری ٹھکان اور انتظار ہوئی ہیر کے لیے ساریت
سار کا ہیر اور کسی محنت کیلے سارا تو لیں میں آہر دور کا تیار د ستوار ہو گا۔
موسمی ہیر کو کھڑے اسٹیم کھ کے کھینکے دھوس کی طرح امانک اھرتا ہے۔
اس کی ہیر لازم کے کار ناموں سے ستر فغا لھ کر کے اندر اور سہلا لھ کر کے اہر
آجائے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسے بلاد و سرکشرت کی حاجت حاصل ہو جاتی
ہے اور امارد ہوئے سے پہلے وہ یوں اچھے لگتا ہے جیسے یا لادہ م سائنس
یہیں کر لکھی کے ساتھ باڈا کو نکلا ہو۔

موجھل ہیر کو دھ کر لے کی تلوں کی مانند ستری سے ڈھتا ہے اور
یادہ دن تک ہر اھرا میں رہتا کا ماریاں ستر ہوں یا سیکڑوں
یہ حلقہ سے رنگ بدل دیتا ہے۔ تو یہ استغفار کر کے اور رشتہ و فتور کی
دیلتے سے منو و کمرہ حیر و صدمت کی دیاں داخل ہوتا ہے اس لیے
ردا چنی روم کے اجراء چلے بھرتے حقا کی راستی پر اس کا یقین تھا
کا مل اور پتہ ہوتا ہے محلجا مراد کی کے ان روش حیاں طلبہ کی
عقن پر وہ دست تاسف ملا کر تاسے جو کار فاء قدرت کو ادرے
کی لاتی تھوڑ کر تے ہیں ان کسیدوں اور مگر سوختہ روش حیاں
طلبہ کے اس منفسیان نقطہ نظر سے شرعی ہیر کو مملات رہتا ہے۔
احزاب اسے بھی ہوتا ہے کہ آمان بڑا لذت و ستر ہے پہلے یقین تھا
ہے کہ قیامت قریب ہے۔ مار چھو۔ اٹھو کیا کر دو۔ سب ٹھیک ہے
مگ۔ یا ایمان پھردا اور باں سوز تقابلی بحثیں شری و کجپ ہوتی ہیں۔
مراصلت کیے اندر اس کا کاتی مناظرے سے لطف اندوز ہوئے کا کھنے توقع
ملاسے ادا یا محسوس ہوا جیسے نا دسہ اجال کا۔ شکوہ" اور
محمد رشیدین اجواب شکوہ "سودر نہ ہو کر سارے ہوں۔"



ہدالتوں و سرکاری دفتروں سے فارسی کا اخراج

ڈاکٹر حکیم چند نیر

اسی بلکہ ان سے بھی زیادہ باتیں نہیں ان باتوں میں فکر خیال کی گئی اور دل و زبان کا قصہ ادھر تک لایاں تھا، کیونکہ یہ باطن پر لوگ فارسی کو دفتروں اور سرکاری ہدالتوں سے ہر حال خارج کرنے پر متفق تھے۔

فارسی کے ہدالتوں اور دفتروں سے اخراج سے ایک تریک وقت دفتروں پر کارگر دار کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ مدراس، بمبئی اور بنگال وغیرہ میں انگریزی کا حادہ دل چکا تھا۔ سرکاری کاتبان پہلے کے لیے ان علاقوں میں انگریزی کا پتلی لگائی تھا۔ مزید برآں ان علاقوں میں فارسی کی بجائے کسی ایک ہندستانی زبان کو رائج کرنے کا کام ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تامل، تلوگو، مراٹھی، گجراتی، اڑیا اور بنگالی وغیرہ کتنے دھجے دار وجود تھے، اور ان زبانوں میں انگریزی کے منہ آنے کی بہت بھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ان علاقوں میں لڑائی جنگلوں میں اور نئے مہائی کافی تعداد میں موجود تھے جس سے یہ ایک وقت تلوار اور دھال دونوں کا کام لیا جاسکتا تھا۔ پھر چاہے تازہ ترین پوشش ایمانی کی بدولت ہر ہندوستانی فکر کی تحفہ تو ہیں اور ہر ولایتی خیال کی توصیف و تمجید کے لیے کوہِ سستے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان علاقوں میں سامراجی حکومت کی گرفت کافی مضبوط اور محکم ہو چکی تھی۔

اس کے برعکس جھنپیکر ایک بہت بڑے اور سیاسی حیثیت سے اہم ترین ضلع تھے جہاں شمال مغربی ہندوستان (شمال پرچھوٹا بنگال) مدھیہ پردیش، دہلی، ہریانہ، پنجاب اور پاکستان، برسرِ پڑھنے تھے۔

ہدالتوں اور سرکاری دفتروں سے فارسی زبان کے اخراج اور اس کی جگہ پر ہندوستانی زبانوں کی نام نہاد ترویج کی تحریک کا آغاز کیوں کیے اور کب ہوا؟ اس تحریک کے آغاز کے اسباب و علل، اغراض و مقاصد اور عواقب و نتائج کیا اور کتنے دور رس تھے، اس موضوع کے متعلق پورا مواد کیوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس ضمن میں اس تمام امور اور مباحث کی گنجائش نہیں۔ یہاں اس مسئلے کے اہم پہلوؤں پر مختصراً روشنی ڈالنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دستیاب ہوا کی بنیاد پر کوئی کہا جاسکتا ہے کہ اس تحریک کا آغاز سامراجی مہادات کے تحت کے لیے انگریزوں کی حکمت عملی سے ہوا تھا۔ سامراجی حکومت نے خود کو غیر صاب دار اور دھوم رکھنے کے لیے اس تحریک اور بے فیصلے کو پورا پورا جھوٹی رنگ دے دیا تھا اور فارسی کے اخراج کا فیصلہ حکام وقت اور اہم سرکاری اداروں سے تقریباً دس برس تک گفت و شنید و مشورہ اور خط و کتابت کے بعد کیا تھا۔ حکام مغرور و متعزز اور مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ایک گروہ فارسی کو سرکاری اور عدالتی زبان کی حیثیت پر قرار رکھنے کا حامی تھا۔ دوسرا گروہ فارسی کی جگہ پر ہندوستانی زبانوں کو رکھنے کے لیے عوام کی فلاح و بہبود کی دہائی دیتا تھا۔ اس کا ایک بیل گروہ فارسی کی جگہ پر ہندوستانی (اردو) کو خط فارسی کو شمال مغربی صوبے میں رائج کرنے کے لیے فارسی رسم خط کی خوبیاں ترجیح دے کر لگتا تھا۔ بعض انہیں ہندوستانی خط و لکھائی کی ترویج کے لیے اکثریت کی حق تلفی اور ہندوستانی کا نام لے لے کر آئندہ ہاتھ تھے۔ جسے منہ تھے

کے بعد گورنر جنرل جرنیل نے شمال مغربی صوبے کے لیفٹننٹ گورنر سرجنل ہنگام کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے اپنی تجویز مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۳ء میں لکھا کہ جو امتیاز عدالتوں میں فاضلی کی جگہ پر ہندوستانی (اردو) کو رائج کرنا چاہیں کر سکتے ہیں پٹنہ

حکومت ہند گورنر جنرل ایچ ایس کونسل نے ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو ایکٹ نمبر ۳۳ پاس کیا جس کے ذریعے گورنر جنرل کو حکمرانی کی ایک ذمہ دہ ہنگام کو ٹکائیے و ضمانت کو منسوخ کرنے کے تحت جمنی کے مقبوضات ہند کے محکمہ انصاف اور محکمہ مالی کی کاروائیوں کو لکھنے کے لیے فاضلی زبان کا استعمال ضروری ہے مزید برآں اسے فاضلی کی جگہ پر کوئی نیا زبان اور کوئی دسم خط رائج کرنے کا اعتبار حاصل ہو گا۔

اس ایکٹ کے پاس ہونے کے قریباً دو مہینے بعد ۲۳ جنوری ۱۹۳۴ء کو صوبہ ہنگام کے ڈپٹی گورنر جنرل نے گورنر جنرل کے حوالہ بالا اختیار کے تحت فیصلہ کیا کہ فورٹ ولیم پریسٹنسی کی ہنگام کشرنی دشتی پر جو صوبائی ہنگام 'اڈو' بہار ہنگام دیش کے تمام اضلاع کے محکمہ مالی کے دفتر اور عدالتوں کی کاروائیاں فاضلی کے بجائے مقامی زبانوں میں قلم بند کی جائیں اور اس فیصلے پر یکم جنوری ۱۹۳۴ء سے بارہ مہینوں میں چندہ پنج لکھ کر کیا جائے پٹنہ

اس فیصلے سے ہنگام پریسٹنسی کے دفاتر اور عدالتوں میں ایک خلفا پیدا ہو گیا کہ کس ضلع میں کونسی زبان استعمال کی جائے اور کس دسم خط میں لکھی جائے۔ یہ ایک بڑا پیچیدہ لسانی مسئلہ تھا اور دسم خط کے فیصلے سے پیچیدہ تر بنا یا تھا۔ اس لیے اس فیصلے پر عمل کی رفتار سست رہی۔ فورٹ ولیم پریسٹنسی کی صدر دیوانی عدالت نے فروری ۱۹۳۴ء کو ماتحت عدالتوں کے نام ایک سرکریس لکھا کہ وہ اپنے اپنے ضلع میں عدالتی کاروائیاں جلد از جلد فاضلی کے بجائے مقامی زبانوں میں قلم بند کرنا شروع کریں پٹنہ

صوبہ ہنگام میں فاضلی کی بجائے مقامی کی ترویج کی کوششیں کی گئیں تو ڈھاکہ کے رئیسوں زمینداروں اور وکیلوں نے سرکار کے اس اقدام کے خلاف زبردست اور موثر احتجاج کیا جس کے نتیجے میں حکومت ہنگام نے ۱۹ اپریل ۱۹۳۴ء کو ایک سرکریس جاری کیا جس کے ذریعے سابقہ احکامات کو ختم کرتے ہوئے فاضلی کو ایک متبادل زبان کی حیثیت سے عدالتوں اور دفاتر میں برقرار رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

اسی سلسلے میں کورٹ آف ڈائریکٹرز نے ۵ اگست ۱۹۳۴ء کو ایک تجویز پاس کی جس میں ۱۹ اپریل ۱۹۳۴ء کے حوالہ بالا سرکریس پر اضافہ کیا گیا کہ جہاں کہیں ناگری رسم خط کا چلن ہو وہاں اردو کو ناگری رسم خط میں لکھا جائے یہ فیصلہ پہلے کیا جاتا تھا کہ صدر دیوانی اور خطاط عدالت کی زبان اردو و خط فاضلی ہوگی۔ اس طرح ۵ اگست ۱۹۳۴ء کے فیصلے کا مطلب یہ تھا کہ صدر دشتی اور دس کے لیے فاضلی رسم خط استعمال کرے اور اضلاعی عدالتیں ہنگامی، اڈو اور اردو و خط فاضلی کے علاوہ اردو و خط ناگری بھی استعمال کر سکتی ہیں جہاں کہیں موثر لکڑی رسم خط مروج ہو اور ہنگام میں فاضلی کو ایک متبادل زبان کی حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

ہنگام پریسٹنسی میں صوبہ بہار کی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں اڈو کے لیے دیوناگری رسم خط کا چلن تھا یا بالفاظ دیگر جہاں اسے مروج کیا جاتا تھا۔ تربیت کے لوگوں کے احتجاج سے بھی اسی امر کی توثیق ہوتی ہے۔ باشندگان ڈھاکہ کی طرح تربیت (بہار) کے زمینداروں، دیوبند وکیلان اور چٹا گڑھ کے حکام بالا کو ایک استعجابی مضمون دست پیش کی گئی جس کے نتیجے میں صدر دیوانی عدالت نے نومبر ۱۹۳۴ء کو ایک سرکریس جاری کر کے حکام کو ناگری رسم خط کو جبراً رائج کرنے میں احتیاط اور پابندی کے کام لینے کا مشورہ دیا۔

شمال مغربی صوبے کے محکمہ مالی میں فاضلی کی جگہ اردو و خط فاضلی و دیوناگری کی ترویج کا کام صوبہ ہنگام کے مقابلے میں پہلے شروع ہو گیا تھا۔ سٹرکٹ

۱۔ محکمہ امور اعلیٰ، نئی دہلی، ضوابط (دھاتی امور) ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء، ۲۔ ضوابط دھاتی امور (دیوانی) نہ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء سے شریک
دھاتی امور (دیوانی) ۳۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء ۴۔ ضوابط دھاتی امور (دیوانی) ۵۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء ۶۔ ضوابط دھاتی امور (دیوانی) ۷۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء
۸۔ ضوابط دھاتی امور (دیوانی) ۹۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء ۱۰۔ ضوابط دھاتی امور (دیوانی) ۱۱۔ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء

ایک اہم سرکاری کام کیا جس میں ہنگامی کار، انگریزی اور مقامی زبانوں کو ملا کر
کی جگہ لی ہے۔ یورپی اور دیگر باقاعدہ ہندستانی افسران اور انگریزوں کی
زبان استعمال کر کے جبکہ عوام سے رابطے کی زبان بونھالہ کر دہندستانی
ہو گی۔ ۵۰

شمال مغربی صوبے کے محکمہ انصاف نے آگاکار میں اس سالی تبدیلی میں
کوئی کچھ نہیں لی صدر دیوانی عدالت اس میں سے پہلا سرکار، پہلی عدالت
کے جاری کیا کہ تمام دیوانی امور سے متعلق درملوں کے سیکشنز اور ججوں میں
فارسی کی جگہ ہندوستانی استعمال کی جائے اور انگریزی شخصوں کے ساتھ دیکھا
ترجمہ میں ساتھ داخل کرنا چاہئے تو کر سکتا ہے۔

شمال ہندستان میں اس وقت فارسی کی جگہ لینے کی مساعی ہو کر
ربان تھی تو وہ صرف اردو تھی، اردو نظم و نثر کی روایت کافی استوار تھی۔ فارسی
سے متعلق اور تواریک کی جس حد اتنی اور مغربی اصطلاحوں کی سیکشنز اور ہندو
کا ایک دافتر میں اس میں موجود قلم سرکاری اور مقامی زبان میں سے کیلے
اور دیکھا اسے یورپ پرین زبان تھی۔ لیکن ایک طرف انگریزوں نے اسے
اس کے معیاری اور مسلم نام "اردو" کے بجائے ہمیشہ ہندستانی کے نام سے
سے موسوم کیا اور دوسری طرف اس کے مقابلے میں "انگریزی" کا نام بسا۔
"انگریزی" مکمل زبان کا نام نہ تھا بلکہ ایک ہم خط کا نام تھا۔ تہذیب اور ذہن
جیسے اس کے مختلف حوالے ہیں اسے ہندستانی بلکہ انگریزی سے جدا کرتے تھے۔
ترتیب کے متعلق جانے اسے انگریزی کے علاوہ "ہندی" کے نام سے موسوم کیا
تھا جو یقیناً اردو محض ہندستانی ہی کا ایک اور نام تھا۔ ہندی دیوانوں
نے اپنی زبان کو ہندی کے نام سے بھی موسوم نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اس
وقت تک ہندستانی خط و انداز انگریزی کے لیے "ہندی" کا نام وجود پذیر نہیں
ہوا تھا۔ حالانکہ پچیس تیس برس قبل فونٹ ولیم کالج میں محکمہ سٹ اور اس
کے رفقاء کی کوششوں اور کادشوں سے کھڑی ہوئی خط انگریزی میں لکھ
کا ہیں چھپ کر شائع ہو چکی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ برسوں (۵۰-۶۰) سے
دیہیہ صحیفہ پر،

نے شمال مغربی صوبے کی انگریزی کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد
۱۸۸۰ء میں رپورٹ میں "سرکاری عدالتوں اور فخریوں میں فارسی
کے بجائے ہندستانی رائج کرنے کا مشورہ دیا تھا" اور اس صوبے کے
نیرا اور سرکار محکمہ ہندستانی (مغربی صوبہ) کے حالات میں حکومت نے
۲۱ دسمبر ۱۸۸۳ء کے حکم کے ذریعہ عدالتوں اور فخریوں میں فارسی کے
بجائے ہندستانی کو رائج کرنے کی اجازت دے دی تھی مگر شمال مغربی
صوبے کے صدر بورڈ مال نے ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کے سرکار کے ذریعہ حکم دیا
کہ محکمہ کی ہنگامہ کار و ادائیگی فارسی کے بجائے ہندستانی میں قلم بند کی
جائیں۔ اسی سرکار میں حکام محکمہ کی کو ہدایت کی گئی کہ وہ خود کوئی کچھ
لیں اور اپنے ماتحت افسران کو بھی سمجھا دیں کہ اس تبدیلی کا مقصد یہ نہیں
کہ صرف تھقیات سانیے لائے اور افعال بدل دیں جیسا جادوئے ترکیبیں
اور دیکھنے الفاظ کو بھول کر کے دیں۔ صدر بورڈ مال کی یہ خواہش ہے کہ
تمام کار و ادائیاں ایسی زبان میں لکھی جائیں جسے فارسی سے بالکل نابلد ایک
موجود اور مستند ہندستانی بآسانی سمجھ سکے۔

"گورنر صاحب نے کوہ دی حکام اور بالخصوص ہندستانی ڈپٹی اس
پڑوسی نظر میں رکھ کر ایک فراموش شدہ اور ناقابل فہم زبان (فارسی)
کو برقرار رکھنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو اور وہ ہر حال کے گورنر کی
بات و جہت کی زبان استعمال کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ یہ کہ
یہاں اس بات کو نظر رکھنا چاہیے کہ شمال مغربی صوبے کے مختلف
گورنر صاحب اس ملک نے گورنر جنرل ہند کے مراسلہ مورخہ ۳ مارچ ۱۸۸۵ء
کے متعلق صدر عدالت و نظامت اطلاعات کی رپورٹ مورخہ ۲۰ اگست
۱۸۸۵ء گورنر جنرل کے پاس بھیجے ہے پہلے شمال مغربی صوبے میں فارسی کی
جگہ پر راجا اور انگریزی کی ترقی کے احکام جاری کر دیے گئے۔ گورنر جنرل کی کم
تجزیہ مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۸۵ء میں سرکار کے متعلق کی کوششوں اور مشورہ
کا نتیجہ تھی۔ صدر بورڈ مال شمال مغربی صوبے میں سرکاری محکمہ کو اس ضمن میں

لے متعلق ہدایتی امور دیوانی، اصل مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۸۸۵ء لے بھالہ مراسلہ ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۵ء صاحب مشورہ سرکار میں لکھا کہ مال و انصاف، شمال مغربی صوبہ،
شمال و دلا اس کے مختلف گورنر صدر دیوانی، اصل مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۸۵ء لے ایضاً لے روڈا اس کے مختلف گورنر صدر دیوانی، اصل مورخہ ۱۹
جولائی نام اگست ۱۸۸۵ء لے ایضاً لے انگریز میں دیکھا کہ قانون دیوانی ۱۸۸۵ء



کچھ نہ مانا دل نشاِ حسن جانا نہ ہوا
 ایک اپنا رہ گیا تھا وہ بھی بیگانہ ہوا
 آنسوؤں پر ختم سوزِ دل کا افسانہ ہوا
 خاک کے سدا ہوا تھا خاک پر دانہ ہوا
 چھوڑ کے پھولوں کو کانٹوں کو لگتے ہوں گے
 ہوش میں آیا تو سب کہتے ہیں دیوانہ ہوا
 انقلاب ایسے بھی آتے ہیں ہمارے سامنے
 دم زدن میں بستیوں کا نام دیرانہ ہوا
 زندہ یا سا ہو تو پیمانے کی کمر قیمت نہیں
 چھوٹے ہونٹوں کو مرے پیمانہ پیمانہ ہوا
 دل کے اندر بس نہیں کچھ ایسی ہی صورتیں
 اچھا خاصہ گھر خدا کا اک صنم خانہ ہوا
 جس حسین لہجے تبسم کی قسم کھاتا ہوں میں
 تہا اشارہ آپ کا بدنام دیوانہ ہوا
 سوچتے ہی سوچتے کتنا گیا دورِ حیات
 دیکھتے ہی دیکھتے لبریز پیمانہ ہوا
 خاک میں رکے گریباں اک میں تہا نہ تھے
 مگر کون فرستے ہے جو کون دیوانہ ہوا
 کچھ نہ داغ نہ کسک نہ کچھ ان آنکھوں کا شمار
 مارا خدا سب جو بیت جامِ دیمانہ ہوا

برابر نہ تھا۔ وہ جب بھی چلتے بندھیں اٹھا کر دیسے ہیں پارکے
میلانی علاقے میں آجائے اور اپنی سیاہی کا مظاہرہ کر کے اپنے ہواضعات
میں واپس چلے جاتے تھے

اس علاقے کے افسر نے ایک بار ہمارے گویا کی فوج کے ساتھ
دب چکر چھپا دیے۔ انہوں نے کشمیری کے پریٹانی اور دوا دلا
جی گئی۔ تلاش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخر میں جب اس بات کا علم
ہوا کہ نالوں گاؤں میں اونٹ ہیں تو ہمارے گویا کو اس کی مہر
گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ یا زورہ لوگ اونٹ واپس کر دیں یا دھو
توپ لگا کر مار دیا جائے۔ گھائوں کے چاروں طرف توپیں لگوا دی
گئیں اور حکم پر عمل ہوئے ہی والا تھا کہ کچھ باڑوں کو لے گئے
شدید کا سلسلہ جاری کیا اور ہمارے متوہرہ دیا کہ ایسے بہادر لوگوں
کو برا کر دیا دشنی نہوگی۔ ہمارے لوگ دم کر دیے کے احکام
دائیں لیے اور گاؤں والوں نے اونٹ واپس کیے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا صبر اتنا مقصد تھا کہ تیل میں چلنے
کی مہاراجہ تھے اس میں کتنے دیر بجائے اور بہادر لوگ ہوتے تھے۔
جملہ دہشت اس علاقے کی روایت ہے ایسے بہادرانہ ماحول میں
اس طرح کے انقلابی رہا کا پیدا ہونا کوئی زیادہ عجب نہیں ہے۔
خود سب کے دادا شری نال لال جی بھی بڑے ہی جیوت دے تھے۔
اس علاقے میں ان کی قوت و دلیری کا ہر شخص تان تھا۔ لیکن کچھ عرصے
بعد فاطمی مہلات میں تنازعہ پیدا ہو جانے کے باعث یہ اپنے دلوں
پر کے مرنے دھرا کر کلیان لال جی کو لے کر مٹا جہاں پورے گئے یہاں
پر کچھ دنوں تک بہت ہی مسرت کی زندگی بسر کی، لیکن کچھ عرصے بعد
نر نال لال جی نے شاہ جہاں پور میں ہی ایک عمارت کی دوکان پر
روپہ اچھا پر پڑ کر کی گئی تھی۔ اس زمانے میں قوط بھی پڑا تھا۔
اس لیے چاروں طرف اور بھی مہاشی دھالی کا دور دورہ تھا۔ مگر اپنی
اگرچہ آسمان پر پہنچ چکی تھی، لیکن وہ اس تیل رقم میں ہی گزر بسر کرتے
رہے۔ اس کا سہرا تیل کی دکان کے سر تھا جوڑی ہی سلیقہ مند و منتظم
خاتون تھیں۔ وہ اس مختصر رقم میں بھی کسی نہ کسی طرح اپنے خاندان
و انوں کو روٹی کھلائی دیتیں۔ خود آدھا بیٹ کھائیں اور کبھی کبھی تو بھی

ہندستان ری پبلکن ایسوسی ایشن کی بنیاد۔

۱۹۵۱ء کے انقلاب کے بعد حکومت برطانیہ نے ہندستانوں طرح
طرح کے ظلم و جور ڈھائے شروع کر دیے اور اس بات کی کوشش میں
لگی رہی کہ کسی نہ کسی طرح ان کے جذبہ حریت کو پا ل کر دیا جائے اس
وقت کا جس میں "نرم دل" اور "گرم دل" دو طرح کے نظریات اجاگر ہو گئے
تھے۔ گرم دل، جیسے کے افراد انقلاب میں یقین رکھتے تھے اور انقلاب زندہ باؤ
کا سر ہر دستاں میں جسے پہلے انھیں بغاوت پسندوں نے بند کیا اس
طرح "گرم دل" کے افراد انگریزوں کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج تھے۔ اس
گروہ نے "ہندو اتزم" اور "بھارت آتا کی ہے" کے دعوے اپنی
تحریک کی علامت کے طور پر بنائے تھے اور اس تحریک کا نام "ہندستان
ری پبلکن ایسوسی ایشن" تھا جس کے بانی رام پرساد تیل تھے۔ اس تحریک
کے قیام و ضرورت "پلے کا مڈ" کے ام سے صرف کیے گئے تھے، جس میں
قدیم بغاوت پسند عناصر اور جدید باغیانہ رجحانات کا مزاج سے ایک نیا
آئین صرف کر کے پیش کر گیا تھا۔ سب کا کوری کا مادہ تیل آ اور پڑے
بایوں کے گرد ہاں اور انھیں پھاسی کی سرائیں ہوئیں تو اس تحریک کی قیادت
پر ہستی کو راد اور سردار بھگت سنگھ کے ہاتھ آئی اور ان لوگوں نے تحریک
کا نام بدل کر "ہندستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن" رکھا۔ اس
وقت تک ہندستان میں سوشلسٹ پارٹی کی راج پیل نہیں پڑی تھی اور
کیونٹ پارٹی کا دھوڑو کا فز بھی نہیں تھا۔ اس لیے یہ تحریک
سن ۱۹۵۲ء کے طے پور جیل میں اپنوں مٹا کر ہر ہندو گویا کا کام تمام
کرنے والے کھانی لال کو بھاسی دی جائے سے لے کر ۱۹۵۳ء کا کوری
حادثہ تک کافی شدت اختیار کر چکی تھی اور سردار بھگت سنگھ کے قتل یعنی
۱۹۵۳ء کے بعد سے ۱۹۵۴ء تک پیپے پیچھے یہ تحریک دھم پڑی گئی
اور کانگریس کے نرم دل کا اثر بڑھتا گیا، جس سے تھوڑی پندی کے کابلے
"سنگرم" جیسی تحریکات نے جڑیں پکڑ لیں۔

نسل کا احوال اور خاندانی حالات

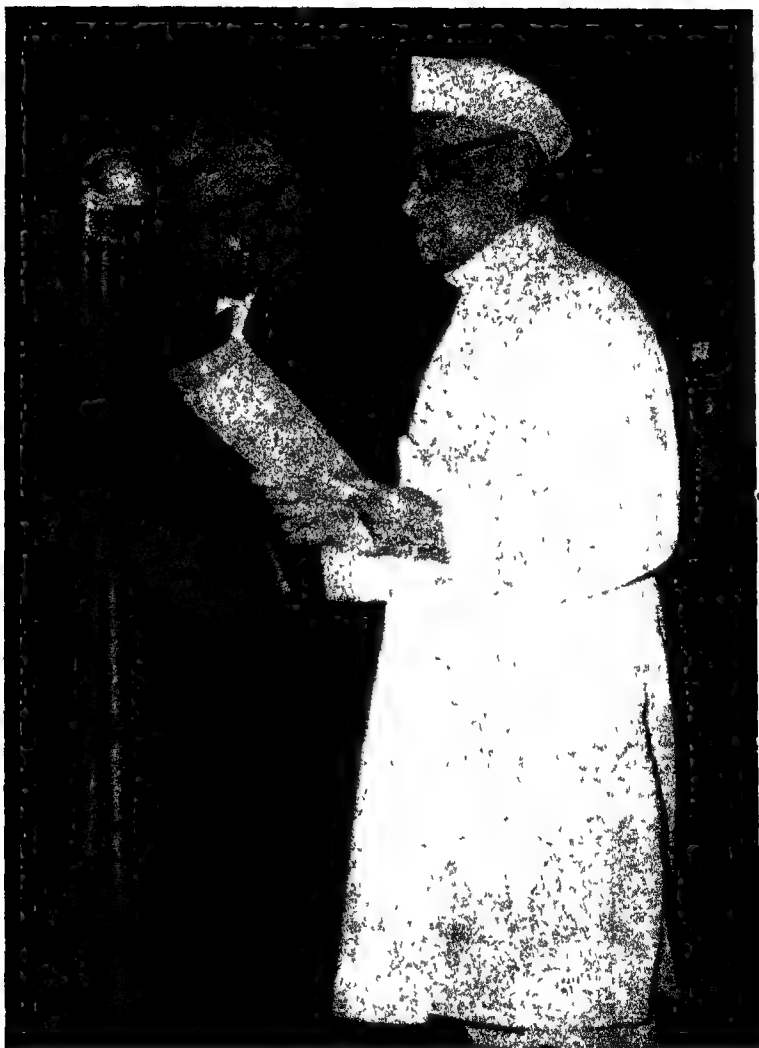
یاد رہے گویا میں خود سگڑ کے علاقہ کے نام سے ایک مقام
دریائے جہل کے کنارے واقع ہے۔ وہاں کے اکثر حصے بڑے دیر اور
بہادر ہیں۔ ان پر حکومت برطانیہ اور ہمارے گویا کے درجہ کا بھی ذوق

تحریک بغاوت کی ابتدا

اسی رات میں کھنڈ میں کاغذیں کا اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں کچھ ایسے بھی افراد شامل ہوئے تھے جو ملک میں نظم اور سرخ فوج کی تشکیل کرنے کے عمل میں پہلا ہندو کے حامی تھے۔ انھوں نے ایک خط اجلاس کا بھی اہتمام کیا تھا جس کا مقصد ایسے افراد سے رابطہ قائم کرنا تھا جو ان کے نقطہ کی حمایت میں ہوں جب لیسن کو اس ملک کے خطی جگوس کی ضرورت ملی تو انھوں نے اس کو کامیاب بنانے کی جان وڑ کو کوشش کی، اور جب اس اجلاس کے سرگرم اداکین نے دیکھا کہ سبب بہت ہی فراخ دلی اور جلدی کی ہے اس تحریک کی حمایت میں ہیں تو ان لوگوں نے انھیں باقاعدہ طور پر اس تحریک کا رکن بنایا اس کئی کو ملی دشواریوں کا سامنا تھا کیونکہ اس تحریک کو ملی صورت دینے کے لیے اسلوں کی فراہمی کی ضرورت تھی ان کے پاس اپنے اسلحے تو بہت ہی مختصر تھے۔ سبب سے بے دلی کی ایک کتاب ٹائٹ کی جائے، اس سے جو ملتا ہوا ہے کینی کے نژاد میں داخل کر دیا جائے اور اس سے اسلوں کی خریداری کی جائے کچھ کے ادا کیا جائے کہ راکٹیں سب کی اشاعت کے لیے روپے کہاں سے آئیں گے، کچھ دلال ای کوئڈ غور میں رہنے کے بعد لیسن کو ایک تدبیر سوچی۔ انھوں نے اپنی والدہ سے کہا۔ "اے میں کچھ روز گھر کا پاتا ہوں میں اس اچھا نتائج جو گا، اگر آپ روپیہ دے سکیں تو پورا اچھا ہوگا، ان کی اسلحے چاہ دیا کہ کچھ کمیرا لیا تھا بہت تنگ ہے کمپنی کا سامنا کرنا چاہے اس لیے کچھ روز گھر کا سرورج کرنا۔" انا کہہ انھوں نے دو سو روپے دے دیے۔ "اور لیسن نے" امریکہ کو آزادی کیسے ملی؟" اسی کتاب ٹائٹ کی، اس کی اشاعت کے وقت دو سو روپوں کی اور ضرورت پڑی اور ان کی والدہ نے اس رقم کو بھی دیا، لیکن بولی کی جلدی فرخست جو ناشر شروع ہو گئیں۔ اس کے منافع دو سو روپے کی پہلی قسط لیسن نے اپنی والدہ کو ادا کر دی۔ ابھی اس کی ادھر کا چال فرخست جو نے کو باقی تھیں کہ اس تحریک کے سرگرم کن شری گیلانی ہی دکت، گولیا، رئیس قید کر لیے گئے اور عدالتی حکومت سے بھی کتاب کو بھی ضبط کر لیا، اب پھر محکمہ ناگیکر کوئی کر دے گا اس سے فراہم کیے جائیں گے کہ زیادہ تعداد میں اسلحہ چاہ خریست

رو غیر اپنا اور دوسرا لگ بھگ کر دہ جائیں، لیکن جوں کے بے چہرہ جو اہدہ ہمارے وطن پر کے ضرور انتظام کریں۔ جیلان پٹیا لیا کی کتاب نہ لاکر ان کے طور پر ان لال ہی کیے کہ۔ اس قدر تلخ زندگی کو اپنے سے اچھا ہے کہ واپس گھر ہی چلیں۔" تو کبھی وہ وہی کے لیے ذرا سی ہوئیں اور بہت ہی محرم ہجے میں کہیں کہ۔ "جب ایک بڑی سے رشتہ توڑ دیکھے تو پھر اس کو قائم کرنا زور لی اور بے فیر ہے۔" یہ تھے وہ خاندانی حالات جس کے پس منظر میں یہی ہوا ان کے گھر میں جیتا اور غیرت کا جو دور رہا تھا۔ اسی لیے خود داری کے حوصلے کے واسطے جان کی بازی لگانا آسان سمجھتے تھے لیکن غلامی کی قید و بندیں وہ کر وہ فلسفہ کی زندگی بسر کرنا اور انہیں کرتے تھے انھوں نے بڑا فانی سامراج سے اپنی طبیعت، اطراف، تہذیب، اخلاق، اور عادت کا سودا کرنا بھی نہیں پسند کیا۔

لیسن کی پیدائش کا شریف شاہ جہاں پوری کو حاصل ہے جب لیسن کی عمر سات سال کی ہوئی تو ان کی اقامتہ طور تلچنگ کا آغاز ہوا کیونکہ ان کے والد شری دھرم کی تعلیم و تربیت کا بہت فعال رہا تھا۔ اس وقت کی رسم کے مطابق رام پراسادی کی تعلیم کی ابتدا اردو، فارسی سے ہوتی ہے پھر وہ ہندی کی طرز و بوج سے اور رفتہ رفتہ ابھی استعداد حاصل کرتی کچھ عرصے بعد آریہ سماج کی تحریک سے متاثر افراد نے انھیں آریہ سماج کے نظریات سے واقف کرایا اور لیسن کٹر آریہ سماجی بن گئے، اگرچہ ان کے والدستان دھرم میں یقین رکھتے تھے جب ان کے والد کو علم ہوا تو انھوں نے رام پراساد لیسن کو بلایا اور سخت انماز میں تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ تم اپنا تو آریہ سماج جوڑ دے پھر پھر دھرم نام پڑاؤ میں اپنے اصولوں سے آگے نہ گھرو جوڑنا پسند کر لیا اور ملنا باپ کے چوں چکر گھر سے جھٹ گئے دھرمک، وزیر ان کے والد کا پتہ ملنے پر مذمت مرس ہوئی اور لیسن کو کٹان کر کے گھر لائے اس واقعہ بھی بیان کرتے کا مقصد یہ ہے کہ لیسن کا پاک فطرت کی طرف توجہ نہیں ہوئے بلکہ وہ پھر بھی بہت اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے جس شخص نے اپنے اصول و نظریات کے ساتھ اپنے نظریات و نظریات کو ٹھکرا دیا وہ بڑا فانی سامراج کے تسلیم اصولوں سے بے چہرہ کر سکتا تھا۔

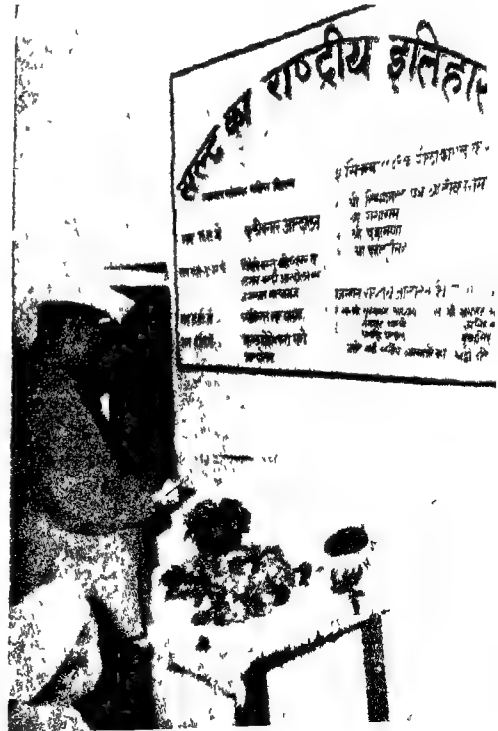


شہری اکبر علی خاں

اتر پردیش کے گورنر کی حیثیت سے ۱۴ مارچ ۱۹۷۲ء کو راج بھوں میں ملتے ہیں



▲ گامدھیتی کے موقع پر تک ہاں کوسل ہاؤس ٹھہریں ویراٹھی تری کلاقی تریا بھی بہترین حدت کے لیے انہوں اور
سرکاری ملازموں کو نقد انعام اور توصیفی سرٹیفکیٹ عطا کرتے ہوئے
ہیٹ سے دائیں تری ٹولیدر سنگھ بک ڈرائیوری ڈیو ڈی، سرری اے این کول ایس ایس یی ٹھہری ڈی ڈی
ہوسٹی ڈی کتھر ٹھہری لال سکلا ڈی سکریٹری



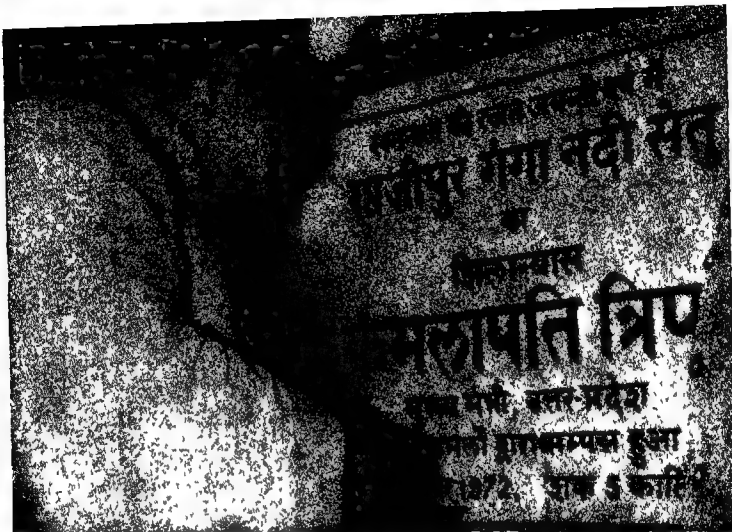
◀ ورمیوتا سیاست
تری زمان دت تیواری
سُلت (صلع المورہ) میں شہیدوں کی
یادگار پران شہیدوں کو نذرانہ عقیدت
میں کر رہے ہیں
۱۹۴۲ء کے
ہندوستان چھوڑا مدد مل میں اور وطن
پر مشاہد ہوئے تھے۔



بکسل اپنی تریاخی ۱۵ دوسرے ۱۹۵۷ء کو سینا وریں پی رہے ہی
مقاملے میں ۲۴ دس الیں کے کستان تری کد ریل پاشے
کو یم جیس کی ثانی عطا کرتے ہے

آزادی کی ۲۵ دس سالگرہ کی تقریبات کے سلسلے میں وزیر تقریرت عامر شری عسکری شکر یادو
لو تقریر جھٹ دیوا سرک کاہرا کو پرتسہ ۱۹۶۷ء کو افتتاح کرتے ہوئے





وزیر اعلیٰ نے شہر کے کلاسک سے سو کیا بیٹھوے، رادی کی ۱۵ ویں سالگرہ کی تقریب کے سال میں شروع کیے جانے والے ترقیاتی کاموں کے سلسلے میں ماری پور کے دیارے گنگا کے مجرہ میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۷ء کو ملک میں یاد رکھتے ہوئے۔

جواہر جی کے موقع پر ۱۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو کوکسٹل اسپورٹس اسٹیڈیم میں یوم اطفال جوکسٹل و جموں سے سہارا گیا تصویر میں وزیر اعلیٰ شری تر باٹھی یوم اطفال میں حصہ لینے والے بچوں اور بچیوں کی کامیاب زندگی کے لیے ہی دی تنہا کا اظہار کرتے ہوئے۔



یہ وہی نذر عورت و جوان مردی ہے، جسے کاروری کے دانے میں چھانی کی منوٹائی چلبستے جس عاجزی آنا دیکھتے، عدالت سے اہم زمین پر بیچے کو کھجور کھجور کر گایا تھا اور ان کے عزم و استقلال کو دیکھ کر عدالت کو کھجور ہوا تھا

اس وقت کے رسائل اور املاات میں نسل کا کلام قایم ہوتا تھا۔ ”پربھا“ اور ”رام“ نامی اہلاد رسالوں میں ان کے تخلیقات نقل مشاع ہوتی تھیں لیکن انہوں نے کہ اختیاری سلاطین و قلعین کے اہل بھی ان کی نالیوں و منیاب میں ہو سکتی ہیں اس لیے ان کا مکمل کلام اہل نظر کے سامنے نہیں آسکتا ہے ایک مختصر انتخاب کلام پیش ہے۔

مرث گہا بننے والا پھر سلام آؤ کیا دل کی مرادی کے بعد کا نام آؤ کیا لاف اپنی رنگ میں ہم یہ مسطر دیکھتے یوں سرزرت کوئی مشہور نام آیا تو کیا مرث نہیں ملا میر ہار اسرار احوال اس گھڑی پھر نام نہ کر لیا تو کیا لے دل اکھٹ جاب آج کو یاد میں۔ بھر میری ناک میں کے کند کام آیا تو کیا آؤ کھ دیکھ کے قاس حق مستحق کے تڑپ

مجموعہ دم گرد چو کوئی لالہ ام آؤ کیا ہم شہزادوں و ماکادین دایاں اور ہے حمد کرتے ہیں میری اڈوں پر چاڑھتے

یہ بحر نامیں ہلدا یارک ش نسل کی کھوکی کھلیاں ہیں و عطر شیر تاش کی

زایر دل کو صدف نے جان کو مدد دیا کونے صفت میں یہ لایم کو کچھ دیکھ کر میرے

کھ کھ کھوکی اسکو دل کے دل کا ہی ہنسنے لگھی ہیں، اوسل غرض ہے دلیں

اکلہ تری رسا نہ اور قوی تو ہے اتنی میں ہوں زمیری اور زور ہے

جنگ کو تین میں جاں دگوں میں لہو ہے تیرا ہی دکر اور تری مستجو ہے

کیا بدلت ہے کو رنگ گے یہ آتی پہلہ دم نہ تلواد جنگ حال نسل میں ہے

(بقیہ صفحہ ۲۶)

جاسکے۔ نسل نے بہت ہی کوششوں سے کچھ مزید بند و قیں و فیروہ انکھا کیں اور مجھ سے ہو کر نہ کے تحت کاروری کے سسٹین پسرکاری خورنے کو لکھنے کی تیاری میں مشغول ہو گئے پھر ۱۹۲۵ء کو کاروری میں سرکاری فز انڈر لٹ لیا گیا۔ اس جرم میں منیلا اور لوگوں کے تسلسل اور اشفاق انڈر خاں بھی گرفتار ہوئے اور برطانوی حکومت نے انھیں سخت ترین سزا دی اور ۱۷ دسمبر ۱۹۲۵ء کو انھیں پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا تسلسل کی بھانسی کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ملک کے طول و عرض میں گیسو رنج و غم کا اظہار کیا گیا لاکھوں افراد نے متحد ہو کر رام پور و تسلسل مددہ بار کافروں کو لکھا، ”وہ، بولنے، صوان، اندکوں نے“ ”عادت آتا کی ہے“ اور ”وہ سے اترم“ کے مخصوص فرقے لکھے، جس کے تسلسل کو مدد دینے والے بھی لکھے ایک راہن جو کہ جس کا منہ نہ بولتا اور دے ہوئے تھے سے مانا گیا۔ شہیدوں کی چٹاؤں پر لگیں گے ہر برس ملے وطن پر میرے دالوں کا ہی بانی تھا مگا

(۳)

تسل میا دی طور پر اردو کے طالب علم تھے، اس لیے اردو زبان سے بھی انھیں نوری ناست تھی اور اسی خصوصی سلسلے ان سے تعریفی کہلات ہیں۔ حقیقت ہمدان کی جنگ آزادی میں اردو شعراء و ادباء کا اہم رول رہا ہے اور تسلسل کے اشعار نے بھی ادبی حقیقت و طبیعت کا صوت دیا ہے اس وقت کی آزادی کی ادبی مضامین تسلسل کے لیے گئے رستے تھے، لہذا تسلسل کی ساعری ایک تاریخی اہمیت کی اہم ہے۔ جب ۱۹۲۵ء میں راج برائن مصر کو پھانسی کی سزا ملی تو وہ پھانسی کے تختے تسلسل کے اندر چھ دیل اشعار و اہلہ عقیدت سے لگلائے تھے۔

مرفوعہ کی نواب جانے دل میں ہے دیکھا ہے و دیکھتا اورے قاتل میں ہے ہر ہوا صحت دہ۔ ہا راہ میں لہرت مہر اور دلی دلی سرل میں ہے تمہی قتل میں یہ قاتل کہہ دیا ہے ابارہ اس کھلا سوئی شہادت بھی کسی کے لیے ہے وقت آئے دے تازیں گے قتلے آسلا ہم بھی کسی کی تازیں کیا بلانے لیں ہے لے غمید لگنے ملت، تیرے ادب و نثار اس کی جنت کا جیہا عری نسل میں ہے اب دیکھ دیکھ میرا دورہ اور ان کی بیڑ ایک سٹ جانے کی سرتیں لیں تسلسل ہے

دسمبر ۱۹۲۵ء

اگر ۱۷ دسمبر ۱۹۲۵ء



بشعورِ بیلوئے

ہیں جو پیش نظر اس ذاتی کے اصول
ہم آپ سے ہوں کسیدہ۔ آپ ہم سے ملوں
یہ چھوٹے سرِ بھاء ذہنیت ہے فضول
یہ دشمنوں کی ہن جالبین اٹھیں۔ کچھ توں
ہا ایک شورۂ میک ہے، اگر مانیں
مگر اس کو کہیں آپ مردی جانیں
مافق کا نتیجہ تھیں نہیں معلوم
آل ظلم و جفا کیا تھیں نہیں معلوم
شعارِ سب دل نہ تھیں نہیں معلوم
ہمارا فرض ہے کہا کجا تھیں نہیں معلوم
ہم اس زمین کے تقدس پر سرکشا دینگے
یہاں راہ میں آئیں تو ہم ہٹا دینگے
کریں جو آپ بھی ملکہ معاہدے پہ عمل
فضائے امن جو قائم تو کیلے ہوں صل
مگر جیکے ہیں جو حالات خود ہی جائیں سنھل
تو دوڑوں دیشوں میں کھل جائیں آرزو کے کول
جنا سازوں کی مارش جو کامیاب نہ ہو
تو پھر جہاں میں ہمارا کوئی جواب نہ ہو

ہمیں بھی مکرملے یہ مہرِ سلام
کہ یہ کھان کا ہے طرہ و طریقہ اسلام
کیا ہے وہ ہم و ہر ہم جو زندگی کا نظام
ہمارے خلق و محنت کا ہے یہی انعام
سمجھ میں آیا۔ بھارت سے دشمنی کا سبب
ملا وجہ تو مناسب نہیں، بغیرِ غضب
یہی زمین، تمھاری بھی حسد دا ما ہے
اسی زمین کی صداؤں سے تم کو پالسا ہے
اسی زمین پہ کبھی بھیجنا گدا ہے
اسی زمین پہ تمھارا شباب آیا ہے
وہی زمین جہاں آگتے تھے آرو کے جس
وہی زمین جہاں تھے ہیں نہ جھگڑا دمن
اسی وطن پہ کبھی تم بھی غم نہ کرتے تھے
دم اس کی عظمت کو کس کام بھی بھرتے تھے
ترائے گاتے تھے ایکے جہاں گدہ رتے تھے
نہ بھولو اسکے تقدس پر تم بھی مرنے تھے
کہاں پھاو گے اقبال کے نوائے کو
ذائقہ اٹوائے کا موقع۔ دوڑ مانے کو



کھلنے کی نینک وہ اداں انوار ستہ بھی توج کئی بھی اس کے ساتھ ۔
میں تھا اپنے بنا یا کسب لوگ اشد کہ کچھ ہیں۔ اسے نعب ہوا کہ آج اتنی
جلدی ناش کیسے ہو گیا کسی نے اس کا انظار بھی نہ کیا۔ اس کے ڈیڑی بھی
ایسا نہیں کرتے تھے اور شام کو اس سے لوٹ کر وہ اسے دم بھر کو بھی
اپنی آنکھوں سے ابھیں نہیں جوتے دیتے تھے۔

اُس دن سنا کھینے کے لیے اہم بھل اس کا جی نہ لگا وہ بار بار گھر
لوٹ آتی تھی کسی نہ کسی طرح دن کٹ گیا۔ رات کو وہ بستر پر لیٹی تو اسے
بے اختیار دہانہ لگ گیا اور وہ روتے ہی روتے سو گئی

دوسرے دن سویرے وہ اٹھی تو جب صبح کا شور تھا اس کا دل
رود و دوسے دھر گئے تھا۔ وہ چپ چاپ ڈیڑی کے کمرے کی طرف بڑھی بیٹھے
میں اسے خیال آیا کہ وہ ٹوٹ نہیں پہلے سے ڈیڑی ناراض ہوں گے۔ وہ
لوٹ کر ٹوٹ تلاش کرنے لگی۔ بیاری کی حالت میں وہ انھیں پریشان نہیں
کرنا چاہتی تھی

ڈیڑی کے کمرے میں حلات معمول بہت سے رشتے دار جمع تھے اس
نے دیکھا کہ اس کے ڈیڑی اپنا چہرہ حاد سے ٹھیک بھی نہ کر رہے ہیں۔
سشمان کے رنگ کے قریب جلتے لگی تو اس کو سن کر دیا گیا۔ وہ
اپنی جگہ گئی۔ ٹھیک ہی تھے ڈیڑی نے ابھی کئی دن سے چاہتا تھا کہ کئی
گہری نیند سو رہے ہیں ابھی تو اسے جگا نہ انہیں چاہیے آرام کرتے دیتا چاہیے۔ وہ
گہری نیند سو رہے ہیں ابھی تو اسے جگا نہ انہیں چاہیے آرام کرتے دیتا چاہیے۔ وہ
نام لگے سے بتایا گیا کہ اس کے ڈیڑی کو اکثر صاحب نے نیند کی دوائے
دی ہے اور علاج کے لیے وہ انھیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

سشمان کی زندگی ایک خواب پریشاں کی طرح ہو گئی تھی وہ دن کٹے تو گلا
تھے جب وہ صبح جاگ کھلے کے باوجود سوئی تھی جی جی کہ اس کے ڈیڑی پہلے تھیں
بچے چرس کے بالوں میں اٹھیاں پھیرتے تھیں وہ اٹھا کرتی اسے ان کی پلہ
بھری نانتوں میں لطف لٹا تھا جس کی وہ عادی ہو چکی تھی۔

اُس منوں دن بھی سویرے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی مگر وہ حلات
انظار کرتی رہی کہ ڈیڑی آئیں تو اٹھے مگر جب وہ ایک ڈیڑی تھیں اے تو
اسید ہو کر وہ کچھ بھلا کر وہ خود ہی اٹھ بیٹھی اور سیدھی ان کے کمرے میں نکلتی
کرتے تھی۔ ڈیڑی کا چہرہ اترا اترا سا تھا پھر بھی انھوں نے سشمان کو کچھ نہ سنا کر لے لے
"آپ کی طبیعت خواب ہے کیا؟ آج آپ مجھے جگانے بھی نہیں آئے"
"اب بچی آج پھر تکلیف ہو گئی ہے۔ تمہاری جی سے کھانے کے لیے کہا تھا۔"
انھوں نے بتایا کہ تم بے حس ہو رہی ہو تو میں نے سن کر دیا کوئی گہری نیند سو رہا
ہو تو اسے آرام کرنے دینا چاہیے۔

سشمان نے اپنی پیشانی تھوکر دیکھی وہ بالکل ٹھنڈی ہو رہی تھی جیسے روت۔
"آپ کو بخار تو نہیں معلوم ہوا۔ سر میں درد ہے کیا؟ لایے وادوں"
اور منہ کرنے کے باوجود وہ دھیرے دھیرے ان کا سر سسلائے لگی جیسے وہ
خود اس کو جگانے کے لیے سسلا کر لے گئے تھے

ڈاکٹر صاحب ایک بار پھر آئے کھڑی وہ اٹھیں تو یونیکس اور نقین
طلبے کہ اس کے ڈیڑی جلد اچھے ہو جائیں گے۔
وہ دوپہانے کے پاس بیٹھی رہی۔ سر شش بالکل فائز شش غلہ اس
سکوت سے اسے دھت ہونے لگی کہ اتنے میں اس کی آنے اسے اشارے سے
ہاس بلکہ ہاگہاگہا پیچھے چلتے ہی جیسے :-

قریب پہنچے گا ایک پتلا سارا ستارہ آتا وہ پر کو جب برطون مستان
چھا جاتا تو وہ اس چمکے اس بٹھا گئی تھی۔

تالاب کی چھوٹی چھوٹی لہریں جب ایک جانب سے دوسری جانب
تیزی سے بھاگتی ہوئی سامنے سے گزرتے لہتیں تو اسے محسوس ہوا جیسے
وہ جگہ جہاں وہ پہنچی ہوئی ہے ایک کشتی کی طرح چل چڑی ہے اس خاص
سے اسے چڑی آسودگی ملا کشتی تھی وہ زندگی سے نزار کی خواہش تھی۔

جوانی میں قدم رکھنے کے بعد بھی فرار کی خواہش جوں کی توں
قائم رہی اس کے دل کے سونے میں کوئی فرق نہ آیا آخر کبھی پہلی
سے سے سینا سکھا دیا وہ کیا چاہتی ہے کیا نہیں اسے کیا پسند ہے کیا
اپنا یہ سب ایک عرصہ میں گیا وہ سب کچھ باقی تھی اور کچھ نہیں اسے
سب پڑ بھی تھا اور اپنہ بھی۔

خود دعا میں سکون کی دھوپ چھاؤں میں دست دے پاؤں
گدہ تار دے گئی کے اس دور میں اسے اس کا ساتھ دیا اور کچھ نہیں
تو اس کے احساس بنائی میں ایک گدہ کی ضرورت واقع ہو گئی۔

اس نے اس کو اچھے ہرے نیالت کی دہلیسے باہر نکال لیا جہاں
وہ رشیم کے برے کی طرح بناؤ گزرتی تھی پھر بھی کوئی چیز اس کے اور اس
کے درمیان دیوار کی طرح اتار دے تھی۔ اس کی دل چاہی میں کوئی
کسر نہ تھا رکھتا پھر بھی سستا کو ہر دم ایک گناہ میں شعلش کا اوسنا
ہوا کرتا۔ اس سے مل کر اسے سکون تو ملتا مگر یہ بڑا عاشق ثابت ہوتا
اور پختہ ہی ہی دیر بعد وہ سوچنے لگتی کہ اس چلا جائے اور اسے اسکے
حال پر چھوڑ دے تو اچھا ہو۔

آخر ایک دن اس چلا گیا اس کو کہیں دوسرے شہر میں نوکری
مل گئی تھی ایک عرصے تک خط و کتابت جاری رہی پھر یہ سلسلہ منقطع
ہو گیا۔ سستا کو اس سے شکیف پہنچی انہیں یہ بھی اس پر شکیک سے
واقعہ تک نہ ہو سکا اس کے بسا کہ ایک تنگ اس نے تسمانی میں بشیار
حباب دیکھے۔ وہ ایک تصویر بنائی پھر خود ہی اس کو مٹا بھی ڈالتی ای
دوران ایک ایسی تصویر بنی جو عتدی اور کشش تھی۔

شیش سے اس کی باتا حد ملا تا تا ایک کتب میں ہوئی
جہاں اس دن نئے سال کے استقبال میں جشن منایا جا رہا تھا ہاں

ان کے ملے جانے کے بعد وہ ان کا انتظار کرتی رہی سب سے پہلی
کراس کے ڈیڑی گپ آئیں گے کوئی بھی اس کے سوال کا جواب نہ دے گا
آخر ایک دن اسے تاپا گیا کہ اس کے ڈیڑی کا تبادلہ کہیں بہت دیر ہو گیا
اور وہ ملری نہیں آسکیں گے۔

ظرمع شرمع میں کشتی دن اس کی تھی اسے لے جگا یا کہیں اس نے
ابھیں یہ کہ کر سن کر دیا کہ وہ خود ہی سویرے اٹھ جا کر گئے گی۔

اب دن کسی طرح کاٹے نہ کٹا وہ صبح سے شام تک پوسے گھر
میں بٹھتی پھرتی۔ کوئی تسلی آجاتی تو غیر ورنہ اسے کسی کا انتظار نہیں ہوتا
تھا۔ شام کو ایک ماسٹر صاحب آجائے تھے جن کی ٹھڈی غائب تھی۔ وہ
اس کے اسکیں سے بار بار قیاس کے اندر سے اپنی پیٹھ کھیا کرتے تھے ماسٹر صاحب
کی اس حرکت سے اسے جڑ تھی ان کے جانے کے بعد اسے اسکیں اٹھاتے تھے
کہ بہت محسوس ہوتی یہ ماسٹر صاحب کے ڈیڑی سے کتنے مختلف تھے ہر وقت
تاک بھوں چڑھی ہوئی۔

اگلے روز کو وہ اپنے ڈیڑی کو خواب میں دیکھتی اور ہر رات یہ یقین کر لیتی
کہ کچھ بڑا کچھ یہ خواب نہیں ہے اس کے ڈیڑی کی جگہ واپس آگئے ہیں
اور اب اسے چھوڑ کر کہیں۔ جا میں گئے۔ اس نے گورے ہرے پرست کی
دن ایک باہر پھوٹ آئے ہیں۔

صبح اب پہلی سی صبح نہیں رہ گئی تھی۔ وہ بے دلی کے ساتھ
اس کا سکون دم پر ہم کہہ تھی اب اسے گھر سے بھی ابھیں ہوتی تھی۔
اس کا راز وہ وقت فرمے کہ ایک تالاب کے کنارے گدہ رکھتا تھا اس
تالاب میں ایک پتھر کا ستون گڑا ہوا تھا جس کے باسے میں مشور تھا کہ
کبھی کوئی جنازا نہیں کہیں اس پاس اپنا خزانہ دفن کر کے نسا نہی کے
لیے یہ پتھر نصب کر گیا ہے۔

تالاب کے کنارے کہیں سے روز ایک چھلا سویرے ہی آجایا کرتا تھا۔
وہ سو جا کر تھی کوٹھنے والی کہانی کی طرح کسی جاو گئے اس
جہاں سے کہیں ملگا تو نہیں بنا دیا ہے۔

اسے اب اس خزانہ کبھی نہیں مل سکتا پھر بھی اسے چارہ بیان اس اگلے
دن دن بھر نظر رہتا ہے

برسات کے بعد جب تالاب کا پانی ڈرا کم ہو جاتا تو اس پتھر کے

”میں عقل و ذہن نہیں جو رہا ہوں؟“
 ”نہیں تو۔“
 ”تنہائی پسند لوگوں میں عقلی صلاحیتیں بھی ہوا کرتی ہیں۔“
 ”مجھ میں کوئی صلاحیت نہیں ہے۔“
 ”تعب ہے۔ حیر اس موضوع کو چھوڑ دو کل یا سال شروع ہو گا آہ ہم بھی اس کا استقبال کریں۔“
 ”کیا ضروری ہے کہ ہم ہر نئے سال کا استقبال کیا کریں اس سے بھی کہیں کوئی فرق پڑے۔“
 ”میں ضروری تو نہیں لیکن کیوں نہ زندگی کے ہر موڑ پر ہم کسی ہلے ٹھوڑا سا حوش بولیا کریں اس میں آخر ہر جہاں کیا ہوگا۔“
 ”لیکن ہمارے اختیار میں کچھ تو بہاؤ کیا ہم شب و روز کے اس سیل رواں چرخ تک پتوں کی طرح نہیں ہیں؟ بہرہوں کے پھیلنے میں صدمہ محسوس ہوتا ہے جیسے جانے سے پہلے ان کے دم و دم پر اصرار نہ ہونے لگتے جھلکتے ایک دن کہیں گم ہو جائیں گے۔“
 ”تم تقدیر پرست ہو گئی ہو کیا؟“
 ”اور تم؟“
 ”میں کچھ بھی نہیں ایک تھکا ارا اظہان میں کبھی ٹھٹھکیں نہیں کا سر اٹھانے کے لیے اس شخص کے تون کو اپنے سامنے بھیلنا کون کی بیش کردہ قبریں دیکھا کرتا ہوں۔ منتقل کی یہ بھلک کبھی اس انگریز جوتے کبھی امیرانہ حب تک جی جاتا ہے یہ کھیل کھیلنا جیتا ہوں زندگی کے رگڑ رگڑ روپ دیکھتے دیکھتے جب ان جاتا ہوں تو مدد کرتا ہوں خدا بلے لے لیں ہوں یا صاحب اختیار۔“
 ”سنا اس اگلے خاموش کسی سوچ میں ڈوبی رہی۔“
 ”آج کی تقریب میں تم کوئی حصہ لینا نہیں چاہتیں تو نہ لو کچھ دیر میرا ساتھ دو۔“
 ”کون کا جب تک گم رہے گئے کچھ سوچ کر کرنے سال کے آغاز کا اظہان کر دیں اس وقت جب چاہ کر پورے سوچوں کا کھلنا دیکھا ہے۔“
 ”آخر کیا انہوں۔۔۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اس کے چہرے پر کبھی کبھار نظر آتے لگتا تھا کبھی اظہان سا۔“
 ”ایسا تم کو دیر ہو رہی

کے بچے فرش کو ادا بھی چکا کرنے کے لیے اس پر زور دے پادھر پھرا گیا تھا تاکہ دھس کرے ہوسے جو ٹھوں کے قدموں کی تیز تیز دھسوں پر بھی اپنے جہر دکھا سکے اور جسم پر لادے جھک سکے، سہمٹ سکے ہر سہمٹ سہمٹانے مادہ کی ہلکی ہلکی ساری پہن رہی تھی اور اسی رنگ کی ہندی بھی لگائی تھی پ ایک کا رنگ بھی کھلتا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے یہاں آنے کی حیا ہی بڑی بے دلی سے کی ہو۔“
 ”تم جاؤ“ اس نے ایک گوشے میں کھٹے ہوئے ایسی سیلی سے کہا ”دور سے آتی ہوئی آؤ اگر بہت سیاری معلوم ہوگی میں۔ کچھ دیر میں بیٹھیں گی۔“ وہ کسی خیال میں غرق تھی کہ تیش بھرتا بھرتا انہوں آگلا اظہان میں سرسری دواک لڑا قاتیں پہلے بھی ہو چکی تھیں اور کسی حد تک اجماعیت دور ہو چکی تھی۔
 ”تم سب سے الگ تھلک کیوں بیٹھی ہو اندر کہوں نہیں گئیں؟ تیش نے اس سے پوچھا
 ”یہاں سکوں ہے اندر بھرتا جالے سے بھی ہوتی ہے۔“
 ”میں خود بھی پرسکون جگہ کی تلاش میں تھا تم کو اعتراض نہ ہوتا میں بیٹھ جاؤں۔“
 ”ضرور بیٹھو مگر تم ان میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔“
 ”اس طرح کی تقریبی قرابتیں مجھے پسند نہیں۔ آؤ بلیر ڈوم کے پاس والے کمرے میں جا کر بیٹھیں وہاں ادھی عافیت ہوگی۔“
 ”اس کمرے میں شور بولے نام ہی نہ تھا۔ آؤ اگر سڑاکی دھبی دھبی کے ساتھ بلیر کی گیندوں کے کھڑے کی آواز تھوڑی تھوڑی دیر اندر شامل ہو جاتی تھی۔ خاموشی مزید رکھی ہوئی ایشیں ڈسے میں کسی کچھ ہوسے سگریٹ کا دھواں بھٹک کی جانب بلند ہو رہا تھا ہوا کے جھونکے سے دھوئیں کی یہ کمزور نکیر کانپ کانپ جاتی تھی۔“
 ”تم تنہا کیوں بیٹھی ہیں؟“
 ”یوں ہی۔۔۔ سہلے تیش کے سوال کا جواب دیا۔
 ”تنہائی میں تمہارا جی نہیں گھبراتا؟“
 ”نہیں۔۔۔ مجھے تنہائی پسند ہے۔“

ہم! تم جاؤ غور کی بھی تمہارا انتظار کروں گا۔ شیش نے غامضی کو فٹسے جیسے کہا۔

دوسرے دن تین کا چہرہ پچھلے دن کے مقابلے میں بدلاؤ تھا۔
"تم جی بہت خوش ہو" سسٹائے اس سے پوچھا۔

"میری شکل ہمیشہ بدلتی رہتی ہے نہیں رہی؟"

"کیا میری شکل بدلتی رہتی ہے؟"

"اور نہیں دیکھا اتنے دنوں میں میں نے تم کو صرف ساڑھے چار سوکراتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"ساڑھے چار کا کیا مطلب ہے؟"

"ایک اہم سوکراتے کا محض ارادہ کر کے وہ گئی تھیں اس نصف شمار ہوگا۔"

سسٹائیں بڑی شیش نے کہا۔ کن میرا ہی جاہ راجا کا کلب میں ہو لوگ شیش کی تلاش میں گھومنے پھرتے لگا رہے ہیں ان سب کو چمکا دوڑوں کی طرح اٹا اٹکا دوں صرف دو کو چھوڑ کر۔

"کس کو، کس کو؟"

"ایک تم کو، ایک بلیر ڈوم کے اوپر جو سینے سے ایک منٹ پہلے پورا منہ کھول لیا کرتا ہے اور ہنس پکے کے بعد ایک منٹ تک کھولے رکھتا ہے، اس دنیا میں اتنے اہتمام سے بننے والے کی ہمیں قدر کرنا چاہیے آج تم آگئی ہو اس وجہ سے میں بہت خوش ہوں پس کر تم بھوت بوٹ شرا جاؤ۔ تمہیں چھٹی سوئی نے کا اچھا موقع مل گیا ہے ہر محنت کو چھینے کہ وہ شرماتے وقت بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔"

"اور تم بے سوچتے ہو کہ گھونٹ کی طرح منہ لگا کر سنبیدہ بننے کی کوشش کرتے ہو جسے تم بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہو۔"

"آج کے دن بھی وہی تو تمہیں میں اسے تو نصیحت گند جانے دوا۔ شیش نے سسٹائے سے اس سے کہا۔

راج کی یکسانیت نے دونوں کو جلد ہی ایک دوسرے کے قریب کر دیا شیش کے ساتھ نے سسٹا کو بہت کچھ دیا تھا مگر

کبھی صحت اس کی بابت اس کا بھاد بھڑتی۔ وہ سوچا کرتی کہ وہ اپنے مطلب ہو گئی ہے۔ تنہائی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی اور کسی کا ساتھ بھی اسے غیر مستلزم ہوتا ہے۔

اس کی بہنی اور آؤنگو فرم کر ایک ناقابل ہفاشت پوچھ بن گئے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے اگر کبھی وہ یہ سوچے لگتی تو اس کے ذہن پر گہرا کر رہا جاتا جس میں کچھ تلاش کرنا ہے سو دھڑا تھلا تھیں خیالوں میں وہ ابھی بھی لگتی کر شیش آگیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس نے آتے ہی دریافت کیا۔

"کچھ نہیں، داغ خود بخود سوچے لگتا ہے۔ تنہائی میں تم بھی اسی طرح سوچا کرتے ہو گے؟"

"ہاں سوچتا تو میں بھی ہوں؟"

"کیا سوچتے ہو بتاؤ؟"

"میں سوچتا ہوں کہ تم مجھے بھلا تو نہ دو گے؟"

"صحت اپنا یاد کبھی نہیں بھلا سکتی۔"

"یہ تو بہت گھسی پٹی بات ہے مگر صحت اپنا بھلا یا سب سے آخر میں کیا کرتی ہے؟ شیش نے ہنستے ہوئے مانتا کہا۔

"اور تم کی محبت لافانی ہوتی ہے؟ سسٹائے طنز کرنا: انسان صرف اپنی ذات کی پرستش کیا کرتا ہے اور اپنے ہی دل پر عین پڑے کے لیے مادے اہتمام کرتا ہے کسی کو ملو کر لگا کر مسرت حاصل کرتا ہے، کسی کو خوشی کی تلاش میں سب سے کیا کرتا ہے اس کا جرحل خود اس کی اپنی ذات پر ایک احسان ہوتا ہے۔"

"آج پھر تم پر دشت کا دورہ چلا ہے؟"

"مجھ پر کوئی دورہ نہیں چلا، کیا تم اس وقت مجھ کو میرے حال پر نہ چھوڑ دو گے؟"

"تم کبھی تو مرد بھلا جاؤں گا؟"

"ہاں چلے جاؤ۔ اسی لیے جاؤ سسٹا کا دل بھرا تھا وہ سسٹا ہاں نے لے کر روئے لگی تھی۔

"اگ، ہو گئی ہو کیا؟ تمہاری کوئی حرکت میری کبھی میں یاد ہے۔ تم جتنی دیر ہی چاہتا ہے خوش رہتی ہو پھر خود خواہ (یعنی معلوم ہے)"

عبدالسمیع

دعوتِ محمدیہ السبعین جیل

خوشاک وادی گلک وچین ملک اہلی
شعاع اوز سے ارض وطن چمک اہلی

فصلِ ش کے چھوڑوں ہے مسک آزادی
چلتی بھونتی گائی بھونتی آئی
چن چن سے ہر اوس کے قافلے کر
شاطر روح کے سامان رنگ و بو لائی
زاکتوں کا وہ عالم کہ دیکھتے ہے
لٹاؤں کی وہ سیر کہ بول بول نکاڑ
حیات عشق کی خاطر کھلے باب جنوں
حجاب ناز نے بخشی ہے جرات دیوار

نہوں طراز ہے ہر لمحہ جن سبیں کا
نگاہ دیکھ کے رنگ حمد ازیں کا

شیرِ دقت سے ہلکے ہے وہ گزرا حیات
نفاذ و کین کا پیغام ہے رکھتے ہر
دلوں میں شعلہ آواز دہلی روشن
ہجومِ شوق سے رقصندہ کا خیال نظر
از کوہ ہمارے باعث نظم
کہ آگِ مشرق و مغرب ہیں جس کے ذرا اثر
سفرِ شے ہے بارِ باس لہجہ دی
مرنے وطن کا خاکِ شانہ رخ و نظیر

چلو کراچ زماں کو ہم واکر لیں
پر نامِ حمند محبت کی ابتدا کر لیں

دلی کے بیچ ہے معرفت کا حسین پہن
وہ کہہ کہش ہے اُس نے ہیں اسی کے بادل
دعا ہے ہر نفلہ حیات تو کے لیے
ہر ایک سنہری دلوں ہر ایک شام و صبح
سرخوں کے خواہش ہے ہر گناہ ہے
گدھے کے آگے چلے ہیں ستر کوں سے گوا
فخرِ حق ہے رہے تازی بستانوں کی
قناد راہ کے ہند کے ستارہ ن کی

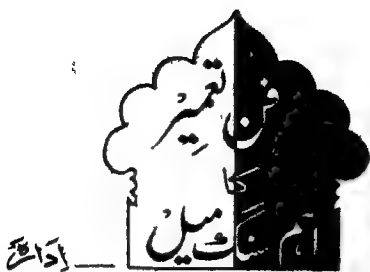
(شہدہ معاہدے کے روشنی میں)

○ ————— ○
خوابِ گود کھپوری

بنا دیا انشعین کہ شاہکار رہے
گلو برقی پڑے بھی تو شرما رہے
قدم اٹھانے سے پہلے یہ خیال اس کا
معاہدہ جو ہوا ہے وہ برستار رہے
چراغ امن بجھا دیں گے یہ غمزدن
جو ان کی چالوں سے غم نہ ہوشیار رہے
خلوصِ دل سے جو چہوریت کے سانچے میں
تراپے دیں کہ ڈھالو اقتدار رہے
جن تو خیرِ حرم ہی ہیں لطفِ توجہ ہے
غزائِ نصیب گھٹائیں میں بھی بہادر رہے
دھجواؤں میں پرستی ہی ادیش بھکتی ہے
اسی پر ملک کا ولایت کا انحصار رہے

کارتِ ایک حقیقت یہ جنگِ دیش جی ہے
کہ وہ بات کہ ماحول خوشگوار رہے

سبھی نے اس کو سراہا اور اس سے پکار کیا
مگر نصیب نے یہ جاناکہ انتظار رہے
بڑھاؤ پانچھم اس سے بھی دوستی کر لے
یہی ہے شان کہ وہ بھی سردار رہے
رہے نہ کام اجالوں میں سے خواب تلے
اندھیری راتوں سے بھی دکھوتیرے پیار ہے



ادارہ

اینتیا

۲۷

کے بغیر نہیں کی گئی ہے۔ یہ اہم کی شکل کی ایسی عمارت ہے جسے وسط ہی میں سطح کو دکھا گیا ہے۔ دراصل یہ سادی عمارت آر۔ سی کے سرکاری فہم والے ڈھانچہ پر رکھی گئی تھی۔

ہال کے اندر دیگر ان کی کلیدی پولیٹن کی جوڑائی ۲۵ فٹ ہو۔ اس کی اونچائی دس فٹ ہے۔ ٹوٹ فٹ تک ہے تاکہ طیارے اور دیگر ٹانگ مشینری اور دیگر جھولیں اور جہتہ صنعت کی آسانی اور خاطرہ ناخش کی جاسکے۔ پوری عمارت آر۔ سی کے سول فٹ پولیٹن کوئٹوں پر تیل ایک چھتہ ہے۔ ایسی قسم کی پہلی عمارت ہونے کے سبب باہرین تعمیر اور کھنڈوں نے اپنے تختیوں اور حساب کتاب کی صحت کو جانچنے کے لیے ایک کیسور کی بھی مدد لی۔

ہال آف انڈسٹریز، ہال آف فیشنز کے قریب ہی تعمیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس عمارت کا ڈیزائن اسی سیاسے لیکن یہ نہایت چھوٹے پیمانے پر بنائی گئی ہے۔ یہ تین ونٹوں پر مشتمل ہے اور اس کا فزیشن رقبہ ۱۵۰ فٹ x ۱۵۰ فٹ ہے۔ یہ عمارت ۹۰ فٹ اونچی ہے۔

دیگر مستقل تعمیرات میں تعمیر پولیٹن، ایک سینما ہال، زیر تعمیر ایک رستور اور اس کا ایک کھلا ہوا چوک ہے۔ یہ سب اسی پالیسی کے تحت ہیں۔ تعمیر پولیٹن میں دو بڑے اسٹوریج میں جن میں کیسور ٹرکوں پر بھی ساعی و بعد کی ذرا سے عمارت کی دو بعد میں داخل ہونے کی گہرائی بیان کی جلتی۔ سینما گھر میں چار سواڑاؤں کے لیے کھانا رکھنے کی گئی ہے۔

گھٹ منرو کے نزدیک ایک منسٹر میں ہلاک کا ذکر بھی سے خالی نہیں ہے۔ یہ سادی عمارت جو کہ ملک میں اپنے قسم کی پہلی عمارت ہے

ہندستان میں ۳۲ نومبر سے ایشیائی عالمی تجارتی میلے کا انعقاد ہو رہا ہے۔ نئی تعمیر کے لحاظ سے ایشیائی سیل بھارتی ناخشوں کی تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ ہے۔ یہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ بھارت کا فن تعمیر اپنی باسیلگی اور فن کی کے لحاظ سے ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ ملک میں پہلی مرتبہ ایک مستقل ناخشہ گاہ کی یہ بھارت کو تجارتی میلے کی میں الاؤ ائی، جن کی کنیت کا ستم بنا دیتی ہے۔

ایک سواٹھ ایکڑ کے رقبے میں پھیلی ہوئی ایشیاء، ناخش کے لیے جگہ کی فراہم ایک اہم مسئلہ تھا۔ اس سے کوئل کوئلے کے لیے ناخش کی موجود جگہ کا انتخاب کوئلے کے یہاں پہلے کئی ہی چوٹی متعدد تعمیرات کو زمین پر کیا گیا اور موجودہ قرضہ ناخشہ کی گئی۔ ڈیڑے گز اس سے قبل بھارتی صنعتوں کا میلہ ڈیڑے میلہ دیو سے کہ حدیث اور تقریبات اور ملک لاک کے سکاؤں کی تیار اس مقام پر لگائی گئی تھیں۔

ایشیاء کی مرکزی تعمیرات چالیس ایکڑ رقبہ زمین کا احاطہ کیے جھہ ہر نہ ناخش کی ہائی عمارتیں اس کے چاروں طرف تعمیر کی گئی ہیں۔ یہاں میں داخل ہونے کے چار دروازوں میں سے تین مرکزی عمارتوں سے براہ راست جڑے ہوئے ہیں۔ مرکزی عمارتوں کا کیسیکس "ہال آف فیشنز" "ہال آف انڈسٹریز" اور "تعمیر پولیٹن" پر مشتمل ہے۔ ہال آف فیشنز میں بڑی عمارت ہے جس کی تعمیر میں پختہ نئی تعمیراتی تکنیکیں بھارت میں پہلی مرتبہ بروکس کار لائی گئی ہیں۔

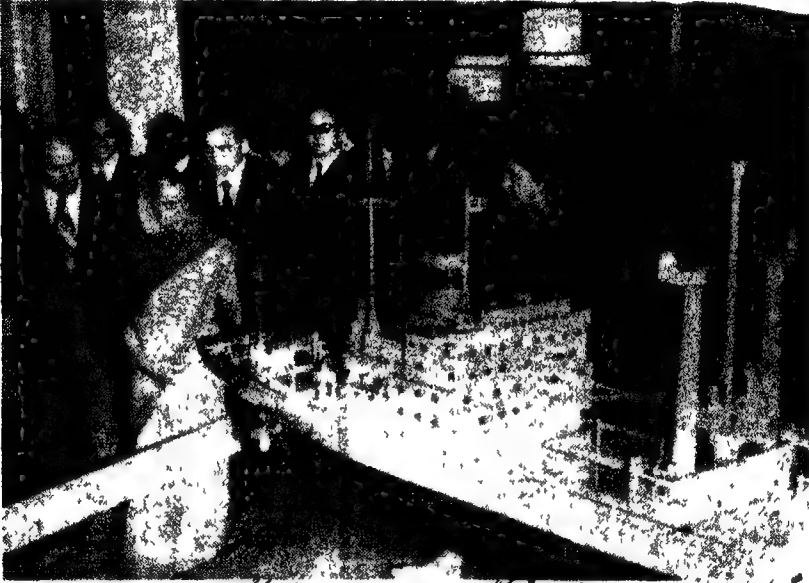
ہال آف فیشنز ۲۵۶ فٹ x ۲۵۶ فٹ رقبے میں تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک سو دو فٹ بلند عمارت ہے جو دیواروں اور ستونوں کے سہارے

ہے۔ اس کا پتہ تاریخی رنگ کے سبیل کا اٹھ کر بنا گیا ہے۔ ٹریڈ یونینز
اتحاد کی یونین کو ایک نئے اہرام کی شکل دی گئی ہے۔ شہری چوڑائی
کی یونین، 'ایرگاردن'، 'ناگلی اویان'، ایک جدید ترین تعمیر ہے جو فضائی
سفر میں اہم ادارہ حفظ کے تصور پر مبنی ہے۔

ہوئی ایکٹر پیکلر یونین کا ڈیزائن ایٹمی انفریکٹر اور اگرنے میں
کامیاب ہے یعنی گہلی اور انجینئری کا بھاری ساز و سامان۔ اس میں میں
تغیرات ہیں۔ دو دو ٹریڈ یونین ہیں جو ایک نامزد کے ذریعے ایک

بغیر کمریوں والی بھری شکل کی جھنڈ بن کر پڑا کی یونین پرانی سال آپ ہے۔
جاپانیوں نے اپنی یونین کو ٹھیکے کے لیے کمرچا کا استعمال کر کے اپنی
حدت طرازی کا اظہار کیا جو بینہ تسلیم نامہ ہے اور سارا پیدال و ستونوں پر
قائم ہے۔ ناشی علاقے کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے ایک پٹی کی ہنر ہے
جس پر جاپانی طرز کے تین خوبصورت پٹی منائے گئے ہیں۔

سوویت یونین اور دیگر مشرقی یورپ کے ممالک نے جوڑے ملے
پر شرکت کو ہے۔ اپنی یونینوں کی تعمیر کے لیے یکساں ٹاڈا سچے استعمال



دوسرے سے سلجھ کر گئی ہیں۔
یہاں یونین سیکرٹری جو کووری طرح "ایٹیاہ" کے یونینوں کی تیار
کامل ثابت کیا ہے۔ بہت سی خرموں نے اپنے یونینوں کے ڈیزائن کے
لیے نمایاں تہنیر رکھتے والے اپنی تعمیرات کے خدمات حاصل کیے
ہیں۔ ایک دم سے باطل نے انداز کا ایک یونین بنا کر کیا ہے جو چار پر
حلائی انجینئر کے تیار ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک کوٹے
میں ایک راکٹ رکھ دیا گیا ہے۔

یہیں جیگر کی یونین ایک مشا جو کامیلائی اور قدامی اور تعمیر کی گئی ہے۔
معدد سرکاری اور پبلک یونینوں کی ڈیزائن سازی اور تعمیر میں
کافی غور کو محاشانی اور نہریت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ انجینئرس
یونین اس کی ابتداء میں تیار ہے۔ دو شاہد اور گنبدوں کی شکل کی ایس
یونین میں داخلے کے لیے جو راستہ بنایا گیا ہے وہ بھی نہ تعمیر کے لحاظ سے
کافی دل کش رکھتا ہے۔
جہاں رانی اور نقش و گل کی یونین تیرتے ہوئے جہاز کی یاد دلاتی

مسدود لگ لگ ۴۰ ہزار گزوں اور مردوں کی ہر دست تعداد کو دیکھتے ہوئے یہ تعداد شاید زیادہ نہیں ہے۔

پہلے پانچ بچوں کی ولادت پر بیسٹلے کے حکام نے ہر ایک کے والدین کو دو سو روپے پیش کے جبکہ اگلے سات کو سو روپے دیے۔ حال ہوئے۔ نو سو روپے بچوں کے اور ان میں ہر گز دل آف میٹرن میں ۱۹ جولائی کو ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی۔

میلے کا حسن دن امتحان ہوا۔ مولود بچوں میں سے ایک تھا ہوا کا بوسا تھا۔ یہ ۴۲ سالہ دھوسلہ اور اس کی بیوی امرتی کا بیٹا ہے۔ یہ بچہ نہیں کو پیدا ہوا تھا اور اس کا نام ابنا سنگھ لگا گیا۔ اس کی ہمدی طرف سے ایک بڑی ملی پولیوں کی خصوصی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کھانا وغیرہ لگ سے بھی آتے ہیں۔ آسٹریلیا کی پولیوں میں کوئی برہمنی کھنے کے لیے لگ تھاگ ایک درجن جینیوں کو سنگھ پور سے لایا گیا ہے۔ کھ روسی کا کونوں سے سوویت پولیوں کی تعمیر میں جو کہ دیگر غیر ملکی پولیوں میں سے بڑی ہے، ایسے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس پر جو جگت کی وسعت کا اعادہ اس بات سے کیا جاسکا ہو کہ ایک لاکھ تیس ہزار درجن میٹرن کو منتقل کیا گیا ہے، لگ تھاگ ایک لاکھ بیس میٹرن بننے پر کم کر بیٹ کی ہیئت ڈالی گئی ہے، ۵۰ ہزار روپوں میں عمارتی سامان لائسنس کا تک پہنچایا گیا ہے، اس کے علاوہ حاصل طور پر تعمیر کی گئی، بلورے لائن پر دیگھوں کے دو پلے جو سامان لایا گیا اس کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

ولاد کی سہولاتی کو بھی اس لیے اس کا حاصل کرنا بھی ایک تہہ نہ سہل بھی بن گیا۔ دلی میں موجود ہندستان اسٹیل ملز کا کارادوجہ بھی ابنا۔ ۴۰ کی ضروریات کو پورا کرنے میں کامیاب رہا۔ اس ذخیرہ میں سے فولاد کا ایک بھی ٹکڑا کو تہہ اگت اور تہہ میں دیگر لوگوں کے ہاتھ نہ دخت نہیں کیا گیا۔

مرکزی کامینے نے اگرچہ اس سیکل کی منظوری جو مئی ۱۹۶۰ء میں دے دی تھی مگر ایکسٹرنل کے متعلق کام جولائی ۱۹۶۱ء تک حاکم نہیں ہوا۔ اس کی وجہ سے تقراتی کام کو پورا کرنے کے لیے مشکل ایک سال کا وقت ملا۔ (بقیہ صفحہ ۴۸ پر ہے)

ایک اور فرم نے ایک محوطی پولیس سٹاکس ہے۔ یہ عام انداز کے پولیوں سے سٹ کو اس طرح سٹایا گیا ہے کہ پولیوں کے سامنے سٹاکٹ پولیس نہیں کرتا۔ یہ ایک مالاب کے گروہ عام رخ رہیں سے تھوڑا اور ایک راستہ معلوم ہوتا ہے۔

ریاستی پولیس جن تفریق کے محاسب مولوں کا اسرار جہتیں کرے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر ریاست کے فن تعمیر کا کوئی اندازہ لگا جاسکتا ہے۔ خاک اور سہانے جھنڈی گڑ کے طرح تعمیر کو سامنے رکھ کر تعمیر کی بدترین طرح کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ بخوبی باتوں میں یورپ کے روائی اندازات سٹ کو ایسا پولیس سٹاکس ہے۔ مسور کا پولیس ہشت پہل ایک عمارت ہے اور اس کی ہیئت تعمیر بھی سہارے کے قائم ہے۔

کارکنوں کی اہمیت

اس ابتدائی میں اتواری بھارتی سٹ کے لیے اتواری کام کلام دینے والے کارکن ہیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ سٹوں نے اس عظیم اتواری نہ ہر دست پر دھک کو شالی مدت میں مکمل کرنے کے لیے اسے دن رات ایک کر دیے۔ یہ سب سے پہلے کی تمام اتواری تقریبات میں انھیں دروازہ اور اعلیٰ سرکاری اموروں پر فزیت حاصل رہی۔ ترقیاتی کام کے آغاز کا اعزاز اتواری پر دھک کے ایک جھوٹے ٹے سے لے کر دے دیے۔ ایک سیر سے سادہ محو و تفریحی جگہ کی رسائی حاصل ہے۔ انوں نے ایک ڈیپٹی جو ان کی بیوی اپنے سر پر دھو کر لائی تھیں ایک تہی مقام پر ڈالی اور اس طرح ترقیاتی کام شروع ہوا۔

مائش کا وہ کی تعمیر کی تقریبات کے سرن پر جو سادگی اور مقصدیت سے بھرپور تھیں نہ تفریق میں کی تھیں اور ہر نیت کاٹنے کی رسم ادا کی گئی۔ شاید وزیر لال میسہ سٹاکس کو رسم کرے گا۔ سب سے پہلے طریقہ تھا۔

بھارت کی آزادی کی ۱۵ ویں سال گزرنے کے موقع پر ۱۵ اگست کو دکن کی حکومت نے بھی کم کے ایک لاکھ آدمی لڑائی نے میلہ گاہ میں فوجی جھنڈا اٹرایا۔ ان کے والدین اس پر جو جگت میں کام کر کے وہ بھی بہتر منہ نہ دہیں۔ طرح طرح کی آزادیوں اور فیڈوں کے شہر و غل کے درمیان بھارتی کام کی طرح جاری رہا جیسے کہ کہیں اور نہ تھے۔ سٹاکس میں گزرتے دس مہینوں کے درمیان ۴۲ نیتے پیدا ہوئے مختلف میٹرنی سرگروہوں میں

غزل

کچھ تو دنیا بے تش کو سجا یا جا بے
ورقِ دِل پہ کوئی نقش بنایا جا بے

قَطَعَات

متنبیہ نچ یورنٹ

ماحول میں آلودہ ہے، رکھ رہے انسان
خود اپنے ہی اذکار میں محصور ہے اس
جا بے تو بدل سکتا ہے نقشہ پر زمانہ
اس قوتِ تغیر سے معمور ہے انسان
قسمت بے ستم کئے ہیں اکشر
تمنائی میں رو لیے ہیں اکشر
میروں کا کھو عمت ہے اے دل
احول ہی لے دکھ دے ہیں اکشر

بے سود امید کا مرا
دودوں کی بہارتِ دانی
لے کار جہاں سے لو لگا
ہر چیز یہاں کی آئی مانی

کلی کلی کی رباں براسی کا کام رہا
اسی کی یاد میں کھلا گھون کا کام رہا
قرار دے میں کہاں عشق کے مدد میں
دل سے گلش جی کا یہ ظلم رہا

آدمی آدمی کے کام آتا
جکے لب پر تڑپی نام آتا
تیرے لطف و محبت سے لے لاتی
رم رمل میں درعام آتا

مُتَنانِ کاطرِ قہر آہ و فغاں الگ
لطفِ رمان کے ساتھ جو طرِ مایاں الگ
حواسِ دل سے کجی وہ دل میں اتر گئی
ان صاحبانِ دل کے تیر و کماں الگ

ان کی ہلکوں پر تارے ابھر آتے تھے جہاں
پھر اسی بوڑھے افسانہ سُنا یا جا بے

حُسن کا کوئی مقابل نہ مائل نہ بدل
کیے آئینہ کو آئینہ دکھایا جا بے

تیرگیِ وقت کی برصتی ہی چلی جاتی ہے
اب چراغوں میں لہو دل کا جلایا جا بے

عشرتِ زیب کے حل سے تو کچھ بھی نہ ملا
غم کے طوفاں سے ہی اب بطن بٹھایا جا بے

یوں تو ہم شام دس بج چلتے رہے ہیں لیکن
سوے منزلِ تو قدیم کوئی بٹھایا جا بے

دادیِ ذہن میں کچھ دن سے ابھیل رہے قہر
فکر کی جوت کو اب کیسے جگایا جا بے



شادی خانا آبادی

۔۔۔ سلیم مقصود

شادی کون ہیں کرلیئے، اکا۔ اکا رطل سوال س کریم کسی دربار
اور سادات مدظلہ وہ توہر کی طرح دل پر پناہ رکھ کر کہیں گے۔
تھوڑے ترے پیار کا در اس
تو ہی سلاوے ہم کہدھر جائیں

شادی کے بعد پیارہ سوہر علی انصاف کئی مار رہا ہے مثلاً پہلی
ار اس وقت جب سیک صاحبہ ایسا گھو گھٹ اٹ کر پو کرے کس کر
مطلہ حق، اپنے نام کر لیتی ہیں دوسری ار اس آں جب سیک صاحبہ طوہ
نعت اولاد، دکھائے تھی ہیں علی ہر القیاس

دیبا کے تقریباً ہر عقلمند آدمی نے جاری کی مخالفت کی ہے اور دیا کا
تقریباً ہر عقلمند آدمی ہی اچھا اور سادات مدظلہ ہر شامت ہو سکا ہے ہر
عقلمند آدمی رنگی میں ایک ار شادی کر کے ضرورے وقوف مایہ اور
نقص مصلحت تو ارارے وقوف مے رہتے ہیں پھر کچھ لوگ ہر بال اچھی
اس نے توفی کی ساگرہ بھی ٹرے شاد مار دیا ہے مرساتے ہیں شادی
میں سوت آپ کی مرضی کے، سب کی مرضی اہم بھی خانی ہے حتیٰ کہ بعض
اوقات ٹروسیوں اور کورول سے بھی اس سلسلے میں شومہ لے اپ جاتا ہے
ایسا ہونا بھی چاہیے تاکہ آئندہ فردی کسی قسم کی شکایت نہ کر سکیں اور اس
طرح ہمیشہ کے لیے اس کا سمجھ بھی بند ہو جائے۔

شادی کی دو فہمی نہیں ہیں (۱) ایک تو والدین کی پسند کی شادی
اور (۲) دوسری ایسی شادی تادی یعنی "توسیرج" والدین کی پسند کی
شادی میں آپ کو ناگوار ہے کہ آپ رنگی بھر والدین کو کوس سکتے ہیں
ور شادی کے بعد بچے والی عام باتوں کا درد وار والدین کو کھڑا رکھتے ہیں۔

کسی نے شادی کو بھائی کا کھنڈا، کہا کسی نے ایک ایسا "قلعہ"
کہا کہ جس میں دامن چولہے والے ماہر کچلے کی اور باہر والے اعدا دامن
ہونے کی کوشش کرتے ہیں جاری سیک صاحبہ اگر ہمیں احاطہ دیں تو ہم
بھی کچھ کہیں آہرم بھی اس شہرانی دور سے کہہ رہے ہیں ہمیں بھی کچھ
کہنے کا حق ہے ہم شادی کے متعلق ایک ایسا مانت کہا جاتا ہے جس سے ساری
دیبا سمجھ جاتے لیکن جاری بوی۔ سمجھ نہیں، دور مصیبت۔ بوی کہ وہ تو کہ
علم باطنی کی گریوٹ ہیں، شروع کر دیں گی کہ جاری شادی کو کتنے سال
کتنے ماہ کتنے مہینے کتنے دن کتنے گھنٹے اور کتنے سٹ اور کتنے سیکڑ ہونے
ہیں اس دوران انھوں نے ہمارے گھر آکر کسی حوتیاں اور کتنے غم اٹھائے
ہیں خوشیوں وغیرہوں میں اللہ ہمیشہ سب سے محکوس رہے گا یعنی ہم ہمیشہ
حوسوں سے زیادہ ہمارے ہیں گے حرم سیک صاحبہ تو کس ہر حال شروع
کر دیں گی اس پر بھی اگر ہم نے حیب ماہونی تو دوسرے دن "نوم احتاح"

منایا جاتے گا یوم احتاح میں عدم تعاون (NON CO OPERATION)
اور ایسا کچھ بھی خاں نہیں گے بچے حب دیکھیں گے کہ دونوں میں کچھتے
کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو وہ فوراً دونوں کا گھیراؤ کر دیں گے سمجھتے
ہیں ایک دن کی "ہنگامی چھٹی" (CASUAL LEAVE) لیا کر ڈیجی
فریقین میں کچھتے کی کوششیں شروع ہو جائیں گی چند بچے جاری طرف
چند سیک صاحبہ کی طرف اور کچھ غیر حامد اور جو خائیں گے گھرا بھا حاصلا یو۔ین
ادبی ملے گا بچے تو غیر حامد اور ہیں گے دبی ثالث کے بھی دلائل
اجام دیں گے اس طرح صلح ہو جائے گی سیک صاحبہ ہمیشہ کی طرح دبی
لیک سوال دہرائیں گی، اگر آپ کو کچھ سے کوئی تکلیف ہے تو آپ کوئی دوسری

دیکھ اڈا خود ڈونکے داؤ بیچ کیے تروزع کو دیے ہیں۔ وہاں کے مردوں کے لیے یا ستانی ٹشو لینا تک جسے۔ ان کے کاؤں پر جوں ضرور دینگے جاپتے لیکن ہماری عورتوں کو بھڑا رکھے یا "خوڑو" کیے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ان کے پاس ایک مردوں میں سے جو دیا کے ہر بھڑا سے ہلک اور رملی ہے لیکن بعض عورتیں ایسی بھی ہیں جو رمان اور داؤ بیچ دو دنوں سے نہیں ہیں۔ تھلا ہماری بڑوس میں سے ایک بار بار کرارے تو ہر کو نے جوتس کر دیا تھا۔ مہے وڑا وہ مکان مانی کر دیا کہ اس بڑوس کا بارے ان بھی آغا تھا ہماری بیگ صاحبہ اس میں کچھ دیکھی تھی یہی تھیں۔ اب ہم مکان میں اس سے ملے جوت مکان میں معاملہ اعلیٰ سے۔ تھلا کے عدولت آبادی ان کو اس خطے نہیں سچی ہے۔ اپنی بیوی صاحبہ کلانی ہمارے ماہو بھی ہم نے اس مکان کو کھوڑے رتیارا ہیں۔ ہماری بیگ صاحبہ پر اس ماحول کا ماحول خواہ اثر ہوا ہے۔ بابا ہوں نے اپنی رمان کو کم اور آنکھوں کو زیادہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے

کسی ملا سفر نے کہا ہے آئیے آپ کو ان لوگوں میں سمجھے مہیں نصرا واقعات نے وقوت نایا جا سکتا ہے۔ غالباً یہ ات اس دانسور نے تھادی کے بعد کہی ہوگی۔ مہے کوئی نے وقوت نہیں بنا سکتا اسے بیوی ضرور نے وقوت سادتی ہے وہ لطیفہ تو آپے ساری ہوگا کہ ایک ٹہے ہی معدنا اور عقلمند قسم کے کسی صاحب کا بھڑا کھدے پٹھیکے کے لیے اصرار کرے لگا۔ اس صاحب سے بہت جا کہ پوچھ یا مقول فرامش ترک کر دے، مکمل انھیں کا سیانی۔ جو بی بی احمد کا روئے لگا۔ ان کی بیوی سے دیکھا نگہا۔ بیوی صاحبہ نے تو ہر نامدار سے فرما ما۔ "مھوڑی دہرے کے لیے پٹھیر پٹھالے با بھیل جانے لگا"

ہمارے ایک دوست صاحب جواہری بیوی سے بہت ڈرتے ہیں ایک دن مرلے لگے۔ بار آج کل میں بہت ہی اڈا و خیر سے تھ رہے بیوی مہما و واقعات سے چوڑا دیکھ۔ اصول۔ "مہے پوچھا۔ دے کیے لگے۔ تھلج میں تو ابوں میں کھی یہ دیکھتا ہوں کہ اپنی سر کو رتی طنز ڈاٹ رہا ہوں وہ اڈا توڑے میرے آگے کھڑی ہیں کھی یہ دیکھتا ہوں کہ میں سر دہنے کے لیے کہہ رہا ہوں اور وہ سر دہ رہی ہیں کھی یہ دیکھتا ہوں کہ میری بیوی میں ملو جوڑ رہے تھاپوں وہ کا پنے لگتی ہیں۔"

لیکن "لامیرج" میں بیوی سے آپ کا راست یعنی (DIRECT) مقابلہ رہتا ہے۔ (دیکھ عوام الناس کے لیے "لامیرج" میں زیادہ عبرت ہے) تو میرت کی ابتدا اسلام سے ہوتی ہے اور نظمیری ہی ختم ہوتی ہے صیاد کہ ہمارے ایک دوست نے "لامیرج" قلم دیکھ کر "لامیرج" کی اور "طلاق" مسلم دیکھ کر اپنی بیوی کو جو اسد مغربی طلاق، میری طرودہ لڑکے، لڑکیاں طلسم دیکھ دیکھ کر شادی کرتے ہیں اور مہلوں کی طرح ان کی زندگی بھی "ملاط" ہو جاتی ہے۔

شادی سے پہلے آدمی شادی کے ارے میں آرا دی سے لکھے سکتا ہے لیکن شادی کے بعد وہ کادے تھرا ہو جا رہا ہے تو اسکی نگھے اور کچھ کیے کی آرا دی ملک کرنی جاتی ہے۔ اس نے ماری شادی سے متعلق بہت سی چیزیں بیڑہ دار میں رہ گئیں مہما اس دوست کی طرح جس کی شکل شادی کے بعد کسی سے بھی نہیں دیکھی خدا جہ کرے ط

دیں کھا گئی آسمان کیسے کیسے

آفس میں مہے یہ آہ مار دیکھا ہے کہ "شادی تھرا" "صہرات آسانی ٹہے صاحب کی تھریاں بہہ جاتے ہیں ایک سات اور" سادی کے بعد آپ کی بیوی کو آپ کے سوا دنیا کی سب عورتوں کے سوا ہر چھ سلام ہو گئے کہ وہ ای بیویوں کی فراموشی پوری کرتے ہو گئے بیگ صاحبہ کے لیے نانتہ تیار کرتے ہو گئے، بھوں کی دیکھ کھال کرتے ہو گئے، جس قدر تو ہر "لوکے پٹھے" ہوں گے آئی بیوی اسی تھراؤ کی تعریف کرچی حقیقت تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے آئی بیوی یہ جانتی ہے کہ لوگ آپ کو عقلمند سمجھیں لیکن شادی کے بعد وہ جانتی ہے کہ آپ عقل استعمال کرنا چھوڑ دیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ شادی کے بعد عقل استعمال کرے کہ بہت ہی کم موافق کھتے ہیں۔ دوسے شادی کی بعد والی زندگی کے لیے آپ کی عقل کی ضرورت میں دجی ملک آپ کو ای بیوی کی ناقص عقل" کے سہارے، مدگی گزارا جاتی ہے اس لیے یہ حاد قانی ہی رہے تو مہما سب سے جوت آپ کی عقل کو ای "سوک" کھتھی ہے۔ جوت کو باں رویمانی تو جیسے شوہر کے لیے عقل استعمال کرے کہ لانی مانع عمل کھتے تھے لیکن۔ نایہ قدرت کو مہطرہ تھا۔ اس لیے شادی کے بعد جوت کی باں کو کھ اڈا طوائف" عقلا کردی جاتی ہے

یورپ اور جاپان کی عورتوں سے مردوں کو بچا دکھانے کے لئے بھڑا



ڈاکٹر ورلڈگ سٹیل ۱۹۶۶ء میں ہندستان آئے اور انھوں نے ہندستان کے گھبوں پیدا کرنے والے علاقوں کا دورہ کیا۔ گھبوں کی چار بونی اور تیر بونی قسموں کا ایک ایک سو کوگرام بیج اور ان کے علاوہ بیٹا قسموں کے بیٹل چھ حاصل کیے گئے۔ اس بیج کو دلی لہیانہ پورا، کان پور، پنت نکر، بھودالی اور ونگٹن میں بویا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے پودوں کی نشوونما کا مطالعہ کیا گیا۔

۱۹۶۷ء میں میکسیکو سے "لرمار دو" اور سوئٹزرلینڈ سے "۶۴" کی قسموں سے دلی لہیانہ پورا اور کان پور میں ٹی پی کٹر مٹن کی پیداوار حاصل کی گئی۔ اس سال ہندستان بھر میں گھبوں پر ایک ساتھ تجربات کیے گئے۔ اس غرض سے بیج کے موسم میں بونی قسموں کو ۱۵ جگہوں پر بویا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں ملک بھر میں کیے گئے تجربات کی بنا پر "لرمار دو" اور "سوئٹزرلینڈ" کی کاشت کی اجازت دی گئی۔ ایسی قسموں کی کاشت کے لیے پوری پوری پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے ان کی کاشت کے طریقے بھی مفرد کر دیے گئے۔ سائنس دانوں نے ملک بھر میں ایک سو گھبوں پر جو کاشت کرنے کے طریقے عملی مظاہر کے درجہ کوٹوں کو دکھائے۔ اس سے کسانوں کو گھبوں کی کاشت کے نئے طریقوں سے

ایک ہائرس ۱۹۶۳ء تک۔

گھبوں کی کھیتی

سبز انقلاب

کے
طرف قدم

انرجی لائے

ہندستان میں بونی قسم کے گھبوں کی کاشت زمانہ قدیم سے کی جا رہی ہے اس وقت سے جب کرتھ وادی کی تہذیب کا زمانہ تھا "نرپتی" کو کھڑکھڑ قسم کے بونے گھبوں کے بیج مہینہ پوٹا روٹی کھدائی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بونی قسمیں اس زمانے میں بھی معمول تھیں لیکن اس کے بعد تیس گوتہ گماں میں ملی گئیں اور کیکڑوں سال تک ان کی تاریخ میں مساں کا کہیں سراج میں ملتا۔ المیہ ہندستان میں ۱۹ ویں سال پہلے چھوٹے کاکر حوراک کے لٹا کو حل کر کے کیلے ایسی قسموں کو اور سو اس ملک میں مقبول کیا جائے۔ بہت کچھ کیسے پائے اس کی کتابوں میں ہے انڈین ایگریکلچرل اسٹیٹوٹ سے عام طور پر پوچھ اسٹیٹوٹ کہتے ہیں ۱۹۶۶ء میں حکومت کی ہندستانی گھبوں کی قسموں سے پیداوار حاصل ہو رہی ہے۔ اسے آبپاشی کے لیے کاشت کر کے اس سے انڈیزیدار حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے فزوں حین دالی گھبوں کی بونی قسموں کی کاشت ضروری تھی۔ چنانچہ ہندستان میں راک فیلڈ فاؤنڈیشن سے کہا کہ ہندستان میں ایسی قسموں کے بیج بھیجے جائیں۔ دو سکر اسٹک لگا کر ڈاکٹر این۔ ای۔ ورلڈگ انجینئرس گھبوں کے موضوع پر دو سال، دوسے فوئل پرائمرل چکاپ ہے، کو ہندستان بھیجا جائے۔

دسمبر ۱۹۶۷ء

اچھی طرح واقفیت ہو گئی اور انھیں یہ پتہ چل گیا کہ اگر گھوڑوں کی آمدیاتی کی جائے تو اس سے فصل کو کیا فائدہ پہنچے۔ عمارت سرکار نے "لر مادو پ" اور موڈرا۔ ۱۳۰۶ کا ۲۵۰ ٹن برنج برآمد کیا، جسے ۵ ہزار کانون میں تقسیم کیا گیا۔

دو فی صدیوں کی کاشت سے ۱۹۶۹ء میں کانون کو تسلی بخش پیداوار حاصل ہوئی۔ چنانچہ آئندہ ربیع کے موسم میں اس بنگلہ کو ایک پیداوار دیے والی قسموں کے پروگرام کے تحت چار لاکھ ایکڑ کو قبضے میں لیا گیا۔ اس مارکھا اور اجنبی پورا اور استعمال کیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں اس اسٹیشن ٹیٹ، لدھیانہ اور بہت مگر کے گھوڑوں پیدا کرنے والوں گھوڑوں کی ایک کیو کی قسموں میں سے بہترین جوں والی رائی پیداوار دینے والی اور فروغ پانچویں سے دہائیوں کی قسموں کا انتخاب کیا اس میں سے چار قسموں کی کاشت کی احسانت دے دی گئی ان قسموں کے نام تھے "کھلم سونا"، "سوالیک"، "سید لرا"، اور "بھوئی لرا"، سیکڑوں ٹیٹ، یزربی سائیں والوں نے علی گڑھ کے کاشت کاروں کو ساری

قسمتی سے ۱۹۶۹ء میں فروغ پانچویں کے ٹیٹ کیلئے حالات موافق تھے اس کے بعد دو فی صدیوں کی فصلوں پر اس پانی کا اثر بہت کم ہوا اور سارے ملک میں گھوڑوں کی کافی ابھی پیداوار حاصل ہوئی اس طرح بہت سی میں گھوڑوں کی پیداوار پھیلنے لگی۔ غلطی میں لگ بھگ دو لکھی ہو گئی۔ اس ہم کامیابی کی یادگار کے لیے دریا علی شری امرہ کا جی ٹی ٹیٹ کی کھیتی اور پیداوار میں انقلاب کا ایک ڈاکٹر بھی ماری کیا۔ پھیلے میں رسول پورانی قسمیں بہت سی تھیں گامیاب، باب نہیں، کامیابی، دو فی صدیوں کے نام ہیں، شری سورا، "سورہ ۱۹۶۹"، "سوالیک"، کھیاں سونا، لرا، راجو، "بیر"، "موتی"، "سولرا"، وغیرہ وغیرہ خصوصاً اسد جمہوریہ نے "ہرا" اور "موتی" قسموں کی اکثریتی انھوں میں کاشت کرائی جس سے ابھی فصل حاصل ہوئی۔ دراصل اس بات کی ضرورت تھی کہ بہت سی کی رشتہ میں سائیں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے اور آئندہ مسلسل میں خود رک کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ارادہ و توفیق نصیب کیا جا سکے کہ دکھایا جائے اسی میں ملک کی بھلائی اور خوشحالی ہے بہنہ دوتان میں سولرا ۱۹۶۲، "سوالیک" اور شری سورا

سے ملتی تیار ہوئے والی قسمیں ہیں ان فصلوں کو جب دسمبر کے پہلے ہفتہ میں لڑا گیا تو بھی لاکھ پیداوار کم نہیں ہوئی ان قسموں کے گھوڑوں میں جو جلدی تیار کرنے کی جاتی ہے انکی دولت انھیں مختلف فصلوں کے پھیر بدل کے ساتھ بڑھا جاتا ہے مطلب یہ کہ ایک کھیت میں سے ہزار ٹونک، دو لکھی اور توبے کے بعد گھوڑوں کو ایک ہی سال میں چار فصلیں پیدا کی جا سکتی ہیں اس طرح ایک فصل کی سمائے ایک سال میں چار فصلیں حاصل کرنے سے ایک ایکڑ کے کھیت سے اناج، پروٹین سے بھری والی بھلی دھ، پراٹا، توتیا، مادہ اور ٹمپس حاصل کیے گئے فصلوں کا یہ چکر بہت ہی فائدہ مند بات ہوئے

دو فی صدیوں کی ایک جاتی قابل ذکر ہے کہ اس کے پتے سدرے اور کوٹھے ہیں اور اپنا لٹی ہوئی ہیں دوسری اور کوٹھے والی لٹی ہوئی سے لونی قسمیں ڈھانسا ت ہو چکی تھیں کوکاک ایک تو فی صدی میں پر مٹی نہیں دوسرے بگھی کاشت میں زیادہ پیداوار دینے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ عاریت کے احسان سے مطالعہ کیا لکھے گئے گھوڑوں کی رانی فصلوں میں لگ بھگ دس فی صدی برڈس ہوئی تھی یہ برڈس دو فی صدیوں میں ۱۳ سے ۱۷ فی صدی تک ہو چکی ہے جانے کرنے سے بہت جلدی کہ برڈس عاریت میں بھی ٹھہرا ہے ان قسموں کے گھوڑوں کے سوگرام ۱۳۸۶ سے ۱۷۸۶ کے ۸۸۰ گرام تک ہو پورا میڈل ٹرین کی صلاحیت ہے جو عاریت میں ٹرین بہت کھیتی ہے لکھے میں لارڈس کی کسی مقدار رانی قسموں کی سبب شری سولور میں سے زیادہ ہوتی ہے

ہندوستان میں گھوڑوں کی ۹ فی صدی کھیت چھانٹا ٹیٹ میں جاتی ہے اس لیے یہاں لونی حلقے والی نئی لونی قسموں میں ٹرینیا جیاتی کی حویاں جاتی جا ہیں اور ٹرینیا جیاتی کے لیے ایسا ناما جانیے جو زیادہ اناج طلب کر سکے اور گودھ کے بعد انھوں کو کھانے کے اناج محدود اور تعداد ہو کہ سلا جائے۔ دوسری جیاتی کا رنگ لالائی کا ماہ جیاتی کھان جو ادھر سے پچھنے جیاتی برہم جو ادھر سے ۶ گھنٹہ تک برہم دہے شری سولور ان سب قسموں کو پورا کرتی ہے۔

ان لونی قسموں کے گھوڑوں میں ڈبل روٹی مانے کی خاصیت بھی موجود ہے۔ اس طرح یہ لکٹ سارے کے کام میں اچھی ثابت ہوئی

میں یہ کہنا عار ہے تاکہ اس کی مملکت کس اس سے بڑا عار نہ تھا
سکیں زرعی سائنس دانوں کے پیش نظر یہ اصول ہے کہ کس
صوبہ کوئی قسموں ہی کو مقبول نہ بنائیں بلکہ اپنے کاشت کاری کے
ڈھنگوں میں ایک یا پس اور تبدیلی لائیں۔ اس میں بیگانگی کامیابی
ہونی ہے کیونکہ ہندوستان کی اس تحقیق سے متاثر ہو کر پورے کھیتیں
لوگوں کا ایک طبقہ کھیتوں کی کاشت و کھیت رجوع ہو رہا ہے اور ایک بڑا
ساتھی اور دہی احوال تار ہو رہا ہے جو اس بات کی کھلی تائید کر رہا ہے
کہ کھیتوں کی کاشت میں آئندہ برسوں میں اکمل انقلاب رہا ہو گا۔

ہیں۔ لکٹ اس آئے سے اچھے سے ہیں جو نرم اور کمزور ہو کر عذاب ہوا
ایسی جیب کا ایک پوس میں نمک کی دست لافنگ جیسی لوچ زیادہ ہو۔
بکٹ اگر ڈھبیا قسم کے تار کیے جا سکیں تو ہندستان لکٹ کی رات میں
کافی حرق کر سکتا ہے۔ جی قسموں کے آئے کو گو دھسے کر کافی بھیجا جا سکتا
رہا۔ انہیں اتنی جلدی سکڑا تا بھی ہیں اور پکالنے کے بعد لکٹ اور سے
بھینٹے بھی نہیں۔ دو سکران قسموں کے آئے سے سب سے اچھے لکٹ
آج کل کوئی قسموں کے کھیتوں کے جیوں کو زیادہ مقدار میں بھل



شہید آزادی (صفوحہ کا بقیہ)

کی شاعری میں لکھ اور ہند کا درد ہے۔ ہر ہر شعر سر فرود تا۔ صدمات سے بھر پور
ہے۔ اس میں گل و گل عام دیانہ کی مصلحت میں اس میں مہر وصال
کی صبر میں لاتا ہے۔ لکھ افقت وطن میں بھائی کا پروا نہ نظر آتا ہے۔ اس اصرار
میں ایک سچے عاشق وطن میں چلے جاہد کی بقیہ اریاں اور اضطراب ہے
جو دشمن وطن کے ایک ارادوں کو شریں کیے رہا ہے۔ اسی لیے اس میں تل
کے لغات آزادی، لوگوں میں میت اور غیرت کا ہو دوڑتا ہے۔ درحقیقت
ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ اس وقت تک نہیں ہی میں ہو سکتی
تک کہ اس اور ان کے لغات کا ذکر ہو۔

دل خدا کو ہے زبان مگر کرتے ہیں یاں جو کچھ بڑا ہوتا ہے دکر ہے
حارہ و ان کھیاں دیکھتے کہ کرتے ہیں خوش ہو اہل وطن ہم تو کرتے ہیں
و جوانو ابھی سوچ ہے اٹھو کھیلو قدرت قوم میں تو ہے بلا وہ تھیلو
دیس کے صحنہ میں آکر جوائی ہے وہ بھریں گی۔ یہ ان کی دعا میں ہے لو
ات تو ہے کہ اس بانی مصلحت میں دیں کے واسطے قربان کریں سب عایں
لاکھ کھلے کی ایک۔ اس کی مائیں کتابے حن سے متاثر گراں مائیں
ماں ماں آگ لگے تو اسے اس بھائے کو
تس کے نصرت انتخاب کام سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس



آبگینہ (صفوحہ کا بقیہ)

سستش کے انھوں کے پس نے اس کے دل کی دیا مل دی اسے
بیس کا وہ دور یاد آگیا صاحب اسے لے اہتیار ملا تھا
آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے وہ پیش کی طرف دیکھ کر مسکرائے لگی

نہ نہ کوک کے دورے پڑے لگے ہیں تم بے درد پڑے مرادہ ہوجاتی ہوئے
کی بات پر دے لگتی ہو ذرا دلخ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کیا کر دیتش
نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"



شادی خاندان آبادی (صفوحہ کا بقیہ)

نصرت اوقات ہم آدمی کے سکر متعلق سوچتے ہیں کہ غالباً آدمی کا
سرخون تادی کے سہرے کے لیے بنایا گیا ہو گا۔ کیونکہ اس کے بعد اس کا
کوئی صحت نہیں رہتا اور شادی کے وقت سہرے سے دولہا کا منہ
چھایا دیا تا جو تو اس کی وجہ جاننا۔ کہ اس کے بعد وہ کبھی لکھ کھلے لائی نہیں لکھ

ہم نے کہا۔ یہ جواب نہیں ہیں تمہارے تحت استور میں رہی ہوئی خوش
ہیں جو اس طرح اسے تمہیں تک پہنچ رہی ہیں معنی
کوئی حسرت کہیں لگی کوئی حسرت کہیں لگی
والا معاملہ ہے۔



(ایڈیٹر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں)

کچھ کلامِ انیس میں تغزل کے بارے میں

✽ ڈاکٹر اکبر حیدری کے کاغذ پر

جلس اٹھا کر، رات باہر نکل آئے اور سب اختر صبح الدولہ رقی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیوں صبح الدولہ میں نہ کتا تھا کہ میرے سرس لکھنؤ میں ایک ہی تاجر ہیں۔ دیکھا تم نے یہ ران انہیں کے لئے حاصل ہے۔ بعد میں جلس علی نقی حان کو حکم دیا کہ میرا صاحب کو دروازے تک رخصت کر کے کی رسم پوری کریں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ انیسویں صدی کے پیرایوں کو بچا دکھانے کے لیے یہ "اصاد" اختراع کیا ہے۔ دہریوں کو اس سے علی الجوارہ ہے۔ اور وہ اس میان کو لے میا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ تیرا اصل جین ثابت لکھنؤی اس کی تردید میں لکھتے ہیں کہ

"اگر یہ واقعات صحیح ہوتے تو مرد میر صاحب کے کمال اور مرد صاحب کے نقص بردال ہوتے۔ مگر لکھنؤ میں بڑے بڑے آدمیوں سے تحقیق کر کے یہ معلوم ہو کر یہ سب محض عیب اور غلط ہے۔ مرد صاحب بدلتا العریضی رئیس یا بادشاہ کے ہاں لباس درامی سے ہمیں گئے، جلس عریضی کا نوکیلا کر ہے۔ سلخوہ کے ہاں مرد صاحب کبھی جلس میں نہیں بیٹھے۔ یہاں نہ بات داخل دیکھتے کہ کسی مایج یا بند کرہ سے یہ ہمیں نہیں نامت ہوتا ہے کسی تاجر جلس میں دہریہ اور اس کے بعد دیکھتے ہاؤز کے حکم سے بیٹھے ہوں۔ اول تو یہ دیکھتا ہے کہ جو سلام میرا نیست سے منسوب کیا گیا ہے وہ واقعی ان ہی کی تخلیق ہے یا اور کسی کی۔ راقم کی نظر سے یہ سلام میرا نیست کے خطوط یا عیوضہ مرتبوں اور سلاموں میں لے اوس جو حال ہاں جس حالت کی صورت میں موصول ہو تھا۔ اس میں ارباب تحقیق کے لیے دعوت ہے اس لیے نتائج کیا جا رہے (ایڈیٹر، "قلم" بادشاہ، جو اباجی (حیدر دھ)

"نیا دور" لکھنؤ مطبوعہ جولائی ۱۹۱۹ء کے شمارہ میں محبت سخی حسن نقوی کا مضمون "کلامِ انیس میں تغزل" راقم الحرف کی نظر سے گزرا۔ موصوفت صفحہ ۳۶ اور صفحہ ۳۷ پر میر جہیز جین آسن مولف واقعات انیس وریوں کی اصل علی تہری صاحب حیات انیس کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ "سرس پڑی ہیں اس نے جو دیر اس کے ٹپے در، میر صاحب کے سر لکھ" اور اس کے والد میرا نیست کے دوستوں میں سے تھے واقعات انیس میں ایک روایت نقل کی ہے جس کی تائید قلم نویس نے فیک کے ساتھ مولوی اشہری نے حیات انیس میں کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک اور اصل شاہ کے دروازہ ملکہ کتو جہاں نے مرد اور میرا نیست دونوں کو گھسیٹ کر رکھے کی دعوت دی میرا نیست نے صاحب صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی حالت میں دربار دار کی کا حفظ مراتب مجھ سے نہ جو سکے گا بچا جو انہیں ایڈر رہے یہ شک میں جلس بیٹھے کی معافیت مل گئی مرد اور درامی قایر عمار مادے جو ہے تھے۔ انھوں نے منبر پر بیٹھ کر پہلے بادشاہ کی تانیں کچھ اشعار مدح کے بیٹھے اور اس کے بعد مرتبہ شروع کر کے بعد ازاں انیس کی مادی آئی۔ انیس نے اول ایک سلام پڑھا جس کا مطلع یہ تھا

غزنی مدح کوں تہ کے ساجو اں ہو کر
موتیابی ہو اکھوئیں سلیاں ہو کر

اور اس کے بعد صاحب میرا نیست نے سلام کا تیسرا شعر پڑھا
نعل اکبر کو دیکھا میرزا ہو
سب سر کھول دے ماں کے پرتیاں ہو کر
لے اوس جو حال ہاں جس حالت کی صورت میں موصول ہو تھا۔ اس میں ارباب تحقیق کے لیے دعوت ہے اس لیے نتائج کیا جا رہے (ایڈیٹر، "قلم" بادشاہ، جو اباجی (حیدر دھ)

میں بھی کافی وقت صرف ہوا ہوا کتاب کی تفصیل یہ ہے۔
ساتھ ۸۸ صفحہ، ۵۸ سلاسل کی تعداد ۵۸ صفحات
۲۹، اس کے علاوہ سلاسل کی تعداد بھی ۵۸۔ ابتدا تا آخر کے سلام ہے جو کہ
نیک سلامی وصف ابرو سے شرمی جاہ کا
جو سر دواں پہ جلوہ مند بسم اللہ کا
صفحہ ۵۰۸ یہ زمانہ کی بھی جو تاریخ طاعت درج ہے۔

غیر متکلیف ہے جو اہل علم سے جو سلام اس میں پورا ہوا وہ بہت ہی
کلک ہے حال کے پانچ رقم کی اس کی بس یہ علامت تالیف میں زیبا ہو
"شیخ تعزیت" کا یہ علامت کلام تین سو چوبیس جہیں ہر صفحہ میں پورا ہوا
ترتیب دیا تھا۔ "اسم" خانہ طبع کے تحت یہ حواصت درج ہے۔
"الحمد لله الذي جعل في كل شيء تعزيت" تالیف تین سو چوبیس
جہیں صاحب قلم نے تین سالانہ سہار پوری سے شریعت کو پوری
یہ تصحیح دینی شیخ شریف تارخ ۳۰ ماہ ذی الحجہ ۱۲۸۷ کو طبع ہو کر دست
شقائقان باقار و ناظرین اولی الاعصار ہوا۔

میرنوس کا تذکرہ بالا سلام شیخ تعزیت میں صفحہ ۵۸ پر درج
ہے اس میں ۳۵ سور ہیں۔ دوسرے سور کا سر در ثانی یوں ہے ج

بحرانی اپنی ہوا اھو میں سلیمان ہو کر
صدر تہذیب الاحوال میں سلام کے مطلع میں "موس" مخلص درج ہے۔
ذیل میں موس کا یہ سلام ہے گوک معلی سے سرائے کے کلام سے
موس کو کہ جس درج کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ
ہو سکے۔

بحرانی اپنے ہیں آنسو و غلطاں ہو کر
خیر کی مدح کریں شریعت ناخواں ہو کر
اربیان نے جو کہ آمد دست حسین
مخلی صل شاہ کاہن اھو میں سلیمان ہو کر
تد کے مرے سے دین کی ہونی بربادی
کس سے دریافت کریں حال ام کوئی پیدا ہوا نہ کہ جس میں
بحرانی اپنے ہیں آنسو و غلطاں ہو کر
خیر کی مدح کریں شریعت ناخواں ہو کر
اربیان نے جو کہ آمد دست حسین
مخلی صل شاہ کاہن اھو میں سلیمان ہو کر
تد کے مرے سے دین کی ہونی بربادی
کس سے دریافت کریں حال ام کوئی پیدا ہوا نہ کہ جس میں

ہیں جو کہ اسے جناب ہمارا اھلکار میر محمد خاں آف محمود آباد نے
انہیں کے غیر مطبوعہ سلاسل کو بڑی محنت اور عرق نشانی سے ترتیب دیا
ہے۔ اترنے سلاسل کا یہ مجموعہ دیکھا اس میں شاہی مجلس "والا سلام
بھل نہیں ہے۔ دراصل یہ میرنوس کی تصنیف ہے اور اسے میرنوس کا
نیکم کرنا صرف غلط ہو بلکہ گراہ کر بھی۔ اس سلسلے میں حسب ذیل شہادیں
را اہم کے پاس ہیں جن کی بنیاد پر اس غلط ادراے کی بنا پر اھلکار کی تردید ہو جاتی ہے۔
(۱) مرثیہ میرنوس جلد اول صفحہ ۴۹ مطلع اول کشور کھنڈ مطبوعہ
میں یہ سلام میرنوس کے نام درج ہے۔ اس میں کل ۲۸ شعر ہیں۔ پہلے
دو شعر یوں ہیں۔

بحرانی اپنے ہیں آنسو و غلطاں ہو کر
آبرو پانی ہے کیا چشمے گریاں ہو کر
نہر کی مدح کو جس سے ملے ناخواں ہو کر
بحرانی ایسا قسم کھو میں سلیمان ہو کر

(۲) میرنوس کے سلاسل کا مجموعہ دواں فصاحت عنوان کے
نام سے مطبوعہ میں میں نامی میں مستعد عبدالحمن تابہر کھنڈ گاہ
سردار باغ کے انعام سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں ۹۹ پر یہ سلام ۲۸ شعر
میں درج ہے۔

(۳) میرنوس کا یہ سلام جناب سید سوجن صوفی کے کتب خانے
میں مطبوعہ کی صورت میں محفوظ ہے۔ اس میں دوسرے سور کا سر در ثانی
یوں ہے ج

بحرانی اپنی ہوا اھو میں سلیمان ہو کر

(۴) جناب سید سوجن صوفی کے ذخیرہ مرثیوں میں اردو کے مشہور ترین
کے سلاسل کا ایک اور ادب کا مجموعہ مطبوعہ موجود ہے۔ غائب احمد
سمو ہے اور اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں ملتا ہے۔ مجموعہ سلام کا نام
"شیخ تعزیت" ہے۔ شیخ تعزیت کتاب کا تاج نام ہے جس سے
۱۲۹۶ ہجری تک ہے۔ میں کتاب میرنوس کی دفتار کے ایک سال بعد
شائع ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی ضخیم کتاب کی ترتیب، کتابت اور طبع

لے میرنوس کا انتقال ۱۲۹۶ میں ہوا۔

تنگی باپ کی تاج کو بھولی نہ کھیں
 لاش اکبر سے کہا ہاں نے کہ شاق بھی تھا
 بانو کہتی تھی برس دن گئی تو افسوس ہے
 فاتحہ دو دھڑکی لے کر نہیں سکتی داری
 زلف اکبر کو دیکھا سر پہ وہ یوں
 لب شیریں دیکھی جو پھر دی حاکم لے
 تھا یہ اس گھر میں اندھیرا کھرا۔ الاں کرا
 تھر سے کہتے تھے نہ نئی کو بچا جو بچے
 حشر کو دیکھ کر بیا تیر خدا کی فریاد
 رہبری کی جو مقدر نے تو ہم بھی ہوس
 روضہ شاہ پہ جا نہیں گئے نواساں ہو کر

یہ کہنا غلط اور بے بنیاد ہے کہ دیر نے مذکورہ بالا شاہی مجلس میں شریہ
 سے قبل بادشاہ کی تعریف میں کوئی نظر نہیں لکھی۔ اگر فی الواقع دیر کو ہی ایسی
 نظم مجلس میں پڑھنے تو ا میتوں نے اس کا خوب چرچا کیا ہوتا اور وہ نظم کہیں
 نہ کہیں محفوظ ہوئی۔ بلکہ اس کے جب میراٹس مارچ ۱۸۵۷ء میں
 حیدر آباد مجلس پڑھنے گئے تو انھوں نے نظام دکن اور ان کے دیر کی
 تعریف میں یہ درد باعیاں بھی تھیں:

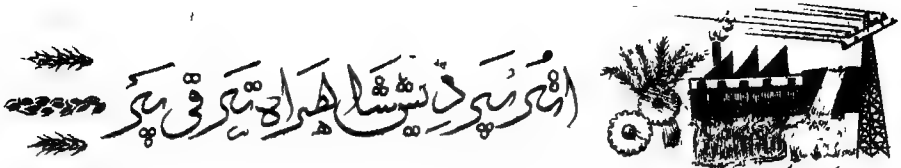
الند و رسول حق کی امداد رہے سر پہ تہر فیض بسا د رہے
 واب ایسا رئیس عظم ایسے یارب آباد حیدر آباد رہے

موجود جو کچھ جسے منظور ہے یاں علم فصل و عطا کا دستور ہے یاں
 مختار الملک و دستر گان عالی رحمت رحمت پہ نور پر نور ہے یاں

سکے سہم دیکھتا ہو آئین حیراں ہو کر
 کون سا گل ہو جو دیا ماہیں خنداں ہو کر
 یہ دن حج نہ پھر ہوں گے پیشاں ہو کر
 کیا صلے پہ ہیں دنیا میں خنداں ہو کر
 تو کد راجا ہو سجد سے سلیمان ہو کر
 ہم رہے جاتے ہیں بیلے تھے جہاں ہو کر
 یا کیا تیر سلمان کے سلمان ہو کر
 دی گئی تیر اعلیٰ تہ و اماں ہو کر
 جاب ہر صلب آگے بدشتاں ہو کر
 دل میں ہر سوز تیر کو گیا پاں ہو کر
 بڑ گیا ٹوٹ میں تیر کا کہاں ہو کر
 سائے کو ڈھ گئے سادا کچھ دیر ہو کر
 تکر خالی کیا ہر تیرے خداں ہو کر
 بقیاں ٹوٹ لیں جھلنے لگتاں ہو کر
 عید دریاں ہوئی عشق فریاں ہو کر
 سر جھکا لیتے تھے بے درد پیشاں ہو کر
 قتل کو نہ ہو مسلمان کو مسلمان ہو کر
 دس احمد کو صلاب گئے سجاں ہو کر
 یاں آؤں نہ کیا قابل د آں ہو کر
 حرم کے قتلہ نوں حرم میں یکاں ہو کر
 صبر کچھ کچھ کم اکبر میں کدوں ماں ہو کر
 دھوپ میں لائے شیریں عریاں ہو کر

کہیں ملتا نہیں تصویر سگند کا پتا
 پتھر میں ڈامڑی سدا شاہی و دم
 کہیں کھلی دیکھ کر ہر کے مرج کو تعضا
 درواں داؤ لگاتے ہیں سجاں اندر
 دی برساں نصدا لے کے علی سے حاتم
 تارہ دے تھے کیا تیر کو ہر فرات
 شامل آگے تھے اندر اندر
 دھوپ میں تیر کا جو درج روشن ہو کر
 وصف رجا کیا بعد شاہ لب شاہ
 گویا اندر نے جسے فیض نصیب دیکھا
 حلد ہی تیرے سا حور کی کوئی نہ بھی
 جاپسے خاک میں تیر کے سائے والے
 کچھ امتداد کی خوشی تھی سیر ہر کو
 ہو گیا کعبہ و طحا و مدینہ و بباد
 فرح کے بعد بھی تیر کی۔ پوساں تھیں سب
 تیرا جب کہتے تھے تیرا تو قصہ مری
 فوج امداد سے کہا تیرے نے دیندار کی
 عیسیٰ آل محمد کی رحیمی کے تار
 سیر تہ پہ رکھا تیرے و افہبات
 لاتیں شیر پہ یہ دھوپ تیرے قتل کے بعد
 کہتی تھی باؤسے یکس کہ بتاؤ لوگو
 اتنی احمد رسل کے گن گناہ تھے





سائنسی اور تکنیکی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دورِ تعلیم کی آسیریں... ہمارے ڈیڑھ لاکھ بچے زمین و آسمان کے واسطے ملاؤں کی فراہمی... حوالہ کی خریداری بریلوی میں اضافہ... بے روزگار راہنماؤں کو روزگار کی فراہمی... پندرہ سال کے اندر تمام تندرست افراد کو روزگار فراہم کر دینے کی توقع... بیجاٹ سیو کوں کے جنگلی بھتیوں میں اضافہ... خرینک کے اناجوں کی خریداری قیمت کا تعین... مجاہدین آزادی کو پیش... اتر پردیش میں بجلی کی کمی کو دور کرنے کے اقدامات پر غور و خوض... سنگرت کے اساتذہ انگریزی کی استعداد کی شرط سے مستثنیٰ

کی گئی ہے۔ ال میں سے ستتر حوالہ ہر جس اور اقوام و قائل مندرجہ فہرست کے ہیں۔

صلح ہمارے میں ۱۳۹۹ مواضعات کے اقوام و قائل مندرجہ فہرست دیہی دستکار اور زرعی مزدوروں کو ۱۹۶۰ حوالہ ملے کو ۱۵۹۹ بکسے زیادہ زمین تقسیم کی گئی اسی طرح صلح مانہ میں مکانات کی تعمیر کے لیے ۱۶۱ مواضعات میں اقوام مندرجہ فہرست اور ہر گزوں کے تقریباً ۱۳۴۵ حوالہ ملے کو ۱۳۹۹ بکسے زیادہ دس دی گئی صلح حوالوں میں ۸ مواضعات کے ۸۳ حوالوں کو مکانات کے لیے ۸۸۰۸۸۸ بکسے زمین تقسیم کی گئی ال میں سے ۵۰ حوالہ اقوام مندرجہ فہرست کے اور بقیہ دستکار اور زرعی مزدوروں کے ہیں

حکومت اتر پردیش نے لائسنس یافتہ سیویا ریلوں اور چاول ملوں بریلوی مانہ کر کے موجودہ حربہ سے چاول خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سسے ملائی دو کالوں کی طرحی ہوئی مزدوریات کی تعمیل کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ مقدار میں چاول خریدنے کے لیے اسالی بوی کے عام فیصد میں ۶ سے ۷ تک اضافہ کیا گیا ہے۔ گورکھ پور ضلعی سرحد اور ہمارے ہیر پور اور حوالوں کے قلت زدہ اضلاع کے لیے بوی کا فیصد صرف ۳۵ ہوگا۔

کالوں کو امدادی قیمت کا مانہ پہنچانے کے لیے ذیلیانی اشخاص

در اطلاعات و تقاضی امور در دست راست ملے اعلیٰ تعلیم تری... ڈیڑھ لاکھ لے آج شام کو لال باغ مجلس کار کھڑے ہیں اور لوگوں کی تعلیم سے متعلق مشاورتی کوس کے جلسے میں قلمیوں کے سال پرتا دلہن لال کرے ہوئے کہا کہ اسی میں تعلیم نواں کو کافی نقصان پہنچا ہے لیکن آج بھی لڑکوں میں سائنسی یا تکنیکی تعلیم کے لیے بہت زیادہ محنت و جوش ہیں یا بہت ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر تخیل کی سے قور دی جا چاہیے اور حواس کو زیادہ سے زیادہ سائنسی اور تکنیکی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سب تدریس اہماز رسول ایم ایل اے نے اس جلسہ کی صدارت کی۔

خریڑ میں لے کہا کہ ملک میں دس سائنس گروپوں میں سے صوبہ ایک لڑکی سائنس گروپ کوٹ جوتی ہے اور ال میں سے ہر پنج میں سے چار لڑکیاں تدریس کا مینہ اختیار کرتی ہیں ال میں سے زیادہ لڑکیاں دیگر پیشے کو نہیں ایمانی میں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہمارے میں مسلم اور حکومت کو توادہ حالات کو رہا گیا ہے

آزادی کی ہمسایوں ساہجہ سال کے دوران ہمارے ڈیڑھ لاکھ بچے علاقوں کے زمین ہر گزوں اور سال کے دیگر کر دو طبقوں کو مکانات کے لیے عوامی کر کے لیے ایک پروگرام شروع کیا جا چکا ہے اس پروگرام کے تحت ہمارے مانہ اور حوالوں اضلاع میں ۳۲۲ مواضعات کے ۸۸۰۸۸۸ حوالوں کو ۱۳۳۱۱۳۳ بکسے زیادہ زمین مکانات کی تعمیر کے لیے فراہم

دور کرنے کے لیے تیز رفتار پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔ پرائمری اسکولوں میں مزید پچھرون کی تقرری کی گئی اور وہی پروگراموں کو جاری دکھایا گیا۔ ریاستی حکومت نے سالہاں کے دوران اترپردیش میں تقریباً ۸۶۳ کھڑکیوں کے منصوبہ سے تقریباً ۱۱۰ لاکھ افراد کو نفع کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ایک خصوصی پروگرام شروع کیا ہے۔ ریاستی خصوصی ہندی کمیشن کے امداد کے مطابق ان تمام کوششوں کے اور جو حکومت دو سالہ فراہم کرنے کے لیے کر رہی ہے اترپردیش میں یا جو پانچ سالہ منصوبہ کے خارجہ سے دو سالہ تکلیف (افراد کی تعداد ۹۹۰۰۰ میں سے ۴۶۰۰۰ ڈگری ہولڈر کثیر اور ۴۴۰۰۰ ڈیو لپا ہولڈر) ۱۹۸۱ تک پانچ ڈگری ہولڈر اور ۱۲ ڈگری ہولڈر ترقی یافتہ پچھروں گئے

اتر پردیش میں بچاوت سکولوں کو بھی اکتوبر ۱۹۷۷ء سے سرکاری ملازمین اور ہمدردوں کو نفع کا گارنٹی فراہم کرنے سے متعلق اسکیم کے ملازمین کو ۵۰-۱۱۵ روپیہ کی شرح تنخواہ میں مل رہا ہے۔ فیصلہ آج یہاں وزیراعلیٰ شری کلاپتی ترقیاتی کمیٹی کی صدارت میں مسودہ ریاستی کانین کے ایک جلسہ میں کیا گیا۔ اس فیصلہ پر یکم اگست ۱۹۷۷ء سے مل دیا ہوگا کہ کی رو سے بچاوت سکولوں کو ۵۰-۱۱۵ روپیہ کے موجودہ ہنگامی کھتے کے بجائے ۵۹ روپیہ کی شرح سے امداد شدہ ہنگامی کھتے سے کام

ریاستی حکومت محکمہ پرائمری اسکولوں کے لیے جلد ہی ۹ پچھروں کی تقرری کرے گی۔ یاد ہوگا کہ ان اسکولوں کو حکومت نے حال ہی میں اسے دائرہ اختیار میں لیا ہے۔ ان پچھروں کے انتخاب سے متعلق قواعد و ضوابط کا بھی اعلان کیا جائیگا۔

صلی کمیشنوں سے کہا گیا ہے کہ پچھروں کے انتخاب کے وقت تربیت یافتہ اور سرورگاری ٹی ایس اور ایچ ٹی ای ٹیچروں کو اولیت دی جائے۔ اس کے علاوہ ان میں سے ایسے پچھروں کو بھی اولیت دی جائے جنھوں نے پہلے تربیت مکمل کی ہوگی۔ یہ دو گاموں۔ دیگر نذرین کے معاملات میں ایسی صورت میں حکومتی حالت کا جب کسی خاص ضلع میں ٹی ایس اور ایچ ٹی ای ٹی کے پچھری دستیاب نہ ہوں۔ بیک فیلم کے دھماکے کو منظم کرنے کے لیے حکومت نے اتر کھٹ

کوٹھانے اور وہاں کے ٹھوک سوبانوں شروع اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے حکومت نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ امدادی قیمت اسکیم کے تحت محکمہ غذا اترپردیش امداد یا ہی فیڈریشن اور ہندوستانی غذائی کارپوریشن کے توسط سے کھلے بازار میں کسٹوں سے براہ راست دھان خریدنا۔ ریاستی حکومت نے کسٹوں کے لیے کم سے کم امدادی قیمت کی مدد کا مدد دست کرنے کے لیے راجیو قیمت کمیشن کی سفارشات اور مرکزی حکومت کی رہنمائی سے مختلف قسم کے اسکی دھان کی قیمت خرید ۷۵ روپیہ کی کوشل تقریب ہے۔ اسکی کے علاوہ دیگر اقسام کے دھان کی کوشل قیمت خرید دراصل کے لیے ۶۸ روپیہ۔ درہ دوم کے لیے ۶۲ روپیہ درہ سوم کے لیے ۵۹ روپیہ درہ چہارم کے لیے ۵۳ روپیہ اور درہ چم کے لیے ۴۹ روپیہ ہوگی۔

درہ اولیٰ صلف گورنمنٹ سٹریٹریٹ اسکیم کے ضلع کسٹوں میں سڈو، انجینئروں اور ہمدردوں کو نفع کا گارنٹی فراہم کرنے سے متعلق اسکیم کے تحت دو سڑکوں کی تعمیر کے کام کا افتتاح کیا۔ دو سڑکوں کا یہ رو سے تقریباً ۴ کلومیٹر دور آری یاں یاں اور پور اور کاسور سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر گھانٹ پور تعمیر ہیں۔ آری یاں یاں اور پور سڑک ضلع کسٹوں کو درہ سوم سے فتح پور سے ملاتی ہے۔ ان دو سڑکوں کی تعمیر کے لیے ترقیاتی کام کر کے گا اور یہ آئندہ ۱۵-۱۰ لاکھ سے قریب کو تیار ہو جائیں گی۔ اس اسکیم کے تحت صلی کانین میں ۲۳ کلومیٹر سے زیادہ لمبائی کی پانچ پچھری سڑکیں تعمیر کی جائیں گی۔ سڑکوں کی تعمیر ۷۰ روپیہ کی کوٹھانے کے تحت سے لاگت آئے گی اور اس سلسلہ میں نصف اخراجات مرکزی حکومت سے کرتے گی۔

ریاستی حکومت ریاستی منصوبہ بندی کمیشن کے ۱۵ سالہ منصوبہ کے لیے متعین کردہ مقاصد کے تحت ریاست میں ۱۹۷۳-۷۴ سے ۱۹۸۸-۸۹ تک کی مدت کے دوران تمام سدرت افراد کو دو سالہ فراہم کرنے کے قابل ہوگی۔ ریاستی حکومت نے جو تھے منصوبہ کے دوران پچھری کے سلسلہ سے پہلے کے یہ خصوصی کوشش کی ہیں۔ دیہی علاقوں میں پچھری

کے عین اصلاح کو کھڑے ہو یا است کے تمام اصلاح میں مطلع ہو ایک جو کیتیں انہوں کی تقرری کر دی ہے۔ ان امور کے کام نہ حال کیا ہے اور سلسلے میں تعلیم کے متعلق کا بھی شروع ہو گیا ہے۔ لقب تیس اصلاح میں عدلیہ فیاض کی تقرری کر دی جائے گی۔

حکومت اتر پردیش نے لائسنس شدہ بیویاؤں اور چالوں پر پلوئی مانگ کر کے ۱۹۷۳ء کی حربہ مصل کا یا دل حیدرے کا فیصلہ کیا ہے اس کے علاوہ باجمہ اور مکھی کی حروری طور پر حراری ہندوستانی غذائی کارپوریشن کے سر کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ریاستی حکومت اپنی ضروریات کی تکمیل کے میں نظر براہ راست کھلے مارا ہے۔ ۵۰ فیصد بھی کالوں سے خریدے گی

حریداری کے سلسلے میں کسی قسم کی دستاویزی پیش کیے گئے اس کے لیے دھان اور چالوں کے لیے ریاست کو ایک الگ منطقہ میں تقرر رکھتے ہیں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ دھان اور چالوں کے موجودہ آٹھ ملاکوں کو ۲۴ چھوٹے ملاکوں میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ ان ملک کو روکا جائے اور حریداری میں اضافہ ہو سکے

زراعتی قیمت کارڈیشن نے تیسرے درجہ کے دھان اور چالوں کے لیے قیمتوں کی سفارش کی تھی اسے حکومت نے منظور کر لیا اور بالترتیب ۵۶ روپیہ فی کوٹل کی شرح سے اس کی قیمت معرر کی گئی ہے باجمہ کی قیمت ۶ روپیہ فی کوٹل اور چار اور مکھی کی قیمت ۵۸ روپیہ فی کوٹل مقرر کی گئی ہے۔

چھ مجاہدین آزادی اور ان کے خاندان کے اہلکاروں سے کہا گیا ہے کہ وہ چٹن اور مالی املاکی منظوری کے لیے ایسی درخواستیں مقدمہ ملازوں پر جو مصلحہ مصلحت کے دفتر سے حاصل کیے جاسکتے ہیں زیادہ سے زیادہ ۳۶ جنوری ۱۹۷۳ء تک پیش کر دیں

اس سلسلے میں جو لوگ پہلے کسی اور نام پر معمولی کاغذ پر درخواستیں دے چکے ہیں ان سے بھی استدعا کی گئی ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے معترفہ نام پر اپنی درخواستیں دوبارہ پیش کر دیں دیکھا گیا ہے کہ درخواستوں کے

فائلوں کی مناسب طور سے فائز ہری نہیں کی جاتی ہے اس سلسلہ میں سرکاری محکمہ تفصیلات اور تبدیلی یوری مدت دہتر ہے سے دس بج کا جاتا چلے ہے۔

تبدیلی مدت کے بارے میں مصلحہ انفریاسیل سیرٹنڈٹ کا سرٹیفکیٹ دستیاب نہ ہونے صورت میں درخواست دہندہ اس سلسلے میں دو ممبران مجلس قانون سازیاں پارلیمنٹ یا سیاسی پیش یاے دلے مجاہدین آزادی کا سرٹیفکیٹ پیش کر سکتے ہیں جس لوگوں نے سمانی مانگ لی ہو وہ کسی پیش کے حقدار نہیں ہیں لہذا درخواست کے فارم میں یہ واضح طور سے دن ہونا چاہیے کہ درخواست دہندہ سمانی مانگی ہے یا نہیں اس امر سے متعلق فارم کے کالم ۱۲ کو فائز ہری کے فیئر نہ چھوڑنا

دور کھلی تری نارائ دت تیواری نے دھان بھون کے ملک ہال میں اتر پردیش ریاستی کھلی لورڈ کے طلب کردہ ایک جلسے کا ریخا ڈالوں سے اپیل کی کہ وہ اتر پردیش میں کھلی کے موجودہ بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے عملی طور سے جس میں سے پیداوار کا کم سے کم نقصان ہو اور مزدوروں کو کم سے کم دقت ہو درپروصوت نے ان سے اپنے طور سے میں دن کے اندر دو دو گھنٹے کے لیے کہا

اس جلسہ میں بڑے اور چھوٹے پیانڈ کی صنعتوں کے نمائندوں جبہ ممبران مجلس قانون ساز اور باجشی زراعت اور ناشرین کے محکموں کے افسران نے شرکت کی۔ درپروصوت نے جلسہ میں کہا کہ تمام صارفین کو اس امر کو ملحوظ رکھ کر کھلی کی قلت کا کیا طور سے سامنا کرنا چاہیے کہ نہ تو صنعتی پیداوار کو اور نہ زراعتی پیداوار کو نقصان پہنچے۔ درپروصوت نے کہا کہ مدھیہ پردیش اور کیرلا کو کھڑے کر دے تمام ریاستیں کھلی کی قلت سے دوچار ہیں اور کھڑے ریاستوں مثلا ہریانہ پنجاب میں صورت حال اتر پردیش کے مقابلہ میں کمزور زیادہ خراب ہے دیگر ریاستوں میں بعض مقامات پر کھلی کی فراہمی میں ۶ فیصد تک کمی کی کر دی گئی ہے۔

رہائی حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ آئی اسکولوں اور انٹر میڈیٹ کالوں کے لیے تمام مسکرت بچروں کو جو مطلوبہ بشرتی علوم کی استعداد کے حامل ہوں نیکس اتر پردیش کے آئی اسکول اور انٹر میڈیٹ کے نیشنل اور ڈسکے

نصاب میں درج انگریزی کی استعداد رکھتے ہوں سرانے طبعی طور پر کوٹھلے
 لے اسٹریٹ کا اسٹان اس کے کیا جو گرفتہ کاریوں سے اس نفسی
 استعداد سے ششہ کی گرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ اسٹریٹ کی جو کمیشن ایکشن

دفعہ ۹ (۲) کے تحت کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں سنسکرت ٹیچروں کی خدمت میں
 اور عقل کے فائدہ حاصل ہو جائیں گے اور وہ مختلف مگر فیصلہ کے حصول پر ہوجائیں
 کے ساتھ وہ انگریزی کی مطلوبہ استعداد کے حامل ہوں۔



عدل القلوب اور سرکاری دفاتروں سے فارسی کا انخراج — (صفحہ ۲ کا قبیہ)

نیک اس میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس شخص میں یہ بھی خاطر میں
 رہنا چاہیے کہ حاکم کو تو درست (سبار) کے حکم سے فارسی کے احوال اور
 ہندوستانی خطاطی کی زندگی کے حالات اجتماعات کیجئے تھے۔ ہندوستانی
 خطاطی کی حمایت میں ایک بھی ہندوستانی نے اپنے نمونوں کو جسٹس دینے
 کی رحمت گوارا نہیں کی تھی جو اس کی حمایت انگریزوں کی مزید
 حکمت عملی کی محتاج تھی اور حقائق کے مطابق اس سے بعد کی بات ہے۔
 استاد میں بتایا جا چکا ہے کہ مستند شاعر تک انگریزوں کو ہندوستانی
 ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے لیکن انہیں ہی گوئی کی کمزوری کا احساس
 تھا اور ان کے دلوں میں انھیں مسلمانوں کی طرف سے شکوک و دھشتان
 بنے ہوئے تھے۔ گو رنجرل ہندو لاؤنگنگ نے مشاعرہ میں کہا کہ "میں
 اپنے جہد حکومت میں اس چاہتا ہوں۔ میں سایہ ذہن سے اس بات کو
 نہیں بھال سکتا کہ ہندوستان کے نظارہ خاموش اور بر سکون افق پر بادل کا
 ایک ٹھنک بھربھوڑ دیکھنے میں آدمی کی پھیلنے سے طرہ ہو مگر بڑے بڑے
 جاس اور ہیں تب اس اور بر بادی کی دھکی دینے لگے۔ لہ اور اگلا سال ۱۸۵۷ء
 ہی انگریزوں کی سامی اور بر بادی کی دھکی بنا کر آیا۔ بہر حال اس قیامت
 کے گرد جانے کے بعد ہندوستان کے متعدد بڑے بڑے شہروں میں روسا اور

شرفارے اصلاحی اعمیوں قائم کیں۔ ماں سات برسوں میں دینی سوسائٹی
 بننا اس میں ٹیوٹ، بیسی سال انکی ٹیوٹ، انجمن مساجد الہ آباد، امر آباد،
 میرٹھ، شاہ جہاں اور بیجا پور لاہور اور اڈوالہ، ممبئی، انجمن تہذیب الفکر وغیرہ
 بہتری اصلاحی انجمنیں دیکھتے دیکھتے نمودار ہو گئیں۔ اگر یہ تمام شروع شروع
 میں اس انجمنوں سے دور رہے (حالانکہ یہ اس کی اپنا رہنا ہی تھیں) سیکس
 روسا اور شاہ کے اصرار پر نا دل خواستہ شریک ہوئے لگے اور وہ چار مہینوں میں
 صدر اور سکریٹری کو برسیوں پر حلوہ در ہو گئے۔ اسی انجمنوں کے حلوں میں
 انگریزوں نے ہندوستانی خطاطی کی کو "ہندی" کے نام سے موجود اور
 حوالی مل پڑا اس کی حمایت کے لیے میدان تیار کیا۔
 عدالتوں اور سرکاری دفتروں سے فارسی کے احوال کے ساتھ ساتھ
 "ہندی" یعنی "ہندوستانی" میں اور "گوٹھکے کے لیے فارسی" ناگریز اور
 مدین دسم خط کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ ہر قسم خط کی فویوں اور دراصل کو
 خوب اچھا لگا اور لگے سو برسوں تک اس کی فویوں کا کام اور ان کی زبان
 مد کوہ ہوتا رہا ہے۔ زمان اور دسم خط کے اس قبیہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
 نفاق و لغوت کا بیج بو۔ یا جس نے ایک طرف ہماری قومی سالمیت کو یا جس
 پاس کر دیا اور دوسری طرف اس کا کوئی موزوں حل نہ مل سکا۔



(انشیا ۲۷) — (صفحہ ۳ کا قبیہ)

تغییرات عامہ کے سرکردہی ٹکے کے جیت انجین شری دورے راج
 نے ایک ملاقات میں بتایا کہ انجمنی انجمنی انجمنی انجمنی انجمنی انجمنی
 ہی نہیں ہے۔ تقریباً دس ماہ قبل ایک ڈپلومیٹ نے اپنے ملک کے لیے
 پیسے جو مخصوص کرانے آیا تھا۔ موصوف نے کہا کہ جہازت جیسے ملک

کے وسائل کو دیکھتے ہوئے اسے بڑے پروجیکٹ کو مکمل کو لینا دشوار معلوم
 ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ جناب آپ خواب دیکھ رہے ہیں، اسے بھول
 جائیے۔ یہ سیکرٹری ڈپلومیٹ جب انجمن برسر میں شری دورے راج سے ملا
 تو اسے اعتراض کرنا بھی پڑا کہ خواب حقیقت میں بدلایا جا چکا ہے۔



لہجہ پنجابی بات، "آج کا ہندوستان" ص ۱۱





صنعتی ایسٹن بیٹری کے ہالہ ٹرن کے بھلائے مولاد کارخانہ کا ایک منظر



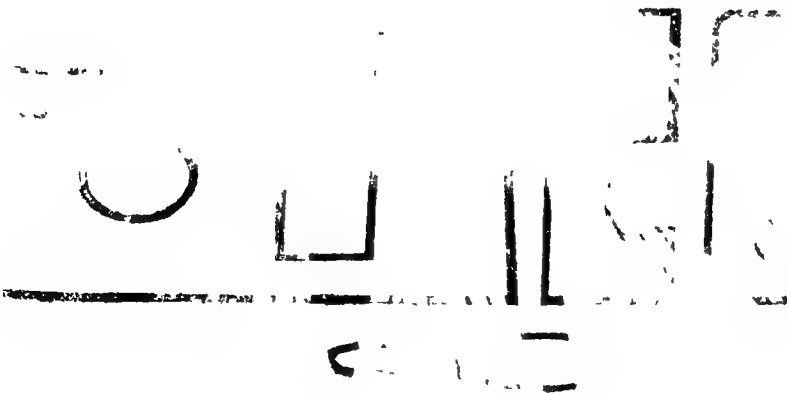
وَرِیْتِ غَبَر



28 (1948)

1948

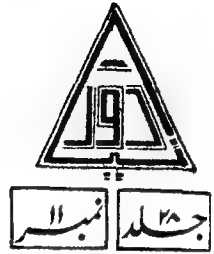




مختصر

۲	ملک کی طاقت اور عظمت کا دار قومی یکجہ میں ہو
۳	حاجہ اکبر علی حاکم صاحب گورنر راج
۴	۲۶ جنوری (مظہر)
۵	ہندوستان میں سوشلزم - کامیابیوں اور کامیابیوں
۸	نقشہ آزادی (مظہر)
۹	عمل
۱	ہندوستانی ستوری اور قومی یکجہ
۱۰	اسے ارض وطن (مظہر)
۱۰	مختصر کی زبان
۱۸	عمل
۲۳	مکرمات و ماحولیت حاکم
۲۴	مظہر وطن (مظہر)
۲۸	نقشہ ہندوستان (مظہر)
۲۹	نقشہ ہندوستان (مظہر)
۳۲	مہاشی کی زبان (مظہر)
۳۵	یادداشتیں
۳۸	عمل
۳۸	عمل
۳۹	مہاراجہ شاہ ظفر کی تانوی میں، ۱۸۵۷ء کا المیہ
۴۱	مختصر (مظہر)
۴۱	مختصر (مظہر)
۴۲	اردو و ماحولیت نگاری
۴۸	عمل
۴۸	عمل
۴۹	ایک عظیم عظیم وطن - شاہ محمد علی اور آبادی
۵۴	یہ یاد رکھو
۵۶	پیشہ پیشہ (مظہر)
۶۱	عالم کی وقت پسندی اور فائزیت
۶۸	قطعات
۶۸	قطعات
۶۹	سلطان سلیم (جہانگیر) ایک انبی اور شاہ کی جیت
۷۶	اردو کے بعد ہندوستان میں کوکٹ
۸۰	ہر س کے ادیب (مظہر)
۸۳	ہمارا وطن (مظہر)
۸۳	سادک یاد آزادی (مظہر)
۸۴	کلمہ میں غالت کا مکان
۸۴	اردو و ماحولیت نگاری

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کتابیں جن حالات کا انشا کیا گیا ہے ان پر غور فرمائیے کہ حکومت ان کے دل میں سے بہر حال متن



۲۶ جنوری ۱۹۴۷ء
 ہر ایک ۱۸۹۴ تک
 چھ سالہ سالانہ، ایک روپیہ
 کی قیمت پر
 اسٹیشنر
 نور شید احمد
 مسٹر
 شرمونی شرمہ
 ان کے لئے اطلاع - آؤ پر دیش
 ہر ایک
 اشوک در
 ہر نیشنل ہنگامہ پیشہ رو، پو
 مطبوعہ
 نیو گورنمنٹ پریس، پیش باغ کھنڈ
 سائبر حیدر
 ملک اطلاعات - آؤ پر دیش

اپنی

[illegible]

اگرچہ میں بھی جو میری خشک سالی کا شکار رہا۔ میری عمر اس نے صحت کے تمام تہوں سے راجعت و باپ پاشی، بھل و دیر کو کے پیداوار دوزخ کی میں ناپاؤں توئی کی۔ خوش کی جانی ہے کہ سالی سے اناج خصوصاً گڑبھل کی فصل کا نقصان پہنچا وہ اس سال رجب کی پیداوار سے بہت کم پیداوار چاہے گا۔ میرے لیے کراں کو شش کی ریح کے مقابلے میں اس سال جسے وہ لاکھوں ٹانہ پیداوار ہونے کی امید ہے۔ اسی طرح راجت میں مرد و لاکھ ہیکڑ ارضی کے لیے آبپاشی کا سولہ سو اہر کی فیش راجت کی بھل کی پیداوار میں صلاحیت میں آئی وہ گاؤں کا آٹا بڑا ہستی زرب میں مرکزی (سکرار) سیکڑے کی کھٹا کر کاڑا تھا جس میں روش کے لیے حاصل کے اور سب کا کار کا کوئی فروغ و اناج جو راجت کی صحت لاری کے رجن اسکات کا آٹا ہے۔

اس کے علاوہ جمہوریت کا تئیسواں سال یک سو چتر سو اور کے خاکے سے ایک قابل ذکر سال تھا۔ یہی وہ سال تھا جب آزادی کے ۱۵ ویں سال کی گزرتی تھی۔

خانہ جنگی اور ترکہ کے استعمال کے ساتھ ہر پیشہ میں بے پناہ ترقی ہو گئی۔ اس سوچ پر خاص طور سے ہر کچن اور گھر گناہ و جہنم کی ترقی کے لیے اور خاص سماج میں باعث مقام دلنے کے لیے کیلکس شروع کی گئیں۔ انیسویں صدی کے ساتھ کے معاہدے کے قیام کے لیے اتالی کا کردار کی طور پر جو شخصہ کے کا باپ ہیں اور دیکھیں کا کابل کو برطانوی حاکم بنا لگا۔ انیسویں صدی کے ساتھ کے معاہدے کے قیام کے لیے اتالی کا کردار کی طور پر جو شخصہ کے کا باپ ہیں اور دیکھیں کا کابل کو برطانوی حاکم بنا لگا۔

[illegible][illegible][illegible][illegible]

ایڈیٹر



ملک کی طاقت اور عظمت کا راز قومی یک جہتی میں ہے

مہاج کس خدمت کے لیے خود کو وقفہ کر دیتے۔ گہرا تریریش

[جناب کراچی خد صاحب گورنر اتر پردیش نے ایم جی ہدیس کے موقع پر وہم سے سب ذیل اسیل کی]

ہماری جمہوریت کی تیسویں سالگرہ گئی ہے جس سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اول یہ کہ گہرا بلو محاذ پر مختلف آزادانہ آزادیوں اور عظمت کے باوجود جمہوریت کا ۲۲ واں سال امن و امان کا سال رہا ہے۔ ہماری وزیر اعظم نے پاکستان سے ۴۴ اور جنگ کے ختم ہونے ہی دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور امن کا ماحول پیدا کرنے کے لیے پہل کی۔ اس کے نتیجے میں تاریخی شملہ سمجھوتہ ہوا جس کے تحت دونوں ملکوں کی وہیں اپنی اپنی سرحد میں واپس گئیں۔ یہ ہماری سب سے بڑی کامیابی رہی جس پر ہم کا بطور بفر کر سکتے ہیں۔ شملہ سمجھوتہ کے نتیجے میں امن کا جو دور شروع ہوا اس میں بڑی جنگ و دشمنی کے لیے نہ صرف ایک جمہوری اور سیکولر سماج کی تعمیر کی جانب تیزی سے بڑھے کا موقع ملا بلکہ جنگ و دشمنی کے عوام کو ۱۹۴۷ء کے دل درد و مصائب کے بعد جس فوری سکون اور راحت کی ضرورت تھی وہ بھی انھیں میسر آ سکی۔

اتر پردیش نے زیر نظر سال میں ہماری معیشت کے تمام بنیادی شعبوں — زراعت، صنعت، آبپاشی، بجلی وغیرہ میں اُس سوسائے کے باوجود جس سے پردیش کا ایک بڑا علاقہ تازہ نوا، نمایاں ترقی کی۔ اُس سوسائے کی ترقی کی فصل کو جو نقصان پہنچا، فوج ہے کہ اس کی بہت کچھ تلافی دینے کی راہ پیداوار سے پھلے گی۔ اسی طرح بجلی کی پیداوار میں ۵۵ میگا واٹ کا اضافہ ہوا اور پردیش کا بجلی کا ذخیرہ ۲۲ لاکھ بیگڑ کے بقدر بڑھ گیا۔ دیکھیں غفلتوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم ہر محاذ پر خود غفلت ہونے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اس لیے کہ ہر شعبے میں خود اعتمادی پیدا ہونے سے ہی ہماری جمہوریت کی بنیادیں مضبوط ہو سکتی ہیں اور ہم قوموں کی بنیاد میں اپنا سر اٹھا کر سکتے ہیں۔

جمہوریت میں تمام حقوق عوام میں ہرگز نہ ہٹے ہیں اور ان سے فوج کی بحالی کے لئے حقوق کا صحیح اور فائدہ داری کے ساتھ استعمال کریں گے اور اسی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں گے اور ملک کو خصوصاً سماج کے گزند و خطر کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں گے۔ میں تمام ملکوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یہ ذہنی نشیں کرنے کی کوشش کریں کہ ملک کی طاقت اور عظمت کا راز قومی یک جہتی اور بلحاظ ذات و مذہب و علاقہ و مذہب و عوام کی خدمت میں مضمر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری لائق احترام وزیر اعظم کی صحیح رہنمائی میں ملک طاقتور سے طاقتور ہوتا جائے گا میں اس بات کو یقیناً تمام ملکوں کو تہنیت پیش کرتا ہوں اور ان کی خوش حالی اور فلاح الہی کے لیے دعا گو ہوں۔

جے۔ ہند

آئینہ خاں

(تہم)



سیدِ حرمتِ الاکرام

یہ صبحِ روشن کہ زرفشاں ہے
افق پہ سو کج کلاہیوں سے
یہ ایک تلوارِ روشنی کی
حصات کی رزمِ کوشیوں میں
ھوٹل کو سرخِ زکریا کی
بتائے گی رازِ فتحِ مندی

یہ دقت کی شاہِ راہ پر
شعلیں جلاتی، کراہتی ساعتوں
کے زخموں پہ مسکراتی
اُترتی جاتی ہے تیرہ
لحات کے دلوں میں
جمالِ فردا کا نور لے کر

یہ روشنی جلوہ در ہے
بڑھو کہ کتنا سفر پہڑا ہے

کامیابیاں اور اسکی ممانات

ہنریت حملے صدقے

رہی ہیں لیکن وہاں عام سار زندگی بدستار جیسے پیمانہ ملکوں سے متبر ہے اور اسی لئے ابھی وہاں بطور کامک دم جمشروں میں گایا جاتا ہے پیمانہ ملکوں میں جنھیں ترقی دیر ملک بھی کہا جاتا ہے، اس گیت کے شریاھے ملے ہیں۔

ہندستان میں یہ گیت اتنا عام اور عوام میں اتنا مرحوب ہو چکا ہے کہ جو پارٹیاں ناسی ساحت اور مقاصد کے اعتبار سے غیر سوشلسٹ ہیں وہ بھی سوشلزم کا نام لیے لگی ہیں اور اپنے طبقوں کے لوگ سوشلزم کو اپنے معاد کے خلاف سمجھتے ہیں وہ بھی عام طور پر اس کی براہ راست مخالفت میں سمجھتے ہیں یا یہ ہندستان میں جو سوشلزم لا جا رہا ہے اس سے ایسی باتیں نہ کرتے ہیں جس کا اس میں تاثر نہ ملے۔ مثلاً کبھی سوشلزم کو مرنے کی آڑ لیا کے مانی قرار دیا جاتا ہے کبھی اس کو مذہب کا مخالف کہا جاتا ہے اور کبھی اس کو کم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ سوشلسٹ مسلح ہیں کسی کو گھر رکھنے، فائدہ لینے، کوئی کاروبار کرنے اور کوئی کارخانہ کھولنے، ملکانے سچوں کو اپنی مصلحت کے مطابق پروکس کر کے ملک کی اعانت میں ہوگی۔ جمہوریت میں ہر شخص کو اپنی بات کہنے کی آزادی ہے اور جو کہ ہندستان کا سوشلزم چھوٹی وضع کا ہے اس لیے یہاں سوشلزم کی مخالفت پر کوئی بامدی نہیں لگائی جاسکتی۔ اور اسی لیے اگر یہ سوشلسٹ سماج کی تعمیر میں تاخیر ہو رہی ہے لیکن اس کی سیادیں اور مرکز زیادہ سے زیادہ تنکڑ ہوتی جا رہی ہیں اس پر عوام کا عقیدہ اس دور سے بہت ہوتا جا رہا ہے کہ وہ اپنے دھوکوں کے طالع کے دوسرے طریقے، لہجے ہیں اور سوشلزم کی سمت میں خوش رشت ہوئی ہے اس سے سوشلزم مخالفت پر دھمکتے کی روید ہو چکی ہے۔

سوشلزم کے خلاف اور اس کے نقص سبب بھی

سوشلزم کو ہندستان میں مقبول عام بنانے کا سہرا جو اہل نظر بہرہ کے سر پہ یوں تو اس سے پہلے بھی لوگ سوشلزم کی باتیں کرتے تھے مگر ان کی باتیں زیادہ تر کتابی یا علمی انداز کی ہوتی تھیں جو اہل نظر سے غلطی پہلو پر درودیا، سوشلزم کے اصولوں کو عوام کی زبان میں مایاں کیا اور ان اصولوں کی روشنی میں عوام سے متعلق مسئلوں کا حل تلاش کیا۔ ان باتوں میں نظر پائی کہ سوشلزم میں تھوڑے تو اصطلاحات کے ٹھیکے میں بڑے اور دھوکوں سے کسی ملک کی آنکھ بند کر کے تقلید کی، جیسا کہ ان کے ملے کے اور اس سے پہلے اور بعد والے سوشلسٹ کرتے تھے اسی لیے اب عام کے ساتھ سوشلسٹ کا لفظ ٹوٹنے اور سوشلزم کے لطایات کا پرچار کرنے والے ادارے اور ادارہ دار سوشلزم کو مقبول بنانے کے لیے اتنا کچھ نہیں کر سکے جتنا کہ جو اہل نظر سے کیا۔

آج سوشلزم ایک نئے سانچے پر بڑھ چکا ہے اور بڑھنے کے دوران طرح طرح کے لوگ سامنے آئے ہیں کہ ملک میں مسئلوں سے دوچار ہے ان کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا حل سوشلزم ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے میں اقوامی سطح پر بھی سوشلزم سے دولت یا دولت میں بانی مانی خودوں کے انقلاب کے بعد بانی مانی تھی اور جس کی حکمت نقص حکومتوں کی پالیسیوں میں، اچھی دوسراں میں ملک دکھائی دیتی تھی۔

دوسرے سوشلسٹ ملکوں میں بھی بعض سوشلسٹ طرز کے اقدامات ہوئے ہیں، اگرچہ سماجی ڈھانچہ کی نوعیت سراسر دارا ہوئے کی وجہ سے ان اقدامات سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے جس ملکوں میں مسیحی انقلاب پچھلی صدی میں کیا تھا اور وہاں دوسرے ملکوں کے اتصال کا موقع ملتا تھا ان میں بھی اگرچہ اس طرز کا فرق دیکھا جاتا ہے اور سوشلزم کے حق میں آوازیں بلند ہوتی

اس بنیادی بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک مخصوص قوم کا وجود نہیں
ہو سکتا ہے۔ یہی حوالے سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک ایسے طریقے سے لایا جاسا ہے جو
جونا کے لیے زیادہ بہتر ہو لیکن جس کا تجربہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں کیا
جاسکا ہے اس جدوجہد میں ہم قند کا وہ کھلے پڑا اختیار کیا گیا تھا جسے
تجربہ سو فیصد ہی کامیاب و نامیاب سیاسی جدوجہد کے اس طریقے کو سماجی
جدوجہد میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ دراصل سیاسی جدوجہد کو سماجی جدوجہد
سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ سماجی قوتوں کی سیاسی اور سماجی ڈھانچوں
کی تعمیر ہوتی ہے ہندوستان کو برطانیہ نے بنیادی طور پر اپنے سماجی ڈھانچوں
کی خاطر تقریباً سو برس تک محکوم بنے رکھا اور ہندوستان میں ہجرت
جات کا دواغذات بات ہے جس نظام کا نتیجہ ہے وہ سماجی اغراض ہی
کے تحت قائم کیا جاتا ہے اغراض کے لیے جس طرح استعمال کی شکل اختیار
کر لی اور یہ کوئی اتفاقی بات نہیں تھی کہ حکومت کے خلاف سیاسی جدوجہد
میں برہمنیال کے بانی کاٹ کو ایک حربے کی طرح استعمال کیا گیا۔ اس
جدوجہد کے دوران ہی سماجی اور سماجی استحصال کے فکرت جدوجہد کی
پہل لگائی گئی جن دونوں کو ابھی تک بھارتیہ سماج کا گمراہی ہے نہ ہی جن
میں خود کے خلاف ہے بلکہ اور آزادی کی جدوجہد کو نہ ملتی جلتی ہے اپنے
کراچی کے اجلاس منعقد ۱۹۳۳ء میں کی گئی صورتوں کے قوی حلیت اور
کنٹرول پر مدد کے بدلے پر زور دیا۔ یہ سو فکرم تو نہیں پھر بھی اس کا ایک
بنیادی اصول ہے اور ہندوستان کی منصوبہ بندی جس کی ابتدا آزادی
سے پہلے قومی منصوبہ بندی کمیٹی کے ذریعے ہو چکی تھی آزادی کے بعد اس
اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔

جہرے ہند کے دستور کی تعمیر اس کے چوتھی اصول
میں سو فکرم کا نام لیے بغیر سو فکرم کا مصدقہ مثال کیلئے لکھتے ہیں۔ پہلی طرف
چین میں انقلاب ہوا تھا۔ یہ شرخ انقلاب خون خرابے کی وجہ سے بہت
زیادہ شرح ہو گیا تھا مادی وجہ سے یعنی سو فکرم کی تعمیر میں بھی قند
اور حیرت کا عنصر پایا۔ ہندوستان نے اپنے مختلف سیاسی منظر کی بنا پر
اس سے مختلف راستہ اختیار کیا اور ایک چین والے انقلاب کی کئی مثالیں
دنیا کی تاریخ میں موجود تھیں جن سے یہی نتیجہ ملے کہ وہ فی ہندوستان
میں جس طرز کا انقلاب آزادی کی شکل میں لپکا تھا اور منصوبہ بندی

جو اس لپکا ہے ہندوستان کو ہم سو فکرم کے لئے
سنا جانے والے طریقے سے تعمیر کر گئے ہیں۔ پہلی طرف 'اندوایا' کا طریقہ اندوایا
طریقہ ہو گا جس میں ہندو 'مجموعہ کواد' اور لوگوں کو بھی 'مجموعہ' کے دھڑلے میں
اس طریقے کے تحت اندوایا کی صورت ہے ساتھ ساتھ ہی کی خوشی کی بات ہے۔
سو فکرم کے تحت اس کا تصور تھا کہ حکومت کے فرد کو قوت کے مادی موقعیت
سراپہ اور نظام میں براگمن نہیں ہے، کیونکہ اس نظام میں سماجی طاقت چند
انڈو کے ہاتھ میں مرکوز ہو جاتی ہے اور وہ اس طاقت کو اپنے بھی فائدے کیلئے
استعمال کرتے ہیں اس نظام کے سماجی جب فزکی آزادی کی بات کی دیتے ہیں تو
دراصل وہ استعمال کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس استعمال کی ایک صورت
ہے کہ کچھ پلانے کی صورتوں اور جگہوں میں بڑے سرمایہ داروں کی آبادی
قائم ہو جائے اندوایا میں اس کو تیار نہیں جھڑپ پلانے کی اور گھروں میں
تجدو و نوآوری ہو جائے ایسی صورت میں پیداوار کے لئے ضروری ہر چیز کا قند
ہو جائے اور وہ پیداوار کی نظام میں اپنے بھی منافع کو دیتے ہیں اس
طریقہ دولت کا کردہ سیاسی آزادی کی صورتوں میں اپنا نظریہ قائم کر لیتے ہیں بلکہ
وہ قوم پران کی گرفت کو جاتی ہے اور اندوایا میں برابر ہوتی جاتی ہے۔
ہندوستان میں آزاد ہونے کے بعد یہاں ایسی ہی قوم کے
حالت پائے جاتے تھے۔ یہی نتائج کی سرپرستی میں سرمایہ دارانہ نظام کی پہلی

جو بوسل شروع ہو گیا ہے وہ بند ہونے والا نہیں ہے اس لیے اس کو قتل
ڈھانچے کی تبدیلی ہے۔

جس طرح اسپرلنگ ٹیکٹیک بنکنا دیا گیا ایک
علاقہ اہم علاقہ اس طرح سابقہ اہلکاروں کے قتل خاص اور خصوصی
ملاقات کا ختم کیا جاتا تھا اس کے لیے اس کے لیے نہیں تھا جتنا کہ
سابقہ اہلکاروں کے لیے ختم کیا کرنے کے لیے سو ٹیکٹ ڈھانچے
میں یہ حالت ہے جو میں یہاں تک کہ باور فیصلہ ہو گیا اور عوام غصہ
کی توجہ کر دی کہ ختم تانہ سراج سو ٹیکٹ ڈھانچہ کا ہو گا اس
کی راہ میں جو بھی کوئی نہیں اٹھیں دو کرنا ہو گا۔ ایک دو مرتبہ
کھٹ کے ایک کمرے میں فیصلے کے لیے تھی جس نے دستور میں مندرجہ
بنیادی حقوق سے حقوق و فرائض میں ترمیم کے حق سے پارلیمنٹ کو حرم
کر دیا تھا۔ یہ حق میں سابقہ فیصلوں میں بھی عدالت تسلیم کر چکی تھی۔ مگر
ان کو ایک ناکہ مقدس کے فیصلے کے بعد پارلیمنٹ کے ترمیمی حق کی بجائی
کے لیے دستور میں ترمیم ضروری ہو گئی تھی۔ ایسی ترمیم پارلیمنٹ نے منظور
کر لی ہے اس کے بعد کہ کوئی ایسا قانون جو دستور کے باقی حصے
پر عمل درآمد کے لیے پاس کیا گیا ہے اس بنا پر نہیں کیا جاسکے گا کہ اس
سے کسی بنیادی حق کی فطرت منہی ہوتی ہے۔ مگر اس ترمیمی ایکٹ کو بھی
پریم کونسل میں چیلنج کیا گیا ہے اور اسی عدالت میں دو ترمیموں کا مسئلہ
بھی زیر سماعت ہے۔ ان میں سے ایک قتل خاص کے خاتمے سے متعلق ہے۔
اور دوسری میں نئی سرکار حاصل کی جانے والی جائداد کے عوض دی جانے
والی چیز کو معاوضے کے بدلے رقم کیا گیا ہے۔ مگر معاوضے کا حق نہیں ہے۔
قومیانے کی لادوائی کو رد کا جائز ہے۔

ایڈمری میں کوئی بڑی کمی اور دولت
کی تحفظ اہم ہے اس کا رد واپس کی تقریر نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ملک
میں بھی ملٹی ملی سیاست کے تصور کو ترک نہیں کیا گیا ہے اور مستقبل
قریب میں اس کا کوئی امکان ہے۔ مگر دوسرے دنیاوی تصور اور
تقریرات کی طرح یہ تصور بھی ملحق نہیں ہے اور عدالت کی نسبت سے
بدلتا رہے گا۔ یہ تبدیلی جس بڑی صنعتوں کے قومی ملکیت میں لے لیے جانے
کے علاوہ درآمدی و برآمدی تجارت اور غلے کی تجارت کے لیے ضروری

بہت گہرائی تک پہنچ چکی تھیں اور دوسرے ملک بھی مل گئی تھیں۔ ان کے کام
سے کھینچ کر کھانا دیا صرف یہ کہ بے حد خواہ تھا بلکہ اس طرح چاروں ملک
کی زمین بھی حاصل ہو جاتی۔ اور کھانے کی وقت میں دوسری دسویں ملک
اور بیٹا نہیں سے دو یا تھانہ پر قابو پانا ناممکن ہو جاتا۔ یہ بھی حالت
کو جوں کا توں نہیں بھڑا جاسکتا تھا۔ ان کو بدلے کے لیے یہ بھی ضروری
اعتبار کیا گیا اس کی ملٹی میٹھ "کہا گیا ہے جس میں ایک ملک منصفہ شدہ
اور عدالت پیداوار کی نئی ملکیت کو برقرار رکھا گیا اور دوسری ملک قومی ملکیت
اور کاروبار کی سٹرول میں رنز رنز تو۔ یہ سب کی مانگی۔

آزادی کے بعد قومیانے کی لادوائی اسپرلنگ سے شروع ہوئی
اس لیے نہیں کہ اس کا نام "اسپرلنگ" یا "ٹیکٹیک" تھا بلکہ اس لیے کہ اس کی تاثیر
سب سے زیادہ تھیں۔ اس کو قومیانے کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ملک کے مختلف
حصوں میں بھی ملٹی ملی ہو جائے کی لادھگر ملٹی منسٹر کو ان مواد کی ملے
اور سرکار کے ایک اہم سونے کو کسی یا زیادہ تر سونے سونے واپس کے لیے
غصہ میں رہے۔ وہ لادھگر۔ یہی مقصد مذکور کے لیے کہ لادھگر کو قومی
ملکیت میں لے لیا جائے گا۔ لیکن اسی دوران اقدامات کی حیثیت ابتدائی
اور علاقہ تھی۔ ان سے اسی قسم کے دوسرے اقدامات کے لیے رازہ ہوا
مگر ان دوسرے اقدامات سے پہلے ان کی مزاحمت کی تیاریاں بھی شروع
ہو گئیں۔ ۱۹۷۳ء کے قومی ملکیت میں لینے کی لادھگر، اگرچہ ایک
بی جت میں کوئی گئی مگر اس میں تقریباً اتنے ہی سال لگ گئے۔ یہی ضروری
یہ لادھگر تھی کہ کوشش اتنی ہی ضرورت عام ہے (جنرل انٹرویو) کے
لادھگر کو قومیانے کی بھی تھی۔ سربراہ فرم کے دالے ان اداروں کے قومی
ملکیت میں آجائے کے میدان کی طرف سے سربراہ کی فزائی میں قوم کے وسیع
معاذ اور سابقہ اہلکاروں کے تقاضوں کو ادیت ملتا نہیں اور آسان ہو گیا۔
اب فیصلہ اور دیواروں میں کثرت سے بکوں کی خامیں کھل گئی ہیں اور ایسے
لوگوں کو بھی بنک سے قرض لینے کا ہے جن کے پاس کوئی بونٹی نہیں ہے یہاں
ملک کہ بہت سے لوگ جو پہلے کر لے کے رکھ چکے تھے اب بنک سے قرض لے کر
اپنے رکھ چکے تھے ہیں اور پھر لے چھٹی قسطوں میں قرض ادا کرتے چلے گئے
ہیں۔ یہ تمام اہلکاروں کے دالے بھی بنک سے قرض چاہتے ہیں ان کا کھانا
حکومت نے تسلیم کر لیا ہے اور اگرچہ ابھی حکومت ہی کھانے کو قرض میں ملے گا



فہم آزادی

*** عزت پرستوں کی

ہے ہر ابن وطن کو سلام آزادی انھیں سے ہم کو ملے پیام آزادی
 وہی جنہوں نے مہیا کیا قدم قدم پہ انھیں کے نام سے وطن کو پیام آزادی
 تھیں یہی وہی ہے ہر ایک لڑائی میں عمل شہید دم بوحیات و دام آزادی
 ہمارے ظرف کا اس امتحان ہوتا ہے جھکے بلے نہ انھیں کا سلام آزادی
 روشن روشنی سبھی ساکنانِ گلشن کو سائے ہیں گل تر یہ پیام آزادی
 شمعِ فلک پہ گلتاں ہیں گل کتنے ہیں ہلے دہے ہے گلے دام آزادی
 جس میں حد نہیں خوشی کو نام کرہ فخر دہل کو ساؤیہ سلام آزادی
 دہے ذرا دہ دادر گار کی تفریق ہر ایک لبِ نظر کے سلام آزادی
 حیات دے تراویں سے گویا دیا ہضابہ چھا گیا حسن دام آزادی
 دیا ہے ہم نے دل کو دریں سیرادی ہمارے نام سے ذمہ ہے نام آزادی
 انھیں وطن کے شہید نے آؤ دیکھ لی انھیں کو کہتی ہے دیا نام آزادی
 ابھر ہے ہیں تو آپس میں علم گلشن پر سمجھ بلے وہ دریں لطیف آزادی
 عزیزِ وطن کو جگا دیا ہوں میں
 ہے میرے خوں میں ہی کلام آزادی

اتظام میں لے لیے جانے میں تھکتی ہے۔ ٹھنکی ہوئی ناراضی اور گرائی
 سے عوام کو جو پریشانیاں لاحق ہیں انہوں نے اس اقدامات کو مانگو یہ بیان
 ہے۔ جو لوگ اسے بھی دوسرے کو اذیت دیتے ہیں وہ چاہتے ہیں کتنی بڑا
 بھی دوسرے کا مددگار بلکہ اس کا تابع رہے۔ یہ تادیل سوشلزم کے اصول
 اور مصوبے کی روح اور عوام کی مسالاح و مسود کے خلاف ہے۔ اور
 قومی دوسرے کے مادی ہونے کی حواصت تشریح کے لیے بھی عاقی رہی ہے وہ قومی
 معاد کے مطابق ہے مگر دوسرے کی طرح قومی دوسرے کے اداروں میں بھی نہیں
 عامیاں ہیں نیکس یہ ماساں سل کی ہیں اصول کی نہیں اور صل کی جلیاں
 کی گروت اور اصلاح قومی دوسرے میں نہیں آسکتا ہے آئی گئی دوسرے میں نہیں ہے وی
 دے سے ہی دوسرے کو اچھی تک جو ادائیگی رہی ہے اس کا روادہ تر ماحدہ جد
 لگوں کو ملے۔ اس فائدے میں عوام کو سرب کر ماحدہ دہی ہے اس لیے
 کہ حکومت یہ امداد عوام سے وصول کیے جانے والے ٹیکس کی آمدنی سے دیتی ہے۔
 فائدے میں عوام کی شرکت کی حالت انتظام میں حکومت کی شرکت سے مل سکتی
 ہے۔ اس لیے کہ حکومت میں حکومت عوام کے دھڑوں سے بنتی ہے۔

جمہوری سوشلزم جو ہر دہائی کی حکومت
 ہے سست رفتار دوسرے کے ماحدہ دوسرے اور دوسرے ماحدہ ماحدہ رہتا ہے اس
 لیے کہ اس کی تشریح عوام کے ماحدہ کا روادہ تعداد سے ہوگی اس پر نگرانی نہیں ہے
 سے اس کے دیگر طریقہ میں ماحدہ کا امکان ختم ہو جائے گا اور اس میں کٹر
 پن میں آئے یا نہ گا۔ جو کٹر لوگوں کو متبادل سماجی اور ماحدہ ماحدہ
 نظام عوام کے سامنے پیش کرے گی آزادی حاصل رہے گی اس لیے
 سوشلزم پر عقیدہ رکھے والوں کو لگا تا اس ماحدہ کی ماحدہ گی کہ وہ
 اسے عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ناس۔ جمہوری سوشلزم میں جہاں
 ایک طرف ماحدہ کے یہ امکانات ہیں وہاں دوسری طرف اس بات کا ماحدہ
 بھی ہے کہ جمہوریت کی الپ اتے ذرا سے اٹھائی جائے۔ مگر سوشلزم کا سر
 دب ماحدہ سوشلزم کے مخالفوں نے بعض دوسرے ملکوں میں ایسا ہی کیا ہے
 اور ہر دہائی کی ماحدہ کسی ملک کی ماحدہ تقلید میں کرنا ہے مگر وہ دوسرے
 ملکوں کے حالات اور واقعات کی طرف سے انھیں ہند نہیں کر سکتا
 اور اس کی کامیابیوں اور کامیابیوں سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔



غزل

* دھوا ہے قیامت

کسے خیالِ زیاں، پہنچلوں کی بستی میں
تمھارے شہر میں ہم سے اداس اس کہاس
اداس اداس لے کیسودوں کے سائے بھی
دھواں دھواں نہیں میرا وجود ہی تنہا
یہاں تو سبھی بھی دیوار سے گریزاں ہیں
دریچے خوابوں کے کھولو ذرا کہ شام ہوئی
زمین چھوٹے قدم تو کسی طرف نکلیں
سحر کو شعلہ غم خورده ہو کے اٹھے ہم
کہیں لہو کی صلیبیں آگ کی زنجیر
وہ لہجے ہائے جو اپنی تلاش میں بیٹے
جلا کے شمع بصیرت دھواں دھواں بے لوگ
مثال آئندہ بے دارغ رہنا شکل تھا
ہمیں یہ پھینکے گئے رنگ اعتبار بہت
اے خیر نگہنوا! وہ بویا نشین تھا کون
نہیں تھی پردریش زہر آگہی آساں
تجھے ملیں گے کہاں لے شعورِ آوارہ
خفا کو آس تھی کیا یاد دہنوں سے مگر
یہ کھیت سوکھ گیا بادلوں کی بستی میں

ہندستانی مصوری - اور قومی نیک جہتی

عمر حسنہ ملیانی

اور اس کی سہلی جینر لکھا کا ذکر یا یا مانا ہے جس میں ادھارا ایک خواب دیکھ کر کسی لوجوان راہکار پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ جینر لکھا اے اسے ہب سے رن کناروں کی تصویریں کھینچ کر دکھائیں۔ اوٹا کی نظر کرش کرش کرکے لڑنے اور وہ برٹری اداس لے اسے سجاں لیا پڑا لوں میں بھی اسی طرح تصویر کسی کا ذکر آتا ہے۔ یا سہی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ایک حالی دنیا لے تو مات ہی صاب کر دی ہے اس میں دیکر رستہوں کی تصویریں ہیں رستہ کی ادراگر یا اس کی تصویر ہے ادرا تیرے رشتی کی تصویر اس کی اہلیہ کے ساتھ ہے۔ رستہ کی تصویریں ہیں۔ ایک میں وہ بیٹھا ہے اور ایک میں مل رہا ہے۔ بعد کے زمانے میں حکمران اور تہلپ تہلپ تہلپ تہلپ تصویر کشی یہ دو مستند کٹاس نکلی گئی ہیں۔ رائن اس کے کام شوم ترین کٹاس مصوری کے احرا کا مکمل ذکر ہے۔

اس کے بعد مدھ مت کے دور کی مصوری کا ذکر ضروری ہے۔ بدھ بھکتی مت دوسرے لگوں میں جانے تو بدھ کے پہلے اہم کے تھے۔ تصویریں شکل میں لے کر لوگوں کو دکھاتے اور انھیں متاثر کرتے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہندستانی مصوری کا اثر مایا یا ادھینی مصوری پر بھی پڑا۔ روایت ہے کہ گوتم بدھ کے ہم عصر راجا افسار کے ایک درباری مصور نے بدھ کی پہلی تصویر بنائی۔ سندھ کے ایک راجا کے خلاف کے بدلے میں کیڑے بڑے ہوئی یہ تصویر برباد نے سدھی راں کو بھیجی۔ یہ عیسائی طور پر بدھ کی دین کے ممبر تیار کی گئی تھی اور اس میں بڑی ہنرمندی سے رنگ بھرے گئے تھے۔ تصویر سے کوسوں کی طرح کرشمہ پھیلی تھیں اور ان پر بدھ دھرم کے اصول بھی لکھے ہوئے تھے۔ راجا اس تصویر کو پاکر بہت

ہندستانی مصوری کی تاریخ بہت پرانی ہے اس کے متعدد دور ہیں۔ دیم میں مصوری، مغل آرٹ، راجپوت یا راجستانی مصوری، یسٹرن اسکول جس میں کالجواہ، سوہی اور گروہ سوال کے تہوں مکنت ہلے مصوری آجائے ہیں کتیری اور دکنی مصوری کے الگ الگ امان اور دور ہیں۔ عوامی نقش اور لوک گیت کی طرح عوامی مصوری کا بھی بڑا کام مقام ہے۔ ان سب کا دور اور لقا اور اس کا احاطہ بھی مطالعہ طلب ہے۔ آج میں مدھ میں مصوری کا زمانہ ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ اس میں لطیف میں بھی ہندو سائے کے دور گوتم اس کے عوام نے ایک متحرک حصہ لیا ہے اور کتبائی کا موت دے کر ہمہ رنگی میں کتبائی کا موت دیا کر یعنی اور قول کرے میں ایک دور لے دوسرے دور کی سروری سے گزرنے میں کیا

وادی سدرہ کی بہرہ میں خود اور اور پڑا کے مقامات پر یہی زمانہ ۳۲۵ سال میں کا ہے۔ ان مقامات کی کھدائی میں بے شمار مہرین دستیاب ہوئی ہیں جو تاریخی سامان پر گائے کے لیے بنائی جاتی تھیں ان پر سائہ اور دوسرے جانوروں کی تصویریں بھی ہیں لیکن ان کو چھوڑ کر تہوں کے حوالہ دیکھتے ہیں ان مہرین سے جانے لڑا آئے ہیں جس سے مصوری کا خوش آمد مصور اور ڈیرا میں ان کا کمال ظاہر ہوتا ہے جیٹی جانے ہر۔ کمری، گنڈر، اور شہر کے علاوہ تہوں دستوں، برمدول اور بعض اوقات مردوں کو ظاہر کرتے ہیں؛

دیروں میں تصویر کشی کے بہت سے آثار ملتے ہیں۔ رنگ دینیں چڑے کی سی ہوتی آگس دلوکی تصویر کا ذکر موجود ہے۔ مہاکھارت میں لاشا

نہیں ہوا اور اس نے اس کی بڑی دھوم دھماکہ سے ٹال مٹائی۔
 اپنا ادب اگھ کے غاروں میں کوئی تصویر بھی نہیں میں شوقانی
 عصر ہو مابت اس دور کے معاشرے اور زندگی کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں
 جھکشدوں کو ایسے غاروں میں جا لے سے متع کیا گیا تھا جہاں تصویروں
 میں شہادت کا منظر ہو۔
 رنگ تراشی اور مصوری کا جوئی داس کا ساتھ ہے اور اس کے نظر
 ہمارے منقش عمارتوں میں اختا اور اگھ کے غاروں کا ذکر تو آئی بیکار
 ان کے علاوہ اور بھی بے شمار گچا ہیں عمارتیں مثلاً پلورا، گنہیری
 دیرا، رمی، شہار، ایلفیٹ۔ یہ سبھی جاوادی ڈیال میں کہ انھیں کھو تو
 ہیکے اور دوسرے جگہ کے نقاشی اور رنگ تراشی کے تو خرا لے اس میں تنوع
 ہیں وہ کس نہیں یہیں ہمدستان کی تہذیبی صورت حال کی آئینہ
 کرتا ہے یہاں کے ناس، رہن سہے، دوروں کے مہروں کے آثار چھٹا
 جانوروں کی بھل کود، یرمہوں کا بھیر کنا، دریا بیٹوں میں انھیں
 کا دور، عوامی اور قومی تہذیب کس کس جہر کھلا ہو ہیں کر تا۔ اصلا نقاشی کا کس
 سے ٹرا بھنڈا ہے۔

اصلا کی تصویریں تو ہمارا لار وال مہدی درتے ہے اٹالیہیں
 فلورنس اور دس کے متور رار نقاشوں نے بھی نہ کی کمال کو مہر
 یو سیپا دیا تھا۔ ہمارے یہاں بھی راجا اور بھارت میں نہ کسی غیر الفعل
 مطا ہے مجھے۔ لیکن اختا کے اہرول نے تو اس جلیقی بھری دیا
 کی باتیں ہیں انھوں نے تو کسی غیر الفعل ات کو ہاتھ نہیں لگایا۔
 ان کی برہات میں رومرہ کی رنگی ہے۔ جوا وہ مہی تقدس کی اب ہو
 جوا دوسری مصر میں ایک تصویر کا قو خاص طور پر ذکر کرے ہیں کہ
 رانی دم مرگ لٹی ہوئی ہے اور مادا دس رہا تھا کسے ٹھیکے ہیں۔ سانسے باحوں کا
 منظر سامع ہاک اور قدتی خود پیتا صف انگریز بابا ہے کہ موصوف ہیں ہو سکتی عوام
 اعہ اور دوسرے جہر و حلت بت میں دی تھا ہے جسے اپنے جہروں پر جگہ کتیں لے
 ہوسے ہیں۔ کوئی خاص مصر وصف ہے اور کوئی بارہ تھا ہیں۔ الفوں پر فہرے تال
 انسانی جدات کا اہما اس سے بہتر دنیا کی کسی تصویر میں نظر نہیں آتا
 یہیں سے جاری قومی یک جہتی کی امتداد ہوئی۔ ہر شخص، خواہ کسی
 نقطہ نظر کا ناگ ہواں تصویروں میں جادو کا کت یا حرکت کتاں

موجود ہے۔ جاوولی اور یرمہوں کی کائنات موجود ہے۔ ایک انضباط
 ہے کہ جس کی قدرتی ابتدا ہوئی ایک معاشرہ ہے کہ جس کا نقشہ کھینچا گیا۔
 بدھ، عہن، آگھ، نانک کس کی تہذیب نہیں تھی۔ زندگی کا عکس جیسا
 کہ ذکر آجکا ہے ہزاروں سال سے ہے جو جابے تیاراے اور ان کے نیچے
 اچھا ہے، بن گھٹ، کنوئیں، ملاب، مالوں کا سنوارنا، آئینہ، الفرض
 کیا کچھ نہیں اجنا کا نقاش اس ات سے ماحر تھا کہ مدنات کے قرب
 حوا اور دور دورا کے ملکوں میں نقاشی نے کیا رنگ اختیار کیا ہے حیاں
 آتا ہے کہ کیا اس نے یہ کچھ راجب کی نظیر اور گیان دھیان کے لیے
 کسا تھا وہ تقدیس اور سکولر عناصر کو ہم نفل کرنا چاہتا تھا۔ غالب
 اس کے دلوں مقصد تھے اور دلوں خرمانی بھی ہیں اور اس بھی۔

دسویں گیارہویں صدی تک مصوری ایسے اس جلیں پر طبعی رہی
 گواس کے حور و درال کے دور بھی آئے رہے لیکن مسلمانوں نے
 کے نبذارانی اثرات بھی ہمارے فنون لطیفہ میں داخل ہوئے شرو
 ہوئے۔ مالوے میں حادی آباد، مادو، اتر پردیش میں حور جہاں کے
 مترقی عاملان موسیقی کے پرستار اور فن کار تھے، گھڑت میں احمد آباد
 یہ سب ادنی ادب تہذیبی مراکز تھے اس رسلے میں خواص اور عوام
 کے لیے مصوری نے کچھ خاص ذرا کوشتیں کیں نسبت امر اور قورید
 تو حوص کے سلسلے کی مثالیں ہیں۔ عوامی سلسلے میں بڑی یک جہتی کا کام
 ہوا۔ صلیں بستکوں کی نقاشی کے علاوہ جھاٹہ آرائیں، جیت، خود مادو کی
 عشقہ اصلے اور کچھ ماری کی کلاسیکی کتاوں کے منقش مصور سہے
 تیار ہوئے۔

امیر ٹا صاحب دوقا داتا تھا لیکس اسے ہمدستان میں آئے کہ
 چار سال سے اسے کس طرح اس اصل کو لیک کہا۔ جاووں کو شہشاہ نے
 اڑھکا یا اس کی نکست مصوری کے لیے ایک طرح سے آیت رحمت ہوئی۔
 شیر شاہ کی امت کے بعد مایوں شاہ عباس صوری کی مدد سے ہمدستان
 رکھ کر یاب ہو گیا۔ جاووں بیکہ کئی سال کامل میں رہا اگر اس
 کے ساتھ تھا۔ جاووں ابراہن کے دوسرے مصوروں کو ساتھ لے آیا
 تھا صحن کے نام ہیں میرید علی اور عبدالعبد اکبر ان سے مارا ہوا دراصل
 مصوری کے لیے ہمدستان میں حال نیک تھی۔

جھانکتے تھے۔ اصل میں ان کے کہنے کو منسلک کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے اہل
توسلے پر آگیا۔

راجپوت اسکول سلو میں ہندی عیسوی کے آخر سے اٹھارہویں صدی
کے آخر تک اپنے نصف اہلادریارہ لکھنویوں ہندی کے آثار میں بھی
پیدا ہوتی تھیں۔ یہ شاخ راجپوت شاہی خاندانوں کی سرپرستی سے
عروج پذیر رہی مثلاً اودے پور چاند، پتوڑ، میواڑ، سیکانیر، جے پور
اور حود پور۔ اس کے ساتھ ساتھ راجپوتی رزم و بہم کی تاریخی بھی
یہ راجستانی بجا گرو داروں کے کلچر کے اظہار کا ایک وسیعہ تھی اور ان
کا شش قطعی نہیں قریباً تو ریشہ و ہم کی گھاٹیاں تھیں۔ مصوری میں
داروں کا شکوہ عشق و محبت میں درباری تھوڑے گھوڑے کی سواری
شکار، قلعہ کا محاصرہ، اور لڑائی کا نقشہ عام تھا۔ اس کی صدائے ازگفت
مشرق میں آسام بنگال اور اڑیسہ تک، عرب میں گجرات اور سودان
تک شامل ہیں۔ ہمارے علاقوں میں اور جنوب میں دکن تک پہنچ گئی۔
کیونکہ اس زمانے میں ان علاقوں تک راجپوتی تھوڑوں اور تجارت سے
راہ پیدا کر لی تھی۔

۱۶۱۲ء میں راجپوتانہ کی سرپرستی میں رنگ والا سلسلے کی تصاویر
تیار ہوئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تصاویر کے فن کار 'احمد' نامی
تھے۔ ریشہ و محصور کر چکے ہیں۔ لیکن راجپوتی فن کی اس طور پر ترقی
معلوم نہیں ہوتا۔ فن کاری کے اعتبار سے ۱۶۲۸ء کی تصویریں
۱۶۳۲ء کی رسمک بدیدہ، کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ یوں تو سترہویں
صدی میں بڑا کام ہوا۔ لیکن اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں راجستانی
تصویروں کی تخلیق بہت زیادہ ہوئی۔ درباروں کے فحش مشاغل اور
شکار و عیروہ کے علاوہ راجپوت رجسٹروں کی رقص و سرود کی عکاسی
بھی ان تصویروں کا موضوع تھیں۔

رنگ والی تصاویر یورپی طرح قدیم مذہبی خصوصیت کی حامل
ہیں۔ یہ میواڑ، سکول سے خلق رکھتی ہیں جس کے عام موضوعات میں
مہنگوان کرشن کی زندگی کے واقعات، عصری شاعر کا ناک، مانگ
بھید، رنگ رانیوں کا حرائقی روپ، مختلف موسم اور عشق و محبت
شامل ہیں۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ان تھیں، گھوڑوں

اور گھوڑوں کی تصاویر بھی ملتی ہیں۔

راجستان قرون وسطی میں سرداروں اور راجاؤں کی بنیاد
اور شجاعت کا زمانہ تھا۔ راجپوتوں نے میدان جنگ میں لڑا اور
گھر پر تکلیف و مصیبت سہنے کے انداز لکھے تھے۔ اس زندگی کو کھانوں
کی ذمہ داریوں اور دروازوں کی لڑائیوں کے ایک اور نیا عزم اور
کردار عطا کیا تھا۔ وہ رام اور کرشن کے مثالی تھیں۔ جو گئے اور
ان کی زندگی سے متعلق لافند و واقعات اور کیمیتوں کی تصویر پر کشی
کرتے لکھتے۔ انہوں نے ایک اور مانگ کو جہر وصال، عشق و محبت
اور نہ جانے کس کس روپ میں پیش کیا۔

یہ کہنا غلط ہوگا کہ راجپوتی مصوری خاص ہندوستانی ری اور ان
پر مسل آرت کا مایہ میں پڑا۔ رانی اعتبار سے دونوں کا زمانہ قریب
قریب ایک ہے۔ یہ درست ہے کہ قطعی طور پر ایک نے دوسرے کو متاثر
میں کر دیا لیکن دونوں میں ہندو تائیت کے رے اسرا ہیں اور دونوں
میں لیس دین ہوا۔

سترہویں صدی کی راجپوتی مصوری میں شرار چار اور رنگ
ہے۔ خاکے اہل سادہ ہیں اور رنگ گو مانگوئی کے محدود دھڑکنے
اور رنگوں کو رنگے والے نہیں۔ ایک سادگی اور نمانت کا استعمال
ہے اس مصوری میں صدمات اور شامہ پر ہے لیکن یہ بھی تصاویر
احد اس سے زیادہ ہے۔

اٹھارہویں صدی میں محل دربار سے راجپوتوں کی وابستگی اور
محل آرت کے اڑٹوں سے راجپوتوں کے محل جول کے ایک حقی
کے لیے ایک نیامیدان پیدا کر دیا جس کے آثار بد میں قطعی طور پر نظر آتے
میواڑ، اردوار، پوڈی اور کوٹا، سیکانیر، جیلپر سے پور، کش گولاہ
اور مالوے کے ایک ایک انداز تھے۔ امتداد زمانہ سے یہ سب ایسا
کمال دکھا کر درال بد ہو گئے اور آج کل کو کچھ مانی ہے اس میں
اندو کا کلیپ سوتر بانہ سون سکھ اور محنت سسکو کی منسل
تکلیف دہی مات قد متوں، شیروں اور بیابانوں کے گھر کے بھوڑ
گھائی اور ستر رنگ رہ گئے ہیں جن میں سستی مصوری کونا چاہیے۔
لیکن راجپوت مصوری کی ہندو تائیت کو دین ایک لادال امتداد

ہے جو کبھی نہیں ہوگا اور جس کا نقش ہوا چھوڑا ہے۔

سچی راجپوتی مصوری بالآخر کھڑکرتی ہوئی ہستانتان کے پہاڑی علاقوں میں پھیل گئی جس میں سوہلی اور کنگڑہ کی مادی کے علاوہ گھوڑے بھی شامل ہے۔ ستروہن صدی میں سوہلی میں تصویروں کا ایک سیلاب آگیا اور یہ تصویریں ہویڈ کی مصوری سے بہت نمائندگت رکھتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ادراک ریب کے دربار سے نو وقت شدہ یا پانچویں صدی میں مصور اور پچھلے گئے یا سوہلی کے راجپوتانہ میں خود طلب کر لیا۔ سوہلی میں ان کے حلقے میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جواب دہاں کی ایک تحصیل ہے

پہاڑی علاقے کے عوامی آرٹ اور مغل مصوری کی تکنیک کے متعلق سے سوہلی قلم و خود میں آیا اس اسلوب میں میردوں کی بناوٹ مقامی ادارہ کی ہے۔ میردوں کے لباس میں امدار کے ہیں جن میں جامہ اور بیکہ بھی شامل ہے۔ اور عورتوں کے لباس میں چوڑی، ساری اور گھٹا گھرے کی طرح کا لباس ہے۔ اس طرح مقامی اسلوب کی عوامی مثال دہی بنتی ہے۔ سوہلی کی تصویریں میں ایک خاص فوٹائی ہے۔ ان میں دوسرے عہدے اور دیگتے گھوڑوں کے موضوعات کو کثرتی حیا یک دہی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ سوہلی تصویروں کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں ادلی بلی اور راستوں کی واضح تصویر کشی کی گئی ہے۔ بارش کی بلی بلی ہو دین، بادلوں کے جھنڈ اور دریاؤں کی ٹیکر دار میردوں کی ان تصویروں میں بھی خاصی منظر کشی ہے۔ پھیلوں کے گرد گھولوں اور کھولوں کے چھوٹوں سے آراستگی کی گئی ہے۔

سرمع شروع میں ذوال تصویروں میں برج، تختوں والے دروازے، عالی دار کھڑکیاں، پھرکی حایاں، درخت کیے ہوئے کھڑکی کے کھسٹے والے تختے یہ سترہویں صدی کی باتیں ہیں ان کا طرز عمل راجستھانی اسٹیل والا نظر ہے۔ تالیوں سے کچے ہوئے کمرے، آرام گاہوں میں شراب کی بوتلیں اور ماہی آرائش و نقشب ہوتا تھا جہاں سہرا سے مستحقاؤں کے ساتھ رنگ رلیاں منائے تھے۔ ان تصویروں میں درخت، اتارنی جیشٹ ہر کھتے ہیں۔ پھر ان نصب محو۔ سید کی چھٹی ہوئی تناخوں کے پچھلے کھڑکی دکھائی گئی ہے۔ سیتہ ام عورت کے جسمانی گواہ کی غماری کرتا ہے۔ ان تصویروں میں عورتوں اور مردوں دونوں کو دریاؤں اور مالاؤں سے آراستہ دکھایا گیا ہے۔ ڈوگری انداز کا لباس تو خیر

مقامی بات ہے، ماہر کے اشارات بھی لباس میں موجود ہیں۔ ایک راجپوت منظر دور کا گھوڑا پا جامہ اور پچھلے کو چھٹی ہوئی چوڑی پینے دکھایا گیا ہے۔ عورتیں حیات پا جامے میں نظر آتی ہیں۔ دھاری دار چوڑی اور ڈیم باطل کی ستوا ز ہوتی ہے۔ جنوں کے علاقے کی عورتوں کی فٹری بادی گھس ان کے جسمانی حص میں اضافے کا موجب دکھانے میں مصویدوں نے کمال کر دیا ہے۔

کانچہ کی مصوری کے تین مرکز گلیر اور پورا نرساں پور ہیں۔ اول الذکر دونوں میدانی علاقے میں ہیں۔ گلیر کی مصوری کی روایت بہت پرانی ہے۔ یہاں کے مختلف علاقوں نے دویہ چند، نلام، سنگھ، رام سنگھ اور دلیپ سنگھ کی شہیں موجود ہیں۔ رام گوردھس، جانکے زمانے میں سکے زیادہ تصویریں مانی گئیں منسل اسکول کے استخراج سے کا گڑھ ٹھہری عورت اور چوڑی۔ تراکھاں پور میں رام سہار چند کی سر پتی میں بہت تصویریں مانی گئیں۔ یہ رمار ۱۶۲۳ء سے ۱۶۷۵ء کا ہے۔ دریائے سانس کے کنارے عالم پور اور بادوں کے راجا کی نو دھ جیسے بھی مصوری کی بڑی سر پتی کی حالانکہ اس کا راء سکھوں کے ساتھ جنگ رانی کا زمانہ تھا۔

سر پتوں کے خزانے کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ الا حراس مصوری میں ایک حایت آگئی، خطوط ایسا دار و خوشنویسی کے ساتھ کھینچے جاتے تھے۔ عورتیں زیادہ دھان یاں اور بازک منائی جاتے تھیں ان کی آنکھیں بڑی لاسی اور عیدہ ہیں۔ گویا یہ حیا کی کرشمہ کاری ہے گہرے رنگ سے رنگی ہوئی انگلیاں بڑی لمبی ہیں اٹھارویں صدی میں اس اسکول کی پیدائش اور انیسویں صدی میں اس کا دور انحطاط ایک بڑا المیہ ہے۔

کانچہ مصویدوں کے عام موضوعات یہ ہیں

- ۱۔ اچھے سر پتوں کی شہیں یا ان کے درباروں کے منظر
- ۲۔ آویڑھ کے مشہور ہندی تاجر شیو داس کی مصویدوں کے منظر
- ۳۔ استار کی تصویریں جن میں محبوب کے چہرہ وصال کی کیفیات کا چابک دستی سے اظہار کیا گیا ہے۔

- ۴۔ بارہ سربھی بارہ مینوں کی کیفیات کی شاعرانہ عکاسی اور
- ۵۔ بنگال کے مشہور چھوٹے دیو کی مکرنتہ الا رانظہم کہتے گھوڑوں۔

محنت، ملیں، آنکھوں کے سیدھے پونے، اغوائی، بادامی اور مھوئے
 رنگوں کا استعمال دونوں جگہ ملے۔ کاکڑہ کی دادی کی طرز خفایت
 یہاں بھی موجود ہے۔ لیکن یہاں ایک دم سہمی حوا، لودگی اور
 تنہدگی ہے اور یہ روایتی یا سندیوں سے آزاد ہے یوں کہیے کہ سندی
 کی غزل ہے، سنک کا مچوہ کی مصوری عاصی کی غزل۔ مولانا مٹا بھی
 تھا۔ اس کی دوا میں تصویروں کا خود کردہ دل میں کیا ہوا ہے۔ اس سے
 پورے مگر حوال اسکو ل کی طرح سمجھ میں آئے گی

کرشن کی رادھا سے ملاقات : رادھا ستر گھا گھریا ہے ہوئے
 ہے اور اسی رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے ہے جس پر سہرا کام نا ہوا ہے
 اس کے زورات کی تصویر کشی بڑی دلکش اور نازک انداز کی ہے۔ کرشن
 لٹمی اعداد میں کھڑے ہیں اور سنہری دھوئی میں لمبوس نہی سر بیٹ
 بکھڑا ہے بھولوں سے لہو دھرت پٹ رہے۔ میں منظر بچھڑے تھوڑے جلائی
 ابھی سا ریکا نایکا : محبوب رات کو محبوب سے ملے جا رہی ہے۔ اڑنا ۱۲ شہادت
 گھبرا، چوٹی، دوپٹہ، حسن چہرہ، نازک ہاتھ، اچھیاں، لڑاؤ اور
 زور و بات سب کی تصویر کشی لائق ہے اور صبری رات کا بادل، بیگنی
 چوٹی، سلی سے سب کتب میں مصوری کی حال سن گئی ہیں۔

دوسری لایکا کی تصویر کا نام ہے مکھنہ تھیا۔ یہ محو کے انتظار میں
 محبوب کی تصویر ہے

دم تھی : ایک چوڑا، میاں بوی۔ گمان غالب ہے کہ راجہ رانی ہیں
 مولانا کا ٹاٹا مہار ہے۔ جسے دیو دیو سودہ سفید گھوڑے پر سوار
 محل کی طرف جا رہا ہے۔

یہاں اسکول کی اندرائی تصویروں میں محل اترات، آسانی
 سیمائے جاسکتے ہیں مگر میں اس کا سامعہ اور اسی روایت جو گئی
 محلی، انوس کردہ بھی مولانا کے ساتھ حتم ہو گئی۔

دہلی اسکول کوئی واضح اسکول نہیں لیکن یہاں تو تہذیبوں
 کا نظم ہوا حسب مثال کے مسلمان بادشاہ دکن میں بیچے تو اپنے حیل و
 دم میں تاجر، مصور اور ہر طرح کے عالم اور فن کار ساتھ لگے۔ جب
 جہاں گھر نے عادل خان کو تہذیب حرم کے کہیے پر معاف کر دیا تو عادل خانہ
 نے جہاں میر سے اس کی تصویر مانگی تو اس نے اس پر ایک رباعی اپنے

منہج رادھا کرشن کے محبت مجھے گتیں کی تصویر کشی۔ اس کے ساتھ ہی
 بیاری کی سنت سستی، مہا گوت، شواہت اور مشہور دہم ناموں کا طعنے اور
 جادو تھاتھ کے سین کی تصویر کشی گئی۔

اس دادی کے مصوروں کو فطرت سے بڑا لگاؤ تھا۔ دریائے یاس کی
 دادی فطرت کے دلاؤ پر ماضیے بھر پور ہے مگھانی ہوئی چھٹی چھٹی یہاں
 ان کے اوپر میں پھیلا ہے جس میں، رنگ یا آم کے پڑے۔ اس کی اوٹیں
 چھپے ہوئے ہادی کالوں کے گھر فطرت تک دور برہانی چوٹوں کے منظر،
 برہانی پانی سے مری ہوئی پھیلیں، تیرے تیرے گھنٹوں سے گزرتی ہوئی
 مایا، آئی عاوض میں سارس یا گچے بھی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ پیارا
 معافی رنگ منظر مصوری کے ساتھ لکھنی ہوئی ایک حسین جیسے مصوری
 کے شاہ کاروں میں نظر آتا ہے۔

قوی یک جہتی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ اور چھا رنگال
 اور سے لیسے شاعروں کی رنگیں لٹوں کو کا کچھ جیسے دور دراز علاقے میں
 مصور کی گھا اور اس مصوری میں سہرا برہانی عناصر بھی ملے ہیں۔ یہ
 تصویریں منظر میں اس رادھا والی کوششوں سے متع ہیں اور وہی
 انھیں منظر عام پر لائے۔ درہ پشیم ہا سوانہ پونی راھاؤں کی اولاد
 کے گھر دل میں نظر آتا ان کے قول کے مطابق یہ چشم و حسرت کی حریف
 ہیں جنھیں جھوٹا اور رنگوں میں بدل دیا گیا ہے اس تصویروں کا اثر
 رنگ اور حسرت کا شمع مانتا ہے اور ان کی پوجا کرتا ہے۔ اس اثر
 میں اداسی نام کو کہیں، کہیں فسر دی ہے زکوئی روک ٹوک محبت
 کے بے باب اور دالہا۔ جذبے رادھا منت سے ہم آغوش ہیں۔

مگر حوال کا بھی الگ پلائی اسکول ہے۔ اس کی تصویر کشی لائق ہے
 کی ہے جو جس کے متاثر ہند ہے۔ اس کے قول کے مطابق مگر حوال اسکول
 کے بانی دادا کھنکھ کے لڑکے سلیمان شکوہ کے ساتھ سری مگر مگر حوال
 پہنچے تھے اس کے نام تھے تمام داس اور ہر داس پانچ لیشٹوں کے ہند اس
 اسکول کا سب سے بڑا مہر مولانا مٹا پر آیا۔ اس کا رمار ۱۹۳۳ء سے
 ۱۹۳۳ء تک ہے۔ اتدین کا یہ قول برتن ہے کہ مگر حوال اور کاکڑہ کی
 مصوری میں بہت زیادہ متحرک قدروں کے باوجود ہر ایک الگ الگ
 ہیں اصل میں ایک ہی طرح کی فضا، سنہرے رنگ، تھوڑی ہوئی عناصر

ساتھ سے لکھ کر دی۔
 اس سے تو دائم نظیر رحمت ما اسودہ نشیم را یہ دولت ما
 سب سے تشبیہ خوش کریم ہواں ہمیں اب بھی از صورت ما
 قلب تاد کے دیوان میں تصویریں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ
 اس رات میں دکنی مصور کیادی رنگ استعمال کئے گئے تھے۔ سالار جنگ
 میوزیم حیدرآباد میں ایک سو دکنی تصویریں ایک کتابہ کرے میں جمع ہیں۔
 لیکن زیادہ تر تصویریں اہلوا کی ہیں جس میں تصویریں موجود ہیں جو
 حاضرہ قلم اسرار و محاصرہ کو گنڈہ کی تصویروں میں زیادہ تر دکنی
 اثرات ہیں ایک تصویریں ماجہ رام گھ اہی جو سہ لے کے لیے دی کے درپے
 قیمت پر بڑھ رہے ہیں۔ بہت زیادہ کے لشکار اور اہلوا کے ماہ نقاشی کے محسوس
 سننے کی تصویریں بھی اچھی ہیں۔ میو اورا کی کے درپے کی تصویریں بھی ہیں
 اب اب رہے کہ دکنی اسکول کو قریب رات سے قائم ہو چکا تھا جیسا جتنا
 کی تصویریں آج بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ رنگ تراشی اور مصوری
 ہم رکاب چلے تھے اس حساب سے دکن میں یہ صوں ٹرے قدیم زمانے
 سے شروع دیکھئے۔

ہمدانی میں مصوری جب رواں دہر ہوئی تو میوس ہمدی کے
 آثار میں اس کی نشاۃ ثانیہ رنگاں میں ہوئی اور اس کے فائدے سے ایک
 مانع نظر محرم کا نام تھا ای بی ہول انھوں نے کہا ہمدانی
 حوا سے جو حکم جس آرٹ کی تلاش میں ہو وہ یہ کرس اور لند میں
 وہ ہمدانی گھر میں ہے۔ ہمدانی ہمدانی ہمدانی ہمدانی ہمدانی
 تم سے روئے کر دلوں ہو گیا ہے وہ ہمدانی ہمدانی ہمدانی ہمدانی
 اور ہمدانی ہمدانی کی گلوں میں ہے۔ وہ ہمدانی ہمدانی ہمدانی
 ہے انی روحانیت کو بھی ہے انی روحانیت اس آواز کے اندر امید
 ناٹھ گھوڑا اور ان کے درمیں سامی پیدا ہوئے۔ یہ لوگ ایک بے انتظام
 قتلے میں رو جامب میں اتے کھتے گئے کہ ادا سے کھول گئے ہڑاکام
 ہڑاکام گھنیرہ ناٹھ گھوڑا ہمدانی ہمدانی ہمدانی ہمدانی ہمدانی
 کتے اور تھے۔ ان کے ساتھ جہاں میں ایک اورں کا راہ تھا ہمدانی
 جتنا ہی جسے دیوانی غائب کے نفس اشتیاق کی تصویریں سامیں اور ہمدانی
 جہاں میں چھپا۔



اے ارض وطن ، خُشکِ نظر ، جانِ تمنا
 ہر رنگ میں چایا ہے دِلِ زار نے تجھ کو
 ہر حال میں ہم تیسرے پرستار رہے ہیں
 بدلے ہیں زمانے نے بہت رنگ مگو ہم
 وابستہ گیسوے طرح دار رہے ہیں
 اے جان ترے عشق میں سرشار رہے ہیں

تابندہ تھے دیکھ کے دل شاد ہوئے ہیں
 آنسو کبھی آنکھوں میں بھرے ہیں تری خاطر
 اے بارگہ گنگ و جمن ، بزمِ ہمالہ
 صدیوں سے جیے اور مرے ہیں تری خاطر

اے جلوہ گزِ امن ترا حُسنِ سلامت
 دے دے گئے ہوا بنا نکھاریں گے تجھے ہم
 قدموں میں بچھائیں گے ترے چاند ستارے
 ہر طرح سے ہر طور سواریں گے تجھے ہم

ہر ذرۂ خوابیدہ کو بیدار کریں گے
 تپتے ہوئے صحراؤں کو گلزار کریں گے
 عاشق ہیں تو پاسِ نیکیار کریں گے
 پیکار ضروری ہو تو پیکار کریں گے
 ہم زندہ رہیں گے تو تری شان کی خاطر
 ہر چیز ٹھادیں گے تری آن کی خاطر

آئینہ تری

آئینہ تری

مصحف کے بابت

نشر احمد خاندقہ

سے پہلے پوری طرح اطمینان حاصل نہیں کرتے، خواہ مخواہ چٹکی لیستے ہیں، ٹھیک کے بل بوتے پر کلمہ جینی کرتے ہیں، اور آزاد کو زبان اود کے معماروں میں جو ملے اور لائق احترام درجہ حاصل ہے اُسے ملحوظ رکھ کر باس نہیں کرتے۔ مگر لطف یہ ہے کہ جن لوگوں کو آزاد سے جو جملے شکایات ہیں ان کا کہنا یہی ہے کہ یہ ساری کمزوریاں ان مرحوم میں بھی موجود تھیں۔ پھیلی جو پھالی صدی میں آزاد کی کتاب آسب حیات پر جو اعتراضات ہوئے ہیں، اس میں بھی دہرایا مثلاً کہنا معصوم نہیں لیکن اس کا آغاز شاید بولانا چلی لے کہا۔ زمانہ بعد میں کسی حد تک حافظ محمود شانی نے ان کی کوتاہیوں کی طرف توجہ دلائی اور آج سے چند سال قبل قاضی عبدالودود صاحب نے ایک مہبوط مضمون "آزاد بحقیقت محقق" لکھ کر گویا اس سلسلے کی تکمیل کر دی۔ انفرادی موصوفا پر جن حصر سے کام کیا، انھوں نے اپنی تحقیقات کے نتائج پر پیش کرتے ہوئے علی العموم یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھا کہ وہ اس موضوع پر آزاد کی دل سے کہاں تک اتفاق نہیں کرتے، یا ان کی ذرا کمزور حلوہا پر کیا اضافہ کر رہے ہیں۔ ان سب متفرق تحقیقات کو اگر یکجا کر لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ شاید آسب حیات کا ایک صفحہ بھی اعتراض سے نہیں بچا ہے۔ ان سب گوشہ نشینوں سے دل گرفتہ ہونے کی بجائے بہتر ہوگا کہ آسب حیات کا ایک تنقیدی ایڈیشن مرتب کیا جائے اور یہ سب معلومات، متقاطع بیانات، یا نئے انکشافات حوالی میں درج کر دیے جائیں۔

یہاں غیر متعلقہ مثالوں کا اندازہ ہو کہ اس تہذیب کو زیادہ طول

ہمارے ایک محترم بزرگ کو اس زمانے کے نقادوں اور محققوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ جب تاریخ ادب اردو کے کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو مولانا محمد حسین آزاد مرحوم کو دو چار صلوحتیں مٹانا اور ان کی کتاب آسب حیات کے پائے استاد کو زیر بحث لانا میں جملہ دستاویزات تحقیق جانتے ہیں۔ یہ بات اس حد تک صحیح ہے کہ بعض لکھنے والوں نے اپنے محدود اور ناقص مطالعے کی بنا پر بے سربا اعتراض کر دیئے اور اس نکتے داری کو محسوس نہ کیا کہ ایک اتنے مقبول مصنف اور مسلم اشیوت انتشار بردار کی کسی غلطی کا اعلان کرنے سے پہلے یہ بھی اطمینان کر لیا جائے کہ ان کے حق میں حوالہ دل مل سکے ہیں، وہ بھی تو ہیں یا نہیں۔ لیکن اگر یہ شکایت اس نظر سے ہو کہ آزاد کی شخصیت کے گو گوئی تقدس کا بار کھینچا ہوا ہے، اور انھیں تنقید سے بلند دیا لاف لے دینا چاہیے، تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن شخصیات کو داعی الایسا تقدس حاصل بھی رہا ہے انھیں بھی تنقید سے معاف نہیں رکھا گیا یہ تو اس دور کی بات ہے جب زندگی کے ہر شعبے کو دیامات اخلاقیات سے ملتی تھیں اور یہ اخلاقیات مذہب کی ساختہ ہوتی تھیں۔ آج کی دنیا پر بتا رہی ہے کہ مذہب اور اخلاق دونوں اپنی گرفت کھو رہے ہیں، اس لیے اخلاقیات کی رائج ہونے والے معیار بھی ہمارے پیچھے نہیں ہیں ہوں گے۔ اگر ہم ان اخلاقی معیاروں کی سادھ باقی رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف یہی راستہ ہے کہ ہم اس تنقید کا منصب بھی اپنے ہی اختیار میں رکھیں، اور خود احتسابی کی عادت ڈالیں۔

آزاد کے بعض نقادوں کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اعتراض کرنے

فہم افسانہ لکھ رہا ہے۔ جو کچھ اس وقت کہا اعلیٰ درجہ کی اور دوسری
لکھ رہا ہے جو تاج ہر تم قول رہے ہیں۔ (آب حیات ۲۵۵-۲۵۴)
انہیں تیسری لے اپنے لیے غریب کو مصطفیٰ سے زبان کیلئے کا مشورہ دیا
تھا، اور یہ کہا تھا کہ اس زمانے میں ان کی نظیر نہیں ہے، جہاں کہ
ہو سکے ان سے کچھ حاصل کر لو۔ (تذکرہ جلدی، طبع اول صفحہ ۹)
چنانچہ غریب نے اپنی اپنی باب کے ارشاد کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ وقت
مصطفیٰ کی خدمت میں گزارتے تھے۔

میر حسن جو بقول آزاد "خاص دہلوی" تھے اور چون کہ انسانی کا
اعتراف تمام اہل کھنڈ کو ملتا ہے، وہ تو مصطفیٰ کی زبانہ لائی کے سامنے
محض غفلتوں کی حد تک نہیں بلکہ غلامی طرح محض تھے کہ انہوں نے
اپنے بیٹے سے تاکید کیا کہ ان کی خدمت میں رہ کر بان اور مل کر کچل
کر دے، مگر آزاد نے مصطفیٰ کے ترجمہ میں جو کچھ لکھا ہے اُسے دروغ و تامل
سے ملاحظہ فرمائیے و مطلب یہ نکلتا ہے کہ زبان اور ہندو بیات شری سے
باخبر تھے، اور یہ دیکھ کر ان کی محنت میں حاصل کی تھی۔ خود دہلی
کے رہنے والے نہ تھے مگر یہ دہلوی ہونے کا حرج یہ اعلان کرتے تھے۔

شاعری میں کہیں میر کا انداز ہے، کہیں سود کی نقل ہے، کہیں سود کا
چربہ ہے، اُن کا اپنا کوئی طرز نہیں، "غزلوں میں سب رنگ کے
شعور ہوتے تھے کسی طرز خاص کی خصوصیت نہیں۔ بعض وصفاتی اور
جنگلی میں لاجواب ہیں، انہیں میں یہی معمولی باتیں ہیں جنہیں دھیلی
دھیلی بندتوں میں باندھنا نہ ہو کچھ بھیسر کہتے چلے گئے ہیں۔
اس کا سبب یا تو بزرگوں سے جس کی تحصیل آگے آتی ہے، یا دلی اور لڑو
کافرن ہے" (آب حیات ۲۱۲)

دوسری جگہ میر مصطفیٰ کے امرد ہوئی ہونے پر بھٹ کی ہے، اور
کہتے ہیں:

"میر انشا پریشہ قراحد کے راستے سے ترچے ہو کر چلتے ہیں، مگر وہ
ان کا ترجمہ اپنی ہی محبت بآئین دکھاتا ہے۔ یہ علی مطلب کو بہت خوبی
اور خوش اسلوبی سے ادا کرتے ہیں، مگر کیا کریں وہ طبیعت کا امرد ہو بہو بن
نہیں جاتا" (آب حیات ۲۱۳) یہ تو میر کا انشا پریشہ قراحد سے ترچے
ہو کر چلتے ہیں، مگر اسے خالی نہیں اور آزاد نے اس میں جو دلی کی کوئی

دیر مضمود نہیں۔ مگر جن حضرات کو میر کی گایت سے کچھ کچھ ملتا ہے اس
حیثیت کو سورتوں میں کہیں بنانا ہے، انہیں صرف ایک نکتہ نظر رکھنا
چاہیے، اس حیثیت کو تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہو
اگر اُسے صرف نقد کہانی کی کتاب یا زیادہ سے زیادہ "شاعروں کے
حاکم" قرار دے دیا جائے تو ان میں سے اُنھی فیصدی اعتراف اپنی
موت مر جائیں گے۔ مگر غالباً آزاد کے مزاج اس تبدیلی کے لیے تیار نہ
ہوں گے، کیونکہ آزاد خود اس کتاب کو "شاہیر کے سوانح اور زبان کی
تاریخ" کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ سوانح بھی تاریخ نکلا کر اظہار
ہیں، اور تاریخ میں دوباروں کو پیشہ تحقیق کا نشانہ بنایا گیا ہے، ایک تو
یہ کہ مورخ اپنے کمال میں شاہین کی طرح پیش کو سنے لگے، اور دوسرے
یہ کہ وہ ادراخاوات سے اسناد پائی رشتہ قائم کر لے۔ یہی بات کے
باب میں آزاد کو لیتھ نے لکھا ہے کہ مورخ بھی محض غلبہ دان بھی بن جاتا
ہے، یا کسی واقعہ کے بارے میں نہایت سخی رنگی اور دیانت سے یہ تصور
کر لیتا ہے کہ یہ بات اس طرح ہوئی، کیونکہ وہ دیکھتا ہے عالم شہرہ میں اُنہی
طرح ہوا کرتی ہیں۔

دوسری باب میں غذائی و ادبائی کے بارے میں، ہندستان کے
ایک مشہور مورخ سے میں نے ایک جلیے میں سوال کیا کہ: آپ اپنی
کتاب میں اپنے غذا بانی کیوں لکھتے ہیں؟ اُن کے پاس اس کے سوا
کوئی جواب نہ تھا کہ یہ آزاد کوئی باہر نفسیات ہی کچھ سکتا ہے۔ آزاد کے
کے یہاں اتفاق سے دونوں طرح کی جد بابت ہے، منفی بھی اور مثبت
بھی۔ یعنی انہیں عقیدت ہوتی ہے تو دونوں کے صحیح کے ادراخ بھی مل
ہوئے نظر آتے ہیں اور کسی سے چڑھتی ہے۔ جو تو مرزا مظہر جیسے بزرگ کے
یہ لکھتے ہیں کہ "مگر میں دھون ڈال دیکھی تھی" ظاہر ہے کہ یہ وہ بیانات
ہیں جن سے کوئی تاریخی معلومات نہیں ملتی، اس لیے مگر بائین میں ادراخ
درست بھی نہیں تو انہیں بآسانی نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ مگر اس انداز نظر
کا ایک غلطی یہ تو تضاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ حیثیات کا مطالعہ اس نظر
سے کیا جائے کہ اس میں کہاں تک مربوط اور مضبوط تنقید ملتی ہے، تو تیر
انگیز نتائج برآمد ہوں گے۔

میر حسن دہلوی کے ترجمہ میں آزاد نے لکھا ہے کہ ان کی زبان صاف

شال بھی نہیں دی ہے۔ خبر داری وہی سے ظاہر ہے کہ ایک شاعر کی
قادرگی کی بھی تعریف ہو رہی ہے اور دوسرے کی پائندی فن کے لیے بھی
یہ کہ "کہیں بھیکے ہیں اور کہیں سیٹھے ہیں" (دیکھیں ص ۳۳) مصحفی کی
زبان زانی پر اسے سخت ریاکارک دینے کے بعد یہ ضروری تھا کہ آزاد
اس کی کچھ مثالیں بھی پیش کرے کہ اس کے عذاب میں کہاں بھول ہوتا
ہے۔ چنانچہ آگے چل کر لکھا ہے کہ: "بعض جگہ اپنے وطن کا محاورہ یا
آجاسا ہے اور کہہ دیتے ہیں۔"

بچے نے اس کی کلیجہ کھالیا

آئے ہی اس نے مجھے سگو اسیا

جس میں میل کے کوڑے مصحفی تو مالہ آہ

وحی جلاہو ترا استخوان طبل سل کا

۔ میں صحرائیں نہ گشتیں میں مل جاؤں گھا

جو گرج شہر ہوں، ماں حاکم میں دل جاؤں گھا

(اب حیات ۳۵)

۔ ان مثالوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ

۱۔ سگو اسیا ۲۔ وحی جلاہو ۳۔ دل حاکم

۔ تینوں محاورے دہلی کے نہیں ہیں بلکہ امرہ کے ہیں یا بالفاظ دیگر
فکسال یا پیریں۔ اس میں پہلا محاورہ مصحفی نے جس سیاق میں استعمال
کیا ہے وہ نظر سے سننا، ٹھکانے لگانا، یا نقل کرنا عہد کے معنوں میں
ہو سکتا ہے۔ یہ دہلی میں بولا جاتا تھا، اور شاعری سے قطع نظر اس کی سند
اس دور کی شہر میں بھی مل سکتی ہے۔ تیسری جمل الدین صاحب دہلی کے
بابت ہے تھے اور "محلہ جمل پورہ عورت چڑھی والاں دہلی میں رہتے
تھے۔ ان کا "صادق الاغار" بہت مشہور ہے۔ اس کے ایام غدر
میں انگریزوں کے صلات پر بدست خیر کیا۔ چلا بھی تھی۔ اس اخلاک کی
۶ جولائی ۱۹۴۷ء مطابق ۱۲ ربیعہ ۱۳۶۳ھ کی اشاعت (جلد ۳
تاریخ ۱۹۵۳ء) میں ایک خبر درج ہے جس کا آغاز انقباس مہیر مطلب
ہو گا۔

"مانندہ رہاں دکھتو کہ اس نگر میں جس طرح بنے ان گورہ دلوں
کو سگو ایسے اور مصطفیٰ شاہ برادر شاہ اور دھوکا ستارہ ہاں کل پائیوے"

پہچان الدین صاحب امرہ کے ہیں۔ ان کے نظموں میں
دہلی کے لئے ایسا آزاد سے بہت زمانہ پہلے موجود ہے جو اس محاورہ
کو متروک قرار دے جانے کے لئے بہت مناسب ہے بلکہ خاص ہر
انقباس صاحب اس کے ان میں باہر طاقات اور توازن ضرور ہوا ہو گا۔
آزاد نے اگر ایک محاورہ نہیں سنا تھا تو انھیں اس کی تصدیق کرنی چاہی
تھی کہ دہلی میں اس سے لوگ واقف ہیں یا نہیں۔

دوسرا محاورہ "وحی جلاہو" ہے۔ اس کا مفہوم بھی مذکورہ شعر سے کچھ
میں آسکتا ہے۔ یعنی خواہش پیدا ہونا "اور تحریک ہونا"

فتاب میر احسان داغ دہلی کی زبان کو آزاد کی ضرورت مند

مانتے ہوں گے۔ وہ خود زون کے شاعر کو قلم سعلی کے پرورش یافتہ اور

محمد حسین آزاد کے قریب تھے۔ ان کی زبان کے بارے میں بھی اتنے

تفصیل سے کہ انھوں نے ایک روایت کے مطابق جن کے نقل مولوی

عبدالرزاق کانیو دی (مصنف امرہ) ہیں، فہمگے آصفیہ

کے نواسہ مولوی سید احمد دہلی کو بھی ناقابل استہزاء بتایا ہے کہ

سید احمد صاحب "خاص دہلی" کے نہیں تھے۔ ان کا خاندان ہمایوں

کے قریب کے پاس عرب سرا کے کاروبار والا تھا۔ اس لیے دار سے

یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ عرب سرا کے باشندے کی زبان کو غیر مستند

بھیجیں اور خود امرہ کا محاورہ استعمال کر لیں۔ مگر انھوں نے

کیا ہے

ناصح کا حق جلا تھا ساری طرح نگر

اغت کی دیکھ کچھ کے افتادہ رہ گیا

یہ شعر غزل ادراج کا ہے۔ مجاورت و آج مرقہ ولی احمد خاں میں

بھی مل سکتا ہے۔ اس محاورے کی حرکت بھی یہ طے ہو گی کہ اہل دہلی اس

سے واقف تھے۔

اب تیسرا "خاص" خاک میں دل جانا" پر ہوا۔ اس کی مقدار

اساد جج کوئی ہوں کی کہ کہ یہ میں خود ہی نہیں سمجھ سکا کہ آزاد کا بننا دی

احمد خاص اس محاورے کے سلسلے میں کیا ہے، اس کی چند صورتیں

پہنچتی ہیں:

دل زل جانا در فتح تول، جیسا کہ مصحفی نے باندا ہے۔

۱۲۱۳ء) ہو سکتا ہے کہ تیسری تہا اس محادثے سے باخبر ہو جائے اور دوسرے
تھوڑا سا اس کا علم ہو مگر ان کے معاشرین میں تقریباً سب کے کام سے
ابن کی سہل گیری ہے۔ مثلاً قائم جاند پوری:

اشک کی طرح تھی یاں مجھ کو ہر اک جہنم میں ما
کب یہ معلوم تھا یوں خاک میں رکھ جاؤں گا

(ذاتی، مہل چل وغیرہ۔ انتقاد ہے صفحہ ۳)

قائم جاند پور کے رہنے والے تھے اور دلی، رام پور، بھگنوب، شہر میں
سبے تھے جو درام پور میں بھی یہ محاورہ رائج تھا چنانچہ مولوی غلام غلامی
دفعت جو یہاں سید مخلص کو لے تھے۔ طاعیات الدین کو ٹولے عتبات
اللعائن کے اسناد اور مولوی سید علی رام پوری خلیفہ حضرت سید احمد
شہید ریلوی کے داماد تھے، ان کا انتخاب قدرت اللہ شوق کے تذکرہ
طبقات الشعراء میں موجود ہے اور اس میں یہ تو بھی ہے

میں حاکم عرت میں رک گیا ہوں رنگ اشک دان بہم
کسی کی آنکھوں کے شوق میں آہ حب سے چھوٹا دیا میرا
(مذکرہ طبقات الشعراء مرثیہ سار احمد فاروقی

طبع لاہور۔ صفحہ ۵۱۳)

رام پور امر دہسے قریب ہے، مکمل سے کہ وہاں تک یہ محاورہ پہنچ گیا
ہو۔ لیکن سادۃ الدین خاں عاجز دکن میں رہتے تھے، ان کا یہ شعر خود
نے نقل کیا ہے

میںھ کے رے کی باؤ پل ہو اب آنکھوں سے جان کی نہیں گے
درد کے نساں کے گوہر غلام تو میں میں سنکروں آہ زلزلہ

(مکات الشعراء طبع اول صفحہ ۱۳)

اشرف علی خاں فغان احمد شاہ بادشاہ کے دودھ شریک بھائی
تھے۔ ظاہر ہے کہ قلعہ معانی میں پرورش پائی تھی۔ آزاد نے لکھا ہے کہ ان
کے کمال کی سند اس سے زیادہ ہیں ہو سکتی کہ امرار بیچ بیس صاحب
کمال اکثر ان کے اشتراک سے لے کر چھاپا کرتے تھے۔ (آب حیات

صفحہ ۱۲۳)۔ انھوں نے رانا کا استعمال کیا ہے

تجربہ آئیں میں اس طرح زبیاں جس طرح لڑہی ہوں ہیکسیاں
(دیوان فغان، مطبوعہ صفحہ ۱۶۹)

انادیکس رول، برودن مل جانا۔ ریل جانا
جانا و بھیم اول، برودن مل جانا۔ ریل و دل و حیر
ت کی صورت ہوئی۔ محادثے کے الفاظ بھی اعتراض ہو سکتا
ابن میں سے کون سی صورت صحیح ہے:

۱۔ میں رل جا

۲۔ خون میں رل جانا

۳۔ رل جانا

۴۔ رل جانا

بھی ایک ہی شکل میں آتا ہے، ت تو ادھر رکھی ہوئی ماتی سب
طرازی میں گی۔ لکھن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ہر
ن استعمال ہوا ہے تو ان کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہو گا کہ اصل محاورہ
ارلنا ہے اور نہ کسی بھی دوسرے لفظ سے مرکب ہو کر آ سکتا ہو۔
ابن کا استعمال ثابت ہو جائے تو پورے کی بحث رہے گی۔

اسے قدیم ترین دوسرے تلاش کرتے ہیں
تم کے ماتے میں آزاد لے لکھا ہے کہ "رہنے والے خاص شاہ جہاں
۱۲۱۳ء) اور ان کی زبان کو صحیح مانا ہے (صفحہ
کے دیوانہ ملی (سوانح یا آفس لندن) کے ورق ۵۶ پر یہ

مستجاد جن پنج مساں عطر کو مل کر
اس کو قی حادیں نے مل اب خاک میں لے کر
لنا (فتح اول) کی یہ سند غالباً کافی ہوگی۔ مگر حاتم کے وقت
سے الفاظ اور محاورے تیسروں کے عہد میں متروک ہو چکے
نور و نورہ بالا شعریہ "سستی" یعنی "سے" آتا ہے، جو عہد
سے کر دیا گیا تھا۔ مگر یہ محاورہ حاکم میں رلنا "میر کے یہاں

ہے:
کہوں کیونکہ ایک بار وہ جل گیا
کھنک خاک ہو خاک میں رل گیا

(شعور متعلقہ متروک)
رو چوری ہونے کی تہمت کوئی بھی نہ لگائے گا۔ اور ان کی گھٹا
خود آزاد نے تسلیم کیا ہے کہ زبان کے مالک تھے "صفحہ

خود خود اپنے بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے:

خاکِ دونوں میں خود تیں کیا کیا نہ زَنیاں دیکھاں

اے فلکِ باتیں تری کوئی نہ ٹھلیاں دیکھاں

(حکلیات ص ۵۰۱ - مرقع عبد الباقی اجماع)

مگر یہ شعر مجموعہ نقض (جلد ۲ صفحہ ۱۵۲) میں مجذوب کے نام سے غیب ہوا ہے۔ یہ خود اسکے کشتی اور ستاری میں انہی کے شاگرد تھے۔ ان کا یہ شعر آزاد نے بھی نقل کیا ہے (آبِ حیات صفحہ ۱۸۰) مگر دہلی اے امروہ کا محاورہ نہیں بتایا۔ میر خود اسکے ایک اور شعر پر چڑھا، وہ بڑی نے یوں باندھا ہے۔

حت کا مت دو جزوہ چھ خاک میں لے کے

آرام وہاں بھی معلوم ایسے چٹائے کو

(نکات الشعراء طبع اول صفحہ ۱۵۲)

میر علی اوس حدیثِ دمر کے آج میں ہوتے ہیں۔ یہ ذرتِ ویم کالج سے دانشور ہونے کی وجہ سے خاصی تہمت رکھتے ہیں۔ ان کے دہان قلمی سوا دیا سنسن لندن دونوں ۲۵ (۱۶۱/۱۵۹) میں ایک مرثیہ کا یہ شعر بھی ملتا ہے۔

تیرا لاشہ ہے گل میں دلنا تیرا حستہ ہے ہوا میں گلستا

درد میرا نہیں کچھ بھی چلتا، میرے پیسے سارا حینا

معصوفی نے زنا (صفحہ اول) کے علاوہ دلنا (میر تم اول) بھی باندھا ہے ان کا شعر ہے۔

خو اُس شعر سے برق کبھی کھل گئی

تو دیکھو گے نہ خاک میں دل گیا

(ابوالیت صدیقی، معصوفی ۱۶۲)

مگر یہ بھی بدست نہیں ہے۔ اساتذہِ دہلیم کے کام میں اس کا استعمال بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ذابِ آصف الدولہ کی ایک رمانی ہے۔ تنہ صفتِ عز سے پڑا کھلتا ہے دل آٹھ ہر توئی طوت ڈھلتا ہے کہجے میں کسی کے خاکِ برکتا ہے آصف سببِ عشِ بزدل کوئی کہجے میں کسی کے خاکِ برکتا ہے حکلیات آصف الدولہ، نقلی، نثر سالار جنگ) انہی ذابِ آصف الدولہ کے پیٹے، ذابِ وزیر مل خاں نے اسے

بالغِ باندھا ہے۔

جنوں سبز و دہسے آگے ہی بیروں کے تلے ہم

اں گردنِ افلاک سے پھولے نہ پھیلے ہم

جس محل پہ کچھ کھتے ہیں آتا ہو نظر خار

گلشن کے تلے جلتے ہیں کائٹوں میں نہ ہم

(دردوان جہاں، صفحہ ۲۵۶)

عص اس لفظ کے متعلق غالباً ہرور کی مثالیں فراہم ہو چکی ہیں اور ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ رن دو طرح (دفعہ اول و دوم اول) دہلی اور کھنوی میں نہیں لکھ دیں تک رائج تھا۔ پانچویں کوئی کسند و سباب نہیں ہے اور یہ معصوفی نے کہیں لکھا بھی نہیں ہے۔ یہ صدر کسی بھی دوسرے لفظ سے مرکب ہو کر آسکتا ہے چنانچہ مذکورہ بلا مثالوں میں آتی شکلیں ملی ہیں۔

۱۔ خاک میں دلنا ۲۔ شش میں دلنا

۲۔ خاکِ خون میں دلنا ۳۔ جگ میں دلنا ۴۔ کائٹوں میں دلنا

معصوفی نے اس محاورے کو جتنی صورتوں میں لکھا ہے سب کی

نہیں دوسرے شعرا کے کام میں مل جاتی ہیں اور اساتذہ و اساتذہ ہوتا

سے کوہِ دوان جہاں کے دو حصے سے خیر تھے۔ اس لیے انہیں یہ امر بہ

کی زبان معلوم ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ آزاد کو اس موقع پر

تسار جو اسے۔ انھوں نے یہ تو بجا طور پر محسوس کیا کہ اس محاورہ میں

یکہ اجنبیت ہے۔ مگر اس فصل میں جملت دکھائی کہ یہ امر وہ کمال کا محاورہ

ہے۔ دہرہ یہ ہے کہ تاریخ نے جس محاوروں کو نسخ کیا تھا ان میں سے

ایک یہ بھی ہے۔ اس کے ذمے تک "خاک میں دل جانا" بولنے

تھے، انھوں نے اسے متروک قرار دے کر "خاک میں دل جانا" کو صحیح

بتایا (صدیقی لکھاری، جلو کا خضر جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)

غالب سے کوہِ محاورہ ناسخ کے وقت میں متروک ہوا ہو اُس کا

مواخذہ معصوفی سے نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا محاورہ بھی جتنا "خود آزاد کے وقت تک دہلی میں

بولتا تھا۔ غالب، انہی کشتی صورت کے بارے میں آزاد نے لکھا ہے

کہ ان کا دیوان جو اب رائج ہے وہ تمام دیکال انہیں (ذوقِ صلاح

غزل

* فنّاظاؤن

وہ آئے مگر اجنبی کی طرح اُجالا ہوا تیسرگی کی طرح
مرا دل فرشتوں سے ملتا نہیں بلو مجھ سے تم آدمی کی طرح
مجھے دے گیا جو فریبِ وفا وہ اک شخص تھا آپ ہی کی طرح
ہمارے مقدر میں لکھ دی گئی کوئی اور شے زندگی کی طرح
میں مجبور ہوں میکشی کے لیے مرا جرم ہے خودکشی کی طرح
کوئی شے دو عالم میں ملتی نہیں محبت کی پانکھیزگی کی طرح
وہی جوش ہو اور وہی دلولہ کرد دوستی دشمنی کی طرح

فنّا آج کی میکشی دیکھ کر
مرا دل بھارتشنگل کی طرح

مکرات و ماخوزات غالب

• ڈاکٹر تارا چند نے رست گئے

۵۔ تو فین - امداد بہت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قلو کو گہر ہوا تھا
فریق - اندازہ ہر جو صمد ریند میخانہ تو فین صم و عام نہ دارد

۶۔ نصرت حکمرے ہے لگ ہر اسناغ لگی مایند با عانی مولا کرے کوئی
آغستہ ایم ہر جھلوسے کھوں دل قانون با مانی صوا فوستہ ایم

۷۔ یاد بخیر ہم کو بھی بنگار گئے مآراں لیکس لفقن دنگا طاقیاں ہو گئیں
دنگا لہ نہ درام صرف دگیر داحت غلدا نقش دنگا طاقیاں کیاں کردہ ایم

۸۔ لالہ دل گردش میں ہیں بہت آسماں ہور ہے گا کچھ یہ کچھ گھبراہٹیں کبا
بہت آسماں - گردش نادر ہما ز ایم عالم دیگر میں کو برامیر می رود

۹۔ شہر عاقل سے کوسوں تک جو اگی چڑنا کس قدر یاب ہلاک حسرت یا بوس تھا
لالہ گل و دما و طرب مرادش پس برگ - سماجہا در دل عالم ہوں بے توفد

۱۰۔ دیکھ کر درد پر دم دامن انسانی مجھے کھنکھی دابستہ تیری عروانی مجھے
مکان کنیت سرور گد دامن انسانی پہنچہ تو میں فردا نہام پیرانی

۱۱۔ قدر سب سرور رکھتا ہوں سمت ارداں ہے مگرانی میری
اکس ز تو سدی طہا ہر تودہ کس جوں سب سرورہ کر لانت گزشت

۱۔ غالت کے کلام کو اگر یادہ ناز نگاہ سے بھی دیکھیں تو بھی اسے
انصار سامے آجاتے ہیں جس کے مصائب سے اس معلوم ہونے لگا کو ایسا
احساس ہوتا ہے کہ تارے کہیں اور کھی ہوئی اب کو مکرار ناز مراد با
ہے۔ حالت ایسے آپ کو اسانا غازی شاعر سمجھتے تھے اور نے فارسی
کلام کو فرقت و ادیب دیتے تھے۔

۲۔ فارسی میں تاریخی نقش ہے رنگ رنگ مگر راد محمود و دو کے رنگ میں است
اس کے اس نے رنگ میں است "کلام میں بھی اس کے فارسی کلام کے نفس
ہے رنگ رنگ" دھوت نظارہ دے ہیں ملاحظہ فرماں۔

۱۔ اکبرہ گماہوں کی بھی حسرت کی لے داد یاب اگر ان کردہ گماہوں کی سر لے
آتا ہے دایہ حسرت دل کا تہا ر باد مجھ سے مرے گد کا حساب لے ہوا رنگ
اندول دور کی کسستی رواد رہ چکر رفت کاش ماسخ از حسرت اسر کسد

۲۔ چاک مت کر حیب لے آیا م گل کچھ ادھر کا بھی استارہ چاہیے
دراستہ اس کہ ہر کرتہ اداسے دارد ہم آں است کہہ جڑا ثارت زد

۳۔ سرباد کی کوئی نے نہیں کو نالہ یا بسد نے نہیں ہے
از نکتہ مطرقت ان محفل انشاہ لالہ ایرتیاں رود ہما رسیا سوز

۴۔ کہے ہے قس لگدش میں تیرا درد دنیا تری ج کوئی تیغ لگ کو آب تو نے
گمزیہ کرداد و رب و دمام کشت مگر او تیغ آچار تراست

غالب ہے: نہ پھر نہ موسم براجیت دل کا
 کہ اس میں ریزہ الماس جو دریا علم ہے
 بیتاب ہے: میوہ خوش دورا ندرت بازا آمدن
 بچہ عورت یاس بر سر گردانی مرا
 غالب ہے: ستارے کرول ہوں وہ دایہ خیال
 تابارگشت سے رہے دعا جگھے

بیتاب ہے: دیباں غالب سے بیدل کے شعر کا میا دی میلان سے کتر جگر کیا ہی
 ماہی جگر ننگ عدم خبر سے نداشت
 ہر لہو سے کاکہ فادیم حوشی سے فرو
 مطلق انہ سے پستی تر عامی ہا نمود
 یک دور ما غراک تا دم گیر متا را
 بیدل کے ان دور شعروں کو غالب سے اردو کا اس بالترتیب دو مختلف
 شعروں میں یوں پہنا یا ہے

غالب ہے: ستودا ہے اصل سے غالب فرغ کو
 غامضی ہی سے نکلتے ہو بات چاہیے
 بے سے حوسن طاہر ہے کس رو دیا ہوا
 یک گورہ جے جوری مجھے دن رات چاہیے

غالب ہے: غالت سے دین الماسدن غاں غالب کی موت پر جو فرول بطور ترشہ
 کہی اس کا ایک شعر ہے

ماتے جوئے کئے ہو قیامت کو لیں گے
 کیا حوسن قیامت کا بھی چمکا کوئی دن راہ

اس کا بعد راقم شہدی کا یہ شعر معلوم ہوتا ہے

یہ کہ وہ دہرا غمزدار امروہ یاد راستہ کر امروہ غمزدار غایت
 اور یہ شعر ہے

میں اور تم سے ہوں تشہ کام آؤں محسوس کی تھی تو بے سانی کو کیا ہوتا تھا
 بجائے حیرت حیدر کے ایک شعر کا مروجہ منت معلوم ہوتا ہے

لا شر ہے

من اگر تو بے کدہ ام لے سر دہی

تو خود ایں تو نہ کہوی کہ مرے مدھی

غالب ہے: گاہیں کی کس شمس اپنی حیرتوں کی یاد مراد کے یہاں ایک نہیں
 مضمون ہے: دیکھیے یہ چال ذیل کے اشعار میں بھی نظم چاہیے:

دنوں کا روز کر پشش روزا زہر چمکتا کاش الماس از مسرت انیر کند

دبیا ہے

لے ناکہ دی مایہ کم و خاش بسیش آں مدد کہ دقت باز برس آیتیں
 بجز امرا کمن نیا لے دارم باسرت میں ہے ناکہ وہ حویں
 اشارہ الا کو نیر وقت نطرت کام لیے بجا گیا ہے۔ اگر زیادہ
 تلاش و جستجو کی جائے تو مراد کے فارسی اور اردو کام میں اور بھی متعدد ہم
 معی اشعار مل سکتے ہیں۔ یہی میں حالت کے بعض اردو اشعار بھی جو دوسرے
 شعرا کے فارسی اشعار سے آجود ہیں تلاش کیے گئے ہیں۔ مثلاً

بیتاب ہے: ہوسے ناکہ دل دور چراغ فصل

ہر کارزم تو بر عادت برتیاں رفات

غالب ہے: ہوسے ناکہ دل دور چراغ فصل

حوتی بہم سے نکلا وہ برتیاں نکلا

ظاہر ہے کہ غالب نے بیدل سے پہلا مصرع بغیر کسی تصریح کے لے لیا ہے
 اور دوسرے مصرع کا اردو ترجمہ نظم کر لیا ہے

۱۲ صاف ددی کش پانچم ہیں ہم لوگ دے وہ ادہ کہ افردہ انجور ہیں
 اداں مرلیت کشی غالب متو کہ او دردی کش بیلا عشید لودہ است

۱۳ عشق و مزوری و شہرت گرسد کیا کتا ہم کو تسلیم کو مانی فسر باد نہیں
 اور جسے شہر و شہرت شہرتاں نہ اید محبت ہو ز طہرہ فراد می رید

۱۴ بی جس قدر نے شب عتاب میں تزلزل اس مضمون مزاج کو گوری بھی راس ہے
 غالب بھی شہر و شہرت پر اب بھی کبھی چلتا ہوں روزا زہر و حب اشتباہ میں
 فرصت از کف مدہ و فہیت بیدار نیست گرسہ ہائے تب ہے دیاب

۱۵ خفیضہ: نوشا و دے محبت را میرس اگر کا گیت

مسودہ الماس دوزہر ہلا بلوئی کند

مثنوی ہر کہ کہے ہے بلکہ فرض و مصلحت پر

عربی کے تین اشعار ملحوظ رکھتے ہیں۔

ہر کس نہ نشاندہ را زادت و گرد
کے لہذا ہے است بادہ کشیدن ز جام زند
ملکہ بادہ کہ جام دے ز نالہ برآید
غالب کے علی الترتیب تین شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہم نہیں ہے تو ہی فدا ہے مار کا
اور انا اسے نے اگر ٹوٹ گیا
پھر دیکھئے انداز گل انسانی گنار
آصفی شہزادی کے اس شعر پر ہے

لوہم در آئینہ حیران ز حسن غایتی
افساد کرتے ہوئے زانو کو ایسا موس فرادیلہ فرماتے ہیں :

شکوہ سچ شکم دم دگر دہا جائے
مریدوں خراسانی کے اس شعر کو دیکھیے۔

ارضیف دل سال فریوں نے کسی
اور حالت کے اس شعر کو دیکھیے۔

ے دل۔ ہر گیارہی خلق سے حالت
عالم سے ضعف دل کی بجائے بے گامی خلق کہکشاں صوبیت پیدا
کر لی ہے

اس حالت کے مندرجہ ذیل اشعار اور ان کے سارے دیے ہیں
فارسی اشعار پر تقابلی نظر ڈالئے۔

فارسی شعراء

غالب

کے لیے تھے ان کے تعلق کا کام گلو
کہ ایک ہی گاہ کس حال کا گئے

تالیف شعر ہے وہاں کا اطفال

مجھ نہ خیال بھی فرد فرد تھا

مجھ نہ خیال بھی فرد فرد تھا

کچھ ہوں کیا تاویل جہاں غراب میں
زہر غزوہ دل است عشق بازاراں را

غالب نے اس شعر کو

کے بے کسی مشق پر دو غائب کس کے گھر جاتے گا سیلاب بلا سیر
عربی کے مندرجہ ذیل شعر کے بنیادی خیال کو نے کر تخلیق کیا جو گام
چشم نہ بہر خویشیں دم زرع تر شود ترسم کس نہ سرم دم و در شود
اسی طرح فارسی کے صدریہ ذیل شعر پر غالب اور محسن دونوں نے ایسے
اپنے انداز میں آہرائی کی ہے :

ضعیف تر حال است بایک
کنوا نہ کشید را تا زانی مار صحت را
(المسلم)

موصوفہ : اب تو مرعایا بھی شکل ہے ترے پاکر

ضعف کے اعانت کمال کیا ہے ٹھکانے

عالت : ہونا ضعف میں کیا باؤالی کی خود

قد کے ٹھکانے کی بھی گنجائش ہے تن میں

جاتی کا مشہور شعر ہے۔

گفتی شبے جواب تو آتم دلے پر سود
چول من لم خوش دیدم کہ خواہی

غالب نے اکتاب مضمون اس طرح کیا ہے کہ جو کچھ عالمی محبوب ہے

کھلوا ہے انھوں نے فرض کر لیا ہے۔

وہ کے خواہ میں تکیں مصلحتی نے
دلے ٹھکانے میں دل جہاں جواب تو نے

غالتے سے آدری طوس کے اس تر کو۔

ملے کو داشت کرد عدائے تو آدری
تر منہ ادو گشت کہ جان دگر داشت

اس انداز سے قدرے زیادہ مادہ اور پڑا کر لیا ہے۔

مال دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو ہے کہ حق ادا ہو

دو قوی تیر زنی کا شعر ہے۔

ی نہایہ کہ سر عہد سخت است ای
ختم میں اور قوی دلش ہر بات ویت

غالب نے اسی مضمون کو اختصار کے ساتھ یوں نظم کیا ہے۔

باراد بھی ہیں ان کی رجتیں
لیکن اب کے سہر گرائی ادبے

ظہیر نے کہ ہے۔

نفاط و زور و درواں بر صبر ستام
کہر حال آرزوہ از قضا نیست

غالتے نے اسی مضمون کو نے کر یہ شعر تخلیق کیا ہے۔

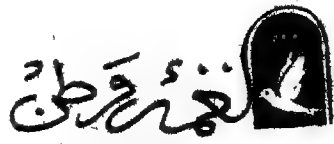
فلک ہے ہم کو ہستی رفتہ کا کیا کیا قاصد ہے

بہرہ ہوں میں تو میرے دوا ہوا شکست
 ستائشیں پہل بات سمجھ کے بغیر
 ۵
 تیرے وعدہ پر مجھے ہم تو یہ جان بھڑکانا
 خوشی سے سہرے مائے اگر اعتبار ہوتا
 ۶
 حاکمیں کے غریب مطلب کچھ د ہو
 ہم تو عاشق ہیں تھکے نام کے
 ۷
 اہل کے دیکھے ہو آجاتی ہے منہ برفیل
 وہ سمجھتے ہیں کہ کیا کساں اچھا ہے
 ۸
 گھر ہے کس کس برائی سے بے اباں ہم
 دیکھو میرا گھر ہے پتھر ہے کس محل میں ہے
 ۹
 غرض کہ حالت کے کلام میں دوسرے شعرا کے کلام سے عمومی امتداد
 کی مثال دھندلے پر لگتی ہیں مگر غالب نے اپنے اعجاز اسلوب اور
 شدت احساس سے ہر امتداد سے پرانی انفرادیت ثبت کر دی ہے اور ہر
 اندک کے مضمون کو ہمارا جانو لگا دیے ہیں۔ یہ اخراجات جہاں حالت
 کے وسیع مطالعہ پہنے کی نشاندہی کرتے ہیں وہاں غالب کے شعری
 حراج اور شخصیت کو سمجھنے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔ جہاں کہ تبدیل
 کے اس شعر سے
 ہرچہ از بیم تو رفتہ رفتاں بخت
 کا سوال ہے سب سے غالب نے دوسرے مصراع کا ترجمہ کر کے انشائیہ اس
 سے بیباکت نہیں ہوتا کہ غالب کے بہاں ال سرود ہر مروجہ غالب
 کے زمانے میں متداول تھا اب میں فارسی ادبیات کو نمایاں اور متاثرہ
 حاصل بھی تھا غالب کے دوست احباب میں قریب قریب سب بدل

کہ کلام سے واقفیت بھی ضرور رکھتے ہونگے۔ غالب جیسا کہ کارنہ قیامت
 مانوہ و سب کتبہ کہ وہ دوسروں کو کھنسنے وقت کھلے اور سبیل
 کے شر کو ارد دیکھ کر موسس میں پیش کر کے داد خمس حاصل کرنے کی کوشش
 میں خدہ ریش نظر آئے۔ بات صحت اتنی ہے کہ اس طرح کے ترجموں کو
 صیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت تک کتابت کے لیے ایسی علامات
 وغیرہ وضع نہیں ہوئی تھیں کہ ترجمے کی نشاندہی کی جاسکے۔ چراغ سے
 چراغ ملتا ہے اور چراغاں ہو جاتا ہے
 حالت کے فارسی کلام سے دوسرے اردو شعرا نے بھی استفادہ کیا
 ہے۔ مثال کے لیے سدرہ ذیل اشعار پر تعلق نظر ڈال لے۔
 امیرینائی: تو بایں وقت ذبح تو مجھ سے خطا ہوئی
 خنجر کیا تیرے کس کا قصور تھا
 غالب: نے خود وقت دیا تیریں گناہ میں
 دانستہ تیرہ کر دل گناہ کیست
 حکمران آبادی طرے اس کی پہلی ہی طریقوں لگتی ابی
 کہ میرے مرقوں سے بھی گھسی سے دوتی اپنی
 حالت آسمان کھنڈ فاربت داس ما
 بھیجی اس کو داریں جی میرا ہیں ما

حالت کے محرکات و اخراجات سے حالت کو سمجھنے میں خامی مد
 لگتی ہے۔ ایک ہی بات اگر دوسری مرتبہ ایک ہی طرح یا قدرے مختلف
 احوال سے کہی جاتی ہے تو اس سے یہ یہ ملتا ہے کہ ہم کسی امر کو دور دے کر
 کما جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی
 تعزول کے انتخاب سے دسوا کیا ہے
 کے مصداق دوسروں کے معاصرین کو اپنی طرز کاری کے ساتھ اپنا لینے سے
 بھی ہمارے خط و محو تحیل کا مطالعہ اور لغیاتی تجربہ کیا جاسکتا ہے۔
 اشتدال کی روشنی میں مذکورہ ملامکرات و اخراجات سے اسی حقیقت کی
 وضاحت ہوتی ہے کہ غالب ندرادل کے خالق محال اور اک بہت بڑے
 حکمران تھے۔ روایت و تجربہ کا میں دستورال اشراج، امن و زندگی کے کوئی
 کی تلاش و جستجو ادل و دماغ کی دعائیاں مراج میں بغارت کے عناصر و
 خصوصیات کی دلکش طرہ گری یہاں بھی ملتی ہے۔





سائنس و ادب

اے مرے پیارے وطن سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

گنگا تری ہوئی گنگا ہے تری بانوں میں
سکراتی ہوئی جتنا ہے تری بانوں میں
ناج کا حسن دو بالہ تری بانوں میں
یہ اجستاد ایلوار کا بھرتا ہوا فن

تیری ہر شام ہے ہلکی ہوئی برست بہار
تیری ہر صبح ہے دنیا ہے محبت کا خمار
تیری مٹی میں ہے آزاد انگوں کی پکار
اسی مٹی سے کھلا ہے مرے دل کا گلشن

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

خون سے تیری بہاروں کو سجانے کے لیے
ایک آدھ شہ ہے یہاں کے زمانے کے لیے
اپنی مانگوں کا یہ سینہ دور لٹانے کے لیے
کتنی ادا شائیں اٹھالائی ہیں اپنے گنگن

میسے عنوان کو کہانی اسی دھرتی پہ ملی
میسے بکچن کو جوانی اسی دھرتی پہ ملی
میسے گیتوں کو روانی اسی دھرتی پہ ملی
مری آواز میں ہے تیرے ہی دل کی دھڑکن

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

تیرے دامن کی ہواؤں میں ہے ان کی ممتا
وقت کی دھوپ میں سر پہ ہے تراپی سایہ
تیری بانوں کو کوئی غیر نہیں چھو سکتا
تجھ پہ جو آنکھ اٹھائے وہ ہمارا دشمن

تیرے نفات کا بکھرا ہوا بسیم آ پھل
جیسے ٹیگور کے گیتوں کی کھنکھتی پائل
غالب و میر کی پیازہ در آغوش غزل
بھوم اٹھتا ہے جسے سن کے ہر اک اپنی سن

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

اے مرے پیارے وطن

سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

نقشِ مجبَرِست

اخلاقیات

• شاہجہاں
• ممتاز محل
• وزیرِ سلطنت
• کیتیز
• یوسف آفریدی

(مخبرِ موسیقی آہستہ آہستہ اُبھرتی ہے)

ہمیں رہ سکیں گے۔ ہمیں ہماری روح کو اب ایک ہی تجسم ہے،
ایک ہی شخص کا شہر اپنی زندگی میں اپنی عزت و آبرو
پوری کر سکتے ہیں۔ ہم سے صرف ایک آدمی کی ذہنی عظمت
لیکن ہماری اٹھک تلاش اور حق کے وعدہ کی زمین کے کسی حصہ پر
بھی ایسا دارغ نہ لایا۔ ہماری متاد کے خواب کی تعبیر کر سکتا۔

وزیرِ سلطنت۔ عالمِ سیاہ تلاش راہ جاری ہے۔ انشا اللہ ایک
دن شہنشاہِ عالم کی مراد برآئے گی۔

شاہجہاں کا شہساز، لیکن ہر نقشہ اور ہر جوہر ہمارے لیے یا اس کن
نہایت ہوئی ہے۔ وزیرِ سلطنت! ہم کب تک یوں بھٹکتے رہیں گے۔

دین کے پردے پر جو تصویر دیکھ رہے ہیں، کاش ہم اسے کاغذ پر
اُتار سکتے ہیں، کاش اسے ہم بیان کر سکتے۔ اب الگ تارے وزیرِ سلطنت
پیسے ہمارے خیل کا وہ چاند ہمارے دل کے آئین میں جھلکا کر ڈوب
جاسکا۔ اگر ایسا ہوا تو ہم پائل ہو جائیں گے۔ ہم نے دینِ جان سے
عزیز تارے سے ہمد کیا ہے وزیرِ سلطنت! ہم نے اپنی فکر سے ہمد
کیا ہے۔ یا خدا برتر!

شاہجہاں۔ (انتہائی کوب اور محکم کیفیت)۔ ہماری آنکھوں کے سامنے
وقت کے بے رحم اٹھوں سے ہم سے ہماری عزت و پھین لی۔ ہماری
عزت و محل ہم سے جدا ہو گئی۔ وزیرِ سلطنت ہمارے دل کے بغاوت
میں اب کوئی شخص نہ ہوگی۔ ہم کمال ہو گئے۔ ہم اپنا سب
کھلادے۔ یہ مغل سلطنت کا تاجدار اس کی عظمت و وسعت
اس کا عجب و جلال سر بہ زانو دے دست و پا کھڑے ہو کر دیکھتا
ہوئے پہلے ہماری زندگی بھین لی تھی۔ مل کی ساری زمینیں مگر
گود وزیرِ سلطنت اور نہ یہ دشمنی ہماری آنکھوں کی میانی بھی
سے گی۔

وزیرِ سلطنت۔ اہلِ محنت اس طرح نکلے نہ ہوئے۔ خدا پر عزت
سروں پر شہنشاہِ سلطنت کا سایہ ہزاروں برس تک قائم رکھے
آپ اسنے اس نے ہوں وہ نہ ملکہ حاکم کی روح کو صدمہ پہنچے گا۔
ہم سچے امن یوں دیکھو یہ عالی جاہ!

شاہجہاں۔ وزیرِ سلطنت! ہم تمہاری کوئی شکر گزار ہیں، لیکن
ہم چاہتے ہیں کہ اب ہم بہت دنوں محنت دیا اس میں کوئی تار

وزیر سلطنت شہنشاہ عالم صبر فرمائیے، جہاں پہنچاؤ
 شاہجہاں! تم جاسکتے ہو وزیر سلطنت۔ ہم کہہ دیں گے یہ تمہاری پابندی ہے
 ہیں۔
 وزیر سلطنت۔ جو حکم مال بہاؤ۔

(وقفہ)

(علم انگریز موسیقی اکھڑتی ہے)

شاہجہاں۔ تم یقین رکھو متاں اس پر اپنی زندگی کی آخری سانس تک
 صبر و جدوجہد کریں گے۔ ہمیں سب کیلئے یہ عطا ہے متاں، ہمارے آنکھوں
 کے سامنے وہ دن آج بھی محسوس رہا ہے جب تمہاری طبیعت کچھ
 نامناسب تھی اور تم جو محاسن میں آکر مگر رہی تھیں۔ ہم تم سے ملنے کے
 لیے آئے تھے لیکن تمہاری کینسر نے اس انداز حال سے دوک دیا تھا۔
 اور ہم نے تم سے راز داری کی اجازت حاصل کی تھی۔

(موسیقی کی ایک تیز لہر کے ساتھ فلیٹس بیک شروع ہوتا ہے)

کینز: مگر عالم شہنشاہ عالم حرم خاص میں با یابی کی اجازت چاہتے ہیں
ممتاز محل - اہہ! شہنشاہ عالم شریف لاس ہیں جلو محل رُح ہم خود
ان کی قدم کسی کے لیے سینے ہیں۔

(ملک و وقف)

شاہجہاں۔ کیا ہم اپنی ملکہ متاڑے خطاب ہوئے کا سروِ حاصل کر سکتے ہیں؟

ممتاز۔ بحرِ حقیقہ عالمِ بنیاد۔ مس تو بہت دیر سے حقیقہ براہِ حق۔ آئیے
تشریف لائیے

شاہجہاں۔ میں حیرت مئی کہ تمہاری طبیعت قدوسہ ناماں ہے۔ ہمے تمہارے آرام میں غل غل ضرور دالاسے لیکر دل کی پہنچی جب بذات نہ ہوئی تھیں بلکہ باوجود ہمارے قدم تمہاری آراگاہ کی جانب اٹھ گئے۔ لیکن تمہارے جہاں نشا و دل سے ہمیں درد و اڑے پر بھی دھوکہ دیا۔

ممتاز۔ کیوں، کون، کھادہ گستاخ،

شاہجہاں۔ گستاخ نہیں تمہاری وفادار کیہ کرتی۔ کہہ رہی تھی ملکہ عالم کا حکم ہے کہ ان کی عصرت گاہ میں کوئی بغیر اجازت داخل نہ ہو۔

۶۔ راگ ۴۴ مانتک

میرزا یحییٰ شاہ کے لیے ایک خط لکھا گیا ہے جس میں
شاہ احمد علی ہم کو اس مہمان کی دینی عزت کرتے ہوئے یہ بات لکھی
تھی کہ میں ہم کو مغلیہ سلطنت کے تاجدار میں اور ہم کو تاجدار کی جگہ
ہم اس خط کے ادب و تہذیب کو مغلیہ سلطنت کی جگہ کے لیے لکھی تھی۔
اسی واسطے پہلے ہم نے ایرانیوں کے لیے درخواست گودا کی تھی۔

شاہنشاہ! (سرت کے کوزلیت سے مغلوب ہو کر) میرے سرتاج!
میرا یہ نصیب پر تقدیر کی قسمت بھی رشک کرتا ہو گا۔ اس ناچیز کے
لئے اتنا پیارا، سبب دامن میں آئی دوست نہیں ہے جہاں پناہ
کہ میں اپنی صورت کی محبت کے شیش ہوا بھولوں کو اپنی بھولی میں
سمیٹ سکوں۔ تجھے میرے ظلم سے زیادہ مل گیا جہاں پناہ!
بہت زیادہ۔ میں کہیں خوشی سے پاگل نہ بھج جاؤں یہ سرتاج
شاہجہاں! مکہ

ممتاز۔ مبرے آفتاب

(ایس منظر میں ملکی ملکی حوزہ موسیقی ابھرتی ہے)

[illegible]

ممتاز۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں میرے آقا، یہ جملے شاہجہاں کے تالیانِ حاضری ہیں۔

شاہجہاں۔ میں احساس ہے متاثر، لیکن ہم اس وقت شاہجہاں نہیں
ہیں۔ ہم مغلیہ سلطنت کے تاجدار نہیں ہیں متاثر! ہم ایک کنگڈم
میں جو سن کی یادگاہ میرے دست و پاؤں پر ہے۔

ممتاز۔ میرے سرتاج، احسن اور اعلیٰ حضور کی پاؤں کا ایک حقیر موقی ہے جس کی تابندگی کی سلطنت منلیں گے کہ دم قدم سے قائم رہے۔ عہد انہزاروں

تم نے جس ایک کے بھاس دو چاند اور دو چاندنیوں سے سلطنت انداز
ہوئے کا موعہ کیا۔

ممتاز محل۔ دو سرا چاند کیا عالم پناہ! صرست ایک ہی چاند تو ہے وہ
دیجئے منور کے بیچے۔

شاہجہاں۔ ہم اتنے دو کے چاند کو کیوں دیکھیں، ہمارے پہلوں میں ہی تو
ایک چاند ہوا اس سے زیادہ خوبصورت اور اس سے زیادہ روشن
جس کی عیادت سے شاہجہاں کی زندگی میں اجالا ہے۔

ممتاز محل۔ جلدی تسلیم عرض کرتی ہے عالی شاہ۔

شاہجہاں۔ متا، ہمارے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دو۔

ممتاز محل۔ یہ جیسے عالم پناہ۔ آج سے سارے کی روشنی سے نکل کر اس
رنگ پر کے تخت پر تھیں گے۔

شاہجہاں۔ تمہیں رنگ پر مرے شوق ہے متا، کیوں؟

ممتاز محل۔ چاندنی اور رنگ پر، جہاں پہاڑ خود ہی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ
سارے تخت رکھا ہے۔ کس قدر پاکیزگی اور تقدس ہے اس کے
سیدر رنگ میں، اور پھر اس پر چاندنی کی چھوڑ، کتنی بھی میرا دل
جاہتا ہے کہ

(میں جاؤں جو انگریزوں کی لہر میں ابھرتی ہیں اور پھر کچھ دیغا موتی
دیتی ہے)

شاہجہاں۔ کہو متا، کیا بارگاہی خاموشی کیسی ہے تم کہہ رہی نہیں کچھ
تمہارا دل چاہتا ہے کہ

ممتاز محل۔ جہاں پناہ! (دس سکیوں کے ساتھ ڈٹنے
گھتی ہے)

شاہجہاں۔ متا، یہ کیا ستارہ اتحادی آنکھوں میں آنسو، ایسا کیا غم جو
جان شاہ۔ خداوند اجلہ تلواد نہ ہم اس صدمہ کو برداشت نہ
کریاں گے۔

ممتاز محل۔ (مصلح بیویں) عالم پناہ، یہ آنسو مرثیہ کے آنسو ہیں۔

ممتاز محل۔ زنی قیمت پرناؤ کر رہی ہے میرے سرتاج، میرے مالک
نہ جلتے کیوں اب زندگی کا یقین روز بروز دھندلا چو تا جا رہا ہو۔
ایسا لگتا ہے عالم پناہ، جیسے ممتاز محل اب چند دنوں سے زیادہ

سالی تک شہنشاہ عالم کا سایہ ہم پر قائم رکھے۔ شہنشاہ کے
سائے شہساز ہیں، ہوتا عالم پناہ جب سر میں ہنگامہ شہنشاہ
ہی کہ گمان کی اس طرح خلاق اور اس کا تو سلطنت کے تنوں بل میں
گئے اعلیٰ حضور امتا ز محل کی روح چلتی ہو جاہل کی عالم پناہ جب
آنے والی نہیں یہ کہیں گی کہ کئی محبت کی خاطر شاہجہاں سے اپنے
تکو اصرار کی امانت نہ سنبھال سکی۔ اس محبت کے صدمہ عالم پناہ
لیکن ممتاز محل پر یہ داغ نہ لگا دیجیے گا۔ میرے آقا۔

شاہجہاں۔ ممتاز محل!

ممتاز۔ میرے آقا!

شاہجہاں۔ ممتاز محل! شاہجہاں اس بے ادبی کی معافی چاہتا ہے۔
سلطنت منلیکے ناموس سے کھیلنے والے کو تمہارا قانون کو سرا دینا
چاہے، دے۔ عزم حاضر ہے۔

ممتاز۔ ہم جو کر رہی گے۔

(دونوں سنتے ہیں۔ ایک لڑخا موشی دیتی ہو پھر ممتاز محل سلسلہ کلام
جاری کرتی ہے)

ممتاز محل۔ میرا دل اس وقت بہت کھرا رہا ہے اعلیٰ حضور جی چاہتا
ہے کچھ دیکھ کے مانع میں جو انوری کے لیے چلی جاؤں اور
شاہجہاں۔ اور کیا؟

ممتاز محل۔ اور اعلیٰ حضور بھی میرے قریب ہوں۔

شاہجہاں۔ تو ہیں اپنے ساتھ لیتے؟

ممتاز محل۔ نہ ہے نصیب۔

شاہجہاں۔ سمجھا رہیں کوں کے مجھ پر یہ مصروف تھے لیکن جہاں
ممتاز محل کے گڑن سے زیادہ کچھ بھی ضروری نہیں۔

ممتاز محل۔ شکر ہے میرے سرتاج۔

(موتی کی لہر بھرتی ہوا، کچھ پر تک قائم رہی ہے)

ممتاز محل۔ وہ منور کا رشتہ دیکھو ہے جس عالم پناہ! اس کے بیچے
وہ مسکراتا ہو چاند کتنا خوبصورت نظر ہے۔

شاہجہاں۔ سبحان اشرا بہت خوبصورت۔ ہم تو ایک عرصے
پناہ کا مزہ ہی بھول گئے تھے۔ ہیں تمہارا شکر یہ ادا کو چاہا ہے کہ

پیارے انسان کا ایک ایسا مقصد جو انسانی تکمیل کی حراج ہو۔
 ایک ایسا خوب جسے انسانی ہاتھ رنگ بر سر میں ڈھالی دیں جس
 کا فرش چاندنی کے بیروں سے نکلا جواسے جس کے دفنانا دھندل
 کے آگے بڑھوں کی حیثیت پر چلائے گا۔ ایسا مقصد جس کے پاس سے
 صدیوں کی محنت و محنت و اسرار کے ساتھ دینے پاؤں کو بچلے۔
 چمن زار میں شبنم رات بھر دودھ کے سرگوشی کوئی ہے اسے ہوا
 یہاں سے آہستہ گرد یہاں مٹا کر اسے محبوب کے ساتھ مسیحی
 عزیز سو رہی ہے۔ بیٹے میرے آقا کی میری موت کے بعد ایسا
 مقصد ممکن ہے؟

شاہجہاں - مٹا کر میری روح، اگر ہادی مٹا کر اپنی کسی کنیز کی خاطر یہ
 آرزو کہ وہ تاروں کے بستر پر سو ناپا جاتی ہے تو قسم ہے خلیہ جادو
 عظمت کی قسم ہے خداے برتر کی، شاہجہاں آسمان کے تاروں
 پر شب خون مار سکتا ہے۔ زمین پر کھنکشاں اتلا سکتا ہے۔ ملکہ
 ہم سے ہادی آنکھوں کی روشنی لے لے۔ ہم سے ہادی تلوار کا جو ہار
 ہمارے ماروں کی طاقت لے لے۔ ہم سے ہو کہ ہم صحرائے عمارتوں
 میں اپنے گرجیاں کی دھماں بکھیر دیں لیکن خدا کے لیے ہادی مٹا کر
 کو ہادی آنکھوں کے سامنے موت کے حوالے نہ کر دو۔

ممتاز محل - میرے شہنشاہ!

(فیب آؤٹ)

وزیر سلطنت - عالی جاہ! وزیر سلطنت باریابی کی اجازت چاہتا ہے
 شاہجہاں - کون؟
 ہم کچھ دیر کے لیے اپنی مٹا کر سے ملنے چلے گئے تھے۔
 وزیر سلطنت - عالم پناہ! یوسف آفسی رامی ایک شخص اہل حضور کی
 خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ کہتا ہے ایک نقشہ حضور کی نگاہ سے
 گھڑا نامیا ہوتا ہے۔

شاہجہاں - ہم حرد ملیں گے۔ اسے اجازت دینی ہے

(دھند)

دھواپوں کی آواز

یوسف - سلطان عالم! یہ غلام بادشاہ ہند حضور شاہجہاں کی خدمت

اہل حضور کی خدمت دکھائے گی۔ جیسے..... جیسے چاند چلے گا
 سا گیا ہے اور اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں رہی ہے لیکن
 عالم پناہ! میری موت کتنی خوبصورت موت ہوگی، وہ کوئی کتبہ
 اور بارگ لکھ بڑا کاج میں اپنے آقا کے قدموں پر رکھوں گی

شاہجہاں - مٹا کر محل، یہ کیا کہہ رہی ہو تم، ملکہ سن۔

ممتاز محل - سچ ہے آقا۔ مٹا کر محل کے بطن نے جوہر چوں کو حضور کے حوالے
 کیا ہے۔ حال کی ولادت کے بعد سے میری محنت بچنے کو نہیں کی۔
 شاہی طبیبوں کا قصور نہیں ہے جہاں پناہ! مجھے ایسا لگتا ہو جیسے
 میرے جسم میں جان نہیں رہ گئی ہے۔ میری آنکھیں موت کو بہت
 قریب سے دیکھ رہی ہیں حال جاہ۔

شاہجہاں - ہیں اس طرح دیران دکھو مٹا کر نہیں تو اس کے قصور سے ہی ہمارا
 سیدھیٹ جاتا گا۔ شاہجہاں سے اس کی مٹا کر کو کوئی نہیں ٹھیک
 سکتا۔

ممتاز محل - موت برحق ہے میرے سرتاج! اس کے لیے تہہ و تدابیر
 ایک ہیں لیکن مرنے سے پہلے کیا جاتی ہوں کہ اپنی ایک خواہش کا
 اظہار کروں وہ میری روح کو سکوں لے گا۔ تین دلائیے کہ
 آپ میری موت کے بعد میری ایک آرزو پوری کریں گے۔

شاہجہاں - مٹا کر میری روح، سلطنت مغلہ کا بادشاہ اپنی روح کی
 ایک ایک سانس نکال دے گا۔ ملکہ جہاں! اس دگوں
 میں دوڑتی ہوئی باہری خوں کی ایک ایک پوند پر سے نثار ہے۔
 بادشاہی افتادہ جوری تمہارے ایک ادنیٰ سے اتار دے گی۔
 اپنے ان سین لیوں کو، جوش و دوہ دوؤں جہاں کے دھڑکنے سے
 دل تمہارے قدموں میں لا ڈالے جائیں گے۔ شاہجہاں کو کھارھا
 صد کا انتظار ہے۔ بولو اور حجت جاں!

ممتاز محل - آپ کو مجھ سے بہت پیار ہے نا، عالم پناہ!

شاہجہاں - ہمارے دل پر خرم نہ لگاؤ مٹا کر۔

ممتاز محل - تو اس محبت کو اس پناہ کیسے میرے آقا۔ اس محبت کو لافانی بنا
 دیجیے۔ جادوئی ہوگی دمٹ سکے۔ ممتاز محل اور شاہجہاں کے

شاہجہاں - مرزا! آندی مرزا! لیکن یہ خواب تو نہیں ہے آندی
 بخوابھل وہی، وہی عمر میں، وہی دیوار اور وہی نقش و نگار
 ہم سچ کہتے ہیں آندی، تم نے ہماری ستار کے خوابوں کو تبخیر
 دی۔ آؤ، ہندستان کا شہنشاہ تمہارے ہاتھوں پر ورہ لے کر
 اجازت چاہتا ہے۔ در سلطنت!

وزیر سلطنت - عالی جاہ!

شاہجہاں - ماؤ اور لگائے کوئے کوئے میں اعلان کر دو کہ شاہجہاں جس
 کا انتظار تھا وہ خواب ترسہ وزیر سلطنت مغلیہ کے خوابوں کا پیٹھ
 کھول دو۔ سب ساروں سے کہو کہ ہاٹوں کے پیسے بیکر کر گئے
 نکالیں۔ ہیں آج مراد لگتی، ممتاز امیر ممتاز!

(کیا دیکھ کر موسیقی کی ایک تیر لہر اچھو کر ڈوب جاتی ہے)

ممتاز محل - اس محنت کو امر سادھیجئے شہنشاہ، ممتاز محل اور شاہجہاں
 کے رما دیکھ داسان کا ایک ایسا مقہور سانسانی تھل کی معراج ہو
 ایک ایسا خواب ہے اسانی اتھ سب مر مر میں ڈھال دیں جس
 کا فرض جامدی کے بیروں سے میلا ہو جائے۔ جس کے دُعا و تقدیر
 کے آگے کلیوں کی جیسا مد ٹر جاے۔ ایک ایسا مقہور شہنشاہ!
 جس کے پاس سے صدوں کی ٹھن گرج ادب و احترام کے ساتھ
 دبے پاؤں گزر جاے

(دُکب کے ساتھ) ممتاز! ایک لمحہ کے لیے واپس آ جاؤ۔

دیکھو تم تمہارے لیے کمال ہے۔ ممتاز!

(موسیقی کی تیر لہر اچھو کر آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے)

(ریڈ آؤٹ)

مبارک میں بادب تسلیم کمالا ہے۔

شاہجہاں - خوش آمدی زو جان خوش آمدی۔ ہم مشتاق ہیں تمہاری
 کاوشوں کو ایک نظر دیکھنے کیلئے۔

یوسف - عالم پناہ مغلیہ سلطنت لازوال ہے۔ جب تک کامیاب
 کے ایک ایک ذرے کا دل دھو کا ہے۔ حضور شاہ کا اقبال بلند
 ہے۔ یوسف آندی کے ان حقیر ہاتھوں نے ایک جرات کی ہو
 عالم پناہ۔ مگر منار محل کی آخری خواب گاہ کا ایک خاکہ تراکما ہے۔
 بچے نظریں ہے عالی جاہ عالم موجود ہیں اس حس و رعنائی کی تریل
 نہ لے گی۔

شاہجہاں - ہیں اور تڑپاؤ زو جان آندی۔ ہمارے روح صفا
 ہے۔

یوسف - شہنشاہ عالم! میں نے کتنی ہی مقبول کی خاک بھائی ہے۔ کتنی
 ہی زندہ و پامیدہ ہندوؤں اور معاشرہ توں سے الگ کے جگر پارے
 ملتے ہیں۔ جس سے خداے پاک کی سلطان عالم! اس خاک کے ایک
 نقش و نگار میں کتنی ہی قوموں کے نبول لطیفہ کے دل دھوک رہے
 ہیں۔ ایران کی خراوش حکم کا سینہ بچے گندہوں کی دلو اور گولانی
 مصر کے میاروں کی فلک بیا اسواری 'طوس کی وادیوں کے کلاؤں
 اور ہندستان کی گودی میں جیتی ہوئی دنیا کا پس منظر ہے سلطان!
شاہجہاں - پس، پس کرو یوسف آندی اب ہم سے ایسی آنکھوں
 سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

یوسف - ملاحظہ فرمائیے جہاں پناہ!

(اس کے ساتھ موسیقی اچھو کر ہے)



جہانِ سی کے رانی



طویل

درمید

نظم کا

ایک حصہ

وہ بہادر شاہ ایسا حصارِ آخری
تیرنِ امدادِ اعانت کے لیے تیار تھا
وہ کسبِ امدادِ مددِ دیر و تب رال
انا صاحبِ وہ نئی کہہ وہ عالی نظر
آہ کسا اپنا ڈیوٹی کو تیرا اس تھا
یہاں تھے کسے سنا کر یہ سے بایں تھا
سہی جو اہل حق نے بھرتیاں آرا دو
مغلیہ شاہنشاہوں کی یادگارِ آخری
حصارِ آراوی کی خاطر سرِ بکار تھا
وہ سری راجہ کورنگ ایسا تیرا ساں
سج درگھ تھا خاکِ لے سیدہ سیر
ایسے مشکل وقت میں تیرے ہی کس تھا
بوسہ آراوی اگر حاصل تو کیا لطف تھا
یہ زینتِ راد جو یہ آسمان آرا دو

سوت کرتیوں کو بغیر نیک آگے ٹرے
تھمنوں کی صف میں تیری دھواں لایا
تیرے دلاں کی دلی سرتی تسلط ارا تھی
دندانے تو تے حالے آگ برساے تھے
یہ بے ارادہ کے ٹپے سے لپٹی تھی زین
گولہ داری کا دھواں گھڑو کی ٹانگہ لایا
عورت حال کی تو بچے کو لے تھے یہ جامِ اصل
گولہ دار کی پھرتی رقی کو شرم لائی
گھڑسواروں کے لیے کی گنت کچھ رو گئے
کٹ رہے تھے نہ زخمِ ادا دھڑلے تھے شیا
اس طرح اکھٹے قدم دشمن کے کھینچنے لگے
لگ گئے کشتوں کے پختہ، خون کے دیا ہے
فوج کا سہرا ستانِ وطن کے سر رہا
جو بھی بھارت ادا کر دھنوں میں رہا

بناؤ اگر تیرے گویا لے معقول

تھا اگر کوئی تھا معقول وہ مدارِ وطن
وہ سدا شو را حاکمِ غلامِ شمس کا
ہو گئے سیر و کج خود نیوں بہت تو کمر
ان کمپوں نے دلا دیا تھکا لائی کا خطاب
لشکرِ گریہ کے ماہ دو لولہ سیں
اس طرح تو کس کاٹے سے نگر تیار تھی
پیرس وہ افرونی سرستات رشتاں
دوہ بچی آگ کھوس دھڑلے پر طلال
وی صدقہ اٹھو اسے حاکمِ رانِ وطن
لے لرو ایسے جماعہ انتہاں کا وقت و
انتھائے غیرت توئی ہے جس سے طین
تو یہ جی ہے کشتوں کی فوج اس کا طریق
دلش کی خاطر میں تیراں ہو گیا ہے
رہ میں کچھ سنگ اپنی کھل کے باباں
شمع آراوی یہ جی رہے کویر دے ٹرے
ماندہ کر سہے کس کھلے حوا ناں وطن
حس لے باھوں ہو گیا یا ان گلا روطن
س گما دھن کی کھنچی گھانکے لپٹ کا
کھنگے دھواں گریوں سے نالہ تو کمر
کیا نہ تھا ان کے لیے آگ جسم کا عذاب
حاجت تھی تیرے دھواں دار آسیں
دھنوں کے خون کی سیاسی تری تلواری تھی
واہ دادہ تیرا گھوڑا، واہ تب جو سکاں
اس بھانک دپ بھی تھے پید تھا حال
آواں میدان میں جو ماؤ قرباں تھیں
ہندو یہ حدت بندوں کا وقت تھا
'یہ مدھر کر دین ہلاوی فوج تھکے تھیں
کھول کر یہاں کھل دھوڑوں کا جادو صفا
یہ جلا دھم یہ ایماں ہو نا جاہی ہے
سورا، سادنت عازمی مردِ دل
حدیہ تیری تہمت لے کے ستارے ٹرے
یاسانی کویلے داہ ساں ماں وطن



ستہ مراٹھے سمنا

سیطان ہے 'اتمام تعلقات منقطع کریں اور ایسے ایرانی قوم کے وفادار کی حفاظت کریں انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ تمام خطرات واپس کریں اور کوسلوں عدالتوں اور تمام سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کریں تاہم اس بارے میں انھوں نے کہا کہ کوئی طرح عدم تشدد پر قائم رہیں مگر جمعی نے قصر صدر کا بمبار کیا اور ایسے کچھ بھی پہلی حکمت عظم کے دوران مارا دیا۔ اس تمام دہائی کے سلسلے میں خطا کیا گیا تھا۔ ہاتھ لگا۔ جمعی کی عدم تعاون کی یہ تحریک ہماری جدوجہد آزادی کی تاریخ میں ایک منسلک موڑ ثابت ہوئی

اس وقت کمیاسی سرگرمیاں ہم جو اس کی حال حال سرگرمیوں کے علاوہ تہذیبی علاقوں میں تعلیم اور طبقتوں کے لوگوں کے ذریعہ عوام کو مصداق میں کر کے ایک محدود تھیں۔ مگر جمعی نے سیاسی سرگرمیوں کو اس محدود علاقوں سے نکال کر فصول اور دیہات میں عوام الناس تک پہنچا دیا۔ سب سے زیادہ عدم تشدد کے اسے عصب سے کو بھیلے کے لئے انھوں نے ایک ہر کا دورہ کیا۔ انھوں نے عوام میں مبادری پیدا کی۔ ان کے دلوں میں جو شمع بھڑکا۔ طے جلوس دور دورہ کا معمول بن گئے۔ انھوں نے طلباء سے اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کیا، وکیلوں سے عدالتوں کی اور عوام اساتذہ سے ہر ممکن اداروں میں غیر ملکی اقتدار کی مخالفت کی

قومی جدوجہد کے طریق کار میں جب ۱۹۲۱ء کے قریب یہ متواریا لوہیں ٹنڈی میں لے کا طالب علم تھا مگر جمعی کی تحریک عدم تعاون سے میں ذاتی طور پر متاثر نہیں تھا۔ اسکولوں کالجوں عدالتوں اور کوسلوں کا بائیکاٹ کر کے اس طرح نے مجھے ساثر نہیں کیا تھا۔ تعلیمی

جمعی اقتدار کے خلاف مسدستان کی سرفروشاں جدوجہد، خواہ اعلیٰ اخلاقی سطح پر کی گئی، مبادری اور جاسازی کی ایک ایسی داسماں ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملے سکتی۔ سب سے زیادہ اس نے جس پر عمل پیرا ہو کر انھوں نے افراد نے ناقابل مبالغہ مصائب برداشت کیے اور جاساں قریاں کیں یا کسی حد تک جدوجہد اقتدار عدم تشدد کے ایک بے مثل روحانی تجربے سے مدد کر دیا۔ ہاتھ لگا جمعی کی حوصلہ شکنی مسدوت میں اس جدوجہد نے 'ادھر کے خلاف دھرم' انصاف کے خلاف انصاف اور ظلم مسد طانت کے خلاف اخلاقی قوت کی شکل اختیار کر لی

خلیائو الہیہ کے ساتھ ساتھ

علی الاورام میں غریب اور پراس مردوں عورتوں اور بچوں پر دہشتہ فائرنگ کے اور ایشل لاکے سخت عوام پر ڈھائے گئے مظالم نے سرحد ثانی دلی کو رلا دیا۔ قوم کو ناقابل مبالغہ محنت کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسا کہ عیسائی سے محبت جسے لوگ ایک ملک گیر احتجاج کی شکل میں سمجھ گئے۔ گام جمعی ہی قوم کے ہر فرد کے لیے ہی قیادت کی علامت بن گئے اس واقعہ نے ان کو حیدر انھوں نے خود کہا ہے قاتلوں کے ایک پتے کا جی سے پتے مخالف میں تبدیل کر دیا انھوں نے بھلائی سسرکار کو سیٹھانی سسرکار اور اس کے اقتدار کو ایک 'لست' سمجھ کر قوم کے غم دھنسنے کا اظہار کیا۔ ہاتھ لگا سے اعلان کر دیا کہ بھارتی عوام ہر رات کو اس حیز پر رداشت کرے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اسے ختم کرنے کے لیے سرعین قدم اٹھائیں گے۔ انھوں نے عدم تشدد کی اپنی تاریخی تحریک سرنج کی اور لوگوں سے کہا کہ وہ سرنجی حکومت سے جس کا ہر حادثہ نہیں

جہانِ سی کے رانی



طویل

رزمیہ

نظم کا

ایک حصہ

وہ بہادر شاہ ایسا تاجدار آہری
تیری امداد اعانت کے لیے تیار تھا
وہ شہرِ مہرِ مہرِ مددِ دلیر و تب رال
ما صاحب وہ میں کہہ وہ عالی نظر
آہ کسا تاسا ٹی کو تیرا پاس تھا
یہ تھے تیرے سب تجری سے یاس تھا
سہی خواہش تھی کہ ہر تہاں آرا دو
یہ میں آرا دو یہ آرا دو

صوتِ کزنبول کو یہ میر نکس آگے بڑھے
جس طرف نہ گویا، اک حشرِ مرید کر دیا
دشمنوں کی فوج کا گرنی ہوئی ڈھائی
موجیے دھاکوں میں مڑنے پڑے گئے
گرمی بیکار سے لرزے میں تھا جرجریں
لڑھکتے دھوکے تلواؤں کے وہ جھلجھلا
نی نہ تھے دشمن کیلئے جو عام اصل
پیش کاہی کی ہواؤں کے مگر تھلا گئی
آگ کے سیلاب میں مسمول گناہ تھے
عزم بیکار میں ہر سو سیسا تھا راز
ہر گئے سیلاب میں جوں کو بچنے کے لیے
مکمل کچلے عزم کا سہا سہا بچ رہے

فوج کا ہر جوانِ وطن کے سر رہا
تو بھی بھلا عزاؤں کا کہوں میں مہربا

بآؤ اگر شے گویا کہ معصوم

تھا مگر دوست تھے حال وہ عداوت
وہ سدا خودِ حالِ محبوبہ جاہِ لبس کا
ہو گئے غریب و غم، خود ایندھن کرتے تو لڑکر
اس کیسوں نے دلا یا تھکنا بھی کا خطاب
لشکرِ اگمیز کے براہ - دووں لبس
اس طرف تو لیں کاٹے سے عکسیت اچھی
یہ سب وہ اعلیٰ سر پہ تان زرد تال
دہ دھجی آگ آکھوں دہ دھجے رطلال
دی صداقت نے اٹھو الے جاں رالِ وطن
لے دلرو الے تاجِ امتحان کا وقت کو
افسانے صفت تو ہی ہے دھس سے تریں
تیرے ہی ہے دشمنوں کی فوج اب کھو کھوٹ
"دشمن کی خاطر میں قربان ہوا یا ہے
رہن میں کلے لنگر، ناموں میں کے کاماں
شعبہ آرا دی پر ملے کو پر دہنے بڑھے
باندھ کر سرے کھنکھنے خواہاںِ وطن



ستہ مراٹھ سہا

تھیٹال ہے "تمام تعلقات منقطع کر لیں اور ایسے برائی قوم کے وقار کی بھڑائی کریں انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ تمام خطرات واپس کر دیں اور کوسلوں عدالتوں اور تمام سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا مانیٹنگ کریں۔ تاہم ایسا کرے میں انھوں نے کمانڈری طرح عدم دستبرد میں قائم رہیں گے۔ جس جی نے قصہ مد کا سڈل واپس کر دیا جو انھیں پہلی جنگ عظیم کے دوران مارا تھا۔ اسام دیسے کے سلسلے میں خطا کیا گیا تھا۔ ہونا گھا۔ جس کی عدم تعاون کی یہ تحریک ہادی حد و جہد آزادی کی تاریخ میں ایک میل کا پتہ بنی ہوئی

اس وقت تک سیاسی سرگرمیاں ہم چاروں کی مال مال سرگرمیوں کے علاوہ شہری علاقوں میں تعلیم یافتہ طبقوں کے لوگوں کے ذریعہ عوامی حصہ دہن میں کر کے تک محدود تھیں۔ گمانہ جی جی نے سیاسی سرگرمیوں کو ان محدود علاقوں سے نکال کر پھیلایا اور دیہات میں عوام الناس تک پہنچا دیا۔ سند گرد اور عدم دستد کے اس حصیدے کو پھیلانے کے لیے انھوں نے ملک بھر کا دورہ کیا۔ انھوں نے عوام میں بیداری پیدا کی ان کے دلوں میں خوش کھو دیا۔ طے طوس دومرہ کا اصول س گئے۔ لاکھوں طلبہ ایسے اسکولوں اور کالجوں کا مانیٹنگ کیا، دیکھوں نے عدالتوں کی اور تمام انارٹوں نے ہر ممکن انداز میں عمر کی اعتراف کی مخالفت کی

قومی حد و جہد کے طریق کار میں حسب سہ ۱۹۳۱ء کے قریب یہ بتلایا نوین طے میں بی۔ لے کا طالع علم تھا گمانہ جی جی کی تحریک عدم تعاون سے میں ذاتی طور پر متاثر نہیں تھا اسکولوں کالجوں عدالتوں اور کوسلوں کا مانیٹنگ کر کے کے طریقے نے مجھے متاثر نہیں کیا تھا۔ تعلیمی

جی رہی اقتدار کے خلاف مدتوں کی سرگردناں حد و جہد، حاکم اعلیٰ اخلاقی سطح پر کی گئی، سہادی اور ماساری کی ایک ایسی داسماں ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملے مستغرقہ کی حکمت عملی نے سرریٹ پر ہونے لگا انھوں نے افرادے ماقابل میان مصائب برداشت کے اور جاس قریاں کہیں یا اس حد و جہد کو صداقت اور عدم دستد کے ایک نئے شکل روحانی تحریک میں تبدیل کر دیا۔ ہما گمانہ جی کی جھلک سادرت میں اس حد و جہد کے "ادھر" کے خلاف "دھرم" انسانی کے خلاف انصاف اور ظلم پسند طاقت کے خلاف اخلاقی قوت کی تسکون اختیار کر لی۔

خلیا نوالہ سے ناع کا سادہ

خلیا نوالہ تاریخ میں غیر متعلق اور پراس مردوں، عورتوں اور بچوں پر دستانہ فائرنگ ہے اور فائرنگ لاکے عوام پر ڈھائے گئے مطالبے پر ہندوستانی دل کو لڑا دیا۔ قوم کو ناقابل حمانت کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاں جھٹے سے بھرے لوگ ایک لکیر احتجاج کی شکل میں متاثر ہو گئے تھے جی قوم کے عروج و قار کے لیے نئی قیادت کی علامت س گئے اس واقعہ کے ان کو انکار انھوں نے خود کہا ہے فنادوں کے ایک نئے عاقبت کے مخالف میں تبدیل کر دیا انھوں نے برطانوی سرکار کو تھیٹالی سرکار اور اس کے اقتدار کو ایک "نست" کہہ کر قوم کے غم جھٹے کا اظہار کیا۔ ہما جی نے اعلان کر دیا کہ بھارتی عوام "راڈوں رات" کو اس مزید برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اسے ختم کر کے کے لیے سرکھ قدم اٹھائیں گے۔ انھوں نے عدم تعاون کی ای تاریخی تحریک سرریٹ کی اور لوگوں سے کہا کہ وہ برونی حکومت سے "حسن کارہا" نہیں

ہ وہ لوگ تھے جو ہندو اجموت تھے اور صدیوں پرانی مذہبی اعتقاد اور سیاسی غلامی کے سبب بہت بار پکے تھے۔

ایک عظیم ترین تہذیبیت

آزادی حاصل کرنے کے لیے لاکھوں افراد کو عداقت اور عدم تسکین سے دوچار کیا جو نے کی تعلیم دیے کا کام تقریباً ناممکن تھا لیکن گاندھی جی نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور غریب اور جہالت کے اندھ میں بڑے بڑے غلط ذائقوں، فرقوں اور عقائد کے لوگوں کو ایک بر دست جنگی قوت کی صورت میں متحد اور جمع کر دیا ان کے درمیان حلقہ انقلاب آیا اس لیے ایک قومی جذبے کی تشکیل کی اور سید گمراہ لاطعی چارج اور فائز رنگ دھیرہ قومی زندگی میں آئے دل کا دامن ہوئی۔ اس کی شخصیت ہی کا اعجاز تھا کہ جو بھی اس کے قریب آیا اس کی قوت کے فیض سے اسے گوشت گناہی سے نکال کر عوامی زندگی میں بہرہ ور کیا۔ انھوں نے عوام کو حریت اور بے خوفی عطا کی اور لوگوں کو تحریک عمل یعنی ادھک کے لیے حملے کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد میں رد و بر صاف ہو گیا۔ یہی سبب تھے کہ ان کی طرف جاتے ہوئے بھی ان کے ہوشوں پر سداۓ اتم، اور نصیحت مانا کی ہے، کے اعلا ہونے لگے۔

آزادی حاصل کرنے کے لیے عدم تشدد کو اپنا کوئی آسان کام تھا تاریخ انسانی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جب ملکوں نے تشدد و دباؤ سے آزادی حاصل کی۔ جب گاندھی جی پورس سید گمراہ کے تصور کے ساتھ ہندوستانی سیاست کے منظر عام پر آئے تو پانچھویں سیاسی جدوجہد کے صف اول کے رہنماؤں نے انھیں ملک دشمن کی نظر سے دیکھا انھوں نے گاندھی جی کے سبب گمراہ کے اخلاقی تصور کی حق میں تشدد کا تائید نہ تھا، سیاسی افادیت پرستہ کہا لیکن دھیرے دھیرے لوگوں نے سبب گمراہ اور عدم تشدد کو اپنا لیا کیونکہ یہ بھارتی لغات اور پارلیمانی دواؤں کے مزاج کے عین مطابق تھا۔ یہ امر اس وقت اور بھی مشکل ہو گیا جب گاندھی جی نے دیلے اور مقصود یا کی پروردگار اور پوری قوم سے عدم تشدد کی راہ پر چلنے کے لیے کہا ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اس پر عمل کر

سرگرمیوں کو سیرادیکھنے کی گماندہی تھی، اسل کاس محال تھا۔ کانگریس کے انکسور اجلاس کے بعد ملک گیر دودھ کرتے ہوئے گاندھی جی شہر آئے تو انھوں نے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کیا جس میں بھی موجود تھا۔ ملے کے آثار میں میرے ایک کلاس میبل سرورس پر سادے حوالی صلات کا شاعر تھا، ایک بھوجوری گیت سنا یا جو آج بھی یاد ہے

کا کرے گاندھی، اکمل، تنک، یروک، گئے

سب ڈھیر کر کے، آئے ہو دیرت گئے

گاندھی، کیا کیا کریں، تنک، یروک، سدا گئے، اگر وہ ہمارے ہی حوالہ دست میں لکے وہ آئیں میں تقیم ہو گئے ہیں

اس گیسٹ لے لے کر گمراہ، اتروالا اور پوری انکسور کے دھارے کو کسیر مل ویا مل گھر سے لے کر ہوش و سہ سے ہوئے میں نے پڑھا تھا جو کریم جانا کی تحریک میں شامل ہوئے کاٹل فیصلہ کر لیا، اس ایک تہذیبی خیالات پرستے ہوش کے راتھوں کو حوش بھی ہوئی اور حریت بھی اس ہم سہ تحریک میں پوری طرح شامل ہو چکے تھے۔ لیکن ایک سال کے اندر انداز میں سے تقریباً سبھی لوگ پڑھا لے گئے، اس آگے لیکن میں باہری رہا، انھوں نے حلقہ کرکھ کرکھ پروردگار کو سبھی کا میں نا ملے لوں میں سے اس سے کہہ دیا کہ میرے لیے اب دالیں آئے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے صلے کے رہنا ہے تھ سے دہی علاقوں میں کام کرنے کے لیے کہا میری عداوت کو دیکھتے ہوئے جلد ہی مجھے سب ڈیڑیل کانگریس کمیٹی کا سکریٹری بنا دیا گیا، بیل کے تھہری علاقوں کے معاملے میں دہات کے عوام پر گاندھی جی کی تحریک کا اثر زیادہ گہرا تھا۔

گاندھی جی نے عوام سے رابطہ قائم کرنے کے لیے دھکوت گیتا رامائن اور کیمیل مانکے، موسیٰ دھکوت اور سیدیا کے قیلاب پر عامیہ توجہ مرکوز رکھی اور انھیں قوم کے کار (مصدق) کے لیے بڑی سے ٹری فرمائی دیے کی ترغیب دی۔ انھوں نے لگوتی پہی اور خود کو سرتا یا نرمنو حیا سالیان کے ملک گمراہ دروں، بیدار تھل سداؤں، تھیردوں اور تھریچوں نے آزادی کے لیے ایک ابجدہ خواہش پیدا کر دی اور لوگوں کے دلوں میں زندگی کے لیے ایک امید جگا دی۔

کی اور اطلاع کیا کہ عدم تشدد میں ایک ایسی نہیں لگا ان کے ساتھ اظہارِ عقیدت کی ایک شرط ہے۔ یہ برید پوشی یا س نہیں ہو سکتا جس میں سدھو اور پینٹ ہوئی لال نہروں سے اسے محسوس کیا لیکن گاندھی جی نے ان پرانے لیڈروں پر کامیابی حاصل کر لی۔ بینک اسٹریٹ کے اگلے تارے میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں گاندھی جی نے اپنے اس کرب کا اظہار کیا کہ وہ ان دانشور شخصیتوں کو عدم تشدد کے راستے پر گامزن کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انھوں نے لکھا کہ اس کا کافی پرہیز خود بہت جنگ محسوس ہوئی ہے۔

عدم تعاون اور سول ناخرانی سے لے کر ۱۹۴۲ء میں 'بھارت چھوڑو' تحریک تک ایک مسلسل سہ ماہی قدم قدم پر انہوں نے ان کی تعلیموں کا کاما کر پڑا۔ سماجی اقتصادوی اور سیاسی ہر طرح کے مظاہرے اور تحریکیں اپنے بعد لگے رومما ہوئیں اور ہر ایک نے آزادی کی تحویلیں کوئی طاقت اور گیرائی عطا کی اور آخر کار وہ نقطہ عروج بھی آیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی آدھی رات کو مدتوں ایسے مقدمہ کو حاصل کر کے میں کامیاب ہوا اور بھارتی قوام کی صحیح معنوں میں مائندگی کے والی مجلس 'آئین مارے' خود مختار حکومت کی آگ ڈونڈ سمجھائی۔ اور جب صدیوں پرلے آزادی کے جواب کی تصویر ملی تو اسے ملک میں خوش اور دلوں کے نغمہ دوڑ گئی۔ لوگوں کی خوشی کا ٹھکانہ رہا۔ یار لیٹ کے مرکزی ہال میں نصف سب کی اس شاندار اور تاریخی تقریب کی یاد میں مجھے کانگریس مارناتی پارٹی کے حیدر وہیب کی حقیقت سے شرکت کا موقع ملا تھا 'امیر حافظ میں ہمیشہ تادمہ رہے گی۔ لال قلعے کی عظمت و عیسیٰ پر جب ذریعہ علم نے قومی زندگی لہرایا تو وہ منظر دراصل عام ہندوستانی شہریوں کی مقدس خواہش کی عکاسی کر رہا تھا۔ لیکن جب یہ تاریخی دن آیا تو وہ انسان جس نے اس دن کے حصول کو ممکن سا دیا تھا کج حال تھا اور فقر و دایانہ خون کے نیچے میں رچی ہوئے والوں کی دل جوئی کر رہا تھا گاندھی جی کی شخصیت اس قدر عظیم تھی کہ ان کی شہادت پر اہل بھارت پر کہا گیا کہ 'آسمہ سلسلے اس پر جسٹس جی سے نہیں کر سکی کہ واقعی گوشت و پوست کے ایک ایسے انسان سے اس دھرتی پر جنم لیا تھا۔'



ہونا غیر ممکن سمجھا گیا۔ یہ شبہ اس وقت چند مولگی جب جوری جو رامیں تشدد کا مظاہرہ ہونے پر گاندھی جی نے متبرکہ گھر کے تحریک کو سنبھال کر دیا۔ پرانے رہنماؤں نے کہا کہ انھوں نے نہاد سہنہائیوں کی آزادی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے معاملے ہی کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ تاہم گاندھی جی نے اصرار کیا کہ ملک جہد و جد کے لیے پوری طرح تیار نہ تھا انھوں نے اعلیٰ ترس قربانی دینے اور اعلیٰ اخلاقی انداز حاصل کر کے لیے لوگوں کو شہرہ آفاق رکھا قومی میدان کے لیے انھوں نے کھانگی سے ہر جگہ سدا رک ہر قسم کی سرگرمیوں کو فروغ دیا سولہ حیدر یار ڈیٹے

پرانے رہنماؤں نے اصلاح جاری رکھا اور گیا کانگریس میں کوسل کا ایکٹ کر کے کے مسئلے کو بلٹ دیے کی ضرورت کو مستحسن کی گاندھی جی موجود نہیں تھے۔ لیکن ڈاکٹر پر صدر پر سدا ورتاری سی راگنیل آجادی نے 'سرجی معاملت' کے پروگرام کا ثابت قدمی سے متعلق کیا اور یارٹی غیر عوامی اس میں ایسے یقین کا مادہ کیا۔

گاندھی جی ایک سادہ تھے انھوں نے ہندوستانی ثقافت کی بھرپور نمائندگی کی لیکن وہ ایک عظیم ریاست داں بھی تھے اور انھوں نے ان دونوں صلاحیتوں سے ہوتا ہوا کام بھی کیا۔

کوسل میں داخلے کے سوال نے کانگریس میں گرہ بندی کو جنم دیا۔ کوسل کے حامی گروپ نے سولہ حیدر یارٹی کی تشکیل کی جس کا صدر دتس مذہبی آر داس کو ادسکریٹی میڈن موتی لال نہرو کو بنا یا گیا جسکیم اعلیٰ خاں 'پھل کھائی میل' اس سی کیلکر ایس ستی پوری اور ایم آر جیہ اس یارٹی کے متار رک تھے۔ اس وقت ایک سسی جنر دانہ یہ رومما ہو کر ایک دہشت پسند جگانی گوتی ناٹھ سا پے پولیس کسٹر ایک تم چھپکا جس نے ایک اور انگریزی کی موت ہو گئی۔

سولہ حیدر یارٹی کے لیڈروں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنوبی اجلاس میں ایک بڑو پوشش میں کیا جس میں سلاہ کی باندی کو سراہا گیا اور اسی طرح بالواسطہ تشدد کو ہادی جی تھی۔ گاندھی جی نے ستر ملاحت سے ساہ کی قریب کی لیکن کہا کہ یہ طریقہ جس میں کا رکھے گا۔ انھوں نے تشدد کو فروغ دینے کی کوشش کی پرورد خالفت



زندہ تہ قافے

زندگی خار راہ میں گزری
جستجوے بہار میں گزری

کچھ تو یہ بیانِ یار میں گزری
اور کچھ اعتبار میں گزری

منزلِ لذت ہم سے سر نہ ہوئی
یا دیکھو یار میں گزری

پھول گریاں تھے ہر گل لہزاں
جانے کیسی بہار میں گزری

زندگانی طویل تھی لیکن
موت کے انتظار میں گزری

آئیے مل کے زندگی اپنی
جستجوے قرار میں گزری

جو بھی گزری مری بھلی ناٹنی
آپ کے اختیار میں گزری



نجیب رام شن

عقل کی گریباں جب دیں اسان ہو گئیں
حس کی پچھانیاں تک متلاساں ہو گئیں

کس بے سر لہری خوشبو کی طرح آوارہ تھا
حس میں اترا تو تہیں دشمن جاں ہو گئیں

حشک لب پر لباس کا کڑوا ناک کھرا رہا
ہتی ندیاں گھر کے آئین سے گریاں ہو گئیں

کور کو بھٹکا رہا ہے بے ہمتی کا مراح
ملاحوں کی سازشیں جس دس سے عیاں ہو گئیں

یہ لاپے وقت کے ہمراہ چلنے کا صلہ
استواں آدھیں، روہیں یا ماں ہو گئیں

اب بھی اسودہ کہے دنیا تو میرا کیا تصور
نخ پہ ہاتھوں کی لکیریں تک نمایاں ہو گئیں

یہ اندھیرا۔ اور یہ ذرات کا رقص دوام
اور یہ آہٹ جس سحائیں تک پڑیاں ہو گئیں



ان حوں میں ۵ جنوری ۱۹۷۰ء کو ڈومر محلہ کے خلیفہ کو قلمبند کیا گیا اس موقع پر گورنر انڈیا نے
جناب اسٹریٹلی ناں صاحب نے اسے یہ کہ خطاب کیا اور کہ انصواب سے سوجہ کی ہے



آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ کے سلسلے میں عالمی میٹ ڈیپارٹمنٹ یونی کے ریاستہائے صحت محل ایک کھنڈ میں ایک عظیم الشان
ہائٹس کا انعقاد ہوا۔ انصوباز میں ماس ویرا مل یونی ٹری کلائی ٹریاٹھلی ہائٹس کا افتتاح کر رہے ہیں
ڈاکٹر جیوے قادی و سترکاری نے تعلق اشال کا اردو ملی سطر



ساتھ اردو جامعات برہ کی چوٹی کا انفرس کا کھنڈ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۳۱ دسمبر ۱۹۷۰ء اور یکم و
۲ جنوری ۱۹۷۱ء کو منعقد ہوئی بیگم ماجدہ حبیبہ نے وزیر اہت و سہارہ کا ذاتی افتتاح کر دی ہیں



ڈیرو میں راجستھان کے سہیل کے شوگ میں ۱۱ دسمبر ۱۹۷۲ء کو گلیا پڑا
لکھنویوں نے تقریبی طور پر یونیورسٹی کے طالب علموں کو گلیا پڑا
کر دیا

حال ہی میں ریاستی یونیورسٹی کے طالب علموں نے
کھانا ایک اور مظلوم مظلوم کو مل گیا ہے یہ مظلوم مظلوم ہے۔
مظلوموں کی تصویریں دیکھ کر مائی پیر



→ مظلومی میں مظلومی کا ایک نمونہ



جشنِ جمہوریہ

رہبرِ جمہوریہ

ہند ہے آج تصویرِ فردوس کی
بے لگا ہوں میں، تھکان کی زندگی
آؤ دنیا کو دیں امن کی روشنی

ختم کر دیں زمانے سے ہر تیرگی
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

ڈرے ڈرے میں ہے آج اک بانگین
عہدِ ذہن ہیں ہم آج گنگ وین
ایکٹا کی ترنگ سے بیوٹا کر دیں

کیفِ دستی میں ہر شے ڈولی ہوئی
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

ہو گئی ہل ہستی کی ہر وہ سحر
من کیا ہے ہمیں رہبرِ معتبر
ابہری اب ہے انداز کی ہر کام پر

کبوں نہ چکے قدم منزلِ آگئی
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

دیش میں کارخانوں کی بھرا ہے
تسند و شا داب بھٹیوں کی ہکا ہے
ہر طرف یوم کی شمع صبا ہے

قرۂ قرۃ میلو ہے شہر کی دکھش
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

آؤ زخمِ غم و دستِ قوڑ دیں
صلح کی سب دشا کا لہوڑ دیں
صوت و بغض کی ہر ادا چھوڑ دیں

شیخ روشن کر دیں جگ میں ایشا کی
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

اس زمین سے ایشا کا آغاز ہے
پانچ مرکزِ محبت کا آغاز ہے
"شانتی" اپنے بھارت کی آواز ہے

امن کی راہ دنیا کو ہم سے ملی
یومِ جمہوریہ کی منائیں خوشی

صبحِ جمہوریہ

نصا امروہی

تو ہر اک سال نئی شان سے آتی ہے مگر
مغلوں کے لیے بنیام نئے لاتی ہے
خاندانِ کش کے لیے لاتی ہے اسدِ فردا
ڈرے ڈرے کو عطا کرتی ہے رہاں کی کرن

تیری آمد ہو مبارکست یہ دعا کرتا ہوں
آؤ کر تیرے لیے بیتاب رہا کرتا ہوں

تو مہ ہند کی عظمت کا شہر پرچم ہے
صرف تیرے ہی تحفظ کے لیے دل ڈالے
اپنی جانوں کی میں قدر سمجھتے پلم بھی
پسلم ہے تقدس کی امانت تو ہے

تیری عظمت کے لیے جان فدا کرتا ہوں
آؤ کر تیرے لیے تاب رہا کرتا ہوں

تو مہ عزم و دمت کا حبس بیک ہے
تو مہ خواہوں کی تعبیریں اشراجِ جمیل
قصرِ افکار میں روتی ہے ترے جلوں سے
تو مہ فن کا دکتا ہوا اک ہر اب

تیرے ہی عشق کے امتعار بڑھا کرتا ہوں
آؤ کر تیرے لیے بے تاب رہا کرتا ہوں

میں پرتا رہوں تو دیوی ہے اس مندی کی
جس میں تہذیب و تمدن کے ہیں لاکھوں نام
ہند کی عظمت و دولت کی نشانی تو ہے
عزم و ایثار کی مصلحت کا اوجا لا تو ہے

تیری نصرت کے لئے عہدِ وفا کرتا ہوں
آؤ کر تیرے لیے بے تاب رہا کرتا ہوں

اردو خطوط نگاری

محمد رفیع انصاری

نہا لیں اس کا دہس ترقی پدید واقع ہوا ہے۔ اس نے بہت دنوں تک اس طرح کی زندگی گزارنا گوارا نہ کیا۔ ضرورت پر حتیٰ التیس اور اسی کے مطابق وہ راہ ہی نکالتا گیا یعنی مائل یا ارتقا ہوا۔ سماج و معاشرے کی تشکیل ہوئی۔ اپنی بات اس لئے سے نکلی ہوئی آوار کو بھیجئے کے لیے کچھ رتناات کسروں کی شکل میں مرتب کیے گئے۔ یہی لکیریں رسم خط کلمات ہیں۔ رسم خط معنی سے نکلی ہوئی خاص یا مخلوط آواز کی مادی شکل ہے۔ رسم خط ہی کی مدد سے لفظ تشکیل ہوتا ہے اور لفظوں کا ہمجنی مجموعہ ایک پوری بات یا جملہ کہلاتا ہے مکمل جملے جدیدہ تحریر ہی ممکن ہیں۔ اس لیے کہ ذہنی بات حیت میں اسے مطالب کے واسطے اتارے گئے اور مرکبات و سنگات کا بھی دخل ہوتا ہے، اور پورا جملہ ادا بھی نہیں ہو پاتا کہ مخاطب مطلب و مفہوم سمجھ لیتا ہے۔ تحریر میں ان مواد میں اسے مطالب کا قطعی گروہ نہیں معلوم ہوا کہ مخاطب کی غیر حاضری میں اس سے بات حیت کا ذریعہ تحریر ہی ہے۔ تحریر ابتدا سے آج تک پیغام رسانی ہی کے کام آتی رہی ہے۔ جو لوگوں کے خیال میں تحریر کی ایجاد کا بنیادی مقصد علم و معلومات سے پہلے، محض پیغام رسانی اور جذبات یا معلوما کا ابلاغ تھا۔

جس طرح دیگر علم و فنون کی ایجاد و رواج کے زیرِ سایہ ہوئی اسی طرح خطوط نگاری کی ابتدا بھی رواج کے سارے میں ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ قدیم تہذیب کے دوسرے مراکز میں بھی

خطوط نویسی ایک عوامی اور جمہوری عمل ہے ہر شخص جو تہذیب یافتہ یا نیم تہذیب یافتہ سماج میں رہتا ہے، خط و در خط یا لکھنا ہے۔ انسان جس سماج میں رہتا ہے اس سے اس کا گہرا ربط ہوتا ہے عزیز اقارب اور دوست احباب تو ہوتے ہی ہیں اس کے علاوہ کاروباری رشتہ بھی ہوتا ہے اور بھی وسیع ہوتا ہے ہر شخص کو زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ راعت اور دست کاری کرے یا کوئی اور تجارت۔ اس طرح پورے کا پورا معاشرہ اور اس کا ہر ایک فرد ایک دوسرے سے جڑا ہوتا ہے۔ انسانی ہمدردی کا جذر دوست داری اور کاروباری زندگی نے ساری دنیا کے انسانوں میں ایک باہمی اور بہت گہرا رشتہ قائم کر دیا ہے۔ اس لیے پیغام رسانی کی ضرورت ہر انسان کو ضرور پیش آتی ہے۔

خطوط نگاری کے باب میں کوئی تحقیق اب تک ایسی نہیں ہوئی ہے جس سے پتہ چل سکے کہ اس کی تدریج کتنی قدیم ہے لیکن اس کی تاریخی حیثیت اتنی ہی قدیم ہو سکتی ہے جتنی کہ تہذیب انسانی اور رسم خط کی ایجاد۔ رسم خط کی ایجاد تہذیب انسانی کی ابتدا کا لازمی جز بھی سماج و معاشرے کی دوست اور زندگی کی معروضات کا جب بڑھی ہوں گی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ اپنی بات دوسروں تک بالفاظِ سیخانی جاسے۔ اس لیے تحریر کی ضرورت پیش آتی۔ جب انسان ابتدائی تمدنی دور میں جنگلی زندگی گزار رہا تھا تو اسے کچھ بڑھے کی ضرورت تھی اور وہ اسے واقف

و ادب کی کثافت ہی کی ایک کھنٹی کو لیدر کی گنتو بھی بلاعت کے قلم تحریرات سے بھل ہوتی تھی۔

انگریزی ادب میں سندرہویں صدی عیسوی میں خطوط نگاری کی ابتدا کا پتہ ملتا ہے۔ اس سے پہلے انگلستان میں جو کتب لکھے گئے وہ کچھ دالوں کے ساتھ ہی دجن ہو گئے، صرف پندرہویں اور سولہویں صدی کے خطوط رقت کی شکل میں موجود ہیں لیکن ان میں بھی القاب و آداب کا جو جم خسرانگیز ہے۔ نشاۃ الانبیاء کے آغاز میں بہت سے ایسے خطوط نگار رکھنا پڑے لیکن ان کے مکاتیب بھی آعار و انجام کے قاعدے میں جڑے ہوئے ہیں اور ان میں وہ ظاہر جس کے سو اچھے بھی نہیں سترہویں صدی میں قدیم اطالوی خطوط کے ترچے کیے گئے، لیکن ان سے بھی خطوط نگاری کے باب میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں ہوا، سیمرس ہال جو انگریزوں میں خطوط نگاری کا پہلا امام بنا جاتا ہے، اکی دور کا آدمی تھا اس کے خطوط میں بھی وہی ادبی نفسا ستوں کا التزام ہے انھیں بجا ادبیت اور اصول و ضابطے سے اُوب کر لوگ آسان اور رواں دواں خطوط نگاری کی طرف مائل ہوئے اور آخر کار جون ہیزنگٹن، ولیم کوپر، گورے اور جاس ٹیمب جیسے خطوط نگار منظر عام پر آئے، انھوں نے آداب و القاب سے مرادہ نفس مطلب کی طرف توجہ دی اور خطوں کو دو افراد کے درمیان بے تکلف بات چیت کا ذریعہ بنا دیا۔

اور دو خطوط نگاری کا جائزہ لینے کے سلسلے میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں ستر نگاری پر ابک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔ مجھے اس بات سے قطعی اختلاف ہے کہ کسی بھی زبان میں ستر سے پہلے نظم کا آغاز ہوا کسی بھی زبان میں پہلے پہل بول چال، لین دین و نیز آپس میں گفتگو کا کام چلانے کی ضرورت پیدا ہوئی ہے اور یہ سب باتیں ستر میں ہوتی ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد کا اپنی تصنیف "احیاء" میں یہ کھٹا درست نہیں معلوم ہوتا کہ "یہ عجیب بات ہے کہ ایک چھ پہلے ستر کے پھرات کرنا سیکھے" اس جملے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی زبان کو ابتدا معلفی اور

کتوب نگاری نے ترقی کی ہو لیکن اس کا پتہ اب تک نہیں مل سکا ہے۔ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ روم میں خطوط نگاری کا آغاز تو ہوا لیکن وہاں اس فن کو عروج حاصل ہو سکا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ روم شہر کی راستیں سیاسی اور جغرافیائی حالات کے تحت مکروں میں بٹ گئی تھیں۔ ہر ریاست ایک الگ دنیا بھی جاتی تھی۔ روم کا معاشرہ اور سماج اگرچہ ہر طرح سے ترقی کے نقطہ عروج پر تھا لیکن معاشرت متحد و مٹھی عبادت گاہوں میں، کھیل کود اور ورزش کے میدانوں میں، دوستوں کی محفلوں میں لوگ آپس میں مل لینے تھے اور دل کے غبار اور سر کے بوجھ کو ہلکا کر لیتے تھے۔ اے قریوں اور علاقوں کے علاوہ دوسروں کے وجود و عدم وجود کی انھیں فکر نہ تھی۔ خطوط نگاری کے لیے وسیع معاشرہ، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جاننے کی سہولت اور عملی زندگی سے واقفیت ضروری ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک ایسی زبان کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس میں ہر طرح کے خیال کے اظہار کی صلاحیت ہو اور وہ زبان دور و نزدیک بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ بہر حال یہ تمام خوبیاں اور خصوصیات سب سے پہلے روم، یمن پانی میں گئیں۔ اس لیے مراسلت کی ایجاد کا سہرا قطعی روم ہی کے سر بندھا۔ روم کی زندگی کا عکس اور اس کی معاشرت کی پرچیاں اس سرسود کے خطوط میں ملتی ہیں۔ ان خطوط میں سادگی جو خط کا اصلی جوہر ہے، معقود ہے رومیوں کے مکاتیب کی زبان خطابت اور روزمرہ کی بول چال سے قطعاً مختلف ہے۔ اس زمانے میں خطابت کے اصول اور بلاغت کے قواعد فرائض کی ذمہ داری کی پہلی منزل تھے۔ زندگی اسے خاص صابٹے اور قوانین کی پابند تھی۔ اس لیے خطوط نگاری کے فن کو بھی اسی شکل پر مرتب کیا گیا۔

خطوط نگاری کی بہت سی قسمیں تھیں جیسے مبارک نام کے خطوط، تعزیت نامے، ہنسی خطوط، شاہی فرمان اور تہنہ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام طرح کے خطوط اور تحریروں کے لیے آداب و القاب ابتدا و انتہا کے اسباب مقرر تھے۔ القاب

موزوں کیسے بولا جاسکتا ہے جبکہ اس کے اجزا ابھرنے پڑے
جوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں غلوں، افغانوں اور ایرانی
کی آمد سے یہاں کی زبان میں ان کے الفاظ شامل ہو گئے اور یہ زبان
سودا سلف کے لیس رین کے کام آتی تھی۔ یقیناً اس کے لیے چہرہ
مصرعہ یا شعر قطعی نہیں پڑھا جانا پڑا ہوگا۔ اصولاً ہر زبان کا آغاز
معمولی الفاظ، آسان کاموں اور سہل باتوں سے ہوا کرتا ہے
ذکر قطعی اور مستحق عبارت یا موزوں مصرعوں سے۔ البتہ یہ ایک حد
اور ہے کہ ہر زبان میں شعر سے پہلے نظم کی تصنیف و تالیف ہوتی
اس کی وجہ یہ ہے کہ نظم، شعر کے مقابلے میں زیادہ موثر اور دل پذیر
ہوتی ہے اور اس لیے لوگ اسے زیادہ پسند کرتے اور جلد ذہن
نشیں کر لیتے ہیں لہذا شاعر کی تخلیق پہلے مظهر عام پر آ جاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں تاریخی اعتبار سے نظم ہی کو تقدیم
حاصل ہے

اردو کی پیدائش، یہ ضرور ہے کہ دہلی، آگرہ اور اس کے
گرد و نواح میں ہوئی لیکن یہاں صرف بان جیت ہی
کے کام آتی تھی، تو دیکھ کے لیے فارسی ہی استعمال ہوتی تھی، جبکہ
دکن میں اس زبان میں تصنیف و تالیف کا بھی کام شروع ہو گیا
تھا۔ اردو کو پہلا صاحب دیوان شاعر قطب شاہ دکن ہی
کا تھا۔ شاہ شاہ میں علاء الدین بہمنی نے دہلی کے پادشہ سے
بناوٹ کر کے اپنی حکومت دکن میں قائم کر لی۔ یہ حکومت جو نیک
بناوٹ کر کے قائم ہوئی تھی اس لیے یہاں کے بادشاہ اور امراء
نے دہلی سے الگ راہ اختیار کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی اردو
میں اور دہلی کی اردو میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہاں مقامی الفاظ کی زیادہ
آہستہ ترقی جبکہ دہلی کی اردو میں عربی اور فارسی کے الفاظ زیادہ
چنا چنے جب دہلی دربار میں فارسی کا دور دورہ تھا، اس وقت
دکن کی نئی سلطنت میں اردو کا سرکاری طور پر دخل ہو گیا تھا اپنی
سلطنت ایک اچھے نظام کے تحت چل رہی تھی اس لیے وہاں
رفتہ رفتہ اچھے شاعر اور ادیب جو اردو میں لکھتے تھے دربار سے
دباہتہ ہونے لگے۔

کتاب کے موضوع تاریخی و جغرافیہ میں نظر رکھ کر دیکھنا چاہیے کہ اس بلند خیال اور باکمال فہم کے ابتدائی مسودہ میں کتنا کمال دکھایا گیا ہے جس سے بہتر منتظر برس کے بعد بھی آج ہم نہیں دکھا سکتے۔ لیکن یہ کہ تھوڑے بہت غور و تامل کے بعد چند تعلیمی متروکات کی خدمت میں کی جاسکے مگر غیر ممکن ہے کہ اسے مطلب کی خاطر سب سے اوپر طرز بیان کی دلکشی اس سے بہتر تو کیا برابر بھی لانی جاسکے۔ قلم کلام یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی غنیمت میں مرزا غالب اردو کے ایجاد مرسلت میں سب پر غالب ہیں۔

اچھے خط اور اچھے خطوط نگاری کی خصوصیت مونی چاہیے اور ادبی خطوط جو ایک مطالعہ کا اہم موضوع بن گئے ہیں، کئے کئے ہیں؟ انگریزی کی طرح اردو میں بھی خطوط کی کمی نہیں۔ بہتر سے چھوٹے بڑے ادیبوں کے خطوط چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں مگر یہ بھی خطوط مطالعے کی چیز نہیں۔ کیونکہ ادب کا مطالعہ جالیانی جس کو یہ یاد کرنے اور ذوق کی تسکین کے لیے کیا جاتا ہے دو دو چار ہوتا ہے۔ یہ جان کر ہمیں کوئی مسرت یا رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح ”ہم غیریت سے رہ کر آپ کی غیریت چاہتے ہیں“ کا مطالعہ بھی ذہن دو مارش کو غلط فہم نہیں کرتا۔ ذہن دو مارش اور روح کو مسرت بخشنے والا ادب ہی ہو سکتا ہے اور خط بحقیقت خط ادب کی کوئی صفت نہیں کاروباری یا اخباری مراسلے ادب نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ وہ خطوط جو دو کے مابین گفتگو کے طور پر لکھے جاتے ہیں، ان میں علوم اور بے تکلفی رہتی ہے، جو کہ محض کی نفسیات کا مطالعہ کرنے کا موقع دیتی ہے اور مذہب کے خیال کے مطابق نہ مضمون اور انفرادی تجربہ ہی ادب کی جان ہے، یہی ادب پرانیوں کے خطوط ادب کی جان بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر علی گڑھی نے لکھا ہے۔

”خط ادبی خیالات و جذبات کا روزنامہ اور سرسری جملے

(PHYSICS) اور کیمیا (CHEMISTRY) پر کسی میں نہیں۔ اس طرح اردو میں علمی سسر یا با صبی اکتھا ہو گیا۔ اردو خطوط نگاری کے سلسلے میں اردو نثر نگاری کا منتظر ہائزہ لینے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے زمانے سے نثری تعلیق اور تعقیب وجود میں آئی رہی ہیں تو کیا وہ جو ہے کہ اردو میں خطوط نہیں لکھے گئے۔ دراصل اس وقت تک خط کو لوگ بڑھ کر مینا ڈینے ہی کی چیز سمجھتے تھے۔ ماوشا ہوں کے فرمان اور خطوط ضرور محفوظ ہیں لیکن وہ ادبی مصروفیت کے نہیں ہو سکتے۔ اردو میں غالب سے پہلے خطوط نگاری کا یہ نہیں ملتا کہا جاتا ہے کہ اردو میں غالب نے سب سے پہلے خط لکھنا شروع کیا۔ اس وقت بہادر شاہ ظفر نے انھیں خاندان تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ اور اسی مصروفیت کی بنا پر غالب کو اردو میں خط لکھنا پڑا۔ لیکن غالب کے دو ایک خط مشہور اور سب سے اچھے کے کچھ ہوسے بھی مل گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی غالب نے اردو خطوط لکھے ہوں گے۔ غالب کے اندر جو کمزوریت اجتہاد تھی اس لیے انھوں نے خطوط نویسی میں بھی اپنی ایک الگ نکال لی اور اردو خطوط کو ابتدا ہی میں ہر طرح کی خصوصیت سے سمور کر دیا جس کی وجہ سے اردو خطوط نگاری دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ زبان کی خطوط نگاری کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اور اردو میں تو ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی غالب جیسا خطوط نگار پیدا نہ ہو سکا۔

”محمد ہندی اور اردو کے مطلق ان باتوں سے دلچسپی چھپ گئے ہیں جن میں مرزا غالب کے خطوط کثرت موجود ہیں۔ اس شہرت و اشاعت کے بعد ان کے خطوط خط کی نقل فیصل حاصل نہ کھینچی جاسکے بلکہ اس حیثیت سے کہ اردو زبان میں خطوط نویسی کی ابتدا مرزا نے کی ہے، اس

لے تاریخ نشر اردو ص ۳۵۵ احمد ہمدانی

لے بحوالہ تنقیدی اشارے آل احمد ورد ص ۳۵۵

ہے۔ کیونکہ صرف گفتگو کو ضبط تحریر میں لانا کی مشکل کام ہے، اگر زبان میں صلاحت پیدا ہوگئی ہے لیکن زبان قلم بات کرنا آسان نہیں تحریر کی زبان یا قادیانی فاضل سے پہلے ہوجاتی ہے۔ پھر بالکل سہاٹ ہوتی ہے۔ اس میں بہت کم لوگوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ یوں تو ہزاروں لوگ روز ہی خط لکھا کرتے ہیں اور ان کے مخاطبین ان کے طالب و دعاہیم آسانی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن یہاں خطوط کی ادبی حقیقت سے بحث ہے اسدہ بھی ایسی کہ خط کو

خط ہی ہونا چاہیے کوئی فن بار نہیں۔ جہاں تک ادبی اور معیاری خطوط کا تعلق ہے، یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔ یہ ادبی شیشہ تحریر اور آئینہ سازی سے کہیں مشکل ہے۔ ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں "خط نگاری تو بذات خود ایک ٹرائف ہے اور اس میں کامیاب وہی ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا

بھانسنے کو آیا ہو، خط نگاری کا ایک خاص مراعہ ہوتا ہے اس کے علاوہ اچھی خط نگاری کا ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے، خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ سب سے آسان فن ہے اور ہر اس شخص کے لیے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے لیکن تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن، نازک ترین فن بھی ہے کیونکہ اس میں میاں رنگ پنپنا کوئی آسان کام نہیں۔"

در اصل جو بھی علم یا فن بظاہر بہت آسان ہوتا ہے، اس میں معیار تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سہل منتہی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ اردو شاعری میں غزل سب سے آسان، بنیادی اعتبار سے معلوم ہوتی ہے اور اسی بلے اس صنف کو ہر شاعر نے اپنایا۔ راہ چلتے قانون اور ردیف کے ساتھ معرے موزوں کر بیچے، چلے غزل کا ایک دوسرے مگر

لاہیفہ ہے اس میں صداقت و خلوص ہے جو دوسرے کلام میں نظر نہیں آتا۔ خطوط سے انسان کی سیرت کا عجیب اندازہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہو سکتا۔"

اس سے ظاہر ہے کہ جب خط امتاع کی غرض سے لکھے جائیں گے تو خلوص و بے ربائی جو خط کی جان ہے زائل ہو جائے گی اور اس کی حلقہ تصنع اور تکلف نے لگی آں احمد سرور کے الفاظ میں۔

"اچھا خط وہ کہا جا سکتا ہے جس میں لکھنے والا اپنے مخاطب سے بات کرتا ہو، نظر آئے جس میں بے تکلفی، بے سنجائی، خلوص، فطری رنگ، انفرادیت، ذاتی تاثرات کی جھلک ہو چاہے وہ خط جس میں جان بوجھ کر علمیت کی باتیں، الشاء و ردائی کی باتیں، تکلف کا اظہار، خطاوت کا جو ش دکھایا جائے خط نہیں مضمون میں۔"

بہر حال خطوط نگاری ایک ایسی صنف ادب ہے جو دوسری تمام صنفوں سے زیادہ انفرادی اور شخصی ہے۔ اس میں خطوط نگار خود سے بات کرتا ہو، نظر آتا ہے۔ بظاہر اس کا ایک مخاطب ہوتا ہے اور سن و تو کے ارمیان گفت گوسرور ہوتی ہے لیکن آخر میں من ہی من رہ جاتا ہے اور وہ اپنے دلی جذبات و کیفیات کا ہر ایک انداز سے بے تکلف ہو کر اظہار خیال کرتا ہے۔ ایک تو خطوط نگار کو یہ احساس ہوتا ہی ہے کہ خط پڑھنے والا صرف وہی کا مخاطب ہے وہ سرے درمیان خط لا شعوری طور پر وہ مخاطب کو قبول کر خود سے گفت گو کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے خط کو علم الہی صاحبیہ "نقطہ نظر" میں "باواسطہ خود نوشتہ سوانح عمری اور انامیاتی ادب کی ہئیت" کہا ہے۔

یوں دیکھتے ہیں خطوط نگاری آسان ترین فن معلوم ہوتا

سے تنقیدی اشارے آل احمد سرور صفحہ ۶۴

لے نقطہ نظر، عبدالسی صفحہ ۳۷

سے میرا من سے عبدالحی تک۔ ڈاکٹر عبدالرشید ص ۲۵۵-۲۵۶

ادب آئندہ مازنی بھی... یہ مختصر اور عمدہ دیکھی ہے اور سب سے
سبکوں بھی ہے۔ یہ حصے زیادہ تھیں بھی ہے مگر اس کے کچھ فوائد آتی اور
استعمالی بھی۔ اس میں اس بھی ہے مین بھی۔ بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس
کا ہر دور، پھر بھی دوسرے معرقت کر دگا اور معرفت انسانی
دروں کا یہ کھنڈے کے لیے محض عزم سخن ہو تب بھی
بڑھنے والے کے لیے گنجینہ بن ہو سکتا ہے۔

غالب کے علاوہ سرسید، حالی، شبلی، اکبر الہ آبادی،
ہدی نادی، مثنیٰ برہم چند وغیرہ کے خطوط کے مجموعے چھپ چکے
ہیں۔ لیکن غالب کے خطوط سے ان کا قطعی مقابلہ نہیں کیا
جاسکتا۔ ان میں کچھ مجموعے تو ایسے بھی ملیں گے جو قصہ ۱،
ازاعت کی غرض سے لکھے ہوئے خطوط کے ہیں۔ مثال کے طور پر ابو الکلام
آزاد کے خطوط کا مجموعہ "عبا و خاطر" اور قاضی عبدالغفار
کے "لیلیٰ کے خطوط" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ پھر بھی اردو خطوط
وہی نے غالب سے کافی استفادہ کیا ہے اور یہ ادب کا ایک اہم
موضوع بن گئی ہے۔

لیکن غزل کے موازنہ میں غزل والوں کی تعداد کتنی ہے؟
میر سے لے کر آج تک کے غزل گو شعرا کو پڑھ جائیے
چند کے نام آئیں گے: بید، غالب، حسرت، جگر، وغیرہ وغیرہ
وہ تو ہزاروں نے غزل لکھی ہے۔ اسی طرح خط ہر ایک
انسان لکھتا ہے۔ لیکن ایسے خطوط نگاروں کو انگلیوں پر گنا
جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ
داخلی اور خارجی دونوں طرح کے خیالات کا ذریعہ اظہار
ہے۔ اس میں اور سے معاشرہ اور سماج کی حالت اور
کیفیت واضح نظر آتی ہے۔ تاریخی، سیاسی، معاشی اور سماجی
اور کی حقیقت اس کی سطح آب پر موجزن ہوتی ہے۔ خط ہونا
تو ہے شخصی لیکن اس میں آفاقیت اور اجتماعیت کا جلوہ بھی
ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلومات کا ذخیرہ دستیاب
ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے میاں ایک رسائی حاصل کرنا ہر ایک
کے بس کی بات نہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

"... خط بڑا نازک فن ہے یہ جگر گدازی بھی ہے

۱۷ ہر اس سے عبدالحی تک۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صفحہ ۳۳۶



مصحفوں کے زبانے

(صفحہ ۲۲ کا تعلق)

ہیں

آکھ اُس توخ سم گوسے لڑا بیٹھے ہیں

میں پلے پلے، کئی تو جلا بیٹھے ہیں

(شکریہ آرزو، قلمی) کو ریں کڑن کٹا کچھ ہرج،

عکس ملو کر عیال دلیں آرزو

معصوم کی رہا مانی کے دل میں یہ اعترافات کی تحقیق بھی جو مختہ

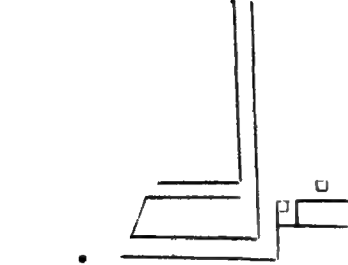
حسین آرزو آج حیات میں پیش کیے گئے۔ دوسرے مصرعین

کے اعترافات سے آئندہ کئی موقع پر بحث کی جائے گی۔



کیا ہوا ہے "آج حیات صفحہ ۳۳۶" لکھ آواز نے اس طرح کے
اشارے کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفت کا تو س نام ہی ہے
کلام تامر و ذوق ہی کا ہے۔ بہر حال یہ اس بحث کا موقع نہیں معرفت
کے مسئلہ ہوئے میں تو آواز کو شک ہے۔ ہو گا۔ ان کا شعر ہے
دوستوں اول تو ہم کو دہلا سکے نہیں
اور ہلائے بھی ہیں تو ہم کی چلا سکے نہیں
یہ معرفت کے اسی ذوق میں موجود ہے جو بقول آزاد تمام و کمال ذوق
کا دیکھا ہوا ہے۔ ان سے بھی پہلا حکم تیار اندر خاں قرآن کلمہ گو سے

سکال جائی



سکون۔ ایسی پی سنجہ سوز

بہت اداس بہت بے قرار گزری ہے
خزاں کے رنگ میں ڈوبی بہار گزری ہے
رچی ہوئی ہے فضا دل میں زلف یار کی بو
ابھی ادھر سے نسیم بہار گزری ہے
جفاے یار سے گھبرا کے میری عمر عزیز
رہ حیات میں بے اختیار گزری ہے
ہزار بار جلائے بھلائی میں نے چراغ
نہ پوچھ کیسے تب انتظار گزری ہے
مجھے نہ بھولے کی بزم نشاط سے خانہ
مری نگاہ سے کتنی ہی بار گزری ہے
نہ جانے کونسی وہ رہ گزار الفت تھی
جہاں حیات بھی اے سوز بار گزری ہے

اس سے ملے کا اگر دین مسایا جاے
سرحد شوقی ملاقات یہ ٹھہرا جاے
آہنجے بے کیفی حالات سے گزریں کیونکر
جیل کے یہ شیخ خراوات سے پوچھا جاے
سمت دربار کے اسد میں اہل حوں
دست دل کے تقاصوں سے نا اہل جاے
آداس چہرہ نگار کے طووں کا ساں
نکھت درمگ کہ ماحول میں دکھا جاے
ہر در دام کو جھوٹی ہوئی گزری ہے بہار
بہار بزمِ حلو کیوں رہکتا جاے
کوئی پیام کی حسن گل یاس ہے
دوب کر سبب حوادث میں جو ٹھہرا جاے
دل کا ہر قطرہ خون نذر کرد گلاں کمالے
راہ میں اصل بہاراں کو نہ روکا جاے

ہوئے اور اسی کریم النفسی، سخاوت، دیادلی، فیاضی، تبرہ علی سے مخلوق خدا کی خدمت کی۔ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ جو فرما میں تباہان مغلیہ کے بموجب ہوتی تھی، محتاجوں، غریبوں اور محتاج مسکین کو صلح سے شام تک تقسیم کرتے رہے۔ دائرہ کار مدد جو خلیفہ مذہبی میں قائم تھا، اس کے تقریباً آٹھ سو طالب علموں کو دونوں وقت کا کھانا مانتہ اور کپڑا ماہ بہ ماہ آپ ہی کے دے تھا۔ تنور ہر وقت گرم اور غریبوں مسکینوں کو کھانا تقسیم ہوتا رہتا عرب و عجم سے علماء کرام مونیاسے عظام اور مشاہیر انام آپ کی شہرت سے کس کس زیارت کی خاطر حاضر خدمت ہوتے اور آپ ہی کے سامان ہوتے آپ کی دات والامفات مرحب خلایق تھی۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کا زمانہ ہندوستان میں مساکین اعتبار سے ایک بہایت پر نور زمانہ تھا۔ سلطنت مغلیہ میں انتشار و زوال کے آثار نمایاں تھے اور ہر طرف طوائف الملوک کی پھیلی ہوئی تھی۔ فرنگیوں کے ہاتھ تیزی و دھڑ سے سلطنتِ ہند کی بڑھ چھوڑے میں منہمک و مصروف تھے۔ ان کی طاقت نے شاہ عالم ثانی کو کبھی بے دسب و پا کر دیا، ہمسفر فروری انگریزوں کا رعب و دہرہ چھاتا عار با تھا مگر شاہ صاحب موصوف نے کبھی ان کی پرواہ نہیں کی اور نادانوں کی حیرانگی حاکموں کے خلاف صرف آرا ہے۔ ایسے وقت میں جانثارانہ و ذہنیانہ دلیں کا ساتھ دینا اور روز افزوں جبروتی اقتدار کے خلاف قدم اٹھانا مصیبتوں اور پریشانیوں کو کھر بیٹھے دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن شاہ صاحب نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور مادر وطن کی محبت کو مادی خوشیوں اور راحتوں پر قربان نہیں کیا۔ شاہانِ اودھ میں سے نواب شجاع الدولہ نے بھی بعض اختلافات کی وجہ سے آپ کی معافی جو سلاطین مغلیہ نے دی تھی، ضبط کر لی لیکن آپ کی فیاضی، کریم النفسی اور دیادلی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ نے اپنی معافی کی منطقی کے سلسلے میں ایک قطع کی صورت میں شجاع الدولہ کو تنبیہ کی ہے جس سے اس واقعہ کی محبت پر روشنی پڑتی ہے :

اے ضبط نمودہ تو دیاستعرا ہم ضبط نمودہ و دولتت از تہر خدا

شاہ محمد ناصر افغنی بن حضرت شاہ محمد یحییٰ معروف حضرت شاہ محبوب اللہ آبادی برادر زادہ و دادا علامہ شاہ محمد افضل اللہ آبادی شارح متنی معنوی "بین الحبس و السور" کے فرزند تھے۔ نام محمد علی کنیت ابو الفضل اور لقب ناصر الدین تھا۔ ولادت آپ کی ۱۱۹۱ھ بمطابق ۱۷۷۶ء عیسوی بروز پنجہداسی دائرہ میں ہوئی۔ آپ کے نام نامی و اہم گرامی سے منسوب ہے۔ حاکم الکتاب نے آپ ہی کے نام نامی پر اس محلہ کا بھی نام دائرہ شاہ اہل اور ملک کا نام شاہ اہل روڈ رکھا۔ آپ کی دات والامفات اہم بائسی تھی۔ فطرتاً نہایت ذہین اور صبر و استقامت میں تھے والد بزرگوار زمانہ طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ مادر گرامی کی تعلیم و تربیت سوسے برس لگا کر کام کما لایے ہم جہتوں میں خالق و ممدار ہونے اور کتب ہی میں آپ کے جوہر نمایاں ہونے لگے۔

مالاے سرش رہو شمس مندی
ی تاقت ستارہ بلندی

آپ کے برادر بزرگوار شاہ غلام قطب الدین صاحب بن بکر اللہ نون صاحب شاہ محمد فاخر محدث ہندی بن شاہ محبوب اللہ آبادی نے آپ پر تصدیق بزرگوار مذکور فرمائی اور قلم و دست کی طرف توجہ دی۔ استاد کے دیوس دبرکات نے چار چاند لگا دیے۔ گیارہ سال کی عمر میں محاسن و محافل میں تقریر کرنے لگے۔ چھبیس سال تک برادر موصوف کی خدمت یا حرکت میں کسب کمالات و تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ علوم فارسیہ و عربیہ، منطق و فلسفہ، معانی و بیان، تفسیر و حدیث، فقہ و عرفی و عرفیہ، کمال حاصل فرمائے۔ علامہ مولانا محمد حبیب الرحمن پوری و مولانا محمد اسلم اللہ آبادی مرید و خلیفہ جبر بزرگ دار خلیفہ رشتین حضرت مولانا محمد حسین پوری مرید و خلیفہ برادر عزیز مولانا محمد نامی مرید جبر بزرگوار، حامی انقضاء محمد ستودہاں ستاگر و مرید حضرت شاہ محمد ناصر افغنی و الدب بزرگوار حضرت موصوف، نواب محمد عاشق خاں مرید و خلیفہ والد بزرگوار سے بھی استفادہ کیا کسب کمالات ظاہری و باطنی کے جسب سجادہ شہیت پر مشتمل

حسرت گفت شاہ اول پرسید کہ باں کجاست بھل
کو یک دم ازین جانب والا ہرگز گاہے گمشدہ تنہا
الغیہ جانب شاہ بسبار
تا دیر زمین نمود سکرار

حضرت شاہ صاحب موصوف سے اور شہنشاہ شاہ عالم
سے برابر خط و کتابت رہی۔ بہت سے خطوط نظم کی صورت میں
دیوان میں موجود ہیں۔ تو ان میں اودھ سے بھی آپ کے تعلقات
رہے اور خط و کتابت بھی رہی۔ جاجپہ، اترہیں آپ کی ربارت
و ملاقات کی خاطر نواب شجاع الدولہ، نواب آصف الدولہ، نواب
حیدر بیگ حاکم دہلی و شجاع الدولہ، شاہ بابا، ہندوستان کی دلی اتھار
صوفیہ غلام، علی اکرام و شجاع الدولہ، شریف لائے جن میں
شاہ عالم شجاع الدولہ، آصف الدولہ، حیدر بیگ خاں، مولانا
سید احمد بریلوی، مولانا اسماعیل شہید، مولانا عبدالحی لکھنوی
علامہ احمد علی شردانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، سکرالعلوم مولانا علی حسینی، لکھنوی
مولانا مادن لکھنوی، میراشارتہ خاں مصدر، میراشارتہ خاں لکھنوی
میر حسن، میر تقی میر، علامہ فضل حسین کشمیری، امجد علی فروغ اہل اہل
صفویہ مرزا حاتم بیگ دانی، مولوی نور الدین واقف، مرزا حکیم بیگ
خاں صاحب تدکیر، مودھ دھیدہ، ترمذی خاں راقی
مرزا اہرٹ علی خاں، نواب احمد علی عشرت، مرزا فاخر مین، مرزا
افضل علی، ڈاکٹر، نواب محبت حاکم مستقیمہ، شیخ علی مرتضیٰ صاحب
کرام سے آپ کے ہمت اچھے تعلقات تھے یہ حضرات جب اللہ پاؤں
لائے آپ سے شرف ملاقات حاصل کرتے یا آپ ان کے دیار میں
تشریف لے جاتے تو ان کے ہمان ہوتے۔ ان حضرات سے برابر
خط و کتابت رہی۔ بہت سے شاہیہ کرام کے خطوط حضرت مولانا خاں
بدا صاحب اہلی شجاع الدولہ دارہ شاہ اجمل کے پاس موجود
ہیں جن سے شاہ صاحب موصوف اور شاہیہ عصر سے تعلقات ظاہر
دلی پر روشنی پڑتی ہے۔

شاہ صاحب موصوف کو ہندوستان جنت نشان سے بہت

زیر شیوہ ناصواب باز آگیا ورنہ تو سراسر خود بینی یا با خدا
(اسے میرے دیوانوں و معانی) کو ضبط کرنے والے تیری سلطنت خدا کے قہر
سے ضبط ہو جائے۔ اس برس کام سے باز آؤ ورنہ خدا کی قسم تو اپنی سراسر
پہنچے گا۔)

اس قطعہ کے رقم کرنے کے ایک ماہ بعد نواب شجاع الدولہ
راہی ملک بٹا ہوا اور آپ کے امتحان کارنامہ ختم ہوا۔ نواب شجاع الدولہ
کے جانشین نواب آصف الدولہ نے معافیاں و نگہداشت کر دیں لیکن
اگر نیر نے شاہ ابو المعانی کے زمانے میں جو آپ کے بیٹے تھے وہ
معافیاں جب اہل حق کے جرم میں ضبط کر لیں معافی کے ضبط ہوتے
ہی سارا نظام درہم برہم ہو گیا یہ واقعہ آپ کے خاندان عالی شان
کی پریشانی کا باعث ہوا۔ مگر ستر ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ دائرہ
کالم و فضل و عروج و کمال سب کچھ ختم ہو گیا۔

حضرت شاہ محمد اجمل الہ آبادی علم و فضل، مہمان و کمال میں
اپنی نظر آپ تھے۔ ہر شخص آپ کی طرک کعبین جلا آتا تھا جس میں
شاہ و گدا، امیر و فقیر، عوام و خواجہ کی کوئی قید نہیں۔ شہنشاہ
ہند شاہ عالم کو آپ سے کمال عقیدت تھی۔ جب بھی الہ آباد میں
تشریف لاتے تو دوران قیام میں حضرت شاہ صاحب موصوف
سے برابر ملاقات رہتی بھی شاہ صاحب موصوف میں تشریف لے جاتے
اور کبھی شاہ عالم خود در شاہ اجمل پر حاضر ہوتے۔ آپ کے برادر
عمر زاد حضرت شاہ غلام تغل الدین صاحب جگ کی خاطر
حسین التبرین جانے لگے تو شاہ عالم کی خواہش پر دلی تشریف لے گئے
اور وہاں شاہ عالم کے عہدی ہمان رہے۔ شاہ اجمل صاحب موصوف
کے بارے میں شاہ عالم نے بہت دیر تک گفتگو کی اور ان کی شہرہ و
پہچان سے جس کو آپ نے نظم فرمایا ہے۔

در عین حوادث زمانہ سداً داخل دہلی آں یگاہ
چوں شاہ شہید مقدم او کردار پیچیدہ و دیوانگ و دد
لیکن از خون کا فرادوں رطلو شستہ بود محزون
در پیش طلب نمودنا چار اکرام ز حد نمود بسبار
بزہاست زجا و پیش آمد در طع زحد و سبش آمد

محبت و عقیدت تھی۔ مادر وطن کی حفاظت کے لیے اور سرکلی اقتدار پسندوں کے ناپاک ارادوں سے آپ بے حد متکرمی رہتے بلکہ ان کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملانے اور ان سنگجوں سے ملک کو چھڑانے کے لیے آپ برابر کوشاں بھی رہتے آپ نے ملکی طور پر ہندوستان کی آزادی میں حصہ لیا۔ جب تک ستم ناواں میں جان باقی رہی انہیں بارے وطن کی آزادی کے لیے سب کچھ کر گزرے اور براہ راست انگریزوں سے ٹکرانے علیٰ حزیں جیسے غلط دوست نے جب ہندوستان کی بوجھنھی اختیار کی تو آپ اسے برداشت نہ کر سکے اور آپ نے علیٰ حزیں کی ربا عیوں کا ٹھہر توڑ منظوم جواب دیا جس سے دونوں حضرات میں تلخی بڑھ گئی اور تعلقات خراب ہو گئے مگر آپ نے پرواہ نہ کی آخر میں علی حزیں نے ہندوستان کی بوجھت سکوت اختیار کیا اور آپ کے برادر عزیز اور قطب الدین مصیب کو ایک خط لکھا جس کا یہ فقرہ "آں جوان الہ آبادی ناطقہ ام سدا کردہ است اور امنغ باید کردہ است منور ہے جب آپ کی ربا عیوں ہندوستان کی مدح کی صورت میں علی حزیں بات کہیں تو انھوں نے اپنے طنز کو بدلا اور سدا صاحب موصوف سے طالب معافی ہوئے اور ایک قصیدہ آپ کی شان میں لکھا جس کا یہ شعر مشہور ہے۔

یا حارلی تو حد قولے حدت نجد ذالحمیل البدا یا ایا کل الکلائی
فریقین کی ربا عیوں درج دیں ہیں حضرت شاہ اجل اللہ آبادی کی ربا عیوں ہے اندر حب الوطنی، یونس جھنگنی، اور مادر وطن سے عقیدت و محبت کا جذبہ رکھتی ہیں۔ ملک مادر وطن ایسے مایہ ناز سپہنژوں پر ناز کرے گی اور حب وطنی کو کوئی وقت آئے گا ان کی قرباں ہوں احوالوں نے علی اور قلمی کی ہیں وہ ہمارے لیے مستقل راہ ثابت ہوں گی

رباعی علی حزیں

دیم سواد ہند حسرت را راست رد یکدم چوں تمام بحر انا راست
نت است بکار ہر بناہ محبت گاہ الا گر ہے کشادہ در شلوار راست
از ترجمہ ہم نے دیکھا کہ ہندوستان کے نظاروں پر حسرت برس رہی

ہے اور دن ایسے سیاہ ہیں جیسے بحر کی تمام۔ برہاں کے لوگوں کے تمام کام قسم کی گرہ سے بندھے ہوتے ہیں سوائے شلوار کی اس گرہ کے جو کھل ہوتی ہے۔

رباعی شاہ اجمل

صبح طرب ہند چورے مارا ست نام خوش ادا کا کل دلدار است
ابن حاتم کشادہ صدمہ لڑاں دریں جزاک گر ہے کہبت در شلوار است
از ترجمہ ہندوستان کی صبح طرب مستوک کے چہرے کی طرح ہے۔ اور اگر کی خوب صورت نام محبوب کی رفا کی مانند ہے۔ یہ جگہ در سدا لاکھوں فیض کے ساتھ کشادہ ہے سوائے ایک شلوار کی اس گھر کے جو بندھی ہوئی ہے۔

رباعی شیخ علی حزیں

ہجرت ز عفو تیم داد یہ ہند از ہند بیکر فارہ کن یاد یہ ہند
عصیان، برجہ جسم می برد را آدم دھنفاے غلدار فاد یہ ہند
از ترجمہ: ہجرت سے سدا کے واسطے مجھے ہندوستان پہنچا یا ہندوستان کے فکر سے میں اپنے کلیجہ کو کھاتا ہوں۔ خدا کی نافرمانی مجھے جہنم کے راستہ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدم اپنی نافرمانی سے جنت کی نفا سے ہندوستان میں پھنس گئے

رباعی شاہ اجمل

لے ہا جی سدا باش دل تاد ہند نیز دھنفاں را کن یاد یہ ہند
ہند است کہ نعم البدل خودی اس آدم دھنفاے غلدار فاد یہ ہند
از ترجمہ: اسے ہندوستان کو ہجرت کرنے والے یا اسے ہندوستان کی ہجو کرنے والے ہندوستان میں خوشی کے ساتھ رہے اور یہاں رہ کر تو سدا در اصفغان کو نہ یاد کر۔ ہندوستان جنت کا نعم البدل ہے اسی لیے حضرت آدم فضا سے جنت سے ہندوستان بھیجے گئے تھے۔
ہر کسی کو کہ ملک خلیق افتاد یہ ہند برگشتہ نہ رفت ماند رشاد یہ ہند
سیدوں اور غلکس۔ تو ہاگر وید از آجاست کہ نیا بدھوت یاد یہ ہند
از ترجمہ: جو شخص اپنے ملک سے ہندوستان میں آیا برگشتہ خاطر ہو کر نہیں لوٹا اور ہندوستان میں خوشی سے ٹھہر گیا اس خلیق بھی ہندوستان سے کوئی چاہنا بدھوتیں کرے گا۔ اس لیے کہ ہندوستان میں رہ کر

ترجمہ - اسے ہندوستان کی طرف آئے اسے تو ماکمل خوف نہ کر رہا تھا۔ ہر طرف جادو جگمگاتے دلی روستی کو دیکھ کر ہندوستان بہت مہمان داز ہے یہاں کیا دیکھنا نامرہب کی دوتی کھاتے ہیں (دو نوں حضرات کی رہائشوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کی رہائشوں میں کیا فرق ہے۔ علی حربی اہل زمان ہیں لیکن ان کی رہائشوں میں وہ زور بیان نہیں ہے جو شاہ صاحب موصوف کے یہاں موجود ہے۔ تخیل کی بلندی کا اندازہ نہیں ہے جو نامہ کے علی حربی کی اڑان سامنے کی ہے وہ بلند مصائب نہیں لاسکے لیکن شاہ صاحب موصوف کے یہاں بے ساختگی کے ساتھ ساتھ بلند مضامین بھی ہیں اور اسی کے ساتھ حب الوطنی کا جذبہ بھی غالب ہے ان رہائشوں میں انھوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب موصوف بڑے زورگوئے تھے جانچو جربستہ اور فی الدین بنو لیس کہنے کا ذکر اتفاق ہوا ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں آپ شعر کہتے تھے آپ کی فارسی کی مشہور مثال جو کچھ میں آپ نے جربستہ کہہ کر پڑھی تھی میں خدمت ہے:

خوشد و خوشم بہ شہنشاہ نندام چو تیغ رستم زنگار نندام
مہرمنہ بیکس نشود تیغ غم نیست آن جس گزاف و خسران نندام
دکان دلم زائن عشق است فزون غم نیست اگر گری بازار نندام
کئے حاجت حاجب بن و خطروں بال صحر است مقام در و دیوار نندام
درد دل و من عین علاء است دلدار اندیشہ درد دل بیمار نندام
دام سر زلف و تو کار بہ تو دارم دیگر کہے کس سر و کار نندام
آئینہ صفت و صفت تو راں منم چل
مخدوم اگر قیمت و مقدا نندام

حضرت شاہ اجل صاحب کی تمام تصنیفات و دیوان جناب شاہ سید احمد صاحب اجل سجادہ نشین دار شاہ اجل کے کتب خانہ میں موجود ہیں جس سے آپ کے شعر علی براہی روستی بڑی ہے حضرت شاہ صاحب موصوف کی ساری زندگی خدمت علم (تقریباً ۳۵ء)

اسے اپنا وطن یاد نہیں آتا۔)

رباعی علی حربی

دہلی کہ ہولہ نہ تیش اگر سر پہ باد حق اور چو تیر گداز آئینہ است
برود و دلف است ہم چو دلیز تر خیمہ آرزو دلی مخف و دلیر است
ارجمہ دہلی جس کی آب و ہوا کا بخوں سے بھری ہوئی ہے اور اس کی
اچھی ہوا بھی مانگو اور بوسے بسی ہوئی ہے، اس پر وہ بار تھ ہے جس
طرح جہنم کی دلیز پر۔ نیک دہلی دلیز کا مخف ہے۔)

رباعی شاہ اجل

دلی خاکس خاک خلد آئینہ است ۱۱ ہر کو یہ سوا خوشی جہنم است
برود دریا میں است چو دلیز تر خیمہ مشک ملی مخم دلیر است
(ترجمہ - دہلی کی خاک جنب کی خاک سے ملی ہوئی ہے اس کا ہر کو یہ
خوش منظر اور عریضے بسا ہوا ہے۔ اور یہ جنب کی دہلیز کی طرح
دنوں کی مجلس اور ریاحین کی خوشبو سے بسی ہوئی ہے۔ نیک دہلی
دہلیز کا مخف ہے۔)

خاک دہلی خاک خلد آئینہ است دلیر نیم است کہ جہنم است
جو مرقہ فاضل جنت آن صفت دلی نیک مخف و دلیر است
(ترجمہ - دہلی کی خاک جنت کی خاک سے ملی ہوئی ہے اور یہ جنت کی
دہلیز سے ملی ہوئی ہے اور یہ جنت کی دہلیز سے خوشبو سے بسی
ہوئی ہے۔ یہاں فاضل جنت کے حراز ہیں۔ دلی نیک دلیر
سے ترجمہ ہے۔)

رباعی علی حربی

زطلعت بند سفلہ انگیز مترس در تیرگی شب اسے بحر جہنم ترس
ہرگز پاکے زخمی بند بدار باور و حسد ہیر مترس
(ترجمہ - ہندوستان کی اوچے بن سے بھری ہوئی تاریکی سے نڈر
رات کی تاریکی میں اسے صبح کے اٹھنے والے خوف دکھا۔ ہندوستان
کی دشمنی ہے ہرگز خوف نہ کھا۔ بڑوں تو نامور کے حملے سے نڈر۔
رباعی شاہ اجل

لے آدھ درہند تو گمیز مترس ہر سو فرسے بہ میں کوخیز مترس
مہاں پر درہند باندہ سہار نان می یاد ہے مردیہ ہیز مترس

وانعامات پر غور کر رہے تھے گا نہ جی جی کا خیال آتے ہی محبوبوں نے ایک قبیل مدت میں تانچے کے دھارے کو مل کر رکھ دیا تھا، پہاڑی کھوکھو سے بے ساختہ آفسوال بیٹے۔

سارا دن ہرے ہرے تقریباً ہر گھنٹہ میں جشن منایا جاتا رہے۔ عام آدمی کی خوشی میان سے ابھری۔ شام کو مقامی تھیلے میں جو کچھ بچھا ہوا تھا ایک اچھوتا سا ٹانگہ پتھر کیا گیا۔ اس ٹانگہ کا عنوان تھا "بھارت کے مختلف ادوار" اس ٹانگہ کی تصویر میری اور قریب چن دن کے دماغ کی پسداد اٹھی۔ ٹانگہ تھیں دیکھ کا ہی کھا ہوا تھا۔ اس ٹانگہ کے احصاء پر مجھے ادھر ادھر صاحب کو تقریر کرنا پڑی۔ آخری سیرس میں ایک چھوٹا سا لاکا اسٹیج پر آتا ہے اور بڑھتا ہے۔

"کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ کیا میں آپ کو یاد آتا ہوں؟ آپ کو ضرورت بھی نہیں۔ میں نے کبھی اس کی توقع بھی نہیں کی۔ بڑے کسی صیل اور احصاء کی توقع کے میں سولی پر چڑھا اور جان سدا کر دی۔ میں خودی رام ہوں۔ آپ کو میرا نام یاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں مگر میں آج سب خوش ہوں کیونکہ میری جان بکا رصالح نہیں ہوئی۔"

حسن اعزاز میں یہ الفاظ کہے گئے تھے اس نے مجھے سجدتا کر کیا اور مجھے وہ سب لوگ یاد آ گئے تھوٹے آراء کی کے مقصد کے لیے ایک جا میں دریاں کر دی تھیں۔ میرے آنسو بہنے لگے اور میں بال سے باہر نکل آیا۔

تمام رات وہ الفاظ "کیا میں آپ کو یاد آتا ہوں؟" میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا "کیا ہم ان کو یاد کرتے ہیں؟" اگلے ہی دن ہم نے یہی سوالی طور پر مصیبت زدہ لوگوں کو ذرا دیکھ دینے کا سہوہ سنا یا۔ ہم نے ملک میں شہید مسو ریل ہال کی تعمیر کے لیے رقم مسطور کی جہاں ان نام لوگوں کے ناموں کی تختیاں دیواروں پر آویزاں کی جاتی تھیں جو پولیس کی گولیوں سے ہلاک ہوئے تھے اور انھوں نے جہد و جداء کی ایسی میں ایسی جانیں قربان کر دی تھیں۔ لیکن کیا یہ سب کچھ کافی تھا؟

چراغوں کو لوں نے بیٹے ذریعہ معاش کو تیاگ دیا تھا اور راستوں پر بھیک مانگنا گوارہ کیا تھا۔ ہر اردو نے اپنی املاک کھوئی

یادگار دے



ڈاکٹر ہرے کرتے مہتا بنے

رات کی ایسا ہی حتم ہو رہی تھی۔ مشرق میں صبح کی سرخی بدستار ان کی تاریخ میں ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان کرنے کے لیے نکل رہی تھی۔ شہر دھکک کی گھنٹا آجی رات ہی سے صلیوں قومی تراویں اور گھوڑا دھول کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہاں کی ساری آبادی رات کی سیاسی کھلڑا جلد و در و در کرتے پرتی ہوئی تھی۔ ادارتی قلعہ میں واقع اپنی سرکاری کوٹھی پر چڑھ چکے تھے گورنر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے ہی میں گورنر کا ٹوٹے ملقات کے لیے محل بڑا جو ایک سر تاریخی مقام لال باغ میں سکونت پذیر تھے۔ ڈاکٹر کا ٹوٹا سر آدھے میں پہل قدمی کر رہے تھے اور جیسے ہی میں وہاں پہنچا انھوں نے میرا ہاتھ ختم لیا اور نکل گئے ہوئے آدھ مدت آئینہ آواز میں کہا "مہتاب صاحب کتنی صدیوں کے بعد" میں نے فوراً جواب دیا "تقریباً ہر سال جلد انھوں نے دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ لے ہوئے کہا۔" آپ جیسے تاریخ داں ہیں؟ ہم دونوں بیٹھے اور تاریخ کے اس دور کے بارے میں بات چیت کرنے لگے بلکہ بدستار ان عوام نے کیا صدیوں کے لگ بھگ سب میں دیکھی لینا باطل ترک کر دیا تھا اور اگلی صدیوں میں یہ بھی اس کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا تھا کہ انھیں سرکاری معاملات سے کوئی منسلق نہیں نہیں رکھنا ہے۔ اور وہ نفع کو رکھ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ صرف والوں اور اجاڑوں کی دعا بابت تھے۔ گدا دہ جی نے اپنے اچھا رے اس حقیقت کو توڑا۔ یہ عوام یہ تھے نہ کوئی راجہ یا قوایب کی طرح بھوں کے آزادی کا حصہ تھی۔ یکیتش مجموعی ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی عوام کی اس جلد و جہد سے الگ تھلک ہی رہا۔ اور اس وقت جبکہ ہمارا تاجی

اپنی حدود و ہند کے دوران کی تھی۔ اس وقت کوئی امید باندھنا ایسا ہی تھا جس میں کسی ہمارے سر کو تاج یا جو آزادی حاصل ہونے پر میں محسوس ہوا کہ ہم نے کچھ حاصل کیا ہے۔ اب پچیس سال بعد جب میں اپنی برطانوی انتظامیوں کو اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا ہم عوام کی امیدوں اور حوصلوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں یوں ہی طرح سہید ہو رہے ہیں۔ بلکہ آزادی اسی حکم کو ایک انجام ہے۔ ان کو ڈوں لوگوں کے لیے اس سے عوامی زندگی یا دوسری کے ساتھ جو رہے ہیں انہیں ایسے اور کچھ دوسرے نہیں رہا ہے۔ کیا وہ خود اعتمادی کے جذبہ کو دوبارہ حاصل کر چکے ہیں؟ کیا انہیں احساس ہو گیا ہے کہ یہ ملک ان کا کام ہے اور وہی اس کے سچے اداکار ہیں؟ آج ہماری قسمت کے آپ ہمارے پچیس سالہ تاریخ کا فیصلہ سدرجہ الاسالات کے جو امات پر مبنی ہے۔ بہت کچھ حاصل کیا گیا ہے مگر بہت کچھ حاصل ہونا باقی ہے۔ عوام کی خود اعتمادی اور یقین ٹکراس کا بیاڑ نہیں کیونکہ یہ عوام ہی ہیں جنہوں نے آزادی حاصل کی ہے اور وہ اس ہی اس کو برقرار رکھیں گے اور وہی اسے پروان چڑھائیں گے۔

تھی اور خوش خوشی اس وقت کو برداشت کیا تھا۔ سینکڑوں لوگوں کی بادی گئی تھی اور آزادی کے خواب دیکھنے والوں کو خوشی وار برکاد لگایا تھا۔ آج کے ایک بڑے سچے کو سنے دو کہ خوشی کدیر کہتے ہوئے سرور ہوا تھا سیاست میں قطعی لچکی نہیں تھی۔ آزادی خود ایک انجام بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

سیاست کے دورِ اتادہ وہ بات سے نہیں موصول ہو رہی تھیں کہ لوگوں کے ساتھ خوشیاں اور خوشی سب ہمارے ہیں۔ صلہ کو آپ میں باہل، الگ تنگ بیسے والے قیلے کے لوگ بھی خوشی سے ناواقف رہے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ گاندھی جی ہمارا راج کے راجہ بن گئے ہیں اور ان کی تمام صعوبتوں کا خاتمہ قریب ہے۔ حقیقت میں یہ سب حضرات ان قیلے والوں کی ہی حدود نہیں تھے بلکہ تمام آزادی اس سے متاثر تھی کہ ارضی کی تمام مصیبتوں کا خاتمہ گوری ہوئی اور ان کے ایک نامور شگوار خواب کی صورت میں ہونے والا ہے اور یہ کہ نیا دن تینوں اور خوشحالی کا دن بن کر سرور ہونے والا ہے جس کی تباہی ان کے



ایکے عظیم مجاہد وطنی۔ شاہ محمد علی علیہ السلام (ص ۳۵۰ کا تعلق)
سال تاریخ پر حاش از فرد گفت یافت رفت در دوس صاحب تذکرہ دود و دوش مظہر حسین صاحب گاموشی نے اپنے تذکرہ میں حالات شاہ اہل بران الفاظ میں روشنی ڈالی ہے "شاہ محمد علی علیہ السلام از مقربان بارگاہ الہی بود ولادت با سعادت دی شیش شنبہ یار دہم شوال سنہ ہجری دہش وایہ واقعت است و دانش مرہ ذی الحجہ سنہ ہفت و شصت و یائین و الف بمصر فنا دوز سال ۲۹ ص ۲۹ اس کے علاوہ شاہ صاحب کے حالات سنیہ ہدی ص ۱۰ تذکرہ شعر شہ (میر حسن) ص ۱۲ گلشن ہدی ص ۲۲ گلشن ص ۲۳ حادۃ الشعر علی حرف الف سنیہ (الجمعیۃ الفی) سراج مدنی، اور مزارت شمارہ ۷۱ جلد نمبر ۲۸ وغیرہ میں تفصیل سے مل سکتے ہیں۔ اجمالی سہ ماہی میں شمارہ ۱۸۱ جلد ۱۸ مزارت جلد ۱۲ قسط اول و دوم جلد ۲۸ وغیرہ میں تفصیل مل سکتے ہیں۔

ادب اور خدمت قوم و وطن میں گری اور آس عالم اہل اور عظیم مجاہد وطنی نے یکم ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء بروز پنجشنبہ قبل نماز ظہر بمصر پچھتر سال دو ماہ و اڑتہ مذکور میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی اور درود قلب الاقطاب حضرت شاہ محمد افضل علیہ السلام میں اپنے جد ماری کے پہلو میں دفن ہوئے۔ "دفن الامجل جنب الفضل" تاریخ وفات ہے۔ صاحب معاش التواریخ آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں "شاہ محمد اکمل اللہ آبادی از اولاد شاہ خوب اندر است و پیر اور خود شاہ غلام قلب الدین مصیب ابن شاہ محمد فاخر زائر مخلص ابن شیخ خوب امیر بزرگ خاندان ایمان حیا است بصفات سیدہ موصوفت بود و حسن یک ہزار و دو صدی و شش ہجری مگر شہت و ابن تاریخ و رفت از زموی قزاقست ۱۳۸۹ ۱۸ از جہاں چون محمد اکمل شاہ رفت سے جہاں چوترا از قزاق



افسانہ



* سلام بنو زلادے

س کی کوسوں میں اس اور ملتے دوں کا ہر گھر، ہر گھری
 بھات کے الفاظ اُس کے کاؤں میں گونجتے رہے۔ اور وہ اندر ہی اندر کسی
 گھر سے بے گناہ ایک خطے کے تصور سے کام لے رہی تھی۔ وہ کبھی
 اپنی ماں کی یاد کو درست کر کے لے کر، کبھی اپنی ماں کی یاد سے
 کے بھانے اُس کی کسی کو ایسے ہی اندر صحت کر کے کی کو کسٹھ کرتی۔ ابا
 حال بلے کے لیے پیر سے کہاں کمال کر باری کے لئے ہی کھڑے جا
 ڈالے۔ بس میں بیٹھے بیٹھے آج ہی کم سے لے جئے ملٹی مگر کے لئے
 اوراق الٹ ڈالے مگر بے سود۔ یہ گھاس کے الفاظ وہ اس کی سرگوشی
 بس کی رفتار کے ساتھ اس کا تالاف کرتی تھی بس کی کھڑکی سے آتی ہوئی
 جواں بھی بھات کی کسی گھری آواز کھلی ہوئی تھی اس کے جس آواز
 کھڑکی کا حینہ پر لٹا دے مگر کوسوں ہو کر اس کے سر پہ لے آواز کو کھڑکی کے
 تھی اس کی بیانی پر لٹا دے جھلک آیا ہے۔ اس نے بھیجی میں دیا ایسا جھٹا سا
 رد مال بیٹانی پر پھر اس مگر تھلی سے حتمی سیسے کی دھڑ سے رد مال پہلے
 ہی سے کافی لٹا تھا۔ اُسے لگا آج بس بہت دھڑ سے چل رہی ہے۔ وہ جاتا
 بھی بس اتنی سر پہ لے کر وہ اُس کے خیالات بھی اُس سے کچھ جھوٹ جائیں
 اور وہ بالکل بالکل بھلکی ہو کر اُس کے جھوٹے کی طرح دور بہت دور پہلے
 حاسے، جہاں اُس کے خیالات بھی اُسے پہلے سکے۔ کون کی بھات کے
 الفاظ اُس کی بھیجیسا ہٹ اُس کے خیالات کے کہ جوں رسوا ہو کر اس کا
 تعاقب کر رہی تھی۔ مگر اس ہر اسٹاپ پر اور اور گھر رہی تھی۔ اس حبیبی
 رُک رہی وہ اصطلاحی طور پر کچھ لٹ کر دیکھنے لگتی۔ جیسے اُسے خطہ ہو کہیں
 پر بھات اُس کا کھانا تو نہیں کر رہا ہے۔ اس کی نظریں ہر اسٹاپ پر

میں میں چلنے والے مسافروں کے چہرہ پر لے کا جائزہ لینے لگتی کہ کہیں
 ان میں کوئی بھات تو نہیں؟ ایک دفعہ اس نے ایسے مصطوب اور
 یہ طرح پر آگاہ دہیں کو کچھ راحت دے کے حال سے اپنی آنکھیں بند
 کر لیں اور اپنا سر کھڑکی کے تیسے سے ٹکا دیا۔ مگر اس سے بھی کوئی فائدہ
 نہیں ہوا۔ آنکھیں بند ہوتے ہی نہ صرف بھات کے الفاظ ان میں
 گونجنے لگے۔ بلکہ دہن کے پردے پر اُس کا ہنسنا لونا پہلا بھی اُبھر آ رہا۔
 اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس بھڑکی اسٹاپ پر اُس کی تھی اور
 مسافروں کا راجا بھی لڑکوں کی طرح اس کے درد ان سے داخل ہو رہا
 تھا۔ اس کی ساری سٹیں بھری ہوئی تھیں۔ سنے آئے والے مسافروں
 کے لیے بالکل جگہ نہیں تھی۔ کڑکھڑکے سے گرنے گرنے سے ہی اُس کے دس
 مسافر کھس آئے اور کھڑے درد اس کے ڈاڈا کیڑے اندر کھسے کی کام
 جد و جد کر رہے تھے۔ کڑکھڑکے چلنے سے گھسیٹا کھادی اور اس ایک
 دھچک کے ساتھ بدل ٹپ۔ سنے کھس آئے والے مسافروں میں ایک
 لوجواں بالکل اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دھچکوں سے لوجواں
 کا جسم بار بار اُس کے تین مادوں سے جھوٹا تھا۔ اُس کے ورے جسم میں
 جوڑاں ہی دنگے گھس۔ وہ بار بار اُس کی طرف دھڑکتی رہی تھی مگر کوسوں
 تھی کہ ہر ایک کوس کے اندر وہ اسے اندر کو لوجواں کے جسم سے لگا کھلے
 سے۔ یہ بھیجی۔ اُس نے ایک بار گردن اٹھا کر لوجواں کی طرف دیکھا۔ ایک پتہ
 سے اس کی جھٹ سے لگا ڈپے کو کھڑے تھا اور دوسرے پتہ سے کڑکھڑ
 کو کھٹ کے سے دے رہا تھا۔ اُس کا دھیاں اُس کے باروں کی طرف بہت تھا۔
 آخر تھک کر اُس نے اپنے جسم کو ڈھلا جھوڑا۔ لوجواں کے سٹوں کی لڑکوں
 اُس کے باروں کے ذمے اُس کے سامنے جسم میں کھڑک رہی تھی۔ وہ در آ
 گھر سے اُس اور اُس سے گھر آئے جانے سے سے سر کر رہی تھی۔ صبح تمام اسی
 طرح کی بھڑ بھڑ رہی تھی۔ اُس کا جسم بھی ہی دھوا اسی طرح قلعہ جھوں سے
 لڑکوں کا تھا۔ مگر اُس لڑکوں کے اُس کے جسم میں کسی قسم کا ارتقا نہیں
 پیدا ہوا تھا۔ پھر اُس کو ایسا ہو رہا تھا، اُس سے ٹھوس کیا آج
 بھات کی بات سے سے کوس سے ہی اُس کی جھلا اس حد رسا ہو گئی تھی
 غم جسم بہت جھوٹا تھا اُس کے سامنے دو دو میں ایک نرم محمد می
 سدا کے دے رہا ہے۔ لکین حب سے سبھی ڈر کم میں داخل ہوا تھا اس کے

ٹھہرائے ایک لمحے کے لیے جیون بھری حوصلے سے اس کی طرف دیکھا
بھر کچھ ٹھک کر لی۔ ”نہیں، ہمیں تم کیلئے بدل کر آٹھائیں جنس
جائے گرم کے دیتی ہوں۔“

”میں کیلئے بدل لوں گی۔ مگر آپ سناج آرام کئے۔ سزا آج
روٹی ملے کو جی جانا ہے۔ کتنے دن ہوئے کچھ جملے کے اس ٹپے۔
آپ صبح سے سام تک کہیں رہتی ہیں۔ اُسے، آپ ہاتھ دھوئیے، من بھی
کڑے بدل کر آئی ہوں۔“ ٹھہرائے مڑھالے جبر سے ہر ایک بھی بھکی
سی سکڑا ہٹ بھیل گئی۔ اُس نے اُس کیلئے تھکے امداد سے کہا۔ ”میں بھی
تو کھل کھائی ہوئی ہوں۔ مادہ کڑے بدل کر آؤ، مہا دھو لو، صاف
تک میں ملے گم کے دیتی ہوں۔ روٹی چاہے بعد میں نہیں سیک لینا۔“

اُسے آج ساس کے بچے سے شفقت ٹیکتی نظر آئی۔ معلوم نہیں کیوں

اُسے آج ایسے اگھر گئے، اس کی ہر چہرے پر ایسی بوڑھی ساس سے

اے اہم امت پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے لگا اس چھوٹے سے گھر کی ہر چھٹی ہڈی

جینز اس کے دھڑے بہ گہرائی تک بڑی ہوئی ہے اور ہر شے سے

اُس کا اوٹ ماطہ ہے۔ اس کی کیو میں اس میں جس سے صبی بانڈونی

اصطراب کا اُسے احساس ہو رہا تھا اُس کا اب کہیں ام دلتی نہیں

تھا۔ اب وہ ایسے اس چھوٹے سے گھر میں اُس سپاہی کی سی راحت

محسوس کرتی تھی جو تھموں کے رے سے کھل کر کسی مہو جادو میں غفلت ہو گیا۔

وہ جلدی سے اپنے کمرے میں گئی، کپڑے بدل کر ایک مولیٰ سی ساڑھی

لبٹ لی۔ مل کے نیچے جا کر ایسے جبر سے رٹھنڈے پانی کے دتیں چھینا

دیے۔ منہ پوچھتی آئیے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ بیتانی اور نکالوں

یہ دتیں چھوٹی ٹوٹی کو درست کیا اور کچھ جس ساس کے سیلو میں حاشی

ٹھہرائے نیچے کا یہ لدا اُس کی طرف ٹھہرا دیا۔ وہ جائے کو دھیرے

سب کرنی ملے ہوئے اسٹوڈی طرف دیکھنے لگی۔ اسٹوڈی پر سنا بد سری اب لہری

تھی بڑھیا آٹا گوندہ جی تھی اس نے جلدی سے جائے تم کر ادروٹی

”ہاں جی! اب آپ جا کر آرام کیجیے۔ میں ابھی روشاں سیک لیتی

ہوں۔ گڑا آٹا ہی ہوگا۔ وہ آتے ہی کھانا مانا گئے گا۔ بڑھیا نے ایک لمبی

سالم کھینچی اور جیب حباب اٹھ گئی۔ ایسی سالم کی سرد آہ کے کیچے

جیسے ہوئے کیلئے روٹی چھن کر اُس نے بھی محسوس کیا۔ گراہ وہ در

پلے ہی سے اُس نے اپنے جسم کو بکلی طرح سخت و سوجھنا یا تھا۔ چھ پینت
گئے مگر اُس کے جسم میں کبھی دانت کی کوئی لہر نہیں اٹھتی، یا اُس نے اُسے نہیں
دی۔ مگر آج۔۔۔ برہمات کی باتوں سے جیسے اُس کے احساسات، جی رہا
کو آج دکھا دی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا اُس کا دل اُس کے لیے سے
کہیں بہت گہرائی میں ڈوبا جا رہا ہے۔ اور دھڑکنوں میں دل گہرے پانی میں
اُتر جا رہا ہے ایک قسم کی لذت ایگزیکٹو گہری اُس کے پورے سراپا میں ترقی
ملی جا رہی ہے۔ اُس کے کالوں میں جلتی رنگ سے تھے جا رہے ہیں اور
ہم بہ ہوتی میں اُسکی آنکھیں بد ہوتی جا رہی ہیں۔

بس پھر ایک دھچکے کے ساتھ دُک کی اور اُس نے اپنی ٹوٹل ٹیکس
اُٹھا ئیں۔ اُس نے حوکان کا حواس کے مارو سے لگ کر کھڑا تھا کہیں
یہ نہیں تھا۔ اُس نے کھڑکی کے باہر دکھا۔ اسٹینٹن روڈ پر کسی کا پناہ
نظر آ رہا تھا۔ اگلے اسٹاپ پر اُسے اترنا تھا۔ اُس نے ہڑٹا کر پیر
کو سیدڑوں میں مصروفی سے حاما، ٹھک کر ٹھوکیں ریراڑی کی حرکت
درست کی اور میں منھالی ہوئی سیک اٹھ گئی۔

وہ گھر میں داخل ہوئے چھوٹے سب کچھ رُکوں بوجھ تھی۔ اُسے
اُس دھکی گھر میں قدم رکھے ہی گڑوٹو دور بنا ہوا آکر اُس سے لٹ جائیگا۔
مگر گھر میں حب اُسے گڑو کی آد اور سائی۔ دی نو اُس نے اپنے کمرے میں
مانے کے سب سے پہلے گھر میں تھا کا اسکی بوڑھی ساس، ناگودہ دھکی تھی۔

”گڑو ابھی اسکول سے نہیں آ گیا؟“

”آکر بیٹوں کی کلا اور اُس کے تھوکیں کے ساتھ پارک میں گھا

ہے۔“ ٹھہرائے سر ٹھک کر پھر آٹا گوندہ سے ملی۔ اُس کے بعد کھڑکی مل

اُس کے مڑھالے جبر سے یہ محسوس رہے تھے اور وہ ایسے روکے ہوئے

ہاتھوں سے آٹا گوندہ میں مصروف تھی حساب لگ رہا تھا کہ آٹا

گوندہ میں جس وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ بڑھیا کے ہاتھوں میں

ہیں ہے۔ وہ جلد بکڑٹیک وہیں کھڑی ساس کی طرف دیکھتی رہی۔

حالے کیوں آج اُسے اپنی ساس پر کچھ ترس سا رہا تھا۔ بڑھیا سے

اُسے وہیں کھڑا دیکھ کر بوجھا۔

”جائے ہی رکھی ہے، گرم کر دوں؟“

”میں گرم کر دوں گی، آپ جا کر آرام کیجیے، آج روٹیاں بھی میں سیک لوں گی۔“

ایک ناٹم کیر کی ضرورت ہے اور کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اگر وہ تو کڑی کوڑا جا ہے تو وہ اُس کی مدد کر سکتا ہے کیوں کہ نرم کے منہ سے اُس کے اچھے تعلقات ہیں۔ اُس نے دوسرے سے کون گلش کو چھٹی لکھی تھی شاید پر بھات اُسے پہلے ہی خط لکھ چکا تھا۔ چار روز بعد گلش کا اُسے ملا۔ اُس نے اُسے تو کڑی کوڑے کی اجازت دیتے ہوئے لکھا تھا۔

”پر بھات نے میرے حق میں وہ کام کیا ہے جو کچھ دو صبیروں سے ڈاکٹر وں کے کھٹکشن اور ڈاکٹر بھی نہیں کر سکتے تھے اب میں بہت جلد اچھا ہو کر اپنی محنت اور لگن سے آگاہوں گا۔“ خط پڑھ کر اُس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھلک اُسے اور اُس نے دوسرے دن سے کام یہ جانا شروع کر دیا۔ پر بھات کا اُس دم میں کافی دن تھا اور بھی اُس کی عزت کو تھے۔ دوسرے دن کوئی کا فرسٹ کلاس ریپر بن گئی تھا اور اکثر آؤٹ ڈور ڈیوٹی پر رہتا تھا۔ مگر ہر دھار دھار دھار سے مشورے کے لیے اُسے فرم کا بیچ لگنا پڑتا۔ اُس نے محسوس کیا کہ پر بھات کی وجہ سے اس بات کے لوگ اس کا کافی خیال کرتے ہیں ورنہ اسٹینڈ مس وئی اور ٹیلیفون آرڈر سز بھٹنا گر کا فرقے باز ہی کی وجہ سے ناک میں دم رہتا ہے۔ اس تو کڑی کے جود سے وہ کھر کے اخراجات کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئی تھی۔ ان میں چار مہینوں میں وہ گلش سے چار پانچ دفعوں بھی آئی تھی۔ ساس اور کٹر کو بھی دو ایک دفعہ ملائی تھی۔ اور کھر گلش سے رخصت ہو رہا تھا۔ اور کھر کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد سے وہ بھی کافی خوش قسمت نظر آئے لگا تھا۔ اب اُس کے خطوط بھی بڑے طویل اور محبت آمیز اور زندگی سے بھرپور ہوتے تھے۔ وہ مایوسی پروردگی اور بے بسی غائب ہو چکی تھی، جو سب تو ریم میں داخل ہونے کے ابتدائی دنوں میں اُس کی خبر میں نظر آیا کرتی تھی۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی صحت بالکل ساتھ ساتھ اُس کی خبر میں بھی ایک قسم کی ناز کی آتی جا رہی ہے۔ اُس کے خط پڑھ کر اُس پر کبھی کبھی ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی اس شخص کے باوجود کہ گلش بہت جلد اُس سے ملے گا، کبھی کبھی باتوں کی تنہائی اُسے بڑی طرح ڈسنے لگتی۔ اُسے خود اپنا ہی دسترعلتی چٹا کی طرح لگنے لگتا۔ کمرے کے دروازے اُداسی پر

اُسے زیادہ مضطرب نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ کبھی کبھی ہسپتال سے اُس سے اُس درد کو جیپ سہا سہا کیا تھا۔ وہ جانی تھی کہ بڑھیا بھی نہ سے کچھ نہیں کہے گی کیوں کہ اب وہ ایک دوسرے کی آنکھوں کی ریاں کھنے لگی تھیں۔ جب اعطایا سے کسی کھو، تے میں تو شاید کبھی ان پر جاتی رہے۔ ساس کے کچھ سے ملے جانے کے بعد اُسے اسویر سے بری کا تھن اُدار لیا اور دروٹیاں سیلے لگی۔

اسے گلش کی یاد آئی دل کی کسی عمر کی تھری اداسی کی ایک ہی سیار اٹھی عمر گلش ہی سے اس دلی کی ہر کو اداسی ادا نہ دیا تے میں اسے بھیر پر بھات اور اُس کی باتیں یاد آتے لگیں۔ مگر اب اُن باتوں نے اُس کے اندر کسی قسم کی بے مینش نہیں پیدا کی۔ اُسے تعجب ہونے لگا کہ وہ صرف ایک گھنٹہ پہلے کتنی کمر درد اور جذباتی ہو گئی تھی۔ اُس بات کو یاد کر کے اُسے اپنی حین باقیات اور کمر داری پر فحشہ آئے لگا۔ اُسے افسوس بھی ہوا کہ اُس نے پر بھات کی وہ بات جیپ چاپ سہ کی ہے لی۔ اُس نے اُسے اُسی وقت بھٹکار کیوں نہیں دیا، مگر، اُس نے یہ سوچا کہ شاید اُس وقت واقعی وہ اُسے بھٹکار میں رکھتی تھی۔ وہ بات کچھ اتنی غیر متوقع اور اشتعال انگیز تھی کہ ایک لمحے کے لیے اُس کی ساری قوتیں صلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ اُس کی حالت ایسے یا سہ شخص کی سی ہو گئی تھی جس کے سامنے یا نی سے لبالب یاد رکھ دیا گیا ہو۔ یا نی کو ہونٹوں سے اتنے قریب یاد کر دے تو اب تو ہو گئی تھی اور پھر اسے پر بھات سے ایسی امیدیں تھیں۔ وہ گلش کی موجودگی میں اکثر کھر بھی آچکا تھا۔ اور جب سے وہ اُس آفس میں کام کر رہی ہے شروع میں پر بھات ہی سے اُسے سہارا دیا تھا۔ ورنہ وہ اس بارہ اپنی مردوں کے درمیان ٹھیک کر کام کرنا اُس کے لیے ایک عجیب گھبراہٹ پیدا کرنے والا تجربہ تھا۔ گلش نابار بار اپنے خطوط میں پر بھات کا ذکر بڑے احسان مندانہ طریقے سے کرتا اور اس بات کہ وہ خود بھی پر بھات کی ذات کو اپنے گھر والوں کے حق میں رحمت کا زمرہ شہ گھبتی تھی کیوں کہ گلش کے سبب تو ریم میں داخل ہو جانے کے بعد وہ جدید جیپ اُسے محسوس ہو سنے لگا تھا کہ صرف اشتد نفس سے ملنے والی براسام رقوم میں گھر کا خرچ چسپانا ناممکن ہے تو ایک دن پر بھات نے اُسے بتایا کہ اُس کے آفس میں

کہا تو وہ ۱۰ ہے ایک روک روک سکی،

”ہنس رہا تھا بھلا! گھر میں گئے، سنا اور ناگہانی اظہار کر رہے ہوں گے۔ ناگہانی پریشان ہو جائیں گی، مگر ٹیکسی رین پر پٹ کی طرف مڑ چکی تھی۔ اس اثناء میں پرہات نے ٹیکسی کی گھڑیوں کے پردے کھینچ لیے تھے۔ اس نے اپنے پورے بدن میں ایک مسماہٹ کی محسوس کی اور کچھ کہنے کے لیے ہونٹا کھولے مگر الفاظ اس کے ہونٹوں تک آتے آتے بے آواز ہو گئے، پرہات اس کے قریب کھسک آیا اور اس کے کان کے پاس جھٹک کر کہنے لگا۔

”دیکھو بھئی! اب کلیں کو کھ دوزخ دہا ہی جا سکے گا۔ کہا میں م سے اس آگ کو بھاسنے کی دعا مست کر سکتا ہوں جو ایک عرصے سے میرے اندر مسلک رہی ہے کیا میں تم سے بھارے پیار کی سہیلانگ سکتا ہوں۔“

اسے ایسا لگا جیسے کسی نے دھکا دے کر اسے سینے گہرائی میں دھکیل دیا اور وہ موت گہرے میں گیس لگتی جا رہی ہو۔ وہ اپنے آپ اتنی کروار بڑھال ہو گئی تھی کہ جب پرہات نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو وہ اپنا ہاتھ تک نہ چھڑا سکی اسے پرہات کی آواز سے دوسرے آئی محسوس ہوئی۔ پرہات اس پر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اس کی گرم گرم سانس اس کے کانوں کو چھو رہی تھیں۔ وہ چوسکی کی حالت میں اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ ایک ابھی لپکسی اس کے سارے بدن میں سرایت کرتی جا رہی تھی جو اس نے صرف کلیں کی آغوش ہی میں محسوس کی تھی۔ اس کا ہاتھ پرہات کے ہاتھوں میں تھا وہ دھیرے دھیرے اسے سسلا رہا تھا اور نہ جانے کیا کہتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی آواز دوسری تھی مگر کچھ نہیں باری تھی الفاظ یا ان کے لمبلوں کی طرح اس کے کانوں سے گمراہ کرنا کر پھٹ رہے تھے۔ وہ پرہات کو اس سب سے روکا جانتی تھی مگر نہ جانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود کچھ کہ نہیں پایا تھی۔ پھر پرہات کا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپٹ گیا تھا اور پرہات نے، حیر سے اسے اپنی طرف کھینچ کر سرخوشی کی تھی:

ہوئی آئی اور اس کے دھوکہ چاروں طرف سے چٹکتی۔ وہ لاکھ چھٹپٹاتی ہاتھ پیرامانی ٹکڑے ادا سی اس کے اندر اور گہرائی میں اترتی چلی جاتی۔ ایسے وقت وہ اپنے کپ کو دنیا کی ایک مظلوم ترین عورت سمجھنے لگتی۔ اسے اپنی ذات پر ترس آنے لگتا۔ دھیرے دھیرے حور جمی کا جذبہ اتنا شدید ہو جاتا کہ وہ نیچے میں منہ جھیکا کھسکے لگتی اور پھر تب یہیں کب تک اسی طرح آنسوؤں کی بارش میں بھیگتی ہوئی نہید کی آغوش میں کھو جاتی۔

کلیں اپنے ہر خط میں پرہات کا ذکر ضرور کرتا۔ کبھی کبھی وہ پرہات کو کلیں کے خطوط کے ذریعہ اپنی ذات پر کھوسنا ہی جس میں پرہات کا ذکر تھا۔ اور پھر دونوں دیر تک اس کے مارے میں باتیں کرتے رہتے۔ آج بھی جب اس نے پرہات کو وہ میرا گلاب بڑھ کر جس میں کلیں نے سبھی ڈیریم بہت جلد بھیجا تھا پانے کی امید ظاہر کی تھی تو ایسا تک پرہات نے کہا ”اچھا بھائی! آج تھیں کے بعد رات تک جانا تو اس کا کام ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ منہ پر کرے میں چلا گیا۔ اور وہ سوچنے لگی آج وہ پرہات کو اپنے ساتھ ہی گھر لے جائے گی اور کلیں کے اس خط کی توقعی میں اسے اپنے ہاتھوں سے جاے بنا کر پلائے گی۔ یہ سوچ کر اسے اچھا لگا اور وہ اسے جوڑے کا کلب درست کرتی ہوئی پھر فائل پر جھک گئی۔ اس نے تھوڑے پچھلے ہی پرہات منہ پر کرے سے نکل کر اس کی میز کے پاس آیا۔ اس نے جلدی جلدی کا ہاتھ سینے میں دھکیلا اور اس میں لگا دیا اور اپنا پرکسلے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرہات چلیے، کتا ہوا آگے بڑھ گیا وہ اس کے پیچھے پیچھے اس سے نکل آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ پرہات سے اپنے گھر چلے کے لیے کہتی پرہات نے آواز دے کر ٹیکسی کو رولی تھی۔ وہ اس سے کہنا جانتی تھی کسی کی کیا ضرورت ہے، اس سے چلے چلیں گے مگر پھر سوچ کر خاموش رہ گئی ٹیکسی تو رولی ہی گئی ہے، اب کچھ کہے سے کیا فائدہ۔ پرہات پھلا دواڑہ کھولتے ہوئے اس کی طرف مڑا تو وہ دھیرے دھیرے ٹیکسی میں بیٹھ گئی وہ کچھ دیر تھی کہ پرہات پھلا دواڑہ بند کر کے اگلی سبٹ پر جا بیٹھے گا مگر جب وہ بھی اسی کے برابر کر بیٹھا تو اسے کچھ بے چینی سی ہونے لگی۔ پھر جب پرہات نے ٹیکسی والے سے ”زمیں پوائسٹ“

”میری تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟“

وہ پینے میں ڈوبی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ اس نے بت بھی پر بھات کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس قدر اس پر ایسی کیفیت طاری تھی جہاں اقرار اور انکار کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ جب ہاں اور نہیں جیسے الفاظ ایسے معنی گھودیتے ہیں۔ اُسے اچھی طرح یاد ہے شاید پر بھات نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اٹھایا تھا اور وہ اس وقت بھی آنکھیں بند کیے سے حرکت پڑی تھی! اللہ اس کا سیدہ کسی دھوکائی کی طرح چل رہا تھا۔ عین اسی وقت ڈرائیور کی آواز پر وہ دونوں چونک پڑے تھے۔ ڈرائیور شیشے میں سے گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”بابو جی! زمین پوائنٹ آگیا؟“

پر بھات ہڑبڑا کر اس سے الگ ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی چونک کر ایسے آپ میں لوٹ آئی تھی۔ اب اسے ہوش آگیا تھا بس وہی لمحہ تھا جب اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک بھیا کی حادثہ کا شکار ہوتے ہوئے نکلا گئی ہے۔ پر بھات نے ڈرائیور سے کہا ”ماسلی چلو“ ڈرائیور نے ایک بار پھر اُسے آگے میں سے گھور کر دیکھا اور ٹھیک سی موڑ دی۔ ڈرائیور نے جن نظروں سے اسے گھور کر دیکھا تھا وہ ان کا مطلب سمجھتی تھی۔ وہ ان نظروں کی چیمیں اور ان میں چھپی نفرت کو کبھی محسوس نہیں کرے گی۔ وہ نظریں اس کے اندر بہت گہرائی میں اتر گئی تھیں۔ اُسے اچانک ہی محسوس ہوا تھا کہ وہ فرش پریشانی پڑی ہوئی ہے۔ مادرِ زاد سیلی اور ڈرائیور کی آنکھیں ان گنت جھولنے کا روپ دھارن کیے اُس کے پرہیزگار سے جھٹ گئی ہیں۔ اس نے جلدی سے پرس کھولا اور اپنا چھوٹا سا ردال نکال کر اپنی پیشانی کا سیدہ بونچھنے لگی۔ جو ساڈی کے پلو کو درست کرتی ہوئی ٹھیکسی کی کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ ہوا کا سرد جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ باہر زندگی اسی طرح رواں دواں تھی۔ طوفانِ قوسروں اس کے اندر اٹھا تھا۔ اچانک اس نے بلند آواز میں ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ”ڈرائیور! سامنے والے بس اسٹاپ پر گھاڑی روک دو! اتنا کہتے کہتے اس کی آواز ہانپ گئی تھی۔ ڈرائیور نے دوبارہ شیشے میں سے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیکسی میں بریک

لگا دیے ٹھیکسی ایک چرچا سٹ کے ساتھ بس اسٹاپ کے قریب رک گئی۔ پر بھات کچھ بکھلا سے ہوئے بس میں کہہ رہا تھا: اُسے اس سے کیا ہوا؟ کبھی! سنو تو...“ اس نے جھپٹ کر گاڑی کا دھندلہ کھولا اور اپنا سر سرسٹھا لیتی ہوئی بیٹھے اتر گئی۔ اترتے اترتے اس نے پر بھات کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا: ارے کی! کمال ہے مجھی۔ اچھا دیکھو میں کل پھر آؤں گا! اس میں اسی طرح سوچ لیا۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا اور دھڑلے کر پر بھات کی طرف دیکھا۔ وہ سیدھی بس کے کیس میں جا کر کھڑی ہو گئی اور ڈال سے اپنی پیشانی کا پسینہ دھو گئی رہی۔ پر بھات کی ٹھیکسی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اس آواز نے بس اسٹاپ پر کھڑکی میں اس کا انتظار کرنے لگی اس کا دل اب بھی بری طرح دھڑک رہا تھا گھر کا سہارا وہ اس مسافر کا سا اطمینان بھی محسوس کر رہی تھی جو راستے میں لٹے لٹے رہ گیا ہو۔

یہ سب سوچتے سوچتے نہ جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے سونے بیوٹ نکلے تھے۔ اُسے کچھ تیرہ ہی نہیں چلا۔ اچانک گھٹو کی آواز پر وہ چونک پڑی تھی اور اس نے جلدی جلدی ایسے آنسو بونچھ ڈالے تھے۔ گھٹو شاید ایک سے لوٹ آیا تھا۔ وہ سہارا اس کے پاس دوڑا اور آواز میں ”جی! جی! ہم تو گاڑیوں گئے تھے کہہ رہا تھا اس سے ٹپٹ گیا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی پیشانی چورلی گھٹو اس کی سرخ اور گہری آنکھوں کی طرف دیکھ کر بولا: ”جی! انتظار! آنکھیں لال کیوں ہیں؟ کیا آج تم روئی تھیں؟“ اس نے اسے دوبارہ ہیا کر کرتے ہوئے کہا: بس! آج بہت دنوں کے بعد روئی سیک رہی ہوں نا! اس لیے گرمی سے آنکھوں میں پانی آگیا ہے۔“ اس جواب سے گھٹو فوراً مطمئن ہو گیا اور بارک میں کھلا آٹھنی کے بچوں کے ساتھ کھیلے ہوئے کھیلوں کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ وہ مسکرا کر اس کی باتوں پر ہوں، ہاں کیے جاری تھی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ کھانے کے بعد وہ کبیں کو کب ملے گا اور کیا یہ پھر اخطار ضرور کھے گی اور اس کو ایک ہفتے کی چھٹی کی عرصہ بھی دے گی۔



غالب کی قیدِ پندی اور فارسیّت



از: افتخار احمد "خنجر" ایم اے (ایرویسرایم) کالج ملکانوں



مخالف میرا تالکھا صاحب کا ہے کہ اس پر اب خرید اصاد کے امکانات بہت کم ہیں۔ اور مشکل ہی گنجائش مل سکتی ہے "عالمیہ صدر" کے موقع پر حتمی عالمیہ مختلف صورتوں سے سہولتوں میں مایا گیا۔ ہمد و پاک کے میں ترہ اند میں اہل قلم حضرات نے اپنے مخصوص رادیلوں سے حالت کو خارج عقیدہ میں کیا۔ جو عالمیہ نثر کی شکل میں محفوظ ہو چکا ہے اور مختلف مکاتیب خیال کے اقدارین و محققین نے نئے رادیلوں سے اظہار کیا ہے اور اسامو اد جمع ہو چکا ہے کہ ایک اچھی عاصی الماری پر موعاے گی۔ عالمیہ پریکٹس میں بھی لکھی گئی ہیں۔ غالب سے کی زندگی میں زمانے نے ان کی وہ قدر میں کی جس کے کہ وہ اپنے آپ کو متفق سمجھتے تھے اس کا انھیں زندگی میں احساس بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے استاد میں کا طور پر شکوہ بھی کر رہے ہیں۔ اور خود کو تو اپنی اہمیت پر بھی رد دیتے نظر کرتے ہیں ایسے ہی انھوں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ

در دم غالب آئے دستور و سبب گراے

خواہی کہ لشوئی سبھی ناستودہ

یا۔ ہوں گرمی نٹا طاقور سے قندل

میں عدل بگھنچا آفریہ ہوں

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک فخر گوتار کی تمام خصوصیات اور صلاحیتیں لے کر آئے تھے جو ایک عہد ساز شاعر میں قند و دینیت کو دیتی ہے۔ اگر یہ راہ ان کی جو قدر افزائی کر رہا ہے ادا کی شاعری کی جو محو مچی ہوئی ہے اس کے پیش نظر غالب کی وہ میں گوتی خواہوں نے کبھی اسے متفق کی تھی، حرفِ محرف دست اور صحت تانت ہونے ہے ادا ان کی یاد کو تازہ کر رہی ہے اسوں نے غلط ہیں

کہا تھا کہ

کو کم زور عدم ادح قبولی دادہ است تہرہ نسیم گیتی نہیں جوابدہن عالمیہ سے حس دقت جوش سہالا ایسے گھریں ماری کا ذوق ریا چو پایا۔ ان کی پیدائش کے وقت ہی گویا عہدِ ملہ دور انخطا تھا۔ لکڑا جوی ساسین نے رہا تھا۔ ماری ہی عام طور پر شاعری کی راں تھی۔ ان کی شاعری کا آوارا برس کی عمر میں ہی فارسی شاعری سے ہوا اگرچہ اس وقت سب کی نگاہیں رحمت کی حاس لگی ہوئی تھیں، جو ابھی گھٹنوں میں لکھ رہی تھی مگر دیکھتی، دلرائی و دمنائی میں آپ ایسا خواب بھی بتا رہا ہے کہ اس فوج کی بچہوں سے کوئی دل دلا لکھ میں ملتا غالب کو بھی چارو اچھا اس پرفریتہ ہوئے پر مجبور ہوا پڑتا ہم آدم تک اس نئی فارسی شاعری پر فردا رہا اس میں میں ہوں کہ اگر برستہ دی و حافظ فارسی شاعری کے انخصوص و رنگوں کے احوال تسلیم کیے جاتے ہیں۔ مگر لحاظ داریت و حامیت عالمیہ کے ہمسر بھی دوچار ہیں۔ یہی چیز تھی کہ انھیں اپنی فارسی شاعری عزیز بھی اور دھما بھی فرماتے ہیں

ماری میں بابہ بینی لغتہاے رنگ رنگ بگداز مجھ کو اردو کے رنگ میں است

اور ایہ معصروں سے کچھ کہتے رہے کہ

راست میگیم دے اور راست سرتواں کند

اکیہ در گفتار جہر تہ آں سبک من است

ڈاکٹر اواللیٹ صدیقی حالت کی فاری شاعری میں اعلان
و مشکل سیدی برکت کرتے ہیں اسے مقالہ لغت ہے رنگ رنگ
میں مراے میں نے عالی طری اور مشکل سیدی اس آدم حاک کا کام
ہے راستہ کی تواریاں اس کی مٹوں کو ملد کوئی ہیں۔ اکاسیاں
اس کے عمدتوں پر اریا۔ کاکام کرنی ہیں یہ مشکل سیدی جو ہیں
مرا کے کلام ماریسی میں اس کے حردا مان کے طور پر ملتی ہے ان
کی تاوی کا نہایت صحت مدد اور صحت پہلو ہے۔ اور مثال کے
طور پر یہ تعریف کیا ہے

۔ دادئی کہ دران حصر را عصاب است

۔ سیدی سیرم وہ اگرچہ با حجت است

اور اس میں تنک ہیں کہ ان کی مشکل سیدی ان
کی عالی طری کا تقاضا تھا حواں کی فاری شاعری سے جوئے اژد
شاعری میں بھی دراپسے۔ ہمارا موضوع اس کی فاری شاعری میں
ہے مگر یہ فاری کی کا تر تھا کہ آؤں آؤں ان کی اردو شاعری بھی قدر
میں جیدہ اذیل بھی اور غالب اس کا ایک اور صوبہ۔ تقاضاے عظمت
مرا ۵۱۰ طر تیل میں رچیت کہاں تھا صحت کہ وہ خود اعتراف بھی کرتے ہیں
طر تیل میں رچیت کہاں اس قدر ماں قامت ہے

مرا عات سے زیادہ بر خیل میں مرا اس قدر قادر تیل سے اعجاز
کیا ہے مرا دین اسرار میں حاکم تیل کے رنگ کی تھکیاں صاں
طور پر مایاں ہیں مثلاً۔ استار ملا حظ کر س

(۱) دیکھ دیکھ دے نے ماہ قریب کو لے

آسے دیان حد کرے پدم ہر کرے کرے

(۲) تمہاری طر ادا عاتے ہیں ہم کیا ہے

قریب ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

(۳) عن کتابہ کہ اس کا جس سے احلام صیف

عقل کجی ہے کہ وہ نے جبرکس کا کشنا

آلا خرقہ فی نظری کی سپردی نے مرزا غالب کو سید کی تقلید
سے نکال اس کی بقول تین خصوصیت معاملہ بندی ہے۔

مرا تیل کی تقلید پر غالب کو ٹرا مارا نقاروں بھی تھا کراکی
رقت سیدی نے حالت کو گرویدہ بنالیا تھا اور وہ شاہراہ عام
پر چلے میں عار محسوس کرتے تھے وہ ایسا ملک سکے الگ بنا ہی
است غر واد نقد کرے ہے۔ تیل کے شمع کا اعتراف انہوں نے کئی
مگ کیا ہے مثلاً یہ اسرار دیکھیے

(۱) مجھے راہ سحر میں راہ گمراہی میں حالت

عصاب صحر صحرے میں ہے حادثہ تیل کا

(۲) مضطرب دل سے سرے تار نفس سے حالت

سار در تہ سے غم امتدادی مادہ صا

اور ایک جگہ اس طرح کھل کر کہتے ہیں کہ

اسد ہر حاک سے طرح مارے ڈالی ہے

مجھے رنگ بہاں بیا دئی تیل سدا یا

اسے اسی مقالہ میں (لغت ہے رنگ رنگ) ڈاکٹر اواللیٹ صدیقی
مگر اس کے سبب کے نتیجے کے سلسلے میں مراے میں کہ ہے سید کے ہاں
جو مشکل سیدی ہے وہ محض لفظی میں ان کے ہاں جہاں بھی بہات
دیں پڑا ہے اور اسی وقت خیال کی دھڑکھی الفاظ کا حاکم
ان کے مصامیں پر رنگ نظر ہے یہی بات مرا عات کے پہاں
کھی ہے۔ ان کی مشکل سیدی اکثر و بیشتر خیال کی قدرت اور وقت
سے پیدا ہوتی ہے اور کہ اس لئے کہ اس میں اپنے اسلوب میں ہی بھی
اسی قدرت اور قدرت کی تلاش رہتی ہے جس کی فکر انہیں مصامیں
موصو عات اور اسلوب میں دامن گیر رہتی ہے مثلاً

فاری تراکیب کے علاوہ تھیل اور اسلوب میان کی قدرت ہیں

صوری و معنوی دونوں اعتبار سے وہ تیل کے پہلے پہل ایسے رہے۔ مگر

۱۔ بحوالہ دفتر عالیہ شعور ۲۰۳۰ء بحوالہ و کراچی۔ ۲۔ بحوالہ دفتر عالیہ شعور ۲۰۳۰ء بحوالہ و کراچی۔ ۳۔ بحوالہ دفتر عالیہ شعور ۲۰۳۰ء بحوالہ و کراچی۔

اس کے بعد ان کی نگاہیں دوسرے فارسی مترادف کے جانب بھی اٹھیں ہیں جیسا کہ خود انہوں نے ایسے ایک خط میں اس حوالہ جینی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "میں نے شیخ علی قزلباشی سے سنا کہ اسے راہ روی ٹھیکہ کو خٹائی طالت آتی اور قزلباشی کی تیسرازی کی غصہ کو دیکھنا گاہ کے آوارہ اور مطلق العنان بھرے کا مادہ جو مجھ میں تھا۔ اس کو دیکھ کر دیا غصہ کی نئے اسے کلام کی گہرائی سے میسر مار دینا یونہی ماندا تھا۔ اور نظری نے اپنی خاص روئی پر مجھ کو چلنا سکھایا۔ اب اس گروہ والا ٹھیکہ کے بعض جزئیات سے سیرالکاب رفا میں بیان میں کہ جب ہے قوراک میں موسیقار، جلسے میں طاؤس ہے نوردار میں حقا۔"

یہاں خوب وہ ایہی ماسیت پر ماراں ہوئے میں تو مجھ د غور میں قزلباشی کا یوں دم بھرتے ہیں۔

کفایت قزلباشی طلب اور طسٹ ثالث رام دگران مادہ تشرار مدارد اور ایک خط میں علامہ ملامتہ مترا کو کہتے ہیں: "میں نے معتبر ہیں۔ مارا مدد نصی طور ہی اسب درسخی دوستیہ نظیری دطر حرس شاس ان کی۔" شاعر نے قزلباشی کا بھی قابل محاط ہے۔

مول غزلباشی کے مقابل میں خانی مآب میرے دوسرے یہ بحث ہے کہ تہو پس اس سے قطع نظر کہ ان فارسی شعرا کی روکش کی درجہ حالت کے ہاں خاصیت اور وقت پسندی کا یہ ملامتہ ان کی اور دوست عری کو بھی گرا سارنا دیتا ہے۔ بعض نقاد نے بھی ملکہ مفرد اور ان کی جستجو بھی یہ بھی نہیں کی کہ اس وقت تک العاط و معانی کے صحیح ربط سے وہ واقف نہ تھے مگر ہمیں اس کا احساس شاید نہیں تھا کہ دور مرہ کے عام العاط میں بھی مدرسہ تمدنی حالات کو ادائیجا سکتا ہے اور کہ ان العاط میں بھی یہ یہ صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس وقت تک گہرا درملغیاہ حیالات کو برم اور ترنم العاط میں ادا کرنے کا گھر سبکھا تھا اور اس کی برواہ انھیں اس وقت ہوئی جس کے مضامین نے ان کا طبقہ بد کر دیا۔ اگرچہ اس وقت بھی ان کو مراد یہی کہہ کر مٹانے دے کہ۔

۱

تائش کی تمام صلیب کی برواہ گزشتہ ہیں پرے انصار میں ہی رہی لیکن جیسے ہی ان کی نگاہ میں تمدنی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس میں سے آشنا ہوئے ہیں ان کی آنکھوں سے یہ وہ اٹھا نظر آتا ہے۔ نسبتاً ان کی رہا میں سلامت اور روانی کے ساتھ معاشی آسانی ہے۔ مگر انھوں نے استوائی ملسار حیالات کو رمان کی سلاست و مائیں کی قربان گاہ میں بھی چڑھایا ملکہ اس کے حالات اور تصورات اور بھی عجیب اٹھے۔ چنانچہ انھوں نے ٹھیکہ تراکب اور فارسی کے دقیق العاط ایا اردو دیوان مرتب کرتے وقت سال دیے مثال کے طور پر یہ اشعار لکھیں۔

نوبت کن المادہ دل دور حیران غصہ سوختری برہمنے کلا سیریاں کلا عالت سے معرہ ثانی اس ستر کا بیلیوں کہا تھا۔

عشتیہ ایجاد ہے کہ در دوزخ،

چھڑی ضرب پوسٹ ہے یا بھی غلہ بیلانی

سعدی دہ نصوب کی بھرتی و رطلوں

اس شعر کا مصرعہ ادنیٰ حالت سے معد میں دیا اور پہلے تکرار کیا تھا

ہمیں مدد لجانے تکلف ماہ کساں پر

سعدی دیدہ نقیب کی بھرتی ہے رطلوں

تہذیب و تہذیب برہمنہ تیج کا یہ عمل برہمنے نامہ کا نظریہ

ہوتا ہے ہر تار عری تہذیب برہمنہ تیج کا یہ عمل برہمنے نامہ کا نظریہ

اور میں آفری دیرہ نے تہذیب برہمنہ تیج کا یہ عمل برہمنے نامہ کا نظریہ

جوب ترکی ملاں رجبی ہے ڈاکٹر علامہ اقبال نے بھی اسی شعری

ملاقات کے ساتھ ہی کیا ہے اور صرف اضافہ ایک و اصلاح

سے ایسے کلام کو نہیں کیا ہے ان کی مشہور نظم مرزا غالب "خود مدوں

پر شش ہے اور انکب دراک کی ریت ہے بیلیوں اس کے چھ سہ کے گہرے

میں درج ذیل مندرجہ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو

مگر ہر کلک تھوکا تڑا دلوں ہے یہ یا کوں اور مرط اسان ہے یہ

مارس ہوئی کلائی ہے ہنساں ہے یہ نورمیں سفل اندر دس ڈال ہے یہ

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

نقش مرادی ہے کس کی توئی تحریر کا کا مدی ہے میں ہر کی نصویر کا

تھے وہ بھی ابتدائی درد کے کلام کی اصلاح یافتہ نکل تھے۔ یہاں کچھ مثالیں تیس کرنا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نسخہ حمید یہ کی ترتیب سے پہلے غالب سے کس طرح شکر کچھ میں اور پھر کھس کیا اصلاح کر کے کہ نسخہ حمید میں شامل کیا۔ (حمار نسخہ ہر وہ سے لیے گئے ہیں اور ان کے سامنے تو سین میں وہ شکل لکھی گئی ہے جو نسخہ حمید یہ یا نسخہ شیراز سے ملتی ہے۔

(۱) (استغفار تہاں راہ احترام خوجا)

تاما کتورائیہ میں آئید مسد آیا

(دراستغفار تہاں کی بہر استغفار انکھوں سے)

(۱۱) (تعالیٰ دگمائی (باطل) برکت عالی (۱) ۱۳

نگاہ سے محاب مار کو کوسیم گرد آما

(تعالیٰ دگمائی بلکہ سری سخت عالی ہے)

(۱۱۱) (سوا و جیم اسل) (انتخاب لفظ آرائی اسلمہ

حرام ماسے پر دوائی اقامت پسند آیا

(روانی ہلے خوب خول پس سے نکلتا ہے

کہ طبع سے تاتا) (پس قاس پسند آیا)

(۱۱۲) (اگر آسودگی ہے مدعاے رنج کو شش (۱) (لے اپنی)

(۱۱۳) (میں دریدہ جس ارکوشش شافل مالن) ۱۳

(کرے ہے جس خواہاں سے شافل اپنی)

(۱۱۴) (سب کو مامد عیارے میان در خواہاں دل) ۱۳

(تس کو مامد عیارے میان در خواہاں دل)

(۱۱۵) (گوئی) (معا عیار داس دیوار بھا) (تو کہے)

(۱۱۶) (جوش کی کھیتی ہے) (مطرب) (انوش اسلمہ)

(۱۱۷) (مطرب آرا اسلمہ)

علاوہ ازیں قد و خدایہ بھی جن حصیں علامہ اقبال سے اپنی نظم میں اتنی تو رکھا تاہم کچھ ترسیم کے بعد ملاحظہ ہوا اصل شعر ہے

(۱۱) دید تری آنکھ کو اس حس کی منظوم ہے

صورت روح رواں ہر تے میں خوشنویس ہے

مصرعہ ثانی منکر با ننگ دہرا کی نظم میں یوں ہے

”ہں کے سوز مدہی ہر تے میں ستور ہے

(مدرا خرد)

اسی طرح جو مانگ دہرا کی مشہور نظم ”مصرعہ عالیہ“ کا

”این روحاں دعام ہے

گسولے اردو اکی بہت یدیر تار ہے

(ندگہ ستر ۱۳)

پہلے یوں تھا

گیوے از دوا بھی مست یدیر تار ہے

حال ہی میں دودریا ب ستہ دیوالتہ عالیہ کے نسخہ امر وہر

سے متعلق یہ دوسرا دھندل دوتی ہے ایہ ایک مضمون میں اس پر

تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس سے ہمارے اس نظریہ کی مرید ترین

دلیلیاں ہوتی ہے لے یہ دوسرے مضمون فرماتے ہیں کہ ایک اور نایاب

نسخہ امر وہر ہے کہ اس سے نسخہ محمد کی اولیت کا نظریہ قائم

ہو جاتا ہے اس نسخہ کو کلام ہے وہ فارسی امیر اخلاق (درنگل

بسدی کے اعتبار سے نسخہ حمید یہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ نسخہ

امر وہر کا عام مطالعہ امت کرے گا کہ حال فارسی کے کس طرح دکن

بجائے گئے ہیں۔

میدار دل دیوان میں تو اتنا دھندل لے لہو نور چھوڑ دیے

لے ہمارا ”احکام“ دہلی ۱۳

۱۳ (۱) (نحوہ نسخہ عشرتہ ۱۳)

۱۳ (۲) (نحوہ نسخہ عشرتہ ۱۳)

۱۳ (۳) (نحوہ نسخہ عشرتہ ۱۳)

۱۳ (۴) (نحوہ نسخہ عشرتہ ۱۳)

۱۳ (۵) (نحوہ نسخہ عشرتہ ۱۳)

دور بس کا طریقہ (نفرش بتا دیتا تھا)

فرامیسی

(ترتیب)

یہ اشعار بلاشبہ ہمارے دھبے کی تصدیق کرتے ہیں کہ غالبہ برقاہیت اور وقت بندی کا ابتدائی دور میں کتنا غلبہ رہا ہے اپنے اسی مضمون بطور احکامہ دہلی میں آگے چل کر پروفیسر شتار احمد فاروقی صاحب نے تجزیہ کرتے ہوئے بالکل درست فرمایا ہے کہ "نسخہ امر و سر میں جو کانٹ پھاٹ ہے اسے دیکھتے پھر نسخہ حیدریہ اور اس سے آگے بڑھ کر صفحہ شریفی نے اور نگارے رشتا" کو دیکھتے لکھ نسخہ "امر و سر سے لیکر نظامی پریس کا سیور میں طبع ہونے والے ایڈیشن تک" جو حالت کی زندگی ہی میں شائع ہوئے والا آخری دیوان ہے حکمت و اصلاح اور ترسیم و تبدیل کا عمل برابر جاری رہا ہے۔

صرف اتنی ہی نہیں، ہر ناکہ ال ان کے موجودہ دیوان میں ایسے بیشتر اشعار ہیں جو کہ صرف فارسیت پر دل میں بلکہ کہیں کہیں تو تمام و کمال اشعار ایسے بھی ہیں جو قطعاً فارسی کے ہی محض رد میں یا دوسریاں میں کوئی لفظ اردو کا آگیا ہے انجمن اس اردو لفظ کی جگہ فارسی ہی کا کوئی ہم وزن اور ہم معنی لفظ رکھ دیں تو پورا کا پورا شعر فارسی شاعر ہوتا ہے۔ دوسرے محالہ جو خود ان کے اردو دیوان کے ایسے اشعار ہیں کہ انہی ذیل میں کی جا رہی ہے ان کو ہم برہمستی اردو کہیں تو اور بات ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے چند ایسے ہی اشعار:

(۱) شاد بزم منسوب بہ شکل پسند آیا

ماٹھے بیک کن مروی دل بند آیا

(۲) ہوا سے سرگرم آئینہ ہے مہری قافل

کہ انداز بکوں ملطیہ بس پسند آیا

(۳) جرات تھمہ "الماں" دماغ "افغان" فکر دیت

مبارک داد آندہ مخیا ویر جان و درمنڈ آیا

خوشہ الفاظ ردیف کے "آ" کی جگہ "ہم" پڑھے سے بالکل فارسی کے جو جائیں گے۔ ذیل کے اشعار بھی اسی قبیل کے ہیں۔ ملاحظہ

(۱) شب غماز شوق ساقی، رختیر اندازہ تھا

"ما عیط باوہ صورت خاد غمازہ تھا

یہاں ردیف تھا "کو" "لو" کو دینے سے دہی صورت پیدا ہو جاتی ہے

ذیل کے اشعار میں بھی ردیف ہے "کو" "است" "یا" بہت

کر دیجیے، فارسی شعر کے زمرہ میں چلے جائیں گے انھیں بھی دیکھتے

چلیے

(۱) غنچہ نامگفتن ہا، برگ عایت معلوم

باجود لہجی خواب گل پریشاں ہے (است)

(۲) دیدار باوہ "حو صلا ساقی" نگاہ مست

بزم خیال میکدہ ہے خروش ہے" (دہست)

— یا — اسی زمین کا یہ مشہور شعر دیکھیں

(۳) ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی

مطرب بغیرہ رہن تنگ دہوش ہے" (است یا بہت)

اور (۴) رشاد شاد رنگ ساز ہاست طرب

غیش "ئے" سر و سبز نیار نفہ ہے"

عرصہ ناز شوخی دندان ہلے خندہ ہے"

دعوت جمعیت احباب جاے خندہ ہے"

حسن بے پردا خرم بار ستار جلوہ ہے"

آئینہ زلفے نکرا احتراص جلوہ ہے"

"تا کمالے آگہی رنگ تاشا بافتن!

چشمہ داگردیدہ "خوشی" دواچ جلوہ ہے" — یا —

یہ اشعار بھی خود طلب ہیں

مستی بہ ذوق خلعت ساقی ہلاک ہے"

موج شرب یک جزہ "حو" ناک ہے"

دل خوں حذرہ نکشش حسرت دیدار

آئینہ بدست بہت بدست حسرت ہے"

سے ملو ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سرگسہ محمد اودہ، نورالین داسن ہے۔

ول ہے دستہ افتادہ بنو خردا و بستر ہے

اور بھی اس قسم کی شیتہ خلائیں جو سوٹھ سے مل سکتی ہیں۔ بخلاف طوالت
ان ہی پر اکٹھا کیا جاتا ہے۔ قصائد کو بھڑے جی میں اردو اشعار
کے دریاں ہی کی کمی شرفا رسی کے بھی ہیں اس سے قطع نظر کہ
قصیدہ میں شکوہ العاطفہ و بے لگاؤ کی وجہ سے اس کی نفسا
ہی اس کی تقاضاں جو ہوتی ہے مجر بھی قصائد میں سندھ میں ذیل قائل ملاحظہ
ہیں۔ وہ قصیدہ جو کہ تنقبت میں کہا گیا ہے۔ اور خاص طور پر شاعر
کی شان میں جو قصیدہ غالب نے کہا ہے تو اس حقیقت سے پردہ اٹھا
نظر آئے گا یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں
مرزا کے بارے میں جو رائے دی ہے۔ در پردہ ان کی فارسیت کو بھی
نشاندہ بنایا ہے اور جہانگیر مرزا غالب کے دوران کے کلام کا
علق ہے آزاد کی رائے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور اس میں قلم
صدائت نظر آتی ہے۔ اگرچہ وہ اپنی پہلو دار تحریر و دیکش و دلفریب
اسلوب بیان اور دھجائے دار رائے سے اپنے مبالغہ آمیز عناصر کی
شدت کو انشا کی رنگینی میں چھپا دیتے ہیں۔ آج حیات کی اصل
حالت یہ ہے۔

”اس میں کلام نہیں کہ وہ اپنے نام کی تاثیر سے مضامین مسمانی
کے مٹھ کے شیریں دوبا میں ان کے انداز کے ساتھ خصوصیت کھتی
ہیں اول یہ کہ سنی، فخری اور نازک خیالی ان کا شیعہ خاص تھا۔
دوسرے جو کہ فارسی کی مشق زیادہ تھی اور اس سے ان کو طبیعت
تھا۔ اس لیے اکثر الفاظ اس طرح ترتیب دیے جاتے ہیں کہ بول چال
میں اس طرح نہیں بولتے۔ لیکن جو شعراء صاف نکل گئے ہیں وہ ایسے
ہیں کہ جواب نہیں دیتے۔“

الکرام صاحب ایم۔ اے نے اپنے ایک مضمون

لے ”آب حیات“ ص ۳۳۳ء جو ۱۲۷۱ھ اولیٰ نصفہ غفر غالب مرزا، مرتبہ محمد حیات

خال بیان اور ۱۲۷۲ء وغیرہ

مجموعہ دو جلدی گرفتاری الفت

دست ترنگ و دو پان و فانی ہے

زبک شوق تاشا جنوں علامت ہے

کشاہد مست مژدہ سبلی ندامت ہے

دفا مقابل و دو جلدی متن ہے بنیاد

حنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہے

اور یہ شعر ہے

یہ طوفان گاہ جو شرف طراپ شام تہنائی

شارع آنتاب صبح مشر تار بستر ہے

ان تمام اشعار کی ردیفیں ہی صرف اردو ہیں نہیں ”است۔ یا۔
تہست“ کہ دینے سے یہ تمام فارسی ہو جائیں گے۔ دیوان غالب میں
”انجے“ کی ردیفیں ہیں جن ہی شعر ہیں۔ مگر ان میں سے یہ شعر دیکھیے
نقش از بیت طنار، بآغوش رقیب یاے طاؤس پے غامہ مانی ”انجے“
اگر ان کے کی بجائے طلبہ پڑھا ہمارے تو کون اس شعر کو اردو کا حصر
شمار کرے گا؟

اب کھرا یہ اشعار مرزا کے ملاحظہ فرمائیں جن کے مصاریع ادبی
پائانی میں پھر دو جلدی مصرعوں میں ایک ایک لفظ اردو کی بجائے فارسی
کا بھی سنی اور ہم وزن داخل کیے سے وہ فارسی شعر بن جائیں گے
مثلاً یہ شعر ملاحظہ فرمائیں

مشیت پارہ دل زخم متنا تھا نا لبت لیش مگر غرق نکلاں ہوا

مصرعہ ادبی میں کھانا کی بجائے ”خوردن“ اور ”ہونا“ کی بجائے ”بودن“

بڑھ کر دیکھیں۔ اس طرح کا شعر بھی ہے

دژہ دژہ ساغر میخاد شیر گنگ ہے گردش خمیوں، ریشکھائے لیلی آشنا

مصرعہ ادبی میں ہے ”کو“ ”است“ ”ہا“ ”تہست“ ”بڑھے“ ”دع ذیل“

شعر کے مصرعہ ادبی میں ”فریم کو“ ”کو“ ”فریم کو“ ”بڑھنے سے دہی بات“

پیدا ہوگی ہے

۔ نادر حاصل و سببی ”فسر اجم کر“ متابع غادہ زنجیر جز صد معلوم

ذیل کے شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں لفظ ”ہے“ استعمال کیا گیا

ہے۔ اور سوائے اس لفظ کے سب یوں اشعار فارسی تراکیب اور فانیات

”اگر تو بنام قلابیہ مطلعہ راہ ہمارے پہنچ دینی، انھیں کے لیے دیکھو
”وہ اللہ و نقد قلابیہ“ یا ”آج کل“ کی مذکورہ اعلاعات میں تحریر کے
بعد ایسا بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ”اگر تو“ ہی کہتا
چاہتے ہیں کہ —

(۱) غالت دراصل اردو کے میں فارسی کے شاعر تھے

اگر اردو میں ان کا اکثر کلام ناقابلِ فہم یا دوسرے لفظوں میں مسمیٰ
معرضات صحت اتنی جیسے ہیں کہ اوپر کہیں بیان کیا گیا ہے کہ
مرزا افضل کے دروبست ان کی خفایت اور کوتاہی ہم آہنگی سے بے عزت
تھے، مگر جیسے جیسے ان کے شعور کو رچنے یا اردو کے مترادف الفاظ کو سننے
کا طریقہ سمجھا تو ان کے اشعار میں بلا کی روانی اور سہا ہو گیا اور ان کے
اشعار میں خلوت اور سہنی کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی نشریت اور دلربائی جو
مرد کے کلام کا خاص جوہر اور وصف ہے آگئی۔

ان کے فارسی کلام کو ایران و ہندستان میں وہ شہرت دہلی کی
حسن پران کو کفر و نازد با اور یہ عجیب کی بات ہے وہ ”تنگ“ اور
”بے رنگ“ بن است ”کہتے رہے اور کہتے رہے“ دہلی زبان اردو مہذبان
میں ان کی شہرت اور مقبولیت کی اساس بنتی ہے۔ انہوں نے اردو
کے بیشتر اشعار نے دیوان سے نکال دیے ہیں اور قلمزد کر دیے ہیں جیسا کہ کچھ
اور عالیہ اور دیانت سندھ ”امروہ جو مراد آباد کے مولوی توفیق محمد
صاحب کو بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن فضلی صاحب
سے ملا ہے (ادب جس کی ملکیت ان دونوں ایک ماہ التزاج امری
ہوئی ہے جیسا کہ بھوپال کے ایک جلسہ میں جو مجلس اردو بھوپال کے
زیر اہتمام حال ہی میں منعقد ہوا تھا اس میں مولوی فضلی صاحب نے
یہ اعلان کیلئے کہ زپر بحث و مباحثہ غلبت کا وہ نسخہ جو کہ خود غالب
کی تحریر ہے (ادب صاحب سندھ) امروہ کا نام دیا گیا ہے (انہوں نے
مولوی توفیق احمد صاحب کو مستشار دیلئے فروخت نہیں کیا ہے)
اس کے تقابلی مطالعہ سے صاف عیاں ہے کہ مرزا غالب نے بیشتر
اشعار میں خلوت و اضافہ کیا ہے۔ یا پھر تسلسلہ دکر دیئے ہیں۔ اور
فارسی کے دقیق الفاظ نکال کر ان کی جگہ اردو کے الفاظ داخل
کئے ہیں اور جگہ جگہ دیوانے غائب اردو مختصر سا چارے میں نظر

ہے یا مختصر عام پر آیا ہے۔ اہل ذوق حضرات اسی کو سرسبز بصیرت بنائے
ہمے ہیں اور مرزا کا یہ دلی ان حضرت شائقین اردو، بلکہ خود زبان
اردو کا قیمتی سرمایہ اور وجہ تکرار و تامل بھی ہے۔ میریت تو یہ ہے کہ
ایک صدی قبل اس زبان میں ان کے مروجہ تخیل کی بلند پروازی
اور فلسفیانہ عمق نے جذبات و احساسات کی زبان یعنی شاعری کی ایک
نئی دنیا بانی تھی۔ اور محرومن کے انتزاع کے بعد بڑی جاہل تھی
یہ ایسا جس دو بخش اور حال تو از مرقع پیش کیا کہ جس کی قدر
قیمت کا صحیح اندازہ مکمل سو برس کے بعد کیا گیا۔ اور اس وقت جس
زبان کو غالب نے خود ہی نکال کر اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے
دریغہ بپا تھا۔ بقول علامہ اقبال جو کہ سوز و حسرت پذیر شاہ ”نکلی اور
غالب اب بھی ہے بالیقین اردو زبان و شعر کے ساتھ ساتھ غالب کا
کلام مگر دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لغتِ ہادوں بن گئے ہیں۔ دونوں
کی آفاقیت و وسعت، جامعیت اور ہم گیری مسلم ہے۔ اسی اردو دیوان
کی وجہ سے مرزا غالب دنیا کے بڑے شاعروں میں شمار کیے گئے اور انھیں
زبردستی ہادوں کی اور ایسا بڑا شاعر صدیوں بعد ہی پیدا ہوتا ہے۔
بقول میر —

پہر تاپہ ملک برسوں، تب خاک نچے روستے سے انسان نکلتے ہیں
مہاے شکر کے دہ آتش یا آتش چلے کا انھما اس کی کیفیت یہ ہے نہ
کہ کیت پر اور قطع نظر اس کے کہ —

ڈیڑھ جزیر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان میں صاحب ویران۔ ہوا
اسی مختصرے دیوان کے خالق نے یہ بھی تو کہلے کہ ہے
ہر لہو جس سے حسن پختی شاد کی
اب آبرو سے شمشاد اہل نظر گئی
کیا غالب کی خوش نفسی یہ کم ہے کہ ”قبلہ عام دلفتنہ منہے دونوں
سے قدرت نے انھیں نوازا ہے
”یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا“

ملے غلطہ چھپائی دیان ”۲۳ جولائی ۱۹۶۹ء ص ۳



قطعات

قطعات
ہمد الفخار حشر

کاتبہ صدیقی

نئی انگ نئے حوصلوں کو ساتھ لے
سناؤ جشنِ مسرت مگر سیلفے سے
قدمِ قدم پہ جلاؤ محبتوں کے لیے
سجاؤ محفلِ عشرت مگر سیلفے سے

کہیں کسی بھی طرح کی کمی نہ رہ جاے
کہ تم کو صفحہٴ تاریکی پر ابھرتا ہے
سنوار دیتا ہے امر و نہی کو پسینے سے
ہو سے خاکِ فردا میں رنگ بھرتا ہے

تم آنکھ کھول چکے ہو خواب و بیدار
رجح زمانہ ہر آہن دھختا ہو گا
جو ایک نئی کو بھی غافل تھے تو ہو گا قسم
جو آنکھ جھپکی تو دشمن کا فائدہ ہو گا

ہزاروں ناگ ابھی رنگتے ہیں گلشن میں
ہزاروں خار ہیں بھولوں کا بھیس پہلے تھے
وطن پرستی کے پردے میں ملک دشمن ہیں
اجل بھی ہے اصولوں کا بھیس پہلے تھے

قدم بڑھاؤ مگر تیشہٴ نظر لے کر
کہ تم کو ماہ کے رد و ردوں کو ختم کرنا ہے
سفرِ امن و محبت پیامِ صدیق و دانا
خفیہ ہے کہ جہاں میں تمہیں ابھرتا ہے

شام کے وقت ریل دریا پر
جھللاتی ہیں پس طرح کزین
جیسے قیدی نفس میں گھبرا کر
ٹوڑنا چاہتا ہو — ذخیریں

سکراتے ہیں غم و رنج و محن
صحنِ گلزار میں چلتی ہے خون
جب بھی دہراتا ہے افسانہ کوئی
یاد آتی ہے بہت صبحِ وطن

سار کتے تھے کنول کہتے
ساغر و بزم کا بدل کہتے
کلمہ جو ملتی کبھی غموں سے نجات
ہم تھے بستر کی غزل کہتے

خواہشوں کو سدا اچھالا ہے
جذبہٴ دل مرا نہ لالہ ہے
بھول سکتا نہیں کبھی اس کو
سیری بانوں کو جس نے مالا ہے

جتنی خوشیاں بھی اس کو مل جائیں
اس کا ہر غم خوشی پہ بھاری ہے
ٹٹھکتے دیوں کے سلسے میں
جس نے بھی زندگی گزار دی ہے

سلطان سلیم (جہانگیر)



ایک باغی

بادشاہ کی حیثیت سے

* حبل اللہ تینے

امام لک الملائک

حکم جہاں مطاع اور امیر سلطان سلیم شاہ فارسی

(مہرور)

مظفر الدینا والہین

سلطان سلیم بادشاہ

دریں دف فرماں العالیٰ و احب الاطاعت والاذاغان
ادکن لطف و احسان شرف و مدد و روبر و وفات کہ

موازی دولت و چہل سیکہ میں اختارہ الیق رراعت مگر الی بطریق انداز
اذا سدا فی خریف یارس نیل اریگرہ صدر پور سرکار خیر آباد روجہ مدد و محاسن
میتوت تاب شیخ ادریس وغیرہ تحصیل میں مقرب و سلم خاندکھا احکامات کی را
سال سال صرف معیت محمد احمودہ مدعا فی دوام دولت فابہرہ استعمال
میانہ می بایک کہ حکام و محال دعا گیر داراں و کو در بیان حال و استقبال پرگرہ
مد کو در آرا می مذکور در از محل یک یک پیمودہ و یک بہتہ تصرف آہنا بار
گرداشتہ مدخل تانیند و بعلت مال و بہات و احراجات و عوارضات چلا
قلعہ و بیشکے و سادوی دہ نی و مقدی و گاؤں تھاری و صد دینے ڈاؤن
گوئے و حصہ و رسد و شکار و ریکا و دنگرا و زراعت و قسط ہر سال بعد
تخصیص یک و کل یک لایف دیوانے و مطالبات سلطانے مراحت برست
و ہم سال فرمان و بر در انجیوی طلب مدد و درویش ماب تقدیر تمام آرام
دانستہ از مودہ صدر و در گزرنہ -

تقرائی التاریخ غفرہ اسفند از مہارہ الہی سلسلہ
درچکی مقرب انحضرت الخاقانی نعل بیگ و رسالہ صدرات

سلطان سلیم (جہانگیر) اگر اعظم کے آخری امام حکومت میں حد
۲۰ ایک شخصیت ایک طاقی بادشاہ حکومت کرتا رہا اس کے کردار الہ آباد قلعہ تھا
کی ناخاند سرگرمیوں کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے۔ لیکن بعض جرحی تصنیفات
جیسے سلطان سلیم کی تحت نشیب کی تقریب، فرمان اور سکوں کے اجرا
کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ جہانگیر نے اپنی ٹوٹ میں ۵۰ سال جلوس
کے واقعات کے ضمن میں سنگ موتی کے سبب تخت کو الہ آباد سے آگرہ لے
جائے گا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ یہ تخت الہ آباد میں
اس کی بنا بنایا تھا اور کس مقصد کے لیے۔ البتہ تخت خود ہی اس بات
کی تہادت و تہلے کہ یہ زمانہ بیعت میں بنایا گیا تھا اور اس کے
سوانے کا سال سلسلہ ۱۶۱۱ء ہے۔

اعلان بادشاہت کے ساتھ ہی تخت نشینی، فرمان اور سکوں کا اجرا
بھی ضروری ہوا کرتے تھے۔ جہانگیر سلطان سلیم نے عادت کے زلمے میں
قلعہ الہ آباد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر یہاں سے متعدد فرمان جاری کیے تھے۔
فرمان کم باب اور نامی اہمیت کے حامل ہیں

یو۔ پی کے سرکاری محفوظات دستاویزات - (STATE ARCH)
۱۶۱۳ء میں سلطان سلیم کے عہد بیعت کا ایک فرمان موجود ہے
جس کے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ ہی اس تخت اور تختے کا بھی جائزہ دیا جائے گا۔
یہ فرمان اگرچہ ۱۶۱۳ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اس میں
کے مطابق شیخ ادریس کو ۲۴۰۰ روپے پرگنہ صدر پور سرکار خیر آباد میں بطور
”مدد محاش“ دی گئی ہے جو ہر طرف کے ٹیکس سے معاف تھی۔ اصل فرمان
کی نقل درجہ دیل ہے۔

پناہ افاضت و سنگاہ شیعہ ذوالشرف و ذی القعدہ نویں عبدالمسلم
روز دمی ۲۴ ماہ ذی الہجری ۳۸۰
پشت پر جو پانچ ہجریں ثبت ہیں ان میں ذیل کی عبارت
درج ہے :

(۱) "نور الدین مرید است شاہ سلیم" (۲) "عاقبت محمود مرید است
شاہ سلیم" (۳) "معین الدین مرید است شاہ سلیم" (۴) ".....
مرید است شاہ سلیم" (۵) "..... مرید است شاہ سلیم"
ان میں ہر سطر پر یہی متفقہ حکام کے دستخط اور ناخنیں بھی درج
ہیں۔ یہ مران گوناگوں اہمیت کا حامل ہے جس میں سب سے اہم بات یہ
ہے کہ سلطان سلیم کی عادت کے فوراً ہی عہدہ جاری کیا گیا ہے۔

مران کے ادیری حصہ پر اگر بادشاہ کے نام کا کوئی طعنی نہیں ہے
لکھ صرف "سلطان سلیم شاہ" درج ہے حکم اس زمانے میں عام دستور
یہ تھا کہ تمام تہہ دارے اور شاہ و دست کے نام کے طعنی کے بغیر کوئی حکم نامہ
یا تلہ جاری کرنے کے سے ہی نہ تھے۔

سلیم کے نام کے ساتھ اس کی کنیت "الواظف" اور "ماری" کا اضافہ
ہے جس کو صرف مطلق العنان حکمران لکھتے تھے۔ پورا نام "ابوالظفر سلطان سلیم
شاہ ماری" درج ہے۔ "بادشاہ" خطاب کا درج کرنا اس کی آواز اور اعلیٰ
ردش پر دلالت کرتا ہے۔

مران کے ابتدائی کلمے "فرمان عالیہ" بشعور
... "یافت" درج ہے جس سے ظاہر ہے کہ سلیم نے اس حکم کو خود ہی فرمایا
کا نام دے دیا ہے۔ اس فرمان کی عبارت اور دیگر شاہی فرمان کی عبارت
میں فرق نہیں ہے۔ سائز بھی عام فرماؤں جیسا ہے۔

یہ فرمان مختلف حکام کی جو ہر مرتبہ ہوا ان سب میں "مرید
شاہ سلیم" درج ہے۔ اس سے ان حکام کی سلطان سلیم سے وفاداری اور
ماحقہ کا اظہار ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر حکام اس نے مقرر کیے تھے۔
اس فرمان کے اجراء سے دو دروازے مقامات پر سلطان سلیم کے قلعہ کا بھی
پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک کا علاقہ اس کے زیریں تھا۔
سلطان سلیم کے جو فرمان دستیار ہوتے ہیں ان کی کم بانی اور شرف
اشاعت نہ ہوتے سے اکثر موصوفین کو بھی غلط فہمی ہوگئی خواہیں سلاطین

خاندان

عزیز مولوی بشیر الدین مرحوم کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی سلطان
سلیم کا ایک فرمان دستیاب ہوا مگر انھوں نے غلط فہمی کی بنا پر اسے ہلاکت
سود کا فرمان قرار دیا ہے۔ خواہ میں سلاطین کے دستور ۳۲ سلطان سلیم
شاہ کے فرمان کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی بشیر الدین مرحوم نے غلط فہمی
"اسی بادشاہ کو اسلام شاہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ۹۵۲ھ سے ۹۵۳ھ تک
حکمران رہا" اسی کتاب کے صفحہ ۴۰ پر فرمان کی نقل درج ہے جس کے ابتدائی
جملے یہ ہیں :

"دین وقت فرمان عالیانہ واجب الاطاعت والاذا ان
ارکن لطف (واحسان) شرف مدد ریانت کر۔....."

خاصہ پر تاریخ درج ہے :

"تحریر فی التاریخ ۲ مرداد الہی ۱۰۸۵ھ"

مذکورہ بالا فرمان کی عبارت میں سرت جند الفاظ مختلف ہیں جو معانی دار
اور دین کی جگہ سے وقوع و صورت سے مشتق ہیں۔ ورنہ دیگر تفصیلات میں تعارف
نہیں ہے۔ "ابن" سے تو اس کی ایجاد تھی۔ پھر سال جلوس صاف صاف
لکھا ہوا ہے جو اگر کہ عہد حکومت کا سال ہے۔

سلطان سلیم کا تخت

سلطان سلیم کی بغاوت کے زمانے کا سنگ موسیٰ کا سیاہ
مخت آگاہ کے قلعہ میں دیوان خاص کے صحن میں دو دیوار کی طرف
دو دروازے لگا ہوا دکھایا ہے جو بیچ سے ٹوٹ بھی گیا ہے۔ اس کا
تذکرہ جہانگیر نے اپنی تحلیف میں ان الفاظ میں ۲۵ دس سال جلوس
کے واقعات میں کیا ہے :

"اور دولت خاں جو تخت سنگ سیاہ کو لانے کے واسطے
الہ آباد کو گیا تھا چار شیشہ چو تنقیہ ہر کو اس کو ہمارا لاکر بار بار
ملا دیتا کہ ہوا اور تخت کو کوئی حفاظت سے لایا۔ عجیب عہدہ
تخت ہے کہ نہایت سیاہ ہے چمکتا ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ
کچھ ہیں۔ طول چھ گزہ کم چار گزہ ہے اور عرض دو گزہ دو پٹھوس
تھیں۔ میں نے اس کے کناروں پر سنگ تراشوں سے
عمدہ اشعار لکھوائے اور پاسے بھی اسی طرح کے پتھر سے بنوا کر

تیار ہوا تھا۔ اس کے اشراف میں تین مقامات پر "سلیم" کا نام بحیثیت ایک بادشاہ کے آیا ہے۔ یعنی
 "سربراہ عزت سلطان سلیم اکبر شاہ"۔ "سربراہ شاہ سلیم"
 اور "بادشاہ"۔

سلطان سلیم کے ساتھ

تحت کشن کے ساتھ ساتھ سلطان سلیم نے قرآن اور کتب بھی جاری کیے تھے۔ اس حد کا ایک سکہ امینٹ میوزیم لکھنؤ میں موجود ہے۔ تحت اور قرآن پر سلطان سلیم کا ایک ہی حبیب نام درج کیا گیا ہے جس کے ساتھ اللہ خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس پر بھی قرآن اور تحت و لہ میں مندرج عبارتیں موجود ہیں۔ نیچے پر نقش ہے

"ملک الملک سکندہ بر در" (ضرب شد آباد)

"ملک الملک" قرآن کے زمانہ میں موجود ہے اور کتب کے ایک جانب بھی یہی عبارت نقش ہے۔ سلطان سلیم اکبر شاہ "اور شاہ سلیم" تحت پر کندہ ہے اور کتب کے دوسری جانب شاہ سلطان سلیم اکبر شاہ کا نقش موجود ہے۔

نیچے میں ضرب احمد آباد بھی درج ہے جس سے ظاہر ہے کہ احمد آباد کے محکمات میں سلطان سلیم کا کوئی خاص سکہ ملے ہو گا۔ یہاں سے ڈھلنے کے بعد یہ کتب جاری ہوئے ہوں گے۔ اس بات کا امکان ہے کہ متعدد کتب عہد نبوت کے موجود ہوں اور متعلق کی بناء پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

بہر حال تحت، قرآن اور کتب کی ماثلت اور موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سلطان سلیم نے عہد نبوت میں باقاعدہ اور منظم حکمرانی کی تھی۔

تحت کے بارے اور اکثر اس پر شبہ کرتا ہوں ہے
 تحت کی لمبائی ۱۰ فٹ چار انچ، چوڑائی ۱۰ فٹ ۱۰ انچ اور موٹائی ۱۰ انچ ہے۔ اس کی موٹائی میں چاروں طرف نہایت خوبصورت نستعلیق میں ذیل کے اشعار کندہ ہیں:

بادشاہ کو تیغ اور ساز و
 چوں دو کچھ مرڈ بہ دو نیم
 باشد این شکار و غرزدہ
 تیکہ گاہ قہایگان کویم
 فلک خسرو این پاسے ملک
 مردہ را چار بر در کیم
 سند با صفا ز نور ضیاء
 گہرے بہا چو در بہ نیم
 بے تاریخ اور بفکر شرم
 مدوئے تیر از دعاے حکیم
 تا فلک شکار و غرزدہ است
 گفت اندر سر بر شاہ سلیم
 سر بر جگر سلطان سلیم اکبر شاہ
 ہمیشہ باد نور نور مراد

تحت کے پاؤں پر کافی خوبصورتی کی عبارت اور اشعار کندہ ہیں
 "چون شاہ سلیم دارش تاج و تخت
 بخت نصرت بہت گئی ایں
 شہم مار گرن چو ذات
 در نور خدا نقش فرماید
 کہ سما میں از عیون شاہ سلیم
 و جہاں از لہجہ میں چار کبر شاہ

بلند مرتبہ باد و فلک حکم ادا
 سر بر شاہ بہا گھر ایں کبر شاہ

مذکورہ بالا دونوں کتب اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ الگ الگ وقتوں میں تیار کیے گئے تھے۔ تحت کے چاروں طرف اشعار کندہ ہیں اس میں سلطان سلیم شاہ کا نام آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ الہ آباد ہی میں کندہ کرائے گئے تھے۔

تحت کے پاؤں کی عبارت چھوٹے حروف میں نقش ہے اور اس میں بہانگیر کا نام بار بار آیا ہے اور یہ صراحت بھی ہے کہ جہاں سے قبل "سلطان سلیم" نام تھا۔ لہذا یہ ہے کہ یہ تحت نبوت کے زمانہ ہی میں



لہ قلعہ احمد آباد میں سلطان سلیم نے اشوک کی لاٹ پر ایک خوبصورت کرا دی ہے جس میں کاتب کا نام عبداللہ شمشیر رقم درج ہے۔ یہ خط لکھنؤ کی کاتبانہ کاتب تھا۔ شمشیر رقم کا خطاب اکبر نے دیا تھا۔ تحت اور لاٹ کے کتبوں کے خط میں مماثلت ہے۔ دونوں کا خط انتہائی پاکیزہ ہے۔ گمان غالب ہے کہ اس کا کاتب نے تحت کے کتبوں کو بھی لکھا ہو گا۔

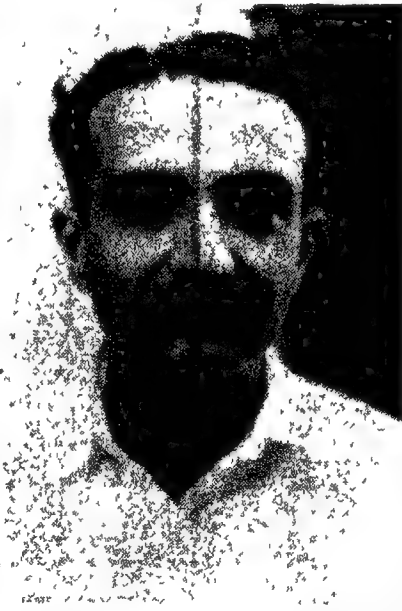
آزاد ہونے کے بعد

ہندستان میں کرکٹ

وجہ موجزنے

اس مضمون میں ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان اور نواز کرکٹ کھلاڑی وجے مرچنٹ نے ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک ہندستان کے کھیلوں کا جائزہ لیا ہے اور ۱۹۶۱-۶۲ء سے ہندوستانی کرکٹ کے بہتے ہوئے معیار پر روشنی ڈالی ہے۔ قارئین مبادا دوسرے دلی چپ کے لیے یہ مضمون یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

تلمیذوں کے موافق تھے۔ اس لیے
میں ان کھیلوں کا ذکر نہیں کروں گا جو
صرف ریکارڈ قائم کرنے کے لیے ہیں۔
ہر کیفیت ایک ریکارڈ کا تذکرہ
ضروری ہے اس لیے کہ یہ نہ صرف
ایک نمایاں ریکارڈ بلکہ ہندوستانی
کرکٹ میں نہایت ہی اچھی کھلی ہوئی
مادی نے ۱۹۴۵-۴۶ء کے رنجی ٹرافی
میں ۱۰۸ رن بنائے تھے۔ ان
میں ۱۹۰، ۱۶۰، ۱۳۵ اور ۱۱۵
(آؤٹ نہیں ہوئے) اور ۳۱ (آؤٹ
نہیں ہوئے) ۱۱۳، ۹۵ اور ۱۱۵ اور
رون کا اوسط ۲۰.۱۶ رہا تھا۔ اس
دلہنے میں تمام بیچ "ٹوک آؤٹ سسٹم"
(KNOCKOUT SYSTEM)
سے ہار گئے تھے تو کھیلوں میں ایک سسٹم پر



دوسری جنگ عظیم کے دوران
یعنی ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک
ہندستان اور غیر ملکی کرکٹ ٹیموں کے
دورے ایک دو سکر ملک میں نہیں
ہوئے اور تمام ٹورنامنٹ اور سیریز
ملک ہی میں ہوئے۔ ان میں سے بعض
جیتے ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر
پنجاب کرکٹ اور رنجی ٹرافی ٹورنامنٹ
ان میں اور ٹورنامنٹوں میں خاص کر
بہتر سنگھ کا مہارہو کیا گیا۔ وجے
نوازے، رومی مودی اور رافیل کوٹ
نے نہ صرف انفرادی طور پر ٹیم کے
لئے نہ صرف انفرادی طور پر ٹیم کے
کیے بلکہ انھوں نے ایسی استقامت کا
نظام ہر وہ کیا جس کی مثال تقبل میں
سوائے سیریل گواسکر کا کوئی بھی نہیں

پچ نہیں کیے جاتے تھے۔

جنگ عظیم کے فوراً بعد لنڈے ہیسٹ (LINDSEY HAST)

نہ کر سکا۔ ان کھیلوں نے ہماری پیشنگ کی صلاحیتوں کے بلے میں وٹا غلط
چھوڑا۔ بڑے بڑے انفرادی اسکوریں دیکھیں گے جو سب کے سب

ہوجاتے ہیں اور باہر اپنی اسل بندی کی وجہ سے ایک اچھا آغاز ہوئے رکھی جاتی پورٹن مضبوط نہیں کر پاتے۔

پہلی سے ۱۹۲۶ء میں ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے دورہ انگلستان کا آغاز کپتان کے انتخاب کے سلسلے میں سخت اختلافات سے ہوا۔

دائرہ محدود ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۵ء تک غیر سرکاری ٹیسٹ میچوں میں ہندوستانی ٹیم کی نیا دت کرنا بل۔ اچانک ۱۹۳۷ء میں پورٹن نے

جنا رکان نے فاب بٹودی (مروم) کو کپٹن کے فرائض انجام دینے کی دعوت دی۔ بلاشبہ بٹودی ایک عظیم کھلاڑی تھے مگر وہ جس کے

دوران اول دس کے کرکٹسے غیر متسلک رہے۔ انھیں آخری لمحوں میں کپتان منتخب کر کے ان کے ساتھ نا انصافی کی گئی۔ چنانچہ

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ وہ اس دورے میں ناکام رہے اور وہ اب معیار کو قائم نہ رکھ سکے۔ وہ صرف ۹۰۱ رن بناسکا

رون کا اوسط ۴۱.۱۱۱۔ باوجود قریب سے ہمت نہ تھا۔ علاوہ اس اس دوسرے میں وہ جسمانی طور پر بھی جیت نہ رہ سکے۔

اس دورے میں وہ سب سے پہلے ہندوستانی کھلاڑی تھے جنھوں نے ڈبل اسکور کیا انھوں نے ۱۱۲ رن بنائے اور ۱۲۹ وکٹ لیے یہ کارنامہ

سرا انجام دینے کے لیے کسی بھی کھلاڑی کو ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ دائرہ محدود نے کل ۲۳۸۵ رن سات سالہ جن میں سات سکور

شامل ہیں۔ رن کا اوسط ۵۳.۷۳۔ یہ اعلا دھماکا ہندوستانی کرکٹ میں ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اب تک کوئی بھی ایسے

رن نہیں بنا سکا ہے اور وہ کوئی سیکرٹ (بجری) کی اس تعداد تک پہنچ سکا ہے اور وہ بھی مربوط موسم میں۔

ہندوستانی ٹیم اگرچہ آگسٹی کے مئی طویل سفر کا مابا رہا کیوں کہ ہمارے کھلاڑیوں نے عمدہ فیل کا مظاہرہ کیا اور انھیں زخمی ہونے کو

کافی مخلوطا کیلئے لوگ ہمارا انھیں دیکھنے کے لیے کثیر تعداد میں آئے اور ہماری ٹیم کو ہر طرح کا تعاون دیا اور بہت افرانی کی۔

مسئلہ اور دائرہ محدود کی غیر معمولی کامیابی سے نظر اس دورے کی مزید دو چیزیں توجہ کی مستحق ہیں۔ چند سروسٹے اور ٹیلے ہنری نے

اولمپس سر کے خلاف آخری وکٹ پر ۲۳۹ رن بنائے۔ اس طرح

کپتان میں اسٹریٹیا کی سرورسٹم ہندستان آئی۔ اس میں دوست انڈر کرٹ کھلاڑی، کیتھ لارڈس جیو شائل تھے۔ اول انڈر کرنے

بعد میں پرا نام پیدا کیا اور آخر انڈر ایک عظیم ٹیم اسپن (دو ۷۷ ۵۰/۶۰) بالز ثابت ہوا۔ بلر۔ ۳۰ سے زیادہ رن بنانے والا اور

۲ وکٹ لینے والا بین الاقوامی کرکٹ کھلاڑی تھا۔ لیکن ۱۹۵۶ء میں وہ قبل از وقت ریٹائر ہو گیا اور اس طرح کرکٹ کی دنیا میں سب سے

زیادہ رن بنانے والے اور سب سے زیادہ وکٹ لینے والے کے اوکے لور سے محروم رہ گیا۔ اسٹریٹیا واپس ہونے کے بعد میراٹریٹین کرکٹ

تعمیر اور وہ اس کے سکوک سے نہایت بد دل ہو کر انگلستان ہجرت کر گیا جہاں وہ برسوں تک لیگ کرکٹ کھیلنا اور شہرت حاصل کی۔

اسٹریٹیا کی تذکرہ بالا سرورسٹم نے ہندستان میں غیر سرکاری ٹیسٹ کرکٹ کھیلے۔ پہلے دو دورے ہجرت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوئے۔ البتہ تیسرے میں ہندوستانی ٹیم کو غیر متوقع کامیابی حاصل

ہوئی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ متاثر کھیل کا مظاہرہ ویوڈی نے ڈبل چنری بنا کر کیا۔ اور اس سیریس میں جبری اور سروسٹے نے تھا

ہی عمدہ باؤنگ کی۔ بعد ازاں ۱۹۵۷ء میں ہماری ٹیم انگلستان گئی جہاں ہمارا

پرجوش استقبال کیا گیا۔ جنگ سے تنگ کراد مختلف طرح کی چیزوں سے تنگ کرنا اگرچہ ہندوستان کے خواہاں تھے جسے ہندوستانی ٹیم نے خاطر

طریقے سے ہم سبھا بالاسم ہوگوں کو انگلستان کے خلاف ہنریٹ کو پیش کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ اگرچہ کھلاڑی تھے سالہ جنگ کے

فشاری اثرات سے ابھی جھکا را حاصل نہیں کر سکے تھے اور ہمارے یہاں گوجہ نچا اور متاثر کھلاڑی بھی موجود تھے مگر بہت سی سے ہنریٹ ایک

ٹیم نہیں تھے اور یہ ہندستان کی زبردست کامیابی تھی۔ ہم نے عظیم کرکٹ کھلاڑی پیدا کیے ہیں اور نہایت ہی شاندار

انفرادی کھیل کا مظاہرہ کیا ہے، فنس ہم ایک ٹیم کی حیثیت سے اتحاد وکل، عزم، صبر اور سبکی اسٹریٹ کرکٹ کے فاہر رہے ہیں

کے بیٹن میں ہیں کہ ہندستان کھلاڑیوں میں ہم آہنگی نہیں ہے لیکن ٹیم اسپرٹ اور دوستی دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہم باؤنگ ٹیم

بھر ۵-۱۹۳۹ء میں دولت مشترکہ کی ٹیم لوگ اسٹون کی کڑی میں ہندستان آئی۔ راقم الحروف بھی تین سال کے تعطل کے بعد اول درجے کے کرکٹ کھیلے واپس آگیا۔

میں نے پورٹس درخواست کی کہ مجھے آئندہ کھیلوں کے لیے ہندستانی ٹیم کا کپتان مقرر کیا جائے، کیونکہ میں اول درجے کے کرکٹ سے ۳۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہو جانا چاہتا ہوں۔ اس کے باوجود پورٹس نے مجھے دولت مشترکہ کی ٹیم کے خلاف کھیلنے والی ہندستانی ٹیم کا کپتان منتخب کر لیا۔

ہندستان آنے والی دولت مشترکہ کی پہلی ٹیم کے خلاف ہم لوگوں نے بہت ہی عمدہ کھیل پیش کیا۔ تین مین سے دو بیچ جسٹ کریم لوگوں نے دراصل کر لیا۔ ہزارے نے عصب کی ناڈنگ کی اور ۱۲۰ رن کے لیے انھوں نے ہر ڈک اور ۲۳۲۳ رن بنائے۔ پہلے بیچ میں ڈک اور پٹ رنجی ہو گیا۔ میری عمر موجودگی میں کپتان کے فرائض ہزارے نے اٹھائی شاندار طور پر انجام دیے۔ میں پھر واپس آگیا اور دو سکریمز کی دو اننگز میں ۸۰ اور ۹۰ رن بنائے۔ سکریمز کا ٹھوس خد بد پختہ نہیں اور میں آئندہ کھیلوں میں حصہ لے سکا۔

دولت مشترکہ کی ٹیم کی طرف سے فریک دور میں نے سترن کپیل کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے ۹۱ رن کی اوسط پر ۴۸ رن بنائے۔ جارح ٹرانس نے بھی بہت ہی عمدہ کھیل پیش کیا اور انھوں نے ۲۵۵۸ رن کے اوسط پر ۴۴ رن کے لیے۔

اس کے بعد دولت مشترکہ کی دوسری ٹیم سٹورمگر بننے بارادہ وکٹ کپٹن لڑی ایمر کی سرکردگی میں ہندستان آئی۔ ہم لوگ بے سیر بردہ کے مقابلے میں صحت ہار گئے۔ ہزارے ۱۰۰ رن بنائے اور راقم الحروف نے سخت حد و حد تک۔ ہزارے ۱۰۰ رن کی اوسط پر پھر ۴۳ رن بنا دوسری طرف جان ایکن جیسے ادا ریلے بانٹے ۴۸ رن کے اوسط پر ۴۴ رن بنائے۔ سنگھ جہادی ٹیم کا سکریمز دھچے وکٹ لینے والے ثابت ہوئے۔ انھوں نے ۳۳ رن ۳۴ رن ۲۲ رن وکٹ گراے۔ ہندستان کو پیریز چٹ لیا جاتا ہے مگر ہم لوگوں کا کھیل جو اگرچہ اعدادی طور پر بہت ہی اچھا رہا مگر مبارک ہو بار آ کر سکا۔

پرسے زیادہ دن بنانے والوں میں دو سکریمبر رہے والی ٹیم کی ثابت ہوئی۔

اس ریکارڈ کا سب سے عظیم ہیلو یہ تھا کہ جب ۱۰ دونوں نے بائیں سرب میں کھیلنا شروع کیا تو اس وقت دونوں میں سے کسی نے ایک بھی رن نہیں بنایا تھا۔

دورہ انگلستان کے بعد ۳۸-۱۹۳۹ء میں ہندستان کی ٹیم لار امر ناتھ کی سرکردگی میں آسٹریلیا گئی۔ جس ٹیم کا انتخاب ہوا تھا اس میں راقم الحروف (کپتانت کپتان) مشائق علی اور دووی مودی خرابی صحت کے باعث نہیں جاسکے، فصل محمود کو فیسر زندگی دے دیا اور دو مشوخ کرنا پڑا۔ اس طرح ہم لوگوں کو ٹری آرمائشوں سے گریزا پڑا۔ بائیں ٹیم میں ہم لوگ چار ٹیسٹ جیت گئے۔ مگر انڈی لینڈ کے چوتھے ٹیسٹ میں ہزارے کے دونوں ماری (اننگز) میں (۱۱۶ اور ۱۲۵) سکریمز بنا کر وہ شاندار کارنامہ سر انجام دیا جس نے اس دورے میں ہمیں رسوائی سے بچا لیا۔ ان ٹیسٹ میں سنگھ نے بھی دو سکریمز بنائی۔ ریڈ مین عصب کے نام میں تھے اور انھوں نے ۳۹ رن کی عمر میں ۵۰، ۸۰ کے اوسط سے ۱۵ رن بنائے۔

دوسرے سال ۳۹-۱۹۳۸ء میں ڈیٹ انڈیز کی ٹیم ہندستان آئی۔ راقم الحروف کپتان مقرر کیا گیا۔ مگر میں پھر اپنی صحت کی خرابی کے باعث نہیں کھیل پایا۔ خود اپنی سرزمین پہنچ کر ہم لوگ پہلے کھیل کا مظاہرہ نہیں کر سکے اور وہ واحد ٹیسٹ بھی ہار گئے جس کا فیصلہ ہوا۔ مافی حار دونوں جیت رہے تھے۔

آخری ٹیسٹ بیچ میں ہم لوگوں کو اپنی جیت یعنی نظر آنے لگی۔ دو رن بنا مافی رن گئے تھے اور ہم لوگوں کو صرف پھر رن بننے تھے۔ ہزارے اور مودی نے بہترین کھیل کا مظاہرہ کیا اور ان دونوں نے ۶۰، ۸۰ کے اوسط سے ۵۳ رن اور ۵۶ رن کے اوسط سے ۶۰ رن بنائے۔ سیریز میں سب سے تان دار کارنامہ یوٹن وکس نے انجام دیا۔ انھوں نے ۲۸ اور ۱۱۱ کی اوسط سے ۹۰ رن بنائے۔ وہ یقیناً ایک شاندار کھلاڑی تھے اور کپتانت گیند باز ان کا کارنامہ آنے والے برسوں میں میلاؤنی گیند بازوں کے لیے تعقل راہ ثابت ہوا۔

بنیاد میں کسی نے شہر اور کھیل کا نظارہ نہیں کیا کہ فیض محمد نے ۱۹۵۱ء کے وسط پر ۲۵ کوٹ اور دیو سکڈ کے ۵۶ کوٹ کے وسط پر ۲۵ کوٹ لے لیے اس دور سے لوگوں میں خاص ہوا بھی پیدا ہوئی کہ کون کون سا پہلا موقع تھا کہ کھلاڑی جو ہندستان کی طرف سے پہلے بھی ایک ساتھ کھیل چکے تھے اب دو ملکوں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف کھیل رہے تھے۔ پاکستان کی قیادت عبدالحمید کا دار اور ہندوستان کی لا رام رائے تھے۔

دبچہ خیرا کے کپتان میں ہماری ٹیم ۱۹۵۳ء میں ویٹا بلٹز کے دورے پر گئی۔ ہم سیریز نصف کے مقابلے میں ایک پیسے ہار گئے۔ یہی نہیں زیادہ تر خیرا خیرا کی موافقت میں ختم ہوئے امریکہ دور آپٹ نے خان دار بینک کی اور بالترتیب ۵۶ (اوسط ۶۳۲۳) اور ۴۶ (اوسط ۵۱۱۱) رن بنائے۔ سمجھاں گئے ہمارے کامیابی بن گئے تھے انھوں نے ۲۹۴ کوٹ کے اوسط پر ۲۶ کوٹ لے لیے اور ۲۸ دیکس ہمارے سب سے زیادہ تار تار ہوئے۔ انھوں نے ۱۰۲۸ کے اوسط پر ۱۶ رن بنائے۔ ویٹا بلٹز نے سب سے زیادہ کوٹ لے یعنی ۲۹۵۴ کوٹ کی کوٹ کے عوض ۲۸ ہماری بینک ٹیم کی لیکن کمزور گیند بازی کی جس سے ہم نے بہت زیادہ رن دیے ہماری بینک ٹیم بہت کم بین الاقوامی سیریز میں پہلی مار نہایت عمدہ تھی اور اس میں ہمارے ملک کا کافی نام ہوا۔

ہم نے ۱۹۵۳ء میں سلور جوبلی اور سیر کرکٹ ٹیم پر چونہ سیر کیلئے لیے ہندستان آئی تھی فتح حاصل کی۔ یہ سیر سرکاری سیریز تھی جو ہم نے ایک کے مقابلے میں دو ٹیموں میں کامیابی میں کر کے جیت لی۔ دونوں میں کسی ٹیم کے کھلاڑی نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا سوائے سمجھاں گئے اور غلام احمد کے جنھوں نے بالترتیب ۲۵۳ کے اوسط پر ۲۶ کوٹ اور ۳۰ کوٹ کے اوسط پر ۲۳ کوٹ لے لیے اس کامیابی کے بعد ۱۹۵۳ء میں دیو سکڈ کی قیادت میں ٹائی ٹیم پاکستان کے دورے پر گئی۔ یہ انتہائی عجیب و غریب دورہ تھا۔ انھوں ٹٹ باجیت کا فیصلہ ہوئے ختم ہوئے کسی ٹیم نے بھی جیتے کی خوشی ہی نہیں کی۔ دونوں ٹیموں کی وجہ کسی طرح شکست سے بچنے پر تھی۔

ایک سال کے وقفے کے بعد ۱۹۵۱ء میں انگریزوں کی کرکٹ ٹیم ہندستان آئی۔ یہ ان کی بہترین ٹیم نہیں تھی اور مدراس میں لے ایک انگ اور رن سے ہر کرکٹ ہندستان نے سرکاری ٹٹ میچوں میں پہلی فتح حاصل کی تھی بینک میں بیچ لے اور باؤنگ میں دیو سکڈ نے کاربے نمایاں انجام دیے۔ سکڈ نے ۱۳۵۹ کے اوسط پر ۴۴ کوٹ لے لیے۔ مدراس میں ۸ رن دے کر انھوں نے ۱۲ کوٹ لے لیے اس طرح اس جیت میں ان کا زبردست ہاتھ رہا۔ ہان ٹیم کی طرف سے ڈاکٹر گرونی نے خان دار بینک کی اور ٹیسرسل نے عمدہ باؤنگ کا مظاہرہ کیا۔ دہلی کے پہلے ٹٹ کی اپنی واحد انگ میں راقم الحروف نے ۱۵۴ رن بنائے اس پیسے کے دوران میرا شانہ زخمی ہو گیا اور میں اس سلسلے کے نتیجہ میں حصہ نہ لے سکا۔ اس سیریز کے اختتام پر میں نے فرسٹ کلاس کرکٹ سے ریٹائر ہوئے کا اعلان کر دیا۔

ہم نے ۱۹۵۱ء میں دبچہ خیرا کے قیادت میں اپنی ٹیم انگریزوں کی۔ یہ دورہ بہت باؤس کس ثابت ہوا۔ ہم ٹٹ ہار گئے اور جو تھے ٹٹ میں مارش کی وجہ سے باجیت کا فیصلہ ہو سکا۔ ہمارے اس باؤس ہمارے اشارے پر تھے۔ لیکن ان کے اشارے کے لحاظ سے اس کا یہ سیریز نہایت خراب رہا۔ تمام ٹیموں میں غلام احمد نے خان دار باؤنگ کی اور ۸۰ کوٹ حاصل کیے۔ دوسرے کوٹ میں سکڈ نے باؤنگ اور بینک دونوں میں شانہ کھیل کا مظاہرہ کیا اور دونوں انگ میں بالترتیب ۴۲ اور ۱۸۴ رن بنائے۔ پہلی انگ میں انھوں نے ۱۹۶ رن دے کر ۵ کوٹ لے لیے۔ ان کے شانہ دار کھیل سے انگریز کرکٹ عمدہ داران اور تماشائی آتما اثر ہوئے کہ اس پیسے کا سکڈ کا پیسہ "قرار اور انھیں "عظیم سکڈ" کا نام دیا گیا۔

یہ ۱۹۵۳ء میں پاکستان ٹیم نے ہندوستان کا پہلا کرکٹ دورہ کیا۔ ہندوستان نے دہلی کا ٹٹ پیچھا۔ دوسرے ٹٹ میں کوٹھڑیس ہوا ہندستان ٹٹسٹ جونی اور مٹی کا ٹیسرٹ جیت کر ہندوستان نے ایک کے مقابلے میں دس سیریز جیت لی۔ اس ٹٹ پیسے کے بعد آج تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تھے بھی ٹٹ کھیلے گئے وہ سب برابر رہے۔ اور کسی میں باجیت کا فیصلہ ہو سکا۔

گیند ماروں میں ادھر بال اور گلرٹ نے بالترتیب ۳۰ اور ۳۱ کھلاڑی آؤٹ کیے۔ اور اس مار پھر سجھاں گیتے ہمارے کامیاب تھے گیند مار تھے جھونے ۲۲ دھڑلے۔ اس سیر میں ہمیں سو برس کی لافانی بیگ کا اندازہ ہوا۔ دیگر ماروں نے بھی عمدہ بیٹنگ کی لیکن کوئی سو برس کا قابل نہ کر سکا۔

اسی سال ۱۹۵۹ء میں ہمارا انگلینڈ کا دورہ انتہائی بااثر کن رہا۔ ڈی کے گائیگوارڈ کو ہندستانی ٹیم کا کپتان بن گیا۔ لیکن ان کا کام کا یہ حال تھا کہ وہ فرسٹ لیون میں سرسک ہوئے کے بھی سچے حریف تھے۔ اٹلٹ پیون میں ہم نے آٹھ کپتان آزمائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف لوگوں کی قیادت میں ہندستانی ٹیم ہندوستانی ٹیم کی طرح دھڑکتی رہی۔ کوئیسیا جیسے کہ ہندستانی کرکٹ میں کپتان کی شخصیت ہوس کا انتخاب کر کے اسے ضروری اور اس میں کھلاڑیوں کو کوشش کی صلاحیت ہو۔

ہم پانچوں ٹسٹ میچ ہار گئے اور وہ بھی نہایت مرتکب طریقے سے۔ کسی ہندستانی کھلاڑی نے کوئی قابل ذکر کام انجام نہیں دیا تو اسے حاسن علی بیگ کے چھوٹے بے بیٹلٹ میچ میں ہی سچی سانی عاس کے علاوہ ام جگن نے بھی باؤنڈریٹس میں سچی سانی۔ انگلینڈ نے نہایت عمدہ بیٹنگ کی فریڈرکس کے لیے یہ ماریٹ نشان دہیزن تھا۔ ۷۰ کے اوپر ۲۴ دھڑلے۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ سیرن کے آغاز میں ہی بے بیٹنگ کے گھٹے میں چوٹ آگئی جبکہ وہ نشان دہیزن کاٹا ہوا کر رہے تھے۔ انھوں نے ۶۵، ۷۵، ۷۵، ۷۵ کے رنوں کا اوپر ۶۲، ۶۲، ۶۲ اور دیگر دوسرے ہندستانی کھلاڑی ہیں۔ مجھوں نے ایک انگلش سیریز میں ۲۰ دن ہارے لیکن جو تھے ٹسٹ کے بعد رنجی ہو جانے کے بعد وہ ہمت کی کہ میں حصہ لے سکے۔ پہلا کھلاڑی راقم الحروف ہے جسے ۱۱ اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔ گیتے نے نہایت عمدہ انداز کی اور ۱۰ دھڑلے میں صرف ۵ کی بھی رہ گئی۔ انھوں نے ۲۱۵۸ کے اوپر ۹۵ دھڑلے۔

اگلے سال یعنی ۶۰-۱۹۵۹ء میں آسٹریلیا کی ٹیم پھر ہندستان کے دورے پر آئی۔ یہ دورہ ذرا طویل تھا اور اس مرتبہ ہم نے پہلی دفعہ کامیور کے ٹسٹ میں انھیں شکست دی تاہم وہ ایک کے مقابلے میں دو

تھے جسے یہ دورہ انتہائی غیر دلچسپ رہا۔ کسی کھلاڑی نے اچھا کھیل نہیں دکھایا۔ بس گیتے ۶۶-۲۲ کے اوپر ۱۲۱ پاکستان کے خان محمد نے ۵۶-۵۱ کے اوپر ۲۲ کھلاڑی آؤٹ کیے۔

کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد ۵۶-۶۱ میں یوزی لینڈ کی ٹیم ہندستان آئی۔ یہ ہمارے مقابلے کی ٹیم نہیں تھی اور ہم نے صرف کے مقابلے میں دو چوکوں سے یہ سیریز جیت لی۔ سٹ کلفٹ اور ڈیوڈ ٹیوٹلٹ کے کامیاب ترین بلے باز تھے۔ سٹ کلفٹ نے ۸۷-۴۸ کے اوپر ۶۱۱ رن اور ڈیوڈ نے ۴۲-۷۰ کے اوپر ۴۹۳ رن سامے۔ ہندستان کی نظر سے نکلنے ۵۲-۱۱ کے اوپر ۵۲۶ رن بنائے جبکہ سجھاں گیتے اس سیریز کے واحد قابل ذکر گیند باز تھے۔ انھوں نے ۶۷-۱۹ کے اوپر ۳۴ دھڑلے۔ وکٹ کے اعتبار سے ان تمام سیریز میں کھیلے ہوئے ہمارے عمدہ رہا۔ یہی وجہ تھی جو ہمارے کچھ بلے بازوں نے خان دار بیٹنگ کا نظا ہر کیا۔ مثال کے طور پر سکھیلے ہندستانی کھلاڑی تھے جنھیں ایک ہی سیریز میں دو بار ڈبل سچری بننے کا فخر حاصل ہوا۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی اور کھلاڑی نے بھی یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

انگلینڈ سے ۱۹۵۹ء میں واپس ہونے پر آسٹریلیا کی ٹیم ہمارے یہاں ٹھہری اور اس سے تین ٹسٹ میچ ہوئے۔ پہلا میچ آخر کی ٹیم آسانی سے جیت گئی۔ دوسرا میچ باجیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوا۔ اور تیسرا میچ آسٹریلیا کی ٹیم صرف ۳۴ رنوں سے جیت پائی۔ آخری میچ میں ہمارے بیٹے کے امکانات تھے لیکن یہ موقع ہم نے کمر در بیٹنگ کی وجہ سے کھو دیا۔ وجہ تھی دو دنوں انگریز ہمارے بیٹنگ حد سے زیادہ خراب تھی۔ اس کے بعد ۵۰-۶۱ میں ہماری ٹیم سلون کے دورے پر گئی۔ ہم لوگوں نے صرف تین میچ کھیلے۔ آخری میچ آل یون کے خلاف تھا۔ یہ میچ ڈرا ختم ہوا اور کوئی قابل ذکر کام انجام نہ دیا جا سکا۔ ایک سال کے وقفے کے بعد ۵۹-۶۰ میں ویسٹ انڈیز کی جیتا ہی عضو ٹیم ہندستان آئی۔ اس نے تینوں ٹسٹ میچ جیتے اور بیٹنگ فوج رہی۔ گائیگوارڈ سرسک کھلاڑی تھے۔ انھوں نے ۵۵-۵۵ رن بنائے اور ان کے رنوں کا اوپر ۳۷-۹۲ رہا۔ ہماری طرف سے صرف چار رن کی وجہ سے دو دنوں اننگ میں سچی بننے کی سعادت حاصل ہو سکتی۔

میں اور دوسرا کلکتہ میں جیتا جبریل بیج برابر رہا۔ سو برس بہترین بلہ نانا تھا۔
ہوئے۔ اس سیریز میں فاروق انجینیئر مدراس میں بیج سے پہلے ہی
۱۹۴۴ء میں بایا گئے۔ اگر دلپ سر دیانی نے انجینئر کو اور موقع دیا ہوتا
تو کچھ نہیں ہے وہ آسٹریلیا کے تین مٹا دکھلا ڈی وکٹر ٹریمر جارج
ریک آرمی اور ڈان ریڈ میں کی صفت میں شامل ہو جاتے جنھوں
نے ٹسٹ بیج کے پہلے دی بیج سے پہلے سچی سنائی ہے۔ سر دیانی کے
لیے دن کوئی حیر نہیں تھے۔ مگر فاروق انجینئر ۱۹۶۶ء میں اور بایا گئے تو
انھیں لافان تھرت مل گئی ہوتی۔ چند سکھ اور گنہ نے عمدہ گیند بازی
کی اور دوسرے ۱۸ وکٹ حاصل کیے۔

اسی سال یعنی ۱۹۶۷ء میں ہم انگلینڈ کے دو بے برگے۔
وہاں ہم تینوں ٹسٹ بیج ہار گئے۔ انگلینڈ کے دور میں کبھی بھی جارج
بدلے ہوئے حالات سے ہم آہنگ ہونے میں کامیاب نہیں ہوئی تھیں
انفرادی طور پر کھلاڑیوں نے اچھی کارکردگی دکھائی مگر مجموعی طور پر
ہندستانی ٹیم کی طرف سے صرف یوڈی نے بخوبی بنائی اور چند دیگر
نے مین ٹسٹ میچوں میں ۱۶ وکٹ حاصل کیے۔ رطافوی نے انڈین
ہماری اوسط درجے کی گیند بازی کے مقابلے میں اچھے اسکور کیے۔

اگلے سال ۱۹۶۸-۶۹ء میں ہماری ٹیم پھر آسٹریلیا گیا اور جارج
ٹسٹ بیج ہار گئی۔ دوسرا ٹسٹ بیج سنہ کا ایک سان دارم سے ہم نے
غیر بے دارمانے بازی کی دوسرے کھو دیا۔ اس بیج میں ہماری ٹیم
کو سنہ کے لیے صرف ۸۵ رن دیا کرتے تھے ہمارا انکورد وکٹ پر ۳۱۰
رن تھا اور انھیں ۶ کھلاڑی باقی تھے۔ مگر ہم نے نتیجہ وکٹ کو کھو کر بیج
بھی کھو دیا۔ جسے کھالے جو دوسرے کھلاڑیوں کے زخمی ہو جانے
پر آسٹریلیا پہنچے تھے اس بیج میں شان دار ٹینگ کی اور دونوں انکر
میں ۴ اور ۱۰۱ رن ساے پیوڈی نے بھی حد تک سے ٹینگ کی
اور دوسری ٹیم نے آل راؤنڈ کھیل کا اچھا مظاہرہ کیا۔ مگر انڈیانی
کھلاڑی برتا تھے جنھوں نے اوسطاً ۴۴، ۲۷ رن دے کر ۲۵ وکٹ
آسٹریلیا سے ہماری ٹیم یوزی لینڈ پہنچی جہاں ہم نے ۳۵ میچوں
میں پہلی بار دوسرے ملک میں ٹسٹ بیج جیتا۔ یوزی لینڈ کو ہم نے اک کے
مقابلے میں تین بیج سے ہرایا۔ حالانکہ یوزی لینڈ کی بہترین افرادی کرکٹ

شامل کیا گیا۔ مدراس میں پہلے ٹسٹ ہی میں کنر نے ۱۹۲ رن ملے
یہ تو انھیں تمام باپچ ٹسٹ میچوں میں انھیں کھیلنے کا موقع ملا جبکہ فاروق انجینئر
کسی میں بھی کھیل نہ سکے۔

اس وقت ہندستانی کرکٹ کا میا رے حد کر گیا تھا۔ بیج ہارے
یا ہار کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت ہی نہ تھی حیرت تو دور کی بات
تھی اور جیتنے کا امکان بہت کم تھا۔

آسٹریلیا کی ٹیم ستمبر ۱۹۶۷ء میں وطن واپس چلتے ہوئے ہندستان
آئی اور تین ٹسٹ بیج کھیلے گئے۔ ان میچوں میں بھلا بیج آسٹریلیا نے
لیا اور دوسرا بیج ہار گئی۔ تیسرا بیج برابر رہا۔ اس طرح پہلی بار آسٹریلیا
اور ہندستان کے درمیان سیریز برابری پر ختم ہوئی۔

مئی میں دوسرا ٹسٹ بیج متحدہ بورڈ کے دلیرانہ ٹینگ
کی وجہ سے جیتا گیا۔ کسی بھی ملہ ڈانے امتیاز حاصل نہیں کیا تاؤ کوئی نے
اوسطاً ۷۰، ۱۲۵ رن دے کر ۱۷ وکٹ لیے جو سب زیادہ تھے۔

سیلون کی ٹیم ستمبر ۱۹۶۷-۶۸ء میں ہندستان کے دورہ پر آئی اس
نے دو غیر سرکاری ٹسٹ بیج ہارے اور اچھا آباد میں کھیلایا آخری
ٹسٹ بیج جیت لیا۔ سیلون کے باہت کپتان نے پہلی اگر ہندستان
سے ۸۸ رن کم ہونے کے باوجود ڈکھ کر دیا اور ہندستانی ٹیم کو دوسری انگر
میں صرف ۶۶ رن پر آؤٹ کر کے ۶ وکٹ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔
سیلون کی ٹیم کی ہندستان پر بھی ایک جیت ہے۔ سیلون میں غیر معمولی کرکٹ
کھلاڑی پیدا ہوئے ہیں مگر وہاں بھی کبھی ایک عمدہ کرکٹ ٹیم نہیں
نکل سکی ہے۔

یوزی لینڈ سے ۱۹۶۷ء میں ہندستان کا دورہ کیا۔ ہم نے
ایک ہی ٹسٹ بیج جیتا اور نتیجہ تین بیج برابری پر ختم ہوئے۔ وکٹ
راٹھور نے بہترین گیند بازی کی اور اوسطاً ۱۹ رن دے کر ۲ وکٹ
لیے اور دلپ سر دیانی نے مئی میں اس وقت ڈبل چیری سنائی
جبکہ ہندستانی ٹیم کی حالت نازک تھی اور انھوں نے ہندستان کو جیتنے
بارے کیا۔

دیسٹ انڈیز کی ٹیم ۱۹۶۶-۶۷ء میں دوبارہ ہندستان آئی
اور ایک کے مقابلے میں دو بیج سے سیریز جیت گئی۔ سیلا ٹسٹ بیج میں

دن کے اوسط سے ۴، ۵ دن باکرہ ہندستانی بے باروں کے پھیلے تمام
ایک اور ڈوڈے۔ ادھر دلیپ سردیانی نے اسی حوصلہ سے لڑنا
سے ہندستانی نے ماری کا اچھا کیا۔ انھوں نے ۸۵، ۲۵ دن کے اوسط
سے ۶۳۲ دن رہا۔ دینکٹ راگھون نے اگرچہ ۲۲ دن بے کھلے تھے مگر
انھیں گاؤں میں رہنے کی شان دار کھیل کے باعث کچھ اہمیت میں
مل بائی۔ ہماری ٹیم کی ٹیلڈنگ بھی بہترین رہی۔

دیسٹ انڈیز میں اس کا کر دگی کو ہم نے انگلیڈ میں دہرا جہاں
ہم نے پہلی بار ایک ٹیسٹ میچ ۱۱، ۱۲ جیتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم خوش
قسمت تھے مگر تھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے۔ اسی سیریز میں
میں بارش نے مداخلت نہیں کی تھی، ہماری ٹیم بہترین ثابت ہوئی اور
ہماری وجہیت ہوئی اس کے ہم تختے۔ اسی طرح کچھ اہم فیصلے ہمارے
حالات تھے مگر ہمارے کھلاڑیوں نے امید ہونے کی بجائے حوصلہ مند کی
سے کھیلے۔

یہ سال بھارتی کرکٹ کے لیے نمایاں کامیابی کا سال بن کر
آیا اسی طرح ۱۹۷۹ء کو ہندستانی کرکٹ کھلاڑیوں کو دوسل ٹیڈن
میں ان کی شان دار کارکردگی کے لیے ہمت یاد کیا جائے گا۔
انتخاب کرے والوں کی یہ پالیسی کہ نو عمر کرکٹ کھلاڑیوں کو موقع
دیا جائے نہ حد کامیاب رہی ہے اور میری بچاؤ اس وقت کی کسی
پالیسی برائے بعد بھی عمل کیا جائے گا۔ ہم کو چاہیے کہ ہم بچہ نہ رکھنا
کی بجائے جو جوان براہ اعتماد کریں۔ مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں
ہے کہ اگر ہم اپنے نوجوان کھلاڑیوں کے ساتھ صبر و تحمل کے ساتھ کام لیں
تو اس کے شان دار نتائج نکل سکتے ہیں۔

ہم ۱۹۷۹ء میں جس طرح کامیاب رہے ہیں اس کو بھگینڈے
خلات، صورت اب کھلاڑیوں کے درمیان میں بھی دہرا جا سکتا ہے ہمارے
کرکٹ کھلاڑی صورت یہ چاہتے ہیں کہ انھیں مسلسل ہمت ارازی اور
مدد دی جائے، مصلحت کھلاڑیوں کو موقع ملے اور تجربہ کار کھلاڑی
کھلاڑی خوش اسلوبی سے۔ بڑا بڑا کرکٹ اور نوجوان کھلاڑیوں کو جگہ
دیں۔ ہم کو چاہیے کہ نوجوان بچہ نہ کریں اور کچھ نہیں ہے کہ نوجوان
ہمیں پاپس نہیں کریں گے

میں سبکے نیچے بھی مگر ہماری کامیابیاں ہمارے لیے بے حد کی کس تھیں
بھر ایک بار دیکھنا ہمارے غیر معمولی کھلاڑی ثابت ہوئے۔ انھوں نے
اوسطاً ۱۸۱، ۸۱ دن کے ۲۳۴ دن کھیلے۔ اس طرح برطانوی آسٹریلیا
اور سری لنڈ کے دورے میں ۴۹ دن کھیل حاصل کیے۔ بغیر یہ ایک
امتیاز کیسٹ کا مظاہرہ تھا۔

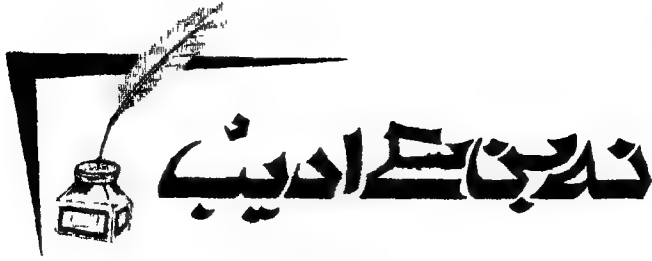
یہ نوری لینڈ کی ٹیم ہندستان آئی۔ ہماری ٹیم سیمی فائنل
جیت گئی اور آرماد میں دوسرا ٹیسٹ لڑ گئی اور جیتا۔ آرماد میں
فائنل رابرکسکی۔ مارش نے ہمیں ہکے نہ سکتے سے بچایا۔

تین مہینے بعد آسٹریلیا کی ایک ٹیم ہندستان آئی جس کے خلاف
ہمارا کھیل اتنا رہا۔ تیس کے مقابلے میں ایک جیت دو ٹیڈن کے
صلاحیت کا صحیح یہ نہیں دیتی۔ ہماری ٹیم نے دلی کے ٹیسٹ میچ میں
میں طور پر کامیابی حاصل کی۔ اس کے ٹیسٹ میچ میں ہم بھی کچھ اہم
چیلے بھانجے کہ آسٹریلیا کی ٹیم دوسری اسکر میں ۶۷ دن کے ۲۳
دن بنا سکی تھی۔ مگر ہم نے کھیل پر اپنی گزرت کو بھاری اور کاروری طرح
میچ ہار گئے۔ اس سیریز کے دوران برطانوی ایک بار پھر عمدہ گیند بازی
کی اور اوسطاً ۸۴، ۸۵ دن کے ۳۶ دن کھیلے۔ آسٹریلیا کے ٹیسٹ
گیند انداز میں ایک قدم آگے تھے۔ انھوں نے اوسطاً ۱۱۰، ۱۱۱ دن کے
۲۸ دن کھیل حاصل کیے۔ دو تارنا تھے اسے پہلے ٹیسٹ میچ میں ایک
بجری بنا کر اپنی غیر معمولی صلاحیت کی نشان دہی کی۔

اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں ہماری ٹیم نے دیٹ انڈیز اور انگلیڈ
کا دورہ کیا۔ بیڈ کی آٹھ سالہ کپتانی کے بعد اہمیت وادیک کو کپتانی بنایا
گیا۔ وادیک نے ہندستانی ٹیم کی قسمت ہی بدل ڈالی اور دیٹ انڈیز اور
انگلینڈ میں ”بر“ جیت گئے۔ یہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے وادیک نے
اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کو بہترین کھیل کا مظاہرہ کرنے کے لیے کہا اور
ہندستانی کرکٹ کی تاریخ میں پہلی بار ہماری ٹیم نے ایک اول درجے
کی اور مظہر ٹیم کرکٹ کھیل کا مظاہرہ کیا۔ کئی بار انھیں رکاوٹوں سے
دوچار ہوتا رہا مگر ہندستان آزمائشوں سے وہ سرحدوں کو بڑھانے اور اپنی لیڈر
کو بہتر طور سے دیٹ انڈیز میں بھی ”بر“ جیت لیا۔

نیل گاؤں کے غیر معمولی عمدہ کھیل کا مظاہرہ کیا اور ۱۹۷۸ء





— ایچ ۱۰۷ —

میٹروں اور محصلوں کے دواؤں کو کھنگال ڈالنے بکرو دوسرے ستار
ادیوں کے لائق وادوں اور کتابوں کے منت مانیہ کے دیا واکا ترن حاصل
کر چکا ہے سے مرث مرثی ادب سے، مہی حاصل ہے ملکہ وہ مشرقی، معرثی
شمالی، جنوبی ادب کے فراغت یا بے اور تہر کے سارے کتب خانوں میں ایے نقش
قدم پھوڑے کے لودانی دسائیں قدم رکھا ہے۔ وہ بھی نئے نئے آلات کے
مطابق کافی اب تول کر دیکھو مک چھو مک کر۔

اس طرح صرف علم اور دست کے اختا میں ہے عربی کے کئی قہقی مال
گواڈے پھر بھی اردو ادب کے نقاطیں کے پوس کی طرح یکاں کست لکھ والے
اصاف میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اور کرے بھی کیسے، مگر کتاب
کرنے تو علم کی عمر گویہ مقبولیت، نعمتی اور دلکشی دامن دل کو پھولے نہیں
پھوڑتی تھی سڑ کو کھلا کر علم کا انتخاب کرتے تو سر کی اہمیت اور افراد دیہ
راستہ رو کے کھڑی ہو جاتی تھی اس کے علاوہ عظیم، اولٹ سے سے محرم
رہ جاتے، اور ساتھ ہی اصاف اور طاعت کے دریا بہنے کی مکتا تہ وہ جاتی۔

جب ہماری عقل و ہم کوئی ایک نتیجے پر مینے میں سخت ناکام رہی تہ
ہم نے قہر اندازی کے دہرا، تواضع کا دھرم اور ماہاں ہے اس سرسخت مسئلے پر
قالبو بے کاسلہ کیا، اہل و علم و تہ و عیو کی چٹیاں نکھرا کر مضموم کے ہاتھوں قہر
کھلوا یا۔ تہ کے قس قس دیلہ ہوا اور تہ نگاری ہمارا مقدر بن گئی، جیہ تہ تہ
کے مسئلے کے میں مطابق ہم نے تہ نگاری کے ذریعہ جی ادلی رنگی کا اصاف
آعاد کر دیا، اور ایک ادبی اصاف پسندی اور واداری کا شرب نے
ہوے ہم نے اعتبار حروف و تہ اندون لکے تمام رسائل و حرام کو کافی
اہتمام کے ساتھ اپنی حیثیات کو بغرض ناعت واد کرنا شروع کر دیا اور پھل

اڈر کے دوا واد و معدت کے ساتھ، یہ قہ قابل مطالعہ اعطا ہیں
ہو ہمارے قابل مطالعہ معاصین کے سلسلے مک ہر کے تمام رسائل واد
اور احارات کے اڈر واد کی جانب سے صبح، دوپہر یا شام کی ڈاک سے وصول
ہوے ہیں اور اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہمیں اس قسم کی تحریریں
اس وقت تک وصول ہوتی رہیں گی جب تک ہمارے اس تہ روپے
یہاں سے ایلی قلم میں حال باقی رہے گی یا صحت تک ہمارا تہ سلم نہ ہو جائے
گا یا پھر ہمارے دل اور دماغ کو تہ سے ہر ماہ میں کو دیا جاہل گا و
اس قسم کی افام قبول نگا رسات کو صحت و قسطاں سے جو میسے تا وکے صغریر لائے
کے دہر واد میں حقیقت تو یہ ہے کہ سما کی کوئی طاقت ہم کو اس جائز حق سے محروم
نہیں رکھ سکتی کہیہ کو قتل ہوتے سے

شمار لوح و قلم ہیں گئی تو کیا عسم ہے

کہہ دل میں ڈولی ہیں انگلیاں میں نے

دراک ہی اصاف کیجیے اور صدق دل سے کہیے کہ یہ کہاں کی تہرا تہ ہے
کہ پھرات ہاری تعلیقات، رسائی سے تہ ہی، ایک رو کثیر حرج کر کے چھو کر سید
رکھی گئی، اطمان و تہ کی برجیاں ملک کر کے لوٹنے چلے جائیں اسل حساس
سے تہ ہی ہے یا کہ کس عرق دیری اور دلا پاتی کے لود یہ چند سطرس ہر ص
و دہیں، لی میں اور اس وقت، ہر صوبہ حال امتہا کی سکین ہو جاتی ہے تہ
ایک ایسے ادب کی تعلیقات کو تہرہ کر دیا جاے جو ہر صوف ادب سے ایم، لے
ہے بلکہ جس نے کافی سوچ سمجھ کر اور دیکھ کھال کر یہ تہم کیا ہے جسے ہر صوف
و ہاں موجود حاصل ہے بلکہ وہ ایسے احمد کے سارے ادبی سربا پر ہا رھا ہر صوف
بھی کر چکا ہے جس نے دیلہ مطالعے اور عین تہا ہر کی تہا پوری کے کیلے ہر صوف ایسے

کوشش کریں وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے اگلی ماران ہدایات پر بہرہ عمل کیا۔
لیکن تیر مضر باد اچھلے واقعات کی یاد تازہ کر گیا۔

ایک دوسرے قلکار خواہ غول اور ایک لٹم کے حان تھے انہوں
نے فرمایا کہ یوں سیدھے سادے مصائب بھیجے سے کام لے گا ان ایڈیٹر
حضرات کو مریح کرنا انتہائی ضروری ہوتا ہے انھوں نے علما ورحلہ
'یم سیٹ' NAME PAD کے استعمال کا ستورہ دیا اور اب ہم نے
ایسے مصائب کے ساتھ 'یم سیٹ' مرحوط طرہ کر کے کلا متناہی سلسلہ منع
کیا۔ لیکن سامنے 'یم سیٹ' جو کبھی جاری میز کی زنت تھے ایک ایک کر کے
ایڈیٹر حضرات کی نذر ہو گئے پھر بھی کسی کی نظر صابت نہ ہوئی۔

ایک کرم فرمے ڈگری رکھتے ہوئے اسے نام کے ساتھ شامل کر کے
کو جاری وادائی اور ناخر بہ کاری پر مجبور کیا اور کہا کہ یہاں ایڈیٹر صاحبان کو
زیر کر کے کا استہائی موزع ہے۔ وہ ڈگری کے استعمال سے مریح ہوتے
ہیں کہہ کر خود ان کے پاس کوئی ڈگری وگری نہیں ہوتی اور حقیقات
کی اشاعت یقینی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے
ہم نے بھی اسے نام کے آگے 'مرحط لفظ' ایم لے گا احادہ کردیا ملکداروں
سے ایم لے تک درجہ بدرجہ صحیحی طرح بھجوا دیا۔ لیکن یہ دکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ
انھوں نے بھی ہمارے ام کے آگے لفظ 'ایم لے' کا احادہ کر کے جوابے
مضمون کو برہنہ ڈاک کر دیا تھا پھر بھلا سب کٹ گاتا اور لایہ کھانا قائم کر کے ڈاک
اسی شاہیں ہمارے ایک شخص کی رانی معلوم ہوا کہ گھر کسی رسالہ کے حریار
س حائیں اور مضامین کے ساتھ حریار رسالہ حوالہ دیں تو پھر ہمارا
مضمون فہرست اخاعت میں سب سے پہلے نمبر پر ہو گا۔ اس سربتہ راز کے
اکنشات پر ہم نے ان کا دلنی شکر یہ ادا کرتے ہوئے ان پرچوں کی حسیہ باری
مرصت سال وصال کے لیے لکھتے ہیں حیات قبول کرنی چاہی نہیں کسی نہ کسی طرح
منت ساجبت کر کے سامنے ملے والوں کے نام رسالہ جاری کروا دیے۔ لیکن
یہ ایڈیٹر صاحبان تو بڑے ہی 'نبری' تھے۔ انھوں نے اتنے قلیل عرصے
میں ڈھیر سارے حریار ورام کر کے بڑوں کی انتہا ہو گئے ہوں سے ہابا انگریز
اداکار اور اس حد کہ یو خوش خیر مقدم کرتے ہوئے ہمارے نام دو سال
کے لیے رمانعت جاری کر دیا۔ لیکن مضمون نہیں بھجایا۔

ایک ہور سے حب جاری حالت زار نہ دیکھی تھی تو انھوں نے ایک

نے ان کو نام قابل اشاعت قرار دیکر واپس بھیجا تاخیر کر دیا۔

پہلی نا کافی نہیں مریح تھی کے اعتبار سے پہلے رسالہ کی جانب سے
ستورہ مضمون کی واپسی سے قطعی دل برداشتہ ہوتے ہوئے اور اس نا کافی
کو ایڈیٹر صاحب کی عدم توجہی اور تسامع قرار دیکر ایک اور رسالہ کو ہم نے ایسا
دوسرا شمارہ بھیجا جو بہت جلد صحیح و سلامت واپس آ گیا۔

ہم چونکہ وادی ویاہیں زوار تھے حان پیمان کمی سے نہ تھی اس لیے
یو یو کو جاری ملی وادی صلاحیت اور نہ یناہ قابلیت ان پر کھانا نہیں ہوئی
ہے اس حوالہ میں تہرہ کو غلط میں دلاتے ہوئے ہم نے اپنی تہری تلیق ایکٹ
دوسرے درجہ کے میگزین کو روانہ کیا یہ 'یو یو' تھا کی طرح پھر ہم تک واپس
آ گئی۔ وہی ایڈیٹر کے ادواب اور معدت کی سلب کے ساتھ۔ لیکن پھر بھی ہم
نے بہت نہ ہاری اور اپنی گو کشش ہورے زور و شوشے جاری رکھیں یعنی ایسے
اشاعت نام کو کسی نہ کسی کے سپرد کرتے ملے گئے اسکو وہ پھر سامنے سپرد کر کے پھی
دے واپس سے مجدد ہر آجوتے ہے۔

پہلے پہل تو جاری تخلیقات کی روانگی اور ادراک و تصدیق و تہیہ کا ہوا
کرنا تھا۔ اور ایک مضمون کی واپسی تک دوسری تخلیق پرواز کے لیے برکتی
رہتی تھی۔ لیکن اس کے بعد تہرہ و تہذیبی سے گھٹے لگا۔ وہ مریح کی ملک
صیے نے اپنی ایک جہت بندہ درمیں اور بندہ درمیں ہمتہ میں مل گئے
ادواب تو اس ہاتھ سے اور اس ہاتھ سے والا معاملہ ہو گیا ہے۔ اور
بھیجا اور واپس آ گیا۔ اس کے بعد تو صورت حال اتنی بگڑ گئی کہ ایڈیٹر
صاحبان انسان کے ماتحتین کو ہمارا پتہ اس قدر یاد ہو گیا ہے کہ دوسروں
کے ستورہ تخلیقات اور ہر میاری مصائب بھی دھوا دھوا ہمارے ہی چہرے
بھیجے جاتے ہیں

اس ہی مصیبت سے سخت ہماراں اور بدو اس ہو کر جب ہم نے حید
ادب زوار دستور سے راہ و رسم بڑھائی تو یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مضمون
لکھنے سے قبل نظر مضمون کھینچنے کے بھی حید مضمون اداب اور خاص ملے ہیں
اور ان مضمون سے انھوں اور عدم واقفیت ہی ایسے دل شکن واقعات کا
کو کم دیتی ہے۔ چنانچہ انکشاف جاری رہی کا ویدہ نا کو آئندہ سے ہم
مضمون تحریر کرنے کے لیے باکل سفید لیکن ذرا کلنے کا غد کا انتخاب کریں۔
مناسب حاشیہ پر کرنا چاہیہ آرائی کریں اور کھندہ صریح خوشخط لکھنے کی کاوش

انتہائی اہم اور اہم و مہم و سزاوارتہ اور کمال کا کام تھا۔ یہاں تک کہ اس کا منہ دکھانا چاہتے ہوں تو فوراً کسی خاتون کے نام سے لکھنا شروع کیجئے کہ کوکھ صفت نازک مرثیہ سب بڑی کمزوری ہے، جماعت سے صوفت دیر کر سکتی ہے بلکہ زبردستی کر سکتی ہے، ہمارے مخلص خود بھی یہی کرتے ہیں اور کمال کی کامیابی اور کامیابیوں میں جتنا کچھ ہم نے بھی ان کے ایک ایک حرف پر ایمان لاتے ہوئے لاسوئے مجھے صوفائی نام لکھنا شروع کر دیا اور حسبِ ترتیلے رنگ جمیا اور ان حضرت کی صلاحیتوں کا فائدہ اٹھا کر چنانچہ پچھلی مرتبہ ہمارے ہم کو ملی ہیں جو اب موصول ہوا تھا اب کی ارا موصول ہے اپنے دست مبارک کو تحتِ دی بھی مضمون کی سبب دیکھی اور کئی قرین شاعت کی نسبت اس مانے سے مطلع کیا تھا یہ خبر یا کرم خوشی سے بھرے ہیں سب سے پہلے کہ دوسری دکان سے تمام خواتین اور امیدوں پر ایمان بھید رہا واقعہ یہ تھا کہ ایک بڑا مصلحت سے ہم ادیب سے یہی تاریخ ترتیلہ تصویر بھیجے کی رہائش کر دی تھی سان مصلحت صاحب نے شور و فہمت اچھا دیا تھا لکھیں یہ ہمیں بتلایا تھا کہ وہ مضمون کے ساتھ تصویر بھی ستلے کر اساتذہ فرائض تو ایسے ہیں ہمارا کیا بدل ہوا چاہے یوں تو ہم بڑی آسانی سے کسی مرحوم خاتون کی کو حوائی کی تصویر خدمت عالیہ میں روانہ کر سکتے تھے لیکن امر مصلحت کے والہانہ ہیں اور اندازِ مخاطب سے یہ شبہ گزرتا تھا کہ لکھیں دل نہ ہے پیچھے ہوں۔ لہذا ہم نے ان کے لیے سادہ بھی مرچا اور لافٹ بھی لڑھکے والے جواب تو یہ کیا بھلا کہ ہم پر وہ فرائض خاتون ہیں اس لیے تصویر بھیجے سے قاصر ہیں اس کے علاوہ ہمارے شوہر شہسوار ہر گز نہیں ہیں۔ ان کی دلالتی اور رہا صدی بری تصور بھیجے یا بھیجے کا احوال ہے۔ ان کی واپسی دوا یک ہیسی میں ہوگی اس لیے مضمون تعمیر تصویر کی کے شائع کر دیا ماسے قسے مدراس ہے۔ یہ لکھ کر ہم نے ان کے جواب کا لاکھ لاکھ انتظار کیا، جوانی خط لکھے، ٹیلیگرام کیا۔ یہاں تک کہ ٹرک کال پر رطل بیدار کرنا چاہا لیکن آج تک ہمارے مضمون اور ایک بڑا مصلحت دوا فون کی طرف نہ لکھی، سبیل خاتون کسی سے ڈیرا لکھا ہے کہ وہ کچھ نہ کر نہ ملے ہوں۔



ان حالات کے پیشِ نظر ہم نے اب ٹیپے امون ہی سے لکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کسی عظیم شخصیت یا مشہور آدمی کے نام سے لکھنے والے ہیں۔ چنانچہ جب ہم کسی ایک کی نظر سے کسی مشہور آدمی یا مشہور شخصیت کی تخلیق گذرے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارے ہی روتہ و رسم اور درمیان کا ہے۔

ہمت ملی وطن

مکتبہ الرشیدیہ دہلی

مبارکباد آزادی

ماظمہ بیگم انجم

گلوں میں یا سن میں نغمہ میں جاں آئی ہے
جس والو مبارک ہو جس میں جاں آئی ہے
خوش ان کے قدم جن سے عین میں جاں آئی ہے
کمر موتی کی پھوٹی یا کمر میں جاں آئی ہے
یہی کہتی ہوئی شگ و خم میں جاں آئی ہے
شہیدان وطن اٹھو وطن میں جاں آئی ہے
وطن کے سرسبز دشتوں کیلے دست دعا اٹھے
ابھس کے خوں سے دار کس میں جاں آئی ہے
شہید راہ آزادی ہو جو ظلم کے ہاتھوں
ابھس کے عزم سے اہل وطن میں جاں آئی ہے
وطن کا بچہ بچہ اب بھگت ہے اور ہے تیو
ہماری زندگی کے مانعین میں جاں آئی ہے
مبارک ہو وطن والو مبارک ہو عین والو
عین فوسے عین ہر ایک سن میں جاں آئی ہے
بچا ہے وطن کو دشمنوں کی تند نظروں سے
بڑی مشکل سے رامب وطن میں جاں آئی ہے
رے قسمت کہ محم ادر گامدھی کی کوشش سے
حوابر لال نہرو کے وطن میں جاں آئی ہے
وطن کو بھنے پایا ہے ٹری ستر بایاں دے کر
ہمارے خون سے اس کے بول میں جاں آئی ہے

نصرت حال دل جس پر وہ پاکیزہ نعمت ہے
زوالی شان ہے اس کی پائیں دنیا میں بخت ہے
وطن سے پیار ہے تم کو وطن سے ہم کو الفت ہے
یہاں کشمیر، راجی اور نیسی تال کی گلشن
رستہ ہے یہاں پر گیوے بنگال کا سادن
یہاں کا پاسباں دیکھو ہمارے جیسا بہت ہے
یہاں بہتی ہے لگا اور حسن راوی و جہلم
ہیں تیر تھ گاہ کا شہی اور الہ آباد کا سکرم
ہمارے دیں میں بھرا ہر اک روحن نظر ہے
اودھ کی شام اور صبح بنارس مالوے کی تنب
استرا، لورا اور تار، شالیمار، قلعہ سب
یہ وہ شہکار ہیں جس سے وطن کی شان شوکت ہے
یہ آزاد دو جواہر لال اور گاندھی کی دھڑکتے
یہی نیت ہیں وہ جن پر کہ دنیا ناز کرتی ہے
وطن کی آج بھی ان کے سبب پیاس عورت ہے
وطن یہ سرمد چشتی کا گوتم اور مانگٹ کا
ہیں پر جان دہلی کی محشی بائی ہوئیں پیدا
سراج دہلی ہوئے بھی ٹرھائی اس کی عظمت ہے
یہاں پر سورمسی اور رحیم نے سکے دوئے
فرانے مدلی و اقبال اور شیکو کے گونے
فضا میں میر اور غالب کے نغموں کی صلاوت ہے
کیا تو کھیت میں ابے دل و جاں سے کہ محنت
تجلی شاداب یا رزہ سکے گلشن بھارت
تھاری جانفشانی کی ابھی اس کو ضرورت ہے
ہوا مغرور جو بھی ہم نے سراس کا جھکا ہے
جو لٹنے کے لیے آیا اسے ہم نے ہرا پایا ہے
ہمارے فوجی افسر، دہلی کے شجاعت ہے
دھن ہے یہ ہمارا اس کی خاطر فوجی بہادری کے
حمید و اصغر و عثمان کی صحبت حال لڑائی کے
سمجھتے ہیں کہ ہم پر فخر میں اس کی حفاظت ہے

کلکتہ میں حالیہ کامکان

ڈاکٹر شاستری نے جو حصہ بٹھا چار میں لکھے۔ کو THE CITY OF PALACES یعنی عالی شان عمارتوں کا شہر کہا گیا ہے اور عہد غالب میں بھی یہاں کوئی قابل دید عمارتیں تھیں۔ لیکن عام لوگوں کے لیے مکانات کی اس دور میں بھی کمی تھی۔ اکثر اردو والی حضرات کا خیال ہے کہ غالب کو کلکتہ میں ایک عالی شان مکان صرف دس روپے کرائے پر مل گیا، جس خیال کی بنیاد غالب کا ایک خط ہے جس میں انھوں نے کلکتہ والے مکان کو ہوادار اور اچھا قرار دیا ہے۔ اس بنیاد پر خیال کیا جاتا ہے کہ ان دنوں کلکتہ میں مکانات کی قلت نہیں تھی اور نہایت کم کرائے پر بڑے بڑے مکانات آسانی سے مل جاتے تھے۔ یہ خیال جو سراسر غلط ہے، غلطی اس وجہ سے ہے کہ اُن کے سامنے اُس عہد کے کلکتہ کا واضح نقشہ نہیں غالب کے قیام کلکتہ کے دنوں لکھے کی آبادی کی واقعی درست طور پر کہنا ممکن نہیں ہے جو کہ اُن دنوں مردم شماری نہیں کی جاتی تھی۔ ۱۸۳۱ء یعنی غالب نے کلکتہ سے چلے جانے کے تقریباً سال بعد مردم شماری کے مطابق کلکتہ کی آبادی ۲۹،۳۳۵ تھی۔ اس آبادی کے مقابلے میں کلکتہ میں مکانات کی کمی تھی۔ اُن دنوں کلکتہ میں دو منزلہ عمارتیں ہمارے نام ہی تھیں۔ متوسط طبقے کے لوگ کچے مکانات میں رہتے تھے اور اُن سے اوپر ہی طبقے کے لوگ ایک منزلہ مکانات میں گھر کوسما لے کر لائے اسباب آرائش کی کمی کی تھی اور کچھ عمارتیں تھیں تھا۔ اکثر انگلستان سے جو ہجرت کرتے، اُن کے کپتان یا پھر ملک چین سے آمد کی کوئی دالوں سے آرائشی سازو سامان نہایت اونچی قیمتیں ادرا کر خریدے جاتے تھے۔ لہذا آرائشی سامان کا ہونا بھی

ایک طرح کی عیاشی سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جس سے اس طرح کا کوئی سامان ہوتا تو اُس پر فخر کرتے یا اسے اچھا عزت و قدر دینا بہت اہم نشان سمجھتے تھے۔ مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں میں کہیں کاچ کا کام نہیں ہوتا تھا بلکہ کاچ کی جگہ بانس یا سید سے بنی ہوئی کھڑکیوں اور دواڑوں کی جالیاں ہوتی تھیں۔ کاچ نہایت قیمتی سے تھی اور جن کے مکان میں کاچ کا کوئی کام ہوتا تو وہ اُن سے کم از کم قدیم لکھے۔ کے مکانات کا ذکر پڑھنے پر ہم پاتے ہیں کہ لاہور والی شاہنشاہ کے مکان کی کھڑکیوں میں کاچ بنے ہوئے تھے۔ رات میں گھروں کو چراغاں کرنے کے لیے آج کی طرح بجلی کے نئے ہونا تو دور کی بات ہے، بجلی کے تیل کے برکن یا قندیل بھی نہیں تھے بلکہ ہوانا انگڑیوں یا اُسیں ہنڈیوں کے مکانات میں تاریک تیل سے چراغاں ہوتا یا پھر موم بنی شمع کا استعمال ہوتا تھا، جس کی کوئی باہر کی تیر ہوا سے محفوظ رکھنے کے لیے لمبی چٹیاں ہوتی تھیں۔ اٹھارہویں صدی کے آخر اور اوائل اسیویں صدی میں ایک معمولی دو منزلہ مکان کا کرایا سولہ گنیہ کے مساوی سے بہت زیادہ رہا ہے جس سے قلت مکان کا مسئلہ کچھ میں آ جاتا ہے۔ دو منزلہ پر ایک ہال اور دو چھوٹے گھروں والا ایک معمولی مکان کا کرایہ ماہانہ ایک سو پچاس روپے عام طور پر ہوتا اور اگر ایسا کوئی مکان دامن میں نہیں ہو، یعنی ڈھونڈی یا اسپتال کے علاقے میں ہو تو اُس کا کرایہ کم از کم تین چار سو روپہ ہوتا۔ دارن ہسپتالنگس کے عہد کو میں کلکتہ میں مکانات کا کیا حال تھا اُن کچھ اندازہ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک انگریز بیرسٹر مشرٹون کی بیوی نے تحریر ہے۔ نامی کے ایک خط سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے انگلستان میں اپنے خاندان والوں کے نام لکھا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:-

”اب تیراں کی (کلکتہ) دردموندگی اور اپنے گھر کے اخراجات کا حال لکھتی ہوں تاکہ کچھ اندازہ ہو جائے۔ مکان کو اتنے دو سو روپہ ہے جو کوہا ہمارا مکان شہر کے مرکز میں مقام یادریا شہر میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر تین سو چار سو روپہ کرایہ ادا کرنا پڑتا۔ اُن ہم بہتر مکان کی تلاش کر رہے ہیں۔“

غالب سید و قمر کے لیے یا عیاشی کوئی لکھتے نہیں آئے تھے۔

ہے۔ شملہ بازار کے گلیوں میں اس کے لیے کوئی تاریک یا سستہ بھر نہیں کیا جاسکتا تھا جیسا کہ ابواکلام آزاد نے لکھا ہے کہ ریل کے کاربن ہوئے کے بعد سستی اور گھٹی ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی نے سستہ قیمتیں قائم ہوئی لہذا اسی کے بعد سے یہاں کا بازار اس قدر گنگا ہو گا اور دروہوں کے سہلے نئے نئے پیشے کے لوگ یہاں آکر آباد ہوسے ہوں گے

کلکتہ میں غالب کو جو مکان ملا اس سے وہ واقعی خوش رہتے یہ قال ایلا تو قوت تھا جہاں انہیں کوئی اچھا مکان ملا جتنا انہوں نے مولوی محمد علی خاں صدیقی میں آبادہ کے نام جو خط لکھا اس پر اس مکان کی تعریف کیا کہ اس کا کواہ "دہ روپہ پانچ سو روپہ" لکھا ہے۔ اسی خط کی کیا برآمدہ نام اور دیگر حضرات نے غالب کے اس مکان کا کواہ دس روپہ لکھا ہے۔ "منج اھنگ" کے اس خط کے مطابق اس مکان کا کواہ دس روپہ تھا۔ لیکن ایک اور خط میں کواہ صرف پچھتر روپہ درج کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو اسی سے پچھتر روپہ کواہ لیا جاتا تھا اور بعد میں دس روپہ لیا جانے لگا یا پھر ممکن ہے کہ اسی قبل بازار کے علاقے میں غالب نے اپنا مکان بدل دیا ہو گا۔ یہ سطور پر کردہ ایک خط میں انہوں نے اپنے مکان کا پتہ "دروہ علی سوداگر" لکھا ہے اور ایک اور خط میں "مولی میرا حور" لکھا ہے حالانکہ شملہ وہی شملہ بازار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کے دوران ان کے خط مولوی ولایت حسن کے توسط سے آتے رہے ہیں جس کا ذکر مذکورہ خط میں کیا گیا ہے جس خط میں انہوں نے کواہ پچھتر روپہ لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔ "شکل ۴ پرمیان کوبرا و جھنڈی علیہ آبادہ رہا تھا اور وہاں سے کلکتہ پہنچا۔ وہاں ایک اچھا مکان چھ روپہ کواہ لیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے وہ جس مکان میں تھے اس کا کواہ پچھتر روپہ تھا اور اس کے بعد وہ مرزا علی سوداگر کے مکان میں ٹھہرے جس کا کواہ دس روپہ درج کیا۔

شملہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "شملہ قریب حیات بازار و شملہ بازار نزدیک تالاب گروہ بھٹا اور اسد برسٹ رائے تھیں کے نام اپنا پتہ یوں لکھتے ہیں۔ "در کلکتہ قریب حیات بازار و شملہ بازار نزدیک تالاب" دروہ علی سوداگر نے اسد اور برسٹ ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔ "آئندہ خط مولوی ولایت حسن کے توسط سے نہیں اس پتے سے بھیجیں شملہ بازار گول تالاب، مولی میرا حور۔"

غالب کے مکان اور محلہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے۔ "لارڈ امہرسٹ غالب پہلے گورنر جنرل تھے جو شملہ گئے۔ اس وقت سے یہ رسم ہو گئی کہ ہر سال انہیں تو ہر دوسرے سال گورنر جنرل گویا شملہ میں میر کرے۔ اس زمانہ میں ریل نہیں تھی۔ لہذا مارا کا پتہ رنگ دریا کے درے پھر پانچ گارہی اور گھوڑے پر یہ سفر جس شان و شاکت اور سارو سامان کے ساتھ ہوتا تھا اس کی تفصیلات ٹیپوگر (HENRY POTINGER) وغیرہ کی زبانی ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک اور تہہ کلکتہ سے شملہ تک اور پھر شملہ سے کلکتہ تک متحرک رہتا تھا۔ یہاں اس عہد پر حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مزدوروں اور غلاموں کا ایک بڑا گروہ کلکتہ میں رہ اس سفر کے لیے رہنے لگا اور ان کے محلے کا نام شملہ بازار پڑ گیا۔ یہ حیات پورہ روڈ کے اس حصے میں تھا جو بعد کو گینڈا تالاب کے نام سے مشہور ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں مرزا غالب پتھرے تھے۔ اب یہ حصہ بالکل بدل گیا ہے۔ پورے مکانوں کے نام و نشان باقی نہیں رہے کے جاری ہوتے ہی کمپ کے تعلقات بھی معدوم ہو گئے تھے۔ اس لیے شملہ بازار بھی معدوم ہو گیا۔"

حالانکہ اب شملہ بازار کے نام سے کلکتہ میں کوئی بازار نہیں ہے لیکن اب بھی اسی علاقے میں شملہ اسٹریٹ کے نام سے ایک راستہ موجود ہے جس سے یہ چلتا ہے کہ ہر کس شملہ بازار میں تھا اور آج بھی اس علاقے کے ایک ڈاک گھر کا نام شملہ بازار ڈاک گھر (کلکتہ ۱۸۶۹ء)

لے مجموعہ دہلی اور غالب۔ از قاضی محمد اودود، رسالہ آمد کو اچھی "غالب مسافر" ۱۹۶۹ء سے غالب۔ از غلام رسول ہر ۱۹۶۹ء سے مجموعہ دہلی اور غالب۔ رسالہ آمد کو اچھی غالب نمبر ۱۹۶۹ء سے غالب اور ابوالکلام۔ مرتبہ محمد بنیقہ مدنی۔ یہ مجموعہ دہلی اور غالب۔ سہ ماہی آمد کو اچھی غالب نمبر ۱۹۶۹ء



اثر پردیش اردو اکاڈمی کی طرف سے اردو مصنفین کو انعامات

اور مکتب خانوں اور دارالمطالعوں کو مالی امداد

رد اکاڈمی نے یکم جنوری ۱۹۶۹ء سے ۳۰ نومبر ۱۹۷۱ء کے	درجہ	مصنف	کتاب	انعام کی رقم
دربیان شائع شدہ کتابوں پر ملک کے ۱۷۲ اردو مصنفین کو ۴۴ چتر چارو	۱۲	حاجہ ابوعلیم	(دہلی) پریچاؤن کی دادی	۱۵ - -
یکاس روپے کی مجموعی رقم بطور انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس سے	۱۳	حاجہ درنگھ	(گھنہ) پہلی آواز	۱۵ - -
قبل بھی اکاڈمی کی طرف سے دس چتر کی رقم مختلف مصنفین کو انعام	۱۴	حاجہ قبال محمد	(سیٹاپور) دھنکے پوسے لوگ	۱۵ - -
میں دی جا چکی ہے اور ان انعامات کی تفصیلات کا اعلان کچھ عرصہ قبل	۱۵	حاجہ سیر مراد	(ملی گھنہ) اکائی	۱۵ - -
ہو چکا ہے۔	۱۶	حاجہ سیر محوی	(دہلی) خشت دیوار	۱۵۰ - -
انعام یافتہ مصنفین کی فہرست حسب ذیل ہے۔ ان کی تخلیقات	۱۷	حاجہ تہریار	(ملی گھنہ) ساقاں در	۱۵ - -
براہین انعام دیا گیا ہے ان کے نام اور ان کی رقم مصنفین کے نام کے	۱۸	ڈاکٹر سید رشید محوی (حیدرآباد)	کریم چتر اردو ادبی	۱۵۰۰ - -
آگے درج ہے۔	۱۹	حاجہ بی بی۔ سید (ہمدان چنگ)	سیر ہمار	۱۵۰۰ - -
درجہ	۲۰	حاجہ شوقر	(حیدرآباد) مراد غالب	۱۵۰ - -
۱۔ جناب سید محمد بن قاضی (گھنہ) اسلاف میرا بیس	۲۱	حاجہ سواہی دیالی (سیٹاپور)	روح سخن	۱۵۰ - -
۲۔ جناب محرق سلطان پوری (دہلی) غزل	۲۲	حاجہ عابد علی	(دہلی) مسنی) مزد سے فشر	۱۵۰۰ - -
۳۔ ڈاکٹر وسیم حسین خاں (دہلی) غالب اور اہنگ غالب	۲۳	حاجہ کمال احمد صدیقی (کشمیر)	بیاض غالب	۱۵۰ - -
۴۔ ڈاکٹر ماسن تبسم (حیدرآباد) فانی بیلوں سے تیار ہوئے ہیں	۲۴	حاجہ نثار احمد خاں (دہلی)	تلاش غالب	۱۲۰۰ - -
۵۔ جناب غلام مانی تابان (دہلی) دوق صفر	۲۵	ڈاکٹر سید ابراہیم	(دہلی) اور مرتے کی روایت	۱۲۰۰ - -
۶۔ جناب سید احمد پوری (دہلی) آؤ کوئی خواب نہیں	۲۶	ڈاکٹر شرف علی (گھنہ)	دھنکے پوسے لوگ	۱۲۰۰ - -
۷۔ جناب سید الرحمن خاں (گھنہ) گچ موشہ	۲۷	حاجہ سید علی محمد (گھنہ)	کریم چتر اردو ادبی	۱۲۰۰ - -
۸۔ ڈاکٹر سید علی احمد خاں (دہلی) نقش غالب	۲۸	حاجہ سید علی احمد خاں (دہلی)	نقد اور کلام	۱۰۰۰ - -
۹۔ جناب سید سعید (دہلی) اوراق زندگی	۲۹	ڈاکٹر محمد حسین	(ملی گھنہ) انگریزی ادب کی تاریخ	۸۰۰ - -
۱۰۔ جناب خلیفہ احمد خاں (دہلی) مباحثہ دلائل	۳۰	ڈاکٹر محمد حسین	(ملی گھنہ) انگریزی ادب کی تاریخ	۸۰۰ - -
۱۱۔ جناب غلام احمد فرقہ (دہلی) قدیم	۳۱	ڈاکٹر محمد حسین	(ملی گھنہ) انگریزی ادب کی تاریخ	۸۰۰ - -

نمبر شمار	مصنف	کتاب	انعام کی تاریخ
۲۱-	جناب عطا کاوی (دہشتہ)	کمال غزل	۱۰۰ - ۱۰۰
۲۲-	ڈاکٹر شمیم تنویدی (دکھنؤ)	مذکرہ خوش مرکزہ رسیا	۵۰ - ۵۰
۲۳-	جناب اطہر بروجر (دہلی گڑھ)	سازہ عجائب	۵۰ - ۵۰
۲۴-	ڈاکٹر طہیر احمد صدیقی (دہلی)	قافی کی تاروی	۵۰ - ۵۰
۲۵-	ڈاکٹر افتخار احمد (دہلی)	تعلیمی لطایف کا مطالعہ	۵۰ - ۵۰
۲۶-	مہاشیہ ادیب (دہلی)	محفوظ برعالم کا تر	۵۰ - ۵۰
۲۷-	محمد رفعت بولانی (سیالکوٹ)	آج کی تحفہ	۵۰ - ۵۰
۲۸-	محمد رفیع بیدی (گڑھ)	مدھقا	۵۰ - ۵۰
۲۹-	حاجہ امینہ کھانی (دہلی)	سنگ مرسل	۵۰ - ۵۰
۳۰-	حاجہ اختر تنویدی (الکاد)	مورخہ شب	۵۰ - ۵۰
۳۱-	حاجہ احمد علی (الکاد)	جولے گلستان	۵۰ - ۵۰
۳۲-	حاجہ گوہر آبادی (کابور)	آثار	۵۰ - ۵۰
۳۳-	حاجہ امینہ کھانی (دکھنؤ)	الکلیات	۵۰ - ۵۰
۳۴-	حاجہ بی بی انک (دہلی)	دورہ و دعا و عارف	۶۰ - ۶۰
۳۵-	حاجہ محسن حسین (حیدر آباد)	قطع کلام	۶۰ - ۶۰
۳۶-	محمد رحیمہ ناو (دکھنؤ)	تبع ہوگئی ہے	۶۰ - ۶۰
۳۷-	محمد میر دوجاں (دکھنؤ)	بیکر	۶۰ - ۶۰
۳۸-	حاجہ مظہر حسینی (کھوہاں)	دعوت ہے	۶۰ - ۶۰
۳۹-	حاجہ مدنا صلی (دہلی)	لعلوں کا گیل	۶۰ - ۶۰
۴۰-	حاجہ غلام رفیق ناہی (دہلی گڑھ)	لاکھان	۶۰ - ۶۰
۴۱-	حاجہ صاحبہ حاشی (کابور)	صحر اصرار	۶۰ - ۶۰
۴۲-	حاجہ کمال حاشی (کابور)	نامہ دیہیام	۶۰ - ۶۰
۴۳-	حاجہ بی بی تنویدی (کابور)	مادہ مستار	۶۰ - ۶۰
۴۴-	حاجہ شائستہ تنویدی (کابور)	تیرہ نم	۶۰ - ۶۰
۵۵-	جناب مطہر لطیف تنویدی (دکھنؤ)	مکمل نم	۶۰ - ۶۰
۵۶-	جناب رفیق حسین (حیدر آباد)	ہندوستانی بزرگ ہستیاں	۶۰ - ۶۰
۵۷-	جناب عبد الرحیم (حیدر آباد)	ہندوستانی بزرگ ہستیاں	۶۰ - ۶۰
۵۸-	حاجہ سادات علی صدیقی (دکھنؤ)	حسنہ غالب	۶۰ - ۶۰
۵۹-	حاجہ درویش علی (دہلی)	ہندوستانی	۶۰ - ۶۰
۶۰-	حاجہ ذکی کابوری (دکھنؤ)	سری و ستر	۶۰ - ۶۰
۶۱-	حاجہ عشرت اللہ (دہلی گڑھ)	دیباکیر سے	۶۰ - ۶۰
۶۲-	حاجہ بزرگ ساگل (دہلی)	منزل نور	۶۰ - ۶۰
۶۳-	حاجہ کیفہ احمد صدیقی (سیالکوٹ)	گرد کا ورد	۶۰ - ۶۰
۶۴-	محمد رفیع سیل (سیالکوٹ)	ربیع احمد دانی	۶۰ - ۶۰
۶۵-	حاجہ ایس ایچ عارف (دکھنؤ)	ڈاکٹر اکبر حسین	۶۰ - ۶۰
۶۶-	حاجہ شعیبہ کھنوی (دکھنؤ)	سار و سہ	۶۰ - ۶۰
۶۷-	ڈاکٹر لطیف حسین ادیب (دہلی)	ناتوا کا بوری	۶۰ - ۶۰
۶۸-	حاجہ منظور الدین (حیدر آباد)	سبحہ دس	۶۰ - ۶۰
۶۹-	حاجہ جلیل الزکادی (دہلی)	لوہر گ	۶۰ - ۶۰
۷۰-	حاجہ یاسین اختر بوری (مراد آباد)	چراغ ماہ	۶۰ - ۶۰
۷۱-	حاجہ قمر سوانی (سیالکوٹ)	ایکٹ کا جیس	۶۰ - ۶۰
۷۲-	بیڈل خوشدل (دہلی)	شرابے	۶۰ - ۶۰

اس کے علاوہ اردو اکاڈمی نے ۸ اکتب خافوں اور دارالمطالعہ کابور کی کتابیں 'رسائل اور اسامات خریدنے کے لیے کل ۳۵۰ روپے کی مالی امداد دینا منظور کیا ہے۔ اس سے قبل اکاڈمی نے ۹ مکتب خافوں اور دارالمطالعہ کابور کو ۲۰۰ روپے کی امداد دی تھی۔ اس طرح ستمبر ۱۹۷۹ء میں اتر پردیش اور دارالمطالعہ کابور نے ۳۴ اکتب خافوں اور دارالمطالعہ کابور کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپے کی امداد منظور کی ہے۔



Handwritten marks and stamps at the top left of the page.

Handwritten signature and "Regd No L 319" at the top right of the page.



ہائے کٹرملک دہلی متعینہ ہرستانہ ڈاکٹر آے آر ملک نے ۱۹ دسمبر ۱۹۶۷ء کو پٹ دھول میں وزیر اعظم شری پتے لراگاندرے کو ایکے کار پتے کے نقور میں ڈاکٹر ملک وزیر اعظم کو کار کے کعبیات پتے کرے ہے ہسیرے

پیرا





جلد نمبر

مارچ ۱۹۶۳ء
پچاس کن ۸۹۴ اشکات
پندرہ سالانہ پانچ روپے
فی جیت ۸۰ پچاس ہے

اسدینو
نور شید احمد
بیلش
شرونی شریا
ڈاکٹر عکرمہ اطلاعات - اتر پردیش

نور شریا
اشوک در

پرنٹنگ پرنٹنگ و پرنٹنگ
مکمل ہو

نیو گورنمنٹ پریس، عیش باغ، لکھنؤ

شاید مکتوبہ
مکمل اطلاعات - اتر پردیش

مکتوبات

۲	ای بات
۳	شریت
۴	عزل
۵	عزل
۶	مکتوبات
۷	مکتوبات
۸	مکتوبات
۹	مکتوبات
۱۰	مکتوبات
۱۱	مکتوبات
۱۲	مکتوبات
۱۳	مکتوبات
۱۴	مکتوبات
۱۵	مکتوبات
۱۶	مکتوبات
۱۷	مکتوبات
۱۸	مکتوبات
۱۹	مکتوبات
۲۰	مکتوبات
۲۱	مکتوبات
۲۲	مکتوبات
۲۳	مکتوبات
۲۴	مکتوبات
۲۵	مکتوبات
۲۶	مکتوبات
۲۷	مکتوبات
۲۸	مکتوبات
۲۹	مکتوبات
۳۰	مکتوبات
۳۱	مکتوبات
۳۲	مکتوبات
۳۳	مکتوبات
۳۴	مکتوبات
۳۵	مکتوبات
۳۶	مکتوبات
۳۷	مکتوبات
۳۸	مکتوبات
۳۹	مکتوبات
۴۰	مکتوبات
۴۱	مکتوبات
۴۲	مکتوبات
۴۳	مکتوبات
۴۴	مکتوبات
۴۵	مکتوبات
۴۶	مکتوبات
۴۷	مکتوبات
۴۸	مکتوبات
۴۹	مکتوبات
۵۰	مکتوبات

مکتوبات کے مضامین میں جو حالات کا انشا کیا گیا ہے وہ محض فرضی ہیں کہ حکومت ان کے بارے میں سے جملہ مکتوبات



محمد صید الخصال

حقیقت پرستی ہی جو کج ادب کا جوہر ہے اس لیے ادب جہات کے لطیف پھول ہیں رہ کر بھی حقائق سے جگہ نہیں رہ سکتا۔ اگر شاہ عالم رنگ و بوسے گذر کر فلسفہ حکمت کے نکتہ پس سلسلہ اور ہر کیفیت مجتہد کی دلکش ترسانی کرنے کا اہل ہے تو اسکی حقیقت انہی ایک جہت کے لیے منزل اور گئے دالے عمدے کے لیے نشان راہ بن سکتی ہے۔ اگر شعر کی بنیادیں حقیقت، غلوں، شرافت اور وسیع النظری پر رکھی گئی ہیں تو ضرور ہے کہ شاعر انسان کو داخلی طور پر بدلنے کا اہل ہوگا۔ تاہم اگر کیفیت انسان کے بڑے، اسکی شخصیت وسیع اور عمیق ہے اس کی نصیرت، وجہاں اور مالیاتی احساس میں گہرائی ہے، اگر وہ اپنی قوی ترقوت شاہد ہے قریق نکتوں کی خوشگانی کر سکتا ہے، اسے لطیف احساسات کے ذریعے حیرادی حقائق سے بھی لذت اندوزی حاصل کر سکتا ہے اور اسی کے ساتھ اگر وہ عرفان کی اس مجموعی کیفیت کی تصویر مدت ماباں اور حسن ادا کے ساتھ شعر کے لباس میں لباس کر کے دوسروں کی بھی لذت اندوزی کا باعث بن سکتا ہے تو اس کا کلام سحرے گدھر کر اعجاز حاصل ہوتا ہے اور یہی اعجاز اس حانا اس کے کلام میں شعریت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ نکتوں موصوفیہ اور صوفیہ شعریت میں ہادی سرتوں کا، علامہ داد و لادیں سر شہد ہے اور حسب ایلے تو شعریت کا تعلق راہ راست انسانیت سے ہوا ہے اسی لیے ڈاکٹر یوسف حسین خاں کا کہنا ہے کہ "شعر کو قدر کا خادم ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر شاعر اس کیلئے کوئی خاص طرز نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ وہ نہ حقیقت سے باخبر رہ سکتا ہے اور نہ انسانیت کی ترجمانی کر سکتا ہے اور اس طرح جسے شعریت کہتے ہیں اس کی تلاش

حاصل رہا جو صوفی کا کسا ہے کہ آدھنی شعریت کا دوسرا نام ہے۔ مگر شعریت ہے کیا، یر و میر جو صوف اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ۔

'شعریت' حقیقت انہی کا ایک دیکھ اور جامع مترادف و حقیقت سے اجبر ہوا ایک ایسی قیمت و سماد ہے اور وہ ہماری سرتوں کا ایسا لامحدود اور لا ووال سر شہد ہے کہ اس کے لیے دریغ کشتوں کے مقابلے میں، ندگی کی ساری تلیمیں بیچ محسوس ہوتی ہیں شعریت سے مراد منظوم حقائق نہیں ہیں اور نہ اس سے تاغیوں کا مخصوص اکھاڑ دماغی یا علی ہے ترک سوالات کی مانند شعریت ایک طے کا میلاں دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی امید ہے جو کبھی یا کبھی میں تبدیل میں ہوتی۔ کوئی شخص خواہ وہ عرب علم میں شاعر کہلاے یا سائنس دان، آقا باحلام، مرصی یا تندرست، مجلس یا تو بکر، مود یا محمد کچھ بھی کیوں نہ ہو اگر متذکرہ صنف شعریہ کا حامل ہے تو وہ شعریت سے بہرہ ور ہے۔

"شعریت... ایک ذوق، ایک وجدان، ایک قسم کا میلان ہی جس کا تعلق براہ راست انسانیت سے ہے۔ یہ ایک تار طے ہے اس وجدان کی صبح کا دروازہ اور پھر اس کی صبح دیکھ کر تبتانی کرنا اور اس کو مرئی اور تشکیک نا ایکین اس ملاز اور سلیقے سے کہ تصور اور تصویر میں شبیں از میں ماسدیت شاعری ہے۔ یہ شاعری کا وسیع ترین مفہوم ہے۔" (مقدمہ مائیتا حاتمہ)

وجود ان کا سوال ہے شاعری جیسے لطیف فن کی تو پرورش ہی وجدان کی آغوش میں ہوتی ہے۔ اگر شاعر زندگی اور فطرت انسانی کی ساری پے جمید گہنوں اور تاریخ انسانی کی قابل احترام روایات کو اپنے شعور میں جذب کر کے ادراکی شخصیت میں رچا کر ان میں حسن اور زندگی پیدا کرے تو اس کے شعریں شہریت کا خلیل الرحمن اعظمی کے اعلا میں حال یہ ہو گا کہ:

"اس کے پاؤں کو چڑھیں ہوتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ تاروں کی طرف لڑے گا۔"

عالمی مقدمہ شعروں شاعری میں شعریت کا کہیں نام تو نہیں لینے مگر اس کے حوازیں شاعر کی قوت تخلیق کے عمل اور اس کے ذوق کے متعلق فرماتے ہیں

"مذہب کے ایک طرح کی روح یا جو مانیست میں اس کا انتخاب کرنا اور ان کی تصویر کشی شاعر کا کام ہے۔ وہ سب ایک تہ سے صرف وہ مانیست میں لیتا ہے جس روح سے تامل کا عمل مل سکے اور عوام نظریوں سے بھی ہوں جس طرح ایک نیار یا رت سے چاندی کے درے کال لٹاتا ہے جو کسی کو نہیں سوتھتے۔ اسی طرح شاعر ہر ایک جبر اور ہر ایک واقعہ میں سے صرف وہ قیادت لے لیتا ہے جس میں اس کے سوا کسی کا حصہ نہیں اور ان کی کو چھوڑ دیتا ہے۔"

یہ صیح ہے کہ "حقیقت آگہی" یا "تخیل مکر و حدہ" کی آمیزش شاعر کو خود میں لاتی ہے لیکن سہا جی کافی نہیں ہے حسن خیال کے ساتھ ساتھ مکمل شعریت کا راز حسن ادا میں بھی یہاں ہے۔ شعریت پر آج سے پہلے ال ن یو میسرال احمد سرور اور پروفیسر گلبرگ الدین حموی تبادُل خیال ہوا تھا سرور صاحب نے اسلوب کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا

"شعریت سے میری مراد وہ رسیلا پن نہیں ہے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا بلکہ جذبات کی شدت، وہ دامن کیفیت، وہ بات کاس طرح کہیں کی حادث کو چھنے والا تھوڑی دیر کے لیے چونک اٹھے اور اس کے سامنے حالات کی ایک لمبی دیا گیا ہے۔ عرض وہ سارا اسلوب جو شعر کو ترہوے سے بچا کر ہے کہ نظر آتا ہے۔"

جناب کلیم الدین احمد نے اپنا رسد صحاح شاعر کے جولائی ۱۹۴۱ء

میں بے معنی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب جو مصون اپنے اس خیال کی مزید محنت اس طرح کرتے ہیں کہ:

قدربہ وہ کتنی ہے جس سے زندگی کے سارے ظلم کھٹے ہیں شاعر کو خدا کا خادم ہونا چاہیے نہ کراس کا مثلے والا۔ ہم یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ شعریت تخیل، فکر اور صندسہ کی آمیزش کے منبر میں ہو سکتی اور یہی دونوں تجربوں کی ماحول ہیں۔ اسی سے جس ادا کی طو گری ہوتی ہے جو اس کی میادی قدر ہے۔ تخیل مکر کی قوت میں کی گہرائی میں پوشیدہ ہے یہ قوت صورت پذیری اور نظر آخری کے سارے اعداد اپنے اندر نہیں رکھتے ہے جو حسب غارتی حقان کو اپنے اندر جذب کرے تو موضوع و مضمون کی دونوں مانی میں رہتی۔ اس طرح صحت اور حقیقت، عظمت اور آراوی، حضور اور آشود، العزادرت اور امتحان کے تضاد دور ہو جائے ہیں اور شعر مدگی کا مظہر بن جاتا ہے۔

(از استاد: عتوس، لاہور (ادب عالیہ) جولائی ۱۹۶۰ء)

ان سب باتوں سے ہم یہ جبر اندہ کرتے ہیں کہ شعر کی میادیں مدگی کی ادبی قدروں اور حیات کی اصلیتوں پر قائم ہیں۔ زندگی کی قدروں اس کے توم اور یاد پر اگر شاعر مکر و نظر کی عظمت تیسر کر کے دلوں کے تاروں کو بھیڑتا اور مدگی کے حسن کو میدان کو تارے کی زندگی کی حقیقتیں سے نقاب نظر آئے معنی میں شاعر تخیل کے سہارے مدگی کے فتل میں لپکتی کو اجاگر کر کے ایک نامک داستان کو اس کے نظری انجام تک پہنچا کر زندگی کی ہر گیر ترجمانی کرتا ہے۔ تخیل کا یہی پرتو جذبے کی کاہنہ آہوں کو پچھو اور رنگین بنا دیتا ہے یہ تخیل ایک داخلی اور انفرادی ایجنس ہے تخیل اور جذبہ کی یہی آمیزش شعر کو شہریت عطا کرتی ہے۔

تخیل اگر ہر شعر کا ایک نہایت اہم عنصر ہے مگر اس شعری کا انحصار یا شعریت کا دار و مدار فقط تخیل پر نہیں اور نہ نقض اور منطق پر ہے بلکہ وجدان ہے جس کی تخلیقی سرل کی طرف اشارہ خات لے آئے اس شعر میں کیا ہے کہ

آتے ہیں فہم سے بے مضامین خیال میں
غائب ہر پرغامہ فوسے سروش میں ہے
اس تخلیقی منزل کے زوارہ میں شور کو بھی اتنا ہی دخل ہے کہ یہ نہ کہاں

کے شاہد میں اپنے معنوں میں (جو عربی میں انکی کتاب میں ہے) ہفتی
مطبوعہ ۱۹۵۵ء میں بھی شامل کی گئی) سرور صاحب کے خیالات اتفاق
کرتے ہیں صرف اس قدر اختلاف کا کہ

”شاعری تو شبہہ باری ہے اور مراد باری۔ تاجری امام کی اسانی
تجربہات، خیالات و مذاہب کے اظہار کا اور یہ اظہار اظہار و قوت
یا تبلیغ کیوں اور اوزان کی مدد سے ہوتا ہے۔ اگر تجربات
میں اصلیت ہو اور شاعر کو الفاظ، قوت اور اوزان پر قدرت
حاصل ہے تو پھر تبھی کامیاب شاعری ہے۔ اگر تجربہ میں اصلیت نہیں
اور اگر اس میں کسی قسم کا نقص ہے تو یہ نقص، یہ اصلیت کی کمی
اسلوب بیان میں ظاہر ہو جائے گی۔ سرور صاحب سمجھتے ہیں
ہیں کہ شریعت کے لیے خدا کی سنت، ایک دالہ۔ کیفیت ضروری
ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دالہ یہ کیفیت یہ ”خدا کی سنت“ بھی
ہو قطعی۔“

حالی نے بھی مقدمہ شعر و شاعری میں اصلیت کو سادگی
اور خوشی کے ساتھ ایک ضروری عنصر قرار دیا ہے۔ جناب حکیم الدین
نے بھی وہی بات کہی مگر توڑ مڑ کر۔ اگر اصل و فعل کا فرق ایک
شاعر میں رکھتا تو وہ شاعر میں خود کو کہا جائے گا۔ حالی نے بھی
تو یہی کہا اور واضح طور پر کہا ہے کہ:

”شعر اصلیت پر ہی جو اس سے یہ فرض ہے کہ خیال کی یا دایسی
جبر پر ہونی چاہیے جو حقیقت کچھ وجود رکھتی ہو یہ کہ سارا مضمون
ایک جواب کا نا شاہد ہو کہ بھی تو سب کچھ تھا اور کچھ کھسکی ہو کچھ
رہ گیا۔“

اور پھر اصلیت پر ہی ہونے سے ان کی کامیابی ۱۵۵۵ء اور بھی واضح
کرتے ہیں کہ:

”اصلیت پر ہی ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شاعر مضمون حقیقت
فعل الامر پر ہی ہونا چاہیے، لکھ مراد ہے کہ جس بات پر شاعر کی سیاد
رکھی گئی ہے وہ فعل الامر میں یا گوئی کے عقیدہ میں یا محض
شاعر کے عقیدہ میں فی الواقع موجود ہو۔“

قرابت حسن بیان اور شریعت کی بوری بھی جس کا براہ راست تعلق

اثر آفرینی سے ہے اس لیے مختصر ہے موزونیت پر موزونیت شعر کے لیے پناہ
شمشیر بننے اور وجدان کو گل و لؤلؤں میں ڈھلنے میں شیرازہ کا
کام کرتی ہے شعر میں لفظ ”الجمیہ اور اچھے پن کے لیے مناسب
الفاظ اور الفاظ کی نزاکت کو بہت بڑا اصل ہے اور یہی سب لفظ
کو تاجر کے لہجے میں دالہ ہیں اور ذہنی پیدا کرتے ہیں
مگر مکمل شریعت کے لیے شاعر کی شخصیت کا بھی عظم ہونا ضروری ہے
کیونکہ خیال، انداز، بیان اور خود شاعر کی شخصیت کے ایک کھنڈ پر
جسے جو لے ہی ہے شریعت و خود میں آتی ہے۔ سرور صاحب ”جو کہ
اشعہ“ دلی بات کو کہہ رہا ہے دالہ بیان کے اسی لہجے پر مختصر ہے
جو تمام الفاظ یا شعری قوت سے تشکیل پاتی ہے مناسب الفاظ
کا انتخاب اور ان کی مناسب ترتیب ہی کامیابی شاعری ہے۔ خود کے
اس شعر سے شریعت قرینہ کے ساتھ شریعت کے وجود میں آنے، الی الی
واضح ہو جاتی ہے۔

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
شعرت اور ایدہ الفاظ کے تعلق پر دران گور گھوڑی لے گیا
خوب روشنی ڈالی ہے:

”تعلق و خیال کیفیت کی مدد میں لیکن الفاظ شعر نقل و خیالات
کی گرت یا گمراہی سے سو فیصدی، رادی حاصل نہیں کر سکتے۔
اچھے سے اچھا شعر قریب قرب شعر جو ہے یا شریعت کی طرف اشارہ
کے کہ وہ حالت ہے ہی کیا کہ ہے۔ جہاں تک ”ایضاً“ الفاظ یا
الفاظ کا تعلق ہے حقیقی عمل کے اشارہ کا شریعت اور مادہ
کیفیت، ”ایضاً“ گداز و مانگ اور ثابت ہوتے ہیں الفاظ اشعار
سور شریعت میں چھلنے نظر آئے ہیں کچھ تالیں ملاحظہ ہوں

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو میں وہ
کما جائے تو اے کس آن میں نکلا
”لفظ“ اتنا، ”معنویت“ شعرت، کیفیت و شریعت کی سنت سے
تھر تھرا رہا ہے۔“

(اساتذہ بھارت، لکھنؤ۔ ”وری و فروسی“ ۱۹۵۵ء، ص ۱۸۴، صفحہ نمبر)



میر تقی علی تاقی
دشت کی دھوپ ہے، جلتا ہوا سناٹا ہے
ہلے کس وقت تجھے تیرا خیال آیا ہے

دنک بکھرے ہیں نہ ٹوٹا ہے طلسم زبداں
رات ابھی رات ہے احساس کہاں کہاں گاہے

خٹکی موسم گل ہے کہ ترے جسم کا نس
نستہ نیم شبی ہے کہ ترسا یہ ہے

نم کے اطہار سے روکے ہے ادھر وحشت غم
ادھر ادھر دل کا ہر اک زخم صدا دیتا ہے

میں وہ اک شہسوار ہوں رقی دل پہ ندیم
آج تک موسم گل بھی جے دھڑاتا ہے

دشت تنہائی میں مضرب بقیں ہے تری یاد
تبصر چھو لینے سے سنا نا کھنک جاتا ہے

دنک رات ہے مقتول کی اسے کچھ نہ کہو
کرب وہ ہے کرا جالوں کا بدن ٹوٹنا ہے



مہالتے صہوت
بدل کے بھیس محبت کی چوٹ ابھر آئی

ہماری بات تمھاری زبان پر آئی
خبیثت ایک سین انقلاب کو آئی

ہمارے حال پہ آج ان کی آنکھ کھرائی
کسی کو دیکھ کے بے چین ہو گئیں نظریں

کوئی دبی ہوئی یوٹ آج پھر ابھر آئی
اُسے بھی مصلحت چسُن کہہ دیا ہم نے

تری نگاہ جو بدلی ہوئی نظر آئی
وہ زندگی جو عبارت ہے نامِ آدمی سے

جدھر جدھر میں گیا ہوں ادھر ادھر آئی
جنھیں حقیر سمجھتے ہیں اہلِ دہِ دوم

انھیں میں کچھ ہمیں انسانیت نظر آئی
ترے کرم کی تجلی جسے کسا جاے

کبھی قریب کبھی دور پر نظر آئی
ترے خیال کی انگڑائی کہ کشاں کی طرح

سنواری ہوئی یادوں کے بامِ دور آئی
بہت سی باتوں کے باوصف یہ خوشی ہے نہاں

غورِ شام مٹاتی ہوئی سحر آئی

منشی مسیح الدین بریلوی مرحوم

۔ جتنگر بریلوی ۔

اسی سال موسوم بہ سہ ماہی بریلی میں دہشت طاعون نازل ہوئی۔ بہت لوگ تہہ بھو ڈر ڈور دھوا جائے جہاں جس کے سنگ سہ ماہ آباد ہو گئے، بچر دبا کے دورہ ہوئے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے اطمینان و تسلی کا سانس لیا۔ مگر آہ ہم لوگ ایسے نکار کر مگان سکون کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ گریہ کے مکاؤں میں بھوڑے بھوڑے غرے قائم کئے لیے یہ بہت طولانی اور الماک داستان ہے جس کے سران کرنے کا یہ سونچ نہیں۔ یہ خاکسار دور و سراذینیں مسئلہ تک پہنچی رہیں جنہوں نے آخر آخر و العاجہ کی آخری سانس بھی نکال کر دم لیا۔

حالات عظیم سے مقبر تر ہوتے گئے۔ ہاں یہ اسلسلہ تظلم کسی نہ کسی طرح جاری رہا اور صفا کا سکر ہے کہ میں مسئلہ میں بی۔ اے کانٹن میں آگیا۔ میں نے فارسی ادب، انگریزی ادب اور فلسفہ لیا تھا۔ فارسی کی درسی کتاب میں ایسے ایسے سنگسار و انتخاب غلط تھے کہ چمن کا پڑھنے والا بریلی میں کوئی نہیں تھا۔ بریلی کالج کے فارسی کے پروفیسر ایک ملائے مکتبی سے زیادہ استعداد نہیں رکھتے تھے۔ شہر میں فارسی کے دو استاد معروف تھے ایک منشی قاسم علی خواجہ اور دوسرے مولوی لا ستر میاٹ قیصر۔ اولیٰ القہر سرکاری اسکول بریلی میں فارسی کے معلم بھی تھے۔ اکثر طلباء انھیں دووں سے پائی دشواریاں حل کرنا کرتے تھے مگر اب کے فارسی کتاب اس قدر مشکل آئی تھی کہ یہ لوگ بھی اس کے پڑھنے سے اپنی معذرت کا اہل کر چکے تھے۔

میں اور سب ایک ہی جماعت سورگیش من موہن لال ماتھر جو بعد کو ایڈوکیٹ ہو کر بریلی میں انتخاب کی گئے تھے، فارسی کی کتاب مطالعہ

میر انکس تھا۔ ہم لوگ ایسے آرائی مکاں میں رہتے تھے۔ ۱۹۰۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ ایک صاحب لاسا قدر احمیدہ بھر برادر۔ کچھڑی دار تھی سفید یا سیاہ حیروانی۔ چوڑی دار یا جامہ پہنے بڑی ٹوٹی ٹھک ایک ٹھوٹا سا بیت ہاتھ میں ایک سفید پیلے دے پیلے ٹاپکن برسوا کوئی نوڈس نیچے صبح کے دروازے کے کھانک سے داخل ہوتے ہیں۔ ایک یا دوں اچھی رکاب میں ہے کہ زمان سارک سے کوئی فارسی تعریٰ اور بلند نکلا۔ ادھر سے میرے والدہ رنگہ راجو انھیں دیکھتے ہی کسی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اس کی طرح لہر آواز سے کوئی دوسرا فارسی شعر پڑھتے اور صفا بھرتے ہوئے لاکھ اپنے قریب کرسی پر بٹھاتے ہیں اب دووں دریاں فارسی زبان کی گفتگو نہیں سمجھتے اور شعر و انیاں دیکھنے اور سننے کے قابل ہوتی ہیں کھنے ڈوڑھ کھنے طبیعت رہتی۔ بھر وہ بزرگ اٹھ کر رخصت ہوتے والد باہر بھاگتے ایک بیچا تے۔ سن اس تمام وقت بہت سنا دیکھتا رہتا۔ کچھ میں تو ان کی شعر و انیاں کچھ نہ آتی، صرف اتنا سمجھتا تھا کہ فارسی زبان ہے۔ لیکن میرے دل و دماغ میں شرب کا آنتہ سلجھا تھا اور یہ کیفیت کافی دیر تک سرور رکھتی رہی جب کبھی ان بزرگوں کو آتے دیکھنا میں باغ باغ ہوتا۔ یہ تھے مسیح الدین بریلوی مرحوم۔

والد صاحب فلسفہ میں پڑوسی کا دوسل لندن سے کئی لاکھ کی جائداد کا مقدمہ اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے طلاق ہار گئے۔ یہ مولوی شکست نہ تھی۔ اس شکست نے عمارت ویرانی، خانان خوانی اور برادری کے دروازے کھول دیے جن سے وہ بلاشبہ داخل ہوا۔ گواں قیمت سارو سامان، میں قیمت فروش فروش کھوٹے گاڑیاں وغیرہ سب ہمارے گیا۔

ہیں، تو دوسری وجہ یہاں طلبہ کی کتاب میں سے کچھ ٹھکانے اور کچھ تالے۔
اسی طرح تمام وقت دونوں شکل جاری رہتے۔ یہ میری آنکھوں اور دماغی بات
نہیں، بلکہ ان کی کلمات آج تک یاد ہے۔

ایک دن چار بجے شام میں منشی صاحب مرحوم کے دولت کسے نہیں تھیں۔ دولت کسے تو ادا کر کے مقدمہ میں انھیں حوالہ کے آستانہ پہنچا چاہیے جہاں رشتے سے جوڑ دے ہیں۔ اسی آستانہ کی دولت کسے دہانہ ہوا۔ اس آستانہ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ مرحوم تنہا ایک گھر میں جا کاپانی پر دما د ہیں اور باروں طرٹ مٹا رہے۔ اتنی گھنٹی آبادی اس وقت نہیں تھی جیسی اب ہے کہ چوہر پر شور وغل خوشا خان ٹرٹی اور آواز ہمیں سنائی دیتی۔ آپ بچے دیکھ کر دھوکہ بخینے لگے۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ جھانک کر صاحب مرحوم کیا ان کا بیٹا جوڑ لایا۔ آؤ مجبور اور غمزداد پر کمرسک گئے۔ پھر فرمایا کیسے آپ میں نے اپنی مشکلیں بیان کیں ساتھ میں ساتھ والد صاحب کی اور اپنی مشکلیں بیان کر دی اور اپنی حاضری کی علت خالی تھی۔ پھر اس کس فادری اذیت پر دلا اور شاعر کے انتخاب تمہاری کتاب میں ہیں میں نے کیا کیا اسے ابو الفضل۔

اخلاق حلالہ - اخلاق محسنہ - سہ مشغلوں پر - چہاد عصر
میدل شریں اور مبارک ختم ہو یا ان کا تھکا ہیز کا نام گوش گزارد ہو ہر ایک
انگ میں اگر میدل کی غزل کا مطلع پڑھا

ستم است اگر هست کشد که به پیر مسود کن در

تو زخمی گم نه دیدی در دل کشتا بر چشما دورا

اتفاق ہے تجھے بھی اس غول کے کچھ شعرا دتھے۔ میں نے شعرا کا

کہ اہم آئندہ مالی کہ ذفر صفت اس سہ خانی

وہی کہ جس نے اسے پہنچا دیا۔

فریادِ افسانہ و لب کہہ کر اُٹھ کر شہر چل دی۔ میں نے اپنی کچھ کڑی سڑا ہی سنی
بیان کیے بغیر کئی خطوط لکھی اور کہا کہ میں کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔
انکارِ افسانہ خود بخود نہیں جو تمام شکلات محل کو لے کر۔ مگر کیا یہ مطلب
نہیں کہ میں انکارا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ جب بھی کوئی مقام لے کر ہے
موجا ہے میرے پاس ہے آنا۔ دورانِ محکومیت پہلے میرے لیے فریاد
مگر نہ محکومیت میرے لیے تھی کہ مراعتِ شفاء نہ کرو

باقی صفحہ ۲۲ پر

۱۸۹۲ء کی

ساتھ ساتھ کرتے اور اپنی فکر و فہم سے بہت سی دشواریوں کو سامان کر لیتے مگر پھر بھی کچھ حد ایسا رہ گیا جو انار سے بے عقده لامل بنانا۔ اور یہی اسلوب میں سورجیہ والد کی فاد کی والی کے متعلق جو کچھ عرض ہو چکا ہوں اس سے یہ نتیجہ قائلین کے اعمال ہی لیا ہو گا کہ ان کو اس زبان کا کافی شوق تھا۔ اسی کی وجہ سے ان صاحب ہو گا۔ اور اٹھنا ذکر کرنا کہ وہ فارسی کے کمال مہتر تھے۔ اسی کے ذمے ہی چور ہوتے۔ بلکہ قیاس ہے کہ بعض اسیباب و برائی ان کی فارسی کا ضعف بھی تھا جس نے انھیں دیکھنا اور یاد دہانی سے ہمیشہ بے نیاز بنائے رکھا اور اصلاح حالات کی تدابیر سوچنے کی اجازت ہی نہیں دی۔

ہم نے ایک روز دسے دسے بہت کر کے عرض کیا کہ میری فارسی دوسری کتاب میں متعدد مقامات ایسے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے سب سے اہم ترین کو بتا چوں تو کچھ میں نہیں آتے۔ آپ انھیں کچھ بتادیں تو خود بخود احوال روز بہ روز ملنا کر دوں۔ فرمایا اب اس پر کیا کہیں فکر کروں کے مارے و دان پر پڑنا دہتا ہوں۔ حالانکہ اب تار سے تہ نشینی مع الدن کے کب اس چلے جاؤ۔

کہنا ان کا بیٹا ہوں وہ چھڑو تھا اور شکلات آسان ہو کر گئے۔

مفتی مسیح الدین کوں تھے ؟ اور کہاں رہتے تھے ؟ بریلی شہر سے
 اٹھ کر جو سڑک بریلی کالج کی طرف خلتی ہے اس کے بائیں گوشہ کو دیکھی
 بغیر الدین کا گھانا تھا۔ یہ کافی وسیع تھا اور یہاں پر ایک چار
 اہود تہائی کے کارخانے کا پھیلاؤ بہت تھا تو ٹلے ہوئے یوں گھوڑا چار
 اور بیلوں کی مرست کیا کرتا تھا۔ چار باب بریلی کو تو اپنی تانہ زراعت
 میں جن آدمی اس علاقہ میں آثار اللہ بنائے ہیں مثلاً ایک بھوئی کی خدمت عمارت
 مئی اسی میں اس صاحب پر جو گھر گئے۔

مٹی کے گلابیں چنگی میں ملا کر تھوڑے انگریزی سے نالہ۔ ۱۲۰۰
 کپڑے پہنے سگاتے تھے ان کی لڑکیاں دیکھنا دیا چرخان کا کاجی
 تھا چرخ میں کام لے لے تھیں دوکان دوکان جانا داتا تھا انھوں
 سے ایک مٹھی سونہرے کمانہ کھڑا تھا۔ ۱۰۰۰ روپے اور سو لہوہ قلم
 جاسے پڑی نالہ ایک سی۔ اس کا مالک علم میں الدین جو نوجو کا چاچا
 ہو گیا تھا وہ ایک پونی کپڑوں کی مٹھی میں دوسرا لہوہ کھڑا تھا
 اس کے کچھ بھائی اس کے گھر کے قریب سے ایک گھر میں لے جاتے
 دوسرے جب وہ دوکان پر گیا تو بازار میں مٹھی والا قلم سے لے

SECRET

آمد بہار

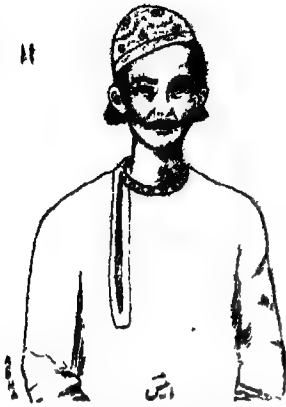
* مختار حسین قاضی مختار

پھر نے اندازے آئی ہے گلشن میں بہار
ہے ہوا کیسی بیک بوسم ہے کتنا خوشگوار
ہے نعمتا میں کیسی بھینسی بھولوں کی ہرک
عطر بڑی کر رہی ہے صحن گلشن میں بہار
لبلوں کے زمزمے کاؤں میں پھر آنے لگے
کو رہی ہے صحن گلشن میں فوا سنجی ہزار
ہیں نئی پوشاک پہنے سب جوانان چین
اور اوپر سے ٹپے ہیں مختلف پھولوں کے کار
خوار انش کمیں پر تو ہے کوئی سہم خن
اللہ کمیں صحن زیبائش ہے کوئی گل خندار
پس کے دیوانہ کوئی صوا کی جانب چل دیا
کر رہا ہے بخودی میں کوئی جامہ تار تار
چھا رہا ہے سر پہ پھرا بہار ہی آج کل
خند ہی خند ہی چلی رہا ہے پھر بولے خوشگوار
بھول کر اسے خوشی کے ناپتا پھر تار ہے وہ
صحن گلشن میں جو الی کو نظر آیا نکھار
جس طرف دیکھو دیکھتے ہیں پورے سوں کے پٹر
آگئی سپوہ فروشوں کی اسبڑوں میں بہار
ہر گئی کے بعد شادی، بعد شادی کے غم
انقلاب بدتر رہے دنیاء کا مدار
شکر کیسے ہوا ادھارتا اس اللہ کا
نصرتوں کا جس کی دنیا میں نہیں کوئی شمار



سید حقیر محمد

جن میں پھر خوشی کا دور آیا ہے
زمانہ پھر نوید پیش دیتا ہے
ہوا گلشن کی ہر سو ہے طرب افزا
بہار آئی ہے آیا روز بولی کا
جوانی کی اسگوں کا یہ موسم ہے
نشاط و کامرانی کا یہ موسم ہے
مرتب کے پھر یہ سب اڑتے ہیں
خوشی سے نچے جگاتے نچلتے ہیں
مرادوں کے رازے کا زمانہ ہے
جوانی کے لیے بولی بسانا ہے
فضا سے ہر طرف سستی برتی ہے
سے دساتی کی خواہش بھی بھرتی ہے
مزا چ حسن بولی میں بھرتا ہے
صوبہ عشق بولی میں ابھرتا ہے
ہماں دیکھو وہاں دگوں کا طوفان ہے
غضب کا کچھ یہ رنگ بہار الہ ہے
عبر و ہمت کے فوج ہو گیا گلگون
حسینوں کا بننا ہے جسم و قلوب
ہنسی ہے دل کی ہے قیفہ بھی ہیں
پری زادوں کے ہر سو جگمگاتے ہیں
بھلائے ہیں غم ایام بولی میں
ہست و خمیں ہیں دلچ و کام بولی میں
نہلے دوست ڈالے وہ بولی ہے
کرے جو دہشی کو دور، بولی ہے
مبارک چو یہ بولی اہل عبادت کو
جوان کو پیر کو ہر مرد عورت کو



میر انیس کی غیر مطبوعہ کلام

☆ ڈاکٹر اکبر حیدر صاحب کا شیعری

میر انیسؒ نے ان خوش قسمت شعرا میں مایاں حقیقت رکھتے ہیں جس کا دامن شہرت و امن قیامت سے وابستہ ہے۔ ان کی یہ پیشین گوئی صرف عرف پوری ہو رہی ہے۔

خود نوید زندگی لائی تھا میرؒ نے

شع کشتہ ہوں فنا میں تھا میرؒ نے

انیسؒ کو شاعری دوسنے میں ملی تھی۔ ان کے پر دادا میرؒ صاحبؒ 'دادہ میرؒ' والد میرؒ علیؒ، اور تین چچا میرؒ علیؒ، میرؒ قلیؒ اور میرؒ حسنؒ بھی مشہور شاعری رہا کرتے اور فرشتے کہتے تھے۔ انیسؒ نے اہل سما فرمایا۔

میرؒ گوری ہے اسی دشت کی بیاہی میں

پانچویں پشت ہے شیعہ کی تہائی میں

مرانی انیسؒ پہلی مرتبہ مطلع نو کشف کھنڈے کوئی جلدوں میں ہے۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں اس سطح سے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ انیسؒ نے بڑی بددیوباری سے ہمیں جو کلام انیسؒ تین ضخیم جلدوں میں آج سے کوئی ۸۰ سال پہلے بڑے سلیقہ اور دھڑلے سے چھپا۔ پاکستان میں بھی بڑے پھر لیکن اس کے باوجود انیسؒ کا کلام کتاب ہوتا جا رہا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ دہلی میں مرکز کی احاد سے جناب ملک رام صاحب کی محکومی میں جو کلام کلام انیسؒ ترتیب دیا جا رہا ہے۔

میر انیسؒ کی کلام مالا مال نہ رہی ہو۔ جناب میرؒ سعید حسنؒ صریحاً لکھتے ہیں کہ میرؒ صاحبؒ کے ذہن میں مرانیؒ کی کلامی اور غیر مطبوعہ

میرؒ صاحبؒ کی ذیل میں چھ کتاب ادبیہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی جاتی ہیں:

۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۲۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۳۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۴۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۵۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۶۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۷۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۸۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۱۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۲۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۳۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۴۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۵۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۶۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۷۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۸۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۹۹۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

۱۰۰۔ میرؒ صاحبؒ نے میرؒ صاحبؒ کی کتاب کیا ہے

لے نہیں کے لیے ان کی کتاب خود میرؒ صاحبؒ کے ہاتھ سے لکھی گئی ہے۔

زمین کا زرد چھلکا بھی نہ تھکتا نظر
میری زبان پر جو تاجہ تراب آیا
اچھے سب کے سب حلوں پر تھکے آگے
مزا تیرے کہ اس پہلے کبھی نہ تھا
وہ لوگ کوئی تھے عیسایا مسلمان
میں تو قبلہ کو میں سے جواب آیا
حبیبِ شریٰ تو دیکھ کہ میں کیا حرکت
نہیں کی راہ میں حبیبِ شریٰ تھا
جیسا کہ میری زبان سے کسا سوا داہ
جیسا کہ میری زبان سے کسا سوا داہ
جہاں سے ہم اس حسرت میں پر ہو گئے
ذہر زہر تھکائی دیکھ شہاب آیا
اٹھ گیا زلفِ لعل کا اکٹھ
انہیں کب سخن میں بھی انقلاب آیا

(۲)

ہم ان کا جو مصیبت میں ام لیتے ہیں
خوشی سے ہوسے شریٰ کے کام لیتے ہیں
سحر کو اٹھ کے دال سے یہ کام لیتے ہیں
خدا کے بعد روش کا نام لیتے ہیں
بچنے کے غلہ میں پیائے حسین کے فغا
علی کے اٹھنے کو شریٰ کا جام لیتے ہیں
یہ زائرانِ امام زین کا رتبہ ہے
کس کے سوا محمد سلام لیتے ہیں
حوشا حال کہ آئی ایک زیارت میں
قواب حج کا لعلی کے غلام لیتے ہیں
سکل کے فوج سے کبار اے غافل
جناں کی راہ علی کے غلام لیتے ہیں
کوئی گھڑی میں ہوا لعلی اڑا کے کوس
رکشاہ کو اب جیل کے ختام لیتے ہیں
سیر کے حرس جن توت درد اٹھاتے
مگر کو بچنے کے شہسیر تمام لیتے ہیں
اجتنابِ علم سے اعدا کے جہدی ہادی
ظہور کے کس اب استقام لیتے ہیں

(۳)

خیمے میں اس چمن میں اگر زلزلے ہوں
میرا اپنی تہم سے گھر لے لے ہوں
علی میں ہر روز دستِ شاہ کر بلا
دستِ تہرہ سے سوز گھر لے لے ہوں
سرخِ گلین میں یاں ڈیوڑھی پہن جائے
بیٹے کی لاش سدا پہن لے لے ہوں
جہاں کی لاش ہو گئے سرور ادم
گودی میں سے نکال دے لے لے ہوں
عزت کی کڑی جاکو گیا جانبِ عدم
دنیا سے فغانی اٹھ کر لے لے ہوں
کتنے تھے شاہ دیکھے کیا جو آل کا
ہاتھ سے کر بلا کو مقدر لے لے ہوں
جہاں سے کہتے تھے دیکھ اپنا مرتبہ
ہم تہرے سوز کو زانو پہ لے لے ہوں
بیٹے سے وقت جگتا نہ تھکے حسین
کھوٹے کی ایک جلی اکبر لے لے ہوں
حقوقِ نبی کہنا تھا سلا تے ستار
حدیثِ شاہ سے کرتی پنا لے لے ہوں

اگر ملک پہ گرجا تھا صحاب آیا
اگر ملک پہ گرجا تھا صحاب آیا
چھوڑ دینا تے میں کتاب آیا
چھوڑ دینا تے میں کتاب آیا
قرمزین کے سر پہ کبریا صحاب آیا
قرمزین کے سر پہ کبریا صحاب آیا
صدائے دے گیا یاں پہ حبیبِ شریٰ آیا
صدائے دے گیا یاں پہ حبیبِ شریٰ آیا
جو ایک دم کے لیے مصیبت صحاب آیا
جو ایک دم کے لیے مصیبت صحاب آیا
گرا بی فاک پر فرزندِ جو تراب آیا
گرا بی فاک پر فرزندِ جو تراب آیا
سحر کو جان بھیا دلی کو کتاب آیا
سحر کو جان بھیا دلی کو کتاب آیا
سفید بال ہوے موسمِ غضاب آیا
سفید بال ہوے موسمِ غضاب آیا
جھری جگر پہ جلی حب جیالِ آب آیا
جھری جگر پہ جلی حب جیالِ آب آیا
سحر کے بدلے ہوا قلا حجاب آیا
سحر کے بدلے ہوا قلا حجاب آیا
کردم اچھے نگاہِ وقتِ اضطراب آیا
کردم اچھے نگاہِ وقتِ اضطراب آیا
ہم کوئی اصل خواب کو بھی جواب آیا
ہم کوئی اصل خواب کو بھی جواب آیا
یہ کی غصہ ہے شب کی گرا کتاب آیا
یہ کی غصہ ہے شب کی گرا کتاب آیا
سنو اب کج کر جو تیرا تراب آیا
سنو اب کج کر جو تیرا تراب آیا
عجیب تھا امدادِ قاصد بہت شتاب آیا
عجیب تھا امدادِ قاصد بہت شتاب آیا
فلجِ تہرے کی حب سر بھی تو جواب آیا
فلجِ تہرے کی حب سر بھی تو جواب آیا
تو شدہ کوشش سے خطاب آیا
تو شدہ کوشش سے خطاب آیا
نہی نصیبِ علما اب تراب آیا
نہی نصیبِ علما اب تراب آیا
میری نہاں یہ برابر ادر جواب آیا
میری نہاں یہ برابر ادر جواب آیا
عرفِ عرف ہوا شیشے میں جگہ اب آیا
عرفِ عرف ہوا شیشے میں جگہ اب آیا
سکل کے کفر سے سوسے یہ صواب آیا
سکل کے کفر سے سوسے یہ صواب آیا
دولت کو دہلے کے لاش پہی اجاب آیا
دولت کو دہلے کے لاش پہی اجاب آیا
اٹھائی ہاد میں جہی تو جواب آیا
اٹھائی ہاد میں جہی تو جواب آیا
کہاں تھا تو کھر لے غافلِ خواب آیا
کہاں تھا تو کھر لے غافلِ خواب آیا
علی کے لال کو ٹھیس کا شراب آیا
علی کے لال کو ٹھیس کا شراب آیا
خبر نہیں کہ کیا کب انقلاب آیا
خبر نہیں کہ کیا کب انقلاب آیا
کوئی بھی سولہ پہری جیلِ غافل
کوئی بھی سولہ پہری جیلِ غافل
اٹھ انہیں سولہ پہری آفتاب آیا
اٹھ انہیں سولہ پہری آفتاب آیا
جگہ پانی جو کھرت میں سانس لینے کی
جگہ پانی جو کھرت میں سانس لینے کی

کہتے تھے ہی لا شہ اکسر یہ درود
کہتی تھی سکنہ کچا منہ نہ چھپاتے
تھادیمان دم ذی غمی یہ تہاہ اکم کا
حامدے کام کج نہیں طاعت رنہ
نہ کہتے تھے کیوں ذبح ہمیں کایہ ظالم
آئی تھی صلاوں میں گلوں تزدیں
کھے ہمیں اپنے میسر کا دوسا
ہوئی ہے جو تھک فانیں مگر انگار
کہنے ہیں مدح صبر شہیر ماری

(۵)

مجرانی دھنہ کہتے زمر اکا ہانی ہے
تہا تھانہ فروج سے لڑا کھ کت
کہتے تھے تہا کیوں کیوں کھ کھ گئی ہیں
اکر جو آریں میں تو نگر سے ولا فخر
باو یکا دی تہا کو ذی دہی یہ آں کر
دوڑد خبر لوئے کیلے فاطمہ کے لال
کہتی تھی بانڈی حباب الیہ پاس کے
ریب پکاری کے کوہا بیاسوے نصف
کھڑے ہیں میں چوہا کھڑی دیکھتی ہو میں
گھر مٹھلی کا چوہا ہے بر باد ظلمے
باو یہ میں کوئی تھی مضر کی لاش پر
ہر گز دو گا صاحب اولاد وہ لیں
رنیب پکاری سبط نبی کا کتہا سر
جو شہ کے سر کو چھتا رنیب یہ کہتی تھی
حاکم نے پوچھا پھر تہا پوجا ہو چھپا
بولائے مگر غابر شہیر سے یہی
نزل ہے کو سبط میسر کا ستہ انتیں
بے شبہ اس کی ظلمہ میں کتہا سانی ہے

(۶)

کسب ہم غم میں شہ کے سلائی کو کھٹ پٹ
جیکے آہ ہر کے ساتھ اکتا کٹھن طے

کجیگے پورن میں تو بہ نظر آتے تھے
یوسف چھاپا ہے تھے موندنا نقاب میں
جوں کھڑی ہیں نظر جزو لب
جاس رنگ بھوکے کھیرے جوقے تہا
روٹی تھی بہت فاطمہ کھڑے سر کے بال
ماندا بردہ تھے دربار مشاہدیں
کس کوئے صبر کے جوہر بحر حسین
پہنتے تھے کس شکوہ سے زمر کے لاڈلے
کہتے تھے شاہد کت ماس دیکھ کر
آہ ہر شاہ میں شہو پائے ساتھ
اٹھلے نور بانڈی دست خدا کا در
آواز فاطمہ دی تہا کتہ کو وقت دہج
آنکھیں بھرا کتہ کتہ کیا اذہر اذہر
دہج نبی ماری ہیں اب اذہر تمام لو
یزرے پتہ تھادھوب میں سبط نبی کا
کب میں بہت ملکی داہ سے عروج
چھڑا صبر طے کو قریب شہ میں سب
صبروں خود یا سامنے لشکر لیے ہے

(۳)

خاک و زینہ سے جاگیر ماری
صحرایں کا اکپ تو شہ کے پکالے
شہ کہتے تھے حلالے پلاڈ ہمیں پانی
دہ کہتے تھے پانی کا تو زمر نہیں ہے
کہتی تھی سکنہ ہمیں لا دیکھیں پانی
شہ نے کہا مجھ میں لا جار میں شہ
کھڑے کہا بیاہ کے دین لا تہا ہے ہم
سلم نے کہا سرتو قلم کرتے ہوا عدا
شہ کہتے تھے ادا میں مجھ نہ سمجھیں
آواز نبی آتی ہے امت کو زامد
اے مجھ نبی کیا جواب ہے تقدیر ماری
ترت بھی میں ہوں گی تقدیر ماری
حالت ہے بہت بیاس سے فیض ماری
ہے شہ خوں آپ کی غشیر ماری
ہے شک نہاں لا شہ دیکھ ماری
منتان میں لنگر ہے میر ماری
سما سو گئی لا صاحب وقت میر ماری
بلاش ذمہ کھینچو شہیر ماری
جلتی ہے ذمہ کھینچو شہیر ماری
فاطمہ جو صاحب صبر شہیر ماری

درج میں ہیں نسخہ مسعود سے مطلب وہ سلام جو تیرہ سو جن صاحب
جنوری کے تحت ملے ہیں شیخ تقریت اور ذریعہ جواب سے مراد سلاموں
کے وہ مجموعے جن کا ذکر ازیر کیا جا چکا ہے۔

سلاموں کا ایک قلمی اور غیر مطبوعہ دیوان محفوظ ہے، واقف انحرورت سے
اس سے استفادہ کیلئے۔ ذیل میں ہر سلام کے مطلع کا پہلا مصرعہ درج
وہ تمام اضافہ درج کیا جاتا ہے۔ دیوان سلام میں نو کدہ الا سلام

نمبر شمار	مطلع	ادب	نسخہ شمار	کیفیت
۱	ای کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا	دیکھا	۲۱	نسخہ مسعود اصل، شمع تقریت ۱۹ شعر
۲	پل جو عکس تو ذرہ بھی آفتاب منا	سا	۱	
۳	دل میرے گدے جناب امیر کا	کا	۲۲	شمع تقریت ۲۵ شعر لے، نسخہ مسعود میں بھی ہے۔
۴	غم نہ کا مسس نے بیان کر دیا	کر دیا	۱۸	
۵	گدے گئے تھے کئی دن کہ گھریں آب نہ تھا	نہ تھا	۲۳	ذریعہ جواب ۱ شعر
۶	علی سا بھی نہ کوئی عادل رما نہ ہوا	ہوا	۲۴	شمع تقریت ۲۷ شعر نسخہ مسعود
۷	صبر کرنے تھے سلائی شہ والا کیا کیا	کیا کیا	۳۲	شمع تقریت ۲۹ ، نسخہ مسعود
۸	بیکس کا شہ کی سپر یا رہ گیا	رہ گیا	۲۲	
۹	گھر سے جب زہار دو مسند ل گیا	ل گیا	۱۲	
۱۰	حسین یں ہوسے عمرنی وطن سے جدا	سے جدا	۱۸	شمع تقریت ۱۲ شعر
۱۱	لے عمرنی ہے سب کا مقدر جدا جدا	جدا جدا	۳۲	مطبوعہ لطیفی میں ۱ شعر
۱۲	بھرا ہے غم شہ سے سینہ ہارا	ہارا	۲۳	نسخہ مسعود ۱۹ شعر نسخہ ثانی، شعر شمع تقریت ۳۱ شعر
۱۳	عمرنی شاہ کا ہوں غلہ میں ہے گھر میرا	میرا	۳۱	
۱۴	آبِ تجھ سے گلا حب شاہ کا تر جو گیا	جو گیا	۲۰	
۱۵	کسی کو عمرنی محمد نہ منگام اصل آیا	آیا	۲۲	
۱۶	لوہ میں سامنے جب دفتر جواب آیا	آیا	۳۱	
۱۷	عمرنی دن میں شہ یہ قسم ہے حساب تھا	تھا	۱۱	شمع تقریت ۱۱ شعر
۱۸	عمرنی ڈیور بھی پہ زینب لے ہوا، کر دیکھا	دیکھا	۱۷	شمع تقریت ۲۱
۱۹	عمرنی جس نے مزار شہ ذیتاں دیکھا	دیکھا	۲۲	شمع تقریت ۹
۲۰	ہنا جو ہر اک دیدہ بینا ہے ہارا	ہارا	۹	
۲۱	عمرنی جبکہ شہ سے سرواٹا کٹا دیا	دیا	۲	
۲۲	عمرنی شہ کے عوض دن میں جو تھا سر دیا	دیا	۲۲	
۲۳	کیا کیا نہ لائے میں نا، کیا میں دیکھا	دیکھا	۲۹	نسخہ مسعود ۹ شعر
۲۴	دو کے کہتی تھیں نہ زینب یہ رں میں	میں		
۲۵	ہاسے نہ ہرا کے پیسا سے حسنا		۷	مستزاد دوم
۲۶	سہل تھے پر دیاں نالہ، انجور کچھ کر	دیکھ کر	۱۸	
۲۷	عمرنی مصدے ہوں اس درگاہ	یہ	۱۸	

لے خطوط ہیں، انہیں شعر میں سے

مشار	مطلع	روایت	تعداد	کیمیت
۲۷	بعض ہے جو ان کی دریا کے برابر	کے برابر	۳۱	نسخہ مسعود ۱۸ شعر، شمع تقریب ۱۶ شعر
۲۸	شہ تختے جگہ سے آؤ علی اکبر	علی اکبر	۱۴	نور
۲۹	کسی بھی مغربی اسے کرس ہے سرید	پور	۱۱	نور
۳۰	کچھ اور جس میں اہل سخن کے پاس	کے پاس	۱۲	شمع تقریب ۱۲ شعر
۳۱	عوازیں سلی اسے صاف کھن	کھن	۱۱	
۳۲	نہ کو تا مغرب اعلیٰ یاں ملک	ملک	۲۶	
۳۳	لے ملائی رخ دشمن کا درگاہی ہیں	دہائی ہیں	۱۸	
۳۴	شیرام راں کھینچے ہیں	کھینچے ہیں	۳۸	نسخہ مسعود ۱۹، نسخہ ثالثہ ۲۶ شعر
۳۵	مرامار دل آشکارا میں	نہیں	۱۵	ملفوظ لٹائی ۱۱ شعر
۳۶	ضبط گویم ہر مرد میں جو سکنا نہیں	سکنا نہیں	۱۵	دعویٰ قفا ۵، نسخہ مسعود ۱۱ شعر
۳۷	سلاوی کی حسرت کا جاہ نہیں	نہیں	۳۹	شمع تقریب ۲۵، ۲۴ شعر
۳۸	دیکھ دیا ہے بھی عظم اپنی تم رکھتے نہیں	رکھتے نہیں	۱۹	
۳۹	شیر کے غم میں دور ہے ہیں	رہے ہیں	۱۲	دعویٰ آفتاب ۱۸ شعر
۴۰	ٹاہ نہا ہیں مددگار نہیں	ہیں	۱۸	
۴۱	مہ منصب سے فرض نے نما میں جاگیر رکھتے ہیں	رکھتے ہیں	۱۸	
۴۲	انگوں کا شوق ہے کڑی حیرت پر اب میں	میں	۲۹	
۴۳	نور و نور کو عامل حال آگھے ہیں	آگھے ہیں	۳۳	
۴۴	السلام اسے لکھ دے اعلیٰ حسین	حسین	۲۸	
۴۵	قراری کی جو محفل شہ کے علم کی شان	کی شان	۱۱	
۴۶	ندویرہ ہے کیف درار ہوں	ہوں	۲۸	ملفوظ لٹائی ۱۳ شعر
۴۷	کبھی تھیں دہب دل تہ میرے بر حسین	حسین	۹	نور
۴۸	دور کو دتا ہے اک ذرہ سب رادوں کو	کو	۱۲	
۴۹	صدمہ کا خلق مجھ کو یا تو سے تر نہ ہو	کو	۲۳	
۵۰	سدا ہے حکم ترقی ملنے میں کو	کو	۲۵	ملفوظ ۱۳ شعر
۵۱	سلاوی کہتے تھے اعدا راؤ زینب کو	زینب کو	۳۲	نسخہ مسعود میں افسان کے نام منسوب ہے لیکن ایک اور نسخے میں اس کا کلمہ مطلق میں ۵۷ ہے اس میں ۲۴ شعر ہیں
۵۲	شہ کی یاد آتی ہے جب تہ دہائی مجھ کو	مجھ کو	۱۱	
۵۳	جوانی فوجی ہوں بھی سنہ کو ملا کے ساتھ	کے ساتھ	۲۹	نسخہ مسعود ۲۲، شمر نام، شمع تقریب ۲۹ شعر
۵۴	سوئے تھیں ہوں پہ سلاوی سر خطبہ کے ساتھ	ہیں	۲۶	
۵۵	کوئی آیت کوئی آشا نہیں رکھتے	نہیں رکھتے	۳۲	
۵۶	ابتلا سے تم ضعیف و ناتواں پیدا ہوے	پیدا ہوے	۱۳	نسخہ مسعود اول و دوم ۱۱ شعر و نسخہ دیگر ۱۲ شعر

صفحہ نمبر	صفحہ	ردیف	مطلب	صفحہ نمبر
۵۷	۲۲	ہے	سلاوی شمع سے دودھ کے خون دل ٹپکے	۵۷
۵۸	۳۰	پوچھی	خواروہ کر بلا پوچھی	۵۸
۵۹	۱۳	پوچھی	بکاس میں کئی شب سحر پوچھی	۵۹
۶۰	۳۰	چاہیے	جو یقین کسی سے تو لانا چاہیے	۶۰
۶۱	۶	کھل گئے	صوبت آئینہ استغیا کے جوہر کھل گئے	۶۱
۶۲	۳۳	پچھے	عجری قید سے جب عابدے پر پچھے	۶۲
۶۳	۳۳	ہے	سلاوی ملک کا آغاز و انجام اس پر ظاہر ہے	۶۳
۶۴	۳۲	ہے	عجب وقت ہے اور عجب مجلس ہے	۶۴
۶۵	۱۱	دہتا ہے	خیال چہرہ شب دقت خواب رہتا ہے	۶۵
۶۶	۱۵	ملے ابھی	ذکر حوش قاسمی شاہ حوصلہ جلتے ابھی	۶۶
۶۷	۳۳	مجھے	شال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے	۶۷
۶۸	۲۵	ہوتا ہے	جھری جبکہ اہ عزا ہوتا ہے	۶۸
۶۹	۱۵	سامنے	گردے اکبر شاہ کر بلا کے سامنے	۶۹
۷۰	۲۶	کے سامنے	اسے سلاوی دن ارم ہے کر بلا کے سامنے	۷۰
۷۱	۱۵	کے چلے	گنڈ کا بوجھ جو گردن پر ہم اکبر کے چلے	۷۱
۷۲	۲۱	کیا مانے	اسے جھری قاسمی دہن کیا جانے	۷۲
۷۳	۴۳	ہے	فرصتیں ہیں اندھیری ڈاپ ہے	۷۳
۷۴	۱۶	گئے	آکے جو زرم عوام میں رو گئے	۷۴
۷۵	۱۵	تھے	وہ صوبہ ازم تھے زنداں کے سہارا دہ تھے	۷۵
۷۶	۱۹	رہے	فرقہ میں گر دافع ملی رہے	۷۶
۷۷	۸	مجھے	ہوا جو عشق نثارے ابو تراب مجھے	۷۷
۷۸	۱۸	میرے لیے	خود فید زندگی لائی قصا میرے لیے	۷۸
۷۹	۱۶	ہائیں گے	سلاوی دلشہ پہ گر جائیں گے	۷۹
۸۰	۱۶	لے	شاب روئے فرزند بو تراب لے	۸۰
۸۱	۱۱		اعداسرم کو مشن کھینچا رے گئے	۸۱
۸۲	۳۲	ہو جائے	عجری قاسم جب اکبر راس پر جلتے	۸۲
۸۳	۲۷	کھو ہے	جھولا سے جولا فرد خود رن بجی ہے	۸۳
۸۴	۳۶	کی	زبان پر بدست ہے بارغ علی کے ذہنوں کی	۸۴
۸۵	۱۲	چلے گئے	عمر الہیے جو گنتی تھی بابا چلے گئے	۸۵
۸۶	۲۰	دیکھیے	جھری کی گردن فلک پیر دیکھیے	۸۶
۸۷	۱۸	میں نے	ذکر شہ کمر کے حوصلہ کو دلا یا میں نے	۸۷

فکری

ساتھ رہو یاد

سنگ

تکلیف و غم

نہ پستلہ فخر کرتے ہیں زمین و آسمان
تو ہے تیرا گاہ، تو ہے نازش ہندستان
سرسوئی سنگ دھن سب ہیں تیری آغوش میں
اس لیے قدموں پر تیرے جھک گیا ہے آسمان
بجے تیسرے دامن میں جواہر ریز ہیں
تیری موبیں ہیں کہیں کھاتی ہوئی آگ جھکنا
اتنے طوفانوں کی منزل تیرا قلب مضطرب
تیرے گرواؤں کی بگڑائی زبان الاماں
سرخیاں ہیں تیرے انسانے کی رنگدھن
ستان اتحاد باہمی کا ہیں نشان
تیرے دامن میں دے سس عالم سود میں
ایک جا دیکھے ہیں ہم نے ماہ و نجم کہکشاں
تجھ میں دیکھی ہے بہارِ جاوداں آرزو
تیرے راصل پر نکالوں تو ہے جنت کا گمان
انگوٹے پہنے کی رونق تجھے دم سے ہے
یا تری آتے ہیں جس میں کاڈاں در کاڈاں
آج بھی جتنا پر تیرے سارے شان شوکت
قلعہ کی بارہ دری دہرا رہی ہے دستاں
قوم کے باؤ کی ہے، کھنسنے ہاتھوں میں ہے
کیوں نہ لے سنگ تجھے دنیا کے قوی نشان
دھکے دامن میں دن کی ٹوئیاں جھننے لگیں
چاند نکلا دوڑنے پھرنے تھیں پرتھوئیاں
کر کے ماضی کا قصہ بھوکے آہ سرد اکٹ
میں بھی ٹپکا دل میں تازہ کر کے یاد نکھان
الغرض تجھیں یہ تھا ایک حسین اتفاق
در نہ یہ نظر اہ سنگ کہاں اور تو کہاں

منرا دار و شک جہاں ہو گئے ہم
ترے عشق میں بے نشان ہو گئے ہم
فسانہ غم اجسہ کا یوں مثلیا
کسہ عبرت کی اک انساں ہو گئے ہم
شب دروڑ بھٹی گئی سو زرخش غم
ہماں تک کہ آتش بجاں ہو گئے ہم
ترے آستان تک تو لائی تھی جنت
خدا جانے پھر گم کہاں ہو گئے ہم
ہماں تک بڑھا اعتماد و محبت
کہ لے فکر سود و زیاں ہو گئے ہم
جہاں بھی ذرا لغت ان کو پایا
تو خود سے تھی پھر بڑگاں ہو گئے ہم
تھے گویا تو یک سر حقیقت نکلتے
ہوے جب تو اک انساں ہو گئے ہم
سر رہ غبار پس کا دریاں تھے
ہوے گم تو منزل نشان ہو گئے ہم
ہوا لوح زن جب کہ دریائے الفت
حدیں توڑ دیں سیکراں ہو گئے ہم
ہماری کوئی ہمسری کیا کرے گا
خود اپنے لیے آسمان ہو گئے ہم
بڑھا درو دل بھی تو کب آہ سآس
کہ جب بے نیازِ فضاں ہو گئے ہم

سفید بال اور سفید موگے

عبدالحیہ مالدوئی

نحاس ہی تک جلیے گا یا چوٹیاں چلے گلہان کے پوٹے منے لیے
لیے بے میاں کا لقب بننا تھا کہ ان کا دل جا کر انہی رکٹے کو
کر جان دے دیں لیکن انہیں اسکی اور حد سے سختی اس لیے
ہمت نہ پڑی لیکن راستے بھر اسے غصے کے اپنے سفید بالوں کو
دل ہی دل میں کہنے کے ساتھ ساتھ ان کوڑھے میاں بھی لعنت سمجھے
بے جنھوں نے انہیں بے میاں کہہ کر گویا انہیں چڑھانے کی
کوشش کی تھی۔

ایک مرتبہ بس کے انظار میں کھڑے تھے انھوں نے دیکھا
کہ ایک صاحب اب اسٹک اور نوڈسے لیس ان کی طرف ٹھہری
آ رہی ہیں۔ انھوں نے فوراً اپنی ٹوٹی آگے کی طرف کھسکی اور جھانکنے
ہوئے ظالم سفید بالوں کو اندر کی طرف ٹھوس دیا مگر آب حیات
ہیں کہ ان کی ہر

لاکھ تدبیر کہے تو کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منطور خدا ہوتا ہے
جنا نجران صاحب نے قریب آکر ادب سے پوچھا بڑے صاحب!
چار بارے جانے والی بسیں کہاں ملیں گی؟ یہ سننے ہی اس پر سکے کا
ساحل طاری ہو گیا۔ یہ جواب دینا چاہتے تھے لیکن منہ سے آواز نہ مل
وہی تھی ان کا بس جیٹا نوڈہ ان صاحب کا منہ توڑے بیٹے۔ اگلے اعتبار
دل چاہ رہا تھا کہ پچھیں نیک بخت! آپ کو صرف مسکے سفید
بال ہی نظر آئے یہ اچھا چٹا چہرہ اور جوڑا جھکا سم دکھائی نہ دیا۔
مگر انھوں نے سبے بڑیل دکھ کر ذرا ترستی سے کہا میں باہر کا آدمی ہوں

دہات کے ہمارے ایک جاننے والے ہیں انھیں جو ان ہے
کالے حد شوق ہے۔ ابھی سبیں ٹھیک ہی رہی تھیں کہ انھیں نے شام
کو کھانا کر رکھے لیکن دامن گریہ ہو گئی۔ گرم نوڈسے چہرے کو ٹھکنا
بنانے کے ساتھ ساتھ انھوں نے ڈاڑھی کو پتھر کے ریش بھی صاف کیے
اور پتھر توڑا کہ بھروسے میں شامل ہونے کے بجائے ڈاڑھی کو پتھر توڑا کہ
قبل از وقت جو انوں میں شامل ہو گئے۔ جب تک چوٹی رہی اسے لہن
بنائے رکھا۔ مگر جس کو چاہو وہ دور بھاگتا ہے وہی ان کا بے کے
ساتھ ہوا ابھی چالیس ہی کے پٹے میں چوں گے کہ بال سفید ہو گئے
خیریت یہ ہوتی کہ تہی سلامت رہی۔ نزلے کا مارا زور بالوں ہی کی
طرف رہا۔ آنکھیں زدیں آئیں لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا وہ ایک
موقوف جس کی طور پہیلے ہی سے لگاتے تھے۔ مگر انھیں یہ سفید بال کھائے
جاتے تھے۔

دہات میں تو لوگ ایسا کوئی نہ کوئی رشتہ جوڑ کر ایک دوسرے
کو بکا دتے ہیں کوئی سفید بال دیکھ کر بابا نہیں کہنے لگتا لیکن اس شہر
تھے وہ ان کے سفید بال جان کا جھانک پوچھتے۔ میں بڑھے دیکھ کر
کہتا بابا کہاں کا کھٹ دوں۔ رکٹے والے کہنے ٹپے میاں کہاں چلنا
ہے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے خود ہی کا ارادہ کر لیا ہوا یہ کہ وہ امین آباد
میں چوک جانے کے لیے پٹھن کراڈے پر آسے وہاں رکٹے پر ایک
ساٹھ تیس سالہ بوڑھے میاں پہلے سے بیٹھے تھے۔ ایک کراسی رکٹے پر
بیٹھے تاکہ دوسری سواری کا اختتام نہ کرنا پڑے تو ان ارادہ ہوا۔
ان ستر سالہ بزرگ نے ان سے مخاطب ہوئے ہوسے پوچھا ٹپے میاں

فیل

ساتھ رہو پالک

سنگ

تکلیف دہ

تجھ یہ سنگ فخر کرتے ہیں زمین و آسمان
 تو ہے تیرا گاہ تو ہے نازش بہرستان
 سرسوی سنگ دھن سب ہیں تیری آغوش میں
 اس لیے قدوس تیسے بھگ گیا ہے آسمان
 تجھے تیسے دامن میں خواہر روز ہیں
 تیری موحیں ہیں کرن کھائی ہوئی کج ممکن
 اٹھے طوفانوں کی سزل تیرا قلب مضطرب
 تیسے گرواؤں کی اچھوٹائی زبان الا مال
 سرخیاں ہیں تیرے انسانے کی یہ لنگ دھن
 ستان اتحاد باہمی کا ہیں نشان
 تیرے دامن میں دے سخن عالم سوز میں
 ایک جا دیکھے ہیں ہم نے ماہ و نجم کہکشاں
 تجھ میں دیکھی ہے ہزار حادثات آرزو
 تیسے ساحل پر لگا ہوں گے جنت کا گماں
 لاکھ کے نیلے کی روئی کج تیجے دم سے ہے
 باتری آتے ہیں جس میں کاواں در کاواں
 آج بھی جتنا پتیرے سائے نان انوکھ
 قلعہ کی بارہ دی دہرا دی ہے دستار
 قوم کے باؤ کی جڑ اٹھی تیرے ہاتھوں میں ہے
 کہوں نہ سنگ تجھے دنیا کے قومی نشان
 داکھ دامن میں دن کی ٹوٹیاں جھینے لگیں
 چاند نکلا دوڑنے پھرنے لگیں برتھیاں
 کر کے ماضی کا قصہ بھوکے آہ سرد اکٹ
 میں بھی پٹا دیں مل تازہ گھر کے یاد دھکناں
 الغرض یہ کہ تھا ایک حسین اتفاق
 در نہ یہ نظارہ سنگ کہاں اور تو کہاں

منرا اور شک جہاں ہو گئے ہم
 ترے عشق میں بے نشان ہو گئے ہم
 فناء غم ہجر کا یوں سنایا
 کہ عبرت کی اک انساں ہو گئے ہم
 شب و روز بھٹی گئی سوزش غم
 یہاں تک کہ آتش بجاں ہو گئے ہم
 ترے آسان تک تولائی تھی دھن
 خدا جانے پھر گم کہاں ہو گئے ہم
 یہاں تک بڑھا اعتماد محبت
 کہ بے فکر سودو زیاں ہو گئے ہم
 جہاں بھی ذرا ملقت ان کو پایا
 تو خود سے بھی پھر بنگماں ہو گئے ہم
 تجھے گویا تو یک سر حقیقت نہ گتے
 ہوئے جب تو اک انساں ہو گئے ہم
 سر رہ غبار پس کا رواں نئے
 ہوئے گم تو منزل نشان ہو گئے ہم
 ہوا موج زن جب کہ دریائے الفت
 حدیں توڑ دیں سبکراں ہو گئے ہم
 ہزاری کوئی ہمسری کیا کرے گا
 خود اپنے لیے آسمان ہو گئے ہم
 بڑھا درد دل بھی تو کب آہ ساآں
 کہ جب بے نیاز زلفاں ہو گئے ہم

سفید بال

عبدالحیہ مالوئی

غلام اسحاق ایک چلے گا یا جو بیاں چلے بھلاں کے بولے منہ سے اپنے بے بے بیاں کا لقب سنا تھا کہ ان کا دل جا ہوا کراہی رکشے کو دے کر جان دے دیں لیکن انھیں ابھی اور صدمے سے تھے اس لیے ہمت نہ بڑی لیکن راستے بھر اسے غصے کے اپنے سفید بالوں کو دل ہی دل میں کہنے کے ساتھ ساتھ ان کوڑھے میں بڑی لعنت بھیجتے رہے جنھوں نے انھیں بے بیاں کہہ کر گویا انھیں چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

ایک مرتبہ یہ بس کے انتظار میں کھڑے تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک صاحب بے رنگ اور بوڑھے بیس ان کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ انھوں نے فوراً اپنی ٹولی آگے کی طرف کھینکی اور بھاگتے ہوئے غلام سفید بالوں کو اندر کی طرف ٹھونس دیا مگر آب جانے ہیں کہ انسان سے

لاکھ نمبر کر کے تو کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظر خدا ہوتا ہے
چنانچہ ان صاحب نے قریب اگر ادب سے پوچھا ہے صاحب! جا رہا ہوں حائل والی میں کہاں ملیں گی؟ یہ سننے ہی ان پر سکے کا ساحل طاری ہو گیا۔ یہ جواب دینا چاہتے تھے لیکن منہ سے آواز نکلی وہی تھی ان کا بس جلتا تو وہ ان صاحب کا منہ تو جلیے۔ اگلے اعتبار دل چاہ رہا تھا کہ پچھیں ایک بخت آپ کو صرف سیکر سفید بال ہی نظر آئے میرا چھٹا چہرہ اور جوڑا جھکا جسم دکھائی نہ دیا۔ مگر انھوں نے بسے پر سہل رکھ کر ذرا ترسی سے کہا میں باہر کا آدمی ہوں

دیہات کے ہمارے ایک جاننے والے ہیں انھیں حوالہ دے کالے حدوثی ہے۔ ابھی میںیں جھگ ہی رہی تھیں کہ انھیں اپنے شباب کو سہا ہوتا کر رکھنے کی فکر دامن گیر ہو گئی کہ کرم بوڑھے سے ہرے کو کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ انھوں نے ڈاڑھی موچھو کے روئیں بھی صاف کر لیں اور ایک توڑا کر بھروسہ میں شامل ہونے کے بجائے ڈاڑھی موچھو کر کے قبل از وقت جو افواہ میں شامل ہو گئے۔ جب تک جوانی رہی ہے انھیں بنائے رکھا۔ مگر جس کو چاہا وہ دور بھاگتا ہے وہی ان بچا سے کے ساتھ چوا ابھی چاہیں ہی کے پیٹے میں چوں گے کہ بال میں سفید ہو گئے خیریت یہ بولی کہ بستی سلامت رہی۔ نزلے کا سارا زور بالوں ہی کی طرف دیا۔ انھیں زدنیں آئیں لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا ایک مقوی جسم کے طور پر پہلے ہی سے لگاتے تھے۔ مگر انھیں یہ سفید بال کھائے جاتے تھے۔

دیہات میں تو لوگ اپنا کوئی نہ کوئی رستہ جوڑ کر ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کوئی سفید بالی وچھ کر بابا انھیں کہنے لگتا لیکن جس شہر آئے تو ان کے یہ سفید بال جان کا جھانچو جالتے۔ بس رہیٹھے جوڑ کر کہتا بابا کہاں کا کھٹ دوں۔ رکشے والے کہنے بے بیاں کہاں چلیا ہے۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے خود ہی کا ارادہ کر لیا ہوا یہ کہ وہ امین آباد میں چوک جانے کے لیے یہی ٹھن کر آئے پر اسے وہاں کہتے یہ ایک ساٹھ برس لاڑ بوڑھے میں پہلے سے پٹھے تھے۔ ایک کراسی رکشے پر بیٹھ گئے تاکہ وہ سری سوادری کا انتظام نہ کرنا پڑے کٹا درواہ ہوا۔ اس سفر سالہ بزرگ نے ان سے مخاطب ہوئے تو بے پوچھا بے سہا

بھٹکے کے باوجود اپنے محبوب کا بھیا نہیں کرتیں۔
گر یہ بھیا ہے تو قدم میں کاٹنے کا کیا کرے گی؟
وہ اپنے پیچھے قدم اٹاتے دکھ کر ان کے قدم اٹھنے اور دل دھکنے
لگا۔ یہ دل بھٹکے تو قدم ہلکا کر کے اور صبر باور جھانک کر
دیکھتے تو دل جل جاتا۔ یہ دھڑکنے لگا اور لگا کر اپنے باؤں سے یہ کہتے
ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

قدم بہ لٹھے نہیں ہیں اٹھلے جاتے ہیں
ان کے قدم اٹھ نہیں رہے تھے اور پیچھے والی خانقاہ تیز رفتاری
سے طرعی جلی آ رہی تھی۔ یہ کھٹکے پر کان لگاتے آگے بڑھنے کے بجائے
پیچھے ہٹ رہے تھے لیکن ان کی مامی کی اسی وقت کوئی حد نہ رہی
جب وہ ان کی لپٹی لانی ہوئی نظر پڑی تو جواب میں سکھانے کے بجائے
مہ سکڑ کر آگے بڑھ گئیں اور آگے جانے والے صاف کھینچ کر
بکھڑاتے ہوئے کہا کہ یہ ٹوٹے میاں تو بڑے خوشیاں معلوم ہوتے ہیں۔
یہ سنتے ہی ان کا دل چاہا کہ اپنے بال فوج ڈالیں اور آتی ہوئی میں
کے سامنے بیٹ جائیں۔ ابھی یہ ارادہ ہی کر رہے تھے کہ ان کی نظر
چامک ایک اشتہار پر پڑی جس پر لکھا تھا یہ بھیا بھٹکے کے ہر آدمی
کوٹ نہیں آتی اور بڑھا پاؤں کو بھی نہیں ڈونٹا، ہمارا سدا ہمارا
خضاب لگائے اور بڑھائے میں جوانی کا لطف اٹھائے۔

یہ اپنے کو بڑھا تو نہیں سمجھتے تھے لیکن براہِ مفید بالوں کا کار
ان کی دھبے ماما، بابا سننے سننے تنگ آچکے تھے اس لیے انھوں
نے طے کر لیا کہ ہر قوم خود جوان ہونے کے باوجود خضاب کا سہارا لیں
اور بابا اور بوڑھے میاں کہنے والوں کا منہ بند کر دیں گے۔

وہ خضاب خریدنے شہر نہیں آئے تھے بلکہ اپنی ڈول میں ٹھیک
لڑنے آئے تھے۔ یہی زیادہ نہیں تھے لیکن پھر بھی انھوں نے طے کر لیا
کہ وہ خضاب خرید کر خریدیں گے چاہے جتنی خضاب کرائیں انھوں نے
سوچا اور خال خضاب کی سوچا کہ فیہر خضاب کے کوئی انڈھانے لگا۔
لیکن بنی خضاب کے ڈنگ برابر بوڑھے کہتے چلے آئے ہیں لیکن اب
وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے کو بڑھا کھلانے کے لیے تیار نہیں
دہاتی صفحہ ۴۲۲ء

بھٹکے سے کیا ہو جیٹیں ہیں کہ نہ کر سکتے ہو بھٹکے اس واقعہ سے وہ اتنا
بھٹکے گئے کہ بس پراستیا کھانے کے لیے پوچھ کر چوک روانہ ہو گئے۔

اب وہاں میں ہی کوئیں کا اتنا حال ہو گیا ہے کہ جس کو کوئیں
میں کوئیں اور ناووں کی بھر پور ڈھانڈھائی اب انھیں بھاؤ
برتن کے لیے بھی ڈھونڈنے سے کوئی صورت نہیں ملتی۔ ایک ان قریب
کے امیشی پر انھیں ایک بگلی کی صورت کی کسی انھوں نے خیال کر
مانگی مراد لی اور ساتھ ٹھوٹے آئے۔ یہ بولی نے بھی یہ سوچ کر چلو ہاتھ
ہی ٹٹلے گی کہ نہیں تو سارے اپنے اور برتن مانگنے سے تو بھٹکا رطل
جائے گا بڑے جاؤں سے آگے لگا لیا۔ لیکن بگلی تو گل آتے ہی اسے
ایسے بندے سوالات شروع کر دے کہ ان کا ناک میں دم ہو گیا
ایک دن ہمارے دوست دھوب میں پیچھے اخبار پڑھ رہے تھے اور
ان کے مفید بال دھوب میں سورج کی طرح جھک رہے تھے اسی وقت
انھوں نے سنا کہ وہ بگلی ان کی بگلی کے باورچی خانے میں ٹھپی پوچھ رہی
تھی کہ اسی بوڑھو قریب کو ہو جس پر بگلی بھٹکا کر پولیس ہمارے
میاں ہیں اور کون ہوتے اس پر بگلی نے کہا ہٹو بی بی بھٹکا نہ بھٹکا وہ
تو قریب آتا ایسے لگتے ہیں۔ یہ سن کر ہمارے دوست کے تن بدن میں
آگ لگ گئی اور غصے سے اچھر مڑ کر جو دیکھا تو ان کی بگلی کے جہرے پر
مستز نمایاں تھی اور ان کے کچھ دوسری بالوں سے ایک سادہ لٹھ لٹھ سے
بھامک کر کہہ رہی تھی کہ بات ٹھیک ہے مگر ایسا نہ کہو کہیں برا مان
گئے تو ہمارا پٹا کٹ جائے گا۔ دوسرے دن صبح جب بگلی انھیں تو وہ
بگلی عورت غائب تھی۔

ہمارے یہ دوست غلط فہمی سے اپنے کو جوان ہی نہیں بلکہ کمر و
واں سمجھتے تھے اور اس دھوکے میں بھی تھے کہ ان کے پاس سے گزرنے
والی کوئی عورت انھیں کنکلیوں سے دیکھے نہیں رہ سکتی۔ ایک دن
ہرمی پر ایسی بوڑھی جاتی کے ننے میں سہموتے چلے جا رہے تھے کہ
خون نے محسوس کیا کہ ان کے پیچھے پیچھے کوئی صاحب تیز قدم چلی آ رہی ہیں
پھر کیا تھا یہ فوراً سمجھ بیٹھے کہ بوڑھے ان کے حسن و جوانی پر ترغیب ہو کر
ان کا پیچھا کر رہی ہیں حالانکہ انھیں سوچنا چاہیے تھا کہ ہمارے یہاں
کی خواتین ابھی مغربی ممالک کی خواتین سے بہت پیچھے ہیں اور فریضہ



راہبری

حجۃ

ایک جائزہ

حکیم۔ دین کا سوا حتمی

شعری چکوری راج گہاں اچاری، جنہیں لوگ پیار سے سی۔
آر۔ یاراجہ کی کہا کرتے تھے کٹے سو گباش جو جانے کے تھوڑے عرصے بعد
کچھ کہنا آسان کام نہیں ہے۔ مئی کی یوں سے بھری ان کی سرگرمیوں پر تو
کئی کتابیں بھی جاسکتی ہیں۔ وہ ایک ذہین دانشور قابل اہم ٹیٹر اور
ایک عظیم خاسم نیز بہت اودھ بین باشعور باستان کے طور پر ابھی
ایک چھاپ چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی استہانی سادہ، غیر خلوص اور با مقصد
زندگی اپنے دور کی فسلوں کے لیے مشرق قابل تقلید رہے گی۔ کوئی ان کے لاکھا
بے حقیق ہو یا نہ ہو لیکن جب بھی وہ کسی موضوع پر اس قدر کرتے تھے تو
اس کی طرف دھیان دینے بغیر نہیں رہا جاسکتا تھا۔

ہمارے ذہن میں رہے پہلے جو بات آتی ہے وہ ہے ان کے عمر کی
طائفہ وہ نتائج سے بے ہوش ہو کر اس راہ پر چلنے کا مصمم ارادہ ہے وہ
ایک بار جنم لیتے تھے۔ یہ بات تو ابھی مئی لوگوں کو یاد ہوگی کہ ۱۹۴۲ء کی
”عہادت جھوٹو“ تحریک کی انھوں نے کس طرح ڈٹ کر مخالفت کی تھی اور
اس کے خلاف جہم پلائی تھی۔ اسے کئی لوگوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ ان کا
خیال تھا کہ جب گاندھی جی اور دیگر بڑے رہنما جیلوں میں بند ہوں تو راجہ
جی کیسے ایک ایسے راستے پر چلے گی کالت کو جسے جسے جو دراصل راجا وائی
مکھانوں کے ساتھ تعاون کے مزمون ہو؟ یہ وہ دن تھے جب مدراس
کے کچھ کانگریسیوں نے ان کے مندرجہ ذیل پرستانہ ”روہ کیے اس کے خلاف
پارٹی کی مخالفت تادیبی کارروائی کرنے کی بات کی۔

مجھے یہ بات ابھی طرح یاد ہے کہ جب میرے ہمراہی کارروائی کی مدت
کچھ چھاپی تو سرورادہ لہو بھائی پیلے نے جس طرح غصہ سے کھلبول ہوا کہ

کیا تھا۔ راجہ جی کے طاعت لوگوں کا غصہ اور بھی زیادہ ٹھہ گیا تھا جب
انھوں نے مسلم لیگ، رہنما سراج کے ساتھ بات چیت چلائی اور لاکھ
مسلم اکثریتی ملاؤں میں خود ارادیت کی پیش کش کی بشرطیکہ مسلم لیگ
عہادت کی عمل آزادی کا مطالبہ کرنے میں کانگریس کا ساتھ دینے کے لیے
تیار ہو جائے۔

جناح نے راجہ جی کی تجاویز پر رد کر دیں لیکن وہ ان رعایتوں کو لینے
کے لیے دنگے خود راجہ جی کی تجاویز میں شامل تھیں اور بھلاؤ کی سہولتیں
کو بنیاد بنا کر پاکستان قائم کر دیا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ راجہ جی کے اندر اتنی
”راند شیشی“ تھی کہ وہ یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان کی باتوں والا ہے۔ راجہ جی
کا طریقہ یہ تھا کہ مخالفت کو جیتنے سے لاکھ نفاذات کی خدمت بہتر طریق
پہنچے ہو سکتی ہے

یہ بھی ذرا نکتہ

اس کی سچوئے بانہ بہر ایک کو لاجواب کہہ دیتی تھی جب بھی وہ کسی
بات کے حق میں یا اس کے خلاف اپنے ذہن لاپس نہ تھے وہ دوسروں کو

ہوئی کہ کالج میں پڑھنے کے دوران ایک جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور انہوں نے

ایک ممتاز شخصیت

ماہی کے واقعات پر غور کرنے کے بعد یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ایک ممتاز شخصیت تھے۔ جب ۱۹۳۷ء میں وہ مدراس کے وزیر اعلیٰ تھے تو وہاں کے اسکولوں میں ہندی کو ایک لازمی مضمون بنانے والے سب سے پہلے شخص وہی تھے۔ لیکن اس کے بعد ہی برس بعد انھوں نے ہندی کے خلاف ہم چلائی اور بھارت کی رابطہ کمیٹی کے ہی زبان کے طور پر انگریزی کو جاری رکھنے کے بعد ہم دیکھ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس تبدیلی کو بھی انھوں نے اپنے معمول کے دل پر طریقہ سے حق بجانب ٹھہرایا۔

آج کل میں موجودہ ایچی منن اور آسام میں لسانی کھیلنے کے مضمون میں کوئی بھی شخص راجہ کی اس پیچھے متنبہ نہ کرے گا کہ یہ بیرونی نہیں رہ سکتا کہ لسانی بنیادوں پر ملک کی اذیتوں کو ایک "قبائلی تظاہر" ہے اور یہ بات انھوں نے ایک ایسے مرتبہ پر بھی چھپ مدراس کی متحدہ ریاست سے تیلگو بولنے والے اضلاع کی علامتوں کا مطالعہ کیا جا رہا تھا۔

راجہ کی "اڑسوں" کی پردہ اوہ نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن پھر انھوں نے اعلان کیا کہ گونڈ ان کے دشمن نہیں ایک ہیں۔ وہ بنیادی طور پر بڑے فراخ دل تھے اور نظریات میں رجحان پسند نہیں تھے لیکن راجہ کی کھانے میں جو بات خاص قابل ذکر ہے وہ تھی ان کی ملی ذات اور ایسے اقدامات اختیار کرنے کی ان کی ہمت جس سے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کا فائدہ ہوتا ہو۔

کیا بھارت میں پھر بھی راجہ کی جیسی کوئی شخصیت ہوگی؟

قائل اور جواب کہ نہ ملے ہر وقت تھے اور اس وقت بہت ہی کم لوگ ان کے دلائل کو دیکھ سکتے تھے۔ بھارت چھوڑ کر ایک کے خلاف ان کے دلائل دینے شروع کر دیے گئے اور ان کی طرف سے ان کے دلائل کو دیکھنے سے ان کے ذہن کو متاثر کرتا ہے لیکن ان کے دل کو نہیں۔ جب راجہ کی نگاہ رات اختیار کر کے ایک نئی سیاسی جماعت بنائی تو ہر لال ہنر سے بھی بڑھ بھاگا کہ راجہ کی کنگہ بیٹی کا جواب نہ دیا جاسکے۔

۱۹۴۷ء میں صوبائی کونسلوں کے چھبڑے کے بعد کانگریس پارٹی کو حکومت بنانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی بلکہ اس کا منصوبہ آئین کو اندر سے کھوکھلا کر کا تھا۔ راجہ کی نے کانگریسوں اور برطانوی حکمرانوں کی طرف سے قائم کی گئی جو ری وراثت کے خلاف ماحول میں ایک ہم چلائی۔ طنز سے بھی ان کی کنگہ چھپی کو سننے میں بڑا متاثر ہوا تھا۔ باقی بھارت میں بھی کانگریسوں نے اسی طریقہ کو اپنایا اور اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا۔

راجہ کی بھارت کے آخری گورنر بن گئے۔ لاکھ سب سے بڑے عہدہ پر فائز رہنے کے بعد بھی جب جو اہل لال ہنر نے انھیں مرکزی وزارت میں شرکت کی دعوت دی تو وہ مرکز میں سیاست میں اٹ آئے۔ راجہ کی نے کس وجہ سے یہ وزارت چھوڑ دی اس کی وضاحت نہ تو وہ انھوں نے اور نہ ہی ان کا جواب دے دی ہے۔ اگر یہ دونوں دیکھا جائے تو ان کے مفاہمت کے ساتھ ان کو کام کرنے دینے کو ملک کی تاریخ غالباً کچھ اور بتاتی۔ اس کے بعد ہی راجہ کی کی اذیتوں کی صورت میں راجہ کی نے اپنے چھبڑے کے انھوں نے تو متاثر ہوئی قائم کی اور حکمران کانگریس پارٹی کے ایک زبردست نکتہ چین بن گئے۔ راجہ کی کو اس بات سے ہر روز گریباؤ ہوئی



طائر شہرت

رکھتے پٹیاؤں سے

کبھی سگہ رواں ہوگا ہمارا دہانوں میں
اڑے گا طائر شہرت کبھی پھر آسمانوں میں

کیا قربان سرسبز و فاجب سرفروشنوں نے
ملائک بھی خوشی سے جھوم اٹھے آسمانوں میں

حفاظت کے لیے اپنے وطن کی جان تک دیں
شہادت کا ہے وہ جذبہ وطن کے پاسبانوں میں

غلامی کی مٹی ظلمت ہے آزادی کی برکت ہے
ہزاروں لوٹ کر آئیں وطن کے گلستانوں میں

حیاتِ جاوہاں پائی ہے قومی سرفروشنوں نے
لہے گا ذکرِ خیر ان کا وفا کی داستانوں میں

جو ناممکن ہے اس کو بھی بنا سکتے ہیں یہ ممکن
ہے ایسی جرات بے باک قومی فوجانوں میں

شامِ جاں معطر ہو گیا خوشبو سے الفت کی
کھلے ہیں پھول ایسے اب وطن کے گلستانوں میں

میں گے صفحہ ہستی سے خدارِ وطن ایسے
کہ ان کی داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

گلستانِ قوم کا محفوظ رہتا ہے اسی دم تک
نہ خود غرضی کی خوبیاں ہو جنگِ باغیانوں میں

ننگا ہن خیرہ ہوں گی جس سے ماری منل آدم کی
چلا ہوگی کچھ ایسی قوم کے آئینہ خانوں میں

محانِ وطن نہیں کر چکے جب دلا پر روشن
نوشہ سرفروشی ہو گیا پسندِ جوانوں میں

خل

محمد تقی خان قیصر

یہ عشقِ دوست میں حسنِ نظر کا عالم ہے
نگاہِ شوق نہیں جلوہ زارِ پیہم ہے

چمن کی سیر کجا قلبِ داغدار کجا
ستمِ نصیب کو اپنی بہار کیا کجا ہے

اگرچہ عشق ہے سر تا پا الم لیکن
یہی الم ہے جو رازِ نشاطِ عالم ہے

گلا تو ایک طرف شکریہ بھی یاد نہیں
وہ آئے ہیں تو نظامِ جو اس برہم ہے

فناء غمِ الفت ہے میری آہ نہیں
تمامِ قصہ دل ایک لفظِ بہم ہے

یہ جلوہ ریزیِ محن و شباب کیا کہنا
فضائے دہریہ دوشیزگی کا عالم ہے

سکوں سے واسطہ کیا زندگی کو لے قیصر
کہ خطر اب ہی رازِ حیاتِ عالم ہے

گاہے گاہے باخوانہ امین دفتر پارینہ را

انوار احمد عارف - ایم - اے

تھی اور جو عشق کی کمر جو ہم اور زبان کے جسے میں عشق تھی اب نے
راستے پر نظر آئے تھے۔ اس نے کراؤں اور زبان کو کچھ بزرگ انسان کی
پوری زندگی کا احاطہ کیا اور زندگی کے دوسرے تقاضوں کو پورا کرنے کی
کوشش میں دوبارہ نظر آئے تھے۔ شاعری کے اس روپ کو بعد پر شاعری
کے نام سے یاد کیا گیا۔ سرسید کی اس تحریک کے زیر اثر جدید شاعری کا آغاز
انجمن پنجاب کے زیر اہتمام ہو کر جس میں عالی اور محمد حسین آزاد پیش پیش تھے۔

یہ ماحول تھا جس میں ناظر نے آنکھ کھولی اور اپنی شاعری کی ابتدا کی۔
ناظر پنجاب کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش
کا تعین ابھی نہیں ہو سکا ہے۔ انتخابِ تہذیب جو سرسید راسِ سودنے
ترتیب دیا تھا اس میں ناظر کی پیدائش کے بارے میں ترتیب سے لکھا ہے
کہ سال پیدائش تقریباً ۱۸۴۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ ہے۔ ناظر کا نام خوشی
محمد خاں تھا، اور ناظر خاں۔ یہ مولاداد خاں کے تین بیٹوں میں سب سے
چھوٹے تھے۔ ان کا آبائی گھر پنجاب صلیحہ گجرات کے ایک قصبہ ہریہ والا میں
تھلا۔ ابتدائی تعلیم ناظر نے ہریہ والا میں اور پھر لاہور میں مکہ حاصل کی۔
لاہور سے عریک باہل کرنے کے بعد وطن چھ کالج میں داخلہ لیا۔

ناظر کی فکر کوئی کی ابتدا ۱۸۸۱ء سے ہوتی ہے اس کے باب
میں ناظر نے خود ہی واضح طور پر لکھ دیا ہے۔ ۱۸۸۱ء میں انھوں نے جو پہلی
فکر لکھی وہ اب دستیاب نہیں۔ اس پہلی فکر کا ذکر کرتے ہوئے ناظر نے لکھا ہے کہ:

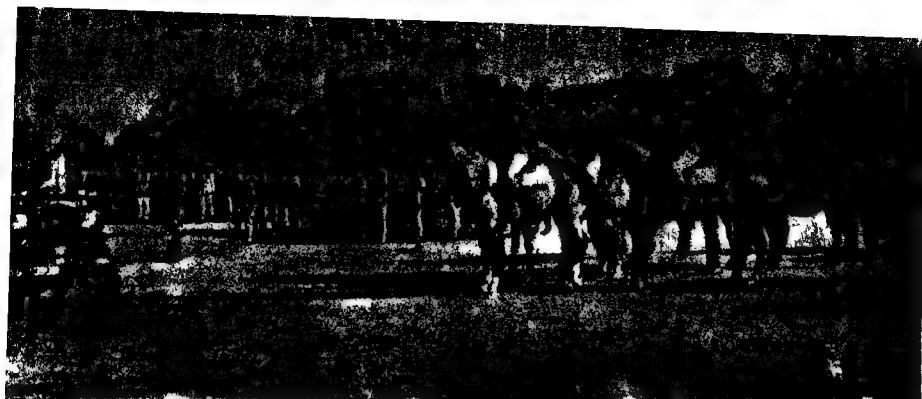
میں نے پہلی طرح جنابِ خیرت الاسلامی مدح میں ۱۸۸۱ء میں لکھی اس
کلمت ایک مصرعہ کا وہ یہ ہے ج

ناظر ہمارے جدید شعرا میں صاحبِ اہم شاعر ہیں اور اردو کے ان شعرا
میں سے ہیں جو نظرِ کارِ آدمی کی طرح کلی طور پر نظر انداز کر دیے گئے اور جن پر
ہمارے ادیبوں نے قلم اٹھانا یا اخبار اپنی کسر نشان کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ
آئی ہے کہ دونوں غزل سے زیادہ فکر کے شاعر تھے۔

ناظر نے جب ہوش سنبھالا تو سرسید کی اصلاحی تحریک و ردوں
پر تھی۔ اس کا دورہ رزہ رزہ دوسرے سے دیکھ کر ہوتا جا رہا تھا۔ بڑے بڑے شاعر
اور ادب سرسید احمد خاں اور ان کی تحریک سے متاثر ہو کر اس کے کام میں
اسیر ہو چکے تھے۔ ان تمام متاثرین کی زندگی کے کچھ ٹھکانے دھابہ جو
ادھر ادھر آہستہ آہستہ خدای کے ساتھ بہہ رہے تھے، اب سرسید کی تحریک میں
خاں ہو کر ایک بڑے دھابے کی شکل میں تیزی کے ساتھ بہہ گئے۔ یہ
دھار مسلمانوں میں سید اری سید اکبر کے دھار تھا۔ سرسید کی ددورس
لکھا ہوں نے بھائی لہا تھا کہ مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہو تا جا رہا ہے۔

مسلمان سماجی معاشی اور اقتصادی طور پر بد حال ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں
کو اقتصادی طور پر شمالی معاشی طور پر بہتر اور سماجی طور پر بلند کرنے کا
ہر حربہ یہ کہ معیارِ ارادہ کیا بلکہ ذہنی عملی طور پر بھی کام میں لیتے گئے۔
سائیکھک سوسائٹی اور جو علی ٹرسٹ کا قیام ہی کا نتیجہ تھے۔ اس تحریک
کا اثر مسلمانوں کی زندگی پر اتنا گہرا ہوا کہ ان کی زندگی میں نئے تصورات جنم
لینے لگے۔ سوچنے کے انداز کے ساتھ ساتھ زندگی کے معیار اور قدروں میں
بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ اس کا براہِ راست اثر ادب پر بھی پڑا اور
جلدی ادب بھی نئے راستوں پر گامزن نظر آئے گا۔ اردو شاعری جو اب
بیک گل و بلبل کے پھندے اور عشق کی زخموں کے بیچِ دھم میں لگی ہوئی

پیر انجمن ۱۸۸۱ء تک



↑
گوررتری اکبر علی خاں یوم جمہوریہ کے موقع پر پروگرام ادا
کھنڈیر روح بولیس اور ابن سی کی ستر کریریر کی
سلامی لے رہے ہیں



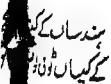
گوررتری اکبر علی خاں ہارڈ کورٹ ملر
میگنا ویکس ایسی ٹیوٹ کا یور کی
← مگڈن سل کے آخری دن ایسی ٹیوٹ
کے اول آئے ولس طالب علم کو سوسنے
کاتر عطا کر رہے ہیں

یوم شہیدان کے موقع پر تہبہ راساڈک لکھنؤ کے زیر
گوررتری اکبر علی خاں کوئی میں ویب دان کرتے ہوس





ایم۔سی۔سی کرکٹ ٹیموں کے درمیان



پچ کے دو مالک انجلیفہ کی بیگ اور
مندان کی غلیظت کا ایک عطر



بکرا مارو دو کی گیت پر
لگا رہا تھا

کانپور

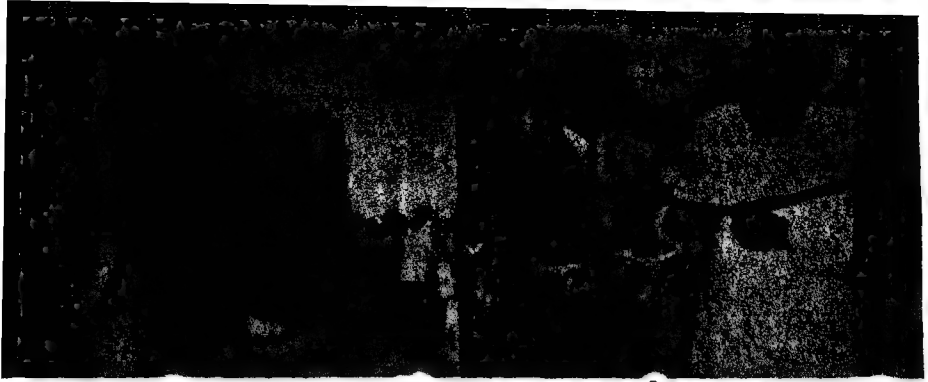
میں
جو تھاٹ میچ جنوری ۱۹۳۳ء



در اگلیٹ
کے تھے



ساد لٹلے مارو دو کی گیت
ٹ لگتے تھے



↑
دیہاتی ترقی کلاسیکی ترقیاتی کھنڈے، اکیلا میٹر کے واسطے پرکلاؤدی
مثالی گاؤں کا اقتدار حرکتے ہوئے

اجبار ذمیوں نے کشتی تالاب اور موسی لال گچ کھنڈیں
خاندانی مصوہہ سدی کیوں کا معاشرہ کیا۔ تصویر میں ایک
← اخبار ذمیں سن سدی انڈیا ہے دیکھ بیہ ہیں



بیگم حضرت محل یارک کھنڈیں محکمہ اطلاعات کے دیہہ انتہام ہونے
دانی پورم آدہ کی ۲۵ دس ساگرہ کی ٹائٹس کے سینڈال میں
۲۲ سوری مسئلہ کو راہ ہر تین سینڈال کی کا ایک منظر



جو مکہ سرسید وصال عاشقانہ منزل سرائی کے فحالت اور نچول شعر کے حامل تھے اس لیے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی ناظمی دینی اور نچول شاعری کی طرف متغصب ہو گئے، علی گڑھ کے زمانہ طالب علمی میں ناظمی نے نظم کے دو مقابلوں میں حصہ لیا۔ یہ مقابلہ آڈلٹ نے لکھا تھا اس کا مقصد تھا اشعار کو نچول شاعری کی طرف راغب کرنا۔ ان مقابلوں میں بہترین نظم پر انعام کا اعلان کیا جاتا تھا۔ ناظمی نے دو دفعہ مقابلوں میں حصہ لیا اور یہ انعام حاصل کیا۔ ان دونوں نظموں کے عنوانات "خوت" اور "چہار موسم" ہیں جن پر ناظمی کو انعام ملا تھا۔ ناظمی نے اپنے محبوبہ کا نام فخرہ خودس حصہ اول کی تہذیب میں لکھا ہے کہ:

"مطر آد لہ (انجمنی) نچول شاعری کی تحریک و تربیت میں معاون بھی لیجئے اور دو سال تواتر انعامی نظم کا اعلان فرماتے رہے۔ یہ دونوں انعام میں سے حاصل کیے اور یہ دونوں نظموں "خوت" اور "چہار موسم" اس وقت تیار ہو چکی تھیں۔"

علی گڑھ میں ناظمی لاٹک سیکو کے لقب سے مشہور تھے اور یہ لقب ان کے استاد اشرف خان کا دیا ہوا تھا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان جو بعد میں علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی رہے فوجی تھانہ ناظمی کے ہم جماعت تھے۔ یہ ان دونوں کی کات ہے جب ناظمی نے فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا تھا۔ ان فوجیوں کے جلسہ میں روضہ من از عمل پر ایک نظم پڑھی۔ مطلب تھا کہ کچھ بنا احوال دل اسے منزل خاتمش بیاں
میں نظر آتا ہے حسرت فخر تیرا آستان

ناظمی اس نظم کا آخری شعر بہت مشہور ہوا۔ یہ شعر فاداسی میں ہے اور بقول اقبال دہلی خاں حرمی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایرانی نے کہا ہے۔

گاہ گاہے باز خوان این دفتر بار سیر را

تا زہ خواہی دانش خود آہن سیر را

یونین کے ایک جلسہ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے ناظمی کو لاٹک فیلو کے لقب سے نوازا تھا۔ سبب اشرف خان کے نام ایک خط میں اس کی طعن اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
"یونین کلب کے ایک جلسہ میں صاحبزادہ صاحب نے میرے لیے 'لاٹک فیلو' "

بلیبل طبعیہ ہر داغ و صحت تو پہ از گود

ناظمی نے زمانے میں مولوی نور الدین صاحب اور سید اصلاح علی گڑھ کے کوٹلی نور الدین انور بھی برہہ والا کے ہی رہنے والے تھے اور وہیں ڈیڑھ سال سکول کے سہ ماہی پڑھے۔ عربی فارسی کے عالم ادھر درس تھے۔ اس زمانے میں پنجاب کے بہت سے مشہور شعرا میں موصوت کا شمار ہوتا تھا۔ ناظمی نے یہ نظم جب ان کے سامنے اصلاح کی غرض سے پیش کی تو انھوں نے پہلا مصرع کو بدل کر اس طرح کر دیا تھا:

بلیبل طبعیہ بہ ہاغ و صحت تو رہیں فواست

عمران کا کچ ڈاؤن کریڈی جو ۱۹۱۱ء میں طفیل احمد صاحب نکلوری نے حسب ایام اولڈ وائز ایسوسی ایشن پر رستہ معلوم تیار کیا تھا اس سے پتا چلتا ہے کہ خوشی محمد خان ناظمی ۱۸۸۹ء میں علی گڑھ کالج میں شریعت کے پہلے سال میں داخلہ لیا۔ ۱۸۹۱ء میں انٹر میڈیٹ سکول ڈوئز میں پاس کیا اور بی۔ اے ۱۸۹۳ء میں فرسٹ ڈوئز میں پاس کیا۔ بی۔ اے ۱۸۹۳ء کے علی گڑھ انٹرمیڈیٹ ٹیوٹل ٹرٹ میں ایدیل ٹرٹ کی طرف سے اٹ لکھا ہوا ملتا ہے کہ:

"بی۔ اے اور انٹر میڈیٹ کا بیج نہایت ہی عمدہ ہے کہ نہایت ہی حوصلے کے ساتھ کالج کے طالب علم حوصلے سے لڑے۔ اسے امتحان میں پہلے ڈوئز میں پاس ہوئے اور مجلس اور فارسی دونوں میں آکر گزارے لیا۔ انھوں نے ملائی نقد پاسے کا یہ کوڑا سخن ثابت کیا ہے اور اسد ہے کہ وہ ان کے ملے گا۔"

یوں تو خوشی محمد خان ناظمی سرسید کی تحریک سے پہلے ہی متاثر تھے لیکن علی گڑھ پہنچنے کے بعد ان کی تحریک میں علی طور بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں حالی کے سامنے ذرا فستق تیرہ کیا انداز حال کے کہنے پر ان کا کام اصلاح کے لیے پیش کرنے کے لیے حالی سے ملے کا انجاء انھوں نے نظم و نثر دونوں میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

پہام استاد حالی کا زبان جرح خوداں سے

سنا ہوں کہ چند پرے کچھ بہرہ و درم ہو

یہ شعر اس نظم میں شامل ہے جو بتقریب جلسہ مولیٰ مسلم و نیوٹری علی گڑھ میں ناظمی نے پڑھی تھی۔

کا لقب مع دریا تھا :

ناظر کے اس خطبے میں چچا ہے کہ کل کوٹھ اور ڈرو انو ایسی ہیں
جس کا پہلا "برادر" نام تھا کا رنگ خیرا ناظر ہی نے دکھا تھا جسے ڈرو
اس کے سرگیری مقرب ہوئے تھے لکھتے ہیں :

"دوسری علت ام۔ سہ۔ اور کالج برادر ڈرو بخین اخوان ہستی جس کا
رنگ بیاو رکھنے کا فرمودہ ناظر کو حاصل ہے۔ میری استدعا ہر مشر
دعیدہ سر، عقیدہ ایسی ہے۔ برادر ڈرو کا سرگیری ہونا دستور فرمایا
اور ان کا مجدد شرح ایک ہی صدی معقول تعداد تک ہونے لگی۔

صاحبزادہ صاحب کے خاص معاون تھے۔ رورٹ جسے جسے برسر
طیہ العتہ نے ایک ہیایت رت آسیر بھی لکھی جس کا ملاحظہ یہ بھی
"حیث طالب علم ہونے کے میں ہی اولاد ہونے میں ہذا کلمہ کو کمال
"برادر ڈرو" میں شامل کیا جلت "میرے کالج پھولے کے بعد کس جلد میں

"برادر ڈرو" کا نام ڈرو انو اوسوی ایجن "تعداد پایا :

ناظر اس ایسی ایجن کے سالانہ جلیوں اور تقییمت میں خود
انکست شریک ہوتے ہے اور اپنی نظمیں نذر لے کے طور پر پیش کرتے
ہے۔ خوشی محمد خاں ناظر کل کوٹھ میں پوٹ لااریٹ کے نام سے مشہور تھے
کالج اور اس سے متعلق کوئی جملہ ایسا نہ ہوا تھا۔ جس میں وہ اپنی کوئی نظم
نہ پڑھتے ہوں۔ قوی قلی اور بچل شاعری کو فرخ دینے میں خوشی محمد خاں
نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حسرت ہوائی ہو کہ ان دونوں کی کوٹھ کالج میں زیر
تعلیم تھے عاشقانہ غزل سرائی میں مست تھے۔ آئو ناظر اور حسرت میں بن
نہیں لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی شاعری پر اپنے اپنے مضامین
میں خوب خوب اعتراضات کیے ہیں۔ جلی کوٹھ میں اس زمانے میں غزل
گوں کی بہ نسبت نظم گوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یوں بھی سرسید نے
حقیقہ غزل گوں پر کالج کی فضا میں باندیاں حائل کر رکھی تھیں۔
قوی قلی اور قلی غزلوں کی گوجا جلی کوٹھ کی فضا میں ہی نہیں بلکہ اب
علی کوٹھ سے باہر کی چادوں طرف حسرتانی دینے کی بھی حالت کے علاوہ
چکیت "اقبال" نادر کا کردی اور کاسالہ سرور اور سید حسرت
اس طرح کی نظمیں شہرہ کے ساتھ لکھ رہے تھے۔ قلی قلی بچل شاعری
کو رواج دینے میں مخزن لاؤ زمانہ کا بھی بہت بڑا اثر ہے۔ مخزن

شیخ محمد عبداللہ احمد سے کھلتے تھے لاؤ زمانہ دریا زان محمد کی طرف سے
لاؤ زور میں شامل ہوا تھا۔ یہ سادہ نظر تھا اور اپنی تعلیمات اس نے اپنے
اپنی پوجوں کو بھیجا کرتے تھے۔ ناظر کی نظمیں ہونا مخزن میں شامل ہوا کرتی
تھیں۔ "جلی" ہونا ظہور بہت شہور نظم ہے اور اکثر دیگر اشعار میں
شامل ہیں۔ اس زمانے میں مخزن میں شامل ہوا کرتی تھیں۔

قلم کی زندگی کا بڑا حصہ علامت کے دوران کثیر میں بسر ہوا۔

کے کچھ کچھ ناظر کی زندگی اور آخر میں یہی کی خاک کے یونہی ہے ۱۹۲۳ء میں

علامت سے شہید ہوئے۔ حوض علامت میں غفلت شب بڑے

محمدوں پر فائز ہوئے۔ کثیر میں ناظر کے ولادت کے خلف میں مناظر بہت

ہی ہو بصورت نظمیں لکھیں ہیں جس طرح جلی کوٹھ میں معقول ڈاکٹر ضعیف

الرحمن اعلیٰ اس نوع کی شاعری کو مقبول عام بلانے میں پہلے جلی کوٹھ کے

طلباء حصہ لیا جس کے سرگودہ محمدی خوشی محمد خاں ناظر تھے۔ جلی کوٹھ

تحریر کی اس طرح کثیر میں خوشی محمد خاں ناظر نے اس طرح کی شاعری

کو مقبول عام بلانے میں بڑا کام کیا۔ کثیر کے ابتدائی زمانہ قیام میں ہی

خوشی محمد خاں ناظر نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک انجمن کی

بنیاد ڈالی۔ اس کا نام "انجمن معراج القلوب" تھا۔ یہ انجمن تقریباً چار سال

تک اپنی اصلیت میں سرسراج الدین محمد خاں کے دولت خانہ پر یا فخر

اور شاید اس میں حصہ کرتی رہی اس انجمن کا ذکر کرتے ہوئے ناظر لکھتے ہیں

"ہم نے چند ادب دوست احباب کی ایک کمیٹی بنائی یا انجمن بناد گئی

تھی جس کا نام "انجمن معراج القلوب" تھا۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک

یہ انجمن کثیر کے ناظر میں معراج کی محبت بھرتی رہی۔ اس کے

بعد میں لدا جلا گیا۔"

کثیر میں اس زمانہ میں خوشی محمد خاں ناظر مولانا عبدالحق مفتی محمد

حسین کا شیری، امی الدین قمر خاں صاحب فنی سرسراج الدین محمد خاں

محمد الہی سعد اور صاحبزادہ محمد الرحمن ڈکی اور شاموی کے دوج رد ا

تھے۔ یہ کثیر میں اردو ادب کے دوا لیس کے شاعر تھے۔ ان میں سے مرزا

محمد الدین سعد زیادہ تر فارسی میں لکھتے تھے۔ ان کا شمار فارسی کے کلام میں

اور بہت شاعروں میں ہوتا تھا۔ اردو میں بھی لکھی تھیں۔ ان کے کچھ کچھ کثیر میں

لکھی گئی۔ تعداد ناظر کی اردو میں مکتوب خط و کتابت بھی ہو گئی تھی۔

عزل رکھتے تھے اور محراب کچھ تھوڑی غلطیوں کے مقابلے میں غلوں کی توجہ
مردم کم ہے۔ ان کی ایک غزل کے اشعار تو آج بھی لوگوں کے لبوں پر ہیں۔
دعا کا دل میں پیش خدمت ہیں۔

شہر میں اپنے بیٹے کی نرادی کو کئی پتھر سے زامب مرے دیوانے کو
دل میں اپنے کو اور کثرت جگر کھانے کو یہ خدا مٹی ہے جانتا ہے دیوانے کو
ناترک کے یہاں ان کے اپنے زمانے کے حالات کا شدید رنگ ہو چکا
ہے جیسے ہم عصری شخصیت کہہ سکتے ہیں۔ ہندو مسلم فحاش کا جو بیچ انگریزوں
نے دیا تھا مسند ستان کا قیام یافتہ اور کھجور طبقہ سے ناپسندیدگی کی
ظہور سے بچ گیا تھا۔ ناقولیں وطن دوستی اور وطن پرستی کا جذبہ شدید
تھا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ وہ ہندو اور مسلمانوں
میں نا اتفاقی کو بھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ فرقہ پرستی سے انھیں سخت
نفرت تھی۔۔۔۔۔ آدہ ایک ملک اور ایک قوم کے حامی تھے۔ ذیل کے
اشعار ان کے انجمن ہدایت کی ترجمانی کرتے ہیں۔

کاش شیخ دہر جمن کی کو کر میں کچھ روک تھام
ورنہ بھارت پر کوئی بھاری عذاب آئے کو کچھ

جنہی کی بوسے برم میں لگ جاسے آگ
ایسی سمیوں کو بھٹکانا یا ہے
گو بہت جوں راستوں کے سیر پھیر
سب کو اک سرور - لانا چاہیے
خود ہاں سے بھی زباں مل جائے گی

پہلے دل سے دل ملا چاہا ہے
کشمیر سے ریٹائرمنٹ کے بعد خوشی محض انظار یا سست رام پور
چلے گئے تھے۔ رام پور میں وہ دسمبر ۱۹۶۲ء سے دسمبر ۱۹۶۳ء تک
افسرو آبادی کے عہدہ پر فائز رہے اس کے بعد وہ پھر کشمیر گئے۔ اور پھر
نیشی کی زندگی کو۔ اور لے گئے۔ لاس پور میں خوشی محمد خان کی مصروف آباد
تھی اور کشمیر میں مسکان جیٹا جیٹا جیٹا میں وہ لاکھ پور چلے جاتے تھے
اور گوہاٹ میں سرسین گرواڑے تھے۔ خوشی محمد خان ناظر کا انتقال اور اس
اکتوبر ۱۹۶۴ء میں انجمن ہدایت ۱۱ اور ۱۲ میں دسمبر ۱۹۶۴ء۔ محمد امین داراب

دو دنوں حضرات کا ایک ایک نظم منظر جو ۱۹۶۲ء کے عزم میں
مستعدانہ نظر کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ آخر کی نظم جوگی "ہیں کا جلاوڑ
میں دیکھو کہ ہے" میں اس کا پہلا حصہ کشمیر کے دوران قیام کے اولین زمانے
ہو جس میں لکھا گیا تھا۔ یہ نظم دسمبر ۱۹۶۲ء کے عزم میں شائع ہوئی تھی جوگی
نظم کی شاکا زنگوں میں سے ایک ہے اس نظم کے دوسرے ہند میں ناظر
نے الفاظ کے پردے میں جوگی کے رہنے کی جگہ اور جوگی کی ایسی ذاتی یا حتی
عمومی کیفیتیں ہے کہ پورا نقش آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے الفاظ کی تسست
دروہیت اور پھر سادگی بیان ملاحظہ ہو۔

چلیں لے جھٹ لے گئے تھے برت بھادی جہاں تھی
تھے نیچے دیب بادل کے کپڑے قنات لگائی تھی
پاں برت کے تو دس گئے تھے جادری کے قوڑے چلتے تھے
چٹھے سیاب اگتے تھے ناوں لے دھوم مہاسی تھی
پاں قلند کوہ پر رہتا تھا اک مست تلسنہ دروہی
تھی وہ کہ جھٹوں میں جوگی کی دھانگ بیچھڑائی تھی
تھا اور کہہ کا جوگی کا بہتر اور کہہ کا جیرا اس تن پر
تھی ایک لنگوئی رہیب کر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلم دروہی
بیچھا تھا جوگی تانہ آنکھوں میں مستی جھانی تھی

ناظر نے تقریباً اسی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا کلام
مسند و جہاں ابردار پر منقسم ہے سرور و شجیب "اصلانی اور صوفیانہ کلام۔
"انکار ملی توی اور ملی نہیں لیا درنگھاں" مرثی اور لطعات نایچ و فحاش۔
"تہلیل و دہاری" مذہبی تصانیف و غیرہ۔ یا ران کجہ "سہرے" "مناظر
قدرت" "مطامحات" "مترقات" "مہولیات" "خوشی و سرور" "مناظر"
"مہولیات" "ناظر غزل کے حالات" "ہیں گئے لیکن مسات غزل سرانی
کے مورد و حالات" "دست کا کام درجہ ان فنکارانہ ناظر نے اس سیر
کو اپنی ایک باہمی میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وہ شعر و غزل کا ایک نائنہ نام وہ طبع سخن کا تار و زار
بدلی ہوئے غزلت و غزلت جو ہر دم وہ غزلت میں کافانہ نام
لیکن ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ناظر غزل باغ میں نہیں کہتے تھے۔

بعد از رشوت نشانے نماند ز سید و جود استائے نماند
 بدل خولتے واپس حق پرست رسیدن بغیر یا نہر و رحمت
 دکاش درل و اور خریدگی کہ با او شدہ دقت سنجیدگی
 کلام یہ نصیب تاج شہست گویہ و دنیا چھ آد برست

کے بھی اس خوش تر "ای عزیز
 دگر عیبی" شاعر خوشگس تیرے

۱۹۴۳ء

جو کشمیر کے جانے پہچانے ادیب اور شاعر ہیں ان کی موجودگی ایک
 مختصر مریہ لکھانے میں کے آغوش شعر سے سب جبری اور سبذ میوی ہیں
 ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ اس مختصر مریہ سے ان کی زندگی کے بعض
 پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مریہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دریغاکر سندر و زبیر مادیب ہر تیرہ ازم گونا گونا گوست
 سارخ ادب بلبل نغمہ سنخ گو بڑوں مول از سخن گنج گنج
 گہر کناری ہر عدل و داد دم لعلی سخن اور سارا



میر انیسے کا غیر مطبوعہ کلام (موا، اکابت)

ردیف	مطلب	کلیت
۸	چشموں میں انگ ہیں تو سر اس پر ہے	۲۵
۸۹	نقیری میں دل بادشاہ چاہے	۱۶
۹۰	قائم تار و حائل تن جو بیاباں ہو جائے	۱۸
۹۱	عذر کہتی تھی جو اب کی خبر رات گئے	۱۵
۹۲	نگ مادیب جوں غم سے رہو دل یانی	۱۶
۹۳	لے کرئی فریاد و فغان کہ گئے نہ	۱۷
۹۴	جوانی بزم شاہ سے آہ و بکا رہے	۱۵
۹۵	گوئی پیری جوانی و بچہ کی	۱۴
۹۶	دکھا باصفت نے رانا صاحب مکان سے ملے	۱۶
۹۷	جہلی تھے میں جب برتھپوں والے آئے	۱۶
۹۸	جہلی تھے دل فدیہ کا داراں تھے	۱۸
۹۹	دنیا میں آج سفر کا دن آشکار ہے	۹
۱۰۰	لے کرئی عین کی بھی کیا جواب ہے	۲۲



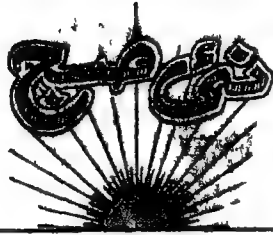
اسے مہرِ محنت کٹولے وقت کے جلوہ نگار

عبدالحق بہار

سبزہ زاروں میں بدل دو تم وطن کے رنگ زار
 پہاڑ ہر صحر کے حوض آجائے گلشن میں بہار
 دھر بھی دو بالا کرد ہست کا عز و وقار
 ماورِ ہندوستان کو ہے اس کا انتظار
 صحن گلشن سے مشا دو ایسے تم برج عسار
 رقص فرماں سے درخش ہو آئینہ بکس ہزار
 تذکرہ بچوں کا تم کا گلاں پر آجائے بھار
 رجا و غم کا پھر گلشن میں ہو کوئی بھی نثار
 تم اگر جاہو توٹ جائیں غریبی کے نشان
 خاکسار بر باد بھی باجائیں رہنے کو مکان
 اے مسجرات گلشن نے مسجرات زمان
 ہر بانی کا تمھاری ہے ہر اک ابد دار
 در حقیقت جو کہنے میں تمھارے آب ہے
 وہ ہے جو سورج کہیں نہ تو کہیں مناسبت ہے
 کیا ہو تم؟ یہ جاننے کو کل جہاں بتاتا ہے
 تم اگر جاہو تو سز سکے ہو قلت کا حصار
 باندھ کر رہنا نہ کو تم نے کیا ہے وہ تمنا
 اہل دانش کے لیے جو بن گیا ہے اک سوال
 بھاگ کر اہل سرزمین ہند یہ ہے اے مثال
 کیسے کہیے کہیں تم نے پیدا آشار
 پٹ سے ڈالو دامن تم نے ملک میں بسا کے
 راکٹ دنا پام بھی تم نے وطن کو نہیں دینے
 ہمت گولے بھی بنائے تم نے جردن کے لیے
 کہ نہیں کر سکتا تمھاری نو بیوں کا میں شمار
 چہ جہر بر وطن کے ہے نہیں کل اختیار
 ہے وطن کو تم پہ اور تم کو وطن پر اختیار
 لب پہ آتائے تمھارا نام سب کے بار بار
 آؤ تب مل کر بنادیں گلستان کو لالہ زار
 اے مہرِ محنت کٹولے وقت کے جلوہ نگار

طہارۃ الودائع نیٹ ہوائی جہاز

افسانہ



عقین۔ آج عبدل در دراماؤں کی خبر سنا کر وہ اس آبا ہی تھا کہ ہا کے ایک تیر چھوٹے کوٹھری کے کواڑ کو دھڑام سے ٹکرا دیا۔ ویسے بھی بوڑھا بھکاری صبح سے شام تک بھیک مانگے مانگے تانبے پڑھے جسم کی سادی طاق صرت کر چکا تھا اس پر یہ مزید بڑھائے زندگی سے اور زیادہ تیار بنا رہی تھی۔ وہ چارپائی سے بڑی سبیل سے اٹھا اور دروازے کے بیٹ کو دوبارہ اس کی جگہ پر کھڑا کیے پھر ستر پر گر گیا اور خالی خالی نظروں سے ٹوٹی بھت کو گھونے لگا۔ مانتا تھا کہ سیکڑوں دعا تیں دینے اور در در آواز کرانے کے بعد بھی آج وہ کچھ نہ پاسکا تھا۔ اس کی بھولی خالی ہی تھی اور خالی بھولی کی طرح اس کا بیٹ بھی حال تھا۔ بالکل خالی۔

دھیرے دھیرے دن بھر کا تھا کہ ہوا سورج مغرب کے انوش میں پہنچ گیا اور عبدل کی تاریک کوٹھری کی روشن بھت سرسری اندھیروں کے غلغلہ میں اپنے دودے ہاتھ دھو چکی لیکن اس کی بجائیں سبیل بھت پر گڑھی رہیں، یہاں تک کے شام کے سرسری جھرمکرات کی سباد زنجیروں نے جکولیا اور بھت کے اوپر پھیلے ہوئے آسمان پر بھگتے تانبے بھت کے سوراخوں سے جھانکنے لگے، بیسے عبدل کی بے بسی پر مسکرا رہے ہوں۔ عبدل نے تھپ تھپ کر مسکراتے ہوئے ان سستاؤں کو دیکھ کر ایک آہ بھری اور سوچا۔ تانبے بھی سرسری جھرمکرات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ تانبے جن کے خود کے خود کوئی کارائی نہیں، جنہیں خود نہیں معلوم کر کہ ایک کالی گٹھا اگر اچانک ان کی زندگی کو ختم کر دے گی۔ عبدل نے اس تکلیف دہ خیال سے خود کو بیکارنے کے لیے

عبدل بھکاری اپنی سکتہ کوٹھری کے کونے میں پڑی چوٹی ٹوٹی چوٹی کی چارپائی پر بیٹھے پرانے گوڈروں میں اس طرح گر پڑا جیسے بڑھ نسل جلد جس کے بعد طاق پر دوا زخم ہوئے پرے سب کو گھسیٹا ہوا میں حاکم تانبے۔ عبدل آج اپنی زندگی سے بری طرح بیزار تھا۔ زندگی لے اسے کیا کر رکھ دیا۔ کبھی اس کا بھی زمانہ تھا۔ تانبے اور دوا زخمیں، عزم و وصلہ تھا، انگلیں تھیں، بڑا آدمی بننے کی خواہش تھی۔ لیکن تانبے کے کھیل میں تانبے ہی عجیب بھگتے ہیں۔ آج وہ بڑا آدمی چوٹے کے کولے صرت ایک پڑھ بھکاری تھا اور صارت تھوڑے مکان کی جگہ اس تنگ کوٹھری کے تنگ کونے کو آبا دیکے ہوئے تھا و خلیہ عہدے بھی زیادہ قدیم تاریخ ابے میں بھجائے ہوئے تھیں اس کی دکھار زمانے کی سبیل چوٹیں تانبے سے کسی غلطیوں سے کسے کی طرح اپنے وجود کے ساتھ مقوس سے بے نیاز ہو چکی تھیں۔ کوٹھری کا دوجھڑے پختہ کو پلوں کی ایک وسیدہ بھت تھی جس میں سے آسمان کی طرح نظر آتا تھا جیسے جسم پر برص کے داغ مایاں ہوں۔ کوٹھری کا ایک دروازہ سرے سے تھا ہی نہیں۔ دوسرا تھا بھی وہ عبدل کو لے دن بھر میں کئی دفعا اٹھا کر ٹھسے سلیقہ کے ساتھ چاٹا پڑتا تھا کیونکہ دروازے کے گتے ہی چون دھولا کی تیر اور دم ہوا میں سائے کا تاب کو زرا انوش کر کے رحم دہر دی کے تمام چوٹوں کو نظر انداز کر کے عیسوی کا دھڑکے اس کی چارپائی پر جا بھگتاؤں کے لیے ہم چارپوں کی طرح دوا زخم آتی تھیں اور اس کی نوٹھی پڑوں میں بندوں کی گویوں کی طرح بیوسٹ ہو کر اس کی روح تنگ کوٹھری میں دھاتی

کروٹا لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عبدل کے آنکھیں بند کرنے ہی اس کے چہرے پر بڑی ہلکی سی سڑکوں کی طرح اس کا شغ میں بھی سڑکوں کی طرح لکیریں ایک دوسرے سے مل کر نئے نئے نقش بنائے گئیں اور خالی پیٹ سے اٹھنے والی یہیں ان نقوش میں رنگ بھرنے لگیں۔ مچھانک بھی اس کے دماغ کے اسکرین پر داتاؤں کے تحت چہرے ابھرے اور پھر ان کی آوازیں گونگنے لگیں بھوکا ہے۔ بڑھاپے۔ کمزور ہے۔ کام نہیں جتا تو مریوں نہیں کھاتا مریوں میں جاتا ہے مریوں میں جاتا لی آواز ٹوٹے ہوئے دیکھاؤ پر رکھی ہوئی سوتی سے نکلنے والی آواز کی طرح بار بار گونج کر عبدل کے دماغ پر لوہار کے چھوڑے کی طرح چھو گئیں مارنے لگی۔ وہ تڑپ کر رہ گیا اس کا دل جا کر وہ تمام لوگوں کا کھلا دبانے لاس نے صدر میں اپنی آنکھیں کھینچ لیں۔ اُٹ کتے بنے درد ادبے رحم ہیں یہ لوگ ہمدردی اور انسانیت سے تو جیسے ہی اس کا دور کا بھی واسطہ ہیں۔ ادھ میں کیا کروں۔ میں بھی کوئی مجبور ہوں۔ کتہے بس ہوں، نہیں کچھ کر سکتا ہوں، انھیں مار سکتا ہوں، ذہنی خود مر سکتا ہوں اور یہی پیٹ کی آگ پر پانی ڈال سکتا ہوں۔ زاپ حق کے لیے آواز بلند کر سکتا ہوں یہاں کے لیے دم ٹھیکہ یادوں سے میری زندگی سے سارے حقوق اس طرح خاک کر دیے ہیں جس طرح سائنس جہدے الائی جہدوں سے روٹی۔ اُٹ۔ اُٹ۔ حق۔ میرا حق مجھے کیسے ملے گا۔ میں اپنے حقوق کس طرح حاصل کر سکتا ہوں۔ حق کے لفظ نے عبدل کے دماغ میں داخل ہو کر ایک نئی پہچان پیدا کر دی اور بے اختیار صبح کا ایک واقعہ اس کے دماغ کے پردے پر ابھور آیا جیسے جب وہ دیکھاں مل کے سامنے سے اپنا خالی کٹہرا لیے گزر رہا تھا کہ لوگوں کا جھوم دیکھ کر دک گیا تھا بہت سے مزدوروں کے دروازے کے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ان کی ہاتھ پر ایک مزدور لیڈر پر جوش انداز میں کہہ رہا تھا ۲۰ اس دن براہ راست مل کی آمدنی پر ہمارا اتنا ہی حق اور انصاف ہے جتنا سیٹھ ملو پوریشا دکھا کر وہ اس مل کے مالک میں تو اس ملکیت میں ہمارا بھی حصہ ہے جو کچھ اس میں ہماری محنت منت اور خون پسینہ شامل ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سیٹھ تو مل کی بڑھتی ہوئی آمدنی

سے ہمیں کرب اور دم بڑھتی ہوئی تنگی کی میں خائف کریں بہنے بار بار اس زمانہ کی جانب توجہ دلانے کی کوشش کی اور ایسے جانر حقوق کا مطالعہ کیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سرمایہ داروں کو ہم سے کوئی عمدہ دی نہیں اھیں ہماری اور ہمارے بچوں سے زیادہ اپنی آمدنی کی فکر رہتی ہے چنانچہ ہماری یونین نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ان کی بجائے کسی کو تنگ کرنے کیلئے اور اے حقوق حاصل کرنے کے لیے متحد ہو کر جدوجہد کریں گے اور اس وقت تک جین سے نہیں ملے جب تک کہ ہمارے مطالبات منظور نہیں ہوتے مزدور رہنا کئی تقریر تالیفوں کی گونگواہٹ میں غم ہو گئی یا اس تک عبدل کے خیال کا سلسلہ دھڑام کی آواز سے ٹوٹ گیا اور وہ اپنے ننگے ہوئے جسم کو بستر سے اٹھا کر گسے ہوئے دروازے کو دوڑا اور اس کی جگہ پر جانے کے لیے چل پڑا۔ اس ناخوشگوار وضع کو احاطہ دینے کے بعد ایک دفعہ پھر اس کا پرانا بلنگ اس کے بھوکے وجود سے دب کر مسک اٹھا۔ پھر دھیرے دھیرے رات کی طرح ہوتی سسان تاریکی نے اس کی بڑھتی ہوئی بھوک کو شکست دے دی اور ہوا کے نرم بھوکوں سے بھوک کے احساس پر غالب آکر اسے خوابوں کے لیے فکر دیا میں بھا دیا۔ خواب میں عبدل بھوکا لوگوں کے ایک بڑے جیسے کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا ہم مل انسان میں سماج پر ہمارا بھی حق ہے۔ انسانیت کے نسلے دنیا کے لوگوں کو جن کے پاس دولت ہے روپیہ پیسے ہے سو جتنا چاہیے کہ اس پر بھی کا حق ہے اور انھیں مقدار دل کو اس کا حق دینا چاہیے۔ ہم مجبور ہیں، بے بس ہیں کیا نہیں کتے ہماری مدد کرنا اور ہمارا بھوک مٹانا اس کا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے یا اس بات کو نہیں سمجھتے تو ہمیں انھیں بے بات سمجھنا پڑے گی لیکن یہ کام ہی ایک آدمی کے کس کا نہیں بلکہ اس کے لیے ہمیں آپس میں متحد ہو کر فوج بنانا پڑے گی تاکہ ہم میں طاف پیدا ہو اور ہم اپنے حق کے لیے لو لیں توڑھا عبدل بوتا رہا لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے رہا ہے نہ یہی جملہ تالیفوں سے گونج رہا ہے ابھی عبدل اس بات کو محسوس ہی کر پایا تھا کہ جمہور سے فضلی کا لڑکا اسلئے اس کے باپ نے اسکول میں داخل کر دیا تھا لیکن عبدل کے سامنے

اسے جوب جمع میں لٹکا کر دیا گیا ہو۔ وہ ذلت اور شرم کا عالم ہے۔
پہینے ترس رہا ہو گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی نظریں ادا پر
اٹھائیں۔ جمع جیسا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے قلعے
در داندس کے باہر کوٹھڑی کی تاریکی سے دورانی پر روشنی کی کوٹیں
جھللا جھللا کر آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ اس نے
گہرا کر سہ جھوڑ دیا۔ پھر صبح کی سنہری کرنوں نے دیکھا کہ بڑھا ہوا
بھیک کے گڑے کے بجائے انھیں ڈیبا لے جہے کی جھولیں ہیں
سکراہٹ چھاپ ایک نئے عزم کے ساتھ مزدوروں کے اگے
کی طرف بڑھ رہا ہے۔

کھڑا ہو گیا اور مصوٰانہ انداز میں عیدل سے پوچھنے لگا:
عیدل چاہا۔ بات میں طاقت ہے۔ یوں بنائے ہو تو مت غور کیا
کر کے بیٹ کیوں نہیں بھرتے؟ بھیک کیوں مانگتے ہو؟ بھیک کے
لے تو لڑنے کو تیار ہو۔ مزدوری کے لیے تیار کیوں نہیں ہوتے؟ جب
تم بیکہ کرتے ہی نہیں تو پھر تن کیا؟
عیدل کے پاس اسلم کے سوالوں کا کوئی جواب
نہ تھا۔ وہ عاجز حقدوں سے جمع کو دیکھے لگا۔ سب
ہی خاموش تھے۔ عیدل نے اپنی نگاہیں جھکا لیں، ہلم کی آواز اس
کے شور بہ جھوڑے کی طرح چوٹیں مارنے لگی۔ اس نے غصے کیا جیسے



منشی مسیح الدین نے بریل میں لکھا

وہ لوگ جھوٹے میرے آگے سر ٹھیک کر پڑھا آسودہ حال ہو گیا تھا
مل جاتے ہیں تو تو قہر رکھتے ہیں کہ میں انہیں سلام کروں۔ ان اشاد
نہیں الدین کی طرف تھا جس کا ذکر اوپر آیا ہے وہ مکمل ہو گیا تھا۔ مکان
درمیں منزل، ہمیں ہوا لیا تھا۔ پھر ماہی ہو گیا یہ شہت اچھ دی ہے
مگر تم سے یہ اندیشہ ہرگز نہیں۔ تم حال حاصل باپ کے فرزند ہو۔ پھر فرمایا

سفید بالے اور سفید رنگے (دوسرا کتا)

مزدی سفید بالوں کا منہ کا لالہ کے بغیر نہیں گئے۔ انھوں نے آؤ
دیکھا کہ تانور آؤ کاں پہاڑ کا خضاب کے پاس اور چوٹا ہے چھال
کا خوب دیکھتے ہوئے شہر سے دیہات روانہ ہو گئے۔ جاتے کا زائد
دیل کی بھڑکھاؤ۔ جیب میں سدا بہار خضاب ہونے کے باوجود
بلایک کے پڑھا پاندم قدم پر ٹھوکریں مارتا اور جوانی کا خوب
پاش پاش کرتا رہا۔ یہ بچپنا ہے ہے خضاب سکارا تھا سفید
بال اور سفید ہونگے تھے۔

تھے غضب نہیں تو اور کیا ہے کہ ۲۵ سالہ عورت بھی انہیں نہ
کہہ کر پکارتے۔ ان کا بس چلنا تو وہ اسے بڑے میاں کہنے کا مزا
اسی وقت چکھا دیتے لیکن پٹائی کے ڈراہ بان دلے کی دوکان
پر گئے ہوئے آئینے نے ان کا ہاتھ وہ دکھ لیا۔ پولیس والے کے ڈنٹے
نے ڈراہ بان اور بان دلے کے آئینے نے سفید بالے دکھا کر شرم دیا۔
اب وہ شرمندہ کرنے والے سفید بالوں کو زیادہ ہوش تک
رداشت نہیں کر سکتے تھے انھوں نے آخری فیصلہ کر لیا کہ وہ ان



خغل

احقرام اسلام آیت

لے اٹھ رہا ہوں بزم سے میں شنگی کے ساتھ
ساقی مگر چہل قدمی نہ پڑا اب کسی کے ساتھ

ہنس ہنس کے جی رہا ہوں گوہر سے وچھ
وابستہ کتنے غم ہیں میری زندگی کے ساتھ

پھر دیکھے کس قدر ہے سکون بخش زندگی
پہلے کوئی گزار تو لے سادگی کے ساتھ

کھو پاؤں اس کے حسن کی بگچوں میں میں
اٹھا ہوا ہے وہ بھی مری سادگی کے ساتھ

یہم ستم نے آپ کے جھ کو سکھا دیا
ہر اسحاق غم سے گزرتا خوشی کے ساتھ

میں خود پہ ہنس پڑا ہوں تھیں دیکھنے کے بعد
اک اجنبی دیا میں اک اجنبی کے ساتھ

حاضر ہے اشک آپے بسمل بنایا
کیوں جا رہا ہے آپ مشکہ دلی کے ساتھ

پچاس ۱۸۹۲ تک



بیام بیچ پورے

وہ شدت الہی دعا کو ترس گئے
سازشکستہ ہیں کہ صدا کو ترس گئے

کسے کھلائیں جہن خون دل نہ پوچھ
دنگ حسنا دستِ سنا کو ترس گئے
یہ دشتِ آزد، یہ کراکتی غلوں کی لہو
گنگوڑ گیسوؤں کی گٹا کو ترس گئے

کیا پوچھتے ہو گوشِ براؤ ازکب سے ہیں
جیکے ہوئے لبوں کی دعا کو ترس گئے
یا اپنے دم قدم سے تھی نشوونما زیت
یا زندگی کی آبِ دہر کو ترس گئے

ہر سمت ہے جہاں میں کڈرت بھی ہوئی
مدت سے اہل صدق و صفا کو ترس گئے
باہر ادا ہے زیت ہمانے ہی دم سے تھی
یا ہم ہی زندگی کی ادا کو ترس گئے

بجی ہے کب وہ مغلل یاراں کہ آہ ہم
یا راین ہم نفس کی صدا کو ترس گئے
ہر وہ گزرو کہ ہم سے ملی منزل مراد
یا ہم ہی منزلوں کی ہوا کو ترس گئے

لے ساکنانِ شہرِ محبت کہاں تو ہم
بزمِ خلوص و بزمِ وف کو ترس گئے

پچاس ۱۸۹۲ تک

حشر و ماریے خستہ

جنگ آزادی کا

ایک جانباز سپاہی



مولانا آزاد لٹریچر

رہا ہے۔ آپ نے تمام طالب علمی سے ہی شرم کی کہتے تھے چنانچہ اس موقع پر آپ کے اس ذوق نے جو اس وقت دنیا پر آزادی سے قبل کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اردو شاعری صرف ”گل و غشا“ تک ہی محدود ہے لیکن مولانا آزاد نے اپنی شاعری کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان اور اردو شاعری دنیا کی کسی زبان سے کم نہیں۔ یہ ہماری زندگی کے ہر مسئلہ کو حل کر سکتی ہے اور ضرورت پڑنے پر نواز سے بھی زیادہ کام دے سکتی ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے قدیم سے نوجوان دلوں کو کھلایا اور نئے نئے لفظوں کو جنھیں ہر کوئی بھلا کر رہا تھا اس کے علاوہ انھوں نے آزادی کی شان میں کئی قصیدے بھی لکھے۔

تجزیک آزادی کو ترجمان کے لیے گیت بھی گائے۔ خاص طور سے ان کی نظمیں تو بے حد مقبول ہوئیں۔ میرٹھ کے بچے کی زبان پر بھی شرمکے شیر مکی کا چھوڑا آج کل اُپر دکھانا مولانا میرٹھ ہاتھ ہے جب میرٹھ کے گھر گھر میں چوتھے چلے لیکے سوراج مہاراج کا گندھی چلے

حب ستم میں مولانا اسد اللہ خاں گرفتار کر لیے گئے تو میرٹھ کے سرکردہ لیڈر جناب نجم الدین احمد صاحب مرحوم نے نذر دیا کہ اس وقت میرٹھ میں سوا سے مولانا آزاد کے ایسا دوسرے کوئی شخص نظر نہیں آتا کہ ان کی جمعیت اعلیٰ کا ناظم بنایا جاسکے۔ مولانا نے لاکھ لاکھ میں بحیثیت ایک دانشور ہی نفاذ ہر کام کر سکتا ہوگا۔ کانگریسی لیڈران کے آگے ان کا ایک ہی انداز نظر تھا چنانچہ ان پر بنا دیے گئے۔ ناظم ہونے کے بعد آپ نے میرٹھ امداس کے بعد انا۔

ہندستان کی آزادی ہزاروں شہر دلوں اور لاکھوں جانباؤں کی زمین منت ہے۔ برآزادی کے سوا اسے عشر و عشرت اور دولت اور گھر یا کو چھوڑ کر آزادی کی راہ میں نکل کرے۔ اس راہ میں انھوں نے لاتعداد زخم کھائے، تکلیفیں سہیں اور دوا دوسرے کی منزلیں طے کیں۔ لیکن اپنے موٹے سے ایک اچھٹا گوارا لے لیا۔ انھوں نے غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ ان مجاہدین آزادی میں سے ہزاروں تو شہادت کا جام نوش فرما چکے ہیں مگر کچھ ابھی تک بقیات ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض تو ام نوادہ پٹنشی سے بے نیاز و گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسی میں سے ایک ہی مجاہد آزادی مولانا آزاد لٹریچر۔

علیمہ محمد علی ارشد اللہ خاں ولد محمد علی احمد ارشد خاں، مقیم شکر کوئی سالاری گیلٹ شہر میرٹھ، ۹ فروری ۱۹۰۷ء کو لیا۔ موضع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گاؤں میں کے مدرسے میں پائی اور پھر اس کے بعد تحصیل علم کے لیے آپ میرٹھ تشریف لائے۔ جہاں سے آپ نے عالم، فاضل اور مولوی و حنفی کی اسناد حاصل کیں۔ تعلیم فارغ ہونے کے بعد جب اپنے ارادہ و نظر ڈال تو ہندوستان کو خلائی کی رنجور میں مبتلا ہوا پایا۔ اس وقت گاندھی جی کی تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ نوجوان گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہہ رہے تھے۔ آپ بھی اس فضا کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور ستمبر ۱۹۲۲ء میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ یہیں سے آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ کو اردو شاعری سے شروع ہی سے ایک خصوصی لگاؤ

کے بڑے بڑے جلسوں میں دھواں دھواں تقریریں کیں۔ آپ کی تقریروں میں طنز و شوخی طبع کا پہلو زیادہ ہوتا تھا اسی لیے عوام آپ کی تقاریر کا بڑے شوق سے انتظار اور خیر مقدم کی کرتے تھے۔

ایک دن آپ کو علم ہوا کہ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے مگر آپ کو تحفہ باغیت اور تحفہ سرودھتہ جانا تھا مگر میں ان علاقوں میں آپ کی تقریروں کی بڑی ضرورت تھی۔ آپ نے جو خطرہ اپنی منزل کو مدافعت ہو گئے اور باغیت، بڑوٹ پھیر دی اور کوتا وغیرہ میں وہ تشریف آفریں کیں کہ لوگ آپ کی ہمت اور شجاعت کو دیکھ کر عشق و محبت کے آگے تحفہ باغیت سے فارغ ہو کر آپ تحفہ سرودھتہ اور روانہ کئے مگر آپ کو اپنی تقاریر سے گمانے چلے گئے۔

یہاں سے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لوٹے اور جب یہ دیکھا کہ اب میری کوئی ضرورت نہیں رہی ہے تو کوئی میرے لئے ایک پرچہ لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے اور یوں میری تلاش میں سرگرداں ہے اگر یہ صحیح ہے تو میں آزادی وطن کو خاطر اڑانے آپ کو جو قسمی گرفتار کرانے کے لیے تیار ہوں۔ تو آؤ تو صاحب میرے لئے جہاز سہا ہوں گے اسے اور آپ کو گرفتار کر کے جیل پہنچا دیا گی، مگر رام سہاسے جو برٹش درجہ اول کے ایلاسٹس میں مقدمہ معصوم و مظلوم دفعہ ۱۱۱ ضابطہ تجدیدی کے آپ پر چلایا گیا، جہاں سے آپ کو ایک سال کی قید کا حکم ہوا۔

جیل کے اندر چھ دنوں کے اسلامی بوائے والے کے ساتھ انتہائی تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ جیل کے حکام کی جانب سے بیچم ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص چھ دنوں کے اسلامی بوائے کی کوشش کرے تو اس پر ڈنڈوں کی باتش کر دی جائے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف طریقوں سے اس کو اذیتیں دینے کا حکم تھا۔ ابتدا میں چند لوگوں نے چھ دنوں کے اسلامی بوائے کو جواب دیا مگر جب یہ بیچم ہوا تو کسی کی ہمت نہ بڑی۔ مولانا موصوف نے جب یہ دیکھا کہ کوئی چھ دنوں کے اسلامی بوائے کے لیے تیار نہیں تو آپ نے کہا کہ آج اسلامی میں بلوا ڈال گا۔ ساتھیوں نے یہ سچا کی دیا کہ وہ سچے ہیں کہ وہ اس سے قبل مولانا بھی چھ دنوں کے اسلامی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ مگر جب آپ بارگ سے نکل کر دروازہ سے چلا گئے۔

دعویٰ درخو ترنگا پر بار چھ دنوں کا رہا ہے ہمارا تو دوسرے ساتھیوں نے بھی آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ ان کی آن میں پچیس نہیں ساتھی جمع ہو گئے۔ جیل کے حکام اور سپاہیوں نے حجب یہ کیفیت دیکھی تو ڈنڈے اور لاشی لے کر دوڑے اور جمع پر پڑنے لگے۔ مگر گیت نے عدلوں میں کچھ ایسا جوش بھڑکایا تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور چھ دنوں کے اسلامی برابر ہوئی رہی۔ اس موقع پر لالہ موصوف بھلا دہ والوں نے بڑی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے چلا کر کہا۔ ”ہم جیتے ہی چھ دنوں کے اسلامی بند نہیں کریں گے۔ کوئی اپنی جگہ سے ایک اپنا نہ ہے۔“

آخر کار حکام جیل کو اپنی ہاد ومانی بڑی اور چھ دنوں کے اسلامی پوری ہوئی۔ اگلے دن مولانا موصوف کو سپرنٹنڈنٹ جیل نے طلب کیا اور جیل کے واقعہ کی وضاحت چاہی آپ نے صاف صاف سب کچھ بتا دیا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل مولانا کی اس دلیری پر ہنسا لگ گیا اور اس نے جھلکاؤں پر دمہ دن کے لیے ہینڈنگ بندی کی منزا دی۔ آپ نے مسکاکر جواب دیا۔ ”تھینک یو۔“

سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا: ”اچھا ڈنڈی بڑی بھی ہے گی۔“ آپ نے پھر فرمایا: ”تھینک یو دیری جی۔“ اس پر اس نے ٹاٹ کی وردی کا اور اضافہ کر دیا۔ آپ اسی نشان سے تقریباً دس ماہ جیل میں رہے۔ اسی دوران کا مذہبی اردن پکٹ ہو گیا جس کے تحت تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے گئے۔ اس کے بعد آپ مسلسل روزگار لاہور چلے گئے اور ۱۹۳۸ء تک برہمپور میں تقاریر کرتے رہے جس کے صلے میں آپ کو پوریشن میں لاہور کی دوسری ہمانی کوئی ٹری۔ کچھ دنوں فیروز جیل کا بھی پانی پیا۔ ۱۹۳۹ء میں میرٹھ ولسپ اسے اور تحفہ ہاؤس کے رہائش میں کانگریس امیٹار کے حق میں تقریریں کرتے رہے۔ اسی دوران کوئی جگہ کی طرف پارٹیوں کی طرف سے آپ پر جانی حملے بھی ہوئے مگر بار بار اپنی سخت جاتی کی وجہ سے بچے رہے۔

تحول آزادی کے جو سب نے سیاست سے کنارہ کشی کیا (باقی صفحہ ۳۶ پر)

جواہرات

محفوظ دنیا زیت

کہ وہ پیر ویت ایک ڈال یا قوت کا تھا۔ آغا خاں اس کو دیکھ کر شستہ رہ گئے۔ اس وقت دنیا کا مشہور ترین پیرا کوہ نور تاج برطانیہ کی زینت ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہیرا سورج دیکھنے والے کسی شخص کو یا عقاب چہرہ مستحق دم اس کو راجہ کرن انگ انگ اپنے گلے میں بٹا کر لے گا۔ اس کے بعد بکر باجیت کے پاس رہا بعد یوں تک اسی طرح بادشاہوں کے قبضہ میں رہے ہوئے آخر کار ۱۸۳۹ء میں اسٹینڈن کیسی کے ہاتھ لگا اور اس نے لکھنؤ کو راجہ کر دیا۔ یہ ہیرا اپنی آب و تاب و جسامت اور قیمت کے لحاظ سے دنیا میں فر د ہے۔ اس ہیرے کے متعلق طرح طرح کی روایاتیں اور فسانے مشہور ہیں جو اکثر کتابوں میں مذکور ہیں۔ اسی طرح اور تینوں کی تاریخی اہمیت ان کے اثرات اور ان کی جوریوں پر مضامین ملتے ہیں لیکن جواہرات کی اقسام و شناخت افادیت اطفال و خواص اور نسبت نجوم پر سیر حاصل نہ کر سکتے ہیں۔ ان کا استعمال جو کہ ایک مخصوص اور محدود طبقہ میں ہوتا ہے اس لیے عام طور پر لوگوں کو ان سے قنیت کم رہتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں چند خصوصیات اور مشہور جواہرات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ لعل۔ لعل ہندی لال کا معنی ہے۔ اس پتھر کو جواہرات میں قسم اول کا سمجھا جاتا ہے اس کا رنگ سرخ و محکم دار ہے۔ یہ ہندی کی مانند ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لعل کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ حقیقت یہ کہ ایک اور گہرے سرخ جواہر یا قوت کا نام ہے جو بنیاد پر اس صفات اور دیکھتے ہوئے انگارے کی مانند سرخ ہوتا ہے۔ لعل کا قیاس ہے کہ سرخ ہیرے کو کہتے ہیں۔ حقیقت کچھ بھی ہو لیکن مشہور

جواہرات جو ہر کی جہاں جمع ہے لیکن صرف اردو میں ہی مشہور ہے۔ ہر کی جہاں ہیرے اس کا اطلاق مفہور بھی ہوتا ہے جو اہرات کو عام طور پر بن جی کہا جاتا ہے۔ ان کا استعمال راجہ و قوم سے سادہ سگوار ریب و ریت، زمین و آرائش اور نساہ دولت و عزت کے لیے ہوتا آ رہا ہے۔ ان کے زیورات بنائے جاتے ہیں و عادی اور سوئے کے زیورات میں لکھنؤ اچھا ہے، بادشاہوں کے تاج اور ملک کے گلے و نمینیت پہنے ہیں۔ اس کے علاوہ جنگی ہتھیاروں کے دسوں کو مستحق کہنے میں، برتن ہائے اور عورتوں کی بچی کاری میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کے سرگٹ کیس، ٹکڑوں، قلندران، پیر ویت، شیروانی اور قمیص کے من بھی بنائے جاتے ہیں غرض کہ جواہرات اور جواہر نرداروں اور امیروں کے لیے قیمتی ہندی کی چیز ہے۔ البتہ عرب لوگوں میں ان کا استعمال دواؤں کی حد تک محدود ہے۔ ہاں ادنیٰ ادنیٰ قیمت رتنوں کا استعمال عام ہو کر رہتا ہے جیسے عقین، بشب، فیروزہ، مونگا، کلن و کچے یا قوت اور ان کی چینیوں، تامرا، پھیکے رنگ کے نیلم و کھراج، بدستے زرد اور مرگ و غیرہ۔ مشہور ہے کہ آغا خاں سوم کو جواہرات کا بہت شوق تھا اور ان کے پاس تھے بھی بہت۔ ایک بادب وہ مرخانان محلے خاں بہادر نظام حیدر آباد سے لے گئے تو وہ ان گشت کو جواہرات کا ذکر جمی ہوا۔ آغا خاں کو نظام کے جواہرات دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ نظام نے اسے سر ہانے کی میز پر ایک میلا کھیلایا گرد آلود پیر ویت اٹھا کر آغا خاں کے ہاتھ میں دیا۔ آغا خاں نے جب اس کو ہاتھ سے دھو کر صاف کیا تو پیر ویت کا سرخ و اعراس رنگ نکلنے لگا معلوم ہوا

نیا دود

یا قوت دھاتی، قدھاری انارکے داؤں کی مانند کہ دار،
سرخ و درخشاں۔

کھلی باقوت، سیاہی ناکل، عام طور پر دستیاب ہے۔
کوکب یا گول خب چراغ، نہایت سرخ و شفات، منور و درخشاں
دیکھتے ہوئے انگارے کی مانند ہوتا ہے یہ بھی چمکے۔
لالٹوی، باقوت کی ادنیٰ قسم، رنگ پھیکا جبکہ کم آدنی میں نرم
چمکتی، گہرے سرخ رنگ کے کمرے کے دانے کے برابر قدرتی دانے
جو بڑا زور دات میں لکھاتے ہیں۔

لاجوردی اور پیچی باقوت کلماب ہیں۔ باقوت کو قیمت میں
برتر ہوتا ہے۔ آگ میں ڈالے سے باقوت کا رنگ متغیر نہیں ہوتا یہ
کے علاوہ یہ دوسرے تمام جواہرات کو کاٹ اور پس سکتا ہے۔

ظفر اس کے لب رنگیں سے ہم آہنگ تھے ہیں
کمان کا اصل رانی ہے باقوت میں کس نہا

(جواہر شاہ ظفر)

باقوت کا مادہ پیدائش گندھک اور سیلاب ہے۔ منسوب ہے کہ
یوگ میں جس جگہ باقوت کا معدن ہے وہاں پرگ جھک کی پو آتی
ہے۔ باقوت کی پیدائش کے لیے آتش، بدخشاں، بڑا، سیلون اور
برابر مل مشورہ مقامات ہیں لیکن ان سب میں سیلون کا نام بہترین
ہے۔ عربی مصنفوں نے تو اس کا نام ہی جزیرہ باقوت رکھ دیا تھا۔
مذکورہ تو کوئے نکھا ہے کہ وہاں قان نے ایک ٹوکے باقوت کی تصریف
سہی کر اپنا ایک سفر سیلون بھیجا تھا اور منہ مانگی قیمت دینے کا حکم
دیا تھا لیکن وہاں کا راجہ اس کو فروخت کرنے پر آمبی نہ ہوا بلکہ
ہوا کہ اس باقوت کی قیمت اب کروڑوں روپے ہے۔ ابن بطوطہ
نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جزیرہ سیلون میں باقوت متعدد
مقامات سے نکالا جاتا ہے۔ وہاں کی عورتیں باقوت کے پرانے
ٹوکے میں ڈالے جاتی ہیں یہاں تک کہ ہاتھوں میں اس کی چوڑیاں
اور پانچوٹیں ہیں اس کے بازیب بھی پہنی ہیں سفید ہاتھی کے سر
پر سات باقوت مرغی کے انڈے سے بھی بڑے زور کے
طور پر ہیں۔ یہ ہاتھی وہاں کے راجہ کا خاص ہاتھی ہے۔ ابن بطوطہ

لیکن ملیم کہتر اسخیدہ ہیرے سے بہتر اور بیش قیمت سمجھے
جاتے تھے۔ ہیرے کی تراش میں اب سرخ لکھ کا نام بھی سرخ قیمت ہو۔
یہ بات غلط طور پر مشہور ہے کہ ہیرے کو سفید سے کاٹا جاتا ہے۔
درحقیقت ہیرے کی تراش یا ہیرے سے ہی ہوتی ہے کئی دوسرے
عمل، آنگ یا حدبہ آلات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے لیکن
ہندستان میں مخصوص ماہرین اور فقیر اس کا کتہ کر لیتے ہیں جو بہتر میں
ماخضیاں کیا جاتا ہے۔ ہندستان میں ہیرے کی کانیں دہلی اور پٹنا
کی مشہور ہیں۔

ہیرے کی سفیدی صرف لٹل کی حقیقت رکھتی ہے۔ یوں کا کتہ کر
رنگ اس کا میلا ہو جیسے چمکے لکھ
ابو لکھ کی لے سے خط و قول و درجہ سیک

(۲) یا قوت۔ معدنی پتھر میں اس لکھ اور عظیم القدر پتھر کا پتھر
نیرا ہے۔ یہ مختلف رنگ اور اقسام کا پایا جاتا ہے جسے سرخ، ذرڈ
کیو، سیاہی اور سفید۔ ان رنگوں کی ہر قسم ہر رنگ متوسط اور
کم رنگ کی ہوتی ہے۔ ان میں سے بہتر قسم بہت زیادہ سرخ رنگ
کی ہے جو قدھاری انارکے داؤں کی مانند سرخ ہو۔ قیمت کے
تقریب کے لیے ضروری ہے کہ سرخ رنگ کی کے ساتھ ساتھ شفات
بے جرم، بے داغ اور بے لکھ بھی۔ وزن میں لکھ بڑا چھوڑا اور اس کے
تمام اجزا کا رنگ متبادل ہو۔ الماس کے بعد سہی میں باقوت کا ہی نمبر
آتا ہے۔ ان میں بھی باقوت کو بہت ترین ہوتا ہے۔ اس کے بعد سہی
میں سرخ، وردہ، سیاہی اور سفید کا درجہ ہے۔ زرد باقوت کو عربی
میں بسرائق اور ہندی میں کھیراج کہتے ہیں۔ نیلے باقوت کھارکی
میں سلیم اور ہندی میں نیلوتی کہا جاتا ہے۔ یہ اخبار رنگ اس کے
مختلف نام مشہور ہیں جیسے:

یا قوت احمد۔ سرخ رنگ کا مکمل سیاہی۔ رنگ کی تیری اس
کی آکھ کو رادی ہے۔

ارغوانی یا تاہڑا نامہ لکھ کی کھڑچی کو کہتے ہیں۔ یہ چمک اور
آب میں کم ہوتا ہے۔

دودی یا قوت: سرخ ناکل بہ زردی کم قیمت و معمولی۔

برگ ریحان کے مانند ہوتا ہے۔
سلسلی زمرود۔ چھترہ کے پتوں کی مانند مکمل بیابھی رنگ کا۔
زنگاری زمرود۔ زنگار یعنی طویلا سبز اور تانبے کے
مساؤ کے رنگ کا۔

کرآئی زمرود۔ محض زنگار اور ہلکے پتوں کے رنگ کا
اشقی زمرود۔ دھان کے پتوں سے متاثر رنگ کا۔

فستقی زمرود۔ سبزی مکمل بیابھی رنگ کا بہ زمرود کہہ جاتا ہے۔
مورنگ۔ زمرود کی مادہ ہے۔ اس کا رنگ ہلکا سبز مکمل بیابھی
ہوتا ہے۔ اس کو ہاتھی بھی کہتے ہیں غیر شفاف اور کم رنگ ہونے
کی وجہ سے۔ زمرود کی ادنی قسم ہے۔

زمرود کی انگوٹھی کا استعمال رخ طاعون کے لیے ہوتا اور قروح
خبثہ کے لیے مفید ہے۔ اگر ایک منقال (ساڑھے چار ہاتہ زمرود
کو ایک ایک منقال سونا دیا جاندی ملا کر انگوٹھی میں جبکہ قباب
طاعون میزان کے رخ ہوائی میں ہوں نصب کیا جائے تو سبز قلوب
اور ہیبت نظر کے واسطے بے نظیر ہوگی۔ قضاے حاجات کے
لیے بھی عجب ہوگی۔ اس کے علاوہ بے شمار فوائد اور بھی
اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ مثلاً مشہور ہے کہ اگر
اس انگوٹھی کو پہننے والے کے سلسلے زہر آلود طعام آتا ہے تو
زہر سبب سے ملتا ہے۔ اس کو پہننے والے کو کبھی معیشت کی تنگی
نہیں ہوتی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ نبی اس کو دیکھ کر اندھا
ہو جاتا ہے یا اس کی آنکھوں سے پانی جاری ہو جاتا ہے
صاحب سخن دہانے لکھا ہے کہ انھوں نے ان کی آنکھوں پر
زمرود لگا کر دیکھا تھا لیکن نہ وہ اندھا ہوا اور نہ اس کی آنکھوں
سے پانی جاری ہوا۔ زمرود کی انگوٹھی کے سلسلے استعمال سے آنکھوں
کی روشنی بھلی بڑھتی ہے۔

دھاتوں میں زمرود کے استعمال سے جلا ہیبت غریزی
اور اعضاے رشحہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مرغی، حفقان،
جلد، یرقان اور کڑواہ کو ناخ ہے۔

دھ، صوفی۔ موتی کو پانی میں ڈال کر قاری میں مروا دے اور ڈر کہا

نئے راجہ کے یہاں ایک پانی یا قوت کی دیکھی ہو تھیلی کے برابر
تھی اور اس میں عود نکلا ہوا تھا۔ ابو الفضل نے آئینہ ماہروی
میں ایک ذرا چار ماہ گناہ رتی یا قوت کی قیمت پچاس ہزار
روپے قرار دی ہے جبکہ اس کے زمانے میں ایک روپیہ کا
مکھی میں گیسوں فروخت ہوتا تھا۔

یا قوت کی نامکثری کا استعمال قضاے حاجات، رخ
ضرر مہرق اور طاعون کے لیے مفید ہے۔ اس سے تنگی بھی رفع
ہو جاتی ہے اور دل کے واسطے تفریح و نشاط بھی۔ اس کے
علاوہ یہ تقویت اور بصیر، حفظ صحت اور تحلیل اجماد خون کے
لیے بھی ناخ ہے۔ یہ بدلے دہی کو دور کرتی ہے۔

(۴) زمرود۔ زمرود کہندی میں پتا کہتے ہیں۔ زمرود میں اس کو
نفیس اور بہترین قرار دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سونے کی کانہ
میں پیدا ہوتا ہے اور اس کا مکمل مادہ بھی سونا ہی ہے جو جتنے سے
سبز ہو جاتا ہے اور ایکیش سال میں زمرود کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔
معنی رنگ زمرود اور زمرود کو ایک ہی جنس سمجھتے ہیں کہ اختلاف
مادہ سے علیحدہ علیحدہ صورتیں اختیار کر لیتا ہے لیکن سخی میں بڑے
ہے۔ زمرود نرم اور طام جھڑ ہے۔ جبکہ زمرود سخت ترین ہے۔
پرائی کان کا زمرود سبز تر اور نئی کان کا سفیدی مکمل سبز ہوتا ہے۔
اس کا رنگ جتنا زیادہ شفاف اور گہرا سبز ہوتا ہے یعنی ہوتا
ہے۔ وہ زمرود شفاف نہ ہو اور اس کی رنگت میں کڑی کا جالا
سا ہوا عیب دار اور منحوس سمجھا جاتا ہے۔ زمرود برسات میں
پہنتے ہیں اس لیے اس کو برکھارت کا جوہر کہا جاتا ہے۔
زمرود کی اقسام بہ اعتبار رنگ مختلف ہیں۔ مثلاً:

ذبابی زمرود۔ اس کا رنگ سبز زمرود کی مانند ہوتا ہے۔
مشہد ہے کہ ذبابی زمرود پہننے والے شخص پر کبھی نہیں بیٹھتی ہے۔
اس لیے اس کو بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس کے صاف و شفاف رنگ
میں ایک متعجب اور درقصال معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس میں ضرر بھی
تھی مرغی و قضا نظر آئے تو اسے صعدی زمرود کہتے ہیں
ریحانی زمرود۔ اس کو زمرود بھی کہتے ہیں۔ اس کا رنگ

مکوتر کے اندسے کے برابر موتی تو قدر و اہمیت میں بے شمار ہوتا ہے۔
موتی بہت کم گول ہوتا ہے۔ زیادہ تر گولگیڑی یا ناقص گولہ نما
اور غیر معین شکل کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کا رنگ بھی مختلف
ہوتا ہے۔ رنگ اور شکل کے اعتبار سے موتی مختلف ناموں سے
پکارا جاتے ہیں۔ مثلاً

گورخ کھٹاں۔ بالکل گول موتی جو اپنی گولائی کے سبب ایک بگ
قائم نہیں بلکہ غلطاً رہتا ہے۔ اس کو قیمتی خیال کیا جاتا ہے۔
درشت ہواں۔ بڑا اور خوش آب موتی جو یادداشتا ہوں
کے خزانے میں ملتا ہے۔

درتیسہ۔ وہ موتی جو سیب میں ایک ہی بنے۔ یہ عجیب و غریب
اور قیمتی ہوتا ہے۔ اس کو ڈھکیتا بھی کہتے ہیں۔
مشاخصی موتی۔ ایک طرف سے ہلکا اور دوسری طرف سے
طرف سے ٹھیک دار ہو۔

عدسی موتی۔ مسودہ کے چھلکے کے رنگ کا موتی۔ اس کو
ہندی میں کا کا پھی کہتے ہیں
مختصر۔ بالکل مسودہ جیسی رنگ کا موتی۔
میتنی موتی۔ زردی مائل سفید موتی۔ دونوں کناروں سے
قدر سے رہا ہوا۔

رصاصی۔ قوس قزح کے مانند ہفت رنگی جھلک کا موتی۔
رصاصی۔ سرخ رنگ کا موتی۔
شمعی۔ دھاتی رنگ کی جھلک کا موتی۔
مشیرفہ۔ دودھ کی رنگت کا سفید موتی۔
مخا اسی۔ زیتنی رنگ کا موتی۔

موتی کی پیداوار کے لیے بحرین اور عمان مشرق وسطیٰ
ہیں۔ اس کے علاوہ مسیلا، برازیل اور ہندوستان میں
بھی پیدا ہوتا ہے۔ جس مہند کے نیچے کی جگہ سنگھار ہو وہاں
کاموتی اچھا سمجھا جاتا ہے۔

موتی اعلیٰ درجہ کے اور اعلیٰ قدر کے ہوتے ہیں۔
جیسے موتی کو روکی اور بند کرنا ہے۔ جس کو سمجھنا اور پکڑنا

جاتا ہے۔ یہ موتی پیداوار نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس کا شمار
جو اہرہ میں ہوتا ہے۔ جو اہرات اور موتی میں ایک فرق تو یہ ہے
کہ جو اہرات وہ سب معدنیات کی طرح کان سے نکالے جاتے ہیں
اور موتی ایک سمندری جانور صدف کے جسم میں پرورش پاتا ہے۔ موتی
وہ سب جو اہرات کی برائیت نرم ہوتے ہیں ادا ان پر آسانی
سے غرائز ڈالی جاتی ہے۔

موتی کی پیدائش کے متعلق زمانہ قدیم سے طرح طرح کی
روایتیں مشہور ہیں، جیسے یہ سمندری جانور صدف کی برائی کے دلنے
ہیں یا ارمینیاں کی پہلی دوند سے سیب میں موتی نکلیں گا ورنہ اسات
میں نہر اور پہاڑی میں جن پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ ساری روایتیں غلط
ہیں جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ موتی ایک خاص قسم
کے صدف کے ماتے سے تیار ہوتے ہیں۔ مادہ صدف کی تہ میں
جمع رہتا ہے جس کو صدفی تہ کہا جاتا ہے۔ جب کوئی خارجی ذرہ یا
کیڑا مکڑا اس صدف میں داخل ہوتا ہے تو صدف ساز غلیے اس فتنہ
کو ناپ دار مادے سے گھیر لیتے ہیں اور اس ذرہ یا کیڑے پر مادے
کی تہیں چڑھتی رہتی ہیں اور کچھ سال کے بعد موتی بن جاتا ہے۔ موتی
کا رنگ بھی وہی ہوتا ہے جو اس صدفی مادہ کا ہوتا ہے۔

عام طور پر موتی تین قسم کے پائے جاتے ہیں۔ اول تو قدرتی
موتی جو صدف میں خود بخود بنتے ہیں۔ دوم کچھ قدرتی جو معدنی طور
پر صدف کے اندر پائے جاتے ہیں۔ یہ کم وقت میں تیار ہو جاتے ہیں
اور ان کی تہیں قدرتی موتیوں سے کم اور موتی ہوتی ہیں۔ کچھ قدرتی
کی کاشت جا پان میں بہت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ شیشے کے
نقلی موتی بھی ہوتے ہیں جو بائیں کیے ہوئے بازار میں عام طور پر
ملنے ہیں۔

موتی بڑے سے بڑا مکوتر کے اندسے کے برابر اور چھوٹے سے
چھوٹا مشغاش کے دانے کے برابر ہوتا ہے۔ بڑے موتی کی قیمت
اس کے سائز کے اعتبار سے بڑھتی جاتی ہے اور چھوٹے موتی کا
پرواز کے حساب سے فروخت ہوتا ہے۔ اس اور دواؤں کے
کام آتے ہیں۔ بڑے موتی زیورات کے کام میں آتے ہیں اور

ہے پتھری جھلک والے فیروزہ کو سیلا اور آسمان کو فیروزہ کو کھٹکلا گئے ہیں۔

فیروزہ کا مادہ نکلون میں کشر گدھک اور قلیل سہا ب ہے۔ اس کا انعقاد نظر وصل سے روہ پاکرمات سال میں ہوتا ہے۔ کرمان اور شیراز کا فیروزہ دوسرے سعیدی مائل ہوا ہے۔ اس کو تبرکوم کہتے ہیں۔ نیشاپور کا فیروزہ میں سیلا ہٹنہ مادہ ہوتا ہے۔ اسے نیل قوم کہتے ہیں۔ بہار و عزیزی، روح باصرہ اور دل و دماغ کے لیے معوی ہے۔ اس کا استعمال اپہننا، تھمن پر نفع مندی کا سبب ہوتا ہے۔

(۷) فیروزجہل۔ یہ پتھر بھی زمرد کی مانند سولے کی کال سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کے بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ صاف اور کم رنگ کو مقہری، وردی مائل یا سبزی کو قہجی، اور زردی مائل یا سرخی کو ہندی یا زرد کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قریب سرخ صحت میں ہوتا ہے۔ یہ صحت میں کمزوری کثہ کر کے انگھڑی میں نصب کرنا چاہیے۔ انگھڑی باعث تسہیل ولادت اور فرحت قلب دار و راج ہوتی ہے جب طالع سرطان میں ہو تو اس پر پھل کی صورت کثہ کر کے جال میں لگا لیا جائے۔ رائے میں لپیٹ کر تو پھیلیاں بہ آسانی جال میں آجاتی ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ زہر جھکے پیالے میں تراب پیے سے لشم نہیں ہوتا ہے۔

ان کا رنگ سرخ زخا اور گراہیگا جو زہر جھکے زمرہ کا نمونا ہو گیا (د آخ)

(۸) کاجورد۔ یہ مخصوص اور مشہور پتھر ہے جو نمونا کا شہرہ دار ہوتا ہے۔ اس کا اصل رنگ نیلا براق نقطہ طار کے ساتھ ہے۔ یہی بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد کبود بہرخی نفیسی اور سبزی مائل بھی ہوتا ہے۔

لاہور کے داخلی و خارجی استعوال سے درگدہ و حفت و غم اور امراض سودا ویکہ کا مادہ ہوتا ہے۔ دل و دماغ کو فرحت دیتا ہے۔ آشوب جہم اور جالے دماغ کے کو مفید ہے۔ اس کی بنی ہوئی سلائی پھرنا آنکھوں کے امراض کے لیے باقی صہ مفید ہے۔

کو دور کرنے میں مفید ہے۔ بواسیر کو نافع ہے۔ اس کا سرمد و حلول آشوب جہم میں نافع دیتا ہے اسی طرح اس کا سونج بھی نفیسی دیتا ہے۔ خضار و حن کی بیماریوں میں مفید ہے اس کو حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خوب باریک پیسنے کے بعد ایک سبزی میں بھر کر اس میں آپ ترغ بھر دیا جائے اس سبزی کو کھل حکمت کو کے ایسے برتن میں مخلوق لگا دیا جائے جس میں سرکہ بھرا ہو۔ پھر اس برتن کو گھور کا کی لید میں دفن کر دیا جائے۔ چودہ روز میں مردار یہ مخلوق جو کھا گا یمن توگ نیز شفاف اور کم رنگ موتی کو صاف کر کے اس کی قیمت بڑھاتے ہیں۔ اس کو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کبوتر یا مرغ کو کھلا دیا جائے۔ اس کے مدہ کی گری سے موتی صاف ہو جاتا ہے۔ اول تو وہ بڑا بڑا بیٹ میں ہی صاف شدہ موتی خارج کرنے کا در نہ پھر اس کو ذبح کر کے پٹے یا سنگ دانہ سے نکال لیا جائے موتی یا زرد کو اور دوست اعلیٰ میں خصوصی جگہ ملی ہے۔

آبرو دینے خلاصوں کی بڑھانے کے لیے آج صبا کے کرم کا در غلط آنا پتا ہے کہ آبرو کوئی کوئی کی آب ہے تم نے جوڑ لیا کسا میری عن بزرگی (جلال مضمونی)

۱۱) فیروزہ۔ بشہر و شہر فیروزہ، آسمانی، سلا اور سبز ہوتا ہے۔ اس کا صحن بیتا پوس، منجند، کواہ، شعواز، اور یا نیجان اور سمٹ میں ہے۔ سبے بہترین اور خوش رنگ فیروزہ بتا پور کا ہوتا ہے اس کا رنگ صاف اور متوازی ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ ہوا کی صفائی کے ساتھ فیروزہ صاف ہوتا ہے اور ہوا کی کدورت اس کو بھی کد کر دیتی ہے۔ رنگ کی خوشبو، بینہ اور حرجی سے بہرہ رکھتا ہے۔ اس کو مردہ، نقور کرتے ہیں۔ اس سطح کے نزدیک جو قرن بھی مردہ ہو جائے اور اپنا رنگ خراب کرے اس کو ہسنا چاہیے۔ اس قسم کے فیروزہ کو آج اسحاق کہتے ہیں۔ یہ پٹھنوں کا ہوتا ہے۔ ازہری، سلیمان، ورنوی، آسمان گونی یا خانی، عبد الحمیدی، انیس اور مجتبیٰ آخری قسم کے کم قیمت اور ادنیٰ

لہ قہندی میں کوا قہر و شہرہ اس کے منی ہیں، دہر جا، کل جا

ایک جہ رنگ، کم رنگ، صاف و شفاف، مکدر و غیر شفاف ہوتا ہے۔ مومن سے نکلے وقت کم رنگ ہوتا ہے لیکن اس کو طبع دس کر رنگین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد تراشا جاتا ہے۔ بعض نگوں پر تاج و درخت کی شکل بنی ہوئی ہے۔ اس کو عقیق شجری کہتے ہیں۔ اکثر عقیق سیاہ کی بالائی سطح کے خطوط سفید ہوتے ہیں۔ ایسے عقیق کو رنگ سلجانی اور بابا عوری کہتے ہیں۔ اس کی تسبیح بنائی جاتی ہے۔

احباب میں عقیق کی فضیلت دے کر تارخ و اس و فوارہ ذکر ہیں۔ اس کو پختہ، عصب و عصبہ کی حدت دیتی ہے کہ ہوتی ہے حقائق اور سوس اس کو تسکین ہوتی ہے۔ تسخیر قلب اور استقامت و حرات کے لیے معد ہے کہ جس کو عقیق کو مشک و کافور اور جن ربون میں بسا کر انگوٹھی میں نصب کیا جائے اور بادشاہ و حکام کے سامنے جائے وقت اس کو اسے ہاتھوں اور زینہ پر ملا جائے نوہ در بدر حاصل ہوتی ہے اور اس کی انگوٹھی کو بیسے والا محبوب خلافت ہوتا ہے۔ اور وہ خواہ کے بیان اس کا ذکر صریح کرتا ہے۔

آہیرہ ترے گوتی کا ہواں بندر کمال عقیق کاں میں سے نکل گیا
و آتش،

سارا جہان نام کے تھے سارے انسان کیا، عقیق میں سے نکل گیا
(تیسری بیانی)

(۱۲) دھندہ فونگ - وہ ہونگ ستور پتھر ہے جو اسے اور جہادی کی کال سے برآمد ہوتا ہے۔ یہ مختلف الاوان ہوتا ہے۔ سب بہتر رنگ سبز تیرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لیے تاؤسی مال، یہ سبھی، پھر زرد رنگ کہ سب سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ فولاد پر گھسنے سے یہ سبھی جلازی اور تانبے کا کسٹ دیتا ہے۔ سونے کے کس و الاس سے چلی سمجھا جاتا ہے اور اس کے بعد جلازی کے کس کا۔ وہ ہونگ جس کس کا ہواں کو اسی دھات کی انگوٹھی میں بننا جاتا ہے بشور ہے کہ یہ درگروہ کو جذب کر لیا ہے۔ بارود کی شدت سے خود بجا پھٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حافظہ روح اور پاک کنہہ کہ مومن ہے۔ اس کا سر مدنیان کو قوت دیتا ہے۔

اس کا رنگ بھی تاریک یا جانا ہے جو فوری ہوتا ہے۔ آتش کہتے ہیں۔ کرتے موصو اس کو تھیر پھریش ہوتا جو ترے خاصا کچھ لا جو دیا یا (۹) شیش - یہ پھر مختلف الاوان اور سخت ترین ہے۔ اس کا سب سے بہتر رنگ ریتونی سمجھا جاتا ہے۔ پھر سبز مال، یہ وردی اور اس کے بعد سبز مال، یہ سفیدی۔ آخر دالے کو کافوری بھی کہتے ہیں۔ شیش کی قیمت اس کے خوش رنگ ہونے، صفائی، صلی اور شفاف ہونے پر مقرر ہے۔ کہ جس کو کفر جب ربح امتی میں ہوا تو اس پر صورت انسانی کندہ کر کے انگوٹھی میں نصب کرنا چاہیے۔ یہ بالو بھی آلام باطنی و سواس، حقائق اور امراض دماغی کے لیے نافع ہوتی ہے۔ اس کا داخل استعمال دل اور معدہ کو قوت دیتا ہے۔ بستہ خون کو تحلیل کرتا ہے اور دم کی میں سفید ہے۔

مہرجان - مہرجان کہندی میں مونگا کہتے ہیں یہ ایک سندری و تخت ہے مگر اس کا شمار بھی ہوا ہر اس میں ہوتا ہے۔ سونے کا درخت شاخ وادے برگ و خر ہوتا ہے جس کو ایک سندری جاؤراپے لعاب دہن سے بتاتا ہے یا ان جاؤروں کا گھر ہے یہ جاؤرونگ کے پیاؤ اور ارب اور جزیرے تک بنا ڈالے ہیں۔ اس کی جڑ کو بند کہتے ہیں۔

مونگے کے مختلف رنگ ہوتے ہیں سرخ، سفید اور سیاہ۔ بہترین مونگا بڑا سرخ ہے جو اسیے سورخ کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد سفید کا درجہ ہے سیاہ سب سے ادنیٰ سمجھا جاتا ہے۔

اس کا استعمال نازک، لغوہ اور غشہ کے لیے ہے۔ معدہ، جگر و طحال کو طاقت دیتا ہے۔ بچوں کے گلے میں ڈالنے سے فائدہ میں چونکے، دانت کٹانے اور ڈر کروانے کے لیے علاج ہے (۱۱) عقیق - سرخ رنگ کا ایک پتھر ہے جس کی اکثر مسریں کھودے ہیں اور انگوٹھوں میں لگاتے ہیں۔ دوسرے جواہر پتھر کی مانند آگ کا اس پر بھی اثر کم ہوتا ہے۔ سب سے بہتر عقیق چین کا سمجھا جاتا ہے جو سختی میں بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں سرخ، زرد، سفید و سیاہ۔ ان میں سے ہر

اردو اکاڈمی کی ایک سال کی سرگرمیوں پر ایک سرسری نظر

اور ائسنڈے کا پروگرام

کا کھڑکراتے اور دستر کے احراجات کے لیے رکھا گیا ہے۔

اردو اکاڈمی کے پہلے سال یعنی ۱۹۵۷ء میں ۵ لاکھ ۵ ہزار روپے کی رقم دی گئی تھی۔ یہ رقم خریداری سے کمال کمزوری سلسلہ کے اخیر میں ایک سینک میں جمع کر دی گئی۔ اس رقم میں ۳۱ مارچ ۱۹۵۷ء تک تقریباً ڈیڑھ ہزار روپے صوبہ ہوسکا تھا حکومت نے ۱۹۵۷ء کے سوشل میں ۵ لاکھ ۵ ہزار روپے اردو اکاڈمی کے لیے منظور کر دیا اور اس طرح مالی سال رواں کے شروع میں اردو اکاڈمی کے پاس تقریباً ۵ لاکھ ۵ ہزار روپے موجود تھا۔ اردو اکاڈمی نے اس وقت تک ۴۴ کتب حائل اور دارالاطلاعوں

کو اردو کتابوں رسالوں اور اخبارات خریدنے کے لیے ایک لاکھ پانچ ہزار روپے منظور کیا ہے کتب خانوں سے اکاڈمی کے لیے خریدنے کے لیے مدام برائی امداد کے لیے دوبارہ درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔ درخواستیں وصول ہو جانے پر سب کا ایک جائزہ لیا جائے گا اور پہلے لائبریری سب کیٹی ان پر محدود کر کے پھر مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے بعد امداد کے اندر اندر ایک لاکھ دس ہزار روپے اور انھیں تقسیم کر دیے جائیں گے جس کتب خانوں کو مالی امداد ملی ہے اس کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ دوسری درخواستیں اس وقت بھیجیں جس میں اس کے تمام حالات و تفسیروں کے دستخط ملے ہوں اور لائبریری سرٹیفیکٹ بھی منسلک ہو۔

الغی سب کیٹی اس وقت تک ۸۳ اردو مصنفین کو جو ملک کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں تقریباً ۸۶ ہزار روپے ان کی تالیفات و کتابوں پر تقسیم کر چکی ہے پچھتر سو روپے ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء تک کی مدت میں شائع شدہ اردو کتابیں ۲۲ جنوری ۱۹۵۸ء تک طلب کی گئی تھیں اور تقریباً ۱۱۵۵ کتابوں کی آٹھ لاکھ طبعی اکاڈمی کے دستر کو وصول ہو چکی ہیں

ازدیتیں اردو اکاڈمی کی مجلس انتظامیہ کی پہلی میٹنگ ۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوئی تھی اس وقت سے اب تک ایک سال کے عرصے میں اردو اکاڈمی کی کونسل کی ایک میٹنگ (۱۵ جولائی ۱۹۵۷ء) اور مجلس انتظامیہ کی تین میٹنگیں ہو چکی ہیں۔

مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے مطابق اس وقت حسب ذیل سب کیٹیاں اکاڈمی کے مختلف شعبوں کی دیکھ بھال کر رہی ہیں مختلف مسائل پر پہلے سب کیٹی خود کو مقرر کرتی ہے اور اس کی سفارشات کو مجلس انتظامیہ کے سامنے تحریری صورت میں پیش کیا جاتا ہے مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے بعد کارروائی کی جاتی ہے۔

(۱) تعلیمی سب کیٹی (۲) انصافی سب کیٹی (۳) مسودات سب کیٹی (۴) لائبریری سب کیٹی (۵) امداد و مصحفین سب کیٹی (۶) اشاعت کتب سب کیٹی (۷) رابطہ عوام سب کیٹی (۸) تقریرات سب کیٹی (۹) اکاڈمک سب کیٹی اور (۱۰) تقریرات سب کیٹی اس سب کیٹیوں کی متعدد نشستیں ہو چکی ہیں۔

اردو اکاڈمی کا کتب جو حکومت نے منظور کیا ہے 5,00,000 روپے ہے۔ اس میں سے 10,000 روپے کتب حائل اور دارالاطلاعوں کے لیے اردو کتابیں رسائل اور اخبارات خریدنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اور 50,000 روپے کتابوں یا امداد دینے کے لیے دیا گیا۔ تین لاکھ اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام کتابوں کی اشاعت، اردو کے معبود معارفہ مالی حیثیت سے برائیاں اور دیوانہ اور شاعروں کو مالی امداد دے اردو ریسرچ کے لیے اردو اسکالرشپس کو مالی امداد دے، اردو مسودات کی اشاعت میں جزوی مالی امداد دے، اردو کے سلیس میں سمیاد سحر کولے اور پرائیویٹ

ہر کتاب کی ایک جلد جلد حسب قاعدہ انعامی سب کمیٹی کے ممبران کا بیج
دی جائے گی اور اسی طرح کے ستر شروع میں اضافی سب کمیٹی کی پیشکش
لائی جائے گی تاکہ اراکین ال کے ہاے میں ملے دے سکیں۔ سب کمیٹی کی
سفارشل کو مجلس انتظامیہ کے سامنے جوایح کے وسط تک چر لائی جائے گی
میں کیا گیا ہے گا۔ اور یوری امید ہے کہ ایک لاکھ روپیہ جو ششہ کے تحت میں چھوٹ
کی گیا تھا اس کے امدادی خسرت چر جائے گا اس طرح شائع شدہ معیاری اود
کتابوں پر ان کے مصنفین کو تقریبا دو لاکھ روپیہ تقسیم کر دیا جائے گا۔

اکاڈمی معیاری اور دوسری مسودوں کی طاعت میں احراجات کے
یچاس فی صدی تک مالی امداد دی ہے۔ اس دت تک تقریبا ایک سو بیس
سودے اکاڈمی کو وصول ہوئے اور ۳۳ مصنفین کو ۲ ہزار سات سو پچاس
روپیہ ان کے مسودوں کی طاعت میں مالی امداد کے طور پر دیا گیا۔
مسودات کی طاعت کے سلسلے میں اکاڈمی کے ایسے کچھ قواعد و ضوابط وضع
کیے گئے ہیں۔

معمود اور مالی حیثیت سے بریاں اور دھوڑوں اور شاعروں کو
مالی امداد دینے کے لیے بھی قواعد و ضوابط تیار کیے گئے ہیں اور ان کے مطابق
اس وقت تک ۱۸ اودیوں اور ضاعوں کو کل ملا کر سات ہزار اٹھ سو پچاس
روپیہ طور پر دیا گیا امداد کے ایک دستور ادب حساب جاما خدا شریعتی کو بہت
امداد اور مالی حیثیت سے بریاں میں یک دم سے اس سے سو روپیہ مالی امداد
مقرر کی گئی ہے اور ایک دوسرا دس دس ہزار روپیہ امداد کو ملازم
سے رہا کر ہو چکے ہیں اور انھیں کوئی دت بھی نہیں ملتی اس لیے سے سو روپیہ
مال دینے کی سعادت سن کی گئی ہے

اکاڈمی کے اغراض و مقاصد میں ایک سبایت اہم مقصد اکاڈمی
کے راجہ اہم مختلف موضوعات پر کتابیں تخری کرنا دوسری باتوں سے اود
میں ترجیح کر کتابیں تالیف کرنا جو اس سے متعلق کتابیں تالیف اور اشاعت
کتابوں کو دوسرا تالیف کرنا شامل ہے اکاڈمی اب اس پروگرام پر بھی
عمل درآمد شروع کر دیا ہے اس بات کت سب کمیٹی نے اکاڈمی کے راجہ اہم
شائع ہونے والے کتابوں کے سلسلے میں قواعد و ضوابط وضع کر لیے ہیں۔ ان
قاعدہ و ضوابط کے مطابق حق مصنفین کی کتابیں اور دواک اڈمی شائع کرے گی
انھیں کتابوں کی قیمت فروخت پر بیس فی صدی اڈمی دی جائے گی جس

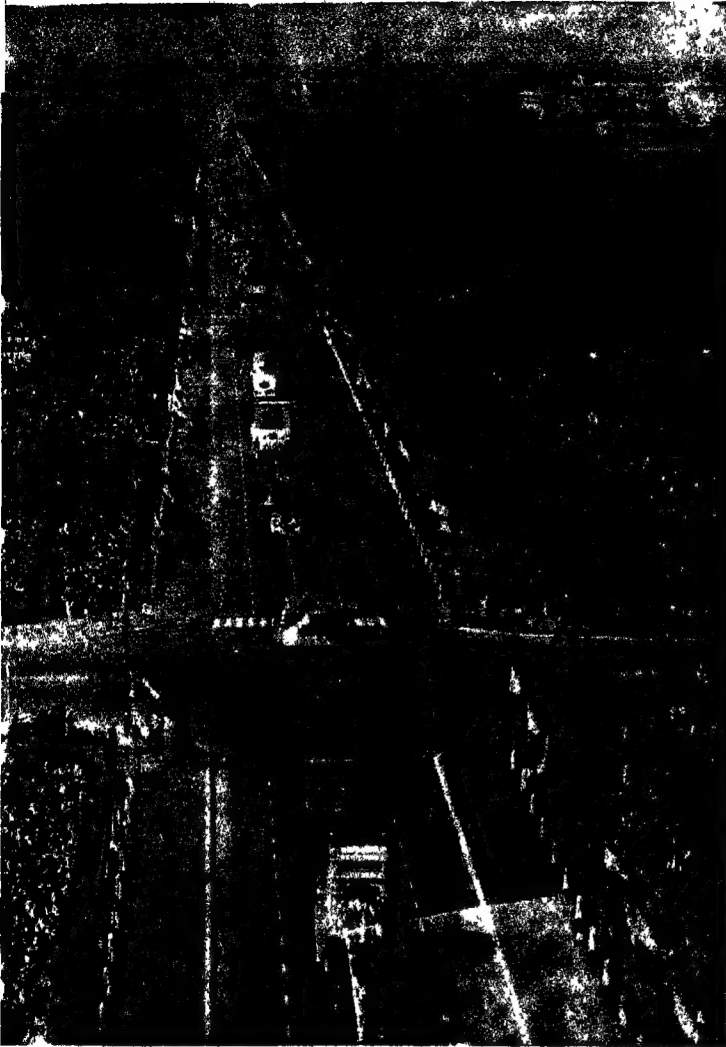
میں حق طبع بھی شامل ہے اکاڈمی نے فی الحال اپنے اہتمام میں کتابیں
تالیف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سب کتابیں بنانا شروع کرنا جو کسی کی فنی فنون
کا مجموعہ جاسا تا خدا ہے دوسری کتاب جناب علی حواہ ہندی کی تصدیق
نگاروں اور پڑش "اندھیری کی کتاب ڈاکٹر محمد حسن کی "ارسطو کی تصدیق
حصہ اول ہے اکاڈمی اود کی تعلیم سے متعلق تمام سرکاری احکام بھی کرے گی
صوت میں شائع کرانے کا ارادہ بھی رکھتی ہے ان سرکاری احکام کا اردو
ترجمہ ہو گیا ہے۔ اگلے سال سے اکاڈمی کے اس پروگرام

پر زیادہ سرگرمی سے مل دے گا جو کتابوں کے موضوعات
عائیں گے اور مصنفین سے نئی کتابیں نکھوائی جائیں گی دیغو۔
امداد اکاڈمی کی ایک سبایت اہم تعلیمی سب کمیٹی ہے جو اردو
کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں پر نور کرتی رہی ہے اور اس بر علم
ایا فیصلہ کرتی ہے اکاڈمی اس دت تک اکاڈمی نے شمول
۵۰۔۶۰ سو روپے طور پر دیا ہے ان کا تعلق برائری سے ہے کہ کتاب
الکول کی شش تک ہے یہ تمام خوبزیر حکومت کے پاس بھیج دی گئی
اور دت تعلیم اور اردو سے متعلق دوسرا سو کے سلسلے میں ایک سو
تیار کر لیا گیا ہے جس میں اردو تعلیم کے سلسلے میں اردو کے سلسلے
طور سے ہیں آئے والی تمام دتوں کو بیان کر دیا گیا ہے اور اس کے
ہی یہ بھی تیار کیا گیا ہے کہ دتیں کیسے دود ہو سکتی ہیں۔

تقریبات سب کمیٹی کا مقصد ہے کہ اردو کو فروغ دینے کے سلسلے
میں سینار بھی اور دوسری تقریبات کا انتظام کیا جائے یہ سب کمیٹی
حال ہی میں تشکیل ہوئی ہے اور اساتذہ اردو جامعہ اب ہند کی
جو بھی کافر سے توقع پر ملے تقریب اکاڈمی کی طرف سے کی گئی اور ایک
نہ کر کہ ابھی اہتمام کیا گیا سب کمیٹی نے اردو کے تعلیمی مسائل آرا
کے مدار و درائل اور اود کی موجودہ صورت حال پر سینار کرنے کے علاوہ
ایک شبہ فہارے ملے بھی پروگرام بنایا ہے جس میں یہ تجویز کی گئی ہے
کہ سارے ہندستان سے اردو کے تمام مشورہ افسانہ نگار بھیجے جائیں
اور دت ستوں میں ان سے غیر مطبوعہ اور تازہ ترین افلائے سلسلے
استرہا کی جائے اس موقع پر اردو افسانہ نگاری پر دوا ایک مقاد
بڑھوانا بھی پروگرام میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ ایک س



لکھنؤ میں ریاستی اترپردیش لائبریری کی ۱۱ ویں قسط کا آغاز۔ تصویر میں دوائی اور دیگر سرنگٹ کے سڑاں دکھائی دے رہے ہیں جن میں آؤں، اعصاب



یہ جہازوں کی پرندہ کے وضع پر مبنی دلی میں ملک بھر کے ۱۲ ٹیلیوڈوں نے ثقافتی مجلس میں متحدہ لیا۔ ان ٹیلیوڈوں کے ذریعے
ہندستان کی جہد و جدوجہد آزادی کو بچھڑا کر لیا گیا تھا۔ تصویر میں مختلف ریاستوں کے ٹیلیوڈوں کا مجلس راج بھرتی گروہ ہے۔

